جنوری

جشنِ جمہوریت نمبر

ایڈیٹر: سرور تونسوی

JAUHAR WARSI

HAMID QUAISAR
DHULIA

DAM WAHIDI
CHHATGARH

VAQAR TAHIRI
TILHAR

AATIR

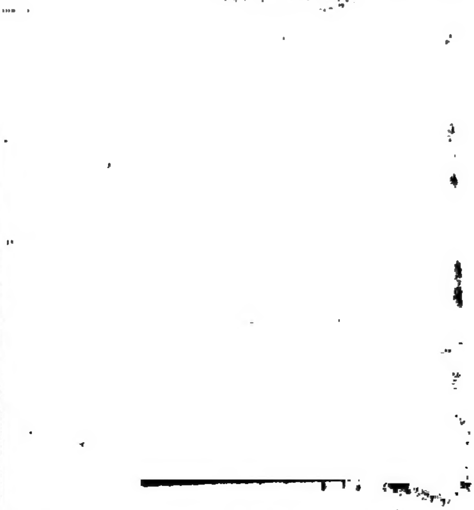

LIYAQAT HUSAIN
"SHARAR" CALCUTTA

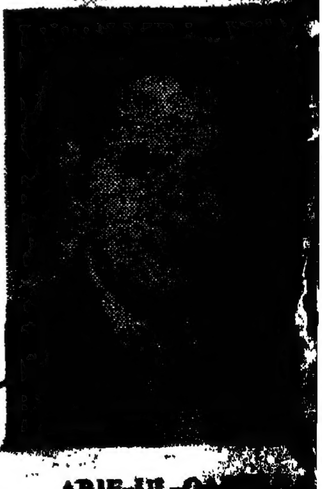

ARIF-UL-Q

رجسٹرڈ نمبر ڈی ۲۷۰
فون نمبر ۲۷۸۸۸۰

ماہنامہ شانِ ہند دہلی

ایڈیٹر: سرور تونسوی — قیمت سالانہ دس روپے — قیمت فی پرچہ
جلد ۲۷ — جنوری سنہ ۱۹۷۶ء — شمارہ ۱

فہرست

افکار و واقعات	ادارہ	۳
ہمارا عزم	خنجر خیر آبادی	۵
سنجے گاندھی	ایڈیٹر	۶
سُن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا	گوپال متل	۹
اہم خبریں	ادارہ	۱۰
ایک کسنکری	فیاض گوالیاری	۱۳
نیا سال	کلیم سوجتی	۱۵
عظمتِ ہندوستان	حافظ (مجمی)	۱۵
عہدِ وفا	نازک الہ آبادی	۱۶
اظہارِ صداقت	ناز لائل پوری	۱۶
خط غلط، املا غلط، بیجا غلط، انشا غلط	اے۔ عظیم صدیقی	۱۷
جناب ایم۔ حسین ناشاد (مرحوم) کے نام خط		۲۲
امرتسی	تحسین دیوبندی	۲۲
نعرۂ وطن	جگر بستوی	۲۳
پیامِ جمہوریت	نثار گورکھپوری	۲۴
مشاعرہ رودولی خطبہ میرٹھ	کری الاصاحی	۲۵
آل انڈیا مشاعرہ	〃	۲۶
حکیم محمد شاہ عادل	....	۲۷
پیام حامد	....	۲۹
وقار طاہری	....	۳۰
غزل	حمید قیصر	۳۰
عارف القادری امیر تخار کے آئینے میں	سراج انور مصطفیٰ آبادی	۳۱
لیاقت حسین شرر	....	۳۲
ماہر صدیقی بستوی	مجیب بستوی	۳۳
حمید قیصر	انیس الرحمٰن	۳۴
سازِ جمہوریت	امرچند قیس جالندھری	۳۵
جشنِ جمہوریت	گیان چند منصور	۳۵
بھارت رتن کی بیٹی	عارف القادری	۳۶
غزل	ذکی جالنوی	۳۶
میعاد کی کسوٹی پر	مقام عشق آبادی ـ عزیز اندوری	۳۹

ارجہان جالالر کے افسانوں کا تازہ ترین مجموعہ
عکسِ آئینے کے
جو سال ۱۹۷۵ء کی بہترین افسانوی تخلیق قرار دی گئی ہے قیمت آٹھ روپے
دفتر شانِ ہند فلیٹ ۲ انصاری مارکیٹ دریا گنج نئی دہلی

موتیابند اور پائیوریا کے مریض توجہ فرمائیں
[illegible]

بے حد لطیف انسان — **شاعرِ جادو بیان** — **اُردو کا عاشق**

قومی یک جہتی کا خواہاں — **شرافت کا نمونہ** — **انسانیت کا پیکر** — **مذہبی تعصب کا دشمن**

ہر غمزدہ کا ہمدرد — **ہر ضرورت مند کی حاجت روائی کے لئے کوشاں** — **مشاعروں کا رُوحِ رواں**

غرضیکہ انسانی پیکر میں واقعی اِنسان اپنے جدِ امجد گورونانک دیوجی مہاراج کی تعلیمات کا مظہر

کنور مہندر سنگھ بیدی سحر

کو ایک ارمغانِ عقیدت و خراجِ محبت

کنور صاحب کے عزیزوں، رفیقوں، دوستوں، مداحوں اور عقیدت مندوں کیلئے ایک گرانقدر ہدیہ عزیزوں کی یگانگت، دوستوں کی محبت، صحافیوں کے جذبات، عام ملنے جلنے والوں کے تاثرات، دیریوں کے خیالات، نجی زندگی کے کوائف و حالات اور کنور صاحب کی شاعری کے انتخابات سے لطف اندوز ہونے کیلئے

شانِ ہند کا شائع ہونیوالا

جشنِ سحر نمبر

ضرور پڑھیے

ZOAS

34720

جو عنقریب ہی دہلی میں منائے جانیوالے جشنِ سحر کے مبارک موقع پر شائع ہو رہا ہے جو یقیناً دنیائے اُردو ادب میں ایک یادگاری اضافہ ہوگا۔ چار صد صفحات پر پھیلا ہوا یہ خاص نمبر جو بیس صفحات آرٹ پیپر پر کنور صاحب کی مختلف تصاویر سے مزین آپ اپنی نظیر ہوگا۔ قیمت دس روپیہ۔ شانِ ہند کے مستقل خریداروں سے چھ روپے مع محصول ڈاک جبکہ اس شمارہ پر دس روپیہ فی پرچہ اصل اخراجات ہونگے۔ مشتہرین کی خدمت میں التماس ہے کہ کنور مہندر سنگھ بیدی سحر کی ملک گیر مقبولیت کے پیشِ نظر جشنِ سحر نمبر ملک بھر میں بڑے ذوق و شوق سے پڑھا جائے گا لہٰذا اس یادگاری خاص نمبر میں اشتہار دینا بھی کنور صاحب سے دلی عقیدت کا مظہر ہوگا

اجرتِ اشتہارات: عام سالم صفحہ اڑھائی صد روپے۔ نصف ۱۲۵ روپے سرورق کا اندرونی صفحہ ۲ پانچ صد روپے۔ سرورق کا تیسرا صفحہ چار صد روپے اور سرورق کا آخری صفحہ دو رنگ میں سات صد روپے۔

جشنِ سحر نمبر میں آپ بھی لکھیے جشنِ سحر نمبر کا پڑھنے اور اپنے عزیزوں کو تحفہ دینے کیلئے مطلوبہ کاپیاں ریزرو کروا لیجیے۔ جشنِ سحر میں اپنا پیغام بھیجیے۔ کنور مہندر سنگھ بیدی سحر کے ہر عقیدت مند کو جشنِ سحر نمبر کی اطلاع دیجیے۔ مزید تفصیلات کے لئے لکھیے:-

ماہنامہ دفتر شانِ ہند فلیٹ ۳ - انصاری مارکیٹ - دریا گنج - نیو دہلی

فون نمبر ۲۷۸۸۹۰ — ۱۱۰۰۰۲

افکار و واقعات

اُردو کے فاشسٹ ادیبوں کی سازش

(تیسری قسط)

ہمارے قارئین کو یہ پڑھ کر خوشی ہوگی۔ کہ ہمارے پچھلے دو اداریوں کا بڑا زبردست اثر ہوا ہے اور اُردو کے فاشسٹ ادیبوں کو دن میں تارے نظر آنے لگے۔ لیکن ابھی یہ اثر وقتی ہے قارئین شانِ ہند کو معلوم ہونا چاہئے کہ ہماری تحریروں کا مقصد اصلاح کرنا ہے کسی طرح کی تخریب نہیں ہے۔ ابھی یہ اصلاح وقتی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اصلاح دائمی ہو اور اُردو کے فاشسٹ ادیب اپنی سیکولر دشمن کارروائیوں سے ہمیشہ کے لئے توبہ کرلیں ہم نے اُردو تحقیق اور رمالک رام والی کتاب کے بارے میں جو کچھ لکھا تھا اُس کا فوری اثر یہ ہوا ہے کہ وہ کتاب مارکیٹ سے غائب ہوگئی ہے۔ ہم نے لکھا تھا کہ اُس کتاب کے اصل محرک رشید حسین خاں ہیں جنھوں نے اپنے لسانی فاشزم اور خودہ گیری کی بنا پر وہ کتاب اپنے چند احباب سے چندہ جمع کرکے اور لوگوں کے پاس جا جاکر ان سے مضمون لکھوا کے اور خود اُن کے مضامین میں طویل حصّوں کا اضافہ کرکے ایک جعلی مرتب یعنی شاہد اعظمی کے نام سے اُسے شائع کیا ہم نے یہ بھی اعلان کیا تھا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ شاہد اعظمی نام کا کوئی ادیب اُردو دُنیا میں نہیں۔ اور یہ جعلی نام ہے اور ایسا کوئی نام اگر واقعی وجود رکھتا ہے تو وہ دفتر شانِ ہند میں آکر اپنی شناخت کراجائے کیونکہ ایڈیٹر شانِ ہند کی معلومات اس بارے میں بالکل صحیح تھیں۔ ایک مہینہ گزرنے پر بھی اس نام کے کسی شخص سے ہماری ملاقات نہیں ہوئی۔ چونکہ اس کتاب کے نسخے رشید حسین خاں مفت لوگوں کو مفت بانٹتے پھرتے ہیں۔ اور اُسے مفت اُنھوں نے دوسروں کو بھیجا اس لئے ہم نے اپنے ایک معتبر دوست کو ان کے پاس بھیجا کہ معلوم ہو کہ شاہد اعظمی کون صاحب ہیں۔ اُنھوں نے اپنے جعل پر پردہ ڈالنے کے لئے ہمیں غلط اطلاع دی کہ عبداللطیف اعظمی صاحب کے بھانجے ہیں۔ ہم نے عبداللطیف اعظمی صاحب کو فون کیا جو ہمارے قدیمی مہربان ہیں۔ اُنھوں نے فرمایا کہ اس نام کا اُن "کوئی بھانجہ نہیں ہے۔ اور بعض حضرات اس جعل کے پردے میں شریف لوگوں کی عزت پر ناجائز حملہ کر رہے ہیں۔ اِس کے بعد ہمیں کسی نے بتایا کہ شاید شاہد اعظمی کے جعلی نام کے پردے میں مسٹر شاہد ماہُلی ہوں جو آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے ہفتہ وار "سب ساتھ" میں ملازم ہیں۔ ہم نے اُن سے بھی رابطہ قائم کیا تو ہمیں معلوم ہوا کہ اُن کا کوئی تعلق اس رُوسیاہ کتاب سے نہیں ہے اور نہ اُن کا کوئی تعلق رشید حسن خاں اور ان کے احباب سے ہے۔ جو غلط تحریریں لکھ کر اور جعلی نام استعمال کرکے اپنے فاشزم کا اظہار کرنے پر مجبور ہیں۔

ایڈیٹر شانِ ہند ایک اور دلچسپ حقیقت کا انکشاف کرنا چاہتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ ایڈیٹر شانِ ہند کو معلوم ہوا ہے کہ ذکی کاکوروی کی کتاب اور رشید حسن خاں کی جعلی کتاب کا ایک سید ھا تعلق ترقی اُردو بورڈ کے چیئرمین شپ سے ہے۔ وہ یوں کہ ترقی اُردو بورڈ کے چیئرمین ڈاکٹر عبدالعلیم کا تقرر دو برس کے لئے تھا۔ ایڈیٹر شانِ ہند ڈاکٹر عبدالعلیم کا دل سے احترام کرتا ہے۔ کیوں کہ اُن کے آنے کے بعد ترقی اُردو بورڈ کی حالت بہت کچھ سنبھلی ہے۔ اور اُن کی ذات کے احترام کی وجہ سے بہت سی غلط بینیوں کا سدِ باب ہوا ہے۔ لیکن اُردو کے فاشسٹ ادیبوں نے یہ سوچ کر کہ اب اُن کی دو سال کی مدت ختم ہو رہی ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ اُن کی جگہ پر مُلّا صاحب یا مالک رام کا تقرر نہ ہوجائے؟ اُردو کے فاشسٹ ادیب ان ناموں کو بھلا کیونکر گوارا کرسکتے ہیں۔ اس لئے اُنھوں نے پیش بندی کے طور پر ایک کتاب مُلّا صاحب کے خلاف اور ایک کتاب مالک رام کے خلاف شائع کرادی تاکہ ان کی تقرری کا نمبر ہی نہ آئے اور ان کو نقصان پہنچایا جائے۔ جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے کہ مُلّا صاحب کی ایک بیٹے کی پریکٹس اتنی ہے کہ جتنی ترقی اُردو بورڈ کسی کو ایک سال میں بھی نہیں دے سکتا۔

چنانچہ اُن کی اِس جگہ کے بارے میں سوچنے کا بھی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ کم و بیش یہی معاملہ مالک رام کا ہے۔ وہ عمر کی اس منزل تک ہیں جہاں شاید سرکاری ملازمت کی ذمہ داریوں کو سنبھالنے کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتے لیکن فاشزم کے متعفن ذہنوں کا کیا علاج؟ انھوں نے سوچ لیا۔ شاید اِن دونوں ہی میں سے کسی ایک کے تقرر کا امکان تھا۔ اصلیت یہ ہے کہ اس جگہ پر تقرر کے خواہاں وہ صاحب تھے جن کے فاشزم کا پردہ ہم اپنے پہلے اداریے میں چاک کر چکے ہیں۔ چنانچہ اس کا فیصلہ ہم قارئین شانِ ہند پر چھوڑتے ہیں کہ انھوں نے کس چالاکی سے کس طرح ساز باز کی ہوگی اور کس طرح کچھ دے دلا کر اُن کو اس کام کے لئے تیار کیا ہوگا۔ لیکن افسوس ہے کہ ایک طرف ایڈیٹر شانِ ہند نے اس سازش کا پردہ فاش کر دیا۔ اور دوسری طرف آن فاشسٹ صاحب کے نام کی سفارش کرنا تک منظور نہیں کیا۔ ابھی ہم کہہ نہیں سکتے کہ اس جگہ پر کس کا تقرر ہوگا۔ لیکن اتنا یقینی طور پر معلوم ہے کہ ان فاشسٹ صاحب کا تقرر ہرگز نہیں ہوگا۔ البتہ ہماری خواہش ہے کہ ڈاکٹر عبدالعلیم کو ہی اس جگہ کے لئے توسیع دی جائے۔ کیونکہ وہ اپنا کام نہایت خوبی سے کر رہے ہیں۔ نیز یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ وہ فاشسٹ صاحب بظاہر علیم صاحب کی نیازمندی کا بھی دم بھرتے ہیں۔ لیکن درپردہ اُن کی جڑیں کاٹنے کے درپے رہتے ہیں۔ اُن کی یہ حرکت صرف علیم صاحب تک محدود نہیں۔ بلکہ ہر وہ بزرگ کی جڑیں کاٹنے کے درپے رہتے ہیں جس نے اُن پر کوئی بھی احسان کیا ہے۔ ابھی سے پہلے وہ اپنے رسالے میں آڑے ترچھے آئینے عنوان سے ایک قومی بزرگ کی عزت پر حملہ کر چکے ہیں۔ ایڈیٹر شانِ ہند کو اس بزرگ کی خدمت میں نیاز حاصل نہیں ہے۔ لیکن وہ جانتا ہے کہ اُن کی علمی اور قومی خدمات اس پائے کی ہیں کہ اُن کی ذات پر ہر اردو داں اور ہر ہندوستانی فخر کر سکتا ہے۔ جو شخص اُن کی ذات پر کیچڑ اچھالنے کی ہمت کر سکتا ہو ہم اُس شخص کو انسانیت کے نام پر ایک دھبہ اور ہندوستانی قوم کے لئے ایک لعنت تصور کرتے ہیں۔ شانِ ہند کے صفحات پر ایسے لسانی فاشزم کے علمبرداروں کی کالی کرتوتوں کا پردہ فاش کیا جاتا رہے گا۔

ترقی اردو بورڈ کی چیئرمین شپ کے لیے جو نام لے جا رہے تھے اُن میں سردار جعفری کا بھی نام تھا۔ اس گروپ کے لوگوں کو جب یہ خبر ملی تو انھوں نے سرکاری حلقوں میں یہ خبر اڑائی کہ سردار جعفری تو دل کے مریض ہیں۔ انھیں دو دفعہ ہارٹ اٹیک ہو چکا ہے۔ اس لئے اُن سے کام نہیں ہو سکتا۔ اور دوسرے دلّی آ کر وہ وزیروں سے اپنے تعلقات بڑھا بیٹھیں گے۔ اور اردو ترقی بورڈ کے نام پر ذاتی فائدہ اٹھائیں گے حالانکہ سب جانتے ہیں کہ سردار جعفری بہت ہی ذہین اور محنتی انسان ہیں۔ طباعت کا انھیں بہت بڑا تجربہ ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ جب بھی ایسی کوئی جگہ ہو تو اُن کا تقرر ضرور کرنا چاہئے۔ فاشسٹوں کی سازشوں کا ایک دلچسپ پہلو یہ بھی ہے کہ یہ ہر اُس شخصیت کے خلاف نفرت پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں جو سیکولرازم کی قدروں کی حامل ہو ایسی ایک شخصیت انجمن ترقی اردو کے جواں سال سیکرٹری ڈاکٹر خلیق انجم کی ہے۔ اُن کے خلاف بھی فاشسٹ حضرات اپنی کارروائیاں کرتے رہتے ہیں۔ اور اخبار ہماری زبان کی ایڈیٹر شپ۔ اور رسالہ اردو ادب کی ایڈیٹر شپ کے لئے اُن پر داؤں ڈالتے رہتے ہیں۔ یہ بات ہر شخص کو معلوم ہے کہ جتنا کام انجمن کے جواں سال جنرل سیکرٹری نے چند مہینوں میں کیا ہے۔ اتنا کسی دوسرے اداروں کے سربراہوں نے برسوں میں بھی نہیں کیا ہوگا۔

ایک اور واقعے کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے۔ کچھ عرصہ ہوا دلّی میں انجمن ترقی اردو کی طرف سے آل انڈیا اردو کانفرنس کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ اِس سلسلے میں دلّی کے میٹروپولیٹن کونسل کے چیئرمین میر مشتاق احمد صاحب کی صدارت میں ایک جلسہ ہو رہا تھا۔ جلسے میں تقریر کرتے ہوئے ڈاکٹر قمر رئیس نے کہا کہ اندرا گاندھی اردو کی قاتل ہیں۔ اور اپنے اِس دعویٰ کے ثبوت انھوں نے آدھے گھنٹے تک فراہم کئے۔ (میر مشتاق احمد صاحب اور دلّی کے بہت سے ادیب ہمارے اس بیان کی تصدیق کر سکتے ہیں) حالانکہ سب جانتے ہیں کہ جب سے اندرا جی وزیر اعظم ہوئی ہیں اردو کی حالت بہتر ہونے لگی ہے۔ وہ اس زبان کی ترقی کے لئے ہر ممکن کوشش کر رہی ہیں۔ ترقی اردو بورڈ ایک کروڑ روپے کے ساتھ انہیں کے مشورے سے قائم ہوا ہے گجرال کمیٹی انھیں ہی بنائی ہے۔ آج ہر صوبے میں اردو کے حق میں جو حالات سازگار ہوئے ہیں وہ اندرا جی اور صرف اندرا جی کی وجہ سے ہیں۔ ہم نے یہ واقعہ اس لیے بیان کیا ہے کہ ایک

طرف تو یہ لوگ ہندوستان کی ہر دلعزیز اور محبوب وزیر اعظم کو اُردو کا قاتل قرار دیتے ہیں اور دوسری طرف منموہن گرو مہتروں کے جوتے چاٹتے ہیں۔ صرف اس لئے کہ انھیں کچھ کمیٹیوں کا ممبر بنا دیا جائے۔ ہمارا یقین ہے کہ اُردو کا قاتل یہی فاشسٹ گروپ ہے جو معمولی سے ذاتی مفاد کے لئے سب کچھ کر سکتا ہے۔

ایڈیٹر شانِ ہند نے پچھلے سال اعلان کیا تھا کہ رشید حسن کی کتاب اُردو اِملا غلطیوں کا پشتارہ ہے۔ اور علّام عشق آبادی مدظلہٗ نے اس کی بے شمار غلطیوں کی نشاندہی فرمائی ہے۔ لیکن اس کے بعد ہم نے علّام کا تبصرہ شائع نہیں کیا تھا اس لئے کہ خوردہ گیری شانِ ہند کا کام نہیں۔ اور لوگوں کے عیب گنوانے کو ایڈیٹر شانِ ہند اپنا کوئی کارنامہ نہیں سمجھتا۔ لیکن چونکہ اِدھر رشید حسن نے جعلی ناموں سے اپنے لسانی فاشزم کا ثبوت دیا ہے اور مالک رام کی عزّت پر نازیبا حملے کئے ہیں۔ اس لئے ہم رشید حسن کی زبان دانی کا بھرم کھول دینا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ پھر بھی اس تبصرے میں ہماری گذارش پر علّام سحر عشق آبادی نے اس بات کو ملحوظ رکھا ہے۔ کہ مقصد اصلاح ہے، تخریب نہیں۔ یہ بات ہمارے قارئین پر واضح رہے کہ ہم رشید حسن کی حرکتوں سے مجبور ہو کر تبصرہ شائع کریں گے۔ ورنہ ایسی تحریریں شائع کرنا ہمارے لئے خوشی کا باعث نہیں۔

ایڈیٹر شانِ ہند کو یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ رشید حسن کی جعلی کتاب جمال پریس سے چھپی ہے۔ اور مکتبہ شاہراہ کے نام سے چھاپی گئی ہے۔ لطف کی بات ہے کہ شانِ ہند کے اداریوں کے بعد اسی کتاب کا سارا اسٹاک غائب کر دیا گیا ہے۔ اور تو اور مکتبہ شاہراہ میں بھی اس کی ایک کاپی نہیں۔

ہماری تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ مکتبہ شاہراہ کو صرف اس بات پر نام دینے کے لئے راضی کیا گیا تھا کہ کتاب کی ۱۵ کاپیاں اُن کو دی جائینگی۔ سنا ہے کہ کتاب کی ایک کاپی اُن کو نمونۃً دی گئی اور باقی ۱۴ کاپیوں کو وہ آج تک رو رہے ہیں۔ لیکن جب تحقیقات کا معاملہ آگے بڑھے گا اُنھیں بتانا پڑے گا کہ وہ کون لوگ تھے جو اُن کے پاس آئے۔ اور اُن کا معاملہ کن جعلی لوگوں کے ساتھ ہوا۔ اس بارے میں مزید دلچسپ انکشافات ہم اگلے ماہ کریں گے۔

جو کچھ ایڈیٹر شانِ ہند لکھ رہا ہے وہ کس حد تک صداقت اور نیک نیتی پر مبنی ہے۔ اس کا اندازہ اُس اداریئے سے ہوگا۔ جو ایڈیٹر تحریک نے ڈاکٹر محمد حسن کی شان میں لکھا تھا۔ اُس وقت تک ملّا صاحب اور مالک رام کے خلاف کتاب شائع نہیں ہوئی تھی۔ لیکن اُن کی ابن الوقتی اور مفاد پرستی کے کئی مظاہرے سامنے آچکے تھے۔ ایڈیٹر تحریک نے انھیں کا پردہ فاش کیا تھا۔ قارئین شانِ ہند خود فیصلہ کریں کہ مفاد پرستی اور ابن الوقتی کی اگر بروقت تادیب نہ کی جائے تو لسانی فاشزم کا کیسا خطرناک بھیس اختیار کر سکتی ہے یہ اداریہ ہم ایڈیٹر تحریک کے شکریئے کے ساتھ اِس شمارے میں شائع کر رہے ہیں۔ "تحریک" کا اداریہ صفحہ ۹ پر ملاحظہ ہو۔

ہمارا عزم

سحر خیر آبادی

چمن کی فضا آج کیوں ہے سہانی — زمانے کو معلوم ہے یہ کہانی
غلامی کی توڑی ہے زنجیر ہم نے — ہماری ہے بھارت میں اب حکمرانی
ملی ہے ہمیں ایسی خود اختیاری — زمانے کی دولت بھرے جس کا پانی
یہ وہ دولتِ بے بہا مل گئی ہے — ہمارے ہی سر جس کی ہے پاسبانی
مبارک دھان آج اپنا بنا ہے — مکمل ہوئی شانِ ہندوستانی
یہ باپو کی شبھ کامناؤں کا پھل ہے — یہ نہرو کا ہے ثمرۂ جاں فشانی
ملی ہیں ہر اک دل کو تازہ اُمنگیں — ہر اک چیز پر چھا رہی ہے جوانی
سبھی آج بھارت کے مالک بنے ہیں — سبھی کو ہے بھارت کی عزّت بڑھانی
زمانے میں سوراج ہے نام جس کا — وہ باپو نے جاں دے کے چھوڑی نشانی
زمیں آسماں چاند سورج ستارے — سب اپنے ہوئے شکرِ ربِّ جہانی
فضائیں ہیں اپنی سمندر ہیں اپنے — سہارا ہے اپنی ہوا اپنا پانی
انھیں کام میں کچھ طریقے سے لانا — سکھانے کی اندرا نے بروقت ٹھانی
یہ کام آئیں کیا خوب آزادیوں کے — چلایا ہے ذہنِ غلامی کو پانی
بُرے وقت پر ملک کو پھر سنبھالا — مٹا دی غلامی کی ریشہ دوانی
ہم آزاد بھارت کے آزاد انساں — تُلے ہیں اُٹھانے پہ ہر سرگرانی
ہمیں ملک رکھنا ہے آزاد اپنا — ہمیں چاہیے بھیجا نقصان جانی
وطن پر نگاہیں کوئی ڈال دیکھے — مٹا کر کے چھوڑیں اسے دھول دھانی

حفاظت مقدم ہے جھنڈے کی سحرؔ
مقدم نہیں جان اپنی بچانی

سنجے گاندھی

حال بھی روشن مستقبل بھی روشن

ملک کو اپنے مستقبل کیلئے جن باشعور اور صاحب فکر مدبرین کی ضرورت ہے اُن کی ایک بڑی ٹیم رفتہ رفتہ سامنے آتی جارہی ہے۔ جس میں شامل بیشتر حضرات اپنی فکر و نظر کی وسعت اور ذہنی استدلال سے ایک شاندار اور روشن مستقبل کی نشاندہی کر رہے ہیں جن کے انداز فکر میں تدبر اور عمل میں بھرپور سنجیدگی شامل ہے جن میں سنجے گاندھی کا نام سرفہرست ہے۔ جنھوں نے حال ہی میں اپنے اندازِ فکر اور ذہنی استدلال سے دنیا کے سیاسی مفکرین کو بھرپور طریقے سے اپنی جانب متوجہ کیا ہے۔

سنجے اپنی والدہ محترمہ اندرا گاندھی اور اپنے نانا پنڈت جواہر لعل نہرو کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے سوشلزم کے اُن خوابوں کو شرمندۂ تعبیر کرنے کے خواہاں ہیں جو انھوں نے ملک و قوم کی فلاح و بہبودی کے لئے دیکھے اور جن کے لئے وہ ملک میں مساوی حالات پیدا کر کے جمہوری نظام کو مستحکم و بالیدہ کرنے کی جدوجہد کرتے رہے۔ سوشلزم کے اس جذبے کو عملی طور پر اختیار کرنے اور اُسے فلاحِ قوم اور بہبودیٔ ملک کی خاطر مستحکم کرنے کے لئے سنجے گاندھی ان اصولوں کو قبول کرنے کے حق میں ہیں جو غریب اور پسماندہ طبقے کیلئے راحت و آسام کے لمحات کو جاوداں بنا دیں۔ اس کے لئے وہ اُن سیاسی مفادات اور شاطرانہ چالوں سے ہٹ کر سوشلزم کے مذکورہ جذبے کو اپنانے پر زور دیتے ہیں جو ملک کے باشندوں (خاص طور سے نوجوانوں) کو دائیں یا بائیں بازوؤں میں تقسیم کر کے ملک و قوم کے فائدوں اور طاقت کو پس پشت ڈال دیتی ہیں اسی لئے وہ نوجوانوں کو ملک کے تعمیری کاموں میں بلا خوف و تشکیک جٹ جانے کا مشورہ دیتے ہیں۔ انھیں اس بات کا احساس ہے کہ موجودہ صورت میں ملک کا نوجوان کسی حد تک نراش اور کچھ ناامید سا ہو رہا ہے اسکا سبب ان کے نزدیک یہ ہے کہ نوجوان طبقے کا ہر فرد سرکاری ملازمت کا خواہشمند ہوتا ہے اور جب اُسے اس سلسلے میں کچھ ناکامی ہوتی ہے تو وہ تشکیک و تذبذب کا شکار ہو کر نراش اور ناامید ہو جاتا ہے۔ دراصل سنجے کے نزدیک اس کا ایک اور سبب بھی ہے اور وہ ہے موجودہ طریقۂ تعلیم جسے اختیار کر کے آج کے نوجوان کا ذہن سب سے پہلے سرکاری ملازمت کی طرف ہی جاتا ہے اس لئے وہ اس طریقے کو تبدیل کرنے کے طرفدار ہیں اور ایک ایسے طریقہ کو رائج کرنے کے حق میں ہیں جس سے نوجوان طبقے میں ہر میدان میں کام کرنے کی اُمنگ پیدا ہو۔ اسی لئے وہ نوجوان طبقے کو کام کرنے کے معاملے میں فیشن پرستی سے بچانے کے حق میں بھی ہیں کیونکہ وہ دیکھتے ہیں یورپ کی اقوام اپنے پروپیگنڈے کے ذریعہ ہمارے ملک کے نوجوان طبقے کے ذہنوں کو بُری طرح متاثر کر کے انھیں اس ملک کی شاندار روایتوں سے دُور کر دینا چاہتی ہیں۔ اس میں وہ کسی حد تک کامیاب بھی ہیں۔ اس تقلیدی عمل سے آج کے نوجوان کو گریز کرنے اور ہند کی شاندار روایتوں کو قبول کرتے ہوئے اس کے تابناک مستقبل کے لئے معروفِ عمل رہنے کی تلقین کرتے ہیں تاکہ نوجوانوں کی بیداری اور جذبۂ عمل کی تیزی سے ملک بہتر طور پر ارتقائی شکلوں کو پا لینے کے جلد از جلد لائق ہو سکے۔

سنجے کی نگاہِ دُور رَس اِس حقیقت سے بھی آشنا ہے کہ ملک کی ترقی میں جو چیز سب سے بڑا خطرہ بن کر مانع ہو رہی ہے وہ غربت ہے اور سنجے اُسے کسی طرح بھی دُور کرنے کے طرفدار ہیں۔ اِنہیں اس بات کا احساس ہے کہ ملک میں جب تک غربت باقی رہے گی سوشلزم کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکے گا۔ اِسی لئے وہ سوشلزم کو مقصد کے بجائے ذریعہ قرار دیتے ہوئے اِس کے توسط سے ملک سے غریبی کو سب سے پہلے دُور کرنے کی بات پر زور دیتے ہیں۔

سنجے اس بات کا اعتراف کرتے ہوئے حقیقت پسندانہ جذبے کا اظہار بھی کرتے ہیں کہ اُنکی والدہ محترمہ اندرا گاندھی۔ بحیثیت وزیر اعظم سوشلزم کے ان پہلوؤں کو ملک میں تیز رفتار کرنے کے حق میں ہیں جنکے ذریعے ملک و قوم کی فلاح و بہبود ممکن ہو سکے گی۔ اور چونکہ ان کا یہ اندازِ فکر نیک نیتی اور حقیقت پسندی پر مبنی ہے۔ اس لئے اس کی مقبولیت ناقابلِ تردید ہے جس کا اثر رفتہ رفتہ ملک و قوم کی ترقی اور بہبودی کے سلسلے میں ابھرتا جا رہا ہے

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سنجے کا یہ اندازِ فکر اُنکی نیک نیتی اور صالح جذبے کے ساتھ ہی اُنکی دُور رس نگاہ ہونے کی تیزی کو بھی ظاہر کرتا ہے نیز اس سے یہ بھی

اپنے اسٹیشن کو صاف رکھیئے

- اِس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ صاف سُتھرا ماحول ایک طرف کسی شخص کے کردار کا آئینہ دار ہوتا ہے اور دوسری طرف اس کردار کو نکھارتا ہے۔ صاف سُتھرا گردوپیش خوشی اور مسرت بکھیرتا رہتا ہے۔
- ہم اپنے گھر صاف سُتھرے رکھتے ہیں تو پھر اُن جگہوں کو صاف شفاف کیوں نہ رکھیں جنھیں ہم سب استعمال کرتے ہیں؟
- ریلوے پلیٹ فارموں، ویٹنگ رُوموں، سواری ڈبوں اور درحقیقت اُن تمام جگہوں کو جہاں ایک بڑی تعداد میں لوگ اکٹھے ہوتے ہیں گردوپیش کو صاف شفاف رکھنا بہت ہی ضروری ہے۔

ریلوے میں ہم نے صفائی مہم شروع کی ہے جس کے بہت اچھے نتائج نکلے ہیں۔ اب ریلوے صاف سُتھرے نظر آتے ہیں۔ لیکن ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ اس سلسلے میں ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے ہم زیادہ صفائی کے لئے اپنی کوششوں کا سلسلہ جاری رکھیں گے۔

آپ بھی اِس سلسلے میں ریلوے کی مدد کر سکتے ہیں۔ آپ صرف اتنا ہی خیال رکھیں کہ آپ کے آس پاس کی جگہ بالکل صاف شفاف حالت میں ہے۔ اِس طرح اسٹیشن اور منسلکہ مقامات صاف سُتھرے رہ سکتے ہیں۔ اور ہاں آپ ریلوے صفائی محکمہ کے کارکنوں کی خدمات سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں وہ صرف آپ کی خدمت کے لئے ہی رکھے گئے ہیں۔

آپ بھی ذرا خیال رکھئے کہ کوڑا کرکٹ آپ کے ہاتھ سے اِدھر اُدھر نہ بکھرنے پائے بلکہ کوڑا دان میں پھینکا جائے۔ آپ کا یہ معمولی سا کام ہمیں آپ کی بہتر خدمات کرنے میں کافی مدد دیتا ہے۔

ریلوے آپ کی پراپرٹی ہے۔ اسے صاف شفاف رکھئے

ناردرن ریلوے

۲۵ر اکتوبر ۱۹۷۵ء کو ۸۵ سال کی عمر میں ادیب اعظم۔ شاعر جادو بیان فخر انسانیت۔ ہر فرقے میں مقبول۔ مجاہد آزادی ہند مشہور مصنّف

پدم شری چوہدری برہم ناتھ دت قاصر

اِس جہانِ فانی سے رخصت فرما گئے اور اپنی درویشانہ زندگی سے اپنے مدّاحوں کیلئے حسب ذیل یادیں چھوڑ گئے۔

(۱) مُلک کے لئے اپنی جان تک قربان کرنا عین سعادت ہے۔
(۲) مُلک کی آزادی کی حفاظت کرنا ہر ایک کا فرضِ اوّلین ہے۔
(۳) زیادہ سے زیادہ زبانیں سیکھنا ایک دوسرے کے نزدیک ہونے کا بہترین راستہ ہے۔
(۴) خدمتِ خلق بلا تفریقِ مذہب و ملّت کرنا ہر انسان کا ایمان ہونا چاہیئے۔
(۵) ہر عزیز، دوست، رشتہ دار، پڑوسی، اہلِ محلّہ کو بوقت مشکل مدد کرنا اپنے گناہوں کا کفارہ دیکھنا ہے۔
(۶) محنت سے روپیہ کمانا اور مستحق ضرورتمندوں کی اس روپیہ سے مدد کرنا خدا کو خوش کرنے کے مترادف ہے۔
(۷) اچھی کتابیں جمع کرنا اور انہیں پڑھ کر عمل کرنا انسانیت اور شرافت کے اصل معنوں سے واقف ہونا ہے۔
(۸) پیار اور محبت سے دشمن بھی دوست بن جاتا ہے۔

ہم

صدق دلی سے پدم شری چوہدری برہم ناتھ دت قاصر ایسے مہاتما کی دائمی جدائی پر انہیں شردھانجلی پیش کرتے ہیں۔

سورگیہ چوہدری برہم ناتھ دت قاصر کا ہمدم دیرینہ
رتن چند کپور

میسرز گوکل چند رتن چند وولن سپننگ اینڈ ویونگ ملز۔ گھاٹ کوپر بمبئی

سیلز ڈپو: کوئینز روڈ۔ امرتسر۔ پنجاب

سُن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا

گوپال متل

منقول از "تحریک"، مارچ ۱۹۷۵ء

ان دنوں یہ عام شکایت ہے کہ طلبا اپنے اُستادوں کا احترام نہیں کرتے۔ یہ شکایت حقائق کے منافی نہیں لیکن اس میں بہت کچھ دخل اساتذہ کے اپنے رویّے پر بھی ہے جو طلبا کے لئے اچھی مثال قائم کرنے کی بجائے اپنے رویّے سے انھیں بد اعمالی کا درس دیتے ہیں۔ اس کی مثال ڈاکٹر محمد حسن ہیں۔

۱۰ اپریل سنہ ۱۹۷۴ء کو دہلی یونیورسٹی کی ایگزیکٹو کونسل نے ان کے بارے میں مندرجہ ذیل ریزولیشن پاس کیا۔

کونسل نے دہلی یونیورسٹی کے شعبۂ اُردو کے ریڈر ڈاکٹر محمد حسن کے استحقاقِ ملازمت کے فسخ کرنے کے مسئلہ پر غور کیا۔ ختم ملازمت کے فیصلے کا اطلاق نومبر ۱۹۷۱ء سے ہوگا۔ یہ وہ تاریخ ہے جب وہ بلا تنخواہ چھٹی لے کر گئے تھے۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ دہلی یونیورسٹی میں ان کا استحقاقِ ملازمت برقرار رہے۔ یہ استحقاق اب اس بنا پر ختم کیا جا رہا ہے کہ کشمیر یونیورسٹی کے رجسٹرار کی طرف سے موصول شدہ اطلاعات سے پتہ چلتا ہے کہ ڈاکٹر محمد حسن کو اس یونیورسٹی میں مستقل ملازمت مل گئی ہے۔

فیصلہ کرتے وقت کونسل کے سامنے مندرجہ ذیل حقائق تھے:

۱۔ ابتداً ڈاکٹر محمد حسن کو ۵ نومبر ۱۹۷۱ء سے ۴ نومبر ۱۹۷۲ء تک بلا تنخواہ رخصت منظور کی گئی تاکہ دہلی یونیورسٹی میں ان کا استحقاقِ ملازمت باقی رہے۔ بعد میں رخصت کی میعاد ۴ نومبر ۱۹۷۳ء تک بڑھا دی گئی۔

۲۔ ڈاکٹر حسن نے توسیعِ رخصت کا مطالبہ ۴ جولائی ۱۹۷۵ء تک کیلئے کیا تھا۔ لیکن اس عرصہ میں کشمیر یونیورسٹی سے استفسار کیا گیا تو پتہ چلا کہ ڈاکٹر محمد حسن جنہیں ۵ نومبر ۱۹۷۱ء کو اس یونیورسٹی کے صدر شعبۂ اردو کی حیثیت سے عارضی طور پر ملازم رکھا گیا تھا۔ ۵ نومبر ۱۹۷۲ء سے انھیں مستقل کر دیا گیا ہے اور ۴ جولائی ۱۹۷۳ء کو انھیں دو سال کی چھٹی عطا کی گئی ہے تاکہ جواہر لال نہرو یونیورسٹی نے انھیں جو کام تفویض کیا ہے وہ اسے سنبھال سکیں۔

مسئلے پر پوری طرح غور کرنے کے بعد کونسل نے فیصلہ کیا کہ اردو کے ریڈر کی حیثیت سے اُنکے استحقاقِ ملازمت کو ختم کر دیا جائے اور اس فیصلے کا اطلاق ۵ نومبر ۱۹۷۱ء سے ہو یعنی اس تاریخ سے جب وہ چھٹی لے کر کشمیر یونیورسٹی میں عہدہ سنبھالنے گئے تھے۔ کیونکہ اس یونیورسٹی میں اردو کے پروفیسر کی حیثیت سے اُن کی ملازمت مستقل کر دی گئی ہے۔

یہ پہلا موقع ہے کہ دہلی یونیورسٹی نے کسی اُستاد کے بارے میں اس قسم کا ریزولیشن پاس کیا۔ ریزولیشن کا لہجہ معتدل ہے لیکن اسکا مفہوم کافی سخت ہے۔ ایک کہاوت ہے کہ ایک آدمی کو دو کشتیوں میں سوار نہیں ہونا چاہیے لیکن ڈاکٹر محمد حسن بیک وقت تین کشتیوں میں سوار رہنا چاہتے تھے۔

کچھ اور معاملات بھی ہیں جو زیادہ سنگین نہ سہی لیکن ایسے بھی نہیں کہ انھیں نظر انداز کر دیا جائے۔

۱۔ جامعہ اردو علی گڑھ کی طرف سے سری نگر میں جامعہ کے امتحانات کا سنٹر قائم کرنے کیلئے انھیں سات ہزار روپے دیئے تھے۔ انھوں نے اپنے مکان کے ڈرائنگ روم کو سنٹر ظاہر کر کے سو روپیہ مہینہ کرایہ وصول کیا حالانکہ یہ مکان سرکاری تھا۔ رفیق ذکریا صاحب کی صدارت میں جامعہ کی سالانہ رپورٹ پڑھی گئی تو یہ انکشاف بھی ہوا کہ ایجوکیشن کے نام پر ڈاکٹر محمد حسن نے جو لوگوں کو رقمیں دینا ظاہر کی تھیں، ان کی واقعی ادائیگی مشکوک ہے۔

۲۔ اقبال سیمنار کیلئے کشمیر یونیورسٹی کی طرف سے ڈاکٹر محمد حسن کو چھ ہزار روپے دیئے گئے۔ جس دن سیمنار ہونا تھا اس کے چند دن پہلے یونیورسٹی کے طلبا نے ہڑتال کر دی۔ نتیجۃً سیمنار ملتوی ہو گیا۔ اس چھ ہزار روپیہ کا حساب محمد حسن صاحب نے غالباً اب تک نہیں دیا۔

ڈاکٹر محمد حسن ترقی پسند ہیں اور انتہائی یساری کہے جاتے ہیں۔ مسلم؟

مولویوں کو ملّائیت کو بھی اپنے سامنے کمینی سمجھتے ہیں لیکن کیا ترقی پسندی اور بیباکیت کے نام پر وہ سب کچھ روا ہے جو وہ کرتے رہے ہیں؟

محترمہ ممتاز مرزا کو قومی اعزاز

مجموعۂ کلام "خوابوں کے سائے" کی شاعرہ محترمہ ممتاز مرزا کو جشن جمہوریت کے مقدس موقع پر عالیجناب صدر جمہوریہ ہند نے "پدم شری" کا قومی اعزاز عطا فرمایا ہے۔ محترمہ ممتاز مرزا کی یہ عزت افزائی اردو زبان کے لئے ایک نیک فال ہے۔ مدیر شانِ ہند دل کی گہرائیوں سے آپ بھی ممتاز مرزا کو مبارکباد پیش کرتا ہے اور دعاگو ہے کہ خدا اپنی تمام رحمتوں سے ممتاز کو نوازے۔

ڈاکٹر علیم صاحب کی چیئرمین شپ میں ایک سال کیلئے اضافہ

شانِ ہند کے زیر نظر شمارے کی کاپیاں پریس جا رہی تھیں کہ حکومت ہند کی وزارت تعلیم کا یہ اعلان نظر سے گذرا کہ اردو ترقی بورڈ کے چیئرمین جناب ڈاکٹر عبدالعلیم صاحب کی چیئرمین شپ ایک سال کے لئے بڑھا دی گئی ہے۔ ہمیں ان خواہشمند صاحبوں سے ہمدردی ہے جو کسی خاص شخص یا ادیب کو ڈاکٹر علیم صاحب کی جگہ اردو ترقی بورڈ کا چیئرمین بنائے جانے کے لئے کوشاں تھے۔ موجودہ حالات میں ڈاکٹر علیم کا ہی اردو ترقی بورڈ کا چیئرمین بنا رہنا ضروری تھا۔ حکومت ہند کی وزارت تعلیم اس موزوں فیصلہ پر مبارکباد کی مستحق ہے۔

بیکل اُتساہی "پدم شری"

ملک کے مشہور شاعر اردو ہندی کے کوی جناب بیکل اُتساہی کو جشن جمہوریت پر "پدم شری" کے قومی اعزاز سے نوازے جانے پر ادارہ شانِ ہند مبارکباد پیش کرتا ہے۔

شانِ ہند کا یہ شمارہ دیر سے چھپ رہا ہے

مدیر شانِ ہند کی تیرہ سالہ نواسی جو مدیر شانِ ہند کے ہاں ہی بچپن سے رہتی تھی اور آٹھویں کلاس میں تعلیم پا رہی تھی بوجہ برین ٹیومر آل انڈیا میڈیکل انسٹی ٹیوٹ میں زیر علاج تھی جہاں اُس کا ۲ جنوری کو انتقال ہو گیا۔ اس وجہ سے جنوری کا پورا مہینہ اسکی تیمارداری میں اور پھر اس کی رحلت سے کئی دن دفتر کا کام کاج نہ ہو سکا جس کی وجہ سے شانِ ہند کا یہ شمارہ دیر سے شائع ہو رہا ہے۔

ہریانہ۔ بیس نکاتی پروگرام پر عمل کرتا ہے

- غیر تربیت یافتہ مزدوروں کی اُجرت ۸۲-۱۱۵ روپئے سے بڑھا کر ۱۲۵-۱۷۵ روپے کر دی گئی ہے۔
- ۲۷،۳۰،۱۰۱ ایکڑ زمین ۷،۳۲،۲۱ مستحقوں میں تقسیم کی گئی ہے۔
- ریاست کے ۸۲ فیصد بے زمین لوگوں کو رہائشی پلاٹ دیئے گئے ہیں
- کپڑا بننے والوں کو تربیت دینے کیلئے ۱۲ مرکز کھولنے کی یوجنا ہے ایک ایک مرکز نارنول اور لوح میں اور دو بھیوانی میں کھولے جا چکے ہیں
- ہریجن اور غریب طلبا کو اسکولی کتابیں مفت دی گئی ہیں۔
- ۲ ہزار ہنرمندوں کو روزگار مہیا کیا جائے گا۔ کمزور طبقے کے لوگوں کو الاٹمنٹ کارخانوں میں جگہ دی گئی ہے۔
- گاؤں کے غریب عوام کو قرضوں سے رہائی دینے کے لئے قانون پاس کیا جا رہا ہے دو سال تک ان سے وصولی کا دعویٰ نہ کیا جائے گا
- ۲۵۶۴ گہرے ٹیوب ویل اور ۸۵۰۰۰ اتھلے ٹیوب ویل لگائے جا چکے ہیں
- مزید ۲۲۵ کم گہرے اور ۲۰۰ گہرے ٹیوب ویل لگائے جائیں گے تاکہ زمینوں کو زرخیز کیا جا سکے۔
- تمام گاؤں میں بجلی کی روشنی پہنچا دی گئی ہے۔
- ریاست میں مزید بجلی پیدا کی جا رہی ہے۔
- اناج، دالوں، گھی، چینی جیسی ضروری اشیا کی قیمتوں میں بھاری کمی ہوئی ہے
- واجبی داموں پر اشیا مہیا کرنے کیلئے ۵۰۰ سرکاری دکانیں کھولی گئی ہیں
- ہریانہ اپنی نو سال کی مختصر زندگی میں خوشحالی اور ترقی کی کئی منازل طے کر چکا ہے۔ ریاست کے لوگ اور ان کی سرکار پوری کوشش کر رہی ہے کہ

غریبی کو مٹا دیا جائے

شائع کردہ

ڈائرکٹر پبلک ریلیشنز، ہریانہ

خوشحالی کیلئے بیس قدم

عوام کے لئے راحت کا زمانہ۔ سماج دشمنوں کے لئے ایمرجنسی۔ وزیر اعظم کا بیس نکاتی پروگرام سماجی انقلاب کی ایک پکار ہے۔ دلی میں اس دوران میں ہوئی ترقی ایک معجزہ ہے۔

قیمتوں میں کمی: ● ضروری اشیاء کی قیمتوں میں گراوٹ ● اشیائے تقسیم عامہ کا انتظام ● صحیح خوردہ [illegible] ● قیمتیں بہت کم [illegible] ● شہری [illegible] قیمت سے زیادہ فروخت کرنے والوں کی تعداد [illegible]

بے گھروں کے لئے گھر، بے زمین لوگوں کے لئے زمین: ● ایک ہی دن میں [illegible] دیہی بے زمین لوگوں کو [illegible] ● ۸۷۷ لوگوں کو مکان بنانے کیلئے زمین ● ۸۷۸۴ اور لوگوں کو زمین ● دیہی علاقوں میں مکانوں کی تعمیر کیلئے [illegible] کی مالی امداد ● مکان بنانے کے لئے [illegible] ہزار پلاٹوں کی فراہمی ● مزید سات ہزار ایکڑ زمین تقسیم کرنے کی اسکیم۔

کم سے کم اجرت شرح میں اضافہ: ● منشیوں اور کھیتوں میں لگے [illegible] کم سے کم اجرتیں [illegible] اضافہ ● ۲۰ سے زیادہ نوجوان منشیوں میں سے اپرنٹس رکھے گئے۔

طلبہ کو راحت: ● غریب طلباء کے لئے مفت درسی کتابیں ● ۱۵۱ اسکولوں اور کالجوں میں کتابوں کے بنک ● اسکولوں [illegible] سستے اسٹیشنری [illegible] ● طلبہ ہوسٹلوں میں سستی خوراک ● اسکولوں میں [illegible] نکاتی [illegible]

پیداوار میں اضافہ: ● ہڑتالوں اور تالا بندیوں کا خاتمہ ● پیداوار بڑھی ● [illegible] ● کھیتوں میں انقلاب ● دیہی ترقیاتی کارپوریشن کی اسکیم ● سبزی کی کاشت [illegible] ہزار ایکڑ سے [illegible] ہزار ایکڑ [illegible] ● بنک اور [illegible] مالی امداد [illegible] ● قرضہ جات سے نجات دلانے کا بندوبست۔

سماج دشمن عناصر کے پاؤں اکھڑ گئے: ● بے ایمان بیوپاریوں کے خلاف [illegible] چھاپے ● خفیہ تجارت پر [illegible] ● ۲۰۵ ملازمین قبل از وقت ریٹائر ● کئی افسران معطل ● [illegible] ملازمین کی ایمانداری [illegible]

دلی کی خوبصورتی میں اضافہ: ● [illegible] ● سرکاری زمین سے ناجائز قبضے [illegible] ● [illegible] اور خوبصورت سڑکیں ● دلی میں [illegible] لاکھ سے زیادہ [illegible] شجرکاری۔

قابلِ فخر کامیابیاں: ● یہ قابلِ فخر کامیابیاں حاصل کی ہیں آپ نے یعنی دلی کے عوام نے صرف [illegible] مہینے میں۔

● آپکے ساتھ قدم ملا کر چل رہا ہے دلی انتظامیہ آپ کا انتظامیہ

آئیے پردھان منتری اندرا گاندھی کے اس عظیم پروگرام میں اپنا تعاون اشتراک دیں

جاری کردہ: اطلاعات و اشاعت، دہلی انتظامیہ دہلی

ھماچل

اور

وزیر اعظم کا ۲۰ نکاتی اقتصادی پروگرام

کچھ نمایاں کارنامے

- دیہی علاقوں کے سبھی بے زمین کسانوں کو زمین کی تقسیم
- دیہی علاقوں کے سبھی بے گھر لوگوں کو گھر بنانے کیلئے زمین کی فراہمی
- سبھی کسانوں مزدوروں اور غریب قرضداروں کے قرضوں کی معافی
- چھوٹے کسانوں کے سرکاری قرضوں کی ادائیگی میں ایک سال کا التوا
- سبھی قابض کرایہ داروں کو مالکانہ حقوق

کچھ زیر عمل اقدام

- سبھی کرائے داروں کو ۲۹ فروری سنہ ۷۶ء تک مالکانہ حقوق
- ۵ بیگھہ سے کم زمین کے مالک کسانوں کیلئے اضافی زمین کی فراہمی

ہم لوک سمپرک

فیاض گوالیاری (شاعرِ وطن)

ایک کنکری

ڈاکٹر رینے کسٹیلو کی ایک نظم "ایک سوال" کے جواب میں کہ کل کوئی سادہ سا انسان تم سے پوچھے گا کہ..... جب آگ کے ایک چھوٹے سے ڈھیر کی طرح پوری قوم جل بجھی تھی آہستہ آہستہ مر رہی تھی تو تم نے کیا کیا؟ جب غریب عذاب بھگت رہے تھے۔ جب نرمی اور زندگی اُن کے اندر ختم ہو رہی تھی۔ تم اُس وقت کیا کر رہے تھے؟.....

(۱)

میں نے "جب گیارہ برس کا تھا"
لکھی پہلی غزل!۔
"کیوں غلامی میں رہیں؟ کیلئے پیسے جائیں؟"
دیش کے غم کا ویوگی تھا مرا پہلا کوی۔
"آہ کے گان" سے اُپجا تھا مرا پہلا گیت!
"آنسوؤں کی طرح یہ نکلی تھی پہلی کویتا!"

اور جب......
آگ کی کپٹوں میں تھا جلیان والا!۔
گولیاں اُن پہ برستی تھیں بنستے تھے جو!
شمعِ آزادی کے بیباک پتنگے تھے، جو۔!
سیکڑوں میل کی دوری پہ وہ طفلِ لاغر
گوالیر میں کہیں بیٹھے ہوئے چیخ اُٹھا تھا!۔
"ہاتھ ڈائر نے رنگے تو ہیں لہو میں میرے۔
رنگ لائے نہیں میرا لہو اس قابل؟"۔!!

(۲)

اُن دنوں ہی کبھی میں نے یہ دُعا
مانگی تھی!۔
اپنے ٹیگور کی گیتانجلی کی لے میں!
"یا خدا میرے وطن کو کسی قابل کر دے!
"اس کو آزادی و خوشحالی کی جنت ہو نصیب!
"نفرت و ظلم کے جلتے ہوئے انگاروں میں!
"یہ سبب ہے ملک میرا لوہے کی دیواروں میں!!

میں نے اقبال کی نظموں سے بلندی لیکر،
حوصلے پست نہ ہونے دیئے دل والوں کے!
میں نے ہستی کو دکھایا نئے آئینے میں۔
(موت کا ڈر ہو تو پھر لطف ہی کیا جینے میں؟)
غم کو اک شکل مسرت کی بتایا میں نے!
رنج و ماتم کو نئے رُوپ میں ڈھالا میں نے!
زیست کو جلوۂ رخسارِ ادل میں نے کہا!
حسن کو جلوۂ کردارِ عمل میں نے کہا!!
آکٹوپس کی طرح دکھ تھا مرے چاروں طرف،
سر پہ ہر غم کے جہنم کو اُٹھایا میں نے!
میں نے ہر لمحۂ ہستی کو بنا کر جاوید
کتنے بے رنگ سے خاکوں میں بھرا رنگِ اُمید
ہستی کو قیدِ حد و بند سے آزاد کیا۔
حوصلے دیکھئے نیا زورِ خداداد دیا!!

پھوٹ کی آگ میں جھلکتے جو دیکھے اہلِ چمن:
آج سے نصف صدی قبل لکھی نظمِ وطن!:
"بھائیو تجھو لگے کیا ابھی احساسِ وطن؟"
"کیا مرے دیش میں ایسے بھی ہیں غیرت والے؟
"دیکھیں مٹی میں جو ملتا چمنستانِ وطن۔؟!
"خون سے اپنے نہ سینچیں جو گلستانِ وطن؟!"
سنہ اکتیس میں ظالم کو چنوتی دی تھی۔
"دیکھنا دل کے ہر اک ٹکڑے میں اک دل ہوگا!!"
ایکتا کا یہی چونتیس میں پیغام دیا۔

"ہم جو مل جائیں تو جنت بنے گلزارِ وطن"!!۔

(۳)

"قرض" پہ نظم لکھی،
رنگ "جوانی" کو دیا۔!
اِک نیا جنگ کا آہنگ، جوانی کو دیا!
"دھان کے کھیت" کے رنگین مناظر لکھ کر۔
زخم، معصوم فرشتوں کے دکھائے میں نے!۔
اکثریت پر اِک اقلیتِ پُرفن کے ستم،!
دبے پڑے "رکھے" کسانوں پہ مہاجن کے ستم)۔
جو گنائے نہیں جاتے وہ گنائے میں نے!!۔
میں نے نزدیک سے دیکھے ہیں دُکھوں کے دوزخ،!
میں نے دیہات میں سرکار کی سیوا کی ہے!۔
میں نے جی بھر کے گھٹایا ہے کسانوں کا لگان!'
"شادم از زندگیِ خویش کہ کارے کردم!
(اپنے جیون سے میں خوش ہوں کہ بڑا کام کیا!!۔)

(۴)

نہ جلوسوں میں رہا میں، نہ سیاست میں رہا،
پھر بھی تعزیر بھگتا مری قسمت میں رہا!!۔
روک دی میرے خداؤں نے ترقی میری،
"پیٹ کی جیل" میں مجھ کو جوانی بھر کی!!۔
پھر بھی لکھتا رہا میں اپنے خداؤں کے خلاف!
نظمِ "آزاد" لکھی جبر پسندوں کے خلاف!
نفرت و ظلم کے ناپاک طریقوں کے خلاف!
فرقہ وارانہ، بہیمانہ اصولوں کے خلاف!
رام، کرشن کے، گوتم کے حوالے دے کر،
میں نے اِس دیش کے کن کن سے اپیلیں کی ہیں!
زخم دِکھلائے ہیں جلنے کی سبیلیں کی ہیں!
پیار کے واسطے کیا کیا نہ جتن میں نے کئے؟
دل میں چُبھ جائیں جو پیش ایسی دلیلیں کی ہیں!!

(۵)

ٹکڑے ہونے لگا جب دیش تو "ٹکڑے" لکھ کر،
جوڑنا چاہے تھے تقدیر کے ٹکڑے میں نے!۔
چیر کر اپنے کلیجے کو دکھایا میں نے!۔
"ماں کے ٹکڑے نہ کرو" شور مچایا میں نے!۔
کونسی نظم تڑپ کر نہیں لکھی میں نے؟۔
دیکھ کر لکھی ہے سن کر نہیں لکھی میں نے!!۔

(۶)

خون رویا ہوں میں۔ جب نظم لکھی "پاپی پیٹ"!
کتنا مہنگا تھی آزادی کو پایا میں نے۔!
سر پہ گٹھا لئے رنجاؤں کو دیکھا میں نے،
آنکھ سے دیکھے ہیں جاڑوں میں ٹھٹھرتے اجسام!،
اندھی ماتا کو سنبھالے ہوئے ننگی لڑکی!۔
مینڈ پر بھائی کے کندھے تھی بیوہ دیکھی!،
جسم پر جیسے پھٹے کپڑے، پھٹے پڑتے تھے!
شمع جلتی تھی تو پروانے گرے پڑتے تھے!
بھوکے بچوں کے پتا چوری میں پھنستے دیکھے!
زرد چہرے وہ نظر آئے جو ہنستے دیکھے!
مدرسے والوں کے بگڑے ہوئے نقشے دیکھے،
"ریڈ ٹیپزم" کے مُنہ بھوک سے اترے دیکھے،
خون پیتے ہوئے دیکھے ہیں اہنسا وادی!!۔
بھوکوں مرتے ہوئے آئے ہیں نظر "اَنداتا"!!۔

(۷)

"کوریا اور ویت نام" پہ لکھا میں نے!
"ظلمِ بنگال" کے انجام پہ لکھا میں نے!
"ہندِ آزاد کے آلام" پہ لکھا میں نے!
دورِ آزادی میں دیکھا جو کرپشن کا چلن!
صبح پر چھائی ہوئی شام پہ لکھا میں نے!
"مست سب اپنے خیالوں میں نظر آتے ہیں،
"بھیڑیئے بھیڑ کی کھالوں میں نظر آتے ہیں!
"پیٹ کے غم میں سبھی بھول گئے دیش کا غم؟؟!"

(۸)

یہ نہ پوچھو کہ وطن کے لئے کیا میں نے کیا؟!

زورِ طوفاں میں چمن کے لئے کیا میں نے کیا؟
کنکری پھینک دی تالاب کے اندر میں نے!
ورتالاب کو سمجھا تھا سمندر میں نے!
پھر بھی ہلکی سی جو لہر اُٹھے گی اس سے اے دوستا!
بڑھ کر اک روز وہ طوفان سے ٹکرلے گی!! —

ور........؛
ساحل سے،
اُبھر آئے گا......
شورِ ج کوئی!!

نیا سال

(از کلیم سرونجی)

روشنی گُل کرو تیرگی گُم ہوئی
جگمگاتے ہوئے چاند تاروں کی آنکھیں جھپکنے لگیں
نیل گوں شب پروں کو سمیٹے ہوئے
پھر سندیسے مسرّت کے دینے لگی
ظلمتوں کی خلاؤں میں بھٹکے ہوئے

راہ پر آ گئے
وہ مسافر جو واماندگی سے بہت چُور تھے
کسمساتے ہوئے اُٹھ گئے
اور پھر مسکراتے ہوئے اپنی منزل کی جانب روانہ ہوئے
قہقہوں کی صدا سے فضا گونج اُٹھی
زندگی گنگنانے لگی۔ گیت گانے لگی

اور پھر ایک سیمیں بدن
اک نئی شان سے
میری جانب بڑھا
اور کہنے لگا

میں نیا
سال ہوں۔

عظمتِ ہندوستان

(حافظ محمدی)

اے مادرِ ہندوستاں — تجھ پر فدا ہیں جسم و جاں
تیرے سپوتوں کے سبب — روشن ہوا سارا جہاں
تجھ میں ہیں جتنی خوبیاں — دُنیا کو وہ حاصل کہاں
تیرا پسر عبدالحمید — سینے پہ کھا کر گولیاں
دُنیا کو یہ دکھلا گیا — یُوں دیش پر دیتے ہیں جاں

تیرے پہاڑ اور ندیاں — ہر اک طرف ہیں ضو فشاں
تیرے درخشاں بام کو — کیونکر نہ چُومے آسماں
سرسبز ہیں شاداب ہیں — جن سے وطن میں کھیتیاں
جنگل جڑی بوٹی لئے — جن میں ہے اک دولت نہاں
ندیوں کا یہ آبِ رواں — امرت کا بحرِ بیکراں
تیری عماراتِ کہن — ہیں آرٹ کے جو ضو فشاں
تیرے اجنتا کے کھنڈر — پیارے ہیں اکوپا کے نشاں
رامائن و گیتا کے پد — تاریخ کی ہیں داستاں
تیری وہ تہذیبِ کہن — ہے بانیٔ امن و اماں
تیرے لئے برداشت کیں — ویروں نے لاکھوں سختیاں
لاکھوں نے تجھ پر جان دی — تجھ پر مٹے لاکھوں جواں
جن کے کرتبوں کی داستاں
گاتا ہے اب سارا جہاں

تجھ کو بُرا جو بھی کہے — ہم کھینچ لیں اس کی زباں
تجھ پر جو نظرِ بد کرے — اُس کی نکالیں پتلیاں
محفوظ خطرے سے رکھے — تجھ کو خداوندِ جہاں
حافظ کی ہے بس یہ دعا
پھولے پھلے ہندوستاں

عہدِ وفا

ہندوستان کے ستائیسویں جشنِ جمہوریہ پر

(نازکؔ الہ آبادی)

سامنے آزادیٔ بھارت کی رکھی ہے کتاب
پاٹھ ستائیسواں لے کر کے اس کا آج پھر
ہے ہماری انڈین نیشنل وہی اِک کانگریس
نام لے کر شہیدانِ وطن کا باادب
چندر شیکھر کو کریں گے یاد اس موقع پہ ہم
نام لیں بسمل، بھگت سنگھ، حضرتِ اشفاق کا
یاد کرنا ہے اُدھم سنگھ، جلوۂ پنجاب کو
ہو چکے نامِ اہنسا اور وطن پر جو شہید
ہو چکے تحریکِ آزادی کی خاطر جو شہید
اندرا گاندھی کا بھارت ورش میں جوشِ عمل
راہِ آزادی میں رہزن بن گئے تھے چند لوگ
سامراجی بھیڑیوں نے جو چلائی تھی مہم
دم بخود ہے دیکھ کر لیکن وہ فاسشٹوں کی فوج
لے رہی ہیں عمل کے فاسشٹوں کا اب وہ جائزہ
تھے سپہ سالار جتنے اب وہ جیلوں میں ہیں بند
پھر بھی اُن کی فوج ہے اب تک بلوں میں تہ نشیں
سارا بھارت ورش ہے اب اندرا گاندھی کے ساتھ
اندرا گاندھی کے لبِ حسنِ تدبر کے طفیل
ہے اُمیں سے حضرتِ نازکؔ یہی عہدِ وفا

پڑھ چکے ہیں جس کے اب تک ہم غرض چھبیس باب
ہم کو اپنی خامیوں کا بھی لگانا ہے حساب
جس کی رہبر اندرا گاندھی ہیں اُن کے ہم رکاب
اور بس ہے فرض اُن کی روح کو بخشیں ثواب
جس کے حق میں واقعی آزاد سورن تھا خطاب
ہیں جو تاریخِ وطن کے جگمگاتے آفتاب
انتقاماً جس نے ڈائر کا کیا چکتا حساب
آؤ اُن باپو کی بھی کھولیں اہنسا کی کتاب
آؤ اُن گمنام روحوں کو بھی ہم بخشیں ثواب
لا رہا ہے لائے گا، لا کر رہے گا انقلاب
جن کے دم سے تھا ادھورا اپنی آزادی کا خواب
سامراجی طاقتوں سے صرف پانے کو خطاب
اندرا گاندھی کی اسکیموں کو تھے کامیاب
جن کا برسوں تک عمل کرنا تھا انھیں چکنا حساب
جن کے وہ صیدِ ہوس کھانے لگے ہیں پیچ و تاب
اُن کو لا کر سامنے کرنا ہی ہوگا بے نقاب
اور وہ پورا کریں گی اپنی آزادی کا خواب
گویا شانِ ہند پر آنے کو ہے عہدِ شباب
ختم کرنا ہے ہمیں بھارت سے فاشی عذاب

اظہارِ صداقت

آزاد ہیں آزادی کے گُن گاتے ہیں
آزادی میں ہم دل کا سکوں پاتے ہیں
ہم راہِ ترقی سے شناسا کب تھے
اب راہِ ترقی پہ چلے جاتے ہیں

جی دار ہیں جانباز ہیں بھارت کے جواں
اے رازؔ جواں مردی میں یکتا ہیں یہ

رازؔ لائل پوری

بھارت کی زمیں جان سے پیاری ہے ہمیں
خاک اس کی جو ہے راج دُلاری ہے ہمیں
ہم اس سے کبھی دور نہیں رہ سکتے
اِک ایک گھڑی ہجر کی بھاری ہے ہمیں

ہر دیش میں ممتاز ہیں بھارت کے جواں
بھارت کے لئے ناز ہیں بھارت کے جواں

اے۔ عظیم

خط غلط، املا غلط، ہجا غلط، انشا غلط

"اردو املا" کے مصنف رشید حسن خاں کی نذر (ادارہ)

یہ بات کوئی انوکھی نہیں استادوں کے دماغوں میں برتری کا سودا تھا ایک استادِ وقت بزعمِ خود دوسرے استاد کی صحیح بات کو ماننا اپنی شان کے خلاف سمجھتا تھا اس رسہ کشی میں اردو رستی تھی اور عام و خاص تماشائی۔ اگر نظم طباطبائی نے غالب پر صحیح اعتراض کیا تو نجود موہانی نے اسے رد کرنے میں پورا زور لگا دیا۔ اگر حسرت موہانی نے "شکستِ ناروا" کو عیب گردانا تو سیماب اکبرآبادی نے اُسے ماننے سے انکار کر دیا۔ اس کشمکش میں ہماری مادری زبان صدیوں سے مبتلا ہے۔ یعنی دو پاٹوں کے بیچ میں اردو دلی جا رہی ہے۔ کون ہے جو فیصلہ انصاف سے کرے۔ جہاں تحقیق کی جگہ تکبر و تعصب کا جنون ہو وہاں انصاف کی امید وہم باطل ہے بالو نارائن پرساد مہر گوالیری لکھتے ہیں کہ "اکثر اصحاب اردو کے "اُس" کو غالباً فارسی کے واو معدولہ کی تقلید میں "اوس" لکھا کرتے ہیں مگر اردو میں واو معدولہ نہیں۔ اس لئے اُس اور اِس میں ضمہ و کسرہ لگا کر فرق کرنا چاہئے۔"

اس پر ایک نقاد لکھتے ہیں "یہ قدیم رسم الخط ہے۔ غالباً عربی رسم الخط کے تتبع سے ایسا لکھا جاتا ہو۔ اردو میں واو معدولہ کے وجود کے متعلق اس قدر کہہ دینا کافی ہے کہ اساتذہ اور اہلِ لغات کی تحریرات سے ایسے واو کا پتا چلتا ہے جو غیر ملفوظ ہے خواہ آپ اسے معدولہ کہئے خواہ اور کچھ۔ منشی دیبی پرساد صاحب سحر بدایونی بیان تقطیع میں تحریر فرماتے ہیں کہ واو معدولہ جیسے خود۔ خویش۔ اوس۔ تقطیع میں محض اُس گنا جاتا ہے۔ صاحب نفائس اللغات دودھاری۔ دو بیلی دو ہائی کے تحت لکھتے ہیں کہ یہاں واو غیر ملفوظ ہے۔ لفظ سوہاگ کے لئے لکھتے ہیں بضم اول و ہمزہ ملینہ و الف رسیدہ۔ اس کے علاوہ "ہوئی" "چھوئی" وغیرہ میں بھی واو غیر ملفوظ ہے۔ صاحب آصف اللغات فرہنگ الجلال میں حضرت محمد منوی مرحوم کی ایک تحریر نقل فرماتے ہیں "ہوا۔ ہوئی۔ ہوئے کا لفظ واؤ سے نہیں بلکہ ہمزہ سے ہے اور املا میں ہمزہ کا قاعدہ چونکہ اپنی حرکت کے مناسب حرفِ علت کی صورت میں لکھا جاتا ہے اس لئے بجائے "ہوئے" "ہوئے" لکھنا صحیح ہے اور تاریخ میں ان حروف "یا" محسوب ہونے چاہئیں۔ پھر لکھتے ہیں استاذی داغ سے پوچھا انھوں نے فرمایا دونوں جائز ہیں۔ ایک "یا" سے لکھو یا دو سے پھر فرمایا ہم نے "ہوئی" کا رسم الخط اکثر دو یا سے دیکھا ہے اور ہوئے کی کتابت دونوں طرح۔ پھر یہ لکھتے ہیں کہ ہمارے استاد جمل سید کامل لکھنوی نے فرمایا کہ ہونا مصدر سے ماضی "ہوا" الف ممدودہ ہے جیسے تمام طور پر ہوا لکھنے لگے۔ اسی طرح چھونا کا ماضی مطلق چھوآ تھا اسے چھوا لکھنے لگے ـــ پس ہوآ اور چھوآ کا مونث ہوآئی۔ چھوآئی ہے جن کا رسم الخط ہوئی اور چھوئی کی شکل پر رواج دیا ہے۔

صاحب فرہنگ آصفیہ نے مرنا سے ماضی مطلق موا بتایا ہے۔ مگر بقول صاحب آصف اللغات حضرت جلیل القدر کے پاس موا ماضی مطلق ہے مرنا کا اور موا سے موئی اور موئے صرف ایک یا کے ساتھ ہیں بلکہ چھوئی چھوئے بھی صرف ایک یا کے ساتھ ہیں ـــ حضرت جلال لکھتے ہیں کہ مرنا مصدر کا صیغہ ماضی موا ہے ـــ صاحب دریائے لطافت (انشا) کہتے ہیں کہ مصدر مرنا سے مرا موافق قیاس ہے اور موا خلاف قیاس لیکن فصحا نے استعمال کیا ہے۔

میر تقی میر

قیس کیا رنج کھینچ کھینچ موا
سر پہ فرہاد کے تیشہ جو ہوا

وحشت زلیس کہ اس پہ طاری ہوئی
سر پٹک کر کسی طرف کو موئی

جواں کیسے کیسے موئے عشق میں
بہت گھر خرابی ہوئے عشق میں

میر حسن

لگی کہنے نجم النسا سے بوا
خدا جانے اس شخص کو کیا ہوا

دگر مر گئی تو بلا سے موئی
تو یوں جانیو مجھ پہ صدقے ہوئی

جرأت

پرواہ نہیں اس کو او موئے ہم
کیوں دیکھ پہ مبتلا ہوئے ہم

کبھی یہاں تھی بے چین مادہ | پرچھوڑ نہ پاس بیچھو نے ہم
[illegible] ادرا اُس کی کر یاد | چھاتی پہ کرکوٹے سوئے ہم
اک بازی عشق سے ہیں ہارا | کھیلے ہیں وگرد سب جوئے ہم
خوباں کو بڑا سے دیکھیں کیا خاک | مٹی کے بُجھے ہیں تھوئے ہم

انشا کہتے ہیں۔" شاہجہاں پور میں اہل دہلی واو ظاہر نہیں کرتے اور پورب عدن خود بھی سعد بولتے ہیں۔ اسی طرح وہ پورب کی موتث پوتی (پُرنجی) بھی واو غیر ملفوظی سے بولتے ہیں۔ اور کو تجرا بجز واو سے لکھتے ہیں اس میں واو کی ضرورت نہیں ہے"

لفظ اُس کی کتابت پر خوب روشنی ڈالی ہے اور اوس کو غلط بتایا ہے۔

جلال لکھنوی واو غیر ملفوظ کی تصریح بھی کرتے ہیں اور اوبھارنا اور ابھارنا۔ اوبھرنا اور ابھرنا۔ اوجالا اور اجالا۔ اوجلی۔ اودھاس اور ادھاس واو غیر ملفوظ سے لکھتے ہیں (لیکن یہ سب بغیر واو ہی کے صحیح ہیں صرف پیش کافی ہے)

عشرت لکھنوی لکھتے ہیں" بعض لوگ اور علماء اور شعراء پورانا سمجھتا۔ اودھر، اوس کو، اوس کو، گودام، اوجالا واو معدولہ سے لکھتے ہیں یہ خلاف تلفظ زبان (اردو) ہے سب ایسے الفاظ میں واو نہ لکھنا چاہئے"

اور فرماتے ہیں" ایک مخصوص علامت اردو کی یہ ہے کہ اس میں غیر ملفوظ کوئی حرف نہیں آتا۔ جو لکھتے ہیں وہی بولتے ہیں اور سب حروف اپنی پوری پوری آواز دیتے ہیں"

شاد عظیم آبادی (ادیب میں) لکھتے ہیں۔ اگر لکھنو والے لفظ "اُس" بضم الف و سکون سین بمعنی اشارۂ بعید کو واو سے لکھا کرتے ہیں (یعنی اوس) یہاں واو بڑھانے کی ضرورت نہیں۔ صرف الف ماقبل پر پیش اور اشارۂ قریب کے لئے الف کے لئے زیر دینا کافی ہے۔

لیکن ان کو کیا کہا جائے کہ جو ہوئے بروزن فعلن لکھ دیں ؎

ہمارے خون کے دعوے پہ ہوئے اس قدر غوغا
مگر قاتل کے عذرِ قتل پر منصف نہ کچھ بولا

کچھ عربی الفاظ کے آخر میں الف مقصورہ (ی) ہے جیسے موسیٰ۔ عیسیٰ۔ مصطفیٰ۔ مرتضیٰ۔ یحییٰ۔ دعویٰ کو اردو نظم میں الف کے قافیوں کے ساتھ موسا۔ عیسا وغیرہ الف سے لکھنا چاہئے لیکن شرط یہ ہے کہ علامت اضافت سے بیرا ہو۔ مثلاً

عیسیٰ کا دعویٰ بجا ہے عشق کا دعویٰ غلط آپ کا ارشاد سچا ہے مرا کہنا غلط

یہاں سب سے بڑا سوال حرفِ ردی کا ہے جو جانبِ قافیہ ہے وہ نہ بدلنے پائے لیکن بعض متقدین نے اس کی پرواہ نہ کی مثلاً مومن

مومن کو رقیقِ گبرو ترسا دیکھا ٭ پھر طائفِ کعبۂ معلیٰ دیکھا

شوق نیموی

ہمارا تو یار برق آسا ٭ زمیں سے پہنچے تا عرشِ معلیٰ

امیر مینائی

سکہ رائج جب سے دینِ مصطفیٰ کا ہو گیا ٭ غلغلہ ساری خدائی میں خدا کا ہو گیا

حلکی پانی پتی

ابوبکر رازی علی ابنِ عیسیٰ ٭ حکیم گرامی حسین ابنِ سینا

انیس لکھنوی

دامن تلک تھا چاک گریبانِ مرتضیٰ ٭ بے بے حسین کہہ کے تڑپتے تھے مجتبیٰ

دبیر لکھنوی

احمد نے کہا علی سے ہمراہ تم ہو ٭ معراج میں تا عرشِ معلیٰ تم ہو

جلیل مانک پوری

شاہِ جمالِ کبریا تاجِ وقارِ انبیا ٭ کہتے ہیں جن کو مصطفیٰ صلِ علیٰ تمہیں تو ہو

اور غالب نے تو عیسا کو عیسی (یائے معروف) تسلی۔ وہ بھی کے ساتھ لکھ دیا جو کبھی سُنا بھی نہیں ؎

مر گیا صدمۂ یک جنبشِ لب سے غالب ٭ ناتوانی سے حریفِ دمِ عیسیٰ نہ ہوا

رند لکھنوی

آہ نکلی جو سوئے عرشِ معلیٰ ہو کر ٭ رہ گیا عالمِ بالا تہ و بالا ہو کر

آج بھی کوئی شاعر اس کی پروا نہیں کرتا!

حضرت جلیل مانک پوری کسی حال میں الف مقصورہ کو الف محض سے لکھنے کی اجازت نہیں دیتے۔

اہلِ عرب نے ایسے الف مقصورہ کو "ی" کے بعد سو الف سے لکھا ہے مثلاً دنیا (دُنیا) لیکن یحییٰ کو مستثنیٰ کیا ہے کہ اسم معرفہ ہے

حضرت نظم طباطبائی کا شعر ہے

مجھ سے مطلب ہے نہیں دنیا و عقبیٰ سے غرض
تو نہیں جب تو اجڑ جائیں یہ گھر دونوں ساتھ

اس پر نوٹ دیا ہے کہ دُنیا میں الف مقصورہ ہے لہٰذا مالہ [illegible] کرلینا جائز ہے۔

مگر جائز ہے یا ناجائز یہ دوسری بات ہے لیکن مخل کو فصاحت

عرب نے بھی مستثنیٰ کیا ہے۔ پھر عطف و اضافت کے بعد ایسے الفاظ کو الف سے لکھنا کسی طرح بھی صحیح نہیں۔

مومن۔ شوق۔ امیر۔ حالی۔ ذبیح اور جلیل کے اشعار میں حرف روی بدل گیا۔ انیس اور رند کے شعروں میں املا غلط ہو گیا۔

اس کے بعد تنوین کا سوال ہے۔ جیسے معنیً ـــ تنوین عربی الفاظ کے لئے مخصوص ہے۔ اندازاً غلط ہے کہ لفظ فارسی کا ہے۔

جن عربی الفاظ کے آخر تائے مدوّرہ (ۃ) یا الف مقصورہ (یٰ) نہ ہو تو حو کے اختلاف سے ایک الف زیادہ کر کے دو زبر لگائے جائیں جیسے ایضاً احتیاطاً۔ یقیناً۔ مثلاً۔ فوراً۔ اتفاقاً۔

تائے مدوّرہ (ۃ) والے الفاظ جیسے فطرۃً۔ دفعۃً۔ نسبتۃً وغیرہ

جو حروف دو مرتبہ مسموع و ملفوظ ہوں اُن پر تشدید (ّ) لگانا چاہئے۔ جیسے سکّہ۔ مادّہ۔ مجرّد۔ ادّعا۔ کوّا۔ بلّی وغیرہ۔

حضرت شوکت میرٹھی (نقاد میرٹھ مارچ ۱۹۱۹ء میں) فرماتے ہیں: "افسوس یہ ہے کہ اُردو زبان اب تک بے اصول ہے۔ نحو کا تو پتا ہی نہیں رسم الخط اور اصلاح حروف میں کچھ اصلاح ہوئی۔ اکثر الفاظ لکھے کچھ جاتے ہیں پڑھے کچھ، یہ بڑا نقص ہے۔ اگر اُردو میں الفاظ پر اعراب دیئے جائیں تو ماتراؤں سے بہت زیادہ ممیز ہوں گے بشرطیکہ اصلاح ہو

حضرت شاد عظیم آبادی فرماتے ہیں (ادیب الہ آباد جولائی ۱۹۱۲ء میں) "عبارت کی لکھائی کی اصل تعریف یہ ہے کہ پڑھنے والا پوری اور صحیح آواز سے ادا کر سکے۔ اگر معنی و مطلب سیاق کلام سے لفظوں کو صحیح پڑھا تو املا کا تکلف کیا ہوا"...... فارسی اور اُردو لکھنے والوں نے رسم الخط کو اپنی بے اعتنائی سے ایسا بگاڑا کہ خصوص اُردو کی تحریر و املا پر سیکڑوں الزام و اعتراض وارد ہو گئے۔ مجبور ہو کر سرکار بہار نے صوبہ بہار کے سرکاری دفتروں سے اُردو تحریر کو قطعاً نکال دیا۔"

لیکن آج تک اُردو املا ٹھیک نہ ہو سکا۔ اور اُردو کی جڑیں تہ و بالا ہوتی جا رہی ہیں۔ اور مخالفین تیز و تند آندھیوں کی طرح چھائے ہوئے ہیں۔ دیکھئے خان غالب دہلوی نے کس قدر معقول بات لکھی ہے۔ "ملا کوئی لغت فارسی ایسا بتایئے جس میں ذال آئی ہو گر تحقیق

و چیز فقط سب زے سے ہیں۔ کاغذ دال مہملہ سے ہے ان کا ذال سے لکھنا اور کو اغذ کو اس کی جمع قرار دینا۔ تحریب ہے نہ تحقیق۔ اور (آ
آتش (آدر) بدال ابجد ہے نہ کہ بذالِ نقطہ۔ کوئی لفظ متمائل ا
فارسی میں نہیں بلکہ قریب المخرج بھی نہیں۔ تے ہے طوے (یا تا)
سین ہے ثے اور صاد نہیں سائے ہوز ہے۔ حائے حطی نہیں۔ یا
کہ قاف نہیں۔ اس راہ سے کہ غین نقطہ دار ہے مدے کے ہو گئے
کیوں کر..... الخ

کھانے بیٹا کو تھے کچھ راز ایزدی سرمد
کہ شیخ نجد نے چھینا قلم تیر کاغذ

مولوی معنوی نے بھی کاغذ اور بیجد کا قافیہ کیا ہے۔

مرزا اسد اللہ خان نے شیطان کو فرشتہ لکھ مارا

کیوں آج ہیں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند
گستاخی فرشتہ ہماری جناب میں

اس پر علامہ عشق آبادی نے فرمایا

گرچہ ہیں لوریوں کے کبھی تھا جو پادری
مگر اے اسد وہی ہے عزرائیل آدری

آدری بمعنی آتشی (یعنی جن) عشق آبادی صاحب نے آذر کو (بذال نقطہ) نہیں لکھا بلکہ پادری کا قافیہ آدری کیا ہے۔

اور ایک شعر میں فرماتے ہیں

فارسی میں ہم نے دیکھا ہی نہیں ہم صوت حرف
یہ کہا وزرِ ذہ عذارِ سحر سے گلزار نے

خان غالب نے بالکل سچ کہا ہے کہ فارسی میں "ذ" سے ہوتے ذال گیا
حضرت علامہ عشق آبادی (جو مانے ہوئے خوشنویس ہیں) فرماتے ہیں۔

" ہ سے شروع ہونے والے الفاظ میں یا ایسے الفاظ۔ جیسے مثالوں سے پیش کر رہا ہوں ہ کا شوشہ (ھ) لازم ہوتا ہے ـــ"

ہمارا۔ ہجا۔ ہدہد۔ ہرن۔ ہوشیار۔ ہفتہ۔ ہلکا۔ ہیرا۔ ہو۔ رہا۔ راہب۔ رہتے۔ اہل۔ ذہن۔ آہیں۔ وغیرہ لیکن لفظوں کے بیچ میں اگر ہائے ملفوظی ہو یا آخر میں ہو تو وہاں شوشہ (ھ) اُسے بوجھل نہ کرنا چاہئے۔ جیسے شہر۔ کہت۔ کہو۔ شہد۔ بہتا ـــ آلہ۔ تفتہ۔ قہقہہ۔ سفسطہ۔ امالہ۔ کعبہ۔ مدینہ۔ وغیرہ

نستعلیق میں قواعدِ املا نہیں۔" (شاعر ہندوستان جولائی ۱۹۷۳ء)

خواجہ عشرت لکھنوی فرماتے ہیں۔ "میرا اپنا مکان" یہ جو بولا جاتا ہے۔ اپنا غلط ہے۔ میرا مکان کہنا کافی ہے۔" اور فرماتے ہیں "جن الفاظ کے آخر میں ع ساکن ہے ان کے قبل حرفِ ربط آنے سے (ے) کی جگہ کسرہ قبول کرتے ہیں۔ جیسے مجمع۔ مطبع۔ مقطع۔ ان کو مجمعے۔ مطبعے۔ مقطعے۔ مصرعے۔ موقعے (ے) سے لکھنا خطا ہے۔" ایک لکھنوی شاعر کا شعر ہے۔

مصرع لگاؤں سحر کے مصرعے پہ میں غریب
رتی بھی کوئی چیز ہے دُنیا کے سامنے

تاریخ گوئی کے سلسلے میں عشرت صاحب فرماتے ہیں۔ "بعض شعرا مادہ کے مصرعے میں بہ جنت اور بہ فردوس کو الگ الگ لکھتے ہیں یہ اصولِ رسم الخط کے خلاف ہے۔ بجنت۔ بفردوس لکھنا چاہیئے (اور اس ب کے ۲ عدد لینا چاہئیں نہ کہ ۲) خواجہ عشرت صاحب فنِ تاریخ گوئی میں بھی اسے جائز نہیں کہتے۔ خود غالب کے سنہ وفات میں ب مرد ملا ہوا آیا ہے اور ۲ عدد شمار کئے ہیں یعنی "آہ غالب بمرد" (۱۲۸۵ ہجری) (راز شاعر ہندوستان جولائی ۱۹۷۳ء)

میں عرض کرتا ہوں کہ فنِ تاریخ میں غرابت بھی جائز ہے اور عدول از جادۂ صواب کے دس عیب بھی اسلاف نے جائز کر لئے۔ لیکن ب کے دو عدد ہی شمار کئے گئیں یہ لکھ کر ۲ عدد نہیں لئے اور جس نے ۲ عدد لئے بے شک اس نے خطا کی۔

بہ اردو میں بہنا سے ماخوذ ہے مثلاً میرا سارا سامان ندی میں بہ گیا۔ فارسی میں بہ (مکسور مع ہائے آخر) بمعنی اچھا آئے ہیں اور اسی بہ سے بہتر اور بہترین بنے ہیں۔ مولوی معنوی فرماتے ہیں۔

شعر می گویم بہ از آبِ حیات
من ندانم فاعلاتن فاعلات

تو، نہ، (نہ) اور یہ۔ وہ۔ کہ کی طرح اس سب میں اظہارِ حرکت کے لئے ہ کا اضافہ نہیں کیا گیا۔ اسے ملا کر ہی لکھنا چاہیئے۔ جیسے۔ دربدر باادب۔ بچشمِ دل۔ بحکم۔ ببانگِ دہل۔ بکیف و سرور۔ وغیرہ

(۱) دو لفظوں کو ملا کر لکھنا چاہیئے۔ جیسے۔ استغفر۔ کسطرح دلکا وغیرہ

(۲) پورے لفظ کے دو ٹکڑے کر کے لکھنا ٹھیک نہیں جیسے۔ حب آب۔ سرخ آب انھیں حباب اور سرخاب ہی لکھنا صحیح ہے۔

(۳) مرکب الفاظ مضاف مضاف الیہ۔ معطوف معطوف الیہ۔ صفت و موصوف کو نثر عبارت میں ایک ہی سطر میں لکھنا چاہئے جیسے آہِ سرد۔ دل و جگر۔ زاد بوم۔ صاحب خانہ۔ صبا رفتار وغیرہ

(۴) کسی لفظ کے دو یا زیادہ حصے ہوں اور کل حصے مل کر پورے معنی دیتے ہوں تو اسے ٹکڑے کر کے نہ لکھنا چاہئے۔ جیسے۔ کھانسنا۔ ماننا۔ کھنا۔ دیکھنا وغیرہ۔ انھیں مان نا۔ کھانس نا نہ لکھنا چاہئے مگر دعا کرنا۔ ہاتھ اٹھانا الگ الگ ہی لکھے جائیں گے۔

(۵) جب دو لفظ مل کر ایک معنی دیتے ہوں تو ملا کر لکھو۔ مثلاً گلزار۔ گلستاں۔ چمنستاں۔ بلوچستاں۔ افغانستاں۔ دلبر۔ پیغامبر وغیرہ

لیکن شاعر نے گلِ ستاں بروزن فاعلن نظم کیا ہے تو الگ الگ لکھنا چاہئے۔ اسی طرح بوستاں اور بُستاں کا خیال رکھنا چاہئے

(۶) ہم ہی۔ تم ہی۔ وہ ہی۔ یہ ہی۔ اس ہی۔ اس ہی۔ ان ہی۔ وہاں ہی۔ یوں ہی۔ اب ہی۔ جب ہی۔ کب ہی۔ سب ہی جملوں کو ہمیں۔ تمھیں۔ وہی۔ یہی۔ اسی۔ اسی۔ انھیں یا انھیں۔ تمھیں۔ ابھی۔ جبھی۔ کبھی۔ سبھی۔ انھوں۔ جنھوں لکھنا چاہئیں۔ لیکن میں ہی۔ آپ ہی مستثنیٰ ہیں۔ آپی (آپ ہی کی جگہ متروک ہے۔

(۷) اسلاف کچھ الفاظ کا تلفظ نونِ غنہ زاید سے اور کچھ الفاظ کا بلائے ملفوظ زاید سے کرتے تھے لیکن اب ایسا نہیں۔

سونچنا۔ گھانس۔ گیارہں۔ باراں۔ پچھتانا۔ ڈھونڈھنا۔ وغیرہ کو اب۔ سوچنا۔ گھاس۔ گیارہ۔ پچھتانا۔ ڈھونڈنا لکھتے ہیں۔

حضرت مہر گوالیری لکھتے ہیں۔ "بعض بے پروا ناواقفوں نے فارسی کی طرح اردو الفاظ میں بھی ہائے مختفی لکھنے کا طریقہ جاری کر رکھا ہے۔ مثلاً دوپٹہ۔ کلیجا۔ باجا۔ سرہانا۔ دھبا کو پتہ۔ کلیجہ۔ باجہ۔ سرہانہ دھبہ لکھے جاتے ہیں۔ لیکن یہ سب غلط ہیں۔ کیوں کہ اردو میں ہائے مختفی نہیں۔ ہاں اسم معرفہ، نامِ مقام، خطاب کو بوجہ کثرتِ استعمال یا تخصیص ہائے ہوز سے لکھنے میں ہرج نہیں جیسے وکٹوریہ۔ ستارہ۔ آگرہ۔

میرے خیال میں اردو میں ہائے مختفی کا وجود ہے جو منع کرتے ہیں وہ ایسی ہائے مختفی کا کوئی نام بتائیں مثلاً پہ مخفف پر کا۔ اور نہ (تاکیدی یا زائدہ) نہ"

آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہِ طور کی

رہ۔ یانہ۔ وغیرہ میں جو "ہ" ہے

آنولہ۔ صاحب نفائس اللغات لکھتے ہیں کہ بفتح نون وضم ہمزہ

نہ وفتح لام وہائے مختفیہ دو آخر۔ ممکن ہے کہ یہ رسم الخط اہل فارسی کے بتتبع

ہو۔ ان کے علاوہ یہ۔ وہ کا لفظ ہائے ملفوظ و مختفیہ دونوں طرح ہے۔

بعض اردو الفاظ اشعار فارسی میں ہائے مختفیہ سے بھی باندھے

گئے ہیں۔ چنانچہ صاحب نفائس اللغات خاقانی کا شعر نقل کرتے ہیں

س میں سہرہ ہائے مختفی ہے ؎

ماہِ من از حیا بحسن لبس کہ پاب تاب شد

سہرہ چو لبست عارضش بچہ آفتاب خند

ر نے مثنوی معاملات عشق میں بیڑہ پان لکھا ہے

جب وہ کھاتے ہیں بیڑۂ پاں کو ؎ رو نہیں دیتے لعل و مرجاں کو

ممکن ہے کہ میر نے بیڑۂ پان رائے ثقیل سے نہ لکھا ہو راء خفیفہ

ہو جو فارسی میں مستعمل ہے۔ میر کا شعر ہے۔

بہندو زادۂ دارم دلی خود را کہ از طفلی

خیالِ بیڑۂ پاں میکند دلہائے پرخوں را

رہی ایک بہت مشہور شعر ہے جسے ناسخ نے اپنے یہاں موزوں کیا ہے

لوں شعر یہ ہیں ۔ مسی مالیدہ بر لب رنگِ پاں است

تماشا ہیں تہ آتش دُخاں است

مسی مالیدہ لب پر رنگِ پاں ہے

تماشا ہے تہِ آتش دھواں ہے

لفظ دہری فارسی عربی میں یائے نسبت ہے اُردو میں دہریا ہے اور لفظ یا نسبت یا فاعلیت کا ہے جیسے تیلیا۔ جالیا۔ غریبیا۔ ذوق نے دہریہ ہائے مختفی لکھا ہے ؎

زالِ دُنیا ہے عجب طرح کی علامۂ دہر

مردِ دیں دار کو بھی دہریہ کر دیتی ہے

نظم طباطبائی کی تحریروں میں الفاظ پتہ۔ پیسہ۔ کلیجہ ہائے مختفی سے دیکھتے ہیں۔

ساده۔ سوانہ۔ سرد صنہ۔ ایٹہ۔ کلکتہ۔ پٹنہ۔ اٹاوہ۔ بادرسہ

بڑودہ۔ وغیرہ کو بحال رکھا جائے اور باقی الفاظ اُردو میں ہائے مختفی کی ضرورت نہیں۔

اب ذرا "پہ" کا بھی کرشمہ دیکھ لیجئے خواجہ عشرت لکھنوی (اصلاح زبان اُردو میں) فرماتے ہیں کہ "پہ" کا استعمال اب (ستمبر سنہ ۱۹۱۹ء) اکثر شعرا نے ترک کر دیا ہے اس کے بدلے "پر" بولتے ہیں۔ آخر میں جلال اور داغ نے بھی ترک کر دیا تھا۔"

لیکن چراغ کے نیچے اندھیرا۔ خود عشرت صاحب نے ترک نہیں کیا ؎

آستانے کا ترے اوج بیاں ہو کس سے

مجھ کو پہنچا دیا گردوں پہ جبیں سائی نے

(ماہنامہ جلوۂ یار میرٹھ مئی جون سنہ ۱۹۲۹ء صفحہ ۱۴)

دُنیائے شاعری (اُردو) سے یہ لفظ ترک نہیں ہو سکتا۔ نثر میں لکھنا بے شبہ غلط ہے۔

باقی آئندہ

اے۔ عظیم صدیقی

"گلگن" کا یہ خاص نمبر اس درجہ ضخیم ہے کہ انسائیکلوپیڈیا کا حکم رکھتا ہے۔ اِس میں شک نہیں کہ یہ نمبر بڑی محنت و عرق ریزی تلاش و جستجو، دیدہ وری، حسن و خوبی اور خوش مذاقی سے مرتب کیا گیا ہے اور اس لئے یہ صرف پڑھنے کے لئے نہیں۔ بلکہ حفاظت سے رکھنے کی چیز ہے تاکہ آئندہ وقتِ ضرورت کام آسکے ——— ماہنامہ "برہان" دہلی

گگن کا ہندوستانی مُسلمان نمبر

محدود اسٹاک کی بنا پر اب قیمت بیس روپے۔ ڈاک خرچ بذمہ خریدار۔

دفتر شانِ ہند۔ فلیٹ ۵ انصاری مارکیٹ۔ دریا گنج۔ نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

جناب ایم بی سیکسینہ ناشاد دہلوی (مرحوم) کے نام ایک خط

دیوان متھرا داس آہوجہ۔ آئی اے ایس (ریٹائرڈ)

جناب ناشاد دہلوی صاحب۔

آپ کی جس قدر تعریف کی جائے کم ہے۔ آپ شاعر ہیں، بذلہ سنج ہیں۔ سخن فہم ہیں۔ ادیب اور ادیب پرور ہیں۔ رونقِ محفل ہیں۔ لیکن یہ ہمیں پتہ نہیں تھا کہ آپ مداری بھی ہیں۔ یہ ہم کیا سن رہے ہیں کہ آپ تھا تو اسطہ مرگئے ہیں؟ نہ صاحب ہم تو اس بات کے سرے سے قائل نہیں کہ آپ جیسے لوگ مرسکتے ہیں۔ آپ کا شمار تو اُن لوگوں میں ہے جو مرنے پیدا ہوتے ہیں۔ مرنا در آپ کی تقدیر میں نہیں۔ یہ بھی آپ کی جادوگری ہے کہ بیٹھے بٹھائے موت کا ناٹک رچا لیا۔ لیکن معاف رکھنا آپ جیسے باذوق آدمی کے لئے ایسا دل شکن اور بھیانک ناٹک رچانا کچھ اچھا نہیں۔ بیٹھے ہوں گے آپ کسی ریسٹورانٹ کے کونے میں یا کسی اور شہر میں رسم رقص موجد کی ترویج کر رہے ہونگے۔

جیسے پہلے عرض کیا جاچکا ہے آپ سب کچھ کرسکتے ہیں لیکن مر نہیں سکتے۔ بہرحال اس ناٹک بازی کے لئے کوئی موزوں لمحہ توچنا ہوتا ہیں اور آپ کے کتنے دوست اور مداح دہلی میں ہی نہیں تھے جب آپ کی ڈرامائی طبیعت کو یہ مذاق سوجھا۔ ارے میاں ہمارے سامنے مرنے کی مشق فرمائی ہوتی۔ ہم آپ کو اٹھا کر شمشان لیجاتے پہلے بھی بارہا ہم نے آپ کو اٹھا کر ہی تو آپ کے دولت خانے تک پہنچایا ہے۔ اب بھی شمشان لے جاتے اور وہاں سے پھر آپ ہی کے اصرار پر کہیں بیٹھتے۔ کچھ شعروسخن کی بات ہوتی۔ کچھ موسیقی اور رقص سے محظوظ ہوتے اور صبح ہونے سے پہلے آپ کو بھابھی جان کے سپرد کر آتے اور گھر آنے پر معلوم ہوتا کہ آپ کو ٹیلیفون پر یاد کیا ہے۔

اچھا اب یہ بتائیے کہ کتنے دنوں تک یہ مرنا ورنا چلے گا بھائی یہ دہلی کی محفلیں اب بے رنگ اور بے ذائقہ ہوگئی ہیں۔ کیا بہشت میں اس سے زیادہ لطف پایا ہے کہ وہیں کے ہو بیٹھے ہو۔ بھلا کیا ہے بہشت میں؟ دودھ کی نہریں، شہد کے تالاب۔ بھلا بتاؤ کہ دودھ کیا ہوتا ہے اور شہد کس زہر کا نام ہے؟ میاں آج نہیں تو کل بور ہو جاؤگے اور ہم یہاں بور ہو جائیں گے۔ آج ہی چلے آؤ جا ہے کسی رُوپ میں تمہارے صاحب کی طرف سے بھی مضمون واحد۔

امر جلنی

از یدھ پرکاش جوہر

وطن میں نیا انقلاب آ رہا ہے
نئی زندگانی کا پیغام لے کر   نئی صبح لے کر نئی شام لے کر
نئی مے نیا خم نیا جام لے کر
وطن میں نیا انقلاب آ رہا ہے
اندھیروں کو ڈستا ہوا ناگ بنکر   لبوں پر مچلتا ہوا راگ بنکر
کہیں نور بنکر کہیں آگ بنکر
وطن میں نیا انقلاب آ رہا ہے
بساتا ہوا اپنے قوانوں کی بستی   مٹاتا ہوا دو رہیجا کی ستی
گھٹاتا ہوا زر و باطن پرستی
وطن میں نیا انقلاب آ رہا ہے

چمن کو خس و خار سے پاک کرتا   تمنائے صیاد کو خاک کرتا
کہ گلچیں کو بستہ بہ فتراک کرتا
وطن میں نیا انقلاب آ رہا ہے
وہ باپو کے خوابوں کی تعبیر بنکر   جواہر کے ارمان کی تفسیر بنکر
شہیدوں کے نعروں کی توقیر بنکر
وطن میں نیا انقلاب آ رہا ہے
حکومت کے ایسا تہ چلنا ہے ہم کو   سنبھل کر اٹھانا ہے ہر ہر قدم کو
ہے اب تو بھی جو ہر بدل اب قلم کو
وطن میں نیا انقلاب آ رہا ہے

خراجِ وطن

ڈاکٹر ہنومان پرشاد سریواستو اجگر بستوی

(۱)

ج ہے نغمہ خواں پھر زبانِ سخن
ت چھیڑو کوئی نغمہ بانِ سخن
یشں آزاد ہے اور ہم شاد ہیں
ور ہے دیش سے آج رنج و محن
رُوپ رس میں ہے ڈوبا تا پیرہن
اے وطن اے وطن اے وطن اے وطن

(۲)

یری دھرتی [illegible] ہے رام و لکشمن
یری اولاد گوتم تھے شنکر دمن
اک سے تیری گاندھی بھی پیدا ہوئے ہیں
جکے دم سے اہنسا کا مہکا چمن
خاک کو تیری چومے نہ پھر کیوں گگن
اے وطن اے وطن اے وطن اے وطن

(۳)

رے سر پر ہمالہ دھرا تاج ہے
ری گودی میں ندیوں کی معراج ہے
یت کھلیان میں جلوۂ فطرت
رے چرنوں پہ ساگر کا چھایا ہے
تاج کی دید ہے حسن گنگ و جمن
اے وطن اے وطن اے وطن اے وطن

(۴)

س دیش [illegible] ہوئے
ین کے [illegible] ہوئے
وہ دیکھو [illegible] ہے
ن کے [illegible] ہوئے
[illegible]

(۵)

تیری اولاد ارجن بڑا ویر تھا
عظمتِ دہر ذاتِ ہمہ گیر تھا
جس نے بیٹا تھا کوروؤں کا نام و نشاں
دشمنِ ظلم جس کا ہر اک تیر تھا
تھا کُروچھیتر میں جو کماوک فگن
اے وطن اے وطن اے وطن اے وطن

(۶)

اے وطن یہ بھی تھا خاص تیرا کرم
کرشن نے بھی لیا تھا یہیں پر جنم
جو کہ باعث ہوئے کنس کی موت کا
ختم جس نے کیا اُس کا ظلم و ستم
پاٹھ کرتی ہے گیتا کا دُنیا مگن
اے وطن اے وطن اے وطن اے وطن

(۷)

وہ اشوک ایسا سمراٹ فخرِ جہاں
جو ہے اتہاس کی اک امر داستاں
جس نے چین اور ایران کو سر کیا
جس کا ہے نام تاریخ میں جاوداں
تو نے پیدا کئے ایسے ایسے رتن
اے وطن اے وطن اے وطن اے وطن

(۸)

آن پرتاپ کی ہے کہانی جواں
ہے شیواجی کی تیغ بھوانی جواں
آن میسور کی بھی راجپوتوں کی تھا
[illegible]
[illegible]
[illegible]

(۹)

تھور ویسا کہاں اے دیش ہندوستاں
سنت تلسی کے پیارے چمن جاوداں
سنت کبیرا و نانک کی بانی تبیل
پیارے چشتی کے اے نورِ کون و مکاں
تجھ سے روشن ہوئی شمع علم و فن
اے وطن اے وطن اے وطن اے وطن

(۱۰)

میں نے مانا فرنگی یہاں آ گئے
بن کے تجار بھارت پہ بھی چھا گئے
لیکن آئی یہاں غدر کی جب گھڑی
مارے کالے گئے وہ بھی تھرا گئے
لاشیں انگریزوں کی سڑ گئیں بے کفن
اے وطن اے وطن اے وطن اے وطن

(۱۱)

آگے چل کر جہاد کی ہوا چل پڑی
دل میں انگریزوں کے پڑ گئی کھلبلی
سر پہ باندھے کفن انقلابی اٹھے
جس سے لندن میں بھی چھا گئی سنسنی
حالِ انگریز پر مسکرایا گگن
اے وطن اے وطن اے وطن اے وطن

(۱۲)

تاتا قوموں کا اپنی بنا [illegible]
عزمِ طوفان وہ کا تیور پہ چڑھا
پا کی پھانسی اٹھی تیغ ہند کے لئے
انتہا پہ جلدی ہوا سلسلہ
تاتا کرنے [illegible]
[illegible]

(۱۳)

پھر اٹھے لکھنؤ سے بھی نغمہ ریشاہ
تھی غلامی سے انگریز کی جن کو ڈاہ
اور حرم سے نکل آئیں حضرت محل
کر نے افرنگ تمام بالکل تباہ
کر دیا ہتک کا قتل تھا اُبر سن
اے وطن اے وطن اے وطن اے وطن

(۱۴)

وہ بھگت سنگھ آزاد تھم شکھ و جیسل ترے
تھے اشفاق اللہ بہادر بڑے
تجھ کو آزاد کرنے کی خاطر غرض
سب جوانی میں ہنس کر کے سولی چڑھے
جن سے شرما گئے روے دار و رسن
اے وطن اے وطن اے وطن اے وطن

(۱۵)

تیری خاطر ترے پوت لڑتے رہے
نام لیکر ترا ہنس کے مرتے رہے
گرم رکھتے ہوئے اپنا جوشِ عمل
دم بدم سوئے منزل بھی بڑھتے رہے
لاکھ جاری تھا ہم پر فرنگی دمن
اے وطن اے وطن اے وطن اے وطن

(۱۶)

وقت آیا تو گاندھی نے لے کر جنم
دیش کی دیکھ کر وہ فرنگی ستم
اپنی پھر وہ اہنسا کی تلوار سے
توڑا بند و قوں توپوں کا سارا بھرم
جھک گیا جن کے آگے فرنگی دمن
اے وطن اے وطن اے وطن اے وطن

(۱۷)

پوجیہ گاندھی تھے ایسے غرض بھاگی
جو صداقت کے اوتار تھے یا رشی
جن سے ہے سرخرو آدمیت کا دم
جو کہ تھے اصل میں جلوۂ آدمی
اُنکو کرتے ہیں ہم دل سے لاکھوں نمن
اے وطن اے وطن اے وطن اے وطن

(۱۸)

اب تو ہو کر اہنسا سے ہم مشترک
جشنِ جمہوریت میں ہوتے شریک
سربلند آج ہیں دیکھو اہلِ جہاں
ہو کے آزاد بھارت کے ہم ناگرک
ہم سنواریں گے اب اپنا رنگیں چمن
اے وطن اے وطن اے وطن اے وطن

یومِ جمہوریت

(نثار گورکھپوری (دیروا چندن پور))

یومِ جمہوریت ہے منانے کا دِن
سر زمینِ وطن کو سجانے کا دِن

ہے فضاؤں میں پرچم اُڑانے کا دِن
کیف و مستی تمناؤں میں چھانے کا دِن

دوستوں سے ہے ملنے ملانے کا دِن
دشمنوں کو ہے اپنا بنانے کا دِن

مسکرانے کا دِن گنگنانے کا دِن
آج آیا ہے خوشیاں منانے کا دِن

وقت کے ساز پر سُر ملانے کا دِن
ملک کی شان میں گیت گانے کا دِن

آرزوؤں کی تکمیل جس دِن ہوئی
ہے یہی دوستو! اوج پانے کا دِن

دِل کی وادی میں خوشیوں کی بارات ہے
موجِ اُلفت میں ہے ڈوب جانے کا دِن

آج نہرو کی گاندھی کی آزاد کی
داستانِ وفا ہے سُنانے کا دِن

یہ مجاہد وہ تھے جن کے دم سے ہمیں
مِل گیا فخر سے سر اُٹھانے کا دِن

جسم و جاں اب غلامی سے آزاد ہیں
لد گیا بارِ زحمت اُٹھانے کا دِن

جس طرح پھر گئے اپنے دِن اے خدا
پھیر دے اب تو سارے زمانے کا دِن

کچھ پتہ ہے تجھے اے نثارِ حزیں
یومِ جمہوریت ہے منانے کا دِن

کریم الاحسانی

مشاعرہ روٹری کلب میرٹھ

کنور مہندر سنگھ بیدی سحر۔ قمار کانپوری۔ خمار بارہ بنکوی۔ بشیر بدر۔ وسیم بریلوی۔ صبا افغانی۔ زبیر رضوی۔ ناظم انصاری۔ مروحی دہلوی۔ ہلال رام پوری۔ کیف اندوری۔ صبا حیدر آبادی۔ طارق بدایونی وغیرہ

گورنمنٹ کالج میرٹھ کے وسیع میدان میں روٹری کلب میرٹھ کی جانب سے ایک آل انڈیا مشاعرہ منعقد ہو رہا ہے۔ چونکہ کل سے سرد ہوائیں چل رہی ہیں لہٰذا سردی بھی آج اور دنوں سے زیادہ ہے۔ لیکن میدان میں حدِ نظر تک پنڈال بنا دیا گیا ہے اس میں ہوا کیا سردی کا احساس نہیں ہوتا ہے۔ داخلہ کے لئے پاس سسٹم ہے جو مشاعروں میں شور و غل اور ہوٹنگ ہوا کرتا ہے وہ یہاں نظر نہیں آ رہا ہے۔ پولیس کا بھی معقول انتظام کیا گیا ہے۔

۲۳ نومبر ۶۶ء ۷ بجکر دس منٹ ہوتے ہی جناب بی۔ ایس تندھی صدارت کے لئے روٹری کلب کے صدر صاحب کا اعلان ہوا ہے۔ صدر صاحب موصوف کو ہار پہنائے جا رہے ہیں۔ آپکی تصویر لیگئی ہے۔ شری گرگ صاحب چیرمین روٹری کلب مشاعرہ کے سلسلے میں فرما رہے ہیں صدر کی حیثیت سے میں آپ سے مخاطب ہوں۔ سردار سرپ جیت سنگھ کا دہلی میں انتقال ہو گیا انکی آتما کی شانتی کے لئے دو منٹ تک چپ کھڑے ہو جائیے۔ حاضرین نے چپ کھڑے ہو کر مرحوم کو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔ پھر فرما رہے ہیں روٹری کلب ایک ایسی جماعت ہے کہ جو دکھی لوگوں کی مدد کرتی ہے۔ ضرورت مندوں کے کام آتی ہے اس جماعت کا یہی مقصد ہے۔ اب ایک دھرمشالہ کے لئے تین لاکھ روپے کی ضرورت ہے یہ دھرمشالہ میڈیکل کالج کے کیمپ میں بنے گی۔ ہم اس کے لئے ایک بھاری رقم دے رہے ہیں۔ ہم سے سوال کیا جاتا ہے کہ ہم مشاعرہ ہی کیوں کرتے ہیں۔ ہم کو امید ہے کہ ہم کوئی بھی کلچرل پروگرام کریں ہم آج مشاعرہ کر رہے ہیں کل اور کر سکتے ہیں ——— یہ اردو کی ہر دلعزیزی اور محبوبیت ہی تو ہے ——— اسکے علاوہ ایک گرگ صاحب ہیں ——— پھر انسانیت کے علمبردار کنور مہندر سنگھ بیدی سحر سے نظامت کے لئے درخواست کیجا رہی ہے اس پر جا نفزا پر اظہارِ خوشنودی کیا جا رہا ہے۔ محترم کنور صاحب کی تصویر لیگئی ہے اور آپکو بھی پھولوں سے لاد دیا گیا ہے۔ روٹری کلب کے گورنر صاحب کو ہار پیش کئے جا رہے ہیں اور پھر گورنر صاحب فرما رہے ہیں۔

بیدی صاحب اور میرے معزز دوست صاحبان۔ میں آپکی خدمت میں روٹری کلب کی جانب سے عرض کر رہا ہوں کینسر ہسپتال کے لئے کچھ مشاعرہ کی طرف سے بھی دیا جا رہا ہے یہ رقم ہماری طرف سے تقریباً ۲۵ ہزار ہو سکتی ہے جو دیجائیگی۔ اس پر تالیوں سے خیر مقدم اور اظہارِ خوشی کیا جا رہا ہے۔ آپ مختصر تقریر کے بعد جا رہے ہیں اور یہاں اسٹیج محترم کنور صاحب نے مائک سنبھال لیا ہے۔

آیئے میرے ساتھ اس پُر بہار پنڈال کا جائزہ لیتے چلئے صوفوں پر حسینیں چسپاں ہیں۔ ہر آنے والا اپنی چٹ پڑھ کر صف میں جا بیٹھتا ہے ایک عجیب رنگ برنگ سماں ہے جو دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے کتنے ہی ادب چاہنے اور نوجوان اسٹیج کے سامنے فرش پر بیٹھنے کو ترجیح دے رہے ہیں جہاں سامعین دعا فریب شستہ اور زرق برق لباس میں نظر آ رہے ہیں وہاں خواتین کی بھی ایک بھاری تعداد ہے سنیئے کنور صاحب فرما رہے ہیں کہ وسعتِ قلب خدا کی دی ہوئی نعمت ہے۔ یہ جس قدر وسیع ہو سکے کیجئے اور ان مہمانوں کو جگہ دیجئے ——— یہ مشاعرہ کی مقبولیت اور اردو کی کشش ہی تو ہے کہ اس سردی کی رات میں مقامی شائقین کے علاوہ کھتولی۔ مظفر نگر۔ کھاتولی وغیرہ سے سامعین تشریف لائے ہیں۔ اِدھر اعلان تو کر دیا گیا لیکن جگہ تنگ است اور دامان بسیار والا معاملہ درپیش ہے اب آنیوالے کہاں بیٹھیں گے یہ عجیب مرحلہ ہے سامنے کا گیٹ بند کرا دیا گیا ہے اور اس طرح یہاں مہمانوں کا مسئلہ کسی حد تک حل ہو گیا ہے۔ کنور صاحب مشاعرہ کی بسم اللہ نہایت خوش گو، خوش رو، خوش فکر شاعر راشد صدیقی کیرانوی سے کرا رہے ہیں۔ راشد صاحب کے لطافت سے یوں غزل سرا ہیں ؎

خیال و فکر کی دُنیا میں روشنی کے لئے ؏ نگاہ و دل کی ضرورت ہے آدمی کیلئے

داد مطلع ہی سے شباب پر ہے اور آپ اسی دھن میں سے فرماتے ہیں ؎

کسے پکاریں کدھر جائیں روشنی کے لئے — ہر ایک سمت اندھیرے ہیں زندگی کیلئے
مجھے یہ ڈر ہے کہ انسانیت نہ رُسوا ہو — کسی کے دل میں جگہ اب نہیں کسی کیلئے

داد اس شعر کے شایانِ شان دیجا رہی ہے اور آپ اسی دلربائی سے فرمار ہے ہیں ؎

نگاہ و دل میں جو اترے ہمارے ہیں جلوے ؛ رہِ حیات میں کافی ہیں روشنی کیلئے

راشد صاحب تالیوں کی جھنکار میں مشاعرہ کا نہایت شاندار آغاز کر کے کامران جارہے ہیں اور کنور صاحب فرما رہے ہیں اب تک کرپی الا عاق صاحب مشاعروں کی کمنٹریاں لکھتے رہے اور آپ حضرات پڑھتے رہے ہیں آج میں ان کی کمنٹری لکھوں گا اور اب ان سے کلام بھی سنیئے گا۔
لیجئے یہ تازہ اشعار ایمر جنسی کا فیض سُنیئے ؎

سڑکوں پر جم غفیر رواں ہے کسی سال کے بعد — سُرخرو نائب یزداں ہے کسی سال کے بعد
اب عداوت کا اندھیرا نہ تعاصب کی گھٹا — ہر طرف جشنِ چراغاں ہے کسی سال کے بعد
کہاں مجرم ہے اسیر و حبس اسے چھوڑو بھی — دیدنی رونقِ زنداں ہے کسی سال کے بعد
ہر طرف امنِ اماں اور سکوں کے آثار — کوئی ہنگامہ نہ طوفاں ہے کسی سال کے بعد

اب کنور صاحب ایک کمسن اور ابھرتی گلوکارہ برکھا رانی لکھنوی کو دعوتِ نغمگی دے رہے ہیں برکھا صاحبہ یوں محفلِ شعر و نغمہ پر برس رہی ہیں ؎

زخم ہیں دل میں تری یاد دلانے کے لئے ؛ میں ہوں مٹنے کے لئے تو ہے مٹانے کے لئے

پورے مجمع میں جناب قیصر صاحب میرٹھی کی داد چھائی ہوئی ہے نہ جانے زندہ دلانِ حیدرآباد قیصر صاحب کو اپنے تفریحی پروگراموں میں کیوں مدعو نہیں کرتے یہ حقیقت ہے کہ قیصر صاحب مشاعروں میں ایسی نپی تلی اور رچی ہوئی داد دیتے ہیں کہ تمام مجمع انکی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ فرما رہے ہیں خدا کرے اور برکھا صاحبہ غزل سرا ہیں ؎

تم نے اپنا کے مجھے غیر سے بدتر سمجھا ؛ ایک تکلیف بڑھی اور زمانے کے لئے

قیصر صاحب کی ہے — ایک آواز — ایک قہقہہ — داد کے ہنگامے میں ارشاد ہوا ہے ؎

طنز کرتا ہے جو کوئی دل سے علاوہ نکال ؛ تو مٹے دائرے میں حاضر ہوں ٹُلنے کے لئے

دیکھا تو بشیر عنبر دو رحیم، بیلوی آکر صبا افغانی کے قریب ہی بیٹھ گئے ہیں صبا صاحب فرما رہے ہیں آج ہم سے مذاق مت کرنا۔ ہاں بھائی آج بڑے بزرگ سائے میں بیٹھے ہوئے ہیں ان سے مذاق نہ کیجئے اسی ہنسی مذاق میں برکھا صاحبہ لہک رہی ہیں ؎

ہم نے تنہائی میں تارے بھی گنے ہیں اکثر ؛ دل بہلنے کے لئے تم کو بھلانے کے لئے

برکھا صاحبہ تالیوں کی جھنکار میں داد کی جھولیاں بھرے بوجھل قدم پلٹ رہی ہیں اور کنور صاحب فرما رہے ہیں کہ میرے داہنی طرف مولانا لوگ بیٹھے ہیں جو محفل کر داد بھی نہیں دے رہے ہیں لیجئے ایک مزاحیہ شاعر ناظم انصاری ناگپوری کو دعوتِ طنز و مزاح دے رہے ہیں دیکھا تو ایک مولانا سے سوٹ کوٹ پتلون مائک پر آگئے ہیں قیصر صاحب نے نعرہ بلند کیا یہ کیسا اجتماعِ ضدین ہے اس پر یار لوگ مسکرا رہے ہیں اور ناظم صاحب یوں رنگِ محفل بدل رہے ہیں ؎

دلواد اس نے کر دیا اکبار دیکھ کر — ہم کچھ بھی کر سکے نہ لگاتار دیکھ کر
کشتی کے بادبان مجھے یاد آ گئے — بیگم تمہاری لونگ زری شلوار دیکھ کر

قہقہوں اور شور و غل کے ہڑ بونگ میں ارشاد ہوا ہے ؎

ہلکٹ ہیں اور منہ زور ہیں تیری گلی کے لوگ
تیری طرح کٹھور ہیں تیری گلی کے لوگ
پیتے ہیں مفت دیکھ کر دیدار کی شراب
کتنے حرام خور ہیں تیری گلی کے لوگ

پھر ایک ہنگامہ ہوا ہے اور آپ دلکش ترنم سے لہک رہے ہیں ؎

آوارہ لفنگا یا ملا نظر آتا ہوں !
آخر ترے ڈیڈی کو میں کیا نظر آتا ہوں
یوں دیکھ رہے ہیں وہ صورت مری منہ پھاڑے
جیسے کوئی اُلّو کا پٹھا نظر آتا ہوں
میں جن کے لئے ناظم ہوں آج بھی الّی سِرڈ
ہونے کو کئی بچوں کا باوا نظر آتا ہوں

ناظم صاحب محفل کو ہڑ بونگ سے بدلکر تالیوں کے بیچ ہنگم شور میں جا رہے ہیں اور کنور صاحب اشرف حسین رعنا دہلوی کو یاد فرما رہے ہیں رعنا صاحب مائک پر آکر کوٹھے پر ہاتھ رکھے کھڑے ہیں ایک صاحب غالباً اکبر علی جو شروع سے آخر تک قیصر صاحب کی طرح شعراء کو بناتے رہے لیکن قیصر صاحب کی بات ہی اور ہے۔ فرما رہے ہیں کوٹھے سے ہاتھ الگ کرو۔
اس پر ایک قہقہہ بلند ہوا ہے اور رعنا صاحب فرما رہے ہیں ؎

تم سرِ راہ مجھے پیار سے دیکھا نہ کرو — عشق بدنام سہی حسن کو رسوا نہ کرو
جس میں اظہارِ محبت کا کیا ہے میں نے — میرے وہ گیت سہیلی کو سنایا نہ کرو

داد کے شور میں ارشاد ہوا ہے ؎

میں تو اس راہ کا ٹھکرایا ہوا پتھر ہوں
دیوتا مجھ کو نہ مجبوری کو جانا کرو

رعنا صاحب مناسب داد پاکر اپنی جگہ آ رہے ہیں اور کنور صاحب فرمارہے ہیں چندے آفتاب چندے ماہتاب یہاں شعرائے کرام بیٹھے ہیں کیسے نظرانداز کروں اب میں ایک ایسے شاعر کو پیش کر رہا ہوں جو افغان ہیں۔ میری مراد ہے صبا افغانی سے صبا صاحب نے منصوری کے شاعرہ کی تازہ ترین غزل سنائی ہے۔ میں نے صرف سننے پر اکتفا کیا۔ شانِ ہند کے اسی شمارہ میں یہ غزل شائع ہو رہی ہے۔ اسٹیج سے پنڈال تک مکمل سکون ہے۔ نہ بیجا داد ہے نہ کسی شاعر کا مذاق اڑایا جا رہا ہے نہایت صبر و سکون سے سنا جا رہا ہے۔ میں بھی منتظمین مشاعرہ کے حسنِ انتظام کی دل ہی دل میں داد دے رہا ہوں۔ دیکھا تو محترمہ زُو حی دہلوی نے میرے خیالات کو اس سدا بہار غزل اور دلکش ترنم سے منتشر کیا۔ نہایت پُروقار انداز سے بھی داد وہی میں غزل سرا ہیں ؎

اس دل کی کائنات ہے تیری نظر کے ساتھ
مجھ کی زندگی ہے نسیمِ سحر کے ساتھ

داد مطلع ہی سے ہنگامہ کا روپ دھار رہی ہے اور آپ اسی جان لیوا ترنم سے بے حال کر رہی ہیں۔ سنئے ؎

ع ہم جانتے ہیں گردشِ شام سحر کا حال
گذری ہے عمر گردشِ شام و سحر کے ساتھ

اے رحمت تمام تری شان کے نثار

آہ اور واہ کا ایک ہنگامہ ہے کئی بار دہرا کر فرما رہی ہیں ؎

دام و قفس بھی بخشے بال و پر کے ساتھ
زُو حی کسی کی یاد ہے اس دل میں ضو فگن
یا پھول کھل رہا ہے طلوعِ سحر کے ساتھ

زُو حی صاحبہ تالیوں کی جھنکار میں پنڈال کو گم کر کا ماں جا رہی ہیں۔ اور کنور صاحب اس عالمِ کیف و سُرور کو بدلنے کے لئے مقرب حسین دیوبندی کو دعوتِ مزاح دے رہے ہیں۔ مقرب صاحب فرمارہے ہیں کہ مشورہ سماعت فرمائیے — فیس کے ساتھ یا بلا فیس — قیمہ صاحب — ایک قہقہہ — اور آپ فرمارہے ہیں ؎

حسینوں تمہیں مشورہ دے رہا ہوں
کہ تم شاعروں کی نہ باتوں میں آنا

یہ کرتے ہیں تعریف بے جا تمہاری
نہیں اُن کی تعریف کا کچھ ٹھکانا

وہ کیا بات جو ہو حقیقت سے خالی
کہ تعریف بے جا سے بہتر ہے گالی

کوئی کہہ رہا ہے نہ آتنا ستاؤ
کوئی لکھ رہا ہے کہ کب دید ہوگی
کسی کی یہ منطق ہے سب سے نرالی
کہ وہ چھت پہ آئینگی جب عید ہوگی
اگر وہ محرم میں آئینگی چھت پر
یہ سمجھیں گے روزوں نے باندھا ہے بستر

بہت اُن نے ناپا تمہاری کمر کو
ذرا ناپ اِن کی کمر کا تو پوچھو
یہ بوڑھے ہیں پھر بھی ہیں عاشق تمہارے
ذرا غور سے اُن کی شکلیں تو دیکھو
جو سچ بات ہے وہ بتاتے نہیں ہیں
یہ شاعر ہیں ہفتوں نہاتے نہیں ہیں

حسینوں مقرب ہے خود محوِ حیرت
کہ شاعر کی بھی کیا عجب کھوپڑی ہے
اگر تم اُٹھا کر جھکا دو گی نظریں
یہ کہہ دیں گے بجلی کوئی گر پڑی ہے
اگر چشمِ جاناں میں بجلی نہاں ہے
تو شاعر سے پوچھو کہ موضع کہاں ہے

مقرب کو ہر بند پہ داد قہقہوں اور تالیوں سے دی گئی ہے اور آپ تالیوں کے طربو نگ میں اپنی جگہ آ رہے ہیں اور وسیم صاحب فرمارہے ہیں کہ ایک عظیم مفکر عظیم شاعر عظیم انسان کنور مہندر سنگھ بیدی سحر صاحب اس اعلان پر تالیوں سے آپکا خیر مقدم کیا جا رہا ہے اور آپ فرمارہے ہیں

جام گردش میں ہے ساون کی جھڑی ہے یارو
گردشِ وقت ابھی دور کھڑی ہے یارو

میری قسمت میرے قدموں میں پڑی ہے یارو
لفظ تو چھوٹا ہے مگر بات بڑی ہے یارو

واہ واہ ہے کہ بس کچھ نہ پوچھئے کئی بار دہرا کر قبلہ محترم اسی نہ و قار انداز سے عنایت کر رہے ہیں ؎

اُن کی زلفوں کی گھنی چھاؤں میں دم لینے دو
کہ غم کی ابھی دھوپ کڑی ہے یارو

آہ اور واہ کا ایک دھماکہ ہوا ہے اور آپ اسی خلوص سے کہہ فرما رہے ہیں ؎

فکر جنبش کو غم عشق سے جوڑا جائے
گردشِ وقت کا منہ ٹھیک سے موڑا جائے

کیا سہ مصرعہ پر بہت داد دی جا رہی ہے اور آپ فرما رہے ہیں ؎

فیصلہ حشر کا منظور مگر شرط یہ ہے
واعظ و شیخ و برہمن پہ نہ چھوڑا جائے

حشر کے دن ہی سہی وعدۂ دیدار تو ہے
دامنِ امید کا کیوں ہاتھ سے چھوڑا جائے

محترم کنور صاحب تالیوں کے شور میں مائک سے جدا ہو رہے ہیں اور ساتھ ہی اسٹیج سے نیچے جا رہے ہیں ادھر وسیم صاحب مناسب اور موزوں الفاظ میں تعارف فرما کر نور اندوری کو دعوت کلام دے رہے ہیں ساتھ نور صاحب بھی پیراتی غزل اسی بانکپن اور رکھ رکھاؤ سے چھیڑ رہے ہیں ؎

دار تک جو گئے ہیں وہ منصور ہیں
ورنہ قصے تو کتنے ہی مشہور ہیں

ایسے گل جن میں تفریق کا رنگ ہو
وہ گلستاں کے سینے پہ ناسور ہیں

ہم جو دامن کشاں ہیں کوئی راز ہے
آپ ایسا نہ سمجھیں کہ مغرور ہیں

خود اندھیرے میں ہے آپ کی زندگی
نور صاحب تو بس نام کے نور ہیں

نور صاحب محفل کو گرما کر داد کی جھولیاں بھرے تالیوں کے شور میں واپس پلٹ رہے ہیں ادھر گیٹ پر ہجوم غفیر ہے جو اندر آنے کے لئے بے تاب ہے۔ وسیم مولانا راز الہ آبادی سے درخواست کلام کر رہے ہیں راز صاحب مائک پہ آ کر کچھ شروع کیا چاہتے ہیں کہ سامنے سے قیصر صاحب چیخ رہے ہیں کہ اس کام کو چھوڑ کر جھاڑ پھونک کا سلسلہ تعویذ کا کام شروع کر دو ــــ ایک قہقہہ ــــ ماشاء اللہ راز صاحب مشرع بزرگ بن گئے ہیں۔ ارشاد ہوا ہے ؎

میرے جیسا بھی کوئی دل جلا تری انجمن میں ملا نہیں
جو چراغ میں نے جلا دیا وہ چراغ جل کے بجھا نہیں

ہر چند کہ راز صاحب کے ترنم میں اب وہ شعلہ سا چمک جانے والی بات نہیں رہی پھر بھی اپنی روایت کو نبھا رہے ہیں داد کا شور کم ہوا تو دلکشی سے لہرا رہے ہیں ؎

تو ہزار سجدے کرے مگر یہ تری نماز وفا نہیں
جو سر جھکا تو ضرور ہے ترا دل ابھی تو جھکا نہیں

داد نے پھر ہڑبونگ کو جنم دیا ہے اور آپ عنایت کر رہے ہیں ؎

یہ عجیب طرح کی ہے دوستی بڑی کشمکش میں ہے زندگی
مجھے اعتبارِ کرم نہیں انہیں اعتبارِ وفا نہیں

پھر داد نے تمام قیود توڑ دی ہیں اور راز صاحب کا مقطع سنئے ؎

مجھے راز یہ بھی خبر نہیں مرا راز کیسے عیاں ہوا
کبھی ذکر ان کا کیا نہیں کبھی نام اُن کا لیا نہیں

یہ حلیہ سے بات ظاہر ہو جاتی ہے محترم کنور صاحب فرما رہے ہیں اس پر شعرائے کرام مسکرا رہے ہیں اور راز صاحب خوب خوب داد لوٹتے اپنی جگہ آ رہے ہیں۔ ادھر کنور صاحب فرما رہے ہیں اس مشاعرہ میں شعرائے کرام ہندوستان کے ہر گوشے سے آئے ہوئے ہیں اور اب آپ محترمہ صبا صاحبہ حیدرآبادی سے ان کا کلام سنئے دیکھا تو کالی ساڑی زیب تن کئے مائک پر آ کر محفل کا جائزہ لے رہی ہیں اور کنور صاحب فرما رہے ہیں کچھ لوگ چشمے صاف کر رہے ہیں اور اسی ہنسی مذاق میں آپ دلکشی سے غزل سرا ہیں ؎

پیار میں تپ کر سراپا پیار بن جاتے ہیں لوگ
دل میں آ کر جان کے مختار بن جاتے ہیں لوگ

داد مطلع ہی سے شروع ہو گئی ہے اور نہایت متانت سے فرما رہی ہیں ؎

نیچی نظروں میں چھلکتے ہیں محبت کے سبو
خامشی میں بھی لبِ اظہار بن جاتے ہیں لوگ

روک لیتی ہے قدم جذبات کی شائستگی
دل کی بازی جیت کر بھی ہار جاتے ہیں لوگ

او شباب پہ ہے اور آپ اسی دلرُبائی سے مہک رہا ہیں ؎

فاصلہ ہو تو نظر آتے ہیں پھولوں کی طرح
جانے کیوں نزدیک آکر خار بن جاتے ہیں لوگ

صاحب داد و تحسین کے شور میں اپنی جگہ شاداں آ رہی ہیں۔ اور صاحب فرما رہے ہیں اب ایک ایسے شاعر آ رہے ہیں جن کا ایک ہے ایک آواز ہے اور وہ ہیں حفیظ میرٹھی حفیظ صاحب کا پُر تالیوں سے خیر مقدم کیا جا رہا ہے۔ ایک مقامی شاعر کا اس سے استقبال کیا جانا کچھ کم بات نہیں ہے ورنہ مقامی طور پر مقامی شاعر کو سُنا تک نہیں جاتا ہے۔ ہاں تو دیکھئے حفیظ صاحب رکاری کرنے چلے ہیں ؎

بھٹک گئی ہے ہوس مصلحت کے پاس آکر
وفا گدر بھی گئی تخت و تاج ٹھکرا کر

قطعہ عروج سے ہوا ہے کنور صاحب فرما رہے ہیں ڈاڑھی والے ان جیسے شعر ہو ہی نہیں سکتے جیتے رہو اور آپ اسی جان لیوا سے محفل کو گرما رہے ہیں ؎

مجھے یہ مشورہ خوشحال لوگ دیتے ہیں
ضمیر بیچ دے اپنا خوشی کا سودا کر

منال میں بھونچال سا آیا ہے اور آپ بھی جھوم رہے ہیں سُنئے ؎

نہ جانے چشم عنایت میں کیا نظر آیا
قریب رود یا دامن کو اپنے پھیلا کر
یہ لغزشیں ہی سنبھلنا مجھے سکھا دیں گی
قدم قدم پہ سہارو ں کا منہ نہ دیکھا کر

داد دینے والے بے حال ہو چلے ہیں اور آپ پُر سکون انداز سے [illegible] ؎

حیا دیکھیں کی ملاقات بھی اسکو لوٹا دی!
میں تو آج حسین سے ترا ہوں پاؤں پکڑ کر

صاحب محفل کچھ ٹکا کر تالیوں کی جھنکار میں شادماں جا رہے ہیں صاحب فرما رہے ہیں آپ حضرات نے کس شان اور شوق سے صاحب کو [illegible] مقامی حضرات کو کچھ کم کم سنا جاتا ہے لیکن صاحب کی ہر دلعزیزی کا اور مقبولیت نہیں بہلا دیا ہے۔ [illegible] صاحب فرما رہے ہیں کہ [illegible] صاحب نے

نے سفر میں اپنے ساتھیوں سے دریافت کیا کہ میرٹھ کتنی دُور ہے۔ ساتھیوں نے اُن سے دریافت کیا کہ آپ کے سر کی طرف سے یا پاؤں کی طرف سے دیکھا تو اسی ہنسی مذاق میں مانگ ہلال رامپوری کے قد کے مطابق اُونچا کیا جا رہا ہے اور آپ فرما رہے ہیں ؎

بلند دروازہ ہوا کیوں کسلئے پھر در کھلا
یہ گیا کیوں ادھر وہ آیا کیوں نہ کچھ ہم پر کھلا
اُن کی دربانی صدارت جیسے بنگلہ دیش کی
ایک نے بستر لپیٹا ایک کا بستر کھلا

قہقہوں اور واہ واہ کا ایک محل کھڑا ہے اور آپ کی قطعات رواں دواں سُنا کر محفل کو قہقہہ زار بنا کر جا رہے ہیں اِدھر کنور صاحب ایک اعلان فرما رہے ہیں کہ مسٹر شکلا صاحب جہاں بھی ہوں وہ پہلے گیٹ پر چلے جائیں اگر کوئی اور بُلا رہا ہے تو ہماری دعائیں اُن کے ساتھ ہیں اور اگر ان کی اہلیہ محترمہ بُلا رہی ہیں تو ہماری ہمدردیاں اُن کے ساتھ ہیں۔ ایک قہقہہ — پھر فرما رہے ہیں کہ عام شاعری ہوتی ہے مگر ہلال صاحب جو سُنا کر گئے ہیں وہ تجرباتی شاعری ہے۔ پھر یار لوگ مسکرا رہے ہیں اور اب زحمت سخن دے رہے ہیں ملک کے مشہور غزل گو اور محترم شاعر شمیم جے پوری کو شمیم صاحب یُوں محفل کو معطر بنانے چلے ہیں ؎

وہی دیوانہ بنائے وہی ہنس کر دیکھے
کوئی غمخوار ہو میرا تو یہ منظر دیکھے
اک نظر دیکھ لے اس دشمنِ جاں سوز کو بھی
اس سے پہلے کہ زمانہ مجھے ہنس کر دیکھے

اس سے ملنے کے لئے جاں سے گزر جاؤں گا
وہ کہیں سے مجھے آواز تو دے کر دیکھے

یُوں تو داد شروع سے ہنگامہ کا روپ دھار رہی ہے لیکن [illegible] بُری طرح سے چیخ رہے ہیں ایک طرف قیصر صاحب مع احباب ڈٹے ہوئے ہیں اور دوسری جانب اکبر صاحب اپنی پارٹی کے ساتھ براجمان ہیں کبھی کبھی تو شعراء کرام اُن کی بے جا داد پر بوکھلا جاتے ہیں اور یہ داد سنجیدگی کی حدوں کو پار کر جاتی ہے بہرحال مشاعروں میں ایسی تفریح چلا ہی کرتی ہے ہاں تو دیکھئے شمیم صاحب یُوں پنڈال پر چھا جانے کی سعی کر رہے ہیں ؎

پہلے اتنا تو نہ تھا کوئی جنوں میں رُسوا
جس کے ہاتھوں یہاں بھی تیرہ ہوا سر دیکھے

توبہ کے بعد بھی ساقی کا تصور نہ گیا
جس طرف دیکھا چھلکتے ہوئے ساغر دیکھے

ہم تو تسکین و جگر کے ہیں پرستار شمیم
یوں تو دنیا میں بہت ہم نے سخنور دیکھے

شمیم صاحب محفل کو تشنگی میں ڈال کر تالیوں کے شور میں اپنی جگہ آ رہے ہیں۔ اسی انداز اسی ڈھنگ کے ایک دوسرے خوش گلو۔ خوش ذوق فکر شاعر طارق بدایونی آ کر یوں لحن داؤدی میں غزل سرا ہیں ؎

اک نہ اک شمع اندھیرے میں جلائے رکھئے

مصرعہ سنتے ہی ایک ہنگامہ بپا ہے کوئی بھی اس گھسی پٹی اتنی سنائی غزل کو سننے کے لئے تیار نہیں۔ آج سامعین کا حافظہ بڑا تیز اور قوی ہے وہ جانتے کب سے اس غزل کو سنتے آ رہے ہیں آخر ایک ہی غزل کیلئے سیکڑوں روپے خرچ کئے جاتے ہیں سامعین اور شوقین دور دراز سے سفر کر کے آتے ہیں رات کی نیند حرام کرتے ہیں اور پھر وہی گھسی سنائی غزل سننے کو ملے تو اس وقت احتجاج ضروری ہو کر رہ جاتا ہے۔ کنور صاحب نے ڈانٹ کر فرمایا پہلے دور میں جو شاعر چاہے اس سے وہ سن لیجئے گا دوسرے دور میں آپ کی فرمائش پوری کر دی جائیگی اس پر یہ بپھرا ہوا مجمع خاموش ہو گیا اور طارق صاحب پھر وہی غزل سنا رہے ہیں آئیے آپ بھی بیدلی سے ہی سہی سن لیجئے گا ؎

اک نہ اک شمع اندھیرے میں جلائے رکھئے
صبح ہونے کو ہے ماحول بنائے رکھئے

کون جانے کہ وہ کس راہ گذر سے گذریں
ہر گذرگاہ کو پھولوں سے سجائے رکھئے

دامن یار کی زینت نہ بنے ہر آنسو
اپنی پلکوں کے لئے کچھ تو بچائے رکھئے

اب تو اک پل کی جدائی بھی نہ ہوگی برداشت
آخری رات ہے سینے سے لگائے رکھئے

اللہ تعالیٰ آرزو پوری کرے کنور صاحب مسکرا کر فرما رہے ہیں اور طارق صاحب بے دلی سے داد سمیٹے جا رہے ہیں ادھر کنور صاحب مناسب اور موزوں الفاظ میں تعارف کرا کر بشیر بدر سے درخواست کلام کر رہے ہیں۔ بدر صاحب یوں محفل پہ چھا جایا کرتے ہیں ؎

کسی کی راہ میں دہلیز پر دیئے نہ رکھو
کواڑ سوکھی ہوئی لکڑیوں کے ہوتے ہیں

قدیم قصبوں میں کیسا سکون ہوتا ہے
تھکے تھکائے ہمارے بزرگ سوتے ہیں

چمکتی ہے کہیں صدیوں میں آنسوؤں سے زمیں
غزل کے شعر کہاں روز روز ہوتے ہیں

آہ اور واہ کے شور میں ارشاد ہوتا ہے ؎

دشمنی جم کر کرو لیکن یہ گنجائش رہے
جب کبھی ہم دوست ہو جائیں تو شرمندہ نہ ہوں

پھر داد شباب پر ہے اور آپ اسی کج دھج سے محفل کو لوٹتے چلے ہیں ؎

دلوں کی جہاں پائمالی رہی
وہ بستی چراغوں سے خالی رہی

کبھی جب تمہارا خیال آ گیا
کئی روز تک بے خیالی رہی

ہمارے لبوں پر نہ آئی ہنسی
یہ کشتی مسافر سے خالی رہی

بشیر بدر صاحب خوب خوب داد و تحسین پا کر پلٹ رہے ہیں اور کنور صاحب ملک کے منفرد غزلگو اور مترنم شاعر زبیر رضوی کو دعوت نغمگی دے رہے ہیں زبیر صاحب نے یوں دلکش ترنم سے غزل چھیڑی ہے ؎

بچھڑتے دامنوں میں پھول کی کچھ پتیاں رکھ دو
تعلق کی گرانباری میں تھوڑی نرمیاں رکھ دو

بھٹک جاتی ہیں تم سے دور چہروں کے تعاقب میں
جو تم چاہو مری آنکھوں پہ اپنی انگلیاں رکھ دو

لیجئے سامنے والے من چلے ہٹو بازی پر اتر آئے ہیں کسی نئی غزل کا نعرہ بلند کر رہے ہیں کیا ستم ہے کہ کتنے ہی شاعر ایک ہی غزل کو سالہا سال تک الاپتے پھرتے ہیں اور نہیں سوچتے کہ بار بار کی سنی ہوئی غزل کون پسند کرے گا۔ یہی حشر اس غزل کا ہوا پھر آپ دوسری گھسی پٹی غزل چھیڑ رہے ہیں شاید آپ کو بھی یہ یاد ہو آپ نے بھی کئی بار سنی ہو ؎

سارا منظر ہے اجنتا کی گپھاؤں کی طرح
لڑکیاں شہر میں پھرتی ہیں گھٹاؤں کی طرح

لے کے نکلو نہ یوں چند اسا بدن راہوں میں
رات بے رحم ہے قاتل کی اداؤں کی طرح

لیجئے پھر ایک ہڑبونگ ہے اور یہ ہڑبونگ کسی حد تک صحیح بھی ہے کیونکہ سامعین شعراء سے کسی نئی تخلیق کی توقع کرتے ہیں اور جب وہ کوئی بات تازہ تخلیق پیش نہ کر سکیں تو ان کا غصہ اور احتجاج بجا بھی ہے۔ زبیر ترنم کے ساتھ مائک سے جدا ہو رہے ہیں تو وہ خود اس رُخ سے بھی یہ آنکی بر بھی جائزہ ہے کہ نہیں۔ آئیے پھر ایک دلکش اور منفرد شعر سنئے ؎

پانی پہ تیرتی ہوئی یہ لاش دیکھئے
اور سوچئے کہ ڈوبنا کتنا محال ہے

داد کا سابقہ ریکارڈ بھی داد دے رہا ہے اور اس منفرد شعر کے خالق جناب وسیم بریلوی ہیں۔ آج آپ نے خلاف معمول ایک گیت پیش کیا جس کو میں نے سننے ہی پر اکتفا کیا تو وسیم صاحب واجبی سی داد پا کر اپنی جگہ جا رہے ہیں اور کنور صاحب نے ملک کے مشہور غزل گو شاعر حضرت خمار بارہ بنکوی کو کلام بلاغت نظام عطا کرنے کی گذارش کی ہے۔ خمار صاحب کسی اور ہی عالم میں ہیں مگر سنبھل کر دلکش ترنم سے غزل سرا ہیں ؎

ہجر کی شب ہے اور اُجالا ہے	کیا تصور بھی لٹنے والا ہے
موت آئے تو دن پھریں شاید	زندگی نے تو مار ڈالا ہے
عشق مجبور نامراد سہی	پھر بھی ظالم کا بول بالا ہے
غم تو ہے عین زندگی لیکن	غمگساروں نے مار ڈالا ہے

ہم اندھیرے میں گھٹ رہے ہیں خمار

اور چاروں طرف اُجالا ہے

خمار صاحب محفل کو مخمور کرکے تالیوں کی جھنکار میں مائک سے لغزیدہ قدم جا رہے ہیں اور کنور صاحب نسرین اٹاوی کو زحمت سخن دے رہے ہیں اور آزاد صاحب مسکرا کر فرما رہے ہیں ۔۔ نئی بھرتی ہے ۔۔ یہ نئی بھرتی نہیں بلکہ خاندانی شاعرہ ہیں میں نے عرض کیا دیکھا تو اسی ہنسی مذاق میں نسرین صاحبہ غزل سرا ہیں ؎

ہجر کی انجمن شام سے پہلے	جان نہ لے انجام سے پہلے
میرا دل اتنا سادہ	چاہت کے الزام سے پہلے
کانٹوں سے اُلجھا ہے دامن	پھولوں کے انعام سے پہلے

مستی ہے کیوں آنکھوں میں نسرین

کیف مے گلفام سے پہلے

نسرین صاحبہ داد میں ڈوبی اپنی جگہ آ رہی ہیں اور کنور صاحب فرما رہے ہیں نامور مقتدر، ہر دلعزیز شاعر جن کا تخلص تو فنا ہے مگر ہیں بقا اپنے کردار و شاعری کی وجہ سے اور اب آپ فنا نظامی کانپوری سے اُنکی غزل سُنئے۔ فنا صاحب نے مائک پر آتے ہی کسی ہیرے کو للکارا ہے ہیرے پہ دکان بڑھاؤ اب فنا صاحب اپنی دکان لگائینگے بڑے صاحب مسکرا کر فرما رہے ہیں اس پر یار لوگ بھی جوابا ہنس رہے ہیں اور فنا صاحب فنائی اشعر ہو رہے ہیں ؎

جانِ بہار حسن چمن کا اچھال دو

دامانِ گل پہ رنگ کے دھبے ہی ڈال دو

بگڑا ہوا نظام بہاراں سنبھال دو

یا گلُستان چمن کی بھی دیکھ بھال دو

داد کا عالم نہ پوچھیے اور میں حفیظ صاحب سے عرض کر رہا ہوں آپ بھی تو داد دیجیے اس پر حفیظ صاحب مسکرا رہے ہیں اور فنا صاحب گویں نغمگی بکھیر رہے ہیں ؎

ساقی کے ہاتھ چومتے ہیں جو بجائے جام

ان کو شراب خانے سے باہر نکال دو

اپنے ہر اک سوال کا لیجئے ابھی جواب

ہم وہ نہیں جو وعدۂ فردا پہ ٹال دو

کل رات اِک بزرگ نے پی تھی ہمارے ساتھ

یارو ذرا ہماری صراحی کھنگال دو

داد نے ہنگامہ کا روپ دھار لیا ہے اور فنا صاحب بھی جھوم کر اسی دلکشی سے عطا کر رہے ہیں ؎

تجدید رسم و راہ گوارا تو ہے مگر

ایسا نہ ہو کہ پھر مجھے اُلجھن میں ڈال دو

فنا صاحب تالیوں کے بے ہنگم شور میں خوب خوب کامراں جا رہے ہیں۔ آج کے مشاعرہ میں جناب حفیظ میرٹھی اور حضرت فنا صاحب خوب جمے اور اس مشاعرہ کا سہرا انہی حضرات کے سر رہا۔ لیجئے کنور صاحب رندِ خرابات ناظر خیامی لکھنوی کو خوش مزاج دے رہے ہیں ناظر صاحب مائک پر کیا آئے کہ اپنے ساتھ ایک ہاؤ ہو اور شور و غل لے کر آئے یہ ہنگامہ ذرا کم ہوا تو فرما رہے ہیں کہ یہاں ایک دوست کہتے تھے کہ تم مرجاؤ اور آج مجھے بتلایا گیا کہ وہ ہی مر گئے ہیں اور پھر مینا گساری کی تحریک سے لے کر مزاحیہ دلیسانی تک سادہ نہ جانے کیا کیا سُنا گئے ادھر میں آپ کا منہ دیکھتا رہا۔ آپ کے ساتھ ہی یہ یادگاری شگفتہ اور لاجواب پر سکون محفل شعر و سخن بجکرہ ۲ منٹ پر نہایت کامیابی کے ساتھ ختم کیا جا رہا ہے۔

اس برفیلی رات میں سامعین پنڈال سے اُٹھنے کا نام نہیں لے رہے ہیں پنڈال کو اس طرح ترتیب دیا گیا ہے کہ اثر کنڈیشنڈ بن کر رہ گیا ہے۔ میں بھی محترم سرور صاحب محترمہ زُوحی صاحبہ صبا صاحبہ اور مشر مقرب حسین کے ہمراہ کمار ہوٹل آ گیا ہوں اب ذرا دیر آرام کروں گا آپ بھی آرام فرمائیے۔ بہت جلد مظفر نگر کا مشاعرہ خدمت عالیہ میں پیش کروں گا۔ انشاء اللہ اچھا شب بخیر ۔۔۔!

انکم ٹیکس دہندگان! آپ کے لئے نئی رعایت

اپنی پونجی پر زیادہ سُود
کمایئے اور
ٹیکس بھی بچایئے

آپ 10 سالہ اجتماعی میعادی ڈیپازٹ کھاتے میں

اب 1,000 روپے ماہانہ تک بچت کرسکتے ہیں

سود پر ٹیکس نہیں لگتا اور آپ کی بچائی ہوئی رقم کو آپ کی قابل ادائیگی ٹیکس آمدنی میں سے منہا کردیا جاتا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو ملنے والے سود کی قابل ادائیگی ٹیکس شرح درحقیقت 27.2% تک ہوگی۔

اگر آپ چھماہ یا ایک سال کے لئے پیشگی رقوم جمع کرائیں گے تو آپ کو مزید رعایت ملے گی۔

دیر نہ کیجئے! آج ہی اپنے ڈاکگھر میں کھاتہ کھول دیجئے

قومی بچت ادارہ
پوسٹ بکس ۰۰ ــــ ناگپور

آل انڈیا مشاعرہ منصوری

کریمی الاحسانی

آئیے ہم آپکو ایک ہمالیائی یا پہاڑی مشاعرہ سنوا دوں۔ دیکھئے میں آٹھ ہزار فٹ کی بلندی سے آپ سے مخاطب ہوں۔ یہ منصوری (مسوری) ہے جو آسمان سے باتیں کر رہا ہے اس کے حسین اور قدرتی و دلکش مناظر قابلِ دید اور یہاں کی رنگینیاں دعوتِ نظارگی دیتی ہیں یہ رنگ ہال ہے جو پگڑی سنبھال کر دیکھا جاتا ہے اسکی بلند و بالا سیڑھیاں طے کر کے اوپر گیا تو ڈاکٹر شمیم صاحب مظفر نگری اپنے احباب کے ساتھ نظر آئے۔ ڈاکٹر صاحب شاعر نہیں چھوٹے نے ان سے علیک سلیک کے بعد آگے بڑھا تو مسٹر ڈی آر کیپور صاحب کنوینر مشاعرہ بڑا۔ محترم تصور زیدی اکسائز کمشنر سے ملاقات ہوئی۔ کیپور صاحب نہایت خوش اخلاق اور ادب نواز بزرگ ہیں۔ دیکھا تو مسٹر بشیر صادق۔ مسٹر آر جین۔ جناب لئیق احمد صاحبان بھی مجھ سے پہلے ہال میں براجمان تھے۔ آپ حضرات میری ہی درخواست پر اس مشاعرہ کو سننے کے لئے سہارنپور سے آئے ہیں ساتھ ہی چلے تھے لیکن بس اسٹینڈ پر آکر بچھڑ گئے تھے ان کے دم سے بھی مشاعروں میں رونق آجاتی ہے خصوصاً جین صاحب مشاعروں کے روحِ رواں ہیں۔ کیپور صاحب نے بتلایا کہ آپ رو کسی ہوٹل میں چلے جائیے جہاں تمام شعراء قیام پذیر ہیں۔ روکسی ہوٹل رنگ ہال کے نیچے ہی ایک آرام دہ ہوٹل ہے یہاں آکر جناب شمیم جے پوری اور تمنا جمالی کے کمرہ میں پہنچ گیا ہوں۔ میں نے نماز ادا کی۔ ان دنوں شمیم صاحب بھی عاکم قصوری کی طرح باقاعدگی و تسبیح نظر آتے ہیں۔ نماز سے فراغت پاکر شاعری کا دور چلا۔!

آج ۲۱ر اکتوبر ۷۵ء کی شب ہے ½ ۹ بجا چاہتے ہیں۔ شمیم اور تمنا جمالی کے ہمراہ رنگ ہال میں پہنچ گیا ہوں اب رنگ ہال کا نقشہ ہی بدلا ہوا ہے سامنے اسٹیج پر اِدھر اُدھر رنگین کپڑے ایک عجیب سماں باندھ رہے ہیں سامنے کرسیاں صوفہ سیٹ اور فرش نہایت قرینے سے بچھا ہوا ہے اوپر کی طرف گیلریاں بھی کھچا کھچ بھری ہوئی ہیں اور سامعین کا یہ عالم ہے کہ ہال میں تل رکھنے کو جگہ نہیں ہے۔ ڈائس کے سامنے شہر کے معزز حضرات و خواتین زرق برق اور گرم لباس میں نظر آرہے ہیں۔ اور میں دیکھ رہا ہوں کیا اردو داں پنجابی اور سکھ داں یکدم سے کیا زندہ ہے کہ

نہایت سرگرمی سے اس مشاعرہ میں جوق در جوق آرہے ہیں اور سامنے جو خواتین شو پیڑ بن رہی ہیں جن میں جوان بیٹیں اور بوڑھی مائیں دعیجے تک جمی رہیں اور جنھوں نے شعراء کرام ہی کو ڈائس چھوڑنے پر مجبور کیا وہ انھوں نے اٹھنے کا نام نہیں لیا۔ جناب کمال الدین کمال نے نقیب الشعراء کے فرائض انجام دینے کے لئے مائک سنبھالکر شعراء کرام کا تعارف کرایا۔ سامنے والے بہت دیر پہلے سے تالیوں سے متقاضی ہو کر رہے ہیں کہ مشاعرہ فوراً شروع کرایا جائے لیجئے صدارت کے لئے کمال صاحب حضرت جناب صدر جمہوریہ ہند کا اسم گرامی پیش کر رہے ہیں جس پر تالیوں سے اظہار خوشنودی کیا جا رہا ہے۔ محترم احمد صاحب نہایت سادگی سے تشریف لاکر شعراء کرام کے مجمع میں بیٹھ گئے ہیں اور کمال صاحب اپنے ہی کلام سے بسم اللہ فرما رہے ہیں۔ آپ بھی سماعت فرمائیے ؂

تیری محفل سے ہم تو چلے جائینگے پر بربادیوں کے فسانے لئے
ذکرِ عہد وفا جب بھی ہوگا کبھی بیوفاؤں کے چہرے اتر جائیں گے

میں ایسی جگہ بیٹھا ہوں کہ جہاں سے اچھی طرح سنائی نہیں دیتا یہاں سے [illegible] صاحب کی غزل نوٹ نہ کر سکا اور اب میں کمال صاحب کے قریب آبیٹھا ہوں یہاں سے اب سب کچھ دیکھ سکوں اور سن سکوں گا لیجئے [illegible] صاحب نے کسی شہید میکش کو یاد فرمایا ہے میکش صاحب نذرِ مشاعرہ فرماکر چپ چاپ اپنی جگہ آگئے اور اب آرہے ہیں پروفیسر جعفری کا یہ ہوا ہے ؂

تنگ آکر کسی فنکار نے بیچی ہے زباں
سنگ و آہن کے دریچوں سے نکلتا ہے دھواں

میں حسیں کل کے تصور سے ہوں محفوظ مگر
جیسے ساون کی جھڑی اور ٹپکتا ہو مکاں

داد کے شور میں فرما رہے ہیں ؂

خود اپنے پاؤں سے روندا ہے پھول والوں نے
مری نظر میں چمن لالہ زار اب بھی ہے
نکل چلا ہے دبے پاؤں کاروانِ حیات

مجھے کسی کا مگر انتظار اب بھی ہے

بہت دنوں سے محبت کی بات ہوتی ہے
مگر گلاب کے پہلو میں خار اب بھی ہے
بدست دیر و حرم میکدہ کو بیچا ہے
ہمارے شہر میں وہ بادہ خوار اب بھی ہے

پروفیسر صاحب مناسب داد وصول کئے چلتے بنے اور اب کمال صاحب ہلال رامپوری کو دعوت طنز و مزاح دے رہے ہیں ہلال صاحب ایک تازہ قطعہ سنا رہے ہیں ؎

بلندی پر جو پہنچے عشق تو پھر حسن ملتا ہے
غلط بالکل غلط جھوٹے یہ سب مضمون کہتے ہیں
وہ بر سینما میں منصوری پہ رہتے ہیں مگر یہ کیا
میں جب آتا ہوں منصوری وہ ڈیرہ دون کہتے ہیں

محفل قہقہہ کا ایک دھماکہ ہوا ہے۔ ایک بچہ رو رہا ہے ہلال صاحب مسکرا کر فرما رہے ہیں وہ بھی داد دے رہا ہے۔ اور پھر لگی پرانے قطعات سنا کر محفل کو قہقہوں اور ہڑبونگ میں آتار کر تالیوں کے شور میں جا رہے ہیں ادھر اس رنگ کو بدلنے کے لئے ایک نوجوان خوش گو۔ خوش گلو شاعر تمنا جمالی کو کمال صاحب دعوت سخن دے رہے ہیں تمنا صاحب گویا سچ مچ ہی محفل کو گرمانے چلے ہیں ؎

کسی کے ستم کو کرم جانتے ہیں ؎ محبت کی عظمت کو ہم جانتے ہیں
بہت روز ان میں تعبیر رہا ہوں ؎ تجھے تیری زلفوں کے خم جانتے ہیں

داد دینے والے بھی ڈٹ کر داد دے رہے ہیں۔ یہ رنگین ماحول اور پھر تمنا صاحب کا شعلہ سا لپکتا ہوا ترنم آگ سی لگا رہے ہیں اور خود بھی جھوم رہے ہیں سنئے ؎

کئی عمر صحرا نوردی میں اپنی ؎ ہمیں شہر کے لوگ کم جانتے ہیں
خوشی کی تمنا کریں کیا تمنا ؎ خوشی کے فریب اہم جانتے ہیں

تمنا صاحب محفل کو چونکا کر تالیوں کی جھنکار میں کامراں پلٹ رہے ہیں اور کمال صاحب کسی بزرگ شاعر شانتی سروپ کو زحمت سخن دے رہے ہیں۔ شانتی صاحب نے اس پیرانہ سالی میں ایک نظم لڑکی جو لا چھیڑ رہی جو ہنگامہ کی نذر ہو گئی۔ آپکی عمر کا تقاضا تو یہ تھا کہ کوئی سنجیدہ کلام پیش کرتے مگر ایسا نہ کر سکے اور سنا کر چپ چاپ چلتے بنے۔ ادھر کمال صاحب اس ماحول کو بدلنے کیلئے دعوت سخن دے رہے ہیں برکھا رانی لکھنوی کو۔ برکھا رانی صاحبہ زلف بر دوش ساری میں ملبوس یوں محفل کو لوٹنے چلی ہیں ؎

زخم ہیں دل میں تری یاد دلانے کے لئے
میں ہوں مٹنے کے لئے تو ہے مٹانے کے لئے

لیجئے یار لوگ جو تفریح کے موڈ میں ہیں کسی اور ہی عالم میں ہیں تالیوں پر اتر آئے ہیں اور ایسا دیکھ رہا ہوں کہ ہال انگڑائیاں ہی لے رہا ہے اب مشاعرہ جما ہے۔ ارشاد ہوا ہے ؎

تم نے اپنا کے مجھے غیر سے بدتر سمجھا
ایک تکلیف بڑھی اور زمانے کے لئے

اس شعر پر داد کا سعادت ریکارڈ بھی جھوم رہا ہے۔ مجھے سنائی نہیں دے رہا کہ ہال میں کیا ہو رہا ہے قدرے سکوت کے بعد اسی جان لیوا ترنم سے محفل کو گرما رہی ہیں۔ فرما رہی ہیں ؎

طنز کرتا ہے تو کر دل سے عداوت تو نباہ
ٹوٹنے والے میں حاضر ہوں مٹانے کے لئے

ایک اور ایک اور کے شور اور تالیوں کے ہڑبونگ میں آپ مائک سے جدا ہو رہی ہیں اور داد دیجئے کمال صاحب کو اس وقت آپ نے ایک ایسے شاعر کا انتخاب کیا جو قربانی کا بکرا نہ بن سکے اور وہ ہیں حیات وارثی لکھنوی۔ نہایت دلکشی سے ترنم کر عنایت کر رہے ہیں ؎

ہر گذرے مجھے نے یہ پیام چھوڑا ہے
ان گنت مسائل ہیں اور وقت تھوڑا ہے

لیجئے داد شباب پہ ہے اور آپ اسی طرح بانکپن سے عطا کر رہے ہیں ؎

ہم کریں شکایت کیا اس پہ اور پیار آیا ؎ اس نے آئینہ دل کا اس ادا سے توڑا ہے
اور سونے والوں کی نیند ہو گئی گہری ؎ دھوپ کی تمازت نے جس قدر جھنجھوڑا ہے

حیات صاحب تالیوں کی جھنکار میں اپنی جگہ آ رہے ہیں اور اب کمال صاحب ذائقہ بدلنے کیلئے عرفان منظر نگری کو دعوت مزاح دے رہے ہیں عرفان صاحب یوں بازاری قسم کے اشعار سنا رہے ہیں ؎

میرے محبوب تجھے میری محبت کی قسم ؎ آج کی رات مرے گھر میں بسیرا کر لے

کیا دہ چڑھایا ہے ـــ ایک آواز ـــ ایک قہقہہ ـــ اور پتہ نہیں پہلے مصرعہ پر سر پیٹے
نیا خیال یہ مصرعہ کسی فلمی گانے کا ہے عرفان صاحب نے اس قسم کے فحش اور عریاں شعر سنائے ہیں۔ جانے عرفان صاحب منظر نگر کا نام کیوں بدنام کرنے پر تلے ہیں منظر نگر نے تو مزاح میں کہنے والے شوکت تھانوی اور منشی ستی کرانی

ملاحظہ فرمائیے جواب شاعر دئیے ہیں کہ جن کا اردو ادب میں ایک مقام ہے دیکھیے
ایک خاموش شاعر سید اکبر عباس سہارنپوری رواں دواں نظر آرہے ہیں
خیال ہیں کہ اب کچھ ملال بیت گئے ☆ کسی سے بچھڑے ہوئے کتنے سال بیت گئے
سوچتا ہوں نیا دور کیسا آئے گا ☆ اگر یہ دن بھی بفرض محال بیت گئے
قبلہ اکبر صاحب تحمل سے کام لیکر گلو خلاصی کر کے چلتے بنے آپ مشاعروں کے شاعر نہیں ہیں۔ لیجئے کمال صاحب پھر رنگ محفل بدلنے کیلئے مشہور مزاح نگار ناظر خیامی کو یاد فرما رہے ہیں ناظر صاحب کو دیکھتے ہی یار لوگ قہقہوں پر اتر آئے ہیں اور آپ عالم رویا میں لہک رہے ہیں ۔

من کو گریباں سے ملاؤ پہلے ☆ ایماں کو ایماں سے ملاؤ پہلے
آپ سے دھرتی کو ملانے والو ☆ انساں سے انساں کو ملاؤ پہلے

ہوٹنگ اور غل غپاڑہ کے شور میں ارشاد ہو رہا ہے ۔

شراب سے مسلماں بنانے والے ☆ جال میں حور کے بندے کو پھنسانے والے
ہم جو گنہگار سزا دے گا خدا ☆ تم کون ہو مانگ اپنی اڑا تے شانے

ناظر صاحب سے وجام کی تلقین کر کے تالیوں کے شور میں مائک سے ہو رہے ہیں اور ہیں لے صرف سننے ہی پر نہیں بلکہ ان کی صورت دیکھنے کی اس ہنگامی ماحول کو بدلنے کیلئے کمال صاحب ایک مشہور شاعر اور ترنم عرشیم جے پوری کو دعوت نغمگی دے رہے ہیں خیم صاحب یوں محفل خنکی میں ڈبونے چلے ہیں ۔

صبا کہنا یہ میرا نام لیکر ☆ کب آؤ گے وہ صبح و شام لیکر

دیکھئے ہال میں ایک سناٹا سا ہوا ہے قدرے سکوت کے بعد خیم صاحب ماحول کو یوں معطر بنا رہے ہیں ۔

اٹھے ہیں اہل مستی جام لیکر ☆ جواب گردش ایام لیکر
غم عصیاں سے جینے دیگا ساقی ☆ پلائے جا خدا کا نام لیکر
جو ساقی سے طلب اعلیٰ کو دیکھا ☆ مذاق تشنگی سے کام لیکر

اس شعر پر داد نے ہنگامہ کا روپ دھار لیا ہے اس شعر کے سمجھنے والے یہاں بہت ہیں اور خیم صاحب اسکا یا نکپن سے سحر کر رہے ہیں ۔

تری محفل سے جب اٹھ تو دیتے ☆ پکارا مجھ کو تیرا نام لیکر

خیم صاحب نہایت شاداں تالیوں کی جھنکار میں ایک اور ایک اور کو نظر انداز کرتے ہوئے چلتے بنے۔ اور اب کمال صاحب ایک ایسے گوشہ نشین پختہ گو شاعر سے درخواست کلام کر رہے ہیں جو مشاعروں میں سنانے سے کتراتے ہیں اور اپنی شاعری کا اظہار بھی نہیں کرتے ہیں اور پھر خیم صاحب کے بعد لیکن آپ یقین فرمائیے کہ ان کی سادگی سے محفل نے بے پناہ داد تحسین وصول کی۔ اور آپ ہیں تصور حسین تصور زیدی آئیے یہ حسین اور صدا بہار شعر سنیئے ۔

میں ایک لمحہ سے زائد ٹھہر نہیں سکتا ☆ وہ ایک لمحہ بھی شاید گزر گیا ہوگا
احساس حد سے سوا بھی ابھی نہیں ☆ صدیوں کی فکر چھوڑیئے لمحہ سنبھالئے

نہایت سنجیدگی سے داد دیکھا رہا ہے اور آپ اسی متانت سے عطا کر رہے ہیں

خون نے سلسلۂ اشک فشانی نہ رہا ☆ دل میں کچھ ایسی لگی آگ کہ پانی نہ رہا
زندگی چاہی تو پایا نہ مسیحا کوئی ☆ موت مانگی تو کوئی دشمن جانی نہ رہا

داد آپ کے شایانِ شان دیکھا رہا ہے اور آپ اسی پرد فانہ انداز میں فرما رہے ہیں ۔

رات بھر چاند ستاروں نے ترے گیت سنائے ☆ میرا پیغام مگر تیری زبانی نہ رہا

قبلہ زیدی صاحب تالیوں کی جھنکار میں کامراں آرہے ہیں اور کمال صاحب طالب رامپوری کو طلب فرما رہے ہیں۔ طالب صاحب دھیاد حجم سے رواں دواں محسن کرچلتے بنے۔ ایک مطلع تو سن ہی لیجئے ۔

جس در پہ بسر کل کوئی رات نہ ہوگی ☆ اب آپ سے خوابوں میں ملاقات دیکھا

آئیے پھر ایک غزل اظہر عنایتی رامپوری سے سنئے ۔

جس دن تری دیوار پہ گر جائے گی تصویر ☆ پھر کون یہاں ٹھہرے اے سایۂ دیوار
جذبات کا طوفاں بھی لو دیتا ہے دل کو ☆ پھولوں کے چراغوں سے بھی جل جاتا ہے گلزار
جس دور کے فرہاد بھی کھو دیتے ہیں تیشہ ☆ اس دور کے سر اپنے اٹھا لیتے ہیں کہسار

اظہر صاحب مناسب داد وصول کئے اپنی جگہ آرہے ہیں اور کمال صاحب شیام سندر راز کیور تھلوی کو منظر عام پر لا رہے ہیں۔ راز صاحب عالم رویا میں جھوم رہے ہیں ۔

محبت مٹ گئی لیکن دل برباد باقی ہے ☆ دل برباد میں اب بھی کسی کی یاد باقی ہے
کسی کی یاد میں اب بھی یہ میرا اشک ہیں باقی ☆ ان آنکھوں میں نہ جانے کونسی فریاد باقی ہے

لیجئے اب ترنم سے غزل چھیڑ رہے ہیں ۔

حادثے کیا کیا ہماری بے رخی سے ہو گئے ☆ اہلِ دنیا کے لئے ہم اجنبی سے ہو گئے
وہ گلہ کیوں کر کریں صیاد کی بیداد کا ☆ جو اسیرِ دام اپنی ہی خوشی سے ہو گئے

راز صاحب داد پا کر جھومتے ہوئے پلٹ رہے ہیں اور اب کمال صاحب مناسب اور موزوں الفاظ میں تعارف فرما کر درخواست کر رہے ہیں صبا افغانی سے۔ صبا صاحبہ کا نام سنکر یار لوگ تالیوں پر اتر آئے اور صبا صاحبہ اپنے مخصوص ترنم سے یوں غزل سرا ہیں ۔

شام غم کے مارے جب آئے حسن والوں میں
ڈرتے تھے اندھیروں سے اُلٹ گئے اجالوں میں
ہم ہیں خوش خصالوں میں وہ ہیں خوش جمالوں میں
بے مثال ہیں دونوں پھر بھی ہیں مثالوں میں
رند اُن سے اے واعظ لاکھ درجہ بہتر ہیں
نام جو کے شامل ہیں خون پینے والوں میں

جب مے و جام کا ذکر چھڑتا ہے تو داد دینے والے بڑی فیاضی سے اچھل کود کرتے اور داد دیتے ہیں کیونکہ اس ہال میں یار لوگ مے و جام کے زیادہ رسیا نظر آتے ہیں۔ لیجئے صبا صاحب ایک ایسی غزل چھیڑ رہے ہیں جبکہ مشر کپور . . . کے ایما پر منصوری ہی میں آکر کہی گئی ہے خدا کرے کہ ایسا ہی ہو صبا صاحب یہی اعلان فرما کر یوں بھی داد وصول کر رہے ہیں ؎

عشق میں الجھنیں پہلے ہی کم نہ تھیں اور پیدا اپنا درد سر کر لیا
لوگ ڈرتے ہیں قاتل کی پرچھائیں سے ہم نے قاتل کے دل میں بھی گھر کر لیا
سادگی تو ہماری ذرا دیکھئے اعتبار آپ کے وعدہ پر کر لیا
بات تو صرف اِک رات کی تھی مگر انتظار آپ کا عمر بھر کر لیا

داد نقطۂ عروج پر ہے اور آپ اسی انداز دلربائی سے عرض کرتے چلے ہیں ؎
ذکر اِک بیوفا اور ستمگر کا تھا آپ کو ایسی باتوں سے کیا واسطہ
آپ تو بیوفا اور ستمگر نہیں آپ نے کس لئے منہ اُدھر کر لیا

پھر داد پر کسی ہنگامہ کا گمان ہو رہا ہے اور آپ اسی بانکپن سے لہرا رہے ہیں ؎
زندگی کے سفر میں بہت دور تک جب کوئی دوست ہم کو نہ آیا نظر
ہم نے گھبرا کے تنہائیوں میں صبا ایک دشمن کو خود ہم سفر کر لیا

صبا صاحب نغمگی بکھیر کر تالیوں کے شور میں جا رہے ہیں اور ادھر کمال صاحب پنجاب کے ایک استاد شاعر محترم بسمل ہرنالوی کو زحمت سخن دے رہے ہیں قبلہ بسمل صاحب نہایت سادگی سے عطا کر رہے ہیں ؎

ہم ان سے کچھ نہیں کہتے وہ ہم سے کچھ نہیں کہتے
مگر اس پر بھی ہم دونوں میں اکثر بات ہوتی ہے

داد پر کسی ہڑ لونگ کا گمان ہو رہا ہے اور آپ اسی سنجیدگی سے کرم فرما رہے ہیں ؎
ہم تم اب تک ساتھ رہے ہیں اور ساتھ رہیں گے محشر تک
ایک ورق کے دو صفحوں کو کون الگ کر سکتا ہے

پھر داد شباب پر ہے اور آپ فرما رہے ہیں ؎
تصور خیال کی مستی عجیب مستی ہے ✤ عدم کا نام ہے اور نہ ذکر ہستی ہے

محترم بسمل صاحب گلوخلاصی کر کے خوب خوب داد لوٹتے اپنی جگہ تشریف لا رہے ہیں اور اب اس رنگین ماحول میں دلکش اور حسین غزلوں کے بعد اپنے کریم الاحسانی سے یہ تازہ شعر سُن کر شکر گزار فرمائیے گا ؎

فردوس پر بہار اٹھا کر ہی لے چلیں	آنکھوں میں انکی بزم کا منظر ہی لے چلیں
ان کے حضور حق کا صلہ موت ہی سہی	مرنا ہی جبکہ ٹھہرا تو مجرم ہی لے چلیں
جانے وہ کیسے موتی کا کر دیں مطالبہ	بہتر یہی ہے سارا سمندر ہی لے چلیں
اب اس جفا کشی کا صلہ کچھ تو ہو نصیب	آئے ہیں چاند پر تو یہ پتھر ہی لے چلیں
شاید کرے جو وہ بھی مسیحائی کر سکے	دردِ بشر کو پیش ستمگر ہی لے چلیں

آئیے چلتے چلاتے مسٹر کول: . . . . کا یہ قطعہ سُن کر مسکرائیے ؎

یار کا اعتبار ہو نہ سکا ✤ مجھ سے دل کا ادھار ہو نہ سکا
عشق بازی کرے گا وہ کیا ✤ سائیکل پر سوار ہو نہ سکا

قہقہوں اور آہ واہ کا دھماکا ہوا ہے اور آپ نے ترنم سے سُنا کر مزا کرکرا کر لیا اگر تحت ہی سے سناتے تو خوب رہتا لیجئے آپ کے ساتھ ہی اس کامیاب لاجواب مشاعرہ کا پہلا دور ختم ہو رہا ہے اور دوسرا دور تقریباً دو بجے تک چلا اور خوب خوب شعراء کو سُنا اور داد و تحسین سے نوازا گیا!

آیئم فیسٹول کے سلسلے میں یہ مشاعرہ منعقد کیا گیا۔ شعراء کرام کی جس طرح خاطر مدارات اور قیام وغیرہ کا انتظام کیا گیا وہ بھی ایک قابل تعریف بات ہے۔ مہمان شعراء کو کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں ہونے دی اور ان کا ہر طرح سے خیال رکھا گیا۔ تمام شعراء نہایت خوش اور مگن اپنے گھروں کو لوٹے۔ اس مشاعرہ میں جن حضرات نے خصوصی دلچسپی لی اُن کے اسمائے گرامی یہ ہیں :-

مسٹر انصاری۔ آئی۔ اے۔ ایس۔ ڈی۔ ایم ڈیرہ دون۔ شری کا دویدی صاحب ایگزیکیٹو آفیسر جناب تصور زیدی صاحب۔ جناب شمیم احمد ہیڈ کلرک میونسپل بورڈ شری پانڈے صاحب ایس ڈی ایم منصوری۔ شری بینت ریجنل ٹورسٹ آفیسر منصوری اور جناب ڈی۔ آر۔ کپور کنوینر مشاعرہ تھا۔ جس طرح اس مشاعرہ کو کامیاب بنانے میں ہمہ تن مصروف رہے اور جس طرح شعراء کرام کے ساتھ خلوص و محبت سے پیش آئے وہ الگ ایک کارنامہ ہے مسٹر کپور نے میزبانی کا وہ حق ادا کیا کہ جس کا شکریہ ادا کرنے کیلئے الفاظ بھی نہیں مل رہے ہیں اسی طرح روکسی ہوٹل کے کارکنان و مالکان وغیرہ نے شعراء کے ساتھ ہر طرح سے تعاون فرمایا۔ میں بھی اس مشاعرہ کی بڑی تعریف سُنتا آرہا تھا اور بڑا اشتیاق تھا کہ میں بھی اس مشاعرہ کو سُنوں بھلا ہو میرے بزرگ دوست محترم پنڈت خورشید لال صاحب ڈیرہ دونی کا کہ انھوں نے مجھے متعارف کرا ہی دیا

پھر کمال صاحب کا ایک بہت ہی مختصر شستہ۔ سنجیدہ اور لاجواب شعر سُنا کر اس مشاعرہ کو خصوصاً مسٹر کپور . . . کو بانہ مخلص پایا ایکبار پھر ان کی محبت اور میزبانی کا دل سے شکریہ ادا کرتے ہوئے رخصت ہوتا ہوں۔ اچھا خدا حافظ۔ پھر ملیں گے اگر خدا لایا۔

حلیم جوہر شاہ وارثی (بہرائچی)

شاعری کا ذوق ۱۲ برس کی عمر ہی سے فطرتاً پیدا ہو گیا تھا۔ اسکول میں ماسٹروں کو اکثر مصرعوں میں جواب دیا کرتا تھا۔ موزونیت ناپید اکشی تھی۔ فعل فعولن فعلن فعلن کی الجھنیں نہیں تھیں۔ ۱۹۲۹ء میں باقاعدہ و باضابطہ رئیس المتغزلین حضرت جگر مراد آبادی کے دامن سے وابستہ ہو گیا۔ حضرت اصغر گونڈوی کی بھی صحبتوں سے فیضیاب ہوا۔ اس وقت تخلص رؤف تھا۔ لیکن جب ۴ جنوری ۱۹۳۱ء کو مولانا محمد علی جوہرؒ کا گول میز کانفرنس لندن میں انتقال ہوا ہے۔ ... مولانا کا "جوہر" تخلص خالی ہوا۔ اسی شب کو میرے وطن میں نعتیہ نشست ہوئی۔ جس میں یہ تخلص "جوہر" میری استدعا پر مجھے عطا کیا گیا۔ مولانا جوہرؒ سے مجھ کو اس وجہ سے بھی زیادہ عقیدت تھی کہ ... خاندان کے لوگ مجلس احرار کے ممبر تھے۔ ہمارا خاندان شروع ہی سے ... رہا۔ اور آج بھی ہے۔ میری تعلیم ہائی اسکول تک جاری رہی پھر ... نے تعلیم جاری رکھنے سے روک دیا۔ لیکن میں نے والدین کے مشورہ ... طب کالج لکھنؤ میں داخلہ لے کر فن حکمت کی سند حاصل کر لی۔ ... میں ہندوستانی دواخانہ دہلی گیا۔ حکیم اجمل خاں صاحب کا وصال ... تھا۔ حکیم محمود صاحب جانشین تھے۔ مجھے اب تک یاد ہے کہ حکیم صاحب گورے رنگ کے مگر گورے۔ خوبصورت اور پستہ قد تھے۔ سادہ ... زیب تن کرتے تھے۔ حکیم صاحب نے شعبۂ دوا سازی میں تقرر کر دیا۔ شاعر چونکہ فطرتاً آزاد ہوتا ہے۔ میں نے قیدِ ملازمت کو پسند نہ کیا۔ ... حکیم صاحب کو بغیر جواب دیئے واپس چلا آیا۔ کچھ دنوں ادھر چند مقامات پر مطب کا سلسلہ رہا۔ لیکن میری آزادی نے مجھے کسی ... ہونے نہ دیا۔ ۱۹۴۶ء میں ہمدرد دواخانہ کی ایجنسی لے لی تھی۔ اس میں ... ہمدرد کا سے میں نے سو سو سال اپریل ۱۹۴۸ء سے ... بحیثیت طبیب ... وقت ... ۱۹۵۸ء میں تو اکھالی کے فسادات اور ۱۹۴۷ء میں دہلی کے فسادات میں ... کی خدمت میں اپنے محسن اور کرم فرما ... صاحب ... ماجی اور پنڈت نہرو ... حاجی ... صاحب ... سے ... گاندھی جی اور نہرو جی نے ہمیشہ میری ہمت افزائی کی ... میں ... اور

ملکی کاموں میں لگ گیا۔ بھارت سرکار نے میری خدمات کو سراہتے ہوئے میرا ماہانہ وظیفہ مقرر کر دیا جس کا سلسلہ آج تک قائم ہے۔ ملکی خادم اور قومی شاعر کی حیثیت سے یہ وظیفہ بھارت سرکار نے مرحمت فرمایا۔

تصنیفات میں "بھارت کا عشق" جو نثر اور نظم دونوں پر مشتمل ہے۔ ایک دیوان غزلوں کا، ایک نعتیہ گلدستہ، ایک قومی و ملکی نظموں کا "نغمۂ بھارت" اور متفرقات کا شمار نہیں یہ ہیں تصنیفات۔ اور یہ سب غیر مطبوعہ ہیں۔ کیونکہ طباعت اور اشاعت کی کچھ تو کشمکش زیست نے اجازت نہ دی اور کچھ یکم ستمبر ۱۹۳۹ء کی جنگ کے آغاز نے کمر توڑ مہنگائی نے ہمت توڑ دی۔ اس لئے کسی دیوان کی اشاعت نہ ہو سکی۔ البتہ ایک دیوان کی اشاعت پاکستان میں ہو چکی ہو یا ہو رہی ہو۔ آپ اس جگہ پر چونک پڑے ہونگے۔ مگر اس کا واقعہ یوں ہوا کہ ۱۹۴۷ء میں جب چوری چھپے پاکستان جانے والے رات ہی رات بھاگ رہے تھے اور ۲-۲ ۳-۳ دن تک کسی کو کچھ خبر نہیں ملتی تھی کہ کہاں گئے۔ اسی زمانہ میں ایک مشاعرہ رئیس الدین شاہ بہرائچی کے یہاں ہوا۔ دن بھر احباب کی غزلیں دیکھتا رہا۔ رات کو مشاعرہ میں گیا ۲ بجے رات کو جب مشاعرہ سے لوٹا تو وہ بیاض جو دورِ شباب کی تھی جس میں ۱۹۰ غزلیں ہونگی جو میرے ساتھ شیروانی کی جیب میں تھی۔ محض اس وجہ سے کہ طرحی دور کے بعد اگر غیر طرحی دور ہوا تو اسی میں سے کوئی غزل پڑھ دونگا۔ جب دواخانہ پہنچا۔ دواخانہ میں اندر مکان بھی ہے میں وہیں ٹھہر گیا۔ دو طالب علم جو عالم اور مولوی کی ڈگری حاصل کر رہے تھے ایک بلیا ضلع کے تھے اور ایک بستی ضلع کے۔ ان کے نام لکھنے کی ضرورت نہیں۔ اور ایک صاحب بہرائچ محلہ ناظر پورہ کے تھے۔ یہ تینوں بھی یہ کہہ کر کہ اب رات کو گھر نہ جائینگے تھوڑی رات باقی ہے یہیں گزر جائیگی۔ سب لوگ ٹھہر گئے۔ میں نے بیاض ان لوگوں کے سامنے شیروانی کی جیب سے نکالی اور تکیہ کے نیچے رکھ لی یہ سوچ کر کہ صبح بکس میں رکھ دونگا۔ بہرائچ والے جو صاحب تھے ان کی نیت خراب ہو گئی۔ دوسرے دن ان کو معہ اہل و عیال پاکستان جانا تھا۔ جس کا علم کسی کو نہ تھا۔ میرا خیال اغلب ہے کہ انھوں نے وہ بیاض سرقہ کر لی۔

اور پھر ۲-۳ دن نہیں آئے۔ ۳-۲ دن کے بعد خبر ملی کہ فلاں صاحب پاکستان گئے اب مجھے بھی ۳ دن کے بعد بیاض کا ہوش آیا۔ تلاش کرنے پر نہ ملی۔ اور ملتی تو کیسے ملتی جبکہ کھو کر ایا رہ ہو چکی تھی۔ سو برس تک۔ اس بیاض کیلئے میں مرگ آلودہ ہو جایا کرتا تھا مگر اب رونے سے کیا ہوتا ہے تیر تو کمان سے نکل گیا ان غزلوں کا مسودہ بھی میرے پاس نہیں اور نہ یادداشت ہی اتنی مضبوط کہ سب غزلیں دوبارہ درج بیاض کر لیتا۔ اکا دکا شعر ضرور یاد آئے مگر اس گردشِ فرسامسدرہ نے وہ اشعار بھی ذہن سے بھلا دیئے۔ غزلوں کا میرے پاس جو کچھ ہے وہ ۱۹۵۲ء کے بعد کا سرمایہ ہے۔ ورنہ تصنیفات کے سلسلہ میں ایک کے بجائے دو دیوان تحریر کرتا۔ ان سطور کو پڑھ کر آپ کو بھی افسوس ہوگا۔

شاگردوں کی تعداد شمار سے باہر ہے، ایک طویل فہرست ہے خدا معلوم کتنے گئے جس میں وکلاء، اُمراء، مولوی، ٹیچرس، طلبا اور چیف جسٹس تک ہیں شاگردوں سے اپنے کو شاگرد ہی سمجھا مگر میں نے ہمیشہ شاگرد کو دوست ہی سمجھا اور دوستانہ طریقوں سے مشورہ دیتا رہا۔ اپنے کو کبھی اُستاد کہلانا پسند نہ کیا بلکہ میں نے ہمیشہ اپنے کو مبتدی ہی سمجھا۔

ادھر ایمرجنسی کے سلسلہ میں دس نظمیں میں نے لکھی تھیں۔ جن میں سے ۵ نظمیں تو میں نے وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی کو بھیج دیں اور ۵ نظمیں شری بھوگنا جی صاحب سرکار اترپردیش کو روانہ کر دیں۔ بھوگنا صاحب نے نظموں کی بہت تعریف کی۔ یہ تو دورِ حاضرہ کی بات ہے۔ اپنا اصل مذاق شعر و سخن جو جانِ شعر و سخن ہے یعنی "تغزل" یہ شروع ہی سے رہا۔ صالح ادب پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور آج بھی اسی پر قائم ہوں۔ نمونۂ کلام سے اندازہ ہو جائے گا۔ قومی اور ملکی خدمات کے سلسلہ میں نظم، نثر، تحریر یا تقریر یہ میرا قومی فریضہ ہے۔

جن حضرات کی خدمت کا شرف مجھے حاصل ہوا۔ ان میں لکھنؤ کے اساتذہ نواب جعفر علی خاں اثر، سنگر، سراج، قدیر، شمس، بنجو، منا، آرزو بہزاد، بیدم شاہ وارثی، مخمور دہلوی، روش صدیقی، تسکین قریشی۔ یہ حضرات میرے خاص کرم فرماؤں میں تھے۔ انکی صحبتیں برسوں رہیں۔ آج آپ کے یہاں میرے پرانے ساتھی انور صابری صاحب ابھی موجود ہیں۔ پرانے کرم فرماؤں میں جناب مسعود علی ذوقی، فنا نظامی، نشور واحدی، ماسٹر اختر گورکھپوری، جگر گورکھپوری، ایتی سلونوی، قمر مرادآبادی، شمر بلرام پوری، اختر لکھنوی مرحوم ہیں۔ ان میں اگرچہ کئی حضرات عمر میں مجھ سے چھوٹے ہیں لیکن میں انہیں بزرگ سمجھ کر ان کی خدمت کرتا رہا۔

خدمتِ اہلِ ادب مدتوں کی ہے جوہرؔ
تب کہیں جا کے ہم اربابِ سخن تک پہنچے

یہ ہیں مختصر حالاتِ زندگی جنہیں لکھتے ہوئے شرم آتی ہے۔ گمنام کی زندگی جس طرح گزری یا گزر رہی ہے اسے یوں ہی گزر جانے دیجئے۔ ہاں کچھ حضرات نے اپنے کرم و احسان سے اگر مجھے شہرت دی یا آپ تک میرا ذکر آیا۔ تو! یوں سمجھ لیجئے!!

بس اس کے سوا کچھ نہیں جوہر کی حقیقت
شہرت کا سبب یہ ہے کہ بدنام بہت ہے

ایک تازہ غزل ملاحظہ فرمایئے:

غزل

دل کو ضد ہے کہ رہوں زلفِ پریشاں کے قریب
سُن لیا ہوگا وہ ملتے ہیں رگِ جاں کے قریب

جا کے رُک جاتی ہیں نظریں رُخِ جاناں کے قریب
کہیں فتنہ نہ اُٹھے کعبۂ ایماں کے قریب

غیرتِ جوشِ جنوں جانے کہاں لے جاتی
وہ تو یہ کہیے بیاباں تھا گلستاں کے قریب

ہوش رہتا تو میں ہر ذرہ پہ سجدہ کرتا
دل ہی بس میں نہ رہا کوچۂ جاناں کے قریب

آج اسیروں میں کچھ اس طرح ہوا ذکرِ بہار
ہاتھ رُک رُک گئے جا جا کے گریباں کے قریب

دل کو غم دے کے رہو پاس ہی دل کے تم بھی
میزباں بیٹھتا ہے ساتھ میں مہماں کے قریب

ڈھونڈ نے نقشِ قدم چھوڑ کے دیر و کعبہ
ذوقِ سجدہ ہے تو چلئے درِ جاناں کے قریب

نذرِ طوفانِ محبت ہی ملیں گے ساحل
اور ساحل کہیں ہوتے نہیں طوفاں کے قریب

چاک کر دیتا اسے گل کی طرح دستِ جنوں
تیری خوشبو نہ اگر ملتی گریباں کے قریب

گردِ چشمِ قدر انداز ہے دل محوِ طواف
خود شکار آ گیا ہے ناوکِ مژگاں کے قریب

جب کسی نے کبھی حالِ دلِ جوہرؔ پوچھا
دل کیا شکووں میں لہو آ گیا مژگاں کے قریب

بیدم وارثی بستوی

میرا اصلی نام محمد حنیف ہے مگر ادبی دنیا بیدم واحدی کے نام
جانتی ہے۔ ۱۹۳۴ء میں سرحد ہند اور نیپال کے قریب قصبہ شہرت
ضلع بستی (یو۔پی) میں نمودار ہوا۔ اوائل عمر میں ہی والدین کا سا
سے اٹھ گیا ۱۹۵۰ء میں مڈل اسکول پاس کرتے ہی ۱۹۵۱ء میں
امی مکتب میں ٹیچر ہو گیا۔ ۱۹۵۲ء میں تحصیلی ٹورنامنٹ میں مکتب
بچوں نے فرسٹ انعام حاصل کئے۔ اس پر جناب ڈپٹی انسپکٹر
مدارس بستی نے خوش ہو کر وظیفہ کے ساتھ نارمل ٹریننگ کے
بھیج دیا۔ ۱۹۵۴ء میں ٹریننگ پاس کرنے کے بعد ۱۹۵۵ء سے
۱۹۶۰ء تک قصبہ کے ایک پرائمری اسکول کا نائب مدرس ۱۹۶۳ء
سا ایک۔ قریب کے گاؤں کے پرائمری اسکول کا صدر مدرس اور ۱۹۶۵ء
قصبہ ہی کے جونیر ہائی اسکول کا اسعد ٹیچر ہوا۔ ۱۹۶۶ء میں جب
ٹرمیڈیٹ اور آئی۔ ٹی۔ ڈی بھی پاس کیا۔ عالی جناب راجہ صاحب
یوپی سنگھ (مرحوم) شہرت گڑھ نے اپنی نگاہِ شفقت ڈال کر اپنے
لج میں ڈسٹرکٹ بورڈ سے بلا لیا۔ آج آرٹ ٹیچر کی حیثیت سے کام
رہا ہوں۔

خدا کا شکر ہے کہ اپنے استادوں اور محکمۂ تعلیمات کے افسروں
طرف سے کافی نوازا گیا اور آج بھی سب صغیر و کبیر مجھے عزت کی
سے دیکھ رہے ہیں۔ اس دورِ حاضر میں چند صفحات کی تو کتابیں
مصنف ہوں۔ جس میں "ہند کے لال" (قومی نظمیں) اور "سراج عالم"
نعتیہ کلام) مخصوص ہیں۔ جناب مولانا شمس الآفاق صاحب وائس
پرنسپل جارج اسلامیہ انٹر کالج گورکھپور کا شکر گزار ہوں کیونکہ ان
سے مشورۂ شعر و سخن کرنے کا شرف حاصل ہے۔ شعر گوئی کی ابتدا
مڈل اسکول کی طالب علمی ہی سے ہے۔ ۱۹۷۱ء میں بمقام الواضلع
بستی وزیر اعظم شری متی اندرا گاندھی کی خوش آمدید پر دوستوں
اور بزرگوں کی فرمائش پر ایک نظم "ندائے وطن" پیش کی۔ وہیں
سے میری ہمت میں اور اضافہ ہوا۔
دو غزلیں پیش ہیں۔

غزل

زہے قسمت تری چشمِ کرم ہے
موافق اب تو اپنے دل کا غم ہے

ترے حسنِ تبسم کے مقابل
ضیائے ماہ و انجم کتنی کم ہے

شبِ ہجراں کا عالم کچھ نہ پوچھو
میرا دامن مرے اشکوں سے نم ہے

جو کرتے ہیں تری بیدم غلامی
پھر ان پر کس لئے اتنا ستم ہے

غزل

اپنی ہستی مٹا کے پیتا ہوں
غم میں بھی مسکرا کے پیتا ہوں

مجھ پہ ساقی کی ہے نگاہِ کرم
جام نظریں ملا کے پیتا ہوں

جب وہ ہوتا ہے میرے پیشِ نظر
دیر و کعبہ بھلا کے پیتا ہوں

تیرا سجدہ ہے سجدۂ تعظیم
اس لئے سر جھکا کے پیتا ہوں

میں ہوں وجہ بنائے میخانہ
ایک دنیا بسا کے پیتا ہوں

جب بھی جاتا ہوں میکدے بیدم
یہ غزل گنگنا کے پیتا ہوں

حمید الماس کی نئی کتاب
فرمودات
شری بسو شیور کے کنڑ ا وچنوں کا منظوم ترجمہ
یہ وچن عالمی ادب کیلئے لازوال تحفہ ہیں۔
(گاندھی جی)
قیمت دس روپیہ
ملنے کا پتہ:۔ شمع ادبی منزل۔ نئی دہلی ۲ ۱۱۰۰۰۲

وقارؔ طاہری

میرا پورا نام محمد وقار خاں ہے وقارؔ ہی تخلص کرتا ہوں۔ والد بزرگوار کا اسمِ گرامی محمد ابرار خاں ہے۔ محترم طاہرؔ صاحب تلہری سے مجھے شرفِ تلمذ حاصل ہے اسلئے طاہری لکھتا ہوں میرا آبائی وطن شہر کانپور ہے اور وہیں ۱۵ اکتوبر ۱۹۴۸ء کو عالمِ وجود میں آیا علیم انٹر کالج کانپور ہی سے دسویں جماعت تعلیم حاصل کی اور ۱۹۶۴ء میں کالج کو خیرباد کہہ کر فکرِ معاش میں مبتلا ہو گیا۔ اس طرح علمی اعتبار سے میں بہت پیچھے رہ گیا مگر زبان اردو کو کسی طرح فراموش نہ کر سکا ۱۹۶۲ء سے آجتک میری یہی کوشش ہے کہ دامے درمے سخنے اردو کی کوئی خدمت انجام دے سکوں۔

میں شاعر کیونکر ہوا مجھے تو حیرت ہے۔ بس اتنا یاد ہے کہ جب میں آٹھویں یا نویں جماعت میں تھا غزل کے شعر موزوں کرنے لگا تھا فلمی گانوں کی پیروڈیاں لکھ کر داد وصول کرتا تھا۔ رفتہ رفتہ یہ ذوق باقاعدہ غزلگوئی کے میدان میں لے آیا ناکام روزگار میں مبتلا ہو کر زندگی کے تلخ تجربوں کا سامنا بھی کرنا پڑا ۱۹۶۵ء میں کانپور کی سکونت ترک کر کے ضلع کہیری قصبہ محمدی میں سکونت اختیار کر لی مشقِ سخن یہاں بھی جاری رہی۔ نواب عبدالسعید خاں آسیؔ مرحوم اور جناب ڈاکٹر کرشن سہائے سکینہ صاحب جیسی عظیم ہستیوں نے اپنے گراں قدر مشوروں سے ناچیز کے کلام میں نکھار پیدا کیا۔ محمدی کے ماہانہ طرحی مشاعروں میں بھی شریک ہونے لگا چند بڑے مشاعروں میں بھی شرکت کا شرف حاصل ہوا اور اب بھی کبھی کبھی احباب کے اصرار پر چلا جاتا ہوں۔ طاہرؔ صاحب سے میری ملاقات محمدی کے ایک آل انڈیا مشاعرے میں ہوئی۔ اس بات کو کئی سال گذر گئے ہیں اور مجھے خوب یاد ہے موصوف کے جدید اسلوب اور منفرد رنگِ کلام نے مجھے حد درجہ متاثر کیا۔ اتفاق سے اسی دوران میں مجھے تلہری میں ملازمت بھی مل گئی اس طرح اب تقریباً روزانہ ملاقات ہونے لگی اور تب مجھے یہ بھی اندازہ ہوا کہ موصوف حُسنِ کلام کے ساتھ حُسنِ خلق میں بھی اپنی مثال آپ ہیں۔ ایک دن میرے بے حد اصرار پر موصوف نے مجھے شرفِ شاگردی بخشا اور اپنے ہمدردانہ مشوروں اور مشفقانہ ملامتوں سے ناچیز کو رفتہ رفتہ کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔ میں ممنون ہوں۔ اور اُن کے ان احسانات کا بدلہ چکانے کے لئے زندگی بھی کم سمجھتا ہوں۔

نمونۂ کلام ملاحظہ ہو۔

غزل

کس جُرم کی زندگی سزا ہے ⁝ ہر فرد صلیب پر ٹنگا ہے
لفظوں کے اداس مقبروں میں ⁝ معنی کا دیو دھوم رہا ہے
صدیوں کو شکست دینے والا ⁝ لمحوں سے نبرد آزما ہے
خوابوں کے طلسم توڑ ڈالو ⁝ لوگو یہ مقامِ ابتلا ہے

باتیں ہیں وہی وقارؔ اب بھی
اندازِ بیاں بس نیا ہے

غزل

اس شہر پر بھی درد کا سایہ ملا مجھے ⁝ اب اے خیالِ خام کہاں لے چلا مجھے
دے کر حیات آہ یہ کیا ستم کیا ⁝ تو نے تو بس صلیب پہ لٹکا دیا مجھے
وہ آندھیاں کہ سنگ بھی قائم نہ رہ سکے ⁝ دیکھا مگر جہاں نے ٹھہرا ہوا مجھے
درماندۂ نصیب سہی پھر بھی دوستو ⁝ اک انقلاب کا ہے ابھی حوصلہ مجھے
ہر حادثے نے مجھ کو نیا تجربہ دیا ⁝ ہر تجربہ شعور و نظر دے گیا مجھے
یارانِ رفتگاں کو صدا دو دراستیں ⁝ کرنا ہے رُوحِ عصر پہ پھر تبصرہ مجھے
یا رو وہ شہر شہرِ نگاراں سہی مگر ⁝ مجھ سے جو پوچھتے ہو تو صحرا لگا مجھے
خاموش ہوں کہ مصلحتِ وقت ہے یہی ⁝ سمجھو نہ لوحِ سنگ پہ لکھا ہوا مجھے

کیوں کر بیاں ہو قصۂ وارفتگی وقارؔ
میری خبر اُسے ملے نہ اُسکا پتہ مجھے

غزل

(حمید قیصرؔ دھولیہ)

زخم میرا کرید اسنہیں خار نے ⁝ ایک سوغات لی زخم کی پیار نے
غم کی سوزش کو کیسے زباں میں کہوں ⁝ سر کو اونچا کیا غم کے انبار نے
دشت و گلشن کو سیراب ہے کر دیا ⁝ محنتوں کے لہو خون کی دھار نے
غم نے جھلسا کے فن کو اُبھارا ہے یوں ⁝ جیسے کندن بنایا ہے معیار نے

یہ سرِ بزم قیصرؔ کو کہنا پڑا
سر جھکا یا کیا آپکے پیار نے

عارف القادری املنیری تعارف کے آئینے میں

(از۔ سراج الدین مصطفےٰ آبادی)

عارف القادری صاحب شہرِ املنیر کے باشعور، خوش فکر، اور باذوق شعراء میں ہیں۔ خاندیس کے مرہٹی زدہ خطے میں پچیس برس سے اُردو زبان اور ادب کی خاموش خدمت کر رہے ہیں۔ وہ ایک اچھے شاعر ہونے کے علاوہ اچھے انسان بھی ہیں۔ ادب نواز اور دوستوں میں مخلص دوست ہیں۔ ان کے کلام میں سادگی اور روانی پائی جاتی ہے۔ جدید و قدیم کا سنگم اِن کے کلام میں خصوصیت سے پایا جاتا ہے۔

عارف صاحب کا وطن ضلع جلگاؤں کا ایک شہر مصطفےٰ آباد (چوپڑہ) ہے۔ مگر ۳۰ سال سے اُن کا خاندان املنیر میں آباد ہے۔ پیشے کے لحاظ سے وہ میونسپل کلرک ہیں۔ اُردو زبان و ادب کی اچھی لیاقت رکھتے ہیں نیز ادب کی خدمت کا جذبہ بھی ہے۔ املنیر میں ادبی انجمنوں کی داغ بیل ڈالنے اور ادب کو فروغ دینے کا کام وہ بڑی مدت سے انجام دیتے رہے ہیں۔ آجکل بزم دریچے شاخ املنیر کے سکریٹری ہیں۔

شاعری میں حضرت آبر احسنی گنوری سے شرف تلمذ رکھتے ہیں۔ ان کا کلام ماہنامہ عکاس بمبئی، ارشاد حیدرآباد، شعلہ و شبنم دہلی، ایشیا کو لکلی اور پیام مشرق میں چھپتا رہا ہے۔ غزل کے علاوہ نعت گوئی کا بھی ذوق رکھتے ہیں۔ اُن کا پہلا مجموعۂ کلام "آوازِ کربلا" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

نمونۂ کلام

غزل 34720

یہ چشمِ فیضِ ساقی ہے کہ ایسا بھی مقام آیا
اُٹھایا میں نے جب ساغر فرشتوں کا سلام آیا

بظاہر جو وفا کے گیت گاتے ہیں زمانے میں
انھیں تا عمر کب جشنِ وفا کا احترام آیا

نشاط و غم کی آمد میں بس اتنا فاصلہ سمجھو
کوئی وقفہ سحر آیا تو کوئی وقت شام آیا

چلو اچھا ہوا یہ راز اُن پر ہو گیا ظاہر
کہ میرے نام ہی کے ساتھ کیوں اُن کا بھی نام آیا

سرِ محفل نقابِ رُخ اُٹھائی اس طرح تم نے
کہ ہر جانب کے لوگوں کی نگاہوں کا سلام آیا

سرِ محفل سخنور آج یہ کہتے ہیں اے عارف
تمہارے شعر میں نکھرا ہوا رنگ کلام آیا

غزل

ہر گھڑی زندگی ہی کھونے کو
نکلا سورج غروب ہونے کو

چند آنسو بھی دیکھ کافی ہیں
کشتیٔ دل مری ڈبونے کو

بیج نفرت کے بیچ کچھ انساں
چاند پر جا رہے ہیں بونے کو

آؤ ہنس لو ہمارے ساتھ ذرا
عمر ساری پڑی ہے رونے کو

موتیوں سے سجاؤ تم زلفیں
میرے آنسو بھی لو پرونے کو

ابرِ رحمت برس چلے عارف
ہم جو نکلیں گناہ دھونے کو

منتخب اشعار

یاد آ جاتے ہیں فوراً ہی لبِ دوست مجھے
جب چمن میں نظر آتا ہے کلی کا چہرہ

روتا ہوں تو چنگاریاں اُڑتی ہیں نفس سے
ساون میں یہ انگاروں کی بھرمار تو دیکھو

بے وفائی جھوٹ نفرت جن میں ہو!
آج بھی دنیا میں اچھے لوگ وہ مانے گئے

شاعری کی دنیا میں یقیناً اضافہ ہے
یادوں کے سائے
محترمہ ممتاز میرزا صاحبہ کا مجموعۂ کلام چھپ گیا ہے
قیمت بیس روپے
دفتر
شانِ ہند
فلیٹ شاہ نصاری مارکیٹ۔ دریا گنج نیو دہلی ۲ ـــ ۱۱۰۰۰

لیاقت حسین شرر

لیاقت حسین نام تخلص شررؔ ہے۔ میں ۱۹۴۴ء میں ضلع سارن کے ایک گاؤں کہرا باذار میں پیدا ہوا۔ والد صاحب کا نام لال محمد ہے جب میں سات سال کا تھا تو وہ کلکتہ لے کر چلے آئے اور میری تعلیم کا سلسلہ کلکتہ ہی سے شروع ہوا۔ لیکن میں جب [illegible] پہنچا تو والد صاحب نے کلکتہ چھوڑ دیا پھر گھر چلے آئے یہاں میرا تعلیمی سلسلہ شروع کرانا چاہتے تھے لیکن وہاں اپنی تعلیم جاری نہ رکھ سکا۔ پھر ایک رات گھر سے نکل کر کلکتے کی راہ لی اور در بدر کی ٹھوکریں کھاتا رہا۔ اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے دوستوں نے میری مدد کی اور اپنی تعلیمی زندگی دوبارہ شروع کی ۱۹۶۶ء میں مٹرسکنڈری اور ۱۹۷۰ء میں بی۔اے آنرز کے ساتھ پاس کیا۔ اب ایم۔اے کا امتحان دے چکا ہوں صرف نتیجہ کا انتظار ہے۔

مجھے شعر و شاعری کا شوق بچپن ہی سے تھا۔ اسکول میگزین کیلئے دو غزلیں لکھی تھیں اس کے علاوہ کچھ نہ کچھ لکھتا ہی رہا۔

محترم سید لطیف الرحمٰن صاحب نے جو بنگال کے اچھے شاعر اور نثر نگار ہیں میری شاعری کو ابھارا اور مفید اور نیک مشورہ دیتے رہے اور انہیں کے ذوق سماعت نے میری شاعری کو سہارا دیا۔ ان کے علاوہ بنگال کے مشہور شاعر جناب علقمہ شبلی صاحب بھی مفید مشورہ دیتے رہے میری غزلیں مقامی اخباروں کے علاوہ ہند اور بیرونی پرچوں میں چھپ چکی ہیں۔ غزلوں کے علاوہ نظمیں بھی لکھتا ہوں اور نظمیں بھی کئی جگہ چھپ چکی ہیں۔ نمونۂ کلام ملاحظہ فرمائیے۔

غزل ۱

اس [illegible] میں [illegible] سے [illegible]
[illegible] ایسا [illegible] نہ تھا

[illegible] یک [illegible] کا [illegible] تھا سوال
گو [illegible] کوئی، کون مگر پیا سا تھا

سوئے ہوئے خیال کو چونکا دیا مرے
نظروں نے اٹھ کے دیکھا تو کوئی [illegible] تھا

اٹھنے کو یوں تو آندھیاں اٹھتی رہیں مگر
چھایا تھا جو سکوت وہ اب تک شباب تھا

کچھ بات تھی ضرور جو دیکھا دم سحر
اترا ہوا تھا چہرہ مگر یہ [illegible] نہ تھا

افسانہ پارہ پارہ سنا تا میں کیا شررؔ
بکھرے ہوئے خیال تھے یکجا کیا نہ تھا

غزل ۲

ہم ساز دل پہ اپنے ذرا گنگنا تو لیں
کچھ [illegible] تو لیں

اب موسموں کے ساتھ بدلتی ہے زندگی
آؤ کہ ان فضاؤں میں ہم مسکرا تو لیں

تجھ کو بھی ہم سنوار [illegible] گیسوئے حیات
کچھ ساز گار وقت کو پہلے بنا تو لیں

اب کانپتی ہے لو بھی چراغ حیات کی
آؤ قریب دل کی لگن کو بجھا تو لیں

برسات کی یہ شب یہ [illegible]
جگنو کی طرح ہم بھی ذرا جگمگا تو لیں

نفرت کی تیرگی بھی چھٹے گی شررؔ ضرور
ہم ہر قدم پہ شمع محبت جلا تو لیں

غزل ۳

جس روپ میں ملی ہے تو اے زندگی مجھے
تجھ کو لگا میں غیر نہ تو اجنبی مجھے

دامن مرا تو چھین رہے ہے لئے ظلمت حیات
ملتی ہے راہ حسن کی اب روشنی مجھے

صدیوں کا زخم کھا کے بھی کہتی ہے یہ زمیں
اس درجہ کیوں عزیز ہے یہ آدمی مجھے

چہروں پہ ہو رہا ہے [illegible] گماں
بے وجہ راس آئی نہ بے چہرگی مجھے

سوچا تھا بزم دل بھی سجاؤں گا ایک دن
گھیرے ہوئے ہے اب بھی مگر بے بسی مجھے

تنہائی حیات سے کا ورمل کہاں شررؔ
ملنے کو ہر قدم پہ ملے آدمی مجھے

غزل ۴

اگر تاک میں بجلیاں اور بھی ہیں
نشیمن کو ہمارے [illegible] گراں اور بھی ہیں

ابھی ایک دنیا کو لے کر رہو تم
ہماری نظر میں جہاں اور بھی ہیں

یہ حد نظر آخری حد کہاں ہے
پس آسماں آسماں اور بھی ہیں

ابھی چشم بینا کی ہے اور حاجت
ابھی راز ہستی نہاں اور بھی ہیں

ابھی زندگی کو مکمل نہ سمجھو
خیالوں سے باہر جہاں اور بھی ہیں

شررؔ ہم بھی کر لیں گے [illegible] دیکھو کچھ
بلا سے اگر امتحاں اور بھی ہیں

عاطر صدیقی بستوی

(از جیب بستوی ۔ انجمن افکار ادب ۔ سمرا والی بازار بستی)

آپ کا نام شفاعت احمد صدیقی، تخلص عاطر ہے۔ آبادی وطن [illegible] دادیہہ بیگ ضلع بستی ہے اور یہیں ۱۰ دسمبر ۱۹۳۸ء کو عالم وجود میں آئے [illegible] کے والد بزرگوار جناب حیات محمد صاحب بسلسلہ ملازمت بستی ضلع کے مشہور [illegible] دو خطہ علاقہ بمقام پنڈت پور مدرسہ ضیاء العلوم میں فرائض انجام دینے لگے اور یہیں عاطر صاحب کے ساتھ اقامت پذیر ہو گئے۔ علاقہ [illegible] کے مشہور دینی درسگاہ دار العلوم یوسف پور میں عاطر صاحب نے ابتدائی تعلیم حاصل کر کے الہ آباد بورڈ سے مولوی کا امتحان پاس کیا [illegible] ان تشنگی علم انوار العلوم پرساعاد (بستی) پہنچ گئے جہاں شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد العزیز صاحب اعظمی مبارکپوری کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کر کے [illegible] مختلف میں تعلیم حاصل کر کے سند فراغت حاصل کی۔ والد موصوف کی [illegible] کے پیشہ کو پسند فرما کر ضیاء العلوم مذکور پر بحیثیت صدر مدرس [illegible] مسند درس پر جلوہ فرما ہیں۔

آپ ایک مخلص ملنسار دوست نواز، خوش الحان نوجوان شاعر [illegible] اشعار کہنے اور سنانے کا شوق زمانہ طالب علمی سے دل و دماغ میں [illegible] جو ان تھا جناب حیرت بستوی ایم اے سے اصلاح سخن کا فیض حاصل کر کے [illegible] میدان شاعری میں قدم بڑھایا ہے۔ چونکہ آپ تبلیغ پسند ہیں اس لئے آپ کے کلام میں انتہا درجہ کی سادگی ہے۔ آپ نے تبلیغی مقاصد کے تحت منتخب [illegible] کا مجموعہ "شبستان" شائع کیا ہے جسے مقبولیت حاصل ہو چکی ہے [illegible] موصوف نے مشق سخن اور سخن آرائی کا سلسلہ جاری رکھا تو مجھے امید ہے کہ انشاء اللہ آپ مستقبل قریب میں ایک اچھے شاعر ہوں گے۔

کلام عاطر ملاحظہ فرمائیں۔

غزل

روشن دماغ جرم کے [illegible] ہو گئے … [illegible] ہو گئے
دیکھا تو تھا کہ بے [illegible] ہو گئے … [illegible]
[illegible] حسین یاد سے [illegible] ہو گئے … [illegible]
بے ہوش کیوں کلیم [illegible] ہو گئے … [illegible]

محوِ سخن سے جن کے معطر دماغ ہیں
عاطر وہ جیسے ایسے مشہور ہو گئے

غزل

ندامت کے آنسو ہیں چشم تر سے … گھٹا جھوم کر شان رحمت کی برسے
کبھی رند ترسے ہیں ساقی مگر کیوں … کوئی تیری محفل میں جلوؤں کو ترسے
فرشتوں کو ہے رشک قسمت پہ میری … جبیں لگ گئی ہے ترے سنگ در سے
تری زلف مشکیں ہیں ساعت بشب کی … ترا رخ حسیں ہے طلوع سحر سے
ہے رہبر کی صورت میں [illegible] … مسافر پریشاں ہیں راہبر سے

زر و لعل و گوہر کی ہے قدر عاطر
مگر [illegible] سب متاع ہنر سے

دیار مدینہ

دل و جان و تن ہے نثار مدینہ … ہے جنت بداماں دیار مدینہ
محبت ہے جن کو حبیب خدا سے … [illegible] جانتے ہیں وقار مدینہ
وہاں مسکراتی ہیں رحمت کی کلیاں … ہے یوں جانفزا لالہ زار مدینہ
وہی تو ہیں خوش بخت دیکھا جنہوں نے … بہشت نظر لالہ زار مدینہ
جبیں شرم سے جھک گئی کہکشاں کی … منور ہے یوں رہگزار مدینہ
بھلا کیوں نہ قربان ہو قلب مومن … خدا کا کرم ہے شعار مدینہ
[illegible] … جو مل جائے مجھ کو غبار مدینہ
غنچہ کی کوئی حاجت نہیں ہے … مری آنکھ میں ہے بہار مدینہ

دعا ہے یہ عاطر کا رب دو عالم
مجھے بھی دکھا دے دیار مدینہ

ناقابل فراموش

[illegible]

[illegible]

حمید قیصر

انیس الرحمن (دھولیہ)

حمید قیصر صاحب ۱۰ فروری ۱۹۳۲ء میں پیدا ہوئے آپ کے والد کا نام مولانا حافظ عبد الستار ماسٹر ہے۔ دور کی گردش نے حمید قیصر کو بی۔اے پاس نہ کرنے دیا اس لئے کالج کی تعلیم پوری نہ ہو سکی۔ آپ بائیس سال سے دھولیہ میونسپل اسکول بورڈ میں ایک قابل ٹیچر کی حیثیت سے اپنا فرض انجام دے رہے ہیں۔ برسوں حضرت آتیہ آسی کنوری مرحوم سے مشورۂ سخن کیا، ۲۷ سال سے اُردو ادب کی بے لوث خدمت کر رہے ہیں۔ انقلاب بمبئی، سب رنگ ڈائجسٹ دہلی۔ روزنامہ اُردو ٹائمز، روزنامہ آج۔ روزنامہ ہندوستان بمبئی کے علاوہ محراب ڈائجسٹ دہلی۔ ماہنامہ فیروز ناگپور، ککھو سہسوان کہکشاں۔ جنت حوا بمبئی۔ ہندوستانی ادب حیدرآباد۔ نعیمن بنگلور، رہنمائے تعلیم دہلی، اور شانِ ہند دہلی میں شائع ہو کر حمید قیصر ہندوستان گیر شہرت حاصل کر چکے ہیں چار کتابوں کے خالق ہیں۔ تاریخ اُردو ادب عکسِ حیات میں ہر شاعر کا تعارف حمید قیصر نے منظوم شعری انداز میں کیا ہے جس میں ہر شعر کی بندش ان کے معیاری شاعر ہونے کی نشان دہی کرتی ہے۔ حمید قیصر صرف نظم اور غزل کے ہی ماہر نہیں بلکہ مقالے اور افسانے بھی لکھتے رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ طنز و مزاح اور مزاحیہ مضمون کے ماہر ہیں۔ ماہنامہ قہقہہ نئی دہلی میں غالب ثانی کے نام سے نظم "ستاروں کا شگون" اور مزاحیہ مضمون "ایک قہقہہ انگیز خط" شائع کرا کے حمید قیصر نے کافی داد حاصل کی ہے۔ آپ نے اب تک کوئی دس ہزار سے زیادہ اشعار لکھے ہیں۔

آپ کے کلام کا تازہ مسودہ جو نقوشِ حیات کے نام سے موسوم ہے میرے سامنے موجود ہے۔ اس کی ورق گردانی کرتے ہوئے متفرق اشعار جو قارئین شانِ ہند کے لئے میں نے پسند کئے ہیں انھیں پیش کر رہا ہوں۔

متفرق اشعار

جنھیں مخلص بولنے ہو سب کچھ ہی گئے
حیف اپنی سادگی زہر بھی دھوکہ کھا گئے

مگر ڈوبا ساحل چھوٹا، قیصر سے ملاح بھی رو دو تھا
کہ طوفان ڈبو دے کشتی شاید تیری باری ہے

حسین میخانۂ رنگیں ہیں وہ اخلاق سوزی ہے
جہاں میکدہ میں آبرو کے جام بکتے ہیں

تیرے انداز تکلم کا چلن گیت غزل ❊ تیرا گُل رنگ سا چہرہ یہ بدن گیت غزل
سوز دل کرب غم کی کہانی غزل ❊ جیسے سمٹی ہوئی زندگانی غزل
ہو کے برباد قیصر نے سب پالیا ❊ جور عالم تری مہربانی غزل
تیرے افکار زمانے کے نگہبان رہے ❊ تیری کوشش رہی انساں یہ انساں رہے
وقت کے ساتھ زمانے کا طریقہ تو ہے ❊ زینتِ بزم جہاں رنگ سلیقہ تو ہے
فتور وہم کا بادل بڑا گھنیرا ہے ❊ کرن کی اصل صداقت میں بھی اندھیرا ہے
ہم اپنے موسم کی صحت پہ ناز کرتے ہیں ❊ ہمارے ہاتھ میں ہر شام کا سویرا ہے
ابھی شعور کی محفل میں روشنی کم ہے ❊ چراغ اور جلاؤ ابھی اندھیرا ہے
وفورِ شوق میں ہر غم چھپا لیا میں نے ❊ پرائے غم کو گلے سے لگا لیا میں نے
مجھے تو حلقۂ گردش نے یہ بتایا ہے ❊ اٹھا تھا پاؤں جہاں سے وہیں پہ پایا ہے

میری بربادی نے جب تجھ کو ستایا ہوگا
اشک بھر آ کے تری آنکھ میں آیا ہوگا

کتنے حسین ہوتے ہیں لمحات پیار کے
سارا زمانہ جیت لیا دل کو ہار کے

خلوص دل سے رسم کیوں نہ نبھائے جاتے ہیں
خموشی آنکھ میں آنسو چھپائے جاتے ہیں

غزل

چار دن کی خوشی کا بھروسہ نہیں ❊ وقت کیا زندگی کا بھروسہ نہیں
طالب گوں کا گریبان کو خالی ہے ❊ اس جہاں میں کسی کا بھروسہ نہیں
زخم دل کی میں روداد کس سے کہوں ❊ اب کسی دوستی کا بھروسہ نہیں
اپنے سائے سے اب تو یقیں اٹھ گیا ❊ چھاؤں سے چاندنی کا بھروسہ نہیں

اب غریبوں کی دنیا سنبھل جائیگا
آہ قیصر کسی کا بھروسہ نہیں

سازِ جمہوریت

(از چند قیس جالندھری)

نغمۂ جمہوریت کا ساز ہے
ساز میں جمہور کی آواز ہے

یہ ہے تفسیرِ بہارِ زندگی
اس سے ہم پر بابِ جنت باز ہے

جتنے بادے ہیں سب مکر و فسوں
اور یہ اعجاز ہی اعجاز ہے

حاصلِ کل بانگ اس کا تار تار
پردہ پردہ وقفِ سوز و ساز ہے

ہے اسی سے گرمیِ بزمِ طرب
رقص کرتا شعلۂ آواز ہے

ہم نے کس عالم میں چھیڑا ہے اسے
ایک عالم گوش بر آواز ہے

ان نواہائے نشاط آہنگ میں
روحِ موسیقی نوا پرواز ہے

بحرِ طوفاں خیز ہے جذبات کا
خواہ وہ اطناب یا ایجاز ہے

اس کا مقصد ارتقا ہی ارتقا
اور اصول آغاز ہی آغاز ہے

یہ نہیں سقراط ہی کا ہم نوا
گاندھی و نہرو کا بھی دمساز ہے

حاکم و محکوم ہوں جمہور ہی
بس یہی جمہور کا اعجاز ہے

حکم رانی کی ہیں طرزیں اور بھی
لیکن اس کا اور ہی انداز ہے

رہ کے ناوابستگی کا معتقد
ایشیا میں ہند سرافراز ہے

ناز ہے جمہوریت کو ہند پہ
ہند کو جمہوریت پر ناز ہے

جشنِ جمہوریت

(پال چند منصور)

اٹھو جمہوریت کے گیت گائیں
نویدِ امنِ عالم کو سنائیں

محبت ہی فقط مذہب ہے اپنا
اسی مذہب کا اب سکہ چلائیں

رہیں شیر و شکر ہو کر ہمیشہ
نشانِ فرقہ بندی تک مٹائیں

مٹا کر تفرقہ دیر و حرم کا
مئے حبِ وطن سب کو پلائیں

نقابِ غیریت کو چاک کر کے
جمالِ وحدتِ یکتا دکھائیں

نہ پائیں راہ دل میں بغض و کینہ
محبت کا چلن سب کو سکھائیں

زباں کے مسئلے کم راہ کن ہیں
انھیں کیوں طول کر [illegible] لگائیں

مٹا دیں جہل کا نام اس جہاں سے
بہر سو علم کی گنگا بہائیں

تعصب جن کا ایماں ہے انھیں بھی
رواداری کا ہم رستہ دکھائیں

لبوں پر ہو پیامِ حق ہمیشہ
پیامِ حق زمانے کو سنائیں

وطن کی خاک کو جوشِ عمل سے
ہم اپنا گلشنِ جنت بنائیں

یہی ہے شانِ مہر و عظمتِ ملک
ہم اپنی جان پر بھی کھیل جائیں

یہ منصب [illegible] اپنا
کہیں محنت سے جو ہم وہ کر دکھائیں

بھارت رتن کی بیٹی

(عارف [illegible])

ہندوستاں کی بیٹی ہے یہ علم و فن کی بیٹی
نہرو کی وارثہ ہے بھارت رتن کی بیٹی
ہے رام کی پجارن اور من موہن کی بیٹی
اندرا ہے نام اس کا اور ہے وطن کی بیٹی

بھارت رتن کی بیٹی بھارت رتن کی بیٹی

سلطانہ چاند بی بی کی رفتار لے کے آئی
جھانسی کی لکشمی کا اوتار لے کے آئی
رادھا کے رُخ سے کتنے انوار لے کے آئی
ساوتری کا دلکش کردار لے کے آئی

بھارت رتن کی بیٹی بھارت رتن کی بیٹی

گنگا کی موج اس میں جمنا کی ہے روانی
کہتی ہے بات جو بھی ہوتی ہے وہ سہانی
اس کا لباس دیکھو ہے امن کی نشانی
امریکہ روس پیرس سب نے یہ بات مانی

بھارت رتن کی بیٹی بھارت رتن کی بیٹی

گاندھی کی شان لے کر سردار بن کے آئی
نہرو کی ہر ادا میں سرکار بن کے آئی
آزاد کی مجسم گفتار بن کے آئی
ہندوستاں کی خاطر گلزار بن کے آئی

بھارت رتن کی بیٹی بھارت رتن کی بیٹی

چھوٹا بڑا یہاں پر کوئی نہیں ہے رنجور
مزدور شادماں ہیں دہقاں ہیں سارے مسرور
بھارت کی ہر گلی میں پھیلا ہوا ہے اک نور
دنیا میں اس کا چرچا دنیا میں ہے یہ مشہور

بھارت رتن کی بیٹی بھارت رتن کی بیٹی

اخلاص کی ہے دیوی تیور الگ ہیں سارے
جس سمت اس نے دیکھا پیدا ہوئے اجالے
نہرو نے جو دیے تھے اخلاص کے خزانے
اندرا کو ہیں اے عارف وہ جان سے بھی پیارے

بھارت رتن کی بیٹی بھارت رتن کی بیٹی

غزل

(رائے [illegible] جالنوی)

جب ہست و عدم کا قصہ تھا کیوں [illegible] لوگوں نے
بے خود ہوں ابھی تک ہوش نہیں وہ سم تھا یا تریاق تھا جو
کانپ رہی تھی زمیں کانپ رہے تھے فلک کہرام مچا تھا عالم میں
اس ہست و عدم کی [illegible] ہر بات نرالی دیکھی ہے
عیسیٰ بھی نہیں تبریز نہیں سرمد بھی نہیں منصور نہیں
فیصلہ تو قرآں کا تھا انصاف سر محشر ہوگا
تھا عہد کے پیکر میں تو بھی معبود کی فطرت رکھتا ہوں

اِدھر اک طنز کے تیروں سے پھر چوٹ لگائی لوگوں نے
اس محفل عرفاں میں مجھ کو کیا چیز پلائی لوگوں نے
بسمل کی تڑپ کو جب دیکھا دی آہ و دہائی لوگوں نے
اک شمع جلائی لوگوں نے اک شمع بجھائی لوگوں نے
کیا سوچ کے آخر کیوں مجھ پہ تلوار چلائی لوگوں نے
اے جبر مشیت تو ہی بتا کیوں کھال کھنچائی لوگوں نے
میں کیا تھا کیوں میری آخر تصویر بنائی لوگوں نے

قوم ترقی کی راہ پر
زیادہ سے زیادہ
لوگوں کے لئے مزید خوراک
اس سال اناج کی پیداوار ۱۱ کروڑ 40 لاکھ ٹن تک پہنچ جانے کا امکان ہے جو کہ ایک ریکارڈ پیداوار ہوگی۔
بھارت میں عوام میں ضروری چیزوں کی تقسیم کے سسٹم میں بہت سُدھار ہوا ہے اور اسے اب دُنیا میں بہترین سسٹم مانا جاتا ہے۔
مضبوط ارادہ اور کڑی محنت ہمارے ساتھی ہیں

۲۶ جنوری

جشنِ جمہوریت ہمارا قومی تہوار ہے

دیال سنگھ کالج کرنال کے منتظمین۔ سٹاف اور طلبا جشنِ جمہوریت کے قومی تہوار پر یہ عہد کرتے ہیں کہ ہم اپنے ملک کی آزادی کو برقرار رکھنے کیلئے وزیرِ اعظم اندرا گاندھی کے بیس نکاتی پروگرام کو کامیاب کرنے کیلئے ہر ممکن کوشش کرینگے۔

دیال سنگھ کالج کرنال

مشترکہ پنجاب میں نصف صدی اور اب کرنال (ہریانہ) میں چوتھائی صدی سے اپنی شاندار روایات کو قائم رکھے ہوئے ہے۔ دیال سنگھ کالج کرنال میں طلبا کو ہمیشہ ڈسپلن۔ قومی یکجہتی۔ حب الوطنی اور ملک کی ہر طرح سے حفاظت کرنیکی تلقین کیجاتی ہے اور انھیں ایک اچھا شہری اور ایک فرمہ دار شہری بنانیکی کوشش کیجاتی ہے۔

منجانب منتظمہ کمیٹی
دیال سنگھ کالج کرنال
(ہریانہ)

ادارہ

معیار کی کسوٹی پر

سُورج کے تماشائی

لکھائی چھپائی کاغذ نفیس صفحات ۴۰
قیمت دس روپیہ چھ غیر معروف شاعروں

کی غزلیں ہیں۔ اس پر عزیزی مخمور سعیدی نے فکری الکری کے عنوان سے چند سطر جو دو صفحات کا احاطہ کئے ہوئے ہیں لکھی ہیں۔

"مقامی یعنی گجراتی بول چال کا اثر کہیں کہیں اُردو محاورے سے دُور لے گیا ہے اور بعض الفاظ کا استعمال بھی درست نہیں ہوا لیکن یہ خامیاں مزید مشق اور مطالعے سے رفع ہو سکتی ہیں۔"

مخمور صاحب شاید خلش بڑودوی سے واقف ہوں لیکن میرے لئے چھ کے چھ شاعر اجنبی ہیں۔

ہر شاعر اپنی زاد بوم کی تعریف میں عرش تک چھونے کی کوشش کرتا ہے صفحہ ۷ پر لکھا ہے "اُردو کا سب سے پہلا شاعر ولی اسی سرزمین پر پیدا ہوا اور احمد آباد میں موتی سہاگ کے قبرستان میں محو خواب ہے۔"

وہ محو خواب ولی کوئی اور ہوگا۔ ورنہ اصل میں ولی کا نام شمس ولی اللہ تھا اور تخلص ولی تھا اور دہلی کے باشندے عالمگیر کے میر منشی تھے ہم شاہراہ میں پہلے بھی لکھ چکے ہیں۔

متروکات کی کثرت ہے۔ خلش صاحب بے وزن بھی کہہ جاتے ہیں۔ حروف علت فارسی عربی بھی ساقط کر دیتے ہیں اور مبالغہ جو شاعروں کا خاص شغلہ ہے دروغ کی حد تک پہنچا دیا ہے۔

آتش برا نہ مانئے حق حق جو پوچھئے
شاعر ہیں ہم دروغ ہمارا کلام ہے

شاعری کے لئے بڑے شعور اور سلیقہ کی ضرورت ہے۔ صفحہ ۱۹ پر خلش صاحب کا مقطع دیکھئے۔

ہم نے مانا مخلص ہو تم ساری دنیا کے کام آؤ
لوگ تمھیں دیوانہ سمجھیں اتنے دھوکے مت کھاؤ

لفظ دھوکے کے بعد تو کے اضافے سے یہ عیب رفع ہو جاتا ہے لیکن یہ لغزش خلش صاحب کی ہے کاتب کی نہیں۔ اُن کا تب نے واو پر ہمزہ لکھ کر ساری غزل نظری کر دی ہے۔

اگرچہ کا محل استعمال بھی دیکھ لیجئے ؎

چہرہ تھا گردِ غم سے اگرچہ اٹا ہوا

دیوانے کی منتی پلید ایسے ہوتی ہے ؎

لوگ پہلے کے دوانے تھے بہت

سقوطِ ی ملاحظہ ہوں

؎ وہی حسرت وہی ویرانی وہی سناٹا

؎ تنہائی کے حصار میں کچھ ایسا قید تھا

مخمور صاحب کو سہو ہوا جو انھوں نے لکھا کہ "خلش صاحب ممتاز نظر آتے ہیں" ان سے زیادہ نکھرا ہوا کلام تو شرر کا ہے۔

خلش صاحب نے کچھ متروک اور کچھ غلط الفاظ لکھے ہیں۔

گر کی جگہ جو لکھا کریں ــ منجار غلط ہے ہے جوار لکھا کریں ــ بجلاتی دکھلاتی کی جگہ بتاتی دکھاتی فصیح ہیں ــ سب ہی کے عوض بھی اور ان ہی کی جگہ انھیں صحیح ہیں۔ پر معنی لیکن متروک ہے ــ ناتا اُردو کا لفظ ہے ناطا لکھنے سے ردیف بدل گئی ــ خدا جانے۔ وہ جانے۔ تو جانے صحیح ہیں لیکن ؎ کہ جانے وہ ذوقِ سفر ہے کہ طلب منزل کی" ایسی جگہ نجانے لکھنا واجب ہے ــ حرف نفی نون (نہ) اور نہیں کا محل استعمال بھی یاد کر ــ جب قافیہ تھا ہے۔ ہوا ہوں تو سانسا اور آئینا الف سے لکھا کریں تاکہ حرف ردی (جس پر مدار قافیہ ہے) نہ بدلے ــ یادوں سراسر غلط ہے یا دو لفظ ہے جس کی کوئی جمع نہیں ــ صفحہ ۵۰ پر چھٹے شعر میں ہے کی جگہ پر چاہئے یہ شاید کاتب کا سہو ہے۔

شرر صاحب کی غزلیں نفیس ہیں۔ اگر وہ ذرا احتیاط سے کام لیں تو بے شک اُستاد گجرات ہو سکتے ہیں۔

اور کی جگہ نہ ور لکھنا چھوڑ دیں۔

شکوہ عربی ہے اسے شکوہ لکھ کر حرف آخر ساقط نہ کریں۔

اس شعر میں شتر گربہ ہو گیا ہے

مری نگاہ کو اتنی تو وسعتیں دے دو
نظر اٹھاؤں جدھر میں اُدھر ہو تو موجود

تو تنگ ساتھ دستے دو بنچا ہئے۔ ویسے لکھنا واجب تھا۔

۵۔ انھیں پہ یورشیں ہوتی ہیں برق و باراں کی

یورش ترکی زبان کا لفظ ہے اس کا تلفظ یُرِش ہے۔ واو اظہار ضمہ کے لئے ہے ؎

سُورج پہ یُرِش ہے بادلوں کی
تنہا پہ ہے فوج کی چڑھائی (اثر لکھنوی)

یہاں یلغوں لکھ لیجئے یہ بھی ترکی ہی کا لفظ ہے۔

۶۔ کھلاتی ہے گل چشم نم کیسے کیسے

چشمِ پُرنم صحیح ہے (بعض اساتذہ نے چشمِ نم لکھا ہے لیکن احتیاط چاہئے لفظ نہیں مرکب ہے (نہ × ہیں) ہے اس لئے نہیں کہ بعد ہے یا ہیں لکھنے سے پرہیز کریں جیسے ۷۔ نہیں مبتلائے محبت نہیں ہیں۔ یہاں ہیں کی جگہ کچھ لکھ لیجئے۔ لفظ مت ڈیڑھ سو برس سے متروک ہے۔

۸۔ کہ تنگ حضرت انساں ہے آدمی کا وجود۔

حضرتِ ناصح جناب شیخ وغیرہ آج تک تمام شاعر لکھتے ہیں لیکن یہ سراسر غلط ہے۔ تین اغلاط کاتب کی ہیں۔ سیکڑوں۔ غمِ عقبہ۔ جلوہ ہائے (سیکڑوں۔ غمِ عقبیٰ۔ جلوہ ہائے ہونا چاہئے تھا۔

چار دیگر شاعروں کے کلام میں ایطائے جلی۔ اسقاط حروف صحیح اور متروکات تخلّص صاحب کی طرح جلوہ گر ہیں)۔ ایک ذم آلود مصرع بھی دیکھ لیجئے۔

وہ کارواں جو اندھیروں میں کر رہے تھے (سفر) جمال

ان اوصاف کے باوجود کتاب کی قیمت زیادہ ہے۔

ملنے کا پتہ: بزم توفیق۔ طائی اسٹریٹ۔ محمود وا اٹمی۔ بعدہ گجرات

(علام عشق آبادی)

شعور حیات

لکھائی چھپائی۔ کاغذ اعلیات۔ صفحات ۹۲ قیمت ۳ روپے۔

نعان متین بدایونی ایم اے کی غزلوں اور چند قطعات کا مجموعہ ہے۔ متین صاحب عزیز آبرو احسنی گنوری کے شاگرد رہ چکے ہیں۔ آبر صاحب نے متین جی کے لئے لکھا ہے "بازار شاعری میں متین بے قیمت چیز نہیں۔ اور دعا دی کہ وہ مستقبل کے ایک معیاری شاعر بنیں"۔ اور بس۔ میں بھی یہی الفاظ دہراتا ہوں۔

اور لکھا ہے "اگر ان کے اشعار سے میری ذات کی وابستگی نہ ہوتی تو میں شاید وضاحت سے اُن کے کلام کے محاسن و معائب پر روشنی ڈال سکتا"۔

اصلاح کے بعد۔ معائب کا ذکر۔ بے معنی ہے۔ اب میں جو عیب کلام میں ہونگے وہ اُستاد ہی کی کوتاہی کا ثبوت ہوں گے۔ اس لئے متین کے کلام میں جو اب لغزشیں نظر آتی ہیں وہ سب آبر صاحب ہی سے منسوب کرنا مناسب ہیں۔ اور میں مرحوم عزیز کی روح کو تکلیف دینا کار خیر نہیں سمجھتا لہٰذا "شعورِ حیات" پر اور کچھ تبصرہ بھی نہیں کرتا۔

ملنے کا پتہ: سفار پبلشنگ ہاؤس۔ ڈونگری۔ بمبئی ۹

(علام عشق آبادی)

جانِ تصوف

ہر شیند درد مکھی جہاں" رمئیں عالمہ اور محمر بہار اشتر" کے خطابات سے یاد کئے جاتے ہیں وہیں ان کا سرمایۂ شعر کسی طرح کم لائق فخر نہیں ہے۔ اب تک ان کے ۳ مجموعہ ہائے کلام شائع ہو چکے ہیں جن کے مطالعہ سے ان کے فنی اور ادبی شعور کا بھی پتہ بخوبی چلایا جا سکتا ہے۔

دکھی صاحب مجموعی طور پر غزل کے شاعر ہیں اُن کی غزل قدیم اقدار اور صالح روایتوں کی آئینہ دار ہوتی ہے جس میں فنی پختگی کے ساتھ ساتھ زندگی کے گہرے احساسات اور جذبات جو شعوری لحاظ سے زندگی کو مکمل اور جامع بناتے ہیں پوری طرح موجود ہیں پھر سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ دکھی صاحب ان پہلوؤں پر غور کرتے وقت ژرف نگاہی کے ساتھ ہی فکر کی عمق سے بھی کام لیتے ہیں اسی لئے زندگی کا شاید ہی کوئی صالح پہلو یا قدر ایسی ہو جو ان کی غزل میں شامل نہ ہو اسی سبب ان کی غزل قدیم لیکن صالح روایتوں کی عکاسی کرتی نظر آتی ہے اور جس سے انسانیت کی قدریں اور عظمت فزوں ہوتی ہیں۔ اُردو غزل کی وہ تمام تر روایتیں جو مختلف شکلوں میں اِدھر اُدھر ملتی ہیں دکھی صاحب کی غزلوں میں ایک ساتھ مل جاتی ہیں چاہے وہ تصوف کے مسائل ہوں یا سیاسی انقلاب۔ عشق کی سرمستی ہو یا حسن کی ناز برداری، فلسفۂ حیات و ممات ہو، یا انسانیت کی برتری کا احساس۔ دکھی صاحب کا دل ان سارے پہلوؤں کو قبول کرتے وقت وسیع اور فراخ ہو جاتا ہے اسی لئے ان مسائل کے باریک سے باریک پہلو بھی ان کی نگاہ کے تعمق سے چھپے نہیں رہتے اور وہ ان پر اظہار خیال کرتے وقت ایک بالغ نظر ایک صاف ذہن اور غیر مصلحت پسند انسان بن کر ان صالح اقدار اور روایتوں کو زندہ رکھنے کے لئے جہد مسلسل کرتے

تے ہیں ایسے میں قدم قدم پر ان کا شاعرانہ شعور نہ صرف اُن کا رہنما دیتا ہے بلکہ ان کے مطمحِ ہائے نگاہ کی تکمیل کے لئے مشعلِ راہ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ جب بھی زندگی کے کسی پہلو پر نظر تے ہیں تو وہ اچٹتی ہوئی نظر نہیں ہوتی نہ وہ سرسری طور پر اس پہلو رُز لیتے ہیں بلکہ اس پہلو کے سارے پردے ان کے سامنے خود بخود چلے جاتے ہیں۔ یہی وہ مقام ہوتا ہے جہاں ان کے شاعرانہ جذبے صداقت صاف صاف طور پر ان کی غزلوں میں نظر آنے لگتی ہے اور انداز بیان اس صداقت کو اور بھی روشن اور مؤثر بنا دیتا ہے اکی مثالیں ملاحظہ کیجئے

اہلِ بصیرت کو کہاں الہام ہوتا ہے	زباں سے جو نکلتا ہے وہی پیغام ہوتا ہے
فرمانے لگی ہیں بجلیاں	چار تنکوں کا تعلق رہ گیا ہوا
ہیں ہزار رنگ تبسم ہے موجزن	آئینۂ جمال ہے شبنم مرے لئے
شعورِ تحصیل پریشان ہے	حد سے کیا بڑھ گیا آسماں دوستو
بت ستا رہی ہے ازل سے اسی طرح	لیکن ہنوز ختم مری داستاں نہیں
ت ہے یا زلیست کے چولے کا بدلنا	یہ سلسلہ کب مشفق من ٹوٹ رہا ہے
سے ہم مشیتِ یزداں میں آ گئے	ہیئت بدل کے صورتِ انساں میں آ گئے
آ کے چھوڑ دی گلشن پرستیاں	گلشن کے پھول دشتِ مغیلاں میں آ گئے
نے رنگ کچھ ایسا جمایا تھا گلشن میں	بہار آنے پہ بھی غالب ہاد و خزاں برسوں
کردار سے گرنے کی سزا پائی ہے	اب کون شہر میں حاصل ہے شہ دیرانو میں
ہا سے ہے تلاطم حسن سے ٹھہراؤ بھی	حسن ہی برہم بھی ہے لیکن حسن کا ٹھہراؤ بھی
تھا وہی عشق جو ئے شیر تھا	عشق ہی الجھا بھی تھا اور عشق خود ہی تیر تھا

"جہانِ تصوف" کے تقریباً پونے تین سو صفحات پر اسی قسم کے اشعار بکھرے پڑے ہیں جن سے دکھی صاحب کے شاعرانہ اور فکری بسط کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

کتاب کی طباعت اور کتابت اوسط درجہ کی ہے اور چھے ۶ روپے کے عوض مکتبہ شانِ ہند سے بھی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ (عزیز اندوری)

خطبۂ استقبالیہ جشن مراد سعیدی

قدیم شاعرانہ روایتوں کی پرستاری کے نشانات اس دورِ جدید میں جب بھی نظر آتے ہیں پتہ نہیں کس لئے ذہن ماضی کی اُن یادوں میں کھو جاتا ہے جب شعر و ادب کی قدروں کو تہذیبی ورثہ سمجھ کر اختیار کیا جاتا تھا جس کی بنیادیں ان روایتوں پر رکھی جاتی تھیں جو ذہن و شعور کو ایسی بالیدگی بخشتی رہیں جو شعر و ادب کی "راہِ مستقیم" کو منور و کشادہ کرنے میں مددگار ثابت ہوں اس دور میں جبکہ بہت سی "ٹیڑھی میڑھی" راہوں پر شعر و ادب کے پرستاروں کا ایک قافلہ چل پڑا ہے قدیم روایتوں کو زندہ رکھ کر انھیں اختیار کرنا کچھ عجیب سا لگتا ہے لیکن اس اصلیت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وہ روایتیں جن کی تاریخی حیثیت بھی ہے جس عالم میں بھی نظر آئیں شعر و ادب کی تواریخی حیثیت کو ضرور دہراتی ہیں، اسی قسم کی ایک قدیم حیثیت شاگردی اور استادی کے صالح رشتے کی شکل میں موجود تھی جب استاد کے ذہنی تجربات اور فکر کا عمل سے شاگرد کا ذہنی شعوری اور فنی ارتقا ممکن ہوا کرتا تھا۔

اس حیثیت کو تسلیم کرنے والا ایک خاص طبقہ اب بھی دُنیائے شعر و ادب میں موجود ہے جسکے "عمل" میں "باقاعدگی" بھی ہے اور جو ان روایتوں کو تہذیبی ورثے کی طرح محفوظ رکھے ہوئے ہے۔ ہر چند ان روایتوں کو صحیح مسرت کی طرح اختیار کرنے والے چند حضرات ہی ہیں لیکن جب وہ گرم عمل ہوتے ہیں تو اُن کے عمل کی تقدیس اور خلوص قابلِ دید ہوتا ہے۔

ایک زمانہ تھا جب ان روایتوں کے چراغ سارے ملک میں جل رہے تھے وہ مقامات جہاں ان روایتوں کو روشن رکھا گیا ان میں ٹونک کی عظمت اور حیثیت بھی مقدم ہے۔ جہاں اساتذۂ فن و بصیرت نے سیکڑوں ذہنوں کو منور و تابناک کیا۔ ان میں جناب بسمل سعیدی کا مقام منفرد ہے جنکے دامنِ عاطفت میں ایسے متعدد ذہن پرورش پاتے رہے اور جن کی تربیت ہوتی رہی جن کا شعری و ادبی مقام استادانہ بلند و مسلّم ہے۔

بہر کیف بسمل صاحب نے اپنے ایک سعادت مند اور ذہین شاگرد جناب مرکز سعیدی کو جب فارغ الاصلاح قرار دیا تو تاج اکیڈیمی ٹونک نے اپنی سابقہ روایتوں کے مطابق اس سلسلے میں ایک جشن کا انعقاد کرکے بسمل صاحب کے ساتھ دوسرے اہلِ علم و ادب کی علم دوستی کو سراہا۔

اس جشن کا سب سے اہم پہلو بنواری لال صاحب (اسپیکر راجستھان) کا خطبۂ صدارت ہے جس میں موصوف نے اردو کی مدلل وکالت اور حمایت کرکے اردو کو مشترکہ سرمایہ قرار دیا ہے اور اس سلسلے میں اس زبان کی ترقی اور بقا کے لئے اپنی ساری دلی خدمات پیش کرنے کی جو پیشکش کی اس سے ان کا خلوصِ دلی ظاہر ہوتا ہے۔ اسی کے ساتھ موصوف نے شاعری کی قدیم روایتوں کا ذکر کرکے اس جشن کی اہمیت اور عظمت پر روشنی ڈالی ہے۔ خطبۂ استقبالیہ کے ذریعہ بنواری لال جی نے اردو کی اہمیت کو جس طرح جتایا ہے اور اس کے لئے جس جذبۂ صادق کا اظہار کیا ہے اس کے لئے دنیائے اردو کو ان کا شکر گزار ہونا چاہئے نیز یہ توقع رکھنی چاہئے کہ اردو کی وکالت کے لئے یہ جذبۂ صادق اگر اسی طرح سرسبز و شاداب رہا تو ملک کی مشترکہ تہذیب کی وارث یہ زبان ایک دن اپنا حق ضرور حاصل کرے گی۔

(عزیز اندوری)

کلیاں اور کانٹے

ملک چندی کی کہانیوں کے اس مجموعہ میں ان کی دس مختصر کہانیاں شامل ہیں۔ ان کہانیوں کے بارے میں اردو کے چند نقادوں کی آرا بھی کتاب میں شامل ہیں۔ ان میں سے بیشتر حضرات نے ان کہانیوں کے پس منظر کے ساتھ ہی کہانی کی تکنیک پر بھی خاصی اچھی بحث کی ہے۔

ملک چندی نے اپنی زیادہ تر کہانیوں کے مرکزی خیال کو قصباتی ماحول کے ارد گرد گھمایا ہے۔ بعض کہانیوں میں جاگیردارانہ استبداد اور رانی شاہی کی عکاسی کرتے ہوئے کہانی کار نے اس ہندوستانی روایت کو زندہ رکھنے کی کوشش کی ہے جسے تحت دیہات کی معصومیت اور بے گناہی پر آج تک اطمینان کا اظہار کیا جاتا ہے۔ اس قسم کی روایت کو ملک چندی نے کچھ اس انداز سے تر و تازگی بخشی ہے کہ ان سے پیدا ہونے والے تاثرات آج بھی روح کو تڑپا دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں ان کی کہانی "ہار گئی" پیش کیا جا سکتا ہے جو مختصر ہونے کے باوجود شدید تاثرات لئے ہوئے ہے۔ اس کے ارتقائی عمل کو کہانی کار نے اختصار لیکن موثر انداز میں پیش کرکے

... محفل میں سرتلج کو دوبارہ مل جانا، تیرگیٔ حیات میں حبیب اور کالا ابرا کی ملاقات اور تقدیر میں چندر پال اور گیتا کی شادی وغیرہ ایسے ہی خیال کو بنیادی طور پر ایسی خصلت قریب لانے میں کہانی کار کی معاونت رہا ہے جو فطری اور تہذیبی تقاضوں کی تکمیل کرسکا اور پھر کہانی کار کی

معصومیت اور تشدد کے تضاد کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اسی طرح "انتقام" میں نفسیاتی تذبذب اور ذہنی کشمکش کی بڑی موثر تصویر کشی کی گئی ہے۔ علی عباس و کے مکر و فریب کی ماری لڑکی وقت پڑنے پر اسے بچا لینے کے لئے جس طرح تیار ہو جاتی ہے اسے انسانی نفسیات کا بڑا اہم ردِّ عمل قرار دیا جا سکتا ہے جسے کہانی کار نے خوبصورتی کے ساتھ پیش کیا ہے "سنگم" اور "تصادم" جذبۂ الفت و ایثار کی موثر عکاسی کرتی ہے۔

"کلیاں اور کانٹے" کی کہانیوں میں اتفاقی امر کی بہت سی تصویریں دیکھنے کو ملتی ہیں پتہ نہیں کہانی کار کس جذبہ کے تحت چونکا دینے والے انداز میں انہونی باتوں کو اصلیت کا روپ دیکر مسرت آمیز انجام تک پہنچا کر سکون حاصل کرتا ہے۔ مثال کے طور پر امرِ اتفاقی ہی جنہیں کہانی کار نے پیش کرتے ہوئے "کرشمۂ تقدیر" سے منسوب کیا ہے۔

چونکہ "کلیاں اور کانٹے" کی بیشتر کہانیوں کا پس منظر قصباتی اور دیہاتی ہے اس لئے ان کے مرکزی ذہانت کا ثبوت ان کے اس لہجہ اور پیشکش سے بھی ملتا ہے جس نے ان کہانیوں میں تاثرات بھی پیدا کر دیئے ہیں۔ اسی لئے ان کا مرکزی خیال روایتی ہونے کے باوجود زندگی کی بہت سی اصلیتوں کا عکاس بن گیا ہے۔

۹۶ صفحات کی یہ کتاب ۲ روپے کے عوض مکتبہ شاہِ ہند سے بھی حاصل کی جا سکتی ہے۔

(عزیز اندوری)

بھنور

"بھنور" بشیر الدین قاضی کا پہلا ناول ہے۔ جسے انھوں نے بڑے جذباتی انداز میں پیش کیا ہے۔ یعنی ان کے اس ناول میں مختلف قسم کے جذبات ایک ساتھ کام کرتے نظر آتے ہیں۔ عشق کی جذباتیت فطرت کی ستم ظریفی، سماجی استبداد و تشدد، ایثار و قربانی کا جذبہ بے پناہ فرض اور محبت کا تصادم، سماجی اصلاح، مکر و فریب کی بے نقابی وغیرہ ہم ایسے ہی جذباتی پہلو ہیں جو اس ناول کے سارے کرداروں کو مختلف اوقات اور شکلوں میں پیش کرتے رہے ہیں۔

ناول نگار نے پورے ناول میں چار کرداروں کو مرکزی حیثیت دیکر اپنے پلاٹ کو ارتقائی عمل سے قریب کیا ہے۔ رشمی، کامنی، نوین اور رتنا ان سب کرداروں میں رتنا کا کردار مضبوط اور متاثر کرنے والا کردار ہے وہ زمانے کی ہوس کاری اور شیطانیت کا شکار ہو جاتے پر حسین جذبے کو اپنے دل میں جگہ دیتی ہے وہ فطری اور نفسیاتی ردِّ عمل کی بہتر شکل

میں اُبھر کر اس کے کردار کو مضبوط اور پسندیدہ بنا دیتا ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ اس کردار میں "مثالیت" پیدا کر کے ناول نگار نے کہیں کہیں اس کے فطری عمل کو لائقِ تشکیک بھی بنا دیا ہے۔ مردوں سے انتقام لینے کا جذبہ زینت کے دل میں جس طرح اُبھرتا ہے اس میں حقارت و نفرت پوری طرح شامل رہتی ہے مگر وہ پہلی ہی ملاقات میں رمیش پر ملتفت ہو کر اُسے اپنی داستانِ حیات سُنانے پر جس طرح تیار ہو جاتی ہے اس سے اس کے جذبۂ انتقام کی کمزوری ظاہر ہونے لگتی ہے۔ اسی طرح کامنی اور نوین کے تعلقات کی جو نوعیت بتائی گئی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نوین جیسا شاطر انسان کامنی کو اپنی جنسی بھوک مٹانے کے لئے بے داغ نہیں چھوڑ سکتا۔ لیکن کامنی آخر وقت تک اس بات پر زور دیتی ہے کہ وہ نوین کے دستِ ہوس کا شکار نہیں ہوئی ہے۔ ناول نگار نے ناول کے پلاٹ کو پھیلانے کیلئے اس کے تدریجی عمل میں ہوشیاری کا ثبوت دیا ہے اور واقعات کے تسلسل کو بھی بخوبی قائم رکھا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس ناول میں رُونما ہونے والے واقعات سماجی اور فطری حقائق کو بھی بہتر شکل میں پیش کرتے ہیں۔

۱۱۱ صفحات پر مشتمل یہ کتاب تین روپے کے عوض مکتبہ شانِ ہند سے بھی حاصل کی جا سکتی ہے۔ (عزیز اندوری)

خدائی فوجدار

مذہب یا دھرم کے نام پر بعض ناعاقبت اندیش ڈھونگی لوگوں نے جس طرح معصوم اور عقیدت مند طبقے کو اپنے دامِ فریب میں گرفتار کیا ہے ہر دَور کے باشعور اور مذہب پرست اذہان نے ان کارنامۂ مکر و فریب کی نقاب کشائی کی ہے۔ کبھی اصطلاحی انداز میں تو کبھی وضاحتی صورتوں میں۔ اس میں کوئی دو رائے نہیں ہو سکتیں کہ مذہب کی تبلیغ صالح اور بے لوث جذبے پر مبنی ہوتی ہے اگر اس میں کسی طرح بھی ہوس کاری، خود غرضی یا مکر و فریب شامل ہو جاتے ہیں تو اسکی ساری صداقت اور عظمت ختم ہو جاتی ہے۔ جہالت اور عقیدت مندی پر مبنی جوش اور جذبے میں بڑی چمک اور کشش ہوتی ہے خاص طور سے مذہبی جہالت نام وری کے ساتھ ہی اپنی غرض کو مکمل کرنیکا آسان ترین نسخہ ہے اس بدنصیبی کو کیا کہا جائے کہ ہمارا ملک جہاں مذہب کی صداقت کی جڑیں مضبوط ہوئیں۔ یہیں مذہبی جہالت اور اندھی عقیدت مندی کو بھی اتنی ہی تیزی سے پروان چڑھنے کا موقع دیا گیا جس کا ایک مضر اور نقصان دہ پہلو اس طرح اُبھر کر سامنے آیا کہ حق و باطل میں تمیز کرنا مشکل ہو گیا۔ اور وہ طبقہ جو مذہب کے نام پر معصوم اور جذباتی افراد کو دامِ فریب میں مبتلا کرنے کے کرتب سے واقف تھا نہ صرف سرسبز ہی ہوا بلکہ اس نے مذہب کے نام پر انتہائی لغو، جھوٹی، بے کیف اور غیر شعوری روایتوں کو اس کا جزوِ اعظم بھی بنا کر اسکی ساری سچائی، ساری جاذبیت اور ساری کشش کو پس پردہ ڈال دیا۔ اس نے مذہب کی اصل روح سے انسان کو بہت دور کر دیا اور سب سے بڑا اور بھیانک پہلو یہ بھی اُبھرا کہ ان ناعاقبت اندیشوں نے مذہب کے نام پر فرقہ پرستی کو جنم دیا اور انسان کو چھوٹے چھوٹے فرقوں میں تقسیم کر دیا جہاں وہ مذہبی روایتوں کی تکمیل کے لائق نہ رہ سکا نہ اُسے حق پرستی سے کوئی سروکار رہا۔

خوشی کی بات ہے کہ پنڈت خوشدل نے اپنے ذاتی تجربات اور تلخ حالات کو "خدائی فوجدار" میں سمیٹ کر ایسے ہی ناعاقبت اندیشوں کے سارے فریبوں کو بے نقاب کیا ہے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ مصنف نے ان واقعات کو جو صداقت پر مبنی ہیں قلم بند کر کے اپنی اس کتاب میں پیش کیا ہے یعنی واقعات تو واقعی بڑے ہی سوہانِ روح ہیں جنہیں پڑھ کر احساس ہوتا ہے کہ مذہب کے نام پر جہالت، فریب، ہوس اور خود غرضی کو کس طرح تقویت ملتی ہے اور صداقت پرستی کا کس طرح گلا گھونٹا جاتا ہے۔

خوشدل صاحب کی "نبض شناسی" نے ایک ایسے فریضے کی تکمیل کی ہے جو اس "مذہب کُش" دَور کے لئے انتہائی ضروری تھا۔

۱۲۶ صفحات کی یہ کتاب ۵ روپے کے عوض یا دفتر شانِ ہند سے بھی دستیاب ہو سکتی ہے یا ایڈیٹر دلیش سیوک ڈیرہ دُون سے طلب فرمائیے

(عزیز اندوری)

یادوں کے سائے

موجودہ دور میں اُردو شاعرات کی فہرست جسقدر طویل ہے شاید اس کی یہ شکل ماضی میں کبھی نہیں رہی ہو۔ رسائل و اخبارات سے لیکر نجی محفلوں اور مشاعروں میں بھی شاعرات کے نام تیزی سے نظر آنے لگے ہیں بعض صورتوں میں تو مشاعروں کی کامیابی کے لئے شاعرات کے ناموں کو بڑی اہمیت دیجاتی ہے گویا اُردو شاعری کے تصور میں کل تک محبوب کے شکل میں اُبھرنے والی صنفِ نازک خود اپنے زریں خیالات اور بالیدہ احساسات کے اظہار کے لئے شاعری کو ایک وسیلہ بنا چکی ہے جو ایک فالِ نیک ہے لیکن شاعری کو محض مشاعروں میں ترنم کے ساتھ پڑھ دینے پر اکتفا کر لینا کسی طرح لائقِ تحسین نہیں ہو سکتا یہ عجیب بات ہے کہ شاعرات کی طویل فہرست میں بیشتر شاعرات نے خود کو محض مشاعروں کے تحسین

اور جنہیں مشاعرہ اسٹیج تک پہنچ کر شاعری کا حق ادا کر لینے کے لئے مخصوص کر لیا ہے۔ اس سے زیادہ ایک عجیب بات یہ بھی ہے کہ ایسی شاعرات میں سے ۸۰ فیصدی کا نہ تو خود شعر کہہ سکتی ہیں اور نہ آداب مشاعرہ کا انھیں ذرا سا بھی شعور ہوتا ہے۔ اس لئے روایت کے مطابق کبھی کسی ایسی شاعرہ کو جو حقیقی معنوں میں مکمل شاعرانہ شعور رکھتی ہو، کسی مشاعرے میں اپنا کلام سنانا پڑتا ہے تو عام طور پر اس کے بارے میں بھی ذہن ہلکے سے تذبذب اور تشکیک کا شکار ہونے لگتا ہے لیکن یہ بھی اصلیت ہے کہ جہاں چند ایسے ناموں کے بارے میں فیصلہ ہو چکا ہے کہ انھیں شعر گوئی کا ذرہ برابر بھی شعور نہیں اور وہ صرف غزل گو کے بجائے غزل نگار قسم کی شاعرات ہیں وہیں یہ فیصلہ بھی ہو چکا ہے کہ بعض انتہائی ذہین اور باشعور شاعرات نہ صرف مشاعروں ہی میں بلکہ رسائل و کتب کے ذریعہ بھی دنیائے شعر و ادب میں اپنا خاصا بلند مقام بنا چکی ہیں۔ بیگم ممتاز میرزا کا شمار ایسی ہی شاعرات میں ہوتا ہے جنکا کلام نہ صرف مشاعروں اور نجی نشستوں ہی میں منکر کانوں اور ذہنوں کو سکون عطا ہے بلکہ جسے پڑھ کر انکی ذہنی بالیدگی، فکری گہرائی، وسعتِ قلبی اور تجربات حیات کی تیزی کا پتہ چلایا جا سکتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے شاعری کو محض تفنیعِ اوقات یا ذہنی تفریح کا ذریعہ ہرگز نہیں بنایا بلکہ اسے حالات زمانہ اور روداد دل کی تفسیر سمجھ کر مسائل حیات کا ترجمان بنا دیا۔ انھوں نے زندگی کی دھڑکنوں کو جس طرح سنا اپنی شاعری میں اسکا سارا حساب پورے شعور کے ساتھ پیش کیا جس نے انکی شاعری کو زندگی کا حساس بنا دیا جو ایک بالغ نظر اور حساس ذہن سے نکلی ہوئی ایسی آواز ہو گی جس نے ارباب ذوق کو چونکا کر اسمیں گم ہو جانے پر مجبور کیا۔ آواز کی اس بلندی کو پالینے کے لئے جو سلیقہ مندی اور آداب حیات ناگزیر ہوتے ہیں وہ ممتاز میرزا کے کلام میں بدرجۂ اتم موجود ہیں یہی سبب ہے کہ انھوں نے جہاں دل کی آنکھوں سے مسائل حسن و عشق کو دیکھ کر تسکین قلب و نظر کے اسباب مہیا کئے وہیں ذہنی بصارت سے مسائل حیات اور رودادِ جہاں کے تاریک ترین گوشوں کو منور کرتے وقت اولوالعزمی کا ثبوت دیا۔ ہر چند ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان گوشوں تک پہنچتے پہنچتے بڑی حد تک مایوس اور غمگین ہو جاتی ہیں لیکن بہت جلد سنبھل کر اپنے قنوطی احساس کو انتہائی سلیقہ مندی کے ساتھ رجائیت میں تبدیل کر لیتی ہیں اس مقام پر انکی شعوری بیداری پوری تیزی کے ساتھ مصروفِ عمل نظر آتی ہے اور انھیں قنوطیت، اداسی اور مایوسی سے بچا لیتی ہے۔ یہ اشعار دیکھئے۔

الٰہذا اب تو غم کی یہ منزل بھی آ گئی ۔۔۔ بے وجہ آ رہی ہے ہنسی بار بار آج

ہمارے دل کی اندھیر نگری کا غم نہ کیجئے ہمدم ۔۔۔ ہمارے دم سے یہ رستے ہیں جگمگائے ہوئے
کتنا پیارا ہے جہاں کتنی حسیں ہے یہ حیات ۔۔۔ یاس و اندوہ کے دریا سے گزر کر دیکھو
پھر بھی مایوس زندگی سے نہیں ۔۔۔ مات گو ہر قدم پہ کھائی ہے
ہر کٹھن منزل سے گزرنا ہی پڑے گا ۔۔۔ یہ دشتِ طلب ہے یہاں سایہ نہیں ملتا
شمعیں جلا کے عزم و یقین و عمل کی پھر ۔۔۔ پیمان کس نے باندھا تھا زندگی کے ساتھ

ان اشعار کی عظمت اسوقت اور بھی نمایاں ہوتی ہے جب ممتاز میرزا انھیں رودادِ حیات اور احساسات قلب و نگاہ کی تصویر بنا کر اس اصلیت کا ثبوت اس طرح دیتی ہیں۔

غم حیات کی روداد تھی مگر ممتاز ۔۔۔ سمجھ لیا اسے لوگوں نے شاعری میری

اور اس ثبوت کو جسکا لہجہ بڑی حد تک شکایتی ہے وہ اپنی فکر کی گہرائی جذبات کی صداقت، شعور کی وسعت، تجربات کی روشنی اور مزاج کی نرمی کے سہارے انتہائی پختہ شکلوں میں اس طرح پیش کرتی ہیں جن میں لہجہ کی شگفتگی و بے ساختگی کی ساتھ ساتھ بیان کی قدرت تشبیہات کی جدت اور مضامین کی ندرت بھی شامل ہے۔ اس قسم کے چند اشعار بطور مثال پیش کئے جاتے ہیں۔

اپنی ہستی کا بھرم توڑ دو تو پاؤ گے نجات ۔۔۔ ریت کے ذروں کی مانند بکھر کر دیکھو
اُلجھے دھاگوں کا ہے اک ڈھیر یہ دنیا تیری ۔۔۔ وہ مسائل کہ نہ حل جن کے کتابوں میں ملیں
شکایت ہے انھیں بھی زندگی سے ۔۔۔ جنہیں سب کچھ دیا ہے زندگی نے
گلہائے رنگ رنگ ہیں انکو نہیں ثبات ۔۔۔ چپکے سے یہ صبا نے کہا اور گزر گئی
مسجد میں بھی فسانہ تو انکا جناب شیخ ۔۔۔ شاید ہوئے ہیں آپ مسلماں نئے نئے
بیانِ غم نہ سہی شرحِ آرزو کیجئے ۔۔۔ کبھی تو آپ بھی ممتاز گفتگو کیجئے
ترے شعورِ غم پہ طلب کا ہے انحصار ۔۔۔ میں کیا بتاؤں عشق میں کیا مانگ کیا نہ مانگ
آنکھ جلوہ آشنا ہے دل تمنا آشنا ۔۔۔ عشق ہے کم بخت کتنا آگہی نا آشنا
مسئلہ بنگئی ہے ساری حیات ۔۔۔ لمحہ لمحہ ابھر رہے ہیں خیال
اک نظر نے زندگی کے سارے رنگ چھین لئے ۔۔۔ گل بداماں کر دیا عشق خوش انجام نے
پھر پکارا ہے کسی نے مجھ کو ۔۔۔ پھول کھلنے کی صدا ہو جیسے
ہم ترے ہاتھ کی ریکھا ہیں مقدر تیرا ۔۔۔ ہم بھلا تیرے تغافل سے بدل جائیں گے
آگہی بھولنے دیتی نہیں ہستی کا مآل ۔۔۔ ٹوٹ کے خواب بکھرتا ہے [illegible]
ہمارے ہاتھ میں اب بھی پھول کی صورت ۔۔۔ وہ ایک سنگ اٹھایا تھا جو کسی کیلئے
وہ دل گئے کہ عام تھا انتخاب آرزو ۔۔۔ اگلی سی آزمائش کام و دہن کہاں

ممتاز میرزا کی غزلوں کی بیشتر ردیفیں انتہائی گہرے تاثرات کی ہیں جنھیں ان کے صحیح اور ارفع مفہوم کے اعتبار سے استعمال کرنے میں و

پوری طرح کامیاب ہیں۔ چند مثالیں دیکھئے۔

ہوئے ہیں۔ بڑی اُداس ہے رات۔ جاتے ہیں وہ۔ تو کیا ہوگا یاد آئے۔ لائیں کہاں سے۔ کوئی تو ہو۔ کہ جی جانے ہے کہ ذرا رات گئے ہے کہ نہیں ہے۔ ذرا سنبھل کے چلو۔ ہم نے دیکھا ہے۔ تو ہنس دیتے ہیں۔ تم آؤ تو سہی۔ وغیرہ۔

غرض "یادوں کے سائے" ممتاز میرزا کے اس کلام کی نمائندہ ہے جسکے بارے میں ڈاکٹر یوسف حسن خاں نے مصدقہ طور پر فرمایا ہے "اِن کی غزلوں میں پختگی کے علاوہ زبان و بیان کی صحت اور پاکیزگی، سلاست، روانی اور شگفتگی ہر ورق پر محسوس ہوتی ہے" یا پھر مسکین اکبر آبادی کے الفاظ میں "ہم ان کی شاعری کو اور بھی بہتر شکل میں پرکھنے کے لائق ہوسکتے ہیں"۔ ممتاز کی زبان دلّی کی ستھری اور پاکیزہ زبان ہے ان کے شعروں میں بڑا سوز اور درد ہے جو دل کے ساتھ ذہن کو بھی متاثر کرتے ہیں انہیں بڑے حُسن اور فنکاری کے ساتھ اپنے احساسات اور واردات کو بیان کرنے کی قدرت ہے۔ فن تو مہارت اور محنت سے حاصل ہوسکتا ہے لیکن شخصیت کا عکس اشعار میں کس طرح آسکتا ہے اگر شخصیت ہی کسی خوبی سے عاری ہو ممتاز کے اشعار میں جو نرمی اور نزاکت ہے وہ یقیناً ان کی صنفی خصوصیات ودیعت ہے"۔

۲۰۲ صفحات پر مشتمل "یادوں کے سائے" کی کتابت، طباعت اور سرورق قابلِ دید ہے جس کی قیمت بیّس روپے ہے۔ جو کلام کی خوبی اور طباعت کی خوبصورتی کو دیکھتے ہوئے گراں نہیں۔ مکتبہ شانِ ہند دہلی سے یہ کتاب حاصل کی جاسکتی ہے۔ (عزیز اندوری)

فرمودات

ترجمہ کا فن انتہائی دُشوار اور دقت طلب فن ہے اس سلسلے میں جس ریاضت اور بالغ نظری کی ضرورت ہوتی ہے اسے پالینا ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے فنی چابکدستی کے ساتھ ساتھ ذہنی یکسوئی اور فکری بالیدگی بھی اس کیلئے ضروری ہے اسلئے کہ ذرا سی لغزش اصل شکل کو بھی مسخ کردیتی ہے۔

اُردو کے ادیبوں اور شاعروں نے دوسری زبان کی شاعری اور ادب کے بڑے کامیاب ترجمے کئے ہیں جسکی وجہ سے اُردو کی دنیا دوسری زبانوں کے ادب اور شاعری کے نظریات احساسات اور فن سے متعارف ہوتی ہے ترجموں کا سلسلہ اُردو کے بالکل ابتدائی دور سے ہی نظر آتا ہے۔ لیکن اُس کی مدیں اسوقت فارسی ادب ہی سے جاکر ملتی رہیں ادھر چند سالوں میں نہ صرف انگریزی، روسی، جرمنی، فرانسیسی اور چینی زبانوں کے نمائندہ ادب ہی کا ترجمہ کیا گیا بلکہ ہندوستانی زبانوں کے نمائندہ ادب کو بھی اُردو میں تبدیل کرنے کی کامیاب کوششیں کی گئیں۔

حمیدالماس نے کنڑا ادب کی ایک صنعت "وچن" کو اُردو کے قالب میں ڈھال کر جس ریاضت اور بالغ نظری کا ثبوت دیا ہے اس کے کئی اہم پہلو نمایاں ہوتے ہیں۔ اوّل تو یہ کہ انھوں نے اس زبان کے ایسا دبی حصے کو ترجمہ کیلئے منتخب کیا جو مذہبی اعتبار سے بھی تسکینِ قلب و نگاہ کے ساتھ سکونِ روح کا باعث ہے اور دوسرے دوسرے کنڑا کی ایک مخصوص صنف (وچن) سے دُنیائے اُردو کو متعارف کرایا ہے۔

ویسے تو حمید الماس تقریباً دو سو کنڑا نظموں کا ترجمہ کرچکے ہیں لیکن "فرمودات" میں انھوں نے کرناٹک کے روحانی پیشوا مہاتما بسویشور کے ان وچنوں کو شعری قالب میں ڈھالا ہے جو انھوں نے روحانی بالیدگی، وحدانیت اور سماجی انقلاب کے ملے جلے جذبات کے تحت کہے اور جن کے ذریعہ انھوں نے ذہنِ انسانی کو صداقت کی پہچان کے لائق بنانے کی کامیاب کوشش کی اسی کے ساتھ ان وچنوں کی ادبی اہمیت بھی کسی طرح کم نہیں ہے اسلئے کہ مہاتما بسویشور نے کنڑا کی ادبی روایتوں کو توڑ کر ہیئتی اعتبار سے نت نئے تجربے کئے اور معنوی جدت طرازی کا ثبوت دیتے ہوئے کنڑا ادب کو جدید شکلوں سے مزیّن کیا یعنی جہاں انھوں نے اپنے وچنوں میں انسان اور خدا کے پاکیزہ رشتوں، زندگی کی بے ثباتی، ذات پات کے جھگڑوں سے گریز بے جان اور بے کیف سماجی اور مذہبی روایتوں کی مخالفت، وجودِ حق کا عرفان، سماجی مساوات سے ہم آہنگی، تساہل پسندی کے مقابلے میں عمل کی تیزی اور خارجی سرگرمیوں کے ساتھ باطنی ادراک اور فہم پر زور دیا وہیں انھوں نے ان وچنوں کو فن برائے فن کے بجائے فن برائے حیات کے قالب میں ڈھالا جس نے انکے ان وچنوں کو کنڑا ادب کی ایک جدید شکل میں پیش کیا اور جس کی پیروی میں بعد کے ادبا و شعراء نے اپنے شعری و ادبی نظریات کو نئی سمتوں سے آشنا کرایا اور جس کا اثر یہ ہوا کہ اُن کا ادب بے کیف اور بے جان روایتوں سے نجات پانے کے لائق ہوسکا۔

حمید الماس نے ایسے ہی نمائندہ ادب کا اُردو میں ترجمہ کرکے جس ریاضت اور محنت کا ثبوت دیا ہے اس سے اُن کی ذہنی یکسوئی، تبحرِ علمی اور قدرتِ بیان کا بھی اندازہ ہوتا ہے نیز "فرمودات" میں وہ تمام

نمایاں نظر آتی ہیں جو ایک کامیاب ترجمہ نگار کا خاصہ ہوتی ہیں۔

غالباً حمید الماس نے لفظی ترجمہ کے مقابلے میں بنیاد کا خیال پیش کرنے پر اکتفا کیا ہے جس نے انکے ترجمہ کو اردو کی شکل میں آنے کے مزید مؤثر بنا دیا ہے۔ یہی سبب ہے کہ ان کا اردو ترجمہ زبان بیان سارے تاثرات کے ساتھ ساتھ جذبات و احساسات کی ساری رعنائیوں میں محیط ہے۔ جسے پڑھتے وقت ذہن و دل پر شدید تاثرات قسم ہوتے ہیں اور کہیں بھی کسی بے کیفی اور بد مزگی کا احساس نہیں ہوتا۔

جیسا کہ حمید الماس نے "میری بات" میں تحریر کیا ہے "میں نے ابتک منزلا کی ڈیڑھ سو نظموں کا ترجمہ کیا ہے۔" امید ہے کہ وہ ان نظموں کی اشاعت کر کے اردو والوں کو کنڑا ادب سے مزید مستفید ہونے کا موقع فراہم کریں گے۔

سہتہ یا پرانک کا پیش لفظ مہا تما بسولیشور کے لحاظ سے بھی دلکش ہے جسے سمجھنے میں پوری طرح مدد کرتا ہے۔

۱۴۸ صفحات کی یہ کتاب کتابت و طباعت اور سرورق کے لحاظ سے بھی دلکش ہے۔ جسے دس روپے ادا کر کے مکتبہ شانِ ہند دہلی سے بھی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ (عزیز اندوری)

کلام

اردو زبان و ادب کے ارتقائی عمل میں ہو یا ئی حکومتیں جس طرح اور جس انداز سے معاونت کر رہی ہیں اس کیلئے اظہار تشکر بھی ضروری ہے۔ اردو اکاڈمی یا ساہتیہ اکاڈمی کی معرفت جو قابل لحاظ کام ہو رہے ہیں انھیں نوازا جانا اور ان کی ادبی اہمیت کا اعتراف کرنا بھی لازمی ہے۔ اس لئے کہ اس طرح بعض ایسی ادبی تخلیقات جن کی اشاعت نجی طور پر ممکن نہیں ہوتی اہلِ بصیرت کی نگاہوں سے گزرتی رہتی ہیں۔

اردو اکاڈمی یا ساہتیہ اکاڈمی کا قیام فال نیک ہے۔ ہو سکتا ہے ان میں سے چند جگہوں کے اداروں کے بعض متعلقین کی کچھ لغزشوں اور ضرورت سے زیادہ مروت کی وجہ سے ارباب علم و ادب کو شکایت کا موقع ملا ہو۔ لیکن ان اداروں کے قیام کے بنیادی مقصد سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔

راجستھان ساہتیہ اکاڈمی نے بھی اردو نشر و اشاعت کے لیے جن بنیادی مقاصد کو اپنایا ہے وہ قابلِ مبارکباد ہیں۔ اس ادارے کی طرف سے اردو کی چند کتب شائع کی گئی ہیں جن میں سید فضل المتین کی شاعری کا مجموعہ "کلام" ایک ہے۔

کلام کے پیش لفظ میں ڈائریکٹر ساہتیہ اکاڈمی نے تحریر کیا ہے —

"راجستھان ساہتیہ اکاڈمی کے اشاعتی پروگرام کا بنیادی مقصد ہے صوبے کی ادبی صلاحیتوں کو اجاگر کرنا اور تخلیقی قوتوں کو فروغ دینا۔" ان کے اس قول کے پیشِ نظر ہمیں امید رکھنی چاہیئے کہ راجستھان کے نمائندہ شعراء و ادبا کی تخلیقات کتابی شکل میں شائع ہوتی رہیں گی۔

مصنف نے "چند باتیں" کے تحت اپنا تعارف کراتے ہوئے اپنے نظریۂ حیات اور رجحانات شعر و ادب کی وضاحت کی ہے جسے پڑھ کر ایسا لگتا ہے کہ موصوف اپنے ارد گرد کے ادبی ماحول سے بڑی حد تک مطمئن نہیں ہیں اور ان حالات سے جو نام و نمود، حرص و ہوس، توڑ جوڑ اور گروپ بازی کی شکل میں ابھرتے ہیں۔ گریز کرنے میں عافیت سمجھتے ہیں۔ مصنف کی چند باتوں سے اتفاق تو کیا جا سکتا ہے۔ لیکن خدشہ بھی لگتا ہے کہ موصوف کی تنہائی اور خلوت نشینی کا جذبہ انھیں تجربات دوراں سے دور نہ کر دے۔ بہرحال اُن کا یہ عمل ان کے نجی حالات اور ذاتی معاملات سے متعلق ہے اس لئے اس پر زیادہ روشنی ڈالنا میرے لئے نہایت مناسب نہیں ہے

ہاں کلام میں شامل ۶۳ غزلوں میں سے چند اشعار ہی ایسے ہیں جنھیں پڑھتے وقت قاری چونک سکے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کی مزاجی کیفیت (اپنی باتوں کی روشنی میں) اور ان غزلوں کے MOODS میں کافی بُعد ہے۔ پھر بھی ان کی غزلیں (آخر کی دو ایک غزلوں کو چھوڑ کر جن سے ان کی مزاجی جھنجھلاہٹ کا پتہ چلتا ہے) ان کی مزاجی کیفیت کا علم حاصل کئے بغیر پڑھی جائیں تو ایک ہلکا سا یقین ذہنی سطح کو ضرور چھو جاتا ہے کہ مصنف شعور کی منزل کی جانب گامزن ہے۔ بطور مثال کے طور پر چند اشعار دیکھئے ؎

جن کا کوئی جواز میسر نہیں ہوا
سب تو رہ تیرا گردشِ دوراں نکل گیا
کون مرہبات کے شعلوں میں گھرتے تھے
ہم سنگِ گراں ہیں جو تمہیں تماشا کر گیا ہیں
وہ قافلے کہ جن سے یادگار تھی منزلیں
رکھتے ہیں اپنے ساتھ جو وحشت کے تیرے

لکھے گئے ہیں جرم کچھ ایسے بھی اپنے نام
حالاتِ زندگی غمِ جاناں بدل گیا
کوئی ذرہ پریشانی کی طرح چھایا ہے
معلوم ہو چلے ہیں کوئی سیلاب کو دیجے
پوچھیے کچھ ان کا حال جو گردِ سفر ملے
اے گردشِ حیات تیرے ہم سفر ہیں ہم

عمرِ رفتہ قیدِ جہاں ہے | مانی کے اس غار میں جھانکیں
اپنے پرائے ہر اک کا اب جان رہا ہوں | اپنی ہی پہچان مگر میں بھول گیا ہوں

غزلوں کے انتخاب میں متین صاحب اگر زیادہ سنجیدگی اور سختی سے کام لیتے تو بہتر تھا۔

سید متین کی فطری بالیدگی اور شعوری بیداری غزلوں کے مقابلے میں ان کی نظموں میں زیادہ تیز اور روشن نظر آتی ہے ان کے اس مجموعہ میں کل ۴۳ نظمیں ہیں ایسا لگتا ہے کہ ان نظموں میں انھوں نے اپنے ارد گرد کے ادبی ماحول سے گریز کرنے میں کامیابی حاصل کی ہے اور بعض نظموں کو مضامین نو اور مسائل حاضرہ سے بھی مزین کیا ہے ان نظموں کے ہیئتی انداز میں جہاں تھوڑی بہت تبدیلیاں نظر آتی ہیں وہیں اشاراتی اور علامتی اندازِ بیان کو اختیار کر کے سید فضل المتین نے اپنے دور کی کچھ اپنی خصوصیات کو بھی اپنایا ہے۔

ان کی نظموں میں بنیادی طور پر موجودہ دور کے تلخ ترین تجربات کی عکاسی ملتی ہے اور حالات کی بے چینی اور ناآسودگی کو تبدیل کرنے کے امکانات اور عزم بھی موجود ہے۔ وجودیت کا کرب، مہر و وفا کے نام پر فریب، عظمتِ انسان کا ابتذال، ہم عصروں کی تساہل پسندی، یادِ ماضی کے دھندلے نقوش، اقدارِ کی عظمت کے بگڑے نشانات، حق پرستی کا انحطاط ان کی چند نظموں کے بنیادی موضوعات ہیں۔ وہ ان مقاصد کو بیان کرتے ہوئے ذہن کی آنکھوں کو پوری طرح کھلی رکھتے ہیں اور ایسا لگتا ہے کہ وہ ان حالات کی شدت پر تڑپ اٹھتے ہیں اور ان کا حل تلاش کرنے کے لئے حق گوئی سے کام لیتے ہوئے زندگی کے منفیانہ رویے سے سخت نفرت کا اظہار کرتے ہیں وہ قدم قدم پر انسان کے فطرت کے روشن پہلوؤں کو ابھار کر مستقبل روشن کا پتہ دیتے ہیں۔ ایسے میں ان کا عزم پختہ، ان کی فکر وسیع اور ان کی نگاہ بلند بیک وقت تبا ہیں وقت کا فرض ادا کرتی ہوئی نظر آتی ہیں اور وہ ظلم و تفاوت بلند کرتے ہوئے اچھی آواز کو تیز تر کر دینا چاہتے ہیں۔ اس مقام پر ان کا شعور ان کی فکر اور ان کا احساس حقائق کی حدوں کو چھوتا نظر آتا ہے اور وہ مصلحت پسندی سے گریز کرتے ہوئے صاف باتیں کرنے لگتے ہیں۔ ان احساسات و جذبات کو انکی نظموں . . . یہ کیا ہوا ہے آزمائش آمیزہ اور بتاؤ تو میں دیکھا جا سکتا ہے۔

متین کے لہجے میں تلخی اور کرب کا احساس پوری شدت کے ساتھ ابھرتا ہے اور شاید یہ شدت ان کی مزاجی کیفیت کی دین ہی ہے۔

بہرحال ایک سو چار صفحات کی کتاب چار روپے پچھتر پیسے کے عوض مکتبہ شانِ ہند سے بھی حاصل کی جا سکتی ہے۔ (عزیز احمد عدی)

کرنیں

کسی بھی زبان اور ادب کا ارتقائی عمل اس کے پرستاروں کی معاونت کے ساتھ ہی اہلِ اقتدار و طاقت کی دلچسپی کا بھی مرہونِ منت ہوتا ہے۔ اربابِ اقتدار کی ذرا سی عدم توجہی اس عمل کی تیز رفتاری کو یقینی طور پر روک سکتی ہے۔ شکر ہے کہ گزشتہ چند برسوں سے مرکزی حکومت کے ساتھ ہی صوبائی حکومتوں نے بھی اردو کے ارتقائی عمل کو تیز کرنے کی جانب توجہ دینا شروع کی ہے جس کی ایک شکل ان صوبے کے اردو کے نمائندہ شعرا کی تخلیقات کی اشاعت بھی ہے۔

راجستھان ساہتیہ اکاڈمی نے بھی اس سلسلے میں چند مستحسن اقدام اٹھائے ہیں ان میں چاند نارائن اسکو مہر کے مجموعۂ کلام کی اشاعت اس اعتبار سے لائقِ تشکر ہے کہ ان کا کلام جو "اوراقِ منتشر" کی شکل میں تھا یکجا ہو سکا۔

مہر صاحب کی شاعری کا تعلق غزل کی اس قدیم روایت اور مزاج سے ہے جسے خالصاً داغ کی غزل کی روایت اور مزاج کہا جا سکتا ہے۔ داغ نے غزل کو حسنِ بیان اور رنگینیٔ مضامین سے جس طرح مزین کیا اس نے اسے لطافت و نزاکت کی بڑی دلکش کیفیتوں سے آشنا کرایا نیز پڑھنے والوں کے ذہن و قلب، زبان و بیان کی شیرینی اور لطافت میں گم ہو گئے اور معاملاتِ حسن و عشق کی تمام تر رنگینیوں سے لطف اندوز ہونے والی کیفیت شاعری کا جزوِ اعظم قرار پائی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس شاعرانہ مزاج کی ترویج نے زبان و بیان کے بڑے دلکش اور لطیف پہلوؤں کو ابھارا لیکن اتفاق سے اس مزاج کی پیروی کرنے والے شعرا اپنی شاعری کے لئے ایسے موضوعات کی تلاش نہ کر سکے جن کا تعلق زندگی اور حالاتِ زمانہ کے تلخ ترین مسائل سے رہا ہے۔ پھر بھی اس مزاج نے تسکینِ نگاہ و قلب کے نازک تر پہلوؤں کو بڑی شاندار اور کامیاب شکلوں میں پیش کیا اسی کے ساتھ شوخی اور لطافت کو فزوں کرنے کی غرض سے ان شعرا نے اپنی ذات کو دنیا کی خارجی طاقتوں سے افضل و بہتر قرار دیا یہی سبب ہے کہ وہ اپنی افسردگی اور آہ و زاری کے باوجود اپنی ذات کو قوی تر سمجھتے رہے۔ لیکن اس سلسلہ میں ان کا رویہ پھر بھی کوئی سنجیدہ شکل اختیار نہیں کر سکا اسی لئے انھوں نے چھیڑ چھاڑ اور طنز و شوخی کے پہلو کو اختیار کرتے ہوئے اپنی ذات کو محض روایتی انداز میں مقدس ثابت کرنے پر اکتفا کیا۔ پھر بھی انکے اس عمل

سے ظاہر پرستی کے بجائے انھیں فرد کی اہمیت سے ایسے پہلو نمایاں ہوئے جن کے ذریعے زندگی کی اصلیت تک پہنچنا آسان بھی ہوا۔

محبوب کے ظلم و ستم، عاشقِ صادق کی وفا پرستی، رقیب کی ریاکاری، زاہد و شیخ کی مکاری، میکش کی حق پرستی، واعظ کی خشک بیانی، حرم و دیر کی محدودیت، شیخ و برہمن کی عصبیت، باغِ جنت کے مقابلے میں کوئے جاناں کی عظمت، محبوب کے رُخِ روشن کی تابناکی، زُلفِ عنبریں کی مہک، مہذب کا قصۂ جانفزا، اور داستانِ دل رنگیں وغیرہ ایسے موضوعات ہیں جنہیں مہر صاحب نے بھی اسی طرح اختیار کیا ہے جس طرح داغ یا انکے ہم مزاج دوسرے شعراء اختیار کرکے اُردو غزل کے لئے ایک مخصوص فضا اور مزاج پیدا کر چکے تھے۔

مہر صاحب کے شعور کی بنیاد ان کی پختہ گوئی پر ہے یعنی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے احساسات و جذبات کو شعری قالب میں ڈھالنے کی دعوت پوری صلاحیت و قوت ہی رکھتے ہیں بلکہ اس کے اظہار کے لئے انتہائی دلکش اور لطیف پیرایہ اختیار کرنے پر بھی قادر ہیں۔ یہی سبب ہے کہ ان کے جذبات و احساسات روایت کہنہ کے عکاس ہونے کے باوجود جاذبیت اور لطافت سے خالی نہیں ہوتے اور جو دل و دماغ کو تھوڑی دیر کے لئے اپنی جانب متوجہ کر لیتے ہیں اسی لئے کہ ان کی تقریباً ساری غزلوں کے مضامین فرسودہ ہونے کے باوجود ذہن و قلب کو وقتی لطافت اور سکون بخشتے ہیں جسے یقینی طور پر مہر صاحب کے دلکش اندازِ بیان کا ایک کرشمہ ہی کہنا چاہیے۔

آخر میں چند منتخب اشعار ملاحظہ کیجئے جن سے فکر و فن کی خصوصیات واضح ہوتی ہیں۔

ہاں تو آپ کہیں آ کے نہ گئے، ہاں آپ ہی سچے ہیں لیکن
زُلفیں یہ پریشاں سی کیوں ہیں یہ بندِ قبا کیوں ٹوٹ گیا

بتاؤں کیا تمہیں خاموش کیوں ہوں
جناب مہر نے طلبِ ارتقا کو چھوڑ دیا
وفورِ شوق میں بڑھتا گیا ہوں میں کہ سوال
بیعت پیرِ مغاں ہو کہ کلاہِ پیرِ از
آسماں سے بھی جھک نہیں سکتے
نکل جائے کا دم ہمارا اسی دم
غمِ عشق میں مبتلا ہو گیا ہوں

ہے عالم یہ بھی اک دیوانگی کا
ہزار شکر کہ مکر و ریا کو چھوڑ دیا
خبر نہیں کہ کہاں، ہما کو چھوڑ دیا
سب ہیں یہ جھگڑے کی باتیں کفر کیا اسلام کیا
کس قدر باوقار ہیں ہم لوگ
ادھر جاؤ گے تم اُدھر جائیں گے ہم
ہر اک قیدِ غم سے رہا ہو گیا ہوں

اُداس سی پڑ گئی ہے پھولوں پر | جب کبھی آپ مُسکرائے ہیں

پریشاں کر رہے ہو کیوں مجھے شیخ و برہمن تم
تمہیں کہہ تو دیا اک در پہ سجدہ کر لیا میں نے

ایک سو بیس صفحات پر مشتمل اس کتاب کی قیمت ۵ روپے ہے جس کی کتابت و طباعت مناسب ہے اور جسے مکتبہ شانِ ہند سے بھی حاصل کیا جا سکتا ہے۔

(عزیز اندوری)

بحرِ بیکراں

اُردو شاعری میں طویل نظم گوئی کا سلسلہ اس کے ابتدائی دَور سے نظر آتا ہے۔ مگر اسے مقصدی شکل دینے کی مربوط اور مسلسل روایت دراصل حالی کے زمانے کی مرہونِ منت ہے۔ اسی کے ساتھ اُردو شاعری (نظم گوئی) میں زندگی کے گہرے نقوش جب سے زیادہ نمایاں ہوئے طویل نظم گوئی کے رواج کو اصلاحی انداز سے بھی مزین کیا گیا۔

دَورِ جدید کے جن شعراء نے اصلاحی انداز کو مذکورہ صورتوں کو اختیار کیا اور زندگی کے گہرے شعور کو طویل نظموں کا ایک حصہ بنا کر پیش کیا ان میں امجد صدیقی، نازش پرتاپ گڑھی، جاں نثار اختر، حمید حنفی، حرمت الاکرام وغیرہ وغیرہ کا نام لیا جا سکتا ہے۔ لیکن ادھر اختر بستوی نے یکے بعد دیگرے دو طویل نظمیں (نغمۂ شب اور بحرِ بیکراں) لکھ کر زندگی کی بڑی صاف صاف تصاویر کو اصلاحی انداز میں کامیابی کے ساتھ پیش کیا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اُردو کے بہت کم شعراء نے طویل نظم گوئی کی جانب توجہ دی ہے اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ موجودہ مصروف ترین زمانے میں جبکہ انسان کی فکر اور سوچ زندگی کے مختلف خانوں میں تقسیم ہو کر اپنے تسلسل کو ختم کر چکی ہے ممکن نہیں کہ زندگی کی مسلسل کیفیت مربوط شکلوں میں نمائی دے سکیں اور مسائلِ حیات کے تمام پہلوؤں پر بیک وقت نگاہ ڈالی جا سکے۔ پھر بھی اُردو کے جن شعراء نے اس سلسلے میں فکری اور غور کے تسلسل کو زندگی کے تمام تر پہلوؤں سے قریب تر کیا ان میں اختر بستوی کا نام بھی لیا جا سکتا ہے۔

بحرِ بیکراں میں اختر بستوی نے ایک ایسے ذہن کے شدید احساسات کو پیش کیا ہے جو موجودہ حالات کے تذبذب اور کشمکش میں اُبھر کر زندگی کے نشیب و فراز کی عکاسی کرنا چاہتا ہے جس کا "حال" سکون اور آشتی

کے لمحات کو تلاش کرنے کے لئے زندگی کی بہمی اور تشدد سے گریز کرتا ہوا بعض صورتوں میں حتی آسودگی کے آغوش تک پہنچ جاتا ہے اور اسکا مستقبل عجیب سے دھندلکوں میں گم ہو کر ان معصوم بچوں کی صورت میں ابھرنے لگتا ہے جو دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو کر زندگی کے سمندر کی لہریں گنتے رہتے ہیں۔ سورج کی تمازت اس کی فکری بالیدگی کو جھلسا دیتی ہے۔ رات کا اندھیرا قتل و غارتگری کا پیغامبر بن کر ابھرتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود زندگی کے حسن کو اولوالعزمی کے سہارے پالینے والا ذہن نہ تو قنوطیت کو قبول کرتا ہے اور نہ زندگی کے تذبذب اور کشمکش سے بوکھلاتا ہے۔ وہ زندگی کے سناٹے میں بھی خود کو بیدار رکھ کر آنے والی صبح کے سورج کی کرنوں کا نہ صرف انتظار ہی کرتا ہے بلکہ ان کرنوں کو زندگی کی ساری لطافت اور عظمت سے معمور کرنے کا حوصلہ رکھتے ہوئے کہہ اٹھتا ہے۔

سوچتا ہوں میں کہ ہو کیسی ہی گہری تیرگی ⁝ فتح پانا نور پر تاریکیوں کا ہے محال
کتنی ہی ویرانیاں چھائیں مگر انجام کار ⁝ جلوۂ جہد مسلسل کا نکھرتا ہے جمال

اختر بستوی کے لہجے کی شگفتگی اور انداز بیان نے بھی نظم کے تسلسل کو نہ صرف برقرار ہی رکھا ہے بلکہ اسے موثر بھی بنا دیا ہے۔ لیکن مندرجۂ ذیل مصرعوں کے خط کشیدہ الفاظ پر اگر دوبارہ غور کر لیا جائے تو بہتر ہے۔

ط اور تیرا یہ تجربہ تکمیل سے ہو ہم کنار
ط کر رہا تھا حرکت مبہم کا ہر سو جلترنگ

۷۲ صفحات کی اس کتاب کی قیمت پانچ روپے ہے کتابت طباعت کے لحاظ سے بھی کتاب مناسب ہے۔ مکتبہ شان ہند دہلی سے بھی حاصل کیا جا سکتا ہے۔

(عزیز اندوری)

جئے ہو جئے ہو اندرا گاندھی کی جے

شریمتی اندرا گاندھی نے بیس نکاتی پروگرام کے پس پردہ ملک اور قوم کی اصلاح و ترقی کے جس صالح جذبے کو پیش کیا تھا اسے ملک کے گوشے گوشے اور قوم کے بیدار مغز افراد میں بڑی مقبولیت ملی ہے اور اس جذبے کو تیز تر کرنے کے لئے جس خلوص اور محبت کا اظہار کیا جا رہا ہے وہ خود اپنی جگہ اسکی مقبولیت کی ایک دلیل بن گئی ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ اس جذبے کو بروئے کار لانے کے لئے جس پیام منظوم کو مختلف شکلوں میں ظاہر کیا جا رہا ہے۔ اردو شاعری بھی اس کی ایک شکل بن چکی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اردو کے شعراء نے ملک و قوم کی تعمیر کے نیک اور صالح جذبات کو ہمیشہ اور ہر دور میں سراہا ہے۔ اسکی مختلف شکلیں رہی ہیں کبھی وہ کسی خاص نکاتی اور مقصدی پروگرام اور تحریک سے براہ راست متاثر ہوئے ہیں اور اسکا اظہار بھی براہ راست کرتے رہے ہیں تو کبھی اصلاحی انداز میں حب الوطنی اور انسانیت نوازی کے نغموں نے گیت گائے ہیں۔

خاص طور سے آزادئ وطن کے بعد اس جذبے کی تیزی کو اردو شاعروں نے دوسرے فنکاروں کے شانہ بشانہ تعمیر قوم و وطن کی خاطر پوری ہوشمندی اور شعوری اعتبار سے اپنایا ہے اسکی حالیہ اور تازہ مثالیں ان نظموں کی شکل میں بھی ملتی ہیں جو شریمتی اندرا گاندھی کے بیس نکاتی اصلاحی پروگرام کی توسیع کی خاطر کہی گئی ہیں۔

ایسی ہی نظموں پر مشتمل افضل پشاوری نے حال ہی میں ایک کتاب "جئے ہو جئے ہو اندرا گاندھی کی جے" شائع کرائی ہے۔ اس کتاب کے عنوان ہی سے اسکی اہمیت کا پتہ چلایا جا سکتا ہے۔ اس میں شامل ہر نظم شریمتی اندرا گاندھی کے بیس نکاتی پروگرام کے کچھ پہلوؤں کی عکاسی تو ضرور کرتی ہے۔ افضل صاحب نے ان نظموں کے ذریعے ملک کی خوشحالی اور تعمیر کے جن پہلوؤں کو پیش کیا ہے انکی صداقت سے انکار تو نہیں کیا جا سکتا لیکن بیشتر جگہوں پر ان مقصدی نکات کی صداقت پر شاعرانہ مبالغہ کا تسلط اکھرتا ہے۔ اور ان نظموں کے لئے جس انداز بیان کو اختیار کیا گیا ہے اس سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شاعر نے ان مقصدی نکات کے چند پہلوؤں کو بنیاد بنا کر انہیں بار بار دہرا کر اپنی نظموں کو طویل بنانا چاہا ہے جس نے اکثر مقامات پر ہلکا سا سپاٹ پن بھی پیدا کر دیا ہے اس کے ساتھ افضل صاحب نے تقریباً ہر نظم میں اپنی بات کو مضبوط کرنے کے لئے لفظ "واقعی" کا بھی کھل کر استعمال کیا ہے۔ جس نے ان کے بیشتر مصرعوں میں تشکیک کی سی کیفیت پیدا کر دی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ بات کہنے کے لئے ہی ایسے مصرعے کہتے چلے جا رہے ہیں۔ کاش اس طرف موصوف پوری توجہ دیتے تو انکی یہ مقصدی نظمیں اور بھی زیادہ موثر شکل اختیار کر لیتیں۔

پھر بھی مجموعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے شریمتی اندرا گاندھی کے بیس نکاتی پروگرام کی بعض ایسی جھلکیوں کو شعری قالب میں ڈھالا ہے جو ملک و قوم کی اصلاح کے لئے ناگزیر ہے۔

۱۹۰ صفحات پر مشتمل یہ کتاب جسکی طباعت و کتابت مناسب ہے ۹ روپیے میں مکتبہ شان ہند دہلی سے بھی حاصل کی جا سکتی ہے۔

(عزیز اندوری)

آتشِ خاموش

مضطرب نظامی کے مجموعۂ کلام "آتشِ خاموش" میں انکی ۹۴ وطنی اور قومی نظمیں اور چند رباعیات وقطعات شامل ہیں۔ بیشتر نظمیں آزادیٔ وطن سے قبل تخلیق کیگئی تھیں اس لئے وہ آزادی سے متعلق خاص موضوعات تک محدود ہیں جن میں انگریزوں کے خلاف شدید تاثرات اور احتجاج موجود ہے۔ عموماً ایسی نظموں کے تاثرات وقتی طور پر بیداریٔ ذہن ونگاہ کا باعث بنتے ہیں لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ان تاثرات سے تواریخی تسلسل اور حقیقت تک رسائی بھی ممکن ہوتی ہے اِس لئے ان کی اہمیت کسی دور میں بھی کم نہیں ہوسکتی۔ مضطرب نظامی کی وہ تمام نظمیں جن کی ابتدا ۱۹۴۲ء سے ہوتی ہے اور جو جدوجہد آزادی کی مکمل عکاسی کرتی ہیں ان کے شعورِ آزادی اور حبِ وطن کی ترجمان ہیں جن کے مطالعہ سے ان کے ذہنی جذبات کے ساتھ ہی ان کے دور کے تحرکاتِ آزادی کو سمجھنے میں آسانی ہوسکتی ہے۔

اسی کے ساتھ آتشِ خاموش میں آزادیٔ وطن کے بعد رُونما ہونے والے حالات وواقعات کی بھرپور عکاسی کرنے والی بھی چند اچھی نظمیں موجود ہیں۔ مثلاً "صبح آزادی"، "بیٹا ماں سے اجازت مانگ رہا ہے"، "دو بہ بھو"، "ہندوپاک بٹوارے پر"، "۱۹۴۷ء کے فساد پر"، "فرقہ وارانہ فسادات پر" (رباعیات وقطعات)

آتشِ خاموش میں وطنیت سے متعلق بعض ایسی نظمیں بھی ہیں جن کا تعلق وطن کی عظمت اور ان مسائل سے ہے جو وطن کی اہمیت کو دوبالا کرتے ہیں۔ اسی کے ساتھ رہنمایانِ ملک وقوم کی موت پر بھی مضطرب نظامی نے چند ایسی نظمیں کہی ہیں جو تاثرات سے بھرپور ہیں۔

ان نظموں کے موضوعات میں انتہائی غم واندوہ اور کرب موجود ہے لیکن مضطرب نظامی نے اپنے لہجہ کی شگفتگی اور تازگی سے انھیں پُراثر بنادیا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ ان موضوعات کو عملی اور شعوری طور پر اپنانے میں کافی بیدار رہے ہیں۔

۱۱۲ صفحات کی یہ کتاب ۵ روپیہ کے عوض مکتبہ شان ہند سے بھی حاصل کی جاسکتی ہے۔

(عزیز اندوری)

نئے پھول

"نئے پھول" اردو کے ۲۳ شعرا کے انتخاب اور تعارف کا ایسا گلدستہ ہے جس میں اردو غزل کے مختلف رنگ اور خوشبو موجود ہے۔ اس گلدستے میں بعض ایسے شعرا کا کلام بھی موجود ہے جو ارباب فکر وفن سے دادِ تحسین حاصل کرچکے ہیں۔ بیشتر ایسے شعرا کا کلام ہے جو یا تو ارتقائی منازل کی جانب گامزن ہیں یا حالات زمانہ کی ستم ظریفی کا شکار ہوکر گوشۂ گمنامی سے باہر قدم نہ نکال سکے۔ اس لحاظ سے مجیب بستوی نے قابل تحسین قدم اٹھا کر انھیں دُنیائے ادب میں نہ صرف متعارف ہی کرایا ہے بلکہ ان کے کلام کی اشاعت کرکے اہلِ نظر کو حق پرستی کی جانب متوجہ کیا ہے اس قسم کے انتخاب کی اشاعت سے مختلف مزاج اور طرزِ شاعری سے بیک وقت مستفیض ہونے کا موقع ملتا ہے۔ اور بعض مرتبہ بعض خوبصورت اور قابلِ لحاظ اشعار پڑھنے کو مل جاتے ہیں۔ لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ مرتب انتہائی بیدار مغزی کا ثبوت دے۔ خوشی ہے کہ مجیب بستوی نے شعرا کے انتخاب میں بڑی حد تک شعور کی بیداری سے کام لیا ہے اور ان کا تعارف بھی بڑے سنبھلے ہوئے انداز میں کرایا ہے اسی لئے اس گلدستے میں اس قسم کے اشعار بھی مل جاتے ہیں۔

قصہ ہائے رسن ودار نے سولی پہ دیا ۔۔۔ بے زباں کھینچے ہیں شاخونکی کمندوں میں سے

(ڈاکٹر احتشام سندیلوی)

حسرتِ دل کا لہو دیدۂ خونبار کا رنگ ۔۔۔ بھردیا دامنِ تاریخ وفا میں ہم نے

(ڈاکٹر اسحر اعظمی)

بے عمل گردشِ حالات سے ڈر جاتا ہے ۔۔۔ باعمل گردشِ حالات پہ ہنس دیتے ہیں

(رشید قمر لکھنوی)

پالیا میں نے اُسے آخر خود اپنی ذات میں ۔۔۔ جسکو جستجو کی تھی باہر کی دنیا میں تلاش

(اختر بستوی)

پُرخطر راہ گزر ہو یہ ضروری تو نہیں ۔۔۔ اور بھی تیز چلو منزلِ اُلفت کی طرف

(منور بستوی)

ہم خوب جانتے ہیں جو تیری اڑان ہے ۔۔۔ شبنم ہمارے ساتھ رہے گی تو کتنی دیر

(صادق گیاوی)

پربتوں پر بھی دھنس رہے ہیں پاؤں ۔۔۔ ہے بڑا بوجھ زندگی حامد

(ڈاکٹر ابوالحامد حامد)

ہر عکس آئینے کے برابر دکھائی دے ۔۔۔ کتنا بدل گیا ہے ترے شہر کا رواج

(غلام حسین آیان)

لیکن اسکے ساتھ کتاب میں درج ذیل ایسے بھی مصرعے ہیں جنکے خط کشیدہ الفاظ وترکیب محل نظر ہیں

ہم ہیں تو شیوں پہ اک نظر کرم ہو ساقیا

عطا نہ کی گھر کا ایک اک لمحہ بانٹ دیا ہے خانوں میں

۷۴ صفحات پر مشتمل یہ گلدستہ ۲ روپیہ کے عوض مکتبہ شان ہند سے بھی خریدا جاسکتا ہے۔

(عزیز اندوری)

تحریک "بسمل سعیدی نمبر"

ماہنامہ تحریک کے ذریعہ شائع شدہ

خاص نمبروں کی اپنی اہمیت ہوتی ہے۔ اس ادارے کے ذریعے اب تک جس قدر خاص نمبر شائع کئے گئے اُن میں "بسمل سعیدی نمبر" کی اہمیت اس لئے بھی زیادہ ہے کہ اس نمبر کے ذریعے جہاں ایک عظیم المرتبت شاعر کی شاعرانہ عظمت کا اعتراف کیا گیا ہے وہیں ایک شریف النفس اور انسانیت کی اعلیٰ قدروں کے پرستار کی زندگی کے اُن اہم تر پہلوؤں کو بھی اُبھارا گیا ہے جن کا اس قحط الرجال زمانے میں تقریباً فقدان ہی ہے۔

بسمل سعیدی نمبر اس اعتبار سے بھی مکمل اور جامع ہے کہ اس میں شامل بیشتر مضامین کے لکھنے والوں کے اذہان کی رسائی نہ صرف بسمل صاحب کی شاعرانہ عظمتوں تک ہی رہی ہے بلکہ اُنھوں نے اپنی زندگی کے اُوراق پر بکھرے ہوئے سارے واقعات کا ژرف نگاہی سے مطالعہ بھی کیا ہے۔ یہی سبب ہے کہ ان مضمون نگاروں کی آرا میں صداقت اور خلوص کے بھرپور نشانات موجود ہیں جن کی وجہ سے بسمل صاحب کی زندگی آئینہ کی طرح روشن اور شفاف بن کر اکثر چہروں کی "یادگار" بھی بن گئی ہے اور ایسا لگتا ہے کہ انسانیت کے چہرے کو منور کرنے والی روایتوں کی شکل میں بسمل صاحب کا وجود ادب کی بہت سی دیو قامت شخصیتوں سے بُلند تر ہے۔ اِن مضامین میں موصوف کی شخصیت کے جن روشن اور عظیم پہلوؤں کو اُبھارا گیا ہے ان کے تاثرات ذہن و نگاہ کو نہ صرف جِلا ہی بخشتے ہیں بلکہ کچھ اس انداز سے دلوں پر مرتسم ہو جاتے ہیں کہ عظیم شاعر کی شکل میں انسانیت کی عظمتوں کے متلاشی ذہن بسمل صاحب کی شخصیت کی تقدیس کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتے اور اس "حسنِ سلوک" کو نقشِ آخر سمجھ کر اپنے دلوں میں جما لیتے ہیں جو بسمل صاحب کی ذات کا اہم حصّہ ہے۔ مثال کے طور پر مندرجہ ذیل اقتباسات ملاحظہ فرمائیے۔ جن سے بسمل صاحب کی شخصیت کے گہرے تاثرات اُبھر کر سامنے آتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی ذات میں انسانیت اور شرافت کی ساری خصوصیات سمٹ کر آ گئی ہیں۔

"جن لوگوں کے ساتھ انھیں خاص تعلق ہے اُن کی تربیت کو وہ ہر وقت پیشِ نظر رکھتے ہیں...... اُنھیں جو کچھ بھی معلوم ہے (اور میں اندازہ نہیں کر سکتا کہ اُنھیں کتنا معلوم ہے) اُسے بے دریغ احباب میں تقسیم کرتے رہتے ہیں" (مہر و محبت تمام - ڈاکٹر اسلم پرویز)

"بسمل صاحب بزرگ ہیں لیکن چھوٹوں سے بھی ہم عمروں کی طرح گھل مل جاتے ہیں۔ اگر آپ ان کے سامنے بہت مؤدب بنے بیٹھے ہیں۔ احتراماً خاموش ہیں نہ گفتگو میں حصّہ لے رہے ہیں نہ کسی بات پر اپنا ردِ عمل ظاہر کر رہے ہیں تو وہ آپ کو مخاطب کر کے اچانک کوئی بات ایسی کہیں گے کہ آپ کا یہ خود ساختہ حصار ٹوٹ جائے گا اور آپ اس فضا کا حصّہ بن جائیں گے جس میں بسمل صاحب آپ کے سامنے بے تکلفانہ گفتگو کر رہے ہیں یہ الگ بات ہے کہ ان کی اس بے تکلفی میں بھی تکلف کے بہت سے پہلو ہوتے ہیں جنھیں وہ ملحوظ رکھتے ہیں۔ حفظِ مراتب کا جیسا پاس بسمل صاحب کو ہے میں نے بہت کم لوگوں میں دیکھا ہے۔" (بسمل صاحب - پریم گوپال)

"بسمل صاحب نے جن لوگوں کی آنکھیں دیکھی ہیں اور جن کی گود میں پرورش پائی ہے وہ سرفروش تھے مصلحتِ وقت آگے سپر ڈالنے والے نہیں تھے وہ ایک مقصدِ حیات رکھتے تھے اور اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے انھوں نے زندگی بسر کی تھی۔ انسان اپنے ماحول کے اثرات قبول کرتا ہے اپنے ماحول کے اثرات اور روایات کی بنا پر بسمل صاحب ہرگز وہ راہ نہیں اپنا سکتے تھے جو خوشامدی درباریوں کے لئے لازمی تھی۔ اُنھوں نے نوابوں کی صحبت میں ضرور وقت گذارا ہے مگر ان کی ادبی مجلس کے حاشیہ نشین نہیں شمعِ محفل رہے ہیں (کچھ یادیں کچھ باتیں - سیّد فضل المتین)

"اپنے زمانے کی بہت سی مشہور شخصیتوں سے بسمل صاحب کے قریبی تعلقات رہے ہیں اور ان سب نے ان کے کمالِ فن کا اعتراف بھی کیا ہے میں نے ان کے پاس سر عبدالقادر مرحوم، حفیظ جالندھری، جوش ملیح آبادی، جگر مرادآبادی، نیاز فتحپوری، ڈاکٹر تاثیر، پطرس بخاری، ملک عبدالمجید سالک، ماہر القادری اور بہت سے حضرات کے ایسے طویل طویل خطوط دیکھے ہیں جن میں ان کے شاعرانہ مرتبے کا کھلے دل سے اعتراف کیا گیا ہے اس طرح کے خطوط آجکل کے کسی اور شاعر کے پاس ہوتے تو وہ انھیں ضرور اپنے پروگنڈے کا وسیلہ بناتا۔ لیکن بسمل صاحب کا مزاج مختلف ہے انھوں نے انھیں نجی خطوط سمجھا اور کبھی عام نہیں کیا" (بلاجی محمود سعیدی)

"بسمل صاحب کے طفیل بہت سے مبتدی آج کل کے مشہور شاعر بنے ہوئے ہیں۔ لیکن حقِ خدمت ادا کرنا تو کجا یہ تک ماننے کو تیار نہیں کہ وہ کبھی بسمل صاحب سے اپنے کلام پر مشورہ بھی لیا کرتے تھے۔ کلام کے مجموعے اور دیوان چھپ گئے لیکن بسمل صاحب کے لئے شکریہ تک کا لفظ اس میں شامل نہیں۔ (سیّد عظیم) میاں بسمل - ساحر ہوشیارپوری)

بسمل صاحب کی شخصیت کے ان بھی پہلوؤں کی عظمت کا مطالعہ کئے بغیر ان کی شاعرانہ برتری کو سمجھنا ممکن نہیں۔ تحریکیت کے اس نمبر میں ان کی شخصیت کو ابھار کر ان کے شاعرانہ نظریات و احساسات جن پر انہوں نے اظہار خیال کیا ہے اس کی صداقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا اس سلسلے میں ڈاکٹر یوسف حسن خاں، رشید حسن خاں، ڈاکٹر نور الحسن انصاری، پروفیسر کرامت علی کرامت، ڈاکٹر عنوان چشتی، بنواری لال اور ڈاکٹر مظفر حنفی کے مضامین نے ان کی شاعرانہ بسط و وسعت اور نظریات و احساسات کے تمام پہلوؤں کو مدلل طور پر ابھارا ہے۔ بالخصوص ڈاکٹر مظفر حنفی نے کلام بسمل میں ضمیر طنز کے ان نشتروں کو جو زمانے کے ناروا سلوک، اپنوں کی بیگانگی اور حالات کی سختی کی دین ہیں ابھار کر بسمل صاحب کی شاعری کے ایک اہم اور منفرد پہلو پر بھی بڑی کامیابی کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔

تقریباً ۵۰ صفحات پر مشتمل بسمل صاحب کی غزلوں نظموں اور رباعیات کا بڑا پاکیزہ اور معیاری انتخاب بھی اس نمبر میں شامل ہے اس کے ساتھ "نذرانۂ خلوص" کے عنوان سے ۱۰ معتبر شعراء نے منظوم نذرانۂ عقیدت پیش کر کے بسمل صاحب کی عظمت کا اعتراف کیا ہے۔ چند شعراء نے ان کی منتخب غزلوں پر تضمین بھی کی ہے "پرتو احساس" کے تحت بسمل صاحب کے دو مصرعوں پر بارہ شعراء نے غزلیں کہہ کر اپنی مشق و ریاضت کے ثبوت بہم پہنچائے ہیں۔

۲۲۴ صفحات پر مشتمل یہ نمبر جو کتابت طباعت اور سرورق کے لحاظ سے بھی انتہائی مناسب ہے پانچ روپیہ کے عوض مکتبہ شاہراہ ہند دہلی سے بھی حاصل کیا جا سکتا ہے۔

(عزیز اندوری)

جلتے بجھتے چراغ

جلیس سہسوانی کا نام بحیثیت ناول نگار نگاہوں سے گزرتا رہتا ہے ان کے بعض ناول مقبول بھی ہوئے ہیں۔ جلتے بجھتے چراغ ان کا تازہ ناول ہے۔ جس کا پلاٹ ان رومانی روایتوں پر مبنی ہے جو بیشتر ناولوں کی شاندار روایتیں رہی ہیں۔ لیکن جلیس نے اپنے اس ناول کو رومانیت کے نیرنگ رکھنے کے باوجود فرزی اور فیروز کے کرداروں میں نفسیاتی کشمکش کو کسی حد تک نئے انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ فرزی کا کردار متاثر کرتا ہے۔ لیکن پتہ نہیں کس لئے فیروز اس کے فن کا قائل ہوتے اور اپنی خواہش کے باوجود اسے اپنانے میں ناکام رہتا ہے فرزی دکھ درد کی علامت بن کر ضرور ابھرتی ہے مگر فیروز کے نزدیک اسے جو سکون ملتا ہے وہ اس کے لئے سرمایۂ حیات بھی بن جاتا ہے۔

جمال اور نجمہ کے رومانی کرداروں کے درمیان سے ابھرنے والا معصوم کا کردار شیطانیت کی عکاسی کرتا ہے۔ اس کے کردار کو اور بھی شدت کے ساتھ پیش کیا جا سکتا تھا۔ البتہ شبنم کا کردار جہاں جہاں سامنے آتا ہے اپنی شوخی اور حاضر جوابی کی وجہ سے کافی حد تک متاثر کرتا ہے۔ اس کے اور اقبال کے رومان کو زیادہ واضح انداز میں پیش کیا جاتا تو شوخی کے اور بھی رنگ بکھر سکتے تھے۔

ناول میں صفحہ ۲۰ پر میر کے مطلع کو شعر کہہ کر درج کیا گیا ہے۔ اسی طرح کہیں کہیں کتابت کی بھی غلطیاں ابھرتی ہیں جیسے دھکیل کو دکھیل اور فرزی کو فرحی لکھا گیا ہے۔

مجموعی طور پر جلتے بجھتے چراغ میں نفسیاتی اور رومانی کشمکش کی بہتر عکاسی کی گئی ہے۔

۲۲۴ صفحات پر مشتمل یہ کتاب ۵ روپیہ ۵۰ پیسے کے عوض مکتبہ شاہراہ ہند سے بھی حاصل کی جا سکتی ہے۔

(عزیز اندوری)

آج کی رات

نازک الہ آبادی

عشق پر حسن ہے مائل یہ کرم آج کی رات
اے فلک تو کوئی ڈھائے نہ ستم آج کی رات

چاندنی رات میں دو دل ہوئے یکجا ہیں مگر
ڈر ہے کھل جائے نہ الفت کا بھرم آج کی رات

چاند تاروں کی بھری بزم شہادت دے گی
ہو گئے جو دونوں طرف قول و قسم آج کی رات

دیدۂ دل میں ہے زاہد کے تجلی روشن
دیکھ کر وصل کی شب ٹوٹے صنم آج کی رات

پیار ہی میں عبادت ہے بشر نے سمجھا
تکے حسرت سے ہیں دیر و حرم آج کی رات

عیش فردوس میں ہے غرق شبستان وفا
بن گئی وجد میں ہے رشک ارم آج کی رات

میں تو مشتاق ہی جھکا تھا سر تسلیم مگر
کیا ہوا رک گئی کیوں تیغ دو دم آج کی رات

زندگی ایک ہتھیلی پہ ہے ساغر لبریز
پاؤں پہ اس کے دو عالم ہوئے ختم آج کی رات

چار آنکھوں کے تصادم کے تصدق نازک
ہاتھ ملتے ہیں کہیں دیر و حرم آج کی رات

اللہ شوق دے تم تو کتابیں پڑھا کرو

اور

آپ کا یہ شوق راجدھانی کی مقبول ترین

عوامی لائبریری

دیال سنگھ پبلک لائبریری

میں

پورا ہو سکتا ہے۔ جہاں اردو، ہندی، پنجابی اور انگریزی کی ہزارہا کتابیں ہر موضوع پر آپ کے ذوقِ مطالعہ کی سیری کیلئے موجود ہیں اور بغیر کسی نقد معاوضہ کے آپ صبح دس بجے سے شام کے پانچ بجے تک اپنی پسند کی کتابیں پڑھ سکتے ہیں۔ اردو، ہندی اور انگلش کے مشہور روزنامے۔ ہفت روزے اور ماہنامے بھی لائبریری میں منگائے جاتے ہیں۔

اتوار اور دوسری تعطیلات کے روز لائبریری بند رہتی ہے۔

دیال سنگھ پبلک لائبریری
ٹرسٹ سوسائٹی
راؤز ایونیو۔ نیو دہلی

نایاب اور مشہور اُردو کتابیں منگائیے

کلیات اقبال کا صدی ایڈیشن (آفسٹ)		۳۰/-
اقبال۔ شاعر اور فلسفی	سید وقار عظیم	۱۴/-
بانگ درا (فوٹو آفسٹ)	اقبال	۱۰/-
ضرب کلیم	"	۷/۵۰
بال جبریل	"	۷/۵۰
ارمغان حجاز	"	۴/۵۰
شاعری اور شاعری کی تنقید	ڈاکٹر عبادت بریلوی	۱۶/-
اُردو شاعری کا مزاج	وزیر آغا	۳۰/-
نیا افسانہ	وقار عظیم	۹/-
اطوارِ غالب	ڈاکٹر سید عبداللہ	۱۵/-
غزل اور مطالعہ غزل	عبادت بریلوی	۲۰/-
جدید شاعری	"	۲۵/-
ارمغانِ علی گڑھ	خلیق احمد نظامی	۲۰/-
اُردو مثنوی کا ارتقاء	عبدالقادر سروری	۶/-
تصوراتِ اقبال	مولانا صلاح الدین احمد	۱۲/۵۰
اُردو زبان اور ادب	ڈاکٹر مسعود حسین خاں	۷/۵۰
مطالعہ سرسید احمد خاں	عبدالحق	۵/-
اُردو ادب کی تاریخ	عظیم الحق جنیدی	۷/۵۰
گلدستہ مضامین انشا پردازی	ڈاکٹر محمد عارف خاں	۵/۹۵ پیسے
نمائندہ مختصر افسانے	ڈاکٹر طاہر فاروقی	۲/۷۵
تنقید سرمایہ	عبدالشکور	۲/۵۰
اُردو لسانیات	ڈاکٹر شوکت سبزواری	۸/-
تخلیقی عمل	وزیر آغا	۱۲/-
فیروز اللغات جیبی ایڈیشن		۶/۵۰
انتخاب مضامین سرسید	آل احمد سرور	۲/۵۰
مقدمہ شعر و شاعری	وحید قریشی	۴/۵۰
شرح جاوید نامہ (جلد اول)	محمد سلیم چشتی	۹۰/-
" " (جلد دوم)	" "	۳۰/-

ضبط شدہ نظمیں	مرتبہ علی جواد زیدی	۲۱/-
تنقید سے تحقیق تک	عنوان چشتی	۱۵/-
اقبال کے خطوط	ڈاکٹر منظر عباس نقوی	۱۸/-
پریم چند کے ناولوں میں نسوانی کردار	ڈاکٹر شمیم نکہت	۱۸/-
مقدمہ تاریخ زبان اُردو	ڈاکٹر مسعود حسن	۱۰/-
ادب اور تنقید	اسلوب احمد انصاری	۱۰/-
ادب اور زندگی	اظہر پرویز	۶/-
اُردو ادب آزادی کے بعد	خورشید الاسلام	۷/۵۰
یادوں کے سائے	ممتاز میرزا	۲۰/-
مترجم مثنوی مولانائے روم	قاضی سجاد حسین	۲۰/-
مترجم دیوان حافظ	"	۲۰/-
ناقابلِ فراموش	دیوان سنگھ مفتوں	۲۰/-
جذباتِ مشرق	"	۱۵/-
یادوں کی برات	جوش ملیح آبادی	۲۵/-
فرہنگ آصفیہ چار حصے مکمل		۱۵۰/-
انگلش اُردو ڈکشنری	مولوی عبدالحق	۵۰/-
اُردو انگلش ڈکشنری	"	۴۰/-
ابتدائی علم عروض	سبحان انجم کھام گانوی	۱/-
محمد علی کا ہندوستانی مسلمان نمبر		۲۰/-
اُردو شاعری کے ارتقا میں ہندو شعرا کا حصہ	سرلو استوا	۱۵/-
شرح دیوان غالب	بیخود موہانی	۱۵/-
برقِ تبسم	تبسم ملی پوری	۱۰/-
سحر نغمہ	ساحر ہوشیار پوری	۱۰/-
نقد نظر	مختار احمد مانی	۵/-
پہلا پتھر	طاہر تلہری	۶/-
مغربی ادب کے معمار	اے۔ محمد ابراہیم	۱۲/-
آئینہ	حیرت بدایونی	۱۵/-
اوراقِ زندگی	بسمل سعیدی ٹونکی	۱۵/-

دفتر شان ہند۔ فلیٹ ۵ انصاری مارکیٹ۔ دریا گنج۔ نئی دہلی ۲۔ ۱۱۰۰۰۲

[illegible]

Special

Occasions

Orchestra [illegible] Cabaret

[illegible]

[illegible] Bal

ماہنامہ

اشارِ ہند

دہلی

February—1976

37/2

DR. ZAKIR HUSAIN LIBRARY JAMIA NAGAR NEW DELHI-110025

Re. 1-00

Editor :
SARWAR-TAUNSVI

Muquareub Hussain 'Muquareub'

سال اجراء ۱۹۳۸ء | رجسٹرڈ نمبر ڈی ۲۷۰ | رجسٹرڈ نمبر رجسٹرار نیوز پیپر

فون نمبر ۲۷۸۸۸۰

ZAKIR HUSAIN LIBRARY JAMIA NAGAR NEW DELHI-110025

ماہنامہ شانِ ہند دہلی

ایڈیٹر: سرور تونسوی | قیمت سالانہ دس روپے | قیمت فی پرچہ ایک روپیہ

جلد ۳۷ | فروری سنہ ۱۹۷۶ء | شمارہ ۲

فہرست

اذکار و واقعات	ایڈیٹر	۵
غزل	اشک سنبھلی	۶
جشنِ نہرو کمال کی مدراس کا آل انڈیا مشاعرہ	عزیز اندوری	۹
قاتل	سروری ریاض	۱۷
مقرب حسین مقرب	....	۲۱
وقار رحمانی	مفتون کوٹوی	۲۳
معیار کی کسوٹی پر	عزیز اندوری	۲۵
غزل	قدیر کوروائی	۲۸
〃	طاہر تلہری	۲۹
〃	مشتاق آذر	۲۹
〃	بیدل سرحدی سیانہ	۲۹
〃	حسینی سرونجی	۳۰
〃	شاکر اکھنوری	۳۰

بہ اہتمام دو دیا پرکاش سرور ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر لاہور پریس جامع مسجد اردو بازار دہلی ۶ میں چھپا اور دفتر شانِ ہند فلیٹ ۸ انصاری مارکیٹ دریا گنج نئی دہلی ۲-۱۱ سے شائع ہوا۔

سرورق ایم۔ ایس۔ پرنٹرز دریا گنج نئی دہلی میں چھپا۔

ہرچرن چاولہ

ہرچرن چاولہ میانوالی مغربی پاکستان میں پیدا ہوئے۔ ایف اے تک ادھر ہی تعلیم پائی۔ بعد میں بی۔ اے علیگڑھ یونیورسٹی سے کیا موزوں قد لیکن ادبی قد تیزی سے بڑھ رہا ہے جسم نہ فربہ نہ دبلا گندمی رنگ تراشیدہ چہرہ۔ آنکھیں ہیں جو ہر دم مسکراتی رہتی ہیں۔ غضب ہے کہ یہ شخص ریلوے کی پیداوار معلوم نہیں ہوتا۔ شاید ابتدائی علمی زندگی کی سحر زدہ پرچھائیاں ابھی تک اس سے چمٹی ہوئی ہیں۔ گھر میں انکے اپنے کمرے کا سارا ماحول ادبی معلوم ہوتا ہے لیکن انکی اپنی ذات سے ادبیت کا سراغ نہیں ملتا۔ دیواروں پر مصوری کے اعلیٰ نمونے، میز پر.... ترتیب سے رکھے قلم، حد درجہ کا نفاست پسند طبیعت میں آوارہ منشی لیکن ہر چیز کو قرینے سے رکھنے کا قائل۔ نہ جانے کیسا گنگا ادیب ہے! اگر یہ تمام باتیں کسی ادبی انجمن تک پہنچ جائیں تو اسکی ہر ترتیب فوراً ختم ہو سکتی ہے ... یا کسی کے پسینے پر خون بہا دینے والا جبکہ قرنیہ شیر اور مغربی پنجاب کے ایسے رومانی کردار اب صرف کتابوں میں ہی ملتے ہیں۔ پچھلے چار سال سے پیہم چھپ رہے ہیں اور اب تک ایک ناول "... "اور ایک ... شدہ کہانیوں کا مجموعہ "..." بھی چھپ چکا ہے۔

ستیش بترہ

عکس آئینے کے

ہرچرن چاولہ کے افسانوں کا مجموعہ ... شائع ہو گیا ہے قیمت ... روپے

ملنے کا پتہ

دفتر شانِ ہند انصاری مارکیٹ دریا گنج نئی دہلی

شاعر جادو بیان

اُردو کا عاشق
ہر دل عزیز انسان
مذہبی تعصب کا دشمن
انسانیت کا پیکر
شرافت کا نمونہ
قومی یکجہتی کا خواہاں
مشاعروں کا رُوح رواں
ہر ضرورت مند کی حاجت روائی کے لئے کوشاں
ہر غم زدہ کا ہمدرد

غرضیکہ انسانی پیکر میں واقعی انسان۔ اپنے جدِّ امجد گورو نانک دیوجی مہاراج کی تعلیمات کا مظہر

کنور مہندر سنگھ بیدی سحر

کو ایک ارمغانِ عقیدت و خراجِ محبت

کنور صاحب کے عزیزوں رفیقوں، دوستوں، مداحوں اور عقیدت مندوں کے لئے ایک گرانقدر ہدیہ۔ عزیزوں کی یگانگت اور دوستوں کی محبت، صحافیوں کے جذبات، عام ملنے جلنے والوں کے تاثرات، مُدیروں کے خیالات۔ نجی زندگی کے کوائف و حالات اور کنور صاحب کی شاعری کے انتخابات سے لُطف اندوز ہونے کیلئے

شانِ ہند کا شائع ہونیوالا

جشنِ سحر نمبر

ضرور پڑھیے

جو عنقریب دہلی میں منائے جانے والے جشنِ سحر کے مُبارک موقع پر شائع ہو رہا ہے جو یقیناً دنیائے اُردو ادب میں ایک یادگاری اضافہ ہوگا۔ چار صفحات پر پھیلا ہوا یہ خاص نمبر جو بیس(۲۰) صفحات آرٹ پیپر پر کنور صاحب کی مختلف تصاویر سے مزیّن آپ اپنی نظیر ہوگا۔ قیمت دس(۱۰) روپے شانِ ہند کے مستقل خریداروں سے چھ روپے علاوہ محصولڈاک۔ جبکہ اس شمارہ پر دس روپے فی پرچہ اصل اخراجات ہونگے مشتہرین کی خدمت میں التماس ہے کہ کنور مہندر سنگھ بیدی سحر کی مُلک گیر مقبولیت کے پیشِ نظر جشنِ سحر نمبر مُلک بھر میں بڑے ذوق سے پڑھا جائیگا۔ لہٰذا اس یادگاری خاص نمبر میں اشتہار دینا بھی کنور صاحب سے دلی عقیدت کا مظہر ہوگا۔

اجرتِ اشتہارات: عام سالم صفحہ اڑھائی صد روپیہ نصف ۱۲۵ روپے۔ سرورق کا اندرونی صفحہ ۲ پانچ صد روپے۔ سرورق کا تیسرا صفحہ چار صد روپے اور سرورق کا آخری صفحہ دو رنگ میں سات صد روپے۔

جشنِ سحر نمبر میں آپ بھی کچھ لکھئے۔ جشنِ سحر نمبر کو اپنے لئے اور اپنے عزیزوں کو تحفہ دینے کے لئے مطلوبہ کاپیاں ریزرو کروا لیجیے۔ جشنِ سحر نمبر میں اپنا پیغام دیجیے۔ کنور مہندر سنگھ بیدی سحر کے ہر عقیدت مند کو جشنِ سحر نمبر کی اطلاع دیجئے۔ مزید تفصیلات کے لئے لکھئے:-

ماہنامہ دفتر شانِ ہند فلیٹ ۱ انصاری مارکیٹ دریا گنج نیو دہلی ۱۱۰۰۰۲
فون نمبر ۲۶۸۸۸۸

قوم ترقی کی راہ پر

بے گھروں کے لئے گھر

دیہی علاقوں میں اب ان محنت کشوں کو زمین دی جارہی ہے جن کے پاس زمین نہیں ہے۔ مکان تعمیر کرنے کی 32,42,406 جگہیں الاٹ کی جا چکی ہیں اور 20 نکاتی پروگرام کے تحت مزید جگہیں الاٹ کی جائیں گی۔

سماج کے پچھڑے طبقوں کے لئے مکانات بنانے کی کئی اسکیمیں زیر عمل ہیں ان کے تحت 8.8 لاکھ مکان تعمیر کرنے کی منظوری دی گئی ہے اور ان میں سے 6.43 لاکھ مکانات مکمل ہو چکے ہیں۔

مضبوط ارادہ
اور کڑی محنت
ہمارے ساتھی ہیں

davp 75/453

اپنے اسٹیشن کو صاف رکھیں

اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ صاف ستھرا ماحول ایک طرف کسی شخص کے کردار کا آئینہ دار ہوتا ہے اور دوسری طرف اس کردار کو نکھارتا ہے۔ صاف ستھرا گرد و پیش خوشی اور مسرت بکھیرتا رہتا ہے۔ ہم اپنے گھر صاف ستھرے رکھتے ہیں تو پھر ان جگہوں کو صاف شفاف کیوں نہ رکھیں جسے ہم سب استعمال کرتے ہیں؟ ریلوے پلیٹ فارموں، ویٹنگ روموں، سواری ڈبوں اور درحقیقت ان تمام جگہوں کو جہاں ایک بڑی تعداد میں لوگ اکٹھے ہوتے ہیں گرد و پیش کو صاف شفاف رکھنا بہت ہی ضروری ہے۔

ریلوے میں ہم نے صفائی مہم شروع کی ہے جس کے بہت اچھے نتائج نکلے ہیں اب ریلوے صاف ستھرے نظر آتے ہیں۔ لیکن ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ اس سلسلے میں ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ ہم زیادہ صفائی کے لئے اپنی کوششوں کا سلسلہ جاری رکھیں گے۔

آپ بھی اس سلسلے میں ریلوے کی مدد کر سکتے ہیں۔ آپ صرف اتنا ہی خیال رکھیں کہ آپ کے آس پاس کی جگہ بالکل صاف شفاف حالت میں ہے؟ اس طرح اسٹیشن اور ملحقہ مقامات صاف ستھرے رہ سکتے ہیں۔ اور ہاں آپ ریلوے صفائی محکمہ کے کارکنوں کی خدمات سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ وہ صرف آپ کی خدمت کے لئے ہی رکھے گئے ہیں۔

آپ بھی ذرا خیال رکھئے کہ کوڑا کرکٹ آپ کے ہاتھ سے ادھر ادھر نہ بکھرنے پائے بلکہ کوڑا دان میں پھینکا جائے۔ آپ کا یہ معمولی کام ہمیں آپ کی بہتر خدمات کرنے میں کافی مدد دیتا ہے۔

ریلوے آپ کی پراپرٹی ہے اسے صاف شفاف رکھئے

ناردرن ریلوے

افکار و واقعات

(دلبستۂ علالت سے)

اُردو املا

حکومتِ ہند کی وزارتِ تعلیم کے ترقی اُردو بورڈ نے رشید حسن خاں کی تصنیف "اُردو املا" پر ملک کا جو روپیہ ضائع کیا ہے اس کی ذمہ دار حضرات سے باز پرس ہونی ہی چاہیئے۔ کیونکہ اگر اس کتاب کے مطابق اُردو املا کو رائج کیا جائے تو اُردو زبان اپنا اصلی اور دلکش رنگ رُوپ ہی کھو بیٹھے گی۔

یہ کتاب ہزار ہا اغلاط کا پشتارہ ہے۔ ان اردو دشمن غلطیوں اور حماقتوں کو یکجا کرنے کیلئے اُردو بورڈ نے رشید حسن خاں کو لگ بھگ بارہ ہزار روپیہ معاوضہ دیا ہے۔ انشاء اللہ شانِ ہند کی آئندہ اشاعت سے اس کتاب کی غلطیوں سے متعلق مفصل مضمون شائع ہونا شروع ہو جائیگا۔

اس کے علاوہ ہم چاہتے ہیں کہ وزیرِ تعلیم جناب نور الحسن صاحب ملک کے تین مشہور اُردو زبان کے مستند ادیبوں کی ایک ایسی کمیٹی مقرر فرمائیں جو "اُردو املا" کے بھرپور مطالعہ کے بعد فیصلہ دے کہ یہ کتاب اردو کی نشو و حیات کے لئے مفید ہے یا سمِ قاتل کا درجہ رکھتی ہے۔ اور اگر یہ کمیٹی اس کتاب کو اُردو زبان کے لئے نقصان دہ قرار دے تو اس کی فروختگی فوری طور پر ممنوع قرار دینے کے علاوہ اُردو بورڈ کے اُن ذمہ دار لوگوں سے باز پُرس کی جائے جن کی ملی بھگت سے اس کتاب پر ملک کا روپیہ برباد کیا گیا۔

اُردو ناخواندہ مصنّف کو اُردو تصنیف پر انعام

تعلیم و سماجی بہبود کی وزارت نے اٹھارویں قومی مقابلے کے تحت ۱۲ ہندوستانی زبانوں میں نوخواندہ افراد کے لئے ۲۵ مسوّدوں کو انعام دینے کے لئے منتخب کیا ہے جن میں چار مسوّدے اُردو تصانیف کے ہیں۔

تعلیم و سماجی بہبود کی وزارت کو داد دیجئے کہ اس نے اُردو کے جن چار مصنفوں کو انعام دینے کا اعلان کیا ہے کہا جاتا ہے کہ ان میں ایک مصنّف ایسے ہیں جو خود اُردو نہیں جانتے۔ یعنی ایک اُردو ناخواندہ کو اُردو نوخواندہ افراد کیلئے کتاب لکھنے پر انعام سے نوازا گیا ہے۔

اگر یہ سچ ہے تو وزارت تعلیم و سماجی بہبود کو چاہیئے کہ وہ عالیجناب صدرِ جمہوریہ ہند سے اس مصنّف کو کوئی قومی اعزاز دینے کی سفارش کرے اور اُردو کی اس خوش نصیبی پر کہ ایک اُردو ناخواندہ اُردو کا انعام یافتہ مصنّف قرار دیا گیا ہے جس قدر بھی ناز کیا جائے کم ہے۔ خدا کرے کہ یہ جیو کسی دشمنِ اُردو نے نہ اڑائی ہو۔

ہوش کی موت کا سبب شراب نوشی اور درد کی غیر ذمہ داری

پچھلے دنوں اُردو کے بزرگ شاعر تلوک چند کمار ہوش دہلی سے اپنے گھر بہادر گڑھ اسکوٹر پر جاتے ہوئے راستے میں کسی ایسے حادثے کا شکار ہوگئے کہ جسم کا کوئی سُراغ ہی نہ مل سکا۔

ہوش صاحب کی لاش ناقابلِ شناخت تھی کیونکہ اُن کی لاش پر نہ معلوم کتنے ٹرک گذر چکے تھے اور ان کا مُردہ جسم چیتھڑوں کی شکل میں لگ بھگ نصف فرلانگ تک بکھرا ہوا زبانِ حال سے پکار پکار کر کہہ رہا تھا۔

آج اپنے دوستوں کی صورتیں پہچان لو
یہ کسے معلوم کل کو کون کیا ہو جائیگا

لاش کے چیتھڑوں میں سے ہاتھ کی ایک اُنگلی میں پڑی سونے کی انگوٹھی جس پر ہوش صاحب کا نام کندہ تھا سے پتہ چلا کہ یہ حضرت ہوش ہیں۔

آر۔ کے پورم کی ایک ادبی محفل میں جناب جاں نثار نے بتایا کہ جناب ہوش اس روز شام کو جگدیش مہتہ درد ایڈیٹر "حقیقت بیانی" کے جنم دن تقریب میں شمولیت کے لئے درد صاحب کے مکان پر تشریف لائے اور مدعوئین چائے پارٹی سے فارغ ہو کر اپنے اپنے گھروں کو چلنے لگے تو میزبان نے اپنے کچھ دوستوں کو شراب نوشی کے لئے روک لیا۔ ان احباب میں ہوش بھی شامل تھے اور اس محفلِ خاص میں ہوش صاحب بیہوشی کی حد تک پی گئے۔

صاحبِ خانہ درد صاحب کا فرض تھا کہ وہ ہوش صاحب کو ایسے عالم میں آدھی رات گئے دہلی سے اٹھارہ میل دور بہادر گڑھ اسکوٹر پر نہ جانے دیتے اور انھیں جبراً روکا جا سکتا تھا مگر نہ معلوم کن وجوہات کے باعث صاحبِ خانہ نے ہوش ایسے دوست کو ایسے بے وقت اور حالتِ غیر میں جانے کی اجازت دیدی۔ درد صاحب کا یہ کہنا سراسر غلط ہے کہ ہوش صاحب

میں آئے ہی پی کر تھے۔ جناب امرناتھ شرما ساحر کا بیان ہے کہ وہ جوش صاحب کے بالکل قریب بیٹھے تھے اور وہ سو فیصدی ہوش میں تھے اور قطعاً پئے ہوئے نہیں تھے۔

کیا جناب جگدیش مہتہ درد ایڈیٹر "حقیقت بیانی" اس حقیقت سے بھی پردہ اٹھائینگے کہ انھوں نے جوش کو ایسے عالم میں اپنے گھر سے جانے کیوں دیا۔

ماہنامہ "بیسویں صدی" فحاشی کی راہ پر

حضرت خوشتر گرامی نے ماہنامہ "بیسویں صدی" کو ہمیشہ فحاشی بد اخلاقی اور سوقیانہ قسم کے مضامین سے پاک رکھا مگر "بیسویں صدی" فروخت ہونے کے بعد نئے انتظام میں آتے ہی وہ تمام شرافت و انسانیت کی قدریں ختم ہوتی نظر آ رہی ہیں جن کو خوشتر صاحب نے اپنی جان سے بھی عزیز رکھا تھا۔ جس رسالہ میں کبھی بوسے تک کا ذکر نہیں کرنے دیا جاتا تھا۔ وہاں اب "بیسویں صدی" کی اپنی طبی کمپنی "ریڈیم" دواخانہ کی ایک دوا "ریڈیم ٹانک پلز" کے اشتہار میں جس فحاشی کا سہارا لیا گیا ہے وہ ڈرگ کنٹرول آرڈر کے بھی خلاف ہے۔ اور وہ ماہنامہ جو شریف گھرانوں کی بہو بیٹیوں کے پڑھے جانے کے قابل سمجھا جاتا تھا اب بازاری قسم کے فحش رسائل کی صف میں آ رہا ہے۔

اردو کے لئے یہ کس قدر ٹریجیڈی ہے کہ اچھا بھلا ادبی رسالہ محض خود غرضی اور جلب زر کے لئے طوائفانہ راہ پر لے آیا گیا ہے۔

کمال امروہوی بنام "روبی"

فلمی دنیا کے مشہور پروڈیوسر جناب کمال امروہوی نے ازالہ حیثیت عرفی کا فوجداری مقدمہ ماہنامہ "روبی" کے خلاف بمبئی میں دائر کیا۔ اور جب مالکان "روبی" کو کوئی راستہ سزا سے بچنے کا نظر نہ آیا تو انھوں نے کمال امروہوی سے معافی مانگی اور عدالت میں مالکان روبی کے تحریری معافی نامہ کو کمال صاحب نے منظور کرتے ہوئے مقدمہ ختم کر دیا۔

اس تحریری معافی نامہ میں ایک مد یہ بھی ہے کہ ماہنامہ "روبی" میں مسلسل دو تین ماہ تک شروع کے دس صفحات کے اندر اندر یہ معافی نامہ شائع ہوتا رہے گا۔ مگر مالکان روبی نے اپنے معافی نامہ کو اپنے ماہنامہ "روبی" میں شائع نہ کر کے اس شرط کی خلاف ورزی کی۔

اول تو کسی ایڈیٹر کا اپنی ہی تحریر پر مقدمہ دائر ہونے پر معافی مانگنا انتہائی ذلالت اور صحافت کے معزز پیشے کو بدنام کرنے کے مترادف ہے۔ اور اگر کسی وجہ سے یہ بھیک مانگی ہی گئی ہے تو پھر یہ اور کمینگی ہے کہ معافی نامہ کی شرائط پر عمل نہ کیا جائے۔

ماہنامہ "شمع" میں اس معافی نامہ کا مختصراً ذکر آیا ہے۔ مگر مالکان "شمع" نے یہ نہیں لکھا کہ کمال صاحب سے معافی کس رسالے کے ایڈیٹر نے مانگی ہے۔ مگر کچھ لوگوں کو اس واقعے کا علم تھا تو ذکر آنے پر مالکان روبی نے اپنی صفائی میں یہ پروپیگنڈہ کیا کہ کوئی تحریری معافی نامہ ہے ہی نہیں تو اس شرط کا وجود کہاں سے آگیا۔ لہٰذا "شان ہند" میں بہت جلد (بمبئی کی عدالت سے معافی نامہ کی مصدقہ نقل موصول ہونے پر) اس معافی نامہ کی تفصیل شائع کی جائیگی۔

ہم ذاتی طور پر کسی ایڈیٹر کا معافی مانگنا ساری صحافت کے لئے افسوسناک سمجھتے ہیں اور اگر یہ معافی واقعی اپنے کردار اور عہدہ داری کی صعوبتوں کو سنوارنے کے لئے مانگی گئی ہے تو پھر فراخدلی سے معافی نامہ کی شرائط پر عمل کرنا چاہیئے۔

غزل

جناب اشک سنبھلی

رہ حیات میں تنہا نہ ایک گام چلے ‏ ہمارے ساتھ حوادث کے اژدہام چلے
تو کیا کسی نے شہنشاہ کر لیا تسلیم ‏ پہنکے تاج اگر وقت کے غلام چلے
جنھوں نے بادہ کشی میں نہ لطف آنے دیا ‏ تمھاری بزم میں کچھ وہ بھی تشنہ جام چلے
یہ سلسلے وقت کے طوفان تو گئے پیچھے ‏ ہمارے ساتھ کوئی اور تیز گام چلے
تمھارے حسن کی سرگرمیاں رہیں قائم ‏ کسی کا نام مٹے یا کسی کا نام چلے

یہ آئی اشک محبت میں کونسی منزل
کہ پیچھے پیچھے مرے وقت کے امام چلے

ناقابلِ فراموش

سردار دیوان سنگھ مفتون (مرحوم) ایڈیٹر ریاست
کا ناقابل فراموش ادبی سرمایہ۔ قیمت ۲۰ روپے۔
دفتر ماہنامہ شان ہند فلیٹ نمبر ۳ ہمائی مارکیٹ دریا گنج نئی دہلی

ہماری ہر دل عزیز اور متحرک وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی نے ملک کی فعال رہنمائی کے دس سال کامیابی و کامرانی کے ساتھ مکمل کر لئے ہیں۔ یہ بات ہماچل پردیش کے عوام کے لئے خصوصی اہمیت کی حامل ہے۔

دس سال کے اس عرصہ میں ہماچل پردیش کے ۳۵ لاکھ پہاڑی عوام کی امنگوں، ارادوں اور حوصلوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے انکے پردیش کو ایک شکل دی گئی اور ایک مقام عطا کیا گیا ہے۔ اپنے ارادوں کی اس خوبصورت تکمیل کیلئے ہم سب شریمتی گاندھی کے ہمیشہ مشکور رہیں گے۔ جس گرمجوشی، نگہبانی اور خصوصی توجہ سے شریمتی گاندھی اور ان کی حکومت نے ہم سب کیلئے اور ہمارے پردیش کی ترقی اور بہبودی کیلئے جو کچھ کیا ہے وہ ایک ناقابلِ فراموش ورثہ ہے۔

ہماچل پردیش کے احسان مند عوام شریمتی گاندھی کو یہ یقین دلاتے ہیں کہ وہ تا عمر ان کے اور ان کے پروگراموں کے تئیں وفادار رہیں گے ہم سب ان کی پالیسیوں اور پروگراموں کو پوری طرح عملی جامہ پہنانے کے لئے کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں گے۔

ہم لوک سمپرک

خوشحالی کیلئے بیس ۲۰ قدم

عوام کیلئے راحت کا زمانہ۔ سماج دشمنوں کے لئے ایمرجنسی۔ وزیر اعظم کا بیس ۲۰ نکاتی پروگرام سماجی انصاف کی ایک پکار ہے۔ دلی میں اس دوران میں ہوئی ترقی ایک معجزہ ہے۔

قیمتوں میں کمی :- • ضروری اشیا کی قیمتوں میں گراوٹ • شالی تقسیم عامہ کا نظام لاگو • جمع خوروں اور کالا دھندہ کرنے والوں کے خلاف ۹۲۷۸ چھاپے • بڑھتی ہوئی قیمتوں نہیں روک تھام کیلئے ۱۲۷ پنچایتیں اور ۶۶ کمیٹیاں • شہری اور دیہی کواپریٹیو کے ذریعہ سستا کپڑا فروخت کرنے والوں کی تعداد ۲۲۵

بے گھروں کے لئے گھر۔ بے زمین لوگوں کے لئے زمین :- • ایک ہی دن میں ۱۲ جولائی کو ۸۷۱ دیہی بے زمین لوگوں کو زمین • ۸۷۷ لوگوں کو مکان بنانے کے لئے زمین۔ ۸۷۸۹ اور لوگوں کو زمین • دیہی علاقوں میں مکان کی تعمیر کے لئے ۱۰ لاکھ روپیہ کی مالی امداد • مکان بنانے کیلئے ۷ ہزار پلاٹوں کی فراہمی • مزید سات ہزار ایکڑ زمین تقسیم کرنے کی اسکیم۔

کم سے کم اجرت شرح میں اضافہ :- • صنعتوں اور کھیتوں میں لگے آٹھ لاکھ مزدوروں کی اجرت میں ۱۲ سے ۲۰ فی صد تک اضافہ • ۲۵۰۰ سے زیادہ نوجوان صنعتوں میں سے اپرنٹس لگائے گئے۔

طلبہ کو راحت :- • غریب طلبہ کے لئے مفت درسی کتابیں • ۵۱ اسکولوں اور کالجوں میں کتابوں کی بینک • اسکولوں میں پنسل و کاپیاں سستے داموں پر فراہم • طلبہ ہوسٹلوں میں سستی خوراک • اسکولوں میں سدھار لانے کا ۱۲ نکاتی زوردار پروگرام۔

پیداوار میں اضافہ :- • ہڑتالوں اور تالابندیوں کا خاتمہ • پیداوار بڑھی • ہتھ کرگھا صنعت کے لئے ۱۰۵ کروڑ روپے کی ترقی کی اسکیم • کھیتوں میں انقلاب • دیہی ترقیاتی کارپوریشن کی اسکیم • سبزی کی کاشت ۲۸ ہزار ایکڑ سے بڑھ کر ۵۰ ہزار ایکڑ • گاؤں میں بینک اور کثیر مقاصد مالی امداد باہمی کمیٹیاں • قرضہ جات سے نجات دلانے کا بندوبست۔

سماج دشمن عناصر کے پاؤں اکھڑ گئے :- • بلیک مارکیٹ بیوپاریوں کے خلاف ۹۲۰ چھاپے • خفیہ تجارت پر دس کروڑ سیلز ٹیکس کی وصولی • ۷۳ ملازمین قبل از وقت ریٹائر۔ کئی افسران معطل و برخاست • ۷۲ ملازمین کی استعداد اور ایمانداری پر کڑی نظر۔

دلی کی خوبصورتی میں اضافہ :- • دونوں وقت صفائی۔ رات کو صفائی کا بندوبست • سرکاری زمین سے ناجائز قبضے ہٹائے گئے • چوڑی اور خوبصورت سڑکیں • دلی میں ۵ لاکھ نئے پودوں کی شجرکاری۔

قابلِ فخر کامیابیاں :- یہ قابلِ فخر کامیابیاں حاصل کیں آپ نے۔ یعنی دہلی کے عوام نے صرف ۵ مہینے میں۔

• آپ کے ساتھ قدم ملا کر چل رہا ہے دلی انتظامیہ۔ آپ کا انتظامیہ

آئیے پردھان منتری اندرا گاندھی کے اس عظیم پروگرام میں اپنا تعاون اور اشتراک دیں

جاری کردہ:- محکمۂ اطلاعات و اشاعت۔ دلی انتظامیہ دلی

آج کی پکار — سودیشی کا بیوہار — ودیشی کا بہشکار

جشنِ سحر و کمال مدراس کا آل انڈیا مشاعرہ

عزیز اندوری

ر تامل ناڈو نیشنل لنگویجز اکیڈمی مدراس کا وہ واحد ادارہ ہے جس نے شعر و ادب و زبان کی خدمات کے جذبے کو کسی نہ کسی صورت تیز تر ضرور کیا ہے اور مدراس جیسے مقام پر جنوبی ہند کی لسانی تہذیب کے چند نقوش روشن کر کے لائقِ تحسین اقدام اٹھائے ہیں۔ اس سلسلے میں جہاں ایسوسی ایشن کی معاونت بھی کم قابلِ ستائش نہیں ہے جس کے پُر خلوص تعاون کی وجہ سے سال میں دو ایک بار اردو کے نام لیوا مدراس میں یک جا ہو کر اس زبان کے زندہ رہنے کے احساس کو تر و تازہ کر دیتے ہیں۔

امسال اکیڈمی اور ایسوسی ایشن کی جانب سے ایک اہم قدم یہ اٹھایا گیا کہ شمال و جنوب کے دو معزز شعراء کا جشن بڑے تزک و احتشام سے منایا گیا۔ یہ قدم یقیناً داد و تحسین کا مستحق ہے۔ لیکن اس سلسلے میں دو دن تک جو پروگرام ہوئے ان میں شاعری کے ساتھ ساتھ مذکورہ دونوں فنکاروں کی شخصیت اور فن پر مبسوط اور منضبط انداز میں اگر اہلِ قلم و بیان اظہارِ خیال کرتے تو ان پروگراموں کی توقیر و عظمت میں مزید اضافہ ہو جاتا۔ ہر چند دونوں دن (یعنی ۱۶ر اور ۱۷ر جنوری) کو مشاعروں میں چند غیر مربوط طریقے سے ان حضرات کی شخصیت اور فن (فن پر کم شخصیت پر زیادہ) مختلف حضرات نے اظہارِ خیال ضرور کیا مگر اس سلسلے کے تاثرات حاضرینِ جلسہ کے ذہنوں پر مرتسم نہیں ہو سکے بلکہ بیشتر حضرات شاعروں کے کلام اور ترنم میں مستغرق رہے۔

بہر حال ۱۶ر جنوری سنہ ۷۶ء کی شب میں ساڑھے ۸ بجے جب میں اچپت بھون میں پہنچا تو وہاں ڈھائی ۳-۲ ہزار افراد کو پہلے سے موجود پایا۔ قریب ۹ بجے تامل ناڈو کے گورنر شری کے۔ کے۔ شاہ تشریف لائے تو ان کا پُر زور استقبال کیا گیا اور انھیں شعراء سے متعارف کرایا گیا۔ ایسوسی ایشن کے نائب صدر جملیجی نے گورنر موصوف کا استقبال کرتے ہوئے ان کا شکریہ ادا کیا۔ ایسوسی ایشن کے صدر لفٹیننٹ کرنل جی۔ ایس۔ گل سے درخواست کی کہ وہ مہمانِ خصوصی کا باقاعدہ استقبال کریں۔ کرنل گل نے گورنر صاحب کی گل پوشی کی۔

شاہ صاحب نے کنور مہندر سنگھ بیدی سحر اور کمال مدراسی کی گل پوشی کے بعد انھیں وہ خوبصورت شیلڈز دیں جو انھیں ایسوسی ایشن کی جانب سے ان کی ادبی خدمات کے پیشِ نظر نذر کی گئی ہیں۔ گورنر صاحب نے اپنی مختصر سی تقریر میں ایک بات بڑے پتے کی فرمائی کہ ہندوستان میں مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں جن کے لفظ لفظ میں کوئی معنویت ضرور چھپی ہے ہم سب کا فرض ہے کہ ہم اس معنویت کو گرفت میں لانے کی کوشش کریں اگر ہم ایسا کرنے میں سنجیدگی اختیار کرتے ہیں تو اس زبان اور اس کا ادب و ثقافت ہمیں مسرور و مستفید کرے گی۔ تامل ناڈو کے لوگ دوسری زبانوں کے بارے میں بڑی دلچسپی کا اظہار کرتے ہیں۔ ہم سب کا فرض ہے کہ ان کی دلچسپی کو نہ صرف باقی ہی رکھیں بلکہ انھیں اپنے فنی اور لسانی شعور سے متعارف بھی کرائیں۔

گورنر صاحب کی تقریر کے بعد جلد ہی جملیجی نے مائیک پر آ کر جنابِ ساغر اکبر آبادی کا نام صدارت کے لئے پیش کیا ہے اور شمسی مینائی صاحب سے درخواست کی ہے کہ وہ ناظمِ مشاعرہ کی حیثیت سے مائیک پر تشریف لائیں۔ ساغر صاحب کے ساتھ ہی موصوف نے یہ بھی فرمایا ہے کہ گورنر صاحب چونکہ جلد تشریف لے جانا چاہتے ہیں اس لئے مجوزہ پروگرام میں تھوڑی سی تبدیلی کی جا رہی ہے یعنی گورنر صاحب کو ان دو شعراء کا کلام پہلے سنوایا جائیگا جن کا جشن منایا جا رہا ہے۔

لیجئے مائیک پر شمسی مینائی پہنچ چکے ہیں اور بیدی صاحب کا تعارف کراتے ہوئے کہہ رہے ہیں حضرات کنور مہندر سنگھ بیدی کا تعارف کرانا ایک قادر الکلام شاعر ہیں وہ ہیں انھوں نے شاعروں اور مشاعروں کی سرپرستی فرما کر کتنے ہی ذرّوں کو آفتاب بنا دیا ہے۔ انھوں نے اردو کا علم نہ صرف ہندوستان کے کونے کونے ہی میں لہرایا بلکہ انگلستان تک لندن تک بھی پہنچایا۔ انھوں نے جس صنفِ سخن پر طبع آزمائی کی اسے نقطۂ عروج تک پہنچایا۔ پنڈت نہرو کی وفات پر انھوں نے جو مرثیہ لکھا اسے بے حد

تحقیق تصور کیا جاسکتا ہے تامل ناڈو کے اہلِ ذوق مبارکباد کے لائق ہیں کہ انھوں نے ہندوستان کے ایک قادر الکلام شاعر اور عظیم استاد کا جشن منایا۔ چونکہ گورنر صاحب کو واپس جانا ہے اور موصوف بیدی صاحب کا کلام سننا چاہتے ہیں اس لئے میں اُن سے استدعا کروں گا کہ وہ مائیک پر تشریف لائیں۔

وہ دیکھئے بیدی صاحب مائیک پر پہنچ چکے ہیں اور فرمارہے ہیں کہ میں پنجاب اسوسیشن کا شکرگزار ہوں کہ انھوں نے میری عزت افزائی کی۔ میں عزت مآب کے۔کے شاہ سے درخواست کرونگا کہ وہ اکیڈمی اور اسوسیشن کی سرپرستی میں مزید دلچسپی کا اظہار فرمائیں۔ میں خود بھی اس سلسلے میں اپنی ساری خدمات کو ہمیشہ پیش کرتا رہونگا۔ اس کے بعد موصوف نے اپنی نظم "غریبی ہٹاؤ" سنانے سے قبل فرمایا کہ کانگریس جماعت کی طرف سے بہت پہلے کہا گیا تھا کہ ملک سے غریبی کو ہٹایا جائے گا۔ غریبی کس حد تک ہٹی ہے یا باقی رکھنے میں کون قصوروار ہے اور اسے ہٹانے کی ذمہ داری کس کی ہے جو آپ کو یہ ساری تصاویر میری اس نظم میں واضح طور پر نظر آئیں گی۔ ملاحظہ کیجیے۔

جس مُلک کے لوگوں میں محبت و وفا ہو　　حب الوطنی کا تو نشاں تک نہ رہا ہو
اے کاش! بتائے کوئی مُلک کا کیا ہو　　جس مُلک کا ہر شخص بلا سے گھرا ہو

ہم صید بھی ہیں آپ ہی آپ ہی صیاد
فریاد ہے فریاد ہے فریاد ہے فریاد

منظور نہیں مجھ کو حکومت کی وکالت　　انصاف کرے آپ ہی جنتا کی عدالت
کیا صرف گنہ گار اکیلی ہی حکومت　　یا اس میں برابر کی ہماری بھی ہے شرکت

جس روپ سے جس رنگ سے جس طور سے دیکھو
حمام میں ننگے ہیں سبھی غور سے دیکھو

بیدی صاحب کامیاب و کامراں اپنی جگہ پر تشریف لا رہے ہیں۔

گورنر صاحب واپس جانا چاہتے ہیں۔ لیکن بلدیو جی نے ان سے یہ کہہ کر تھوڑی دیر اور ٹھہرنے کی درخواست کی ہے کہ آج کی تقریب جشنِ سحر و کمال کی شکل میں منعقد کی گئی ہے۔ آپ نے سحر صاحب کا کلام ملاحظہ فرمایا کمال صاحب کا کلام بھی سماعت فرمائیے۔

سُنئے منشی ستیانی کمال صاحب کا تعارف کراتے ہوئے تامل ناڈو کے باشندوں کو مبارکباد دے رہے ہیں اور فرمارہے ہیں کہ کمال صاحب نے اردو کا ڈنکا نہ صرف جنوبی ہند میں بلکہ بحیثیت شاعر اور استاد شمالی ہند میں بھی بجایا ہے انھوں نے اکیڈمی کو دوبارہ فعال کرنے میں جس مستعدی کا ثبوت دیا ہے وہ لائقِ احترام ہے۔

کمال مدراسی مائیک پر آچکے ہیں اور بڑے خلوص و ادب کے ساتھ فرمارہے ہیں خواتین و حضرات میرے پاس الفاظ نہیں کہ میں آپ کا شکریہ ادا کرسکوں۔ آپ نے بھرے مجمع میں مجھے اس قدر اونچا... میں ایک ذرہ ہوں۔ مجھے آپ آفتاب بنا دینا چاہتے ہیں جس کا میں مستحق نہیں ہوں (یہ تو آپ کی انکساری ہے صبا افغانی کہہ رہے ہیں) آخیر میں نے مدراس میں شعر و ادب کی حق المقدور خدمات انجام دی ہیں اور میں اپنے اُن تمام مخلص احباب کا شکرگزار ہوں جنھوں نے بلا تفریق مذہب و ملت خدمتِ شعر و ادب میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا ہے۔ ایسے لوگ کوشش کر رہے ہیں کہ پنجاب اسوسیشن کی نگرانی میں اردو کی ایک بڑی لائبریری قائم کی جائے اسی کے ساتھ ہم نے یہ بھی طے کیا ہے کہ مستقبل قریب میں اردو کی اعلیٰ کلاسوں کا بندوبست کیا جائے اور اردو کے طلبا کو معقول وظائف بھی دیئے جائیں۔ کمال صاحب کے اس اعلان کا تالیوں سے استقبال کیا گیا اور اب سُنئے کمال صاحب غزل سے قبل دو رباعیاں سنا رہے ہیں۔

بگڑی ہوئی تقدیر بدل سکتا ہوں　　وقت آئے تو کانٹوں پہ بھی چل سکتا ہوں
شاعر ہوں مرا دین ہے عشق و الفت　　نفرت کو بہر گام کچل دیتا ہوں

آئینہ محبت کا دکھا سکتا ہوں　　جینے کا سلیقہ بھی دکھا سکتا ہوں
شاعر ہوں مرے نغموں میں پنہاں ہے مسیحا　　مُردوں کو بھی چاہوں تو جِلا سکتا ہوں

شاعرانہ عظمت کی عکاسی کرنے والی ان رباعیات پر مناسب داد پا کر کمال صاحب نے غزل کا مطلع پڑھا ہے جس پر خاصی داد ملی ہے سُنئے ؎

ستم کیوں ہو جفا کیوں ہو وفا کا امتحاں کیوں ہو
وہ اپنے چاہنے والوں سے اتنا بدگماں کیوں ہو

سُنئے کمال مدراسی اپنا اگلا شعر پڑھ رہے ہیں ؎

مبارک ہوں خرد کو جنبشیں نفع و مضرت کی
ملا ہے جن کو دل ان کو سرِ سود و زیاں کیوں ہو

اس شعر پر بھی کمال صاحب کو مناسب داد ملی ہے یہ شعر اور سُنئے ؎

مری چشمِ تماشہ تم کو ہر سو دیکھ لیتی ہے
تعجب ہے کہ تم پھر چشمِ عالم سے نہاں کیوں ہو

محبت رہ گزر میری محبت ہی مری منزل
مجھے پھر جستجوئے نقش پائے رہرواں کیوں ہو

ان اشعار پہ مناسب داد پا کر کمال صاحب مقطع پڑھ رہے ہیں

شناسائے حقیقت آج بھی مشکل سے ملتا ہے
کمال دیدہ ور کا سارا عالم رازداں کیوں ہو

کمال مدراسی کامیابی کے ساتھ واپس تشریف لا رہے ہیں اس وقت سوا دس بج چکے ہیں گورنر صاحب واپس تشریف لیجا رہے ہیں تمسی مینائی مائیک پہ دوبارہ آ رہے ہیں۔ آپ شاعری اور مشاعرہ کی افادیت پہ کافی تفصیل سے روشنی ڈالنے کے بعد اپنے مخصوص انداز میں شاعر فتح محمد ملک کو دعوتِ غزل سرائی دے رہے ہیں۔ ایک بے تکلف لیکن انتہائی مہذب شخص مائیک پہ آکر پسندیدہ ترنم میں اپنی غزل کا مطلع پڑھ رہے ہیں۔ سنئیے

دیوانے عزم نو کی تکمیل کر رہے ہیں • دشوار راستوں سے ہنس کر گزر رہے ہیں

مطلع پر مناسب داد پا کر شاعر نے ایک اور مطلع پڑھا ہے جس پر مناسب داد ملی ہے۔ سنئیے اس شعر پر شاعر کو خاصی اچھی داد مل رہی ہے

کچھ رقص میں ایسا غالب ہوا جنون پر • وہ مائل کرم ہیں ہم پھر بھی ڈر رہے ہیں

ایک اچھا شعر سنئیے جس پر شاعر کو انتہائی معقول داد ملی ہے اور مکرر پڑھوایا گیا ہے

دورِ خزاں سے کہدو اس سمت بھی نہ آئے • سنتے ہیں گلستاں میں غنچے نکھر رہے ہیں

عام سامعین کے پسند کا یہ شعر بھی سن لیجیے۔ جس پر شعراء کی طرف سے کم اور عوام کی طرف سے زیادہ داد ملی ہے

کیا منظر حسیں ہے آئینہ روبرو ہے • زلفیں سنور رہی ہیں یا خود سنور رہی ہے

ایک شعر اور پڑھ کر شاعر نے مقطع پڑھا ہے۔ سنئیے

کب دیکھیں مسکرائے صبحِ امید شاکر
منزل پہ شامِ غم کے مارے ٹھہر رہے ہیں

شاعر کے بارے میں تمسی مینائی نے کہا تھا کہ وہ اپنا کلام لہک لہک کر سنائینگے اور سامعین کو مسرور کر دینگے شاعر ان الفاظ کی تصویر پیش کر کے واپس اپنی جگہ آگئے ہیں اور اب تمسی مینائی فرما رہے ہیں کہ ایک ایسا شاعر مائیک پہ آرہا ہے جو جدید شاعری میں اپنا مقام بنا رہا ہے جس کا کلام بھی خوب ہے اور پڑھنے کا انداز بھی نرالا ہے۔ شہزادہ گل ریز آ رہے ہیں۔ یہ اپنی غزل سے پہلے ایک قطعہ پڑھ رہے ہیں جس پہ داد مل رہی ہے۔ گل ریز صاحب ترنم سے

اپنی غزل کا مطلع سنا رہے ہیں اور داد پا رہے ہیں

بچ کے حالات کے طوفاں سے کدھر جاؤ گے
ہر طرف ایک ہی منظر ہے جدھر جاؤ گے

مطلع پڑھنے کے بعد گل ریز نے پانی مانگا ہے۔ راحت القیصری کہہ رہے ہیں۔ "خوب انور مرزاپوری یاد آگئے" خیر۔ پانی پینے کے بعد گل ریز نے ایک مناسب شعر پڑھا ہے جس پر مناسب داد ملی ہے۔ سنئیے

جب کسی شہر رگ سے لہو پھوٹے گا • سسکیوں کی طرح کمرے میں بکھر جاؤ گے

گل ریز کو مناسب داد مل رہی ہے دیکھئے آپ کیا کہہ رہے ہیں

بند کمرے میں یہ دھواں چھٹنے دو • ورنہ گھٹ گھٹ کے کسی روز بکھر جاؤ گے

"لیکن بھائی کمرہ بند ہو گا تو دھواں کیسے چھٹے گا؟" یہ کسی صاحب کے اس بیا ساختہ جملے پر قہقہہ بلند ہوا ہے اور گل ریز نے ایک اچھا شعر پڑھ دیا ہے جس پر انہیں بھی احساس ہو گیا ہے [illegible]

اپنا چہرہ بھی نہ پہچان سکو گے [illegible] مقطع پر بھی انہیں اچھی داد ملی ہے

گھر کے دروازے کبھی بند نہ ہوں گے گل ریز
سسکیاں جب بھی پکاریں گی تو گھر جاؤ گے

ایک صاحب کہہ رہے ہیں اس غزل میں گل ریز نے سسکیوں کی ترجمانی بڑی خوبی سے کی ہے۔ گل ریز اپنی جگہ واپس جا چکے ہیں اور اب تمسی مینائی اس مزاج کے ایک اور شاعر کا تعارف کراتے ہوئے کہہ رہے ہیں اب ایک اور جدید مزاج کے شاعر آپ کے سامنے آ رہے ہیں جنہیں آپ لوگ اس سے پہلے بھی سنا ہے اور پسند کیا ہے۔ جن کے شعروں میں ایک تو جمال و علم کی دو خوبیاں شامل ہیں تو آئیے اندور سے آئے شاعر راحت القیصری سے ان کا کلام سنیں۔ راحت نے متفرق اشعار سنانے شروع کئے ہیں جن پر داد مل رہی ہے۔ چند شعر آپ بھی سنئیے

جھیل اچھی ہے کنول اچھا ہے گو جام اچھا ہے
تیری آنکھوں کے لئے کون سا نام اچھا ہے

تمہارے نام پر جب سے ہر آفت سر پہ رکھی تھی
نظر شعلوں پہ رکھی تھی، زباں پتھر پہ رکھی تھی

ہمارے خواب تو شہروں کی سڑکوں پہ بھٹکتے تھے
تمہاری یاد تھی جو رات بھر بستر پہ رکھی تھی

میں اپنا عزم لے کر منزلوں کی سمت نکلا تھا
مشقت ہاتھ پہ رکھی تھی قسمت گھر پہ رکھی تھی

رائے کہہ رہے ہیں میں صرف غزل کا شاعر ہوں شگفتہ غزل
مختار جارہ نگوی یہاں موجود ہیں جی تو چاہتا ہے کہ غزل ہی پڑھوں
لیکن آپ حضرات کو میں ایک مختصر سی نظم بعنوان "شادی کی اُنیسویں سالگرہ"
سنا رہا ہوں جبکہ میں خود کنوارہ ہوں۔ اس پر ایک قہقہہ لگا ہے۔ راحت
اس نظم پر کافی داد ملی ہے اور اپنی جگہ پر واپس آ گئے ہیں۔

اور اب ایک مقامی شاعر فرید مدراسی کو آواز دی جا رہی ہے
لیا معلوم ہوتا ہے کہ فرید صاحب کو مائیک سے کچھ ڈر سا لگ رہا ہے
اس لئے مائیک سے ہٹ کر وہ اپنا کلام سنا رہے ہیں کچھ بھی سمجھ میں نہیں آ رہا
ہے۔ سامعین شور مچانے پر آمادہ ہیں جس پر شمسی مینائی کہہ رہے ہیں فرید
صاحب مزاحیہ شاعر نہیں آپ اُن کا کلام سنجیدگی سے سنئے۔ بہرحال فرید
صاحب نہ جانے کیا کیا سنا کر واپس جا چکے ہیں۔ اور اب شمسی مینائی فرما رہے
ہیں لیجئے محفل میں ترنم و کلام کا نور برسانے آپ کے محبوب شاعر نور اندوری
مائیک پر آ رہے ہیں لیکن نور ابھی اسٹیج پر نہیں ہیں اس لئے شمسی مینائی نے فرمایا
ہے حضرات اس مشاعرے میں جو تو نکی دیسی شاعرات کی نمائندگی کرنے
کے لئے تین شاعرات اسٹیج پر ہیں اور ویسے انٹرنیشنل وومین سال کو گزرے
دو سال ہو گئے ہیں اس لحاظ سے بھی عورت کی اہمیت اور نمائندگی پر
سنجیدگی سے غور کرنا چاہئے تو لیجئے سب سے پہلے تشریف لا رہی ہیں غزل
آبادی صاحبہ۔ غزل صاحبہ نے تندرست و توانا آواز میں اپنی غزل شروع
کی ہے۔ مطلع پر خاصی داد ملی ہے ؎

گزری جفا تو لگا مزہ یاد آ گیا ✽ اتنے الجھے کہ خدا یاد آ گیا

غزل صاحبہ کے استاد اور سینئر شاعر مختار لکیر آبادی اسٹیج پر غزل
کا لقمہ دے رہے ہیں کہ غزل کو تو ہے شیئر بر سامعین میں سے چند حضرات اپنی
نشستوں سے اٹھ کر باہر جا رہے ہیں جس کی وجہ سے شاعرے میں کچھ بدنظمی
سی ہو گئی ہے۔ کمال مدراسی ان حضرات سے کہہ رہے ہیں کہ وہ تھامو جی سے
باہر تشریف لیجائیں۔ سنئے غزل ایک اچھا شعر سنا رہی ہیں ؎

ہیرنہ کی رات اشک بہانا پڑا ہمیں ✽ کیا سوچ کے کا وقت تھا کیا یاد آ گیا

اس شعر پر خاصی داد دی۔ انھوں نے دو اور مناسب اشعار پڑھے
ہیں۔ اس شعر پر خاصی داد پائی ہے ؎

دیکھا جو میرا حال تو آنسو نکل پڑے ✽ کیا تم کو اپنا عہد وفا یاد آ گیا
یہ شعر دوبارہ پڑھوایا گیا ہے۔ ایک شعر اور سنئے جس پر مناسب داد
ملی ہے اور پسند کیا گیا ہے ؎

کس کی بے چارگی کے بوجھ کو پچھتا رہا ✽ شاید انہی کو میرا پتا یاد آ گیا
سنئے غزل کی مقطع پڑھ رہی ہیں ؎

تم ہی نہیں ہو صرف طلبگارِ غزل
اِک اور بھی تمنا طلب غزل یاد آ گیا

نور اندوری کچھ دیر واپس آ چکے ہیں اس لئے انھیں دعوتِ غزل
سرائی دی جا رہی ہے۔ سنئے نور کہہ رہے ہیں تحفل کمال کے سلسلے میں
پہلے چار مصرعے پیش کر رہا ہوں ؎

تمہارے شہر کی عظمت پہ میں قرباں
جہاں جنوب کا سنگم ہوا شمال کے ساتھ
ستارے ٹوٹ کے دھرتی پہ رقص کرتے ہیں
سمندر کا جشن ہوا ہے بڑے کمال کے ساتھ

اس قطعہ کو سن کر کمال مدراسی نے اپنی اور سحر صاحب کی جانب
سے نور کا شکریہ ادا کیا ہے۔ نور اندوری نے انتہائی بلند اور خوبصورت
آواز میں غزل کا مطلع پڑھا ہے سنئے ؎

میرے منہ سے جو نالے نکل جائیں گے ✽ کوہ بھی موم بن کر پگھل جائیں گے

نور مشاعروں میں گرمی پیدا کر دیتے ہیں اور خاصی داد حاصل کر لیتے
ہیں۔ اس مشاعرے میں بھی انہیں مطلع ہی سے داد ملنی شروع ہو گئی ہے سنئے
نور پڑھ رہے ہیں ؎

اٹھ گئے راہِ غم میں جو اپنے قدم | منزلیں بھی آگے نکل جائیں گے
برف کی طرح نیلا بدن ہے مگر | تجھ کو چھو کر مرے ہاتھ جل جائیں گے
لغزشوں پر ہماری نہ تنقید کر | گرتے گرتے بھی ہم تو سنبھل جائیں گے

کنور صاحب فرما رہے ہیں خدا کرے ایسا ہی ہو۔ آپ گرتے رہیں اور
سنبھلتے رہیں۔ مقطع سے قبل نور نے ایک شعر اور پڑھا ہے سنئے ؎

کوئے قاتل میں شوقِ شہادت لئے ✽ سر کٹانے بھی ہم سر کے بل جائیں گے

اور سنئے نور مقطع سنا رہے ہیں ؎

جگمگا اٹھے گی وہاں کی فضا ✽ نور جس جا سنانے غزل جائیں گے

نور واپس جانا چاہتے ہیں لیکن عوام کے بے حد اصرار پر واپس مائیک پر آئے
ہیں بیدی صاحب فرما رہے ہیں نور اک غزل اور سہی اور سہی اور سہی۔ نور
ہماری پسند کی غزل تم جانتے ہی ہو۔

"جی بہت بہتر" نور نے بیدی صاحب کی پسندیدہ غزل کا مقطع پڑھا ہے ؎

دار پر جو گئے ہیں وہ منصور ہیں ✽ ورنہ قصے تو کتنے ہی مشہور ہیں

انورؔ کو مطلع سے مقطع تک کافی داد ملی ہے چند شعر ملاحظہ کیجئے ؎

ایسی گھٹن ہے آفرنیش کا رنگ ہو ✽ وہ گلستاں کہ سینۂ پنہا شعور میں
تیری محفل میں خیر و شر کا کیا تذکرہ ✽ روشنی سے اندھیرے بہت دور ہیں
ہم جو دامن کشاں بن گئی آج ✽ آپ ایسا سمجھیں کہ مغرور ہیں

انورؔ محفل کو گرما کر واپس آ گئے ہیں اور اب ناظمؔ انصاری (ناگپور) اپنا [illegible]ڑھی کی سنجیدگی کے پیچھے طنز و ظرافت کا خزانہ لئے مائیک پر پہنچ چکے ہیں۔ [illegible]یدی صاحب فرما رہے ہیں "ناظم صاحب پہلے ہماری پسند کے وہ دو شعر [illegible] ہم نے بھی جو حکم" سنئے بیدی صاحب کے پسندیدہ اشعار ؎

[illegible]وانہ اس نے کر دیا اک بار دیکھ کر ✽ ہم کچھ بھی کر سکے نہ لگاتار دیکھ کر
[illegible]ی کے پاؤں بال مجھے یاد آ گئے ✽ بیگم تمہاری تو گزری شلوار دیکھ کر

ناظم انصاری نے دو اشعار اور سنائے ہیں مطلع میں انگریزی کے الفاظ کا برمحل استعمال دیکھئے ؎

[illegible] وہ ممتون اور وہ تارے چلے گئے ✽ تم کیا گئے کہ آل نظارے چلے گئے
[illegible]یتے دن تھے مزید کے میریج کی کمی ✽ لیکن فری ملی تو کنوارے چلے گئے

ایک قطعہ اور پڑھا ہے جس پر چاروں طرف سے قہقہوں اور تالیوں [کی] شکل میں داد ملی ہے ؎

عاشق تو ہوں ضرور مگر سرپھرا نہیں ✽ میں روز کوئے یار میں جھک مارتا نہیں
دے رہے ہو تو مجھے کس کا حوالہ جان ✽ دیوانہ ہوں میں تیرا ترے باپ کا نہیں

ناظم انصاری کے پڑھنے کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ اشعار پڑھتے وقت ذرا سے غیر سنجیدہ نہیں ہوتے۔ سامعین کو ہنسی کے مارے لوٹ پوٹ کر دیتے ہیں لیکن خود کے ہونٹوں پر تبسم کی ہلکی سی لکیر بھی نہیں ابھرتی سنئے پسندیدہ ترنم سے مطلع پڑھ رہے ہیں ؎

[illegible]ی کی خواہشات ارے باپ کیا کروں ✽ مانگے ہے کائنات ارے باپ کیا کروں

دو اشعار اور سنئے جن پر خاصی داد ملی ہے ؎

[illegible] تھی ہمیں جینے کی [illegible] کے لئے قسم ✽ وہ کر گئے وفات ارے باپ کیا کروں
[illegible] ✽ ماری کسی نے لات ارے باپ کیا کروں

ناظم واپس جانا چاہتے ہیں لیکن سامعین کے لگاتار اصرار پر انھیں [ایک] نظم "چل کہیں بھاگ چلیں" سنانی پڑی ہے جس پر خاصی داد ملی ہے۔

سنئے شمسی مینائی فرما رہے ہیں اب میں ایک ایسے شاعر کو دعوت دے رہا ہوں جس کی غزلوں کے طرفدار [illegible] ہیں آپ کو حیرت ضرور ہوگی جو بڑی [illegible] آواز سے غزل پڑھتا ہے اور جو پہلی بار (آخری بار نہیں) آپ کے شہر میں آیا ہے اور وہ ہے انجمؔ جبل پوری۔

دیکھا تو ایک چھریرے جسم کا شاعر مائیک پر موجود ہے جس نے پہلے تحت اللفظ ایک قطعہ سنایا ہے جس پر مناسب داد ملی ہے اور اب انجمؔ جبل پوری بلند اور پسندیدہ ترنم کے ساتھ غزل کا مطلع پڑھ رہے ہیں سنئے ؎

آنے والا تھا کوئی ترے گاؤں میں ✽ وقت نے بیڑیاں ڈال دیں پاؤں میں

انجمؔ اپنے اگلے شعر پر سامعین کو متوجہ کر رہے ہیں ؎

جسم جلتا ہوا لب دہکتے ہوئے ✽ آگ ہی آگ ہے زلف کی چھاؤں میں

اور یہ شعر اہل علم کی نذر کر رہے ہیں ؎

مجھ کو یوسف نہ سمجھو میں یوسف نہیں ✽ بھول کر آ گیا ہوں زلیخاؤں میں

اس شعر پر انھیں خاصی داد ملی ہے۔ سنئے انجمؔ ہر شعر پر سامعین کو کسی نہ کسی طرح متوجہ کر رہے ہیں۔ اگلا شعر پڑھنے سے پہلے فرمایا ہے یہ شعر سنئے اس میں آپ کو زندگی کی حقیقت ملے گی۔ سادہ سا شعر ہے ؎

میں مسافر ہوں میرا ٹھکانہ نہیں ✽ صبح اس گاؤں میں شام اس گاؤں میں

اس شعر پر انھیں اچھی داد ملی ہے۔ ان کا آخری شعر بھی سن لیجئے اور توجہ دلانے والا انداز بھی فرما رہے ہیں ایک شعر سنئے جس میں [illegible] انداز میں میں نے منظر کشی کی ہے۔ میں داد کا طالب نہیں سنجیدہ ہو کر سنئے پر ایک آواز آئی ہے "کیا آپ کو ہماری سنجیدگی پر شک ہے" بہرحال انجمؔ کا شعر سنئے ؎

سانپ کی طرح بل کھاتی پگڈنڈیاں ✽ راستہ روک لیتی ہیں برکھاؤں میں

انجمؔ مناسب داد پا کر اپنی جگہ آ گئے ہیں اور اب شمسی مینائی ایک بار پھر عورتوں کی خانگی کے موڈ میں ہیں اور آواز دے رہے ہیں حیدرآباد سے تشریف لائی ہندوستان کی مشہور شاعرہ پروفیسر ڈاکٹر [illegible] کو [illegible] انتہائی مہذب انداز میں مائیک پر تشریف لائی ہیں اور ایک گیت دلکش ترنم کے ساتھ سنایا ہے جسے کافی پسند کیا گیا ہے۔ آپ کے بعد لکھنؤ سے آئے مہمان مطرب نظامی کا تعارف کراتے ہوئے شمسی مینائی فرما رہے ہیں۔ آپ کے اشعار میں دل کی دھڑکنیں سنائی دیں گی۔ مطرب نظامی نے مناسب ترنم سے غزل کا مطلع پڑھا ہے ؎

داغوں میں لگتا ہے آنکھ [illegible] پیام آیا ✽ آنسو کی حقیقت کیا لیکن مجھے کام آیا

مطلع پر مناسب داد پا کر ارشاد ہوا ہے ؎

کیا ترک محبت بھی اک لطف محبت ہے ✽ پھر دل مرا دل دھڑکا جب آپ کا نام آیا

اس شعر پر بھی مُضطرب نظامی کو خاصی داد ملی ہے۔ سُنئے آپ فرما رہے ہیں ؎

بدلی ہوئی دُنیا کے ماتھے پہ شکن کیوں ہے ❖ انسان اگر کوئی انسان کے کام آیا

ان کے ہاتھوں آپ کا مقطع بھی سُن لیجئے ؎

ہر سانس پہ ہوتا ہے اکثر یہ گماں مُضطرؔ ❖ اب اُن کا پیام آیا اب اُن کا پیام آیا

مضطرؔ صاحب کے بعد شمسی مینائی فرما رہے ہیں کہ میری کیا جرأت کہ میں ساجد صدیقی لکھنوی صاحب کا تعارف کراؤں انھیں آپ کئی سال سے سُن رہے ہیں تو ملاحظہ کیجئے ساجد صاحب سے اُن کا کلام ساجد صدیقی شوخ مصدری کی مکمل تصویر بن کر مائیک پر تشریف لائے ہیں اور بلند ترنم کے ساتھ غزل کا مطلع پڑھا ہے جس پر واجبی داد ملی ہے سُنئے ؎

ہر شے کی عقیدت سے تصویر نہیں بنتی ❖ ہر خاکِ قدم یارو اکسیر نہیں بنتی

اسی درمیان میں دیکھ رہا ہوں کہ اسٹیج سے تقریباً ۵۰ فی صدی شعرا اپنی ضروریات اور شغل کی تکمیل کے لئے غائب ہیں۔ اس کے باوجود ساجد صاحب کامیابی کے ساتھ اپنے اشعار سُنا رہے ہیں ؎

جب وقت بگڑتا ہے ہوتا ہے جہاں دشمن ❖ جب بات بگڑتی ہے تدبیر نہیں بنتی

خود جہدِ مسلسل سے قسمت کو سنوارو تم ❖ اوروں کے بنائے سے تقدیر نہیں بنتی

ان دونوں اشعار پر مناسب داد پا کر آپ نے دو اور اچھے شعر سُنائے ہیں جنہیں کافی پسند کیا گیا ہے۔ سُنئے ؎

مانگے ہوئے سکّوں کا معیار نہیں بنتا ❖ لُوٹی ہوئی دولت سے جاگیر نہیں بنتی

اے شیشہ گرو ابتک آخر یہ کمی کیوں ہے ❖ آئینہ بناتے ہو تصویر نہیں بنتی

ساجد صاحب مقطع سُنا رہے ہیں ؎

قسمت کے لکھے میں کیا ترمیم کروں ساجدؔ ❖ مجبور ہوں اس جیسی تحریر نہیں بنتی

ایک صاحب فرما رہے ہیں "کیا تحریر بنائی جاتی ہے"؟ بہرحال ساجد صاحب کامیاب و کامران اپنی جگہ تشریف لے آئے ہیں اور اب شمسی مینائی نے مجھے یاد فرمایا ہے۔ میں نے ۳ مختصر سی نظمیں سُنائی ہیں ایک نظم آپ بھی ملاحظہ کیجئے جس کا عنوان ہے طلب۔

اک تراشیدہ بُت کے سائے میں	ایک بد شکل و بد نُما پتھر
جانے کب سے پڑا ہوا تنہا ہے	اِسی اُمید کے سہارے پر
کاش! مجھ کو کوئی تو دستِ شوق	اور اِس کو بھی زندگی بخشے

اور اب کمال ہو۔ ابھی ناظمِ مشاعرہ شمسی مینائی صاحب کا تعارف کرا رہے ہیں۔ میرے پاس بیٹھے نعیم صاحب فرما رہے ہیں لیجئے ایک گھنٹے کی چھٹی۔ میں اِن سے عرض کر رہا ہوں کہ بھائی شمسی صاحب کی نظموں میں سیاسی شعور ملتا ہے اُس کے تحت وہ بعض صورتوں میں مجبور ہو جاتے ہیں کہ اُسے نہ صرف تفصیلی انداز میں بلکہ بیانیہ لہجہ میں پیش کریں تاکہ اسٹیج پر پڑھی جانے والی اِن کی یہ نظمیں سامعین کو زیادہ سے زیادہ متاثر کر سکیں اس طرح موصوف سیاسی اور سماجی حالات کی بعض مرتبہ بڑی کربناک تصاویر پیش کرنے میں کامیاب بھی ہو جاتے ہیں۔

دیکھا تو شمسی صاحب اپنی طویل ترین نظموں سے قبل چند قطعات سُنا رہے ہیں جنھیں اِن کی نظموں کا پس منظر کہا جا سکتا ہے۔ ایک قطعہ سُنئے ؎

سر سبز کوئی شاخ اگر سامنے آئی ❖ بس ایک نظر دیکھ لیا راہ گزر سے

سُوکھی ہوئی ہر شاخ کو سینے سے لگایا ❖ ہو جائے جو شاداب مرے عشق نظر سے

اسی کے ساتھ شمسی مینائی اپنی دو نظمیں سُنا کر کامیابی کے ساتھ واپس آ رہے ہیں۔ اور اب محترمہ صبا حیدر آبادی کا تعارف خاصے اچھے الفاظ میں کرایا جا رہا ہے۔ صبا صاحبہ مائیک پر پہنچ کر بڑے دلکش ترنم سے غزل کا مطلع پڑھ رہی ہیں۔ سُنئے ؎

پھر کوئی تازہ غزل اپنی سُناؤں کیسے ❖ آپ کو آپ کی تصویر دکھاؤں کیسے

مطلع پر مناسب داد پا کر جب یہ شعر پڑھا تو چاروں طرف سے اُنھیں داد ملی ہے ؎

لفظ مجبور ہیں اظہارِ حقیقت کیلئے ❖ مجھ پہ جو کچھ بھی گزرتی ہے سُناؤں کیسے

صبا کو ہر شعر پر داد مل رہی ہے اسی غزل کے چند اشعار اور سُن لیجئے ؎

عُمر گزری ہے محبت کے حسیں ہونٹوں میں	اِتنی یادوں کو میں اِس دل سے بھلاؤں کیسے
دل کے ہر زخم سے آتی ہے تمہاری خوشبو	زخم چھپ جائینگے خوشبو کو چھپاؤں کیسے
مسکرا کر شب... طنز کرے گی مجھ پر	میں سرِ شام چراغوں کو بجھاؤں کیسے

اور اِن کا مقطع بھی سُن لیجئے ؎

میری آنکھوں میں وہ رہتے ہیں صبا روز و شب ❖ اُن پہ الزامِ تغافل کا لگاؤں کیسے

صبا حیدر آبادی خاصی داد پا کر اپنی جگہ جانا چاہتی ہیں لیکن سامعین کے بے حد اصرار پر دوبارہ مائیک پر آنا پڑا ہے۔ ابھی اُنھوں نے دوسری غزل کا مطلع پڑھا ہی تھا کہ آواز نے اُن کا ساتھ چھوڑ دیا اور وہ پانی پینے کا بہانہ کر کے مائیک سے ہٹ گئی ہیں۔

ایک صبا مائیک سے ہٹی ہیں اور شمسی مینائی دوسرے صبا۔ صبا افغانی کو آواز دے رہے ہیں۔ رشیدی صاحب فرما رہے ہیں "دو

سے ہی صنعت سے تعلق رکھتے ہیں"۔ اس پر قہقہہ لگا ہے۔ بہرحال سُنئے
فغانی پسندیدہ ترنم سے پہلے دو اشعار سُنا رہے ہیں۔ جن پر خاصی داد
ہے اس کے بعد تازہ غزل سُنانی شروع کی ہے سنئے ؎

نق میں اُلجھنیں پہلے ہی کم نہ تھیں اور پیدا نیا درد سر کر لیا
لوگ ڈرتے ہیں قاتل کی پرچھائیں سے ہم نے قاتل کے دل میں بھی گھر کر لیا

مطلع پر مناسب داد ملی ہے انھوں نے ایک اور مطلع پڑھا ہے ؎

لی تو ہماری ذرا دیکھئے، اعتبار آپ کا وعدہ پھر کر لیا
بات تو صرف اِک رات کی تھی مگر انتظار آپ کا عمر بھر کر لیا

اس پر بھی مناسب داد ملی ہے اور صبا صاحب اپنا اگلا شعر
ا رہے ہیں ؎

سے بے وفا اور ستمگر کا تھا، آپ کا ایسی باتوں سے کیا واسطہ
آپ تو بے وفا اور ستمگر نہیں آپ نے کس لئے مُنہ اُدھر کر لیا

عوام نے اس شعر کے بے ساختہ لہجہ کی کافی داد دی ہے۔ اور سُنئے ؎

ن بھر کے شکوے گلے تھے مگر وقت اتنا کہاں تھا کہ دہراتے ہم
ایک ہچکی نے کہہ ڈالی سب داستاں، ہم نے قصّہ کو یوں مختصر کر لیا

اس شعر پر بھی صبا افغانی کو کافی داد ملی ہے اور اب آپ اپنی غزل
کا شعر پڑھ رہے ہیں ؎

ہی ملے گی کسے دل کا سکوں چین چھن جائیگا نیند اُڑ جائیگی
اپنا انجام سب ہم کو معلوم تھا، آپ سے دل کا سودا مگر کر لیا

سُنئے صبا صاحب مقطع سُنا رہے ہیں ؎

ا کے سفر میں بہت دُور تک جب کوئی دوست ہم کو نہ آیا نظر
ہم نے گھبرا کے تنہائی سے اے صبا، ایک دُشمن کو خود ہم سفر کر لیا

صبا افغانی خاصی داد پا کر اپنی جگہ واپس آ گئے ہیں اور اب شمسی مینائی کہ
رہے ہیں۔ "حضرات اب جگر تھام کے بیٹھو...... دیکھیے دکنی زبان
کے شاعر سلیمان خطیب آپکے سامنے آ رہے ہیں۔ خطیب صاحب
ا پر پہنچکر کچھ کہنا چاہتے ہیں لیکن وہ مائیک سے ذرا الگ کھڑے
ا سلئے برابر آواز نہیں آ رہی ہے۔ مجمع میں سے ایک صاحب نے
بلند آواز میں کہا ہے" پاشا۔ اسلام وعلیکم"۔ اس پر ایک قہقہہ بلند ہوا
خطیب صاحب اس سے قبل بھی یہاں آ چکے ہیں اس لئے عوام
ے اپنی پسندیدہ نظموں کی فرمائش کر رہے ہیں۔ خطیب صاحب نے
"پاؤ حکیم" سُنائی ہے اسی کے ساتھ دکنی لہجہ میں آپ نے اپنی دو

نظمیں اور سُنائی ہیں اور خاص داد پا کر اپنی جگہ آ گئے ہیں۔
سُنئے شمسی صاحب کہہ رہے ہیں اب آپکے سامنے اردو غزل کے
بڑے اہم شاعر آ رہے ہیں جنھوں نے اپنے شعر سے فانی، اصغر، جگر اور
فراق کے رنگِ تغزل کو باقی رکھا ہے اور اس میں آپ خاصے کامیاب بھی
ہیں دیکھا تو خمار بارہ بنکوی صاحب ایک شانِ متانت کے ساتھ مائیک
پر آ چکے ہیں اور مطلع ارشاد کیا ہے ؎

آسودگی سے عشقِ جواں کو بچایئے ∴ کوئی لبھو مان جائے تو خود روٹھ جایئے

مطلع پر کافی داد ملی ہے اور اسے ۳ بار پڑھوایا گیا ہے۔ خمار صاحب
ایک اور مطلع سُنا رہے ہیں ؎

سجدوں کا جشن پلئے صنم پر منایئے ∴ یہ کفر ہے تو کفر پہ ایمان لایئے

داد کا ریلا ہے جو چاروں طرف سے اُمڈ آیا ہے ؎

کیا واقعی لگاؤ نہیں مجھ سے آپکو ∴ آئینہ دیکھ لیجیے پھر یہ بتایئے

اس شعر پر بھی کافی داد ملی ہے۔ سُنئے خمار صاحب فرما رہے ہیں
میں نے اس شعر میں غصہ، شرمندگی، اور حیرت کی کیفیتوں کو بیان کیا
ہے۔ ملاحظہ کیجیے ؎

یہ کون آدمی رات کو آیا ہے میکدہ ∴ تو یہ جناب شیخ ہیں تشریف لایئے

اس شعر کو بھی کافی بار پڑھوایا گیا ہے۔ لیکن آج خمار صاحب
کی آواز کام نہیں کر رہی ہے پھر بھی شعر بڑے خوبصورت سُنا رہے ہیں ؎

بے موت مار ڈالیں گی یہ ہوش مندیاں	جینے کی آرزو ہے تو دھوکے بھی کھایئے
کانٹوں کو ہو سکے نہ غمِ بے تعلقی	اس حُسنِ احتیاط سے دامن بچایئے
کافی ہے عرضِ غم کے لئے مشتعل ہنسی	رو رو کے عشق کو نہ تماشہ بنایئے

اِن تینوں اشعار پر خمار صاحب کو خاصی داد ملی ہے۔ سُنئے آپ
مقطع پڑھ رہے ہیں ؎

مژدہ خمار منزلِ آخر ہے سامنے ∴ اب زندگی میں جو بھی ہوا بھول جایئے

خمار صاحب سے سامعین مزید سُننا چاہتے ہیں لیکن آپ اپنی جگہ
تشریف لے آئے ہیں اور اب شمسی مینائی فرما رہے ہیں کہ یہ مشاعرہ جشنِ عمر
وکماک کے سلسلے میں منعقد کیا گیا ہے۔ اس لئے اِن دونوں حضرات سے
تبرکاً ایکبار پھر ان کا کلام سُنا جائے اس لئے پہلے بیدی صاحب سے
ان کا کلام ملاحظہ فرمایئے۔ بیدی صاحب سے خمریات پر ان کے قطعات
سُنانے کی فرمائش کی جا رہی ہے۔ آپ فرما رہے ہیں وہ کل سُناؤں گا
آج دوسرا کلام سُنئے ؎

ترے پرتو سے عیاں ہوں میں بھی تو نہیں ہے تو کہاں ہوں میں بھی
آگ سے آگ نہ بجھائے کہیں تو حسیں ہے تو جواں ہوں میں بھی

مناسب داد پانے کے بعد بیدی صاحب نے غزل کے تین اشعار سنائے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے ؎

جام گردش میں ہے ساون کی جھڑی ہے یارو
گردشِ وقت ابھی دور کھڑی ہے یارو
میری قسمت مرے قدموں پہ پڑی ہے یارو
منہ تو چھوٹا ہے مگر بات بڑی ہے یارو
یادِ ماضی کو نہ چھیڑو مرو مولیٰ مجھ سے
یادِ ماضی تو بڑھاپے کی چھڑی ہے یارو

بیدی صاحب کو ان اشعار پر کافی داد ملی ہے اور آپ فیملی پلاننگ پر ایک نظم سنانے سے قبل فرما رہے ہیں کہ میں مزاحیہ اور طنزیہ شعر بہت کم کہتا ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہمارا ملک کتنی ہی ترقی کیوں نہ کرے اگر آبادی پر کنٹرول نہیں کیا جاتا تو مستقبل میں کئی خطرے ابھر سکتے ہیں اس لئے اپنی اس نظم میں اسی قسم کے کچھ اشارے کئے ہیں ملاحظہ فرمائیے

اچھا ہے گر ہو بیوی اور شوہر میں تال میل
ڈالو نہ نونہال کی بہتات سے ناک میں نکیل
اس بات پر کیا ہے کبھی تم نے غور بھی
دو چار دیر فکر ہیں ان سے بھی ہے خطا
زیبا نہیں ہے آپ کو معشوقی آپ تاب
کرتے ہیں آپ پیش یہ الٹی مثال کیوں

لیکن نہ اس قدر کے ہو تو نکلی ریل پیل
واقف اگر ہو وقت تو کھیلو کبھی کھیل
مردانگی دکھانے کے میداں ہیں اور بھی
بچے ہیں چار چھ تو ٹھہر جائیے جناب
جب ڈھل چکا شباب تو بیکار ہے خضاب
باسی کڑھی میں آئے اب آخر ابال کیوں

بیدی صاحب کی نظم کے بعد لوگ بیٹھ رہے ہیں۔ شمسی مینائی فرماتے ہیں دیکھئے بس ۵۔۱۰ منٹ میں مشاعرہ ختم ہوا چاہتا ہے آپ تھوڑی دیر اور تشریف رکھئے۔ اب آپ کے سامنے ایک ایسے شاعر تشریف لا رہے ہیں جن کے کلام میں پختگی ہے ملاحظہ کیجئے جناب غفار اکبر آبادی صاحب سے ان کا کلام۔ غفار صاحب مائیک پر تشریف لا چکے ہیں۔ پہلے چند قطعات سنائے ہیں جن پر کافی داد ملی ہے۔ دو قطعات آپ بھی سنئے ؎

ہنس کے ساحل نے بھی ٹھکرا دیا جن لاشوں کو
موت بھی بھول گئی بھولنے والوں کی طرح

ضابطہ ہم کو بتاتا ہے کہ ان لوگوں میں
کوئی لڑھیا ہی نہیں ڈوبنے والوں کی طرح

لپٹی شناخوں سے یوں لپٹی ہوئی ہیں ÷ تلاطم جیسے تھک کر سو گیا ہے
میں دیوانہ ہوں میری بات چھوڑو ÷ تجھے دنیا سے کہیں کیا ہو گیا ہے

قطعات سنانے کے بعد غفار صاحب نے غزل کا مطلع پڑھا ہے جس پر مناسب داد ملی ہے سنئے ؎

وہ ایک شخص جو سب سے خفا سا لگتا ہے ÷ نہ جانے کیوں اسے دل کو بھلا سا لگتا ہے

ایک شعر اور سنانے کے بعد موصوف ایک اچھا شعر سنا رہے ہیں جس پر بے حد داد مل رہی ہے آپ بھی سنئے ؎

اب اس مقام پہ تیرا تغافل ہے جہاں ÷ مزاج پوچھنے والا خدا سا لگتا ہے

سنئے غفار صاحب فرما رہے ہیں ؎

یہ قاتلوں کا طرفدار ظالموں کا شفیق
چراغِ محفلِ دانش وراں ہو گیا علوم
تمہارے عہدِ وفا کا یقین ہے لیکن
خلوص دوست پہ شکوک ہے نہ استغنا

ترے خلوص کا مارا ہوا سا لگتا ہے
وہ آدمی جو تمہیں سر پھرا سا لگتا ہے
قسم کے ساتھ تبسم گرا سا لگتا ہے
وہ بے وفا تو نہیں بے وفا سا لگتا ہے

غفار صاحب کو ہر شعر پر خاصی داد ملی ہے۔ لیجئے شمسی مینائی صاحب سامعین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کل رات نو بجے تک کے لئے اس مشاعرے کے اختتام کا اعلان کر رہے ہیں۔ اس وقت رات کے دو بج چکے ہیں۔ اب مجھے بھی اجازت دیجئے۔ آداب!! (دو سکریٹری کی کارروائی اگلے شمارے میں ملاحظہ کیجئے)

سردار دیوان سنگھ مفتوں مرحوم
کی
شہرۂ آفاق آپ بیتی اور جگ بیتی
ناقابلِ فراموش
اگر آپ نے اب تک مطالعہ نہیں فرمائی تو یوں سمجھئے کہ آپ نے اردو ہی نہیں پڑھی ——— بڑے سائز ۲۹×۲۲ کے ۶۲۰ صفحات اعلیٰ کاغذ بہترین کتابت۔ روشن چھپائی مجلد اور دلکش گرد پوش۔
قیمت تیس روپیہ۔ محصول ڈاک تین روپیہ۔
دفتر شانِ ہند، خلیط ۳۔ انصاری مارکیٹ دریا گنج نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

قاتل

سروری ریاض

محترم چچا جان — آداب

لیجیے حسب وعدہ اپنی دوسری تخلیق "قاتل" لے کر حاضر ہو رہی ہوں۔ یہ کہانی میں نے پانچ ماہ پہلے لکھنی شروع کی تھی لیکن گھریلو ذمہ داریوں کی وجہ سے اسے اس وقت مکمل نہ کر سکی۔

میری پہلی کہانی "انتقام" کے سلسلے میں بہت پیارے پیارے خطوط موصول ہوئے ہیں ان میں دو خطوط نے مجھے بے حد متاثر کیا ہے۔ ایک خط تو لکھنؤ کی مس فرحت کا اور دوسرا میرٹھ کے سیف احمد صدیقی صاحب کا — میری کہانی ان کے حالاتِ زندگی سے اس قدر مطابقت اختیار کر جائے گی کہ بے اختیار ان کے آنسو نکل آئیں گے یہ میں نے سوچا بھی نہ تھا —!

دعا گو
آپ کی بھتیجی — سروری ریاض
علی گو — مئو ناتھ بھنجن (یوپی)

باتھ روم سے باہر نکلتے ہی ملازم نے بتایا کہ [illegible] صاحب پھر آئے ہیں۔ میں نے ملازم سے ڈرائنگ روم میں بٹھلانے کے لئے کہا اور اپنے کمرے میں کپڑے بدلنے چلا گیا۔ میں ان صاحب سے جلد سے جلد ملنا چاہتا تھا۔ کیونکہ وہ کئی دنوں سے بار بار آ رہے تھے اور مجھ سے ملاقات نہ ہوتی تھی۔ میں نے جلدی جلدی ناشتہ کیا اور ڈرائنگ روم کی طرف چل دیا جہاں وہ میرا انتظار کر رہے تھے۔ میرے اندر داخل ہوتے ہی وہ کرسی سے اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ میرے کچھ کہنے سے پہلے ہی انھوں نے پوچھا — "اقبال صاحب آپ ہی ہیں؟" — "جی!" میں نے اثبات میں گردن ہلا دی۔ "کیا آپ شبانہ کو جانتے ہیں؟" یہ ان کا دوسرا سوال تھا۔ شبانہ کا نام سنتے ہی میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا میں نے ایک ٹھنڈی آہ کے ساتھ کہا — "جانتا تھا! لیکن آپ کا ان باتوں سے کیا واسطہ؟" میرے لہجے میں ذرا سختی آ گئی تھی۔ وہ کہنے لگے — "معاف کیجیے گا میں سرکاری وکیل ہوں اور آپ کے متعلق پوری جانکاری کے لئے یہاں آیا ہوں۔ شبانہ نے خودکشی کر لی ہے اور مرنے سے کچھ دن پہلے اپنی ساری جائداد اور بنک میں رکھا ہوا پچیس ہزار روپیہ بھی آپ کے نام کر گئی ہے۔"

یہ سن کر میں ماضی کے دھندلکوں میں کچھ تلاش کرنے کی کوشش کرنے لگا — اور شبانہ کی یادوں کی پازیب ٹوٹ کر بکھرنے لگی۔ لیکن مجھے ابھی یقین نہیں آ رہا تھا کہ شبانہ نے ایسا کیا ہوگا —! اس کے بعد انھوں نے ایک کاغذ کا پلندہ میرے آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "لیجیے آج سے آپ تمام جائداد کے مالک ہیں!" ان کاغذات کو میں بغور دیکھنے لگا۔ میں شبانہ اپنی تمام جائداد اور بنک میں رکھا ہوا پچیس ہزار روپیہ میرے نام ٹرانسفر کر چکی تھی۔ ساری رات میں اس روپیہ اور جائداد کے متعلق سوچتا رہا۔ آخرکار میں نے فیصلہ کر لیا کہ اس روپیہ کو غریبوں اور بیواؤں میں تقسیم کر دوں گا۔ ایک طوائف کی دولت کو ہرگز ہرگز اپنے مصرف میں نہ لاؤں گا اور جائداد کو کسی فلاحی ادارے کے نام منتقل کر دوں گا اور میں جسم فروشی سے حاصل کی ہوئی دولت سے تعمیر شدہ اس کوٹھی میں قدم بھی نہ رکھوں گا —!

کچھ دیر کے لیے شبانہ میرے دل و دماغ پر چھا گئی۔ میں تھوڑی دیر کے لئے حال کی وادیوں سے نکل کر ماضی کے شکستہ مزاروں سے بے کفن لاشیں کھینچنے لگا — اور دو سال پہلے کا واقعہ میری نظروں کے سامنے گھومنے لگا۔ جب میں چند ساتھیوں کے بہکانے میں آ کر زندگی میں پہلی بار طوائفوں کے محلے میں چلا گیا تھا ایک بالاخانے سے آ رہی گانے کی دلکش آواز ہمیں اپنی طرف کھینچ گئی اور ہمارے قدم غیر ارادی

طوہ پہ اس بالاخانے کی سیڑھیوں پر چڑھتے چلے گئے۔ ایک جوان خوبصورت لڑکی شاخِ گل کی طرح لچکتی رقص کر رہی تھی۔ اس کے چہرے پر گلاب کے شاداب پھولوں کی تازگی، ہونٹوں پر کلیوں جیسی مسکراہٹ، اجلوں کی پتلی پتلی انگلیاں جن کے ترشے ہوئے لمبے لمبے ناخن نہایت ہی صاف اور شفاف نظر آ رہے تھے، سُرخ ساڑی میں ملبوس لال پری معلوم ہو رہی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا بلوری جام میں سُرخ شراب چھلک رہی ہو! میری نظریں اس کے پاؤں پر جم گئیں قیامت کے گورے پاؤں تھے جن پر گھنگھروؤں نے عجیب دلکشی پیدا کر رکھی تھی۔ اور اس کے ریشمی بالوں سے اُڑتی ہوئی خوشبو فضا کو معطر کر رہی تھی۔ میرے ساتھیوں نے اُس لڑکی سے اصرار کیا کہ وہ مجرا بند کر دے اور ہمارے ساتھ رات گزارے لیکن وہ اس بات کے لئے قطعی راضی نہ تھی وہ غصے میں کانپنے لگی اور ہمیں فوراً وہاں سے نکل جانے کے لئے کہا۔ اس بات میرے ساتھیوں نے اس کے ساتھ زبردستی کرنی چاہی۔ بات بہت آگے بڑھ گئی اور ایک نے چاقو سے اس لڑکی پر حملہ کر دیا۔ میں تیزی سے آگے بڑھا اور لڑکی کو اپنی باہوں میں لے لیا چاقو میری پیٹھ میں گھس گیا جب مجھے ہوش آیا تو میرے ساتھی مجھے چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ وہ لڑکی میرے پاس ہی بیٹھی آنسو بہا رہی تھی ـــ پھر وہ کہنے لگی ـــ فلمی دنیا میں کام کرنے کا جنون حد سے آگے بڑھ گیا تھا۔ اور میں پانچ سال پہلے اپنا گھربار چھوڑ کر بمبئی چلی آئی تھی۔ دو سال تک در در کی ٹھوکریں کھانے کے بعد مجبوراً میں نے گھنگھروؤں کا سہارا لیا۔ لیکن خدا گواہ ہے میں نے عزت کا سودا کبھی نہیں کیا۔ وہ زار زار رونے لگی۔ اس کی دردناک کہانی سُن کر میرا دل بھر آیا مجھے اس لڑکی سے بے حد ہمدردی ہو گئی۔ میں ہر روز اس کے بالاخانے پر جاتا اور گھنٹوں بیٹھا اس سے باتیں کرتا رہتا اور ہر موضوع پر بات کرتی اس کی باتوں سے اتنا معلوم ہوا کہ وہ لکھنؤ کے کسی پڑھے لکھے خاندان کی لڑکی ہے۔ لیکن میں نے اس کی نجی زندگی کے بارے میں اس سے کبھی کچھ نہ پوچھا۔ سوچا ان باتوں سے اُسے تکلیف پہنچے گی رفتہ رفتہ میں اس کے بہت ہی قریب ہو گیا ایک انجانی خواہش کی تمنا لئے ہر شام میرے قدم خود بخود اس کے بالاخانے کی طرف بڑھنے لگے۔ اس طرح کئی مہینے بیت گئے۔ ایک دن بہت رات تک میں اسکے یہاں بیٹھا باتیں کرتا رہا۔ لاکھ دل چاہا کہ اب گھر چلوں لیکن خلافِ معمول میں بیٹھا رہا۔ ایک تشنگی تھی جو دریا میں رہتے ہوئے بھی پیاسا رکھتی تھی ایک بھوک تھی جو مجھے بہکاتی، ورغلاتی، بغاوت پر آمادہ کرتی۔۔۔۔ اور پھر میں نے اس سے اپنی۔۔۔۔ خواہش کا اظہار کر ہی دیا۔

" شبانہ! کیا مجھے خود ہی اس رات کا مطلب سمجھنا ہوگا؟" میرا یہ جملہ سنتے ہی اس نے اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیا اور بہت بے رُخی سے اُٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔۔۔۔۔ ایک طوائف کے انکار نے میری انا کو ٹھیس پہنچائی اور میرا دل پاش پاش ہو کر رہ گیا! میری بے چینی بے حد بڑھ چکی تھی، میرا ذہنی سکون درہم برہم ہو چکا تھا۔ میں وہاں سے اُٹھا اور تیزی سے باہر نکل گیا! اُس نے مجھے روکنے کی بہت کوشش کی لیکن میں نہ رُک سکا۔ اور پھر آج تک میں نے اس کی گلی کا رُخ نہیں کیا! اُس کے بعد اُس کے خط آتے رہے لیکن میں کسی خط کا جواب نہ دیتا۔ آج ایک مدت کے بعد شبانہ کے وہی خطوط ایک بار پھر میری میز پر بکھرے پڑے ہیں اور انھیں بار بار پڑھ رہا ہوں اور نہ جانے کب تک پڑھتا رہوں گا!

۸ راپریل ۱۹۷۲ء

پیارے اقبال! صدیوں کا پیار ـــ!

اتنی سی بات پر تم اس طرح رُوٹھ کر چلے جاؤ گے میں نے سوچا بھی نہ تھا۔ جانتے ہو میں تم سے کتنی محبت کرتی ہوں اتنی کہ آج تک کسی عورت نے کسی مرد سے نہ کی ہوگی ـــ"

تمہاری شبانہ"

۱۰ راپریل ۱۹۷۲ء

میرے اقبال! میری کائنات ـــ!

میں آج ایک عجیب کرب اور اُلجھن محسوس کر رہی ہوں، میں کیا چاہتی ہوں مجھے خود نہیں معلوم۔ مجھے محسوس ہو رہا ہے جیسے میں چاند اور سورج کی طرح اپنی بے مقصد زندگی کے آکاش پر تنہا چکر لگا رہی ہوں۔ بے مقصد اور بے منزل۔ نہ جانے کہاں میری منزل ہوگی؟ شاید کہیں بھی نہیں!

کبھی کبھی تو اپنے آپ کو سمندر کی بیقرار لہروں کے حوالے کر دینے کو جی چاہتا ہے۔ ہو سکتا ہے کسی دن تمہیں یہ خبر مل بھی جائے اور چند لمحوں کیلئے تمہیں میرا خیال آ جائے گا اور پھر تم یوں بھول جاؤ گے جیسے کچھ ہوا ہی نہیں!!

دل کا بھی کیا قصور تمہاری بھی کیا خطا (ہے) بد قسمت مجھ سے خود میری قسمت نے کیا کھیل

بدنصیب ــــ شبانہ

۲۴ر اپریل ۱۹۶۳ء

پیارے اقبال! میرے پیار! میری زندگی!

آخر کس گناہ کی سزا تم مجھے دے رہے ہو۔ ایسی سزا نہ دو کہ جی بھی نہ سکوں! اب تو میری زندگی میں درد کرب آنسو اور آہوں کے سوا کچھ نہیں ہے۔ ایک بار آجاؤ صرف ایک بار۔ میرے دل کی دنیا درہم برہم ہو رہی ہے۔ چاروں طرف تاریکی ہی تاریکی ہے۔ روشنی کی کوئی کرن نہیں۔ آخر کب تک روٹھے رہو گے۔ اب آ بھی جاؤ میرے محسن! میری زندگی میں اندھیرا بڑھتا ہی جارہا ہے کہیں اس اندھیرے میں ہمیشہ کیلئے گم نہ ہو جاؤں۔ کھو نہ جاؤں۔ میرے دل میں مچلتے طوفان کچھ کہنا چاہتے ہیں! آؤ گے نا!! میری آنکھیں تمہاری ہی راہ دیکھ رہی ہیں۔

زندگی یوں تو ہمیشہ سے پریشاں سی تھی
اب تو ہر سانس گراں بار ہوئی جاتی ہے

تمہاری ــــ شبانہ

۲۰ر مئی ۱۹۶۳ء

میرے ندیم! سلامت رہو۔

نہ جانے خدا نے انسان کو عقل سلیم کیوں عطا فرمائی عقلِ سلیم عطا فرمائی تو پھر اُس نے انسان کو ایک حساس دل کیوں بخشا، دل بخشا تو اس میں جذبات کیوں بخشے، جذبات بخشے تو غم واندوہ اور خوشی وانبساط کیوں بخشے۔ غم واندوہ اور خوشی وانبساط بخشے تو زندگی کیوں بخشی اور اگر زندگی بخشی ہی تو پھر زندگی کیوں بخشی ــــ نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم!

تمہاری ہی ــــ شبانہ

اسی طرح ایک سال بیت گیا۔ اب اس کے خط آنے بند ہوگئے۔ میرے ذہن سے اس کی یادوں کے نقوش بھی مٹ گئے......

کئی سال بعد پچھلے مہینے مجھے پھر اس کا ایک خط ملا تھا۔ اس خط نے میرے دل میں ایک طوفان برپا کر دیا تھا۔ اس نے لکھا تھا......

یکم مئی ۱۹۶۶ء ــــ پیارے اقبال! بہت بہت پیار!!

اپنا کردار تیرے قریب کے لمحوں کیلئے دیدو، اک امانت کی طرح میں نے اٹھا رکھا ہے

شاید تم مجھے ہمیشہ کیلئے بھول چکے ہو گے لیکن میں تمہیں کیسے بھول سکتی ہوں!! یہ میرا آخری خط سمجھنا۔ آجکل میں ذہنی الجھنوں میں بُری طرح اُلجھی ہوئی ہوں۔ شاید یہ میرا مقدر بن چکی ہیں ... ہوں ان اُلجھنوں اور پریشانیوں سے ہمیشہ کیلئے چھٹکارا حاصل کر لوں گی۔ ابدی نیند سو جاؤں۔ آج ایکبار پھر آخری التجا کر رہی ہوں۔ ہو سکے تو تھوڑی دیر کیلئے ہی سہی آجانا۔ کوئی بھی لمحہ میری زندگی کا آخری لمحہ ہو سکتا ہے!!

کل سحر ہو کہ نہ ہو رات کٹے یا نہ کٹے	دفن ہوتی ہے اندھیروں میں جوانی میری
گلشن یاسِ تمنا پہ خزاں چھائی ہے	ہائے پہلے ہو گئی برباد جوانی میری

کاش تو نے میری آنکھوں سے ٹپکتے آنسو
ریشمی پیار کے آنچل پہ اٹھائے ہوتے

تمہاری ہی ــــ شبانہ

شبانہ کے اس آخری خط نے میرے دل میں ایک تڑپ پیدا کر دی تھی اور میں اس سے ملنے کے لئے بے چین ہو گیا تھا۔ اس کے پاس کئی بار میں نے جانے کا ارادہ کیا لیکن نہ جانے کیوں ہر بار میرا ارادہ ڈگمگا کر رہ جاتا اور یہ سوچ کر رہ جاتا کہ عورت کو سمجھنا بہت مشکل ہے! عورت ایک حسین راز ہے! ... کا یہ مقولہ میرے دل و دماغ میں نشتر چبھوتا رہا کہ "عورت کی محبت نقش بر آب ہوتی ہے اور اس کی وفاداری ریگ کی تحریر"!

اُف! میں نے کتنی شدید غلطی کی ــــ مجھے اس طرح پتھر نہیں بنانا چاہیئے تھا۔ اسے ایک مرد کی سچی ہمدردی کی سخت ضرورت تھی جو اسے سہارا دے سکتا۔ آج میرا ضمیر مجھے ملامت کرتا ہے تو میں چیخ چیخ کہتا ہوں جیسے میں ہی شبانہ کا قاتل ہوں! میری پیشانی عرق آلود ہو گئی ہے، جیسے میں ہی شبانہ کا قاتل ہوں ــــ جیسے شبانہ کی لاش میرے سامنے پڑی ہے! اُس کی آنکھیں کھلی ہیں! جیسے ان میں اب بھی میرا انتظار ہو! ــــ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ہے۔ شاید یہ میری سرد مہری پر زہر خند ہے!!

میرا دل کہہ رہا ہے ــــ تم شبانہ کے قاتل ہو۔ میرا ضمیر کہہ رہا ہے ــــ تم شبانہ کے قاتل ہو!! میری پیشانی ہی عرق آلود نہیں، سارا جسم عرقِ انفعال سے بھیگا جا رہا ہے!!

اگر کنبہ چھوٹا ہو تو والدین ہر بچے پر زیادہ توجہ دے سکتے ہیں اور اسے زندگی کی زیادہ سہولتیں مہیا کر سکتے ہیں۔ اس سے ملک کو بھی بحیثیت مجموعی اپنے وسائل کے بہتر استعمال کا موقع ملتا ہے۔

فیملی پلاننگ ہماری قومی ترقی کے پروگرام کا ایک لازمی جزو ہے اور ہم نے اسے عملی جامہ پہنانے کے لئے اپنے تمام ذرائع کو بروئے کار لانے کا تہیہ کر رکھا ہے۔

اندرا گاندھی

مقرّب حسین مقرّب

نام مقرّب حسین مقرّب ـــ تخلّص مقرّب ہی رکھا۔
حالاتِ زندگی :۔ اصل وطن دیوبند (یو۔پی) والد ماجد حسین زیدی کا
سلسلۂ ملازمت گوالیار آ گئے اور پھر گوالیار ہی میں تعلیم و تربیت حاصل
چھوٹی سی نوکری سے زندگی شروع ہوئی اور آج اسسٹنٹ ڈسٹرکٹ
مائنز آفیسر ہوں۔ یہ سب خدا کا کرم ہے۔
تعلیم :۔ منشی۔ ادیب کامل اور بی اے۔
شاعری ورثے میں ملی۔ باپ ماجد حسین زیدی غزل کے شاعر
ہے۔ میں نے غزل سے شروعات کی اور طنز و مزاح کا رنگ اختیار
جس مقام کی تلاش ہے وہ ابھی دور ہے۔

نمونۂ کلام

روایتی شاعری پر طنز

اگر زلف کھولوگے تم اے حسینو ؛ یہ کہدینگے کالی گھٹا چھا رہی ہے
جو زلف باندھی تو کہدینگے شاعر ؛ یہ ناگن ہے کاندھوں پہ بل کھا رہی ہے

ہر اک بات میں ہے حسینوں کی شامت
جو کھولیں تو آفت جو باندھیں تو آفت

اگر پھول زلفوں میں تم نے لگایا ؛ یہ کہدینگے دیکھو چمن جا رہا ہے
جسکو کہتے ہیں رہتا ہے قائم ؛ کہاں جا رہا ہے کہاں آ رہا ہے

ذرا شاعروں کی تو دیکھو حماقتیں
کہ کیسے حسن کے لگا دی ہیں ٹانگیں

[illegible]اگیری

[illegible]ں نے ہاتھ جوڑ کے نیتا سے جب کہا ؛ غالب شتابدی پہ شریمان بولیے
شہر میں پڑھے لکھے لوگ آپ ہی تو ہیں ؛ جنتا پہ کچھ وچار ذرا اپنے کھولیے

نیتا یہ بولے رنگ ہم اچھا جمائینگے
یہ تو بتاؤ جلسے میں غالب بھی آئینگے

[illegible]ے سامنے والی کھڑکی میں ایک چاند کا ٹکڑا رہتا ہے۔

مقرّب آج تک اس بات پر حیران ہیں ؛ کون سے شاعر تھے وہ جو بات پھیلا گئے
وہ بھی جانتے ہیں چاند نکلے ہے ؛ پر یہ چاند کمرے کھڑکیوں میں کہاں سے آگئے

(۱)

ایک نظم اور پیش کر رہا ہوں۔ نظم کی تھوڑی سی خصوصیت یہ ہے
کہ شروع میں یہ معلوم نہیں ہوتا ہے کہ موضوع کیا ہے۔

دلچسپ سفر

ایک بس میں جا رہا تھا رات کو اندھیرے ؛ موسم سرما تھا سردی پڑ رہی تھی زور سے
میرے اگلی سیٹ پہ شاں کوئی سویا ہوا ؛ ایک خوبصورت سی لڑکی شال میں لپٹا ہوا
دندناتی بس چلی جاتی تھی اپنے جوش میں ؛ سب مسافر جا چکے تھے نیند کی آغوش میں
اونچے نیچے راستے پر بس کو اک جھٹکا لگا ؛ سامنے والے مسافر کا یہ راز افشا ہوا
اسکی زلفیں کھل گئیں زانو پہ میرے گر گئیں ؛ دیکھ کر یہ ماجرا میری نگاہیں پھر گئیں
کیا کہوں نظروں میں میری حیرت بیاں ہو گئیں ؛ اسکی زلفیں میرے گھٹنوں پر پریشاں ہو گئیں
عمر بھی خوش صحبت میں تھا ایسا ہی کیا کروں ؛ کیا ہٹا دوں اسکی زلفیں یا انہیں آواز دوں
آرزو جاگی کہ دیکھوں اسکے خدّ و خال میں ؛ نازنیں ہے کون جس کے اتنے لمبے بال ہیں
عقل کہتی تھی ہٹا زلفوں کو اپنی گود سے ؛ دل یہ کہتا تھا اے بے خبر کچھ اپنے بھی سے
عقل کہتی تھی سنبھالو زلفوں کو اب بھیا چھڑا ؛ دل یہ کہتا تھا حسینہ کو نہ سوتے سے جگا
عقل کہتی تھی [illegible] کو ذرا پہچان لے ؛ دل یہ کہتا تھا کہ یہ موقع غنیمت جان لے
عقل کہتی تھی کہ عزت جائے گی تیری ضرور ؛ دل یہ کہتا تھا کہ اس میں ہے بھی کیا تیرا قصور
عقل اور دل کی لڑائی سے میں غافل ہو گیا ؛ نیند کچھ مجھ کو بھی آئی اور میں بھی سو گیا
رات جب رخصت ہوئی اور صبح جب نکلی ؛ بعد کچھ عرصے کے بھائی نیند میری بھی کھلی
اپنے گھٹنوں کی طرف میں نے نگاہ کی جب نہیں ؛ اب بھی وہ گیسو پڑے زانو پہ تھے جلوہ فگن
سونے والے کو دکھایا مجھ کو کہ اب سویا ہے ؛ یا الٰہی کیا ہوا یہ تو کوئی سردار ہے
حسرتیں سب مٹ گئیں ارماں بھی جاتے رہے ؛ کیا بتاؤں دل ہی دل میں کیا کیا سننے آتے رہے
میں نے بھی جھگڑ کر دیکھا سردار جی سے یہ کہا ؛ تو ذرا بھی لحاظ نہ کیا گھٹنوں پہ میرے بھائی ہٹا
ہنس کے کہا میری بھابھی دیتی سر ڈاڑھی ؛ زلف جو پھیلی تھی اسکو خوب کر باندھ لی
آگئی منزل اتر کر بس سے اپنے گھر گیا ؛ پینٹ پر اپنی مجھے ایک تیل کا دھبّہ دکھا
پینٹ پر دھبّہ تھا گہرا جیسے کچھ میل ہو ؛ یہ گماں مجھ کو ہوا زلفوں میں کڑوا تیل تھا
میں نے بیوی سے کہا یہ پینٹ دھو ڈالنا ؛ پڑ گیا ہے اس پہ دیکھو کوئی دھبّہ تیل کا
پھر کچھ لوگ کے بیوی پہ نظر میری پڑی ؛ پینٹ پہ دھوتے چلی آتی ہے غصّے میں بھری
کہنے بھی لگی کہ تم کو شرم آنی چاہیے ؛ آئے ہو کیوں پاس میرے بس میں پڑ کر لیٹ کے

میں نے سوچا میں ابھی آیا ہوں اسکو کیا ہوا
جانے کیوں کرتی ہے جھگڑا مجھ سے اس بات کا

جب یہ پوچھا کیا ہوا کچھ تو بتا اے جان جاں
یہ تری آنکھوں میں آنسو آ گئے کیوں گل بدن

بولی جو ہو جان جاں تم جانتا ہوں اس سے کہو
جو تمہاری گل بدن ہو گل بدن اس سے کہو

اب نہیں کچھ واسطہ ہیں اسلئے آتے ہو گھر
پڑ نہ جائے ایسی کرتوتوں پہ میری بھی نظر

کر رہے ہو یہ حرکتیں رہ کر پتی کے بھیس میں
اس لئے ہی کیا اکیلے رہتے ہو پردیس میں

میں بھی خود حیرت میں تھا اسکو ابھی کیا ہو گیا
ہائے یہ آتش فشاں میرے ہی گھر میں پھٹ پڑا

جب کہا میں نے کہ دیکھو بول کچھ تو بتا
مجھ سے اے دیوی ہوئی ہے کونسی ایسی خطا

کچھ بتلاؤ کس لئے یہ تیرا پارہ گرم ہے
دیکھ کر حالت تری میری طبیعت نرم ہے

پانچ بچوں کے پتا ہو آپ یہ بھی یاد ہے
سچ بتاؤ پینٹ پر یہ کس کا لمبا بال ہے

آگئے ہو کیوں یہاں پاس میرے لیٹ ہی پڑ جائیے
بال یہ جیکٹ سے اس سے چپکا ہی سوئے

دیکھ کر یہ بال کالا نے لگی مجھ کو ہنسی
میں نے دھیرے سے کہا مرا دیا سرارجی

پھر کہا میں نے کہ سن اے میرے گھر کی شانتی
پینٹ دھلوانے پہ آئے گا بہت ارجی

پھر حقیقت داستاں میں نے سنا دی تھا کی
سن کے ساری داستاں بیوی کو بھی آئی ہنسی

اب نہ چکر میں پھنسوں گا گیسوئے خمدار کے
بھول کر بھی پاس بیٹھوں گا نہ اب سرکار کے

ایک نئی نظم "ایمرجنسی کا قیدی" کا ایک بند پیش خدمت ہے

ایمرجنسی کا ایک بدبخت قیدی
سنا ہے کہ جب جیل سے باہر آیا

دکھا کوئی اس کو نہ اپنا پرایا
وہ چلایا یہ کیسا ستم ہے خدایا

کدھر چل دیئے دل کو بہلانے والے
کہاں مر گئے ہار پہنانے والے

بقیہ صفحہ ۲۳

وفا رحمانی

سناؤں کیا کسی کو داستاں میں اپنی قسمت کی ✤ بہت ہی مختصر روداد ہے ... کی
ضرورت کچھ نہیں ہے اب یہاں اظہار حقیقت کی ✤ تقاضہ ہے رضا غزل عشق کی ردیف ...

جہاں محسوس ہوتی ہے وہاں محسوس ہوتی ہے (دیباچہ)

نظر سے ... بجلی تو اب بھی گلشن پر ہے ✤ بہت ہی ناز انکو اپنے عہد حسن پر ہے
بپا ہنگامہ محشر سیاں کے ہر علم پر ہے ✤ حریفوں کی نظر اب بھی گلستاں وطن پر ہے

رہیں ہشیار آزادی کی منزل دیکھنے والے (شعری بھوپالی)

وفا صاحب نے تضامین مخمس کے انداز پر ہی کی ہیں۔ مثلث، مربع، مسبع و مثمن میں بھی ہوتیں تو یکسانیت بدل جاتی اس کا بھی خیال نہیں رکھا گیا کہ تخلص محض تخلص ہی کی حیثیت سے آتا بہتر ہے۔ مصرعہ کا جزو بن کر نہیں۔ بیشتر مشاہیر شعراء موجودہ و مرحوم گل ہائے شگفتہ میں خیال رکھا گیا ہے۔ بہرصورت وفا صاحب اپنی حد تک گیسوئے ادب کی آرائش میں مصروف ہیں۔ مختلف مشاعروں اور نشستوں کی شمولیت انکی مہارت و شہرت کی نشاندہی کرتی ہے۔ ع اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔

غزل

امید سرہندی

خود پرستی کا رواج اچھا نہیں
عصر حاضر کا سماج اچھا نہیں

اقتدارات سیاست کیا کہیں
کل جو اچھا تھا وہ آج اچھا نہیں

دل کے آئینہ میں آ جاتا ہے بال
دوستی میں احتجاج اچھا نہیں

زندگی تسکین کیوں کر پائے گی
دل میں حشر احتیاج اچھا نہیں

جی بھر آیا لطف بے ہنگام پر
کیا بتائیں کیوں مزاج اچھا نہیں

خون کر کے آدمیت کا امید
جو میسر ہو وہ تاج اچھا نہیں

حمید الماس کی نئی کتاب
فرمودات
شری بسویشور کے کنڑا وچنوں کا منظوم ترجمہ
یہ وچن عالمی ادب کیلئے لازوال تحفہ ہیں
(گاندھی جی)
قیمت دس روپے ۱۰/-
ملنے کا پتہ } دفتر شان ہند - نئی دہلی ۲ - ۱۱۰۰۰۲

مفتوں کوٹوی

وقار رحمانی!

قوم الظفر وقار رحمانی ایک جواں سال باعزم انسان ہیں چھریرا بدن لانبا قد۔ سیاہ مائل گندمی رنگ۔ مزاج کے لحاظ سے ہر کام مستعجل۔ ان کا کلام مختلف رسالوں میں پڑھتا رہا ہوں۔ رہنمائے تعلیم دہلی میں بھی اکثر یہ چھپتے رہتے ہیں۔ رسالہ شانِ ہند دہلی میں "نقشِ وفا کا ایک ورق" کے عنوان سے بالعموم انکی غزلیں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ "نقشِ وفا" انکی غزلوں کا مجموعہ ہے اور "گلہائے شگفتہ" انکی مضامین کا انھیں کی روشنی میں آج انکا تعارف مقصود ہے۔

وقار صاحب جناب بیکس چودھپوری کے شاگرد ہیں، میں سمپوزیم اور مشاعروں میں جودھپور جب بھی گیا ہوں جناب بیکس سے نیاز حاصل کرتا رہا ہوں نہایت نیک نفس اور بامروت مخلص بزرگ تھے۔ اب انتقال فرما چکے ہیں۔ انکا کلام بھی انھیں کی زبانی سُنا۔ شعر و سخن میں رنگ قدیم کے دلدادہ تھے۔ تاریخ گوئی میں اچھی مہارت رکھتے تھے۔ وقار صاحب بھی اپنے استاد کی طرح شعر و سخن میں شاعری کی قدیم اصطلاحات و روایات کے پابند ہیں۔ اسی رنگ کی شاعری اور اسی رنگ کے شاعروں کو پسند کرتے ہیں۔ ساتھ ہی ایسے معراد یا شعرا کا پاس و لحاظ بھی رکھتے ہیں جو ان سے عمر میں بڑے یا کہنہ مشق ہوں اس زمانے میں جب استادی و شاگردی کی رسم کو وبال اور بزرگ و قدیم شعرا کا پاس ادب جنجال سمجھا جاتا ہے، معلوم نہیں وقار صاحب پُرانی اخلاقی قدروں کو کیوں سینے سے لگائے ہوئے ہیں۔ غالباً ذیل کے تجزیہ میں اس سوال کا جواب پوشیدہ ہو۔

ان کے استاد کے رنگِ سخن کے علاوہ غالباً انکے والد مرحوم کے انداز و طرزِ شعر گوئی بھی ان پر اثر انداز ہوئے ہیں۔ وقار صاحب معاشی سلسلے میں اندنوں جودھپور (راجستھان) میں قیام پذیر ہیں ورنہ ان کے آبا و اجداد بھی کوٹہ (راجستھان) کے رہنے والے تھے یہ خود بھی کوٹہ ہی میں تربیت و تعلیم سے بہرہ ور ہوئے کوٹہ ہی میں پلے بڑھے۔ اسی لئے خود کو کوٹوی لکھتے ہیں۔ انکے والد بزرگوار کا نام عبد الرحمن تھا رحمانی۔ اسی مناسبت سے اپنے نام کے ساتھ اضافہ کئے ہوئے ہیں عبد الرحمن صاحب کوٹہ کے شہرت یافتہ پُرانے وکلا میں سے تھے جنکی تربیت کمسنی میں انکے والد کے رحلت کر جانے کی وجہ سے انکے ماموں وکیل اوصاف علی مرحوم کے یہاں ہوئی تھی۔ وکیل اوصاف علی مرحوم پُرانی تہذیب و معاشرت اور پرانی وضع و قطع کے بزرگ تھے۔ دو مرتبہ حج بیت اللہ شریف سے مشرف ہوئے

اپنے مربی کے انداز و اطوار وکیل عبد الرحمن صاحب نے قبول کئے وقار صاحب نے بھی اپنے ماحول کے یہ اثرات خود میں جذب کر رکھے ہیں وکیلانہ بحث و مباحثہ اور رد و جرح کا طور و طریق ان پر بھی چھایا ہوا ہے۔ انسان بیشتر اپنے ماحول ہی کا ساختہ و پرداختہ ہوتا ہے۔ کسی کے خیال و مزاج اور اسکے مظاہر کا تجزیہ کرنے میں ان عوامل کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ خاندانی اثرات بھی انسان میں رچے بسے ہوتے ہیں۔ وکیل عبد الرحمن مرحوم کے والد مولوی محمد یٰسین تھے جو کوٹہ میں اپنے علم و دانش کے لیے مشہور تھے۔ مولانا عبد الستار عبد جنھوں نے اپنے بھائی مولوی محمد یٰسین کے پاس تعلیم و تربیت حاصل کی تھی وکیل عبد الرحمن صاحب کے چچا تھے۔ انکے ایک اور چچا حکیم محمد اسمٰعیل حافظ قرآن تھے ان کا پیشہ طبابت تھا۔ ایک دوسرے چچا عبد العزیز نیر ڈاکٹر تھے اس طرح علوم کے مختلف شعبے ان کے گھر میں جمع ہو گئے تھے وقار صاحب اسی خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ میں خود کوٹہ کا رہنے والا ہوں اور اس خاندان کا ہم محلہ بھی۔ وکیل عبد الرحمن عبد کے ساتھ اس زمانے میں کئی مشاعرے پڑھے جب کوٹہ میں مشاعروں کا بڑا زور شور تھا۔ ان کا رنگ سخن قدیم اور اشعار دقیق و دیر فہم ہوا کرتے تھے۔ شعر گوئی وکالت کے علاوہ وکیل عبد الرحمن طبابت میں بھی دخل رکھتے تھے۔ مولوی محمد یٰسین تو ثقہ و متین بزرگ تھے لیکن ان کے چچا عبد الستار عبد زندہ دل، شوخ مزاج اور رنگین طبیعت انسان تھے۔ عبد الرحمن صاحب نے اپنے چچا کا تخلص ہی نہیں اپنایا بلکہ ان کی مزاجی خوشحالی اور طبعی رنگینیاں بھی اپنالی تھیں۔ وقار کی جواں عزمی و بلند ہمتی کا پرتو اس شعر میں موجود ہے ؎

عزمِ جواں سے جب بھی چلے راہِ شوق میں ٭ ہم منزلوں کو زیرِ قدم دیکھتے رہے

پیکرِ وفا ہونے کے باعث اپنے حالات کا اظہار وقار صاحب خود نہیں کرتے ؎

کیا شے ہے وفا۔ اہلِ وفا سے نہیں مخفی
کیوں منہ سے کہیں وہ، جو مجسم ہی وفا ہیں

تاہم یہ اشارہ ضرور کر دیتے ہیں ان کی طرف جن سے دریافت حال کیا جا سکتا ہے ؎

تا روں سے پوچھ کیسی اکیلی مری رات بسر ہوتی ہے
یہ تو شب گزاری کی بات ہوئی عمر کس طرح بسر ہو رہی ہے۔
یہ ملاحظہ کیجئے۔

دل گزرتا ہے کہیں رات گزرتی ہے کہیں
اب تو اس طرح وفاؔ عمر بسر ہوتی ہے

مرحوم جگرؔ کا شعر ہے ؎

ترے عشق کی کرامت یہ نہیں تو اور کیا ہے
کبھی بے ادب نہ گزرا مرے پاس سے زمانہ

عشق نے وفاؔ صاحب کو جو احترام بخشا وہ ملاحظہ ہو ؎

بخشا ہے احترام مجھے ترے عشق نے ٭ جھک کر سلام کرتی ہیں پھولوں کی ڈالیاں

اس غزل کے کچھ شعر اور بھی قابلِ تعریف ہیں ؎

اے جانِ التفات رضا کے لئے کرم ٭ پھر نے لگی ہیں ایک ہی آنکھوں کی پتلیاں
کوئی جو کوئی راز تو اس میں فریب ہے ٭ کرنے لگیں طواف نشیمن کا بجلیاں

اس زمانے کے اربابِ سیاست پر یہ کتنی گہری چوٹ ہے ؎

ہمدردی و خلوصِ محبت کی آڑ میں ٭ کیا کیا نہ تم نے آہ اجاڑی ہیں بستیاں

اس غزل کا مطلع بھی ملاحظہ ہو ؎

اک روز رنگ لائیں گی میری تباہیاں
ہوتی رہیں جو یوں ہی تری مہربانیاں

مختلف غزلوں کے کچھ اشعار ان کے تعارف میں اور معاون ہو سکیں گے ؎

جس کی خوشبو سے مہکتا ہے گلستاں سارا ٭ بس اسی پھول پہ گلچیں کی نظر ہوتی ہے
میں اب بھی ہنس رہا ہوں کلیجہ تو دیکھئے ٭ حالِ زبوں پہ میرے جہاں نوحہ گر ہے آج
کل تک میں رو رہا تھا کسی کے فراق میں ٭ آنکھیں خوشی سے آج ہیں تر مدتوں کے بعد
فرطِ مذاقِ دید سہم دیکھتے رہے ٭ پھولوں کو آپ، آپ کو ہم دیکھتے رہے
لطف و کرم ان کی ہر طرح بجا ہے ٭ صرف میں ہی نہیں دنیا بھی ادھر ہوتی ہے

ارمان جبہ سائی جلا خاک میں وفاؔ
اک بے وفا کے در پہ عدو کا گزر ہے آج

"گلہائے شگفتہ" ان کی تضامین کا مجموعہ ہے۔ طرحی مصرع پر گرہ لگانے میں جو دماغی ورزش اور ادبی کاوش کرنی پڑتی ہے، تضمین میں اس سے بھی بڑے پیمانے پر وہی دماغ سوزی کرنی پڑتی ہے۔ آجکل کچھ دیگر اصنافِ سخن مثلاً قصیدہ و مرثیہ کی طرف شعراء کی عام توجہات مبذول نہیں ہیں۔ غزل پر تضمین اور گرہ لگانے کا بھی یہی حال ہے۔ تضمین، تضمین نگار سے اسی استغراق، وجدان اور کیفیت و سرور کا مطالبہ کرتی ہے۔ جس کیفیت و ماحول میں ڈوب کر شاعر نے شعر کہا ہے، یا غزل تمام کی ہے کامیاب تضمین وہی ہوگی جس میں تضمین نگار کی دماغی رسائی، اصلی شاعر کے جذبات و حسیات کو گرفت میں لے کر اس کی تشریح و تصریح کر دے۔ اس میں مزید آرائش و زیبائش اور آراستگی و شگفتگی پیدا کر دے ورنہ کم از کم اس ماحول و کیفیت کو برقرار رکھے جو اصل شعر میں ہے۔ اس سے کمتر و فروتر کیفیات تضمین نگاری کی کامیابی کی ضامن نہ ہو سکیں گی۔ یہاں یہ توجہ دلانی بھی غالباً بے محل نہ ہوگی کہ بہت سے اشعار ایسے لطیف و نفیس ہوتے ہیں کہ لذتِ مفہوم، شرح و وضاحت کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ وہ پسند آتے ہیں دل ربا و فرا انداز ہوتے ہیں ان میں خوشگواری و طرحداری ہوتی ہے لیکن کن اجزا و عناصر کی بدولت؟ یہ بیان و اظہار میں نہیں آسکتی۔ یہ ابہام لفظی نہیں ہوتا معنوی ہوتا ہے۔ مثلاً ؎

لذتِ مرگِ محبت کوئی اس سے پوچھے ٭ جس کے لب پر دمِ آخر بھی ترا نام آیا
(تسکین قریشی)

محبت ہی محبت ہوں لطافت ہی لطافت ہوں ٭ مجھے دیکھے کوئی شمس الضحیٰ شکل دیکھنے والے
(شعری بھوپالی)

اظہارِ عشق پر انہیں خفگی تو تھی مگر ٭ دیکھا ہے یہ بھی ہم نے کہ چہرہ پہ نور تھا
(منتون کوفی)

کیا دیکھیں گے ہم جلوہ محبوب کہ ہم سے ٭ دیکھی نہ گئی دیکھنے والے کی نظر بھی
(جگر مراد آبادی)

اگر ہے شوق تو آنکھوں کو آؤ بند کرو ٭ جمالِ یار سراسر دکھائی دیتا ہے
(حزیں قریشی)

ترجمہ نگاروں کو اکثر ایسی الجھنیں اور مشکلیں پیش آتی ہیں کہ بعض الفاظ ان کے سامنے ایسے آکھڑے ہوتے ہیں جن کے مفہوم کی وسعت لطافت دوسری زبان میں منتقل نہیں ہو پاتی۔ شعروں میں بھی احساسات کی نزاکت اور جذبات کی لطافت سے اسی طرح کا اکثر و بیشتر سابقہ پڑتا ہے جن میں نفسیاتی کیفیات عنصرِ غالب کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ایسے اشعار پڑھیے سوچیے اور سوچتے رہیے لذتوں پر لذتیں حاصل ہونگی۔ لیکن زبان و بیان ان کے اظہار و ابلاغ سے قاصر رہیں گے وفاؔ رحمانی کی یہ تضمین

جدھر دیکھو محبت کا جہاں میں اول بالا ہے ٭ کسی کو زندگی بخشی کسی کو مار ڈالا ہے
محبت ہی کا زہرا ہے محبت ہی کا جالا ہے ٭ محبت کا عجب یہ کھیل دنیا سے نرالا ہے
کہیں آباد کرتی ہے کہیں برباد کرتی ہے
(تسکین قریشی)

عزیز احمد وارثی

معیار کی کسوٹی پر

اُجالے

اُجالے میں کالیداس گپتا رضا نے اسلام کے بعض زرّین اصولوں سے اپنی عقیدت اور لگاؤ کا اظہار کر کے اپنی ذہنی صفائی اور قلبی طہارت کا ثبوت تو دیا ہی ہے لیکن اُن کے ترجمہ "مذہب [illegible] مشہور ہے کہ شعر [illegible] بھی ہے اس کے حقائق" کو اشعار کا جامہ پہنایا ہے جس کی بنیادیں مذہبی سطح پر انسان کو بغض و تعصب اور تنگ نظری سے گریز کرنے پر آمادہ کرتی ہیں نیز اس کے ذریعہ قلب کو "ضبطِ نفس" کے جذبۂ مطاہرانہ سے معمور کر کے وسیع تر بناتی ہیں۔ اسمیں شک نہیں کہ مذہب کی بنیاد حق و انصاف کی صداقت کو بھی ظاہر کرتی ہے اور منصف مزاج انسان اس صداقت کو پرکھتے وقت تنگ نظری اور عصبیت سے گریز کرتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ وہ حق و انصاف کو کسی مخصوص نظریے یا دائرہ میں محدود کر کے نہیں پرکھتے بلکہ انھیں جہاں جہاں اسکی جھلکیاں نظر آتی ہیں وہ بلا تفریق وہاں پہنچکر اس کے لمس سے اپنے شعور کو نہ صرف منوّر ہی کرتے ہیں بلکہ ان پہلوؤں کا بنظرِ غائر مطالعہ بھی کرتے ہیں جو حق و انصاف کو ترو تازہ اور بالیدہ رکھتے ہیں اور وہ اپنے دل میں عقیدت مندی کے ایسے جذبے کا وجود پاتے ہیں جو انھیں ساری "حد بندیوں" کو توڑ کر آگے نکل جانے پر اکساتا ہے۔ ایک صاحبِ فہم اور صاف ذہن انسان ایسے عالم میں نظریاتی مباحث کے بجائے حقیقت مندانہ جذبے کو مقدم سمجھتا ہے اور حق و انصاف کی جگہ میں بے خطر ہو کر اُس در آستانہ کو مقدس و معتبر سمجھتا ہے جو صداقت و انصاف کی خاطر وا ہوتا ہے۔

کالیداس گپتا رضا نے بھی صداقت کے ایسے ہی جذبے کو "اُجالے" میں پیش کر کے اپنی بے پناہ انسانیت اور بے لاگ لگاؤ کا ثبوت دیا ہے جس نے اسکی وسیع النظری اور قلبی طہارت کے ساتھ ہی انکے ذوقِ تحسین کو بھی مستحکم کیا ہے۔

"اُجالے" میں شامل کلام میں اسلام کے کئی اصولوں کی بڑی واضح تصاویر نظر آتی ہیں جنکی بنیادیں صداقت کے ساتھ ہی "ضبطِ نفس" کے جذبے پر رکھی گئی ہیں۔ یہی سبب ہے کہ عام [illegible] محض تصنع آمیز [illegible] مذہبی عقیدت کے بجائے رضا صاحب نے ایسے پہلوؤں کو [illegible] شعور کی گہرائی کے ساتھ لگاؤ [illegible] انسانیت اور فروغ دینے [illegible] کلام

اور امام حسینؑ کی مدح میں کہے گئے اشعار کا سب سے اہم پہلو یہی ہے کہ رضا نعت کے تمام عناصر و صفات کو ایک حق پسند اور منصف مزاج انسان کی طرح ظاہر کرنے میں فکر و شعور کی بالیدگی کے ساتھ وسیع القلبی اور بالغ نظری کا ثبوت بھی دیا ہے۔

"اُجالے" کے کلام کو دو حصّوں میں تقسیم کیا گیا ہے پہلے حصّے میں پیغمبرِ اسلام کی ذاتِ مقدس کے مطاہرانہ پہلوؤں کو نعتیہ نظموں اور قطعات و رباعیات کی شکل میں ظاہر کیا ہے۔ دوسرے حصّے میں امام حسینؑ کے جذبۂ ایثار کا اعتراف کر کے حق و باطل کے فرق کو نمایاں کیا ہے۔

رضا صاحب "انسان کی تقسیم" کو مہلک اور خطرناک سمجھتے ہیں نیز انسان کے دل میں اُبھرے جذبۂ تفریق کو لاابالی نفرین سمجھ کر کے انسانیت کے ارتقا کیلئے مضر قرار دیتے ہیں۔ انکے نزدیک اس قسم کی تقسیم ذہنِ انسان کو بے جا اور جاہلیت روایتوں میں مقید کر دیتی ہے لیکن وہ اس عمل سے نہ کہ غافل نظر آتے ہیں اور نہ اس کی موجودگی میں اپنے جذبۂ طہارت کی توقیر کو ختم ہونے دیتے ہیں اور اس طرح اپنی بے لوث عقیدت اور بے پناہ وسیع القلبی کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں ان کی یہ رباعی ملاحظہ کیجیے ؎

بے کار کی باتوں نے اُبھارا ہمکو ٭ عیسیٰ کی محمدؐ کی ہے پیارا ہمکو
تقسیم مذاہب سے نہیں کچھ بگڑا ٭ انسان کی تقسیم نے مارا ہمکو

"اُجالے" کی طباعت کتابت اور سرورق نفیس ہے۔ یہ کتاب [illegible] کے عوض مکتبہ شاہراہ ہند دہلی سے بھی حاصل کی جا سکتی ہے
(ڈاکٹر انعام)

ہدیۂ عقیدت

اُردو میں کسی ادیب یا شاعر کا اپنے دین و مذہب سے لگاؤ شعر و ادب کو کیا لائقِ ستائش [illegible] روایت پر مبنی نہیں) سوال یہ نہیں کہ مذہب کی خدمت کرتے ہوئے شاعر یا ادیب کا مذہب کن اقدار کا قائل رہا ہے؟ دیکھنا یہ ہے کہ انھوں نے اپنے جذبہ سے ادیب کے فن کو کس طرح وسیع کیا۔؟

خوشی اس بات کی ہے کہ اس دور میں جبکہ دنیا کے شعر و ادب مختلف ادبی اقدار و نظریات و رجحانات کی شکل میں اُبھر کر سامنے آ رہے ہیں [illegible] جدید ترین نظریات سے "قدیم ترین شکلوں" کو کسی حد تک ترجیح [illegible] بھی

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] کی ابھرتی ہوئی [illegible] جیسے [illegible] نظر آتی ہے۔ [illegible]
آخر میں وفا صاحب کی غزلوں کا انتخاب بھی [illegible] شامل کیا گیا ہے۔ ہر چند ان کی غزلوں کا بیشتر حصہ [illegible] کے حامل ہیں لیکن ان سے موصوف کی مشاقی اور [illegible] خیالات کے [illegible] وفا کی شاعرانہ عظمت [illegible]
غرض "ہدیۂ عقیدت" ایک ایسا گلدستہ ہے جس میں قدیم اساتذہ کی رنگت اور خوشبو [illegible] محسوس کی جا سکتی ہے [illegible] جا سکتا ہے۔

بات دل کی سنی سنی سی ہیں۔

[illegible] کر دینے والے [illegible] کی صورت میں [illegible] دل کی [illegible] گفتگو [illegible] زندگی کی [illegible]

[illegible] ہر چند کہ ان کا انداز "خطاب عام" اور "اصلاح دوام" کا بھی رہا ہے۔ لیکن اس میں [illegible] انداز "گفتگو" [illegible] کیا ہے۔ [illegible] مسائل [illegible] سماجی اور معاشرتی پہلوؤں سے [illegible] تفصیل [illegible] ہوتے ہیں لیکن [illegible] اجمالی اور بعض صورتوں میں [illegible] کے ساتھ [illegible] ایسے تاثرات [illegible] چھوڑ گئے ہیں کہ قاری پڑھتے وقت [illegible] بلکہ دل کی بات [illegible] یہ بھی کام [illegible] احمد نے اپنے انداز بیان کو "گفتگو" کی شکل میں پیش کیا ہے۔ گویا دو ملاقاتوں یا [illegible] اہم ترین مسائل اور ان کے حل [illegible] بیان کر دیئے ہیں [illegible] دل کی بات [illegible] طرح واقف ہیں۔

اس کتابچہ میں [illegible] احمد نے "سوال و جواب" کی شکل میں بہت سی کام کی باتوں کو بڑی سادگی کے ساتھ پیش کیا ہے جنہیں [illegible] کی [illegible] کہا جا سکتا ہے جو ہر اعتبار سے [illegible] میں ان کی حیثیت [illegible] اصلاح و فلاح کا جذبہ ہر جگہ [illegible] نظر آتا ہے لیکن اس جذبہ کے اظہار میں [illegible] ہے اور [illegible] تاثرات کا [illegible] میں پیش کر کے [illegible]

سب سے [illegible] خوبی یہ ہے کہ [illegible] گفتگو [illegible] کو [illegible] استعمال [illegible] ایک [illegible] مثالوں سے [illegible] مختصر [illegible] کے ساتھ [illegible] کرتے ہیں۔ یہ نہیں [illegible] بات [illegible] گفتگو کی شکل [illegible] ایک کے بعد دوسری شکل نکال کر [illegible] پسند نہیں کرتے [illegible] اختصار [illegible] دلیل [illegible] ہے۔

لطیفے، چٹکلے [illegible] استاد [illegible] کی [illegible] جو مصنف کی بات کو [illegible] اپنے شعور کی تیزی سے [illegible] کامیاب ہو جاتے ہیں [illegible] کر دیتے ہیں۔

شاید ہی کوئی پہلو ایسا ہو جو [illegible] احمد نے [illegible] کتابچہ میں [illegible] حکایات [illegible] انداز [illegible] بیان [illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]

قوم ترقی کی راہ پر

کھیتوں کے لئے مزید پانی

اب ہمارے ملک میں 2.18 کروڑ ہیکٹر رقبہ زمین کے لئے آبپاشی کی سہولتیں میسر ہیں — 25 سال پہلے کی نسبت دو گنا سے بھی زیادہ۔

مزید 50 لاکھ ہیکٹر رقبہ زمین کے لئے جلد ہی آبپاشی کی سہولتیں میسر آجائیں گی۔

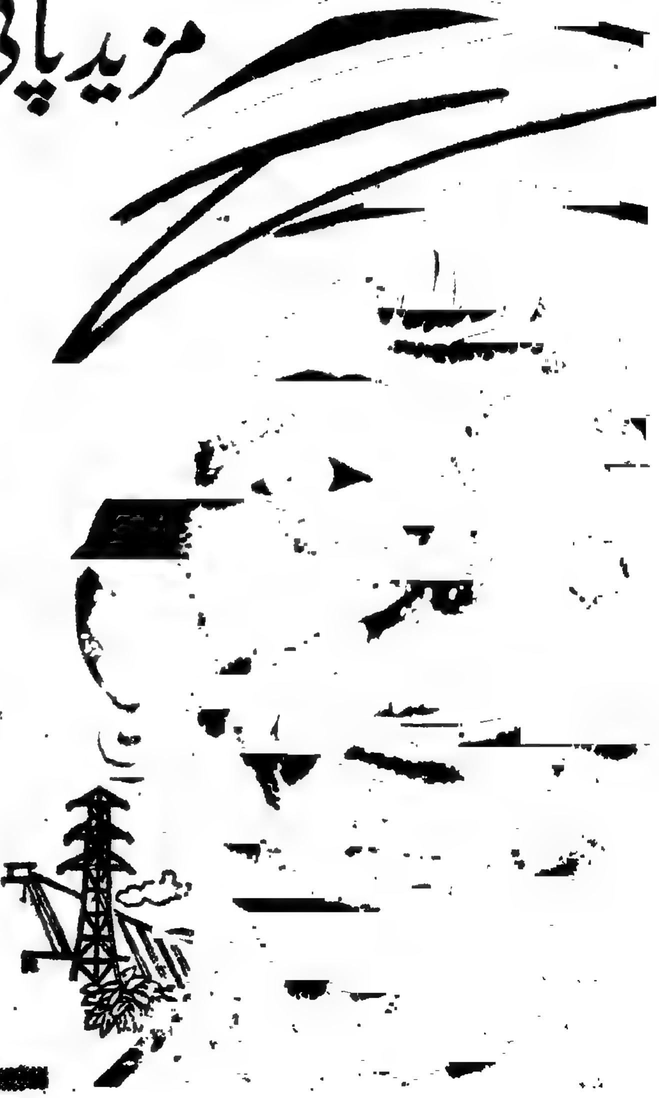

مضبوط ارادہ اور کڑی محنت ہمارے ساتھی ہیں

بقیہ صفحہ ۲۷ ـــــ معیار کی کسوٹی پر

"تمکیہ" کا پیش لفظ محض روائتی انداز میں لکھا گیا ہے جس میں
[illegible]کی شگفتگی کے نصیبے کلام ریاضی کا جائزہ لے کر اس کے روائتی پہلو
[illegible] پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ برہان پور کی شعری اور تواریخی حیثیت
[illegible] بھی ایک مخصوص دور تک محدود رکھا گیا ہے۔ کاش! اس دور کے بعد
[illegible] والے حقائق کی بھی نشاندہی کر دی جاتی۔ برہان پور کی شعری [illegible]
[illegible] تر و تازہ ہو جاتی اور پیش لفظ کے لکھنے والے کی شعری بصیرت کا مزید
[illegible] بل سکتا اس لئے بھی کہ پیش لفظ میں جس مخصوص دور کی شعری
[illegible] ادبی حیثیت کو بیان کیا گیا ہے اب برہان پور کے اہلِ قلم اس سے کچھ
[illegible] بھی پیچھے ہیں جن کی "تیز رفتاری" کا اعتراف ضروری تھا۔

غزل

قدیر کوروائی

[illegible]رکی گرمی سے جہاں جھونپڑے جل جاتے ہیں
گھر وہاں آہ کے شعلوں میں نظر آتے ہیں

پھول ایسے بھی گلستاں میں نظر آتے ہیں
دستِ گلچیں کی تمنا میں جو مرجھاتے ہیں

اپنی قسمت کے لکھے مان کے آلامِ حیات
غم کی راہوں سے بھی ہم ہنس کے گزر جاتے ہیں

وہ عنایت کی اگر ڈال دیں اک بار نظر
بدنصیبوں کے مقدر بھی بدل جاتے ہیں

[illegible]ن سے کیسے کہوں کرتا ہوں محبت تم سے
کانپتا ہے کبھی دل لب کبھی تھراتے ہیں

[illegible]رے دل پہ بھی کبھی ایک نظر کی ہوتی
دیکھ آئینے سنورنے میں بہک جاتے ہیں

ان کے دیوانے جو بے ہوش ہیں آ جاؤ قدیر
ایسے دیوانے تو ہشیار کہے جاتے ہیں

غزل

طاہر تلہری

کوئی تیغ نہ خنجر ہے اس کی آنکھوں میں
بس اک لطیف سا نشتر ہے اس کی آنکھوں میں

وہ جس کے لب پہ تبسم کے پھول کھلتے تھے
اداسیوں کا سمندر ہے اس کی آنکھوں میں

مرے لئے ہیں دعا کے چراغ بھی روشن
شکایتوں کا بھی دفتر ہے اس کی آنکھوں میں

یہ واقعہ ہے کہ ناصح بھی قتل ہو کے رہا
نہ جانے کون سا جوہر ہے اس کی آنکھوں میں

اندھیری رات گھنیرے سیاہ بال اس کے
طلوعِ صبح کا منظر ہے اس کی آنکھوں میں

میں ڈوب کر بھی نہ اب تک سمجھ سکا طاہر
سراب ہے کہ سمندر ہے اس کی آنکھوں میں

غزل

مشتاق آذر سیالکوٹی

نغمۂ کہنہ کو سازِ نو پہ دہراتی رہی
ہائے کمبخت دنیا کتنی جذباتی رہی

جب کسی کشتی کو طوفاں نے لیا آغوش میں
دیر تک ساحل سے سینے کی صدا آتی رہی

موت اک دھندلی سی امید کے پیشِ نظر
زندگی پیہم فریبِ زندگی کھاتی رہی

غالباً وہ دورِ حاضر کا نمائندہ تھا
جس کے عریاں جسم سے تہذیب شرماتی رہی

صبح دم کا فردیِ انجام گل ہو کر رہا
رات بھر جو شمعِ [illegible] اشک ساقی رہی

قہقہوں کے رنگ محلوں سے بھی آدھی رات کو
ہلکی ہلکی سسکیوں کی کچھ صدا آتی رہی

غزل

بیدل سرحدی [illegible]

دل کو [illegible] آپ سے مل کر [illegible]
کچھ سوچتا کیا نہ کوئی منتظر رہا

[illegible] تم شناکے بھی ہم [illegible] ہیں
آنچل کسی کے اشکوں سے بھیگا ہوا رہا

میری تو رات کٹ گئی جیسے بھی کٹ گئی
چھپ کر کسی کی نظر سے [illegible]

جی چاہتا ہے اس کی پرستش کیا کروں
مجھ کو صنم کے بھیس میں [illegible]

گستاخ ہے کچھ اور تو [illegible] ادا سے
جو دوست بھی ملا کہیں [illegible]

پت جھڑ کی [illegible] آگ لگی [illegible]
گلشن میں آشیاں مرا جلتا ہوا رہا

اک دار میں تمام ہوا قصۂ حیات
قاتل کو وہ ملا جو قاتل کو کیا ملا!

بچ کر طلسم گاہِ جہاں سے نکل گئے
اے چشمِ یار جن کو ترا آسرا رہا

موسم خزاں کا ہو کہ وہ رُت ہو بہار کی
بیدل کے دل کا زخم ہمیشہ ہرا رہا

غزل

(از حسین سونی)

جب نام سے دیوانے کے موسوم نہیں تھا
یہ نام محبت مجھے معلوم نہیں تھا

جب ربطِ محبت ہی تھا آپ سے کوئی
عالم تو یہ تھے آپ ہیں معلوم نہیں تھا

ارمان کے سرد ہو گئے اس دل سے نکلیں
وہ دن تھا یہ دل مرا مکلوم نہیں تھا

چھینے ہوئے جو ہیں لے تو، کہ میرے لبوں کی
پہلے کوئی ایسا بھی معلوم نہیں تھا

یہ دل کو اب تیر سے ترستا ہے جو حسنی
اک شکوہ ترا کوئی کہ محروم نہیں تھا

غزل

او۔پی شاکر لکھنوی

ہر گام پہ غمِ حیات پیے جا رہا ہوں میں
جینا نہیں قبول پیے جا رہا ہوں میں

مجھ کو اگر چہ مجھ کو مٹانے کی فکر ہے
لیکن تجھے دعائیں دیے جا رہا ہوں میں

جس بت سے ضد کا بھی نہیں واسطہ کوئی
اس بت کی آرزو میں جیے جا رہا ہوں میں

یہ سوچ کر کہ آپ کو چاہا نہیں کبھی
یوں اپنے دل کا چاک سیے جا رہا ہوں میں

آنکھوں میں اشک ہونٹوں پہ آہیں لبوں پہ غم
عالم بسر یوں کرکے سہارا رہا ہوں میں

نوٹ: ساری غزل میں نہیں کی جگہ ۔۔۔ کا محل ہے۔
مدیر

اپنی نوعیت کا نرالا یادگار

ڈاکٹر حسین ظہیر نمبر

اردو دنیا میں سائنس کی اور دنیائے سائنس میں اردو کی خدمت کے لئے انڈین نیشنل سائنس ڈاکیومنٹیشن سنٹر اور کاؤنسل آف سائنٹفک اینڈ انڈسٹریل ریسرچ نئی دہلی کی تازہ پیشکش

حسین ظہیر نمبر "سائنس کی دنیا" (سہ ماہی)

اردو داں عوام اور طلبا کیلئے نہایت مفید عوامی اور دلچسپ انداز میں سائنس اور ٹیکنیکل ترقیات نئی نئی ایجادوں اور دریافتوں اور اردو ذریعۂ تعلیم کے ہم طالبعلموں اور جستجو کار اداروں کیلئے بہتر مضامین و مواد ان کو اپنی مادری زبان میں دستیاب ہو سکے۔ دنیا میں بالعموم اور ہندوستان میں بالخصوص سائنس کے ارتقا و تحقیقات کی آگاہی پہنچ سکے۔ جہاں کہ عام سائنسی روح اور سوچ پیدا کرنے اور توہمات کے خاتمے کیلئے سہ ماہی لٹریچر "سائنس کی دنیا" "سائنس کی دنیا" کے اردو ایڈیٹوریل بورڈ میں عظیم سائنس داں صنعتکار۔ ماہرین تعلیم اور دانشور شریک ہیں جس کے صدر پنڈت آنند نرائن ملا ایم پی، نگراں اے رحمان اور ایڈیٹر سکریٹری گلزار زتشی دہلوی ہیں۔ عالی جناب فخرالدین علی احمد صاحب صدر جمہوریہ ہند اس کے سرپرست اعلی ہیں جنہوں نے راشٹرپتی بھون نئی دلی میں اس رسالے کا آب و تاب سے ۸ جون ۱۹۷۵ء کو اجرا فرمایا۔ اور شریمتی اندرا گاندھی وزیر اعظم ہند و صدر سی ایس آئی آر اس کی محسن ہیں جنہوں نے ۹ جون کو سرکاری محکموں میں پذیرائی و ترسیل کے لئے اسے قبول کیا۔ شری سی سبرامنیم وزیر خزانہ اور شری پی۔ این ہکسر نائب چیرمین پلاننگ کمیشن اس کے نائب سرپرست اعلیٰ ہیں۔ طلبا۔ اساتذہ عوام اور قاریوں کے لئے انتہائی مفید اور نفع بخش مجلہ ہے۔ اس رسالہ کی رسائی کشمیر سے کنیا کماری تک اور بمبئی و کلکتہ سے جمشید پور و جورہاٹ تک ہر سائنسی ادارے۔ اسکول کالج۔ یونیورسٹی لائبریری اور سائنس لیبارٹری میں رسائی ہے۔ اب اس رسالہ کا چوتھا نمبر اسپیشل ڈاکٹر سید حسین ظہیر نمبر ہوگا جو اپنی نوعیت سے تاریخی اور یادگار نمبر ہوگا۔ اس میں لکھنے والے ملک کے بہترین سائنس داں دانشور ماہر تعلیم اور صنعت کار بھی ہیں۔ نور ریسرچ سکالر بھی۔ چھوٹے صنعت کار بھی اور معمولی ٹیکنیکل بھی۔ پرنٹنگ آفسٹ پر۔ سائز ڈیمائی کوارٹو۔ اعلیٰ کتابت۔ خوشنما کور۔ دیدہ زیب تصاویر۔

قیمت فی پرچہ ۵۰ پیسے سالانہ ڈیڑھ روپیہ حسین ظہیر نمبر کے چندے آرڈر فوراً بک کرائیں۔

آج ہی بحیثیت خریدار۔ قلم کار۔ مشتہر اپنا رابطہ قائم کیجئے۔ تاریخی و ادبی حیثیت صاحبان نیز اہل قلم مندرجہ ذیل پتہ پر خط و کتابت کریں۔ مجلہ ترسیل زر بنام چیف ایڈمنسٹریشن سی ایس آئی آر ہونی چاہیئے۔ ظہیر نمبر کی فوری پیشگی بکنگ ضروری ہے۔

شری اے۔ ایم زتشی گلزار دہلوی مدیر مجلہ سائنس کی دنیا اردو جرنل
سی ایس آئی آر ۔ رفیع مارگ ۔ نئی دلی ۔ ۱

وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی
کے
۲۰ نکاتی اقتصادی پروگرام

کی کامیابی سے ہی ہمارے ملک کا پسماندہ طبقہ غریبی کی دلدل سے نکل سکتا ہے اور ہم ڈسپلن سے قومی کیریکٹر کو بلند کر سکتے ہیں۔ آئیے ہم سب مل کر وزیر اعظم کے ۲۰ نکاتی پروگرام کو کامیاب بنانے میں قدم سے قدم ملا کر چلیں۔

دیال سنگھ کالج کرنال

مشترکہ پنجاب میں نصف صدی اور کرنال (ہریانہ) میں چوتھائی صدی سے اپنی شاندار روایات کو قائم رکھے ہوئے ہے دیال سنگھ کالج کرنال میں طلبا کو ہمیشہ ڈسپلن، قومی ایک جہتی اور ملک کی ہر طرح حفاظت کرنے کی تلقین کی جاتی ہے اور انہیں ایک اچھا شہری اور ایک خدمت دار ہندوستانی بنانے کی کوشش کی جاتی ہے

اراکین منتظمہ کمیٹی
دیال سنگھ کالج کرنال (ہریانہ)

نایاب اور مشہور اردو کتابیں منگائیے

کلیات اقبال کا صدی ایڈیشن (آفسٹ)		۳۰/
اقبال شاعر اور فلسفی	سید وقار عظیم	-/۱۴
بانگ درا (فوٹو آفسٹ)	اقبال	-/۱۰
ضرب کلیم	〃	۷/۵۰
بال جبریل	〃	۷/۵۰
ارمغان حجاز	〃	۴/۵۰
شاعری اور شاعری کی تنقید	ڈاکٹر عبادت بریلوی	-/۱۶
اردو شاعری کا مزاج	وزیر آغا	-/۲۰
نیا افسانہ	وقار عظیم	-/۹
اطراف غالب	ڈاکٹر سید عبداللہ	-/۱۵
غزل اور مطالعہ غزل	عبادت بریلوی	-/۲۰
جدید شاعری	〃	-/۲۵
ارمغان علی گڑھ	خلیق احمد نظامی	-/۲۰
اردو مثنوی کا ارتقا	عبدالقادر سروری	-/۶
تصورات اقبال	مولانا صلاح الدین احمد	۱۲/۵۰
اردو زبان اور ادب	ڈاکٹر مسعود حسین خاں	۷/۵۰
مطالعہ سرسید احمد خاں	عبدالحق	-/۵
اردو ادب کی تاریخ	عظیم الحق جنیدی	۷/۵۰
گلدستہ مضامین انشا پردازی	ڈاکٹر محمد حامد خاں	۵/۹۵
نمائندہ مختصر افسانے	ڈاکٹر ظہیر فاروقی	۳/۷۵
تنقیدی سرمایہ	عبدالشکور	۲/۵۰
اردو لسانیات	ڈاکٹر شوکت سبزواری	-/۸
تخلیقی عمل	وزیر آغا	-/۱۲
فیروز اللغات (میڈیم ایڈیشن)		۶/۵۰
انتخاب مضامین سرسید	آل احمد سرور	۲/۵۰
مقدمہ شعر و شاعری	وحید قریشی	۲/۵۰
شرح جاوید نامہ (جلد اول)	محمد سلیم چشتی	-/۶۰
〃 〃 (جلد دوم)		-/۴۰
ضبط شدہ نظمیں	مرتبہ علی جواد زیدی	-/
تنقید سے تحقیق تک	عنوان چشتی	-/۵
اقبال کے خطوط	ڈاکٹر منظر عباس نقوی	-/۶
پریم چند کے ناولوں میں نسوانی کردار	ڈاکٹر شمیم نکہت	-/۸
مقدمہ تاریخ زبان اردو	ڈاکٹر مسعود حسن	-/۰
اصنافِ تنقید	اسلوب احمد انصاری	-/۰
ادب اور زندگی	اظہر پرویز	-/
اردو ادب آزادی کے بعد	خورشید الاسلام	۵۰/
یادوں کے سائے	ممتاز میرزا	-/
مترجم مثنوی مولانائے روم	قاضی سجاد حسین	-/
مترجم دیوان حافظ	〃 〃	-/
ناقابل فراموش	دیوان سنگھ مفتون	-/
جذبات مشرق	〃 〃	-/۵
یادوں کی برات	جوش ملیح آبادی	-/۵
فرہنگ آصفیہ (چار حصے)		-/۱۰
اردو انگلش ڈکشنری	مولوی عبدالحق	-/۰
اردو انگلش ڈکشنری	〃	-/
ابتدائی علم عروض	سلطان انجم کمال گانوی	-/
گلشن کا ہندوستانی مسلمان نمبر		-/
اردو شاعری کے ارتقا میں ہندو شعراء کا حصہ	سرلا استوا	-/۵
شرح دیوان غالب	بیخود موہانی	-/
برق تبسم	تبسم علی پوری	-/
سحر نغمہ	ساحر ہوشیارپوری	-/
پیلا پتھر	طاہر تلہری	-/
مغربی ادب کے معمار	اے۔ محمد ابراہیم	-/
آئینہ	حیرت بدایونی	-/
نقد نظر	محمد احمد ماتی	-/
اوراق زندگی	بسمل سعیدی ٹونکی	-/۵

دفتر شان ہند فلیٹ ۳ انصاری مارکیٹ دریا گنج۔ نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

February— 76

Phone : 278880

Regd. No. D-(D) 5

THE SHAN-E-HIND MONTHLY, NEW DELHI-110002

Regd. with the Registrar of News Paper at R. No. 644/57

جب کنگھی کرتے ہوئے ہر بار بال اُلجھ جائیں یا بالوں کا ایک گچھا ہاتھ میں آجائے تو سمجھئے یہ بال اب کچھ ہی دِن کے مہمان ہیں، بالوں کو مضبوط، چمک دار، ملائم اور سیاہ بنانے کے لئے زُلفی استعمال کیجئے۔ اس کا ایک ایک قطرہ بالوں کے لئے رحمت سے کم نہیں۔ زُلفی گرتے بالوں کو روک دیتا ہے اور گھنے بال اُگاتا ہے۔ یہ گنج کو ختم کرتا ہے اور بالوں کی سب سے بڑی دُشمن خشکی کو دُور کرتا ہے —— زُلفی تیل نہیں بلکہ بالوں کی غذا ہے۔ زُلفی بالوں میں ڈالئے اور پھر دیکھئے وہ کتنی جلدی بڑھتے ہیں۔

قیمت زُلفی ہیر ٹانک : ۸ روپے

زُلفی شیمپو پاؤڈر : ۲ روپے ۵۰ پیسے

SHAMA LABORATORIES

شمع (یونانی اینڈ آیورویدک) لیباریٹریز، لال کنواں، دہلی

37(3)

ماہنامہ

شاعرِ ہند

دہلی

March—1976

DR. ZAKIR HUSAIN LIBRARY
JAMIA NAGAR
NEW DELHI-110025

Zakir Usmani Raveri

Jameel Bastvi

سال اجراء ۱۹۲۸ء | رجسٹرڈ نمبر (ڈی) ۔ ۔ ۱۳۷ | رجسٹرڈ نمبر رجسٹرار نیوز پیپرز R/N 646/57

ٹیلی فون نمبر ۔ ۲۷۸۸۸

DR. ZAKIR HUSAIN LIBRARY
JAMIA NAGAR
NEW DELHI-110025

ماہنامہ شانِ ہند دہلی

ایڈیٹر: سرور تونسوی | قیمت سالانہ دس روپیہ | فی پرچہ ایک روپیہ

جلد ۴۷ | مارچ ۱۹۷۶ء | شمارہ ۳

فہرست

ذکر و واقعات	مدیر	۳
غلط، الاغلاط، بجا غلط، مشا ملط	ا ے عظیم	۵
مشاعرۂ جشن جمہوریت لال قلعہ دہلی	قریشی الاحسانی	۹
راز عشق	[illegible]	۲۱
[illegible] جمیل [illegible]	[illegible]	۲۳
[illegible] رامپوری	[illegible]	۲۵
[illegible] (افسانہ)		۳۶
معیار کی کسوٹی پر	[illegible]	۳۹
[illegible] کی خوشحالی	[illegible]	۴۱

[illegible] ودیا پرکاش سرور ایڈیٹر پرنٹر پبلشر [illegible] پریس جامع مسجد [illegible] دہلی میں چھپا اور دفتر شانِ ہند فلیٹ ۳ انصاری مارکیٹ دریا گنج نیو دہلی ۱۱۰۰۰۲ سے شائع ہوا۔
سرورق ایم۔ ایس پرنٹرز دریا گنج دہلی میں چھپا۔

فارم IV

(دیکھو رول ۸)

۱۔ مقام اشاعت: فلیٹ ۳۔ انصاری مارکیٹ۔ دریا گنج۔ نئی دہلی ۲

۲۔ نوعیت اشاعت: ماہنامہ

۳۔ نام پرنٹر: ودیا پرکاش سرور
قومیت: ہندوستانی
پتہ: فلیٹ ۳۔ انصاری مارکیٹ۔ دریا گنج نئی دہلی ۲

۴۔ نام پبلشر: ودیا پرکاش سرور
قومیت: ہندوستانی
پتہ: فلیٹ ۳۔ انصاری مارکیٹ۔ دریا گنج۔ نئی دہلی ۲

۵۔ نام ایڈیٹر: ودیا پرکاش سرور
قومیت: ہندوستانی
پتہ: فلیٹ ۳۔ انصاری مارکیٹ۔ دریا گنج۔ دہلی ۲

۶۔ نام پتہ مالک اخبار: ودیا پرکاش سرور۔ فلیٹ ۳ انصاری مارکیٹ۔ دریا گنج نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

میں ودیا پرکاش سرور تصدیق کرتا ہوں کہ جو معلومات اوپر دی گئی ہیں وہ میرے علم و یقین میں صحیح ہیں۔

یکم مارچ ۱۹۷۶ء

ودیا پرکاش سرور

ہر دلعزیز انسان | **شاعر جادو بیان** | **اردو کا عاشق**

قومی یک جہتی کا خواہاں | **شرافت کا نمونہ** | **انسانیت کا پیکر** | **مذہبی تعصب کا دشمن**

ہر غمزدہ کا ہمدرد | **ہر ضرورت مند کی حاجت روائی کے لئے کوشاں** | **مشاعروں کا روحِ رواں**

غرضیکہ اخلاق پیکر میں واقعی انسان - اپنے جد امجد گورونانک دیو جی مہاراج کی تعلیمات کا مظہر

کنور مہندر سنگھ بیدی سحر

کو ایک ارمغانِ عقیدت و خراجِ محبت

کنور صاحب کے عزیزوں، رفیقوں، دوستوں، مداحوں اور عقیدت مندوں کیلئے ایک گرانقدر تحفہ ۔ عزیزوں کی یگانگت، دوستوں کی محبت، صحافیوں کے جذبات، عام ملنے جلنے والوں کے تاثرات، مدیروں کے خیالات، نجی زندگی کے واقعات و حالات اور کنور صاحب کی شاعری کے انتخابات سے لطف اندوز ہونے کیلئے

شانِ ہند کا شائع ہونے والا

جشنِ سحر نمبر

ضرور پڑھیے

جو عنقریب ہی دہلی میں منائے جانے والے جشنِ سحر کے مبارک موقع پر شائع ہو رہا ہے جو یقیناً دنیائے اردو ادب میں ایک یادگاری اضافہ ہوگا۔ چار صد صفحات پر پھیلا ہوا یہ خاص نمبر جو بیس صفحات آرٹ پیپر پر کنور صاحب کی مختلف تصاویر سے مزین ہے آپ اپنی نظیر ہوگا۔

قیمت دس روپیہ شانِ ہند کے مستقل خریداروں سے چھ روپیہ علاوہ محصول ڈاک جبکہ اس شمارہ پر دس روپیہ فی پرچہ اصل اخراجات ہوں گے

مشتہرین کی خدمت میں التماس ہے کہ کنور مہندر سنگھ بیدی سحر کی ہر دلعزیز مقبولیت کے پیش نظر جشنِ سحر نمبر ملک بھر میں بڑے ذوق و شوق سے پڑھا جائے گا لہٰذا اس یادگاری نمبر میں اشتہار دینا بھی کنور صاحب سے دلی عقیدت کا مظہر ہوگا۔

اجرتِ اشتہارات: عام سالم صفحہ اڑھائی صد روپیہ نصف ۱۲۵ روپیہ سرورق کا اندرونی صفحہ ۲ پانچصد روپیہ سرورق کا تیسرا صفحہ چار صد روپے اور سرورق کا آخری صفحہ دو رنگ میں سات صد روپے۔

جشنِ سحر نمبر میں آپ بھی لکھیے سحر نمبر کو اپنے لئے اور اپنے عزیزوں کو تحفہ دینے کے لئے مطلوبہ کاپیاں ریزرو کروا لیجئے۔ جشنِ سحر نمبر میں اپنا اشتہار دیجئے۔ کنور مہندر سنگھ بیدی سحر کے ہر عقیدت مند کو جشنِ سحر نمبر کی اطلاع دیجئے۔ مزید تفصیلات کے لئے لکھیے۔

ماہنامہ دفتر شانِ ہند فلیٹ، انصاری مارکیٹ دریا گنج نیو دہلی فون نمبر ۲۸۸۸۰

وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی
کے
بیس نکاتی اقتصادی پروگرام

کی کامیابی سے ہی ہمارے ملک کا پسماندہ طبقہ غریبی کے دلدل سے نکل سکتا ہے۔ اور ہم ڈسپلن سے قومی کیریکٹر کو بلند کر سکتے ہیں آئیے ہم سب مل کر وزیر اعظم صاحبہ کے بیس نکاتی پروگرام کو کامیاب بنانے میں قدم سے قدم ملا کر چلیں۔

دیال سنگھ کالج

مشترکہ پنجاب میں نصف صدی اور کرنال (ہریانہ) میں چوتھائی صدی سے اپنی شاندار روایات کو قائم رکھے ہوئے ہے۔ دیال سنگھ کالج کرنال میں طلباء کو ہمیشہ ڈسپلن، قومی یک جہتی۔ اور ملک کی ہر طرح حفاظت کرنے کی تلقین کی جاتی ہے اور انھیں ایک اچھا شہری اور ایک ذمہ دار ہندوستانی بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

اراکین منتظمہ کمیٹی

دیال سنگھ کالج کرنال

(ہریانہ)

اللہ شوق دے تو کتابیں پڑھا کرو

اور

آپ کا یہ شوق راجدھانی کی مقبول ترین

عوامی لائبریری

دیال سنگھ پبلک لائبریری

میں

پورا ہو سکتا ہے یہاں اردو، ہندی، پنجابی اور انگریزی کی ہزارہا کتابیں ہر موضوع پر آپ کے ذوقِ مطالعہ کی پرداخت کے لیے موجود ہیں اور بغیر کسی نقد معاوضہ کے آپ صبح دس بجے سے شام کے پانچ بجے تک اپنی پسند کی کتابیں پڑھ سکتے ہیں۔ اردو، ہندی اور انگلش کے مشہور روزنامے، ہفت روزے اور ماہنامے بھی لائبریری میں منگائے جاتے ہیں۔

اتوار اور دوسری تعطیلات کے روز لائبریری بند رہتی ہے

دیال سنگھ پبلک لائبریری
[illegible]
راؤز ایونیو نئی دہلی

افکار و واقعات

"راقم الحروف [illegible] باعث [illegible] لیے [illegible]
[illegible] روایات کے مطابق پیش کیے جا رہے ہیں
لہٰذا اس [illegible] عظیم [illegible]
[illegible]
[illegible]
جناب عظیم [illegible]
[illegible] نہیں لیا جا سکتا۔

خط غلط، املا غلط، ہجا غلط، انشا غلط

[illegible] [illegible]

[illegible] پریس سے شائع [illegible]
اور پھر [illegible] سال بعد [illegible]
[illegible]
[illegible] سکتا ہے [illegible]
[illegible] اول کا [illegible]
الرحمٰن [illegible]
[illegible]
[illegible] طرح [illegible]
[illegible] نہیں آتا یعنی [illegible]
[illegible] سمایا ہوا نہیں [illegible] حضرت [illegible]
[illegible] لکھنوی کے حاضر ہیں۔

[illegible]

[illegible] کے لگا [illegible]

کل وہ آئے اور [illegible] بے [illegible]

میرے حق میں ہو گئی [illegible]

[illegible] دوسرے میں [illegible] بالکل ایک [illegible]
[illegible] کو بھی [illegible]
[illegible]
[illegible] بھی [illegible]

[illegible]

[illegible] صحیح نہیں
[illegible]
[illegible] لکھتا ہے صاحب [illegible]
[illegible] مولفان لکھتے ہیں کہ ذرا
[illegible] کی مناسبت ہے جو [illegible]
[illegible] بظاہر فارسی
[illegible] نہیں۔

[illegible] لکھنوی لکھتے [illegible]
بعض [illegible] (صفحہ ۱۵)

[illegible] کلمہ
ہے [illegible] لفظ کو ذال سے لکھتے
[illegible] فارسی [illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible] میں [illegible] بھی
[illegible]

[illegible]

خانِ آرزو "چراغ ہدایت" میں لکھتے ہیں کہ زاے ہوز ہندی میں نہیں دلیلِ ساطع میں (جو لغات ہندی سنسکرت کے لئے ہے) لفظ [illegible] کا پتہ نہیں۔

حضرت علامہ عشق آبادی [illegible] لکھتے ہیں۔

اب چند شاعروں کے اشعار دیکھئے۔ میر حسن دہلوی

وزیر دل سندِ [illegible] آفتاب

شو ذرہ تجھ کو بھی اضطراب

یہ [illegible] کی اُس کو خبر [illegible]

[illegible] دیکھے پاؤں اس کو [illegible]

سودا

[illegible] اس کو [illegible]

[illegible] مشکل [illegible]

ذوق دہلوی نے ایک [illegible] کی جگہ [illegible] لکھا ہے۔

میں ہوں وہ تفتیدہ دل گر جائے اب دریا [illegible]

[illegible] خاب [illegible]

[illegible] نسیم دہلوی [illegible] لکھنوی [illegible] دہلوی نے [illegible]

[illegible] قدیم و جدید [illegible]

[illegible] شعر پر بھی رامپوری بحر الفصاحت [illegible]

[illegible] ملاحظہ کیجئے

[illegible] احمق ہے [illegible]

میں [illegible] سے [illegible]

[illegible] سے [illegible]

معنی میں بھی آیا ہے اور اس وجہ سے شوہر کو بھی کہتے ہیں۔

[illegible] بھی [illegible]

[illegible] میں خصوصیت [illegible] انتہائی محبت ہوتی ہے۔ [illegible]

زبان کا لفظ ہے [illegible] محاورات نسواں [illegible] لکھنوی [illegible]

[illegible] لکھا ہے [illegible] سے صحیح ہے کیوں [illegible] مستعمل ہے [illegible]

لکھنا [illegible] ہے۔ جلال صاحب [illegible] شعر

اوّل [illegible] + کر کے [illegible] چھوڑ دیا [illegible]

امیر [illegible] میں نون کے وجود کو مانتے نہیں۔ جلال صاحب

گھانس [illegible] نون غنہ کو صحیح مانتے ہیں اسی طرح سونٹھا میں بھی [illegible]

تائید کرتے ہیں اور لکھتے ہیں [illegible] بغیر نون غنہ غلط ہیں۔

صاحب نفائس اللغات نے گھاس اور گھانس دونوں طرح لکھا ہے

لیکن ذوق صاحب نے [illegible] بغیر نون غنہ [illegible] لکھا ہے

[illegible] شیریں [illegible] حسن کی شمع [illegible]

[illegible] لکھا [illegible] بے بہت ترے نزدیک [illegible]

ذوق صاحب نے [illegible] توضیح لکھا ہے لیکن پارس کی رائے [illegible]

[illegible] کا ثبوت دیا ہے [illegible] پارس کی (ر) دوسرا حرف [illegible]

ہے [illegible] اور دارو کی فارسی [illegible]

امیر مینائی نے پارس صحیح لکھا ہے

جب تک [illegible] ہے ❊ تا بن آبیاری پارس [illegible]

[illegible] میں اس شعر میں [illegible] پارس [illegible]

آبیاری کا لفظ [illegible] صحیح نہیں ہے

ہندی کے سوا فارسی [illegible] فارسی کی اضافت [illegible]

[illegible] کے رہتا ہے [illegible] بھی [illegible] مقرر کی ہیں

فقرے کے ختم کی علامت (۔)

[illegible] الفاظ کی علامت (۔۔۔)

سوالیہ فقرے کی علامت (؟)

الفاظ کی [illegible] کی علامت (" ") [illegible]

تعجب و تحسین کی علامت (!)

تشریح لفظ یا فقرے کی علامتیں [illegible] (-) [illegible]

شاد عظیم آبادی نے ماہنامہ [illegible] بھی علامتیں ضروری بتائی

خط الوصل خط المتن خط التمیز خط الجلی خط العتاب نقطہ اختصار خط

خط النقصان بنیہ السہو خط الشک خط الیقین وغیرہ۔

اب آپ یہ شعر دیکھئے جس کا پہلا مصرع سحبان العصر کا ہے

دوسرا تاریخی مصرع علامہ عشق آبادی کا ہے

بن گیا نورِ نظر آپ اگر جانِ مراد

طالب دیدہ و دل ہو ہوئی عنوانِ مراد

۱۵ ذی الحجہ ۱۳۵۸ھ

میں نے علامہ صاحب سے دریافت کیا کہ اس تاریخی مصرع میں لفظ ہو

[illegible] عدد محسوب کئے ہیں اور آپ ہوئی ایک ی سے تحریر فرماتے ہیں اس طرح

کے ۲ عدد بنتے ہیں۔

فرمایا جنوری ۱۹۳۰ء تک میں جاہلوں کی تقلید میں ہوئی لکھتا رہا جب

مالک پوری جانشین حضرت امیر مینائی نے آگاہ کیا تو میں ہوئی تک پہنچا۔

[illegible] میں نے پھر کہا کہ اب اس کی تصحیح کس طرح فرمادیجئے تو [illegible] کہ [illegible] (سحاب [illegible] کہا جانا [illegible]) [illegible]

دماغی ورزش

پچاس روپے انعام

۱۔ یہ مختلف مطلع ہیں یا مسلسل نظم ہے؟
۲۔ اگر مسلسل نظم ہے تو قافیہ کیا ہے۔ اور حرف روی کون سا ہے؟
۳۔ اگر متفرق مطلع ہیں تو ہر مطلع کا قافیہ مع حرفِ روی بتائیے۔
۴۔ اگر کسی مطلع میں ایطائے جلی یا خفی ہو تو وضاحت کیجیے۔
۵۔ اگر قافیے معمولہ کہیں آیا ہو تو وہ بھی بتائیے۔
۶۔ اگر قافیے کا کوئی اور عیب سرزد ہو گیا ہو تو وہ بھی ظاہر کیجیے۔
۷۔ ردف متحرک اہلِ فارس نے حروف قافیہ سے خارج کر دیا ہے۔ لہٰذا اب حرف قافیہ نہیں۔
۸۔ جتنا سوال ہو اتنا ہی جواب دیجیے۔

(ادارہ)

۱۔ اندرا گاندھی ہیں ایک اک بھارتی کی قدرداں
یا بالفاظ دگر ہے تاج کی کشورستاں

۲۔ فہم سے ان کی وطن ہر کا ہے مثلِ بوستاں
وجد کرتا ہے انھیں کے ساز پر ہندوستاں

۳۔ روحِ اشعارِ جوان وجہ ہر سنبل ستاں
نکہت افشاں ہے نفسِ سلمیٰ کا مثلِ گل ستاں

۴۔ ہم رکاب بدر تیارے ہیں برانجم ستاں
جلوہ گر علام ہیں یوں در ہجومِ دوستاں

۵۔ ہیں ہزاروں پر ہزاریں نغمہ زن در بوستاں
آتشِ گل لب ہے محتاج ہوائے دوستاں

۶۔ طنز ہو جس میں یہاں رد ہوتی ہے رنجات آن
یا بہ انداز تکیۂ رقہ والسمی داستاں

۷۔ داد کا بھوکا ہے ہر شاعر فدائے داستاں
سجدہ گاہِ اہلِ فن علام کا ہے آستاں

مہر جب آئے حمل میں لکھو نقشِ بیت آں
رفعتِ تاثیر دیکھو تم نہ مجھ کو چھیتاں

درجہ حرارت ناپنے کے لئے
سیلسیس اسکیل استعمال کریں

کریمی الاحسانی

مشاعرہ جشنِ جمہوریت لال قلعہ دہلی

یہ ۲۶ جنوری ۷۲ء کی یخ فضا رات ہے۔ میں لال قلعہ پہنچ گیا ہوں
۔ میں پاس دفتر شانِ ہند میں ہی رہ گیا یہاں آکر جو دیکھا تو
پنڈال دیوانِ عام کے قریب ہی بنایا گیا ہے۔ ایک ہُو کا عالم اور سناٹا
ہے۔ حالانکہ اس مشاعرہ کو سننے کے لئے بیرونِ دلی سے بھی اردو کے بہی خواہ
اور مشاعروں کے شائقین شرکت کیا کرتے ہیں لیکن آج ایک جمود طاری
ہے۔ پوسٹر میں آٹھ بجے کا وقت لکھا ہوا ہے اور میں صحیح وقت پر آگیا ہوں
گیٹ پر جن لوگوں کو تعینات کیا گیا ہے ان پر زبانِ یار من ترکی و من ترکی
نمی دانم صادق آتا ہے۔ یہ حضرات خود مجھ سے دریافت کر رہے ہیں کہ یہاں
کیا ہوگا۔ ان کی گفتگو سے اندازہ ہوا کہ یہ حضرات اور لوگ ہریانہ سے
تعلق رکھتے ہیں ان کو بتلایا گیا کہ مشاعرہ ہوگا۔ مشاعرہ کیا ہوتا ہے
میں نے سمجھایا کہ گویا جانتے ہو۔ ہاں۔ تو یہ اردو کی کویتا ہوگی۔
دیکھا تو محترم عرش ملسیانی صاحب ایک صاحب کے سہارے آ رہے ہیں
ان سے سلام و مزاج پرسی ہوئی اور ان کے ساتھ ہی پنڈال میں گیا ہوں
اسٹیج کے سامنے مخصوص صوفوں پر تشریف فرما ہیں ان کے پاس ہی
بیٹھ گیا ہوں۔ ٹیلی ویژن والے اور آل انڈیا ریڈیو کے منتظمین مشاعرہ کو فلمانے
اور ریکارڈ کرنے کی تیاری میں مصروف ہیں۔ سامعین کی نفری بھی بڑھ رہی
ہے اور شعراء کرام بھی ٹولیوں میں آ رہے ہیں۔ ۹ بج چکے ہیں اور ابھی تک
جناب شنکر دیال شرما جی وزیر حکومتِ ہند تشریف نہیں لائے لہٰذا اختر کا
رادھا رمن صاحب چیف ایگزیکٹیو دلی چیئرمین کا صدارت کے لئے اسم
گرامی پیش کیا جا رہا ہے آپ کو پھولوں کے ہار پہنائے جا رہے ہیں اور
آپ فرما رہے ہیں:۔

ابھی شرما جی کے آنے میں دیر ہے مجھے یہاں کھڑا کر دیا گیا ہے میں
آپ کے حکم کی تعمیل کر رہا ہوں۔ لال قلعہ کا یہ مشاعرہ ایسا نمایاں ہو کہ
اس کی یاد ہمیشہ دیر تک رہے۔

۔۔ بجا ارشاد فرمایا ایک مشاعرے بہت پہلے ہوا کرتے تھے جو
صرف چند مشاعرے رہ گئے ہیں۔ وہ ہوتے تھے
کہاں ۔۔۔ آپ مختصر سی تقریر فرما کر تالیوں کی جھنکار میں اپنی جگہ آگئے ہیں

اور اسی عالم میں جناب شنکر دیال شرما جی تشریف لے آئے ہیں۔ آپ کا نام
نامی افتتاح کے لئے پیش کیا جا رہا ہے۔ آپ کا بھی پھولوں اور تالیوں سے
استقبال کیا جا رہا ہے۔ یہ تالیوں کا شور خوشگوار کم ہوا تو شرما جی نہایت
پُر وقار انداز سے خالص اور شستہ اُردو میں فرما رہے ہیں:۔

بزرگوار اور ساتھیو۔ اسے اپنی خوش قسمتی سمجھو کہ جشنِ جمہوریت کا
مشاعرہ بہادر شاہ ظفر کے قلعہ میں ہو رہا ہے آج ہم ایسے وقت اکٹھے ہوئے
ہیں کہ ہندوستان اُبھر کر سامنے آیا ہے۔ ہماری تقاریر کا کوئی مقصد ہوتا
لیکن شاعر کے کلام کا زیادہ اثر ہوتا ہے۔ کسی بھی ملک میں انقلاب ہوا ہو
وہاں شعراء کرام کا زیادہ حصہ رہا ہے یہ اُمید اُردو کے شعراء سے زیادہ وابستہ
ہوں۔ تالیاں ۔۔۔ اُردو زندہ رہے گی۔ اُردو بڑھے گی۔ اور اس کو
اس کا صحیح مقام ملے گا ۔۔۔ تالیاں ۔۔۔ اندرا جی کی قیادت میں نیا اعتماد
قائم ہوا ہے ۔۔۔ تالیاں ۔۔۔ ہم سب کو چاہیئے کہ اُن کے پروگرام میں ہاتھ
بٹائیں۔ اردو کا رشتہ ہر دور اور سماج کے ساتھ وابستہ رہا ہے ہماری
آزادی کی تحریک جن جن راستوں سے گزری اردو نے اس کا ہر جگہ ساتھ
دیا ۔۔۔ تالیاں ۔۔۔ اور میں سوچ رہا ہوں جس اردو نے آزادی دی
آج ہم اس کو نظر انداز کر بیٹھے اور وہ غریب الدیار اردو اپنی شیرینی اور
اپنے بل بوتے پر زندہ ہے۔ ہم اردو کی تعریف سن کر صرف تالیاں بجاتے
ہیں کیا اس طرح اردو زندہ رہے گی ۔۔۔؟ کیا تالیوں سے اردو کو اس کا
صحیح مقام مل جائیگا ۔۔۔؟

لیجئے ملک زادہ منظور احمد صاحب مشاعرہ کو چلانے کے لئے مائک
پر آکر شعراء کرام کا تعارف کرا کر پدم شری الحاج بیکل اُتساہی صاحب
سے اس مشاعرہ کا آغاز کرا رہے ہیں۔ قبلہ بیکل یوں من داد دیئے جا رہے
رہے ہیں ۰

کوئی تھا ہندو نہ مسلم گناہ کس نے کیا ٭ بتاؤ پیار کے گھر کو تباہ کس نے کیا
وہاں نہ ہم تھے نہ تم تھے اور کوئی نہ تھا ٭ تو پھر یہ شیشے کا پیرہن سیاہ کس نے کیا

ایک عجز و نگ کا عالم ہے یہ ہنگامہ کم ہوا تو بیکل صاحب مسکراتے
سے داد وصول کرتے چلے ہیں۔

دگلوں کی تازگی ہے نہ چمن کی دلکشی ہے
جو دلوں کو کردے روشن وہی اصل روشنی ہے

اے حسین چاند تارو نہ سجاؤ میرے گھر کو
مرا دلیش جگمگا دو یہی میری زندگی ہے

شکیل صاحب ایک حسین گیت سناکر تالیوں کی جھنکار میں اپنی جگہ آ بیٹھے ہیں اور ممتاز مرزا فرمارہی ہیں ابھی ذرا اسی پنسل سے اس مشاعرہ کو لکھو گے؟ میں نے عرض کیا نہ جانے کتنے مشاعرے اسی پنسل سے لکھ چکا ہوں اور یہ ابھی باقی ہے۔ دیکھا تو محترم کنور مہندر سنگھ بیدی سحر صاحب کا تالیوں سے خیرمقدم کیا جارہا ہے اور عرش ملسیانی صاحب عطا کررہے ہیں ؎

جو کم ہمت ہیں ان کو حوصلہ دینا بھی آتا ہے
ہمیں قم کہہ کے مردوں کو جلا دینا بھی آتا ہے

بزرگوں کا ادب آتا ہے اور خردوں کی دلداری
دعا لینا بھی آتا ہے، دعا دینا بھی آتا ہے

نگاموں کو نگاہوں سے پلا دینا تو آساں ہے
جو دل سے نہیں اُن کو پلا دینا بھی آتا ہے

حریم ناز میں رکتے بھی ہیں اے عرش ہم اکثر
حریم ناز کا پردہ اٹھا دینا بھی آتا ہے

عرش صاحب خوب خوب داد وصول کئے جارہے ہیں اور منظور صاحب دعوت سخن دے رہے ہیں مسعودہ حیات صاحبہ کو۔ حیات صاحبہ ایرجی ایک طویل نظم سنا رہی ہیں جسے سامعین نے دلچسپی سے سنا۔ آئیے آپ بھی سماعت فرمائیے ؎

اب کوئی جبر کرے گا نہ کوئی لوٹے گا
مٹ گئے عدل کی برکت سے نہ جانے کتنے
کتنی برباد ہے اب اہل ہوس کی دنیا
اور آباد ہیں نادار کے ڈیرے کتنے
اب کہیں سے نہیں اٹھتا کسی الزام کا شور
حق و انصاف کی ہر سمت صدا پھیلی ہے
ہر طرف پھول نظر آتے ہیں نظم نو کے
گلشن ہند میں خوشبوئے وفا پھیلی ہے

حیات صاحبہ کامران جارہی ہیں اور منظور صاحب مسکرا کر فرما رہے ہیں قبلہ شعلہ مجنے کے بعد ایک سنجیدہ شاعر یعنی کنور مہندر سنگھ بیدی سحر آرہے ہیں کلام سے کرم فرمائیے۔ محترم کنور صاحب نے ایک طویل نظم عنایت کی ہیں مگر صرف سننے ہی پر اکتفا کیا یہ وہی لال قلعہ ہے کہ جہاں کے مشاعرے ہنگامہ بازی کی نذر ہو جایا کرتے ہیں لیکن آج ایسا نہیں ہو رہا ہے۔ غالباً یہ ایرجنسی کی مہربانی اور کرم فرمائی ہے اگر ایسا ہے تو اس نظام کا کیا جواب ہو سکتا ہے۔ دیکھا تو محترم کنور صاحب تالیوں کی جھنکار میں مائک سے جدا ہو رہے ہیں اور منظور صاحب فرما رہے ہیں ہندوستان کی آزادی اور اردو کی تشکیل میں جن کا ہاتھ رہا ہے اور وہ کنور صاحب کے بشکل ہیں انہیں علامہ انور صابری کے نام سے پکارتے ہیں۔ اب آپ کے سامنے آرہے ہیں ان سے بھی کچھ سنئے گا۔ علامہ بوڑھے ترنم سے گرج رہے ہیں ؎

کہا یہ کس نے کہ تزئین لالہ زار نہ ہو
یہ شرط ہے کہ کوئی آنکھ اشکبار نہ ہو

قدم قدم پہ رہے ہوش قافلے والو
چھپا ہوا کوئی رہزن پس غبار نہ ہو

چمن سے ربط محبت کا حق ادا کردو
کلی کلی کو تبسم سے آشنا کردو
خلاف مصلحت باغباں ہیں جو کہ دماغ
انہیں بہار کے ماحول سے جدا کردو
تجوریوں میں نہ روشن ہوں سیم وزر کے چراغ
دل غریب کی آہوں کو یوں رسا کردو
دبے ہوئے تھے جو صدیوں سے بار غم کے تلے
بلند ان کے عزائم کا حوصلہ کردو

علامہ صاحب خوب خوب داد و تحسین پاکر اپنی جگہ پلٹ رہے ہیں اور منظور صاحب مینا قاضی کو دعوت نغمگی دے رہے ہیں۔ مینا صاحبہ یوں محفل کو نغمگی سے مخمور بنانے چلی ہیں ؎

امید و یاس نے کچھ ایسے گل کھلائے ہیں
سنبھل سنبھل کے قدم اپنے ڈگمگائے ہیں

پنڈال میں ایک بھونچال سا آیا ہے قدرے سکوت کے بعد اسی تحسین سے ہلکی ہی ہے

بقدر ہمت دل اُن کے ناز اٹھائے ہیں
یہ اور بات ہے وہ آہنگ پرائے ہیں

سب برابر کے شریک ہیں ـــ ایک آواز ـ ـ ایک قہقہہ ـــ دیکھا تو ایک سردار جی مینا صاحبہ کو پانچ روپیہ کا نوٹ پیش کر رہے ہیں جسے شکریہ کے ساتھ واپس کر دیا گیا ہے اور آپ اسی کی دھج سے محفل کو یوں چونکا رہی ہیں ؎

خزاں بدوش ہواؤں سے دُور رہو
ہمیں نہ چھیڑو بہاروں کے ہم ستائے ہیں
جہانِ عشق و وفا میں بہت اندھیرا تھا
ہمیں نے اپنے لہو سے دیئے جلائے ہیں
تمام عمر جنہیں ہم نے رائیگاں سمجھا
کبھی کبھی وہی آنسو بھی کام آئے ہیں

علامہ صاحب کرا کر فرما رہے ہیں کہ لکھ رہے ہو۔ دیکھا تو مینا صاحبہ مائیک چھوڑ رہی ہیں اور منظور صاحب فرما رہے ہیں کہ صرف قومی نظمیں ہی نہیں بلکہ شاعر کی رائے پر چھوڑ دیئے کہ وہ کیا سنانا چاہتے ہیں۔ اِس اعلان پر انا ہار خوشنودی پایا جا رہا ہے حالانکہ آج قومی شاعری ہی پیش کی جاتی۔ وہ دیکھیے صوفی رام کشن مضطر صاحب بیداری لے کر آ رہے ہیں۔ ایک بند آپ بھی سُنئے ؎

جب فتنہ گر چمن کو مٹانے پہ تُل گئے
جب شر پسند آگ لگانے پہ تُل گئے
ہر شاخ ہر شجر کو جلانے پہ تُل گئے
بنیادِ قصرِ امن کو ڈھانے پہ تُل گئے

مضطر صاحب خوب خوب داد پا کر اپنی جگہ آ رہے ہیں اور منظور صاحب ڈاکٹر نشاء الرحمن نشا سے درخواست کلام کر رہے ہیں نشا صاحب نہایت سنجیدگی سے عنایت کر رہے ہیں ؎

دل اسیرِ غمِ دنیا نہیں ہونے پاتا
شکر صد شکر کہ ایسا نہیں ہونے پاتا
خونِ دل سے جو جلاتے ہیں محبت کے چراغ
اُن کی دُنیا میں اندھیرا نہیں ہونے پاتا
لوگ اندھیر مچاتے ہیں تو ہم گلشن میں
صبح ہو کر بھی اُجالا نہیں ہونے پاتا

ڈاکٹر صاحب تالیوں کی جھنکار میں جا رہے ہیں ادھر منظور صاحب رنگِ محفل بدلنے کے لئے ہلال رضوی رامپوری کو دعوتِ طنز و مزاح دے رہے ہیں ہلال صاحب مسجد کے زیرِ سایہ عنایت کر رہے ہیں قہقہے اور قُلقُل لیجئے ؎

دیکھا ہلال میں نے یہ کل رات خواب میں
غالب کھڑے ہیں مسجدِ شاہ جہاں کے پاس
حیران ہو کے میں نے کہا آپ اور یہاں
جانِ جہاں کے پاس نہ پیرِ مغاں کے پاس
کہنے لگے کہ دوست بیاں کیا کروں میں حال
جنت میں جا کے ایسا پشیماں ہوا کہ بس
جب بادۂ طہور میں پینے پہ ڈٹ گیا
دو چار بوتلوں ہی پہ آئی صدا کہ بس
پھر بولے چھوڑو ذکر وہاں کا بتاؤ یہ
بے موقع تھا یہاں یہ جو بازار کیا ہوا؟
وہ چاٹ والے اور وہ کبابی کہاں ہیں اب؟
میں چاہتا ہوں منہ کا مزہ بدلنا ذرا
نظارۂ جمال نہ کیفیتِ سرور
ساقی کی چشمِ مست نہ رندوں کا آسرا
آخر بتاؤ تو کہ یہ ہے انقلاب کیا
جب کہہ چکے تو میں نے کہا محترم جناب
بعدِ وصال بھی ہے وہی حسرتِ نگاہ
بھول یاس آنکھ قبلۂ حاجات چاہیئے
ذوقِ طلب کا تھا یہ تقاضا کہ اب تلک
مسجد کے زیرِ سایہ خرابات چاہیئے
دلّی ہے شاہراہِ ترقی پہ گامزن
جو تھے کبھی یہاں کے وہ حالات اب نہیں
بھول یاس آنکھ تو ہے جنابِ اسد مگر
مسجد کے زیرِ سایہ خرابات چاہیئے

ہلال صاحب محفل کو قہقہوں اور شور و غل میں لا کر تالیوں کے شور میں جا رہے ہیں اور منظور صاحب اسی محفل میں لیجا کر جمیل جالبی چھوڑ کو دعوتِ موسیقی دے رہے ہیں۔ تلیک صاحب یوں ترنم ریز غزل سرا ہیں ؎

کیا اہلِ گلستاں نے یہ بات بھلا دی ہے
ہم نے لہو دے کر گلشن کو جلا دی ہے

اب خود وہ تماشہ ہیں اور دنیا تماشائی

دیوانے تیرا نفرت کی کیا خوب سزا دی ہے
لیکن تو نہ بجھ پایا یہ آگ محبت کی
تب یونہی تو پھر اپنے دامن سے ہوا دی ہے
گلشن کے نگہبانو ناخواندہ بنے ہو
گلشن میں بہاروں نے اک آگ لگا دی ہے

تاباں صاحب ذرا بے تحاشہ محفل کو گرما کر اپنی جگہ آ رہے ہیں اور منظور صاحب بہار برنی سے درخواست کلام کر رہے ہیں۔ بہار صاحب ایک طویل نظم مبارکباد پیش کر رہے ہیں جیسے ـ

جہاں مشرق سے اک آفتاب نو ابھرا
جلوس لے کے ضیا بار حال و مستقبل

نیا سماں ہے نیا باغ ہے نیا منظر
قریب تر نظر آتی ہے رہ کی ہر منزل

مبارک ان کو جو حق میں ہیں حق پرستی میں
کہ پاش پاش ہوئی آج قوت باطل

جو سنگ راہ تھے وہ سلسلے تمام ہوئے
رہ سفر کے لئے راہ اب نہیں مشکل

بہار نو نئے منظر کھلائے گی ہر سو
ہر ایک سمت گلوں کی سجے گی اب محفل

یہ شین جذبۂ صد اتحاد و یکجہتی
رہے گا کوئی نہ اپنے چمن سے اب غافل

بہار صاحب داد و تحسین پا کر واپس پلٹ رہے ہیں اور منظور صاحب عزیز وارثی کو یاد فرما رہے ہیں۔ عزیز صاحب بانکے تیکھے بندوں کے دیکھے ہوئے دو ایک شعر سنا رہے ہیں ـ

یہ گو کہ ہمیں حسن نہیں ہے کس محفل میں رنگ نہیں ہے
دیکھ تو اے نقاد زمانہ تیری نظر تو تنگ نہیں ہے

عزیز صاحب [illegible] سنا کر پلٹتے ہیں اور دیکھا تو فتنہ اردو گلستاں دہلوی بھی [illegible] دو ایک سنا کر پلٹ رہے ہیں آپ کا سنہ دیکھتا رہ گیا ہے آپ عثمان عارف نقشبندی کا ایم۔ پی سے یہ حسین اشعار سنئے ـ

[illegible] کی دیوی پیام آشتی لے کر
مدد کو اس کی بھارت کے نگہبانوں میں آجاؤ

نہیں پرچم لہو کا دامن امن و اماں لے کر
بچانے شمع آزادی کو میدانوں میں آجاؤ
وہ سونے کے مکانوں میں جو بیٹھے ہیں خدا بن کر
سبق انسانیت کا دو کہ انسانوں میں آجاؤ
ترستے ہیں کروڑوں روشنی کو زندگانی کی
چراغاں لے کے غربت کے سیہ خانوں میں آجاؤ

عارف صاحب تالیوں کی جھنکار میں جا رہے ہیں اور منظور صاحب یار غزل مشیر جھنجھانوی کو دعوت غزل دے رہے ہیں۔ مشیر صاحب پر تپاک انداز سے فرما رہے ہیں ـ

جان پر بنتی رہی لیکن وفا کرتے رہے
زندگی بھر زندگی کا قرض ادا کرتے رہے

حوصلہ مندی نے بڑھ کر چھین لی تیغ ستم
پست ہمت سر جھکا کر التجا کرتے رہے

داد نقطۂ عروج سے سوا ہے اور آپ کئی بار دہرا کر عنایت کر رہے ہیں ـ
زندگی کی ناخدا [illegible] داری کوئی آساں نہ تھی
موج تیز و تند کو موج صبا کرتے رہے

روز اول سے زبان سے دنیا کے مناظر دیکھ کر
اپنی تنہائی پہ ہم شکر خدا کرتے رہے
ایک حلقہ ہر برس بڑھتا گیا زنجیر کا
اور ہم آزاد ہونے کی دعا کرتے رہے

مشیر صاحب تالیوں کی جھنکار میں شاداں پلٹ رہے ہیں اور منظور صاحب رفعت سروش سے درخواست کلام کر رہے ہیں۔ سروش صاحب یوں [illegible] رہے ہیں ـ

افسانہ کو ہم درس وفا دیتے ہیں ⁂ سینے میں نئی آگ لگا دیتے ہیں
وہ رزم ہو یا بزم ہو ہم اہل قلم ⁂ احساس کے شعلوں کو ہوا دیتے ہیں

تلواروں کے سائے میں پلے ہیں ہم لوگ ⁂ کانٹوں بھری راہوں پہ چلے ہیں ہم لوگ
منزل پہ بہاروں کی نہیں تھی آساں ⁂ طوفان میں شعلوں کے جلے ہیں ہم لوگ

سروش صاحب بھی داد و تحسین پا کر مائیک سے جدا ہو رہے ہیں اور منظور صاحب ملک کے ایک منفرد لہجے کے ناظم آزاد کو یاد فرما رہے ہیں۔ آزاد صاحب نہایت بانکپن سے غزل سرا ہیں ـ

مدت کے بعد اُن کا جو پیغام آگیا ؛ اک تشنہ لب کے ہاتھ میں پھر جام آگیا
اس بات کی ندامتِ پنہاں نہ پوچھ تو ؛ جب بےخودی میں لب پہ ترا نام آگیا

داد کا عالم نہ پوچھیئے اور آپ اسی انداز سے محفل کو گرما رہے ہیں ۔

اے دل میں اپنی فتح کو لے کر کرونگا کیا
اس معرکہ میں تو بھی اگر کام آگیا

آزاد صاحب تالیوں کی جھنکار میں محفل کو گرما کر جا رہے ہیں اور منظور صاحب ممتاز مرزا دہلوی کو دعوتِ نغمگی دے رہے ہیں۔ محترمہ پدم شری ممتاز مرزا صاحبہ نہایت دلکشی سے یوں محفل کو چونکانے چلی ہیں ۔

نکھر گئی ہے فضا پھول کھلتے ہیں ؛ چمن کو موسمِ نشو و نما مبارک ہو
یہ دور دورِ حادث ہے زندگی کیلئے ؛ ہجومِ رنگ و پیامِ صبا مبارک ہو
اندھیری رات کو تاریخ کے سپرد کیا ؛ نئی سحر ہے نئی ابتدا مبارک ہو
خدا کا شکر ہے کہ تعمیرِ نو کا وقت آیا ؛ نظر کو جلوۂ در و بام کا مبارک ہو

حیاتِ تازہ ملی جس کے عزم و ہمت سے
ہماری قوم کو وہ رہنما مبارک ہو

[illegible] زا صاحبہ محفل میں نغمگی بکھیر کر تالیوں کی جھنکار میں اپنی جگہ آرہی ہیں۔ اور منظور صاحب درخواست کلام کر رہے ہیں عالم فتح پوری سے۔ عالم صاحب گرج رہے ہیں ۔

الیکشن کی شکستوں کے زخم کھائے ہوئے ؛ ذلیل ہو کے بھری بزم سے اُٹھائے ہوئے
مقام و مرتبہ و آبرو گنوائے ہوئے ؛ خود اپنی پھونکوں سے اپنے دیئے بجھائے ہوئے
جبینِ ننگ ندامت کی چوٹ کھائے ہوئے ؛ جو اس باختہ بد حال سٹ پٹائے ہوئے
نفس میں تیر عداوت کے اور سینے میں ؛ کچھ انتقام کی چنگاریاں چھپائے ہوئے
تمام فرقہ پرستی کی بھیڑ ساتھ لئے ؛ بد امنیوں کے عَلَم ہاتھ میں اُٹھائے ہوئے
منافع خوروں کو غنڈوں کو زرپرستوں کو ؛ بصد خلوص و محبت گلے لگائے ہوئے
چلے تھے سیکڑوں جے چند جعفر و صادق ؛ وطن پرستوں کی کینچلی چڑھائے ہوئے
یہ چاہتے تھے بجھا ڈالیں شمعِ بزمِ وطن ؛ پڑے ہیں آج اندھیرے میں منہ چھپائے ہوئے
بغیر زہر نکالے نہ چھوڑنا ان کو ؛ بلوں میں سانپ چھپے بیٹھے ہیں [illegible] ہوئے

عالم صاحب کو ہر شعر پر وہ داد ملی کہ کیا عرض کروں محفل کو خوب خوب گرما کر تالیوں کے بےہنگم شور میں مائیک چھوڑ رہے ہیں اور منظور صاحب مشہور غزلگو شاعر ساحر ہوشیار پوری کو زحمتِ سخن دے رہے ہیں۔ ساحر صاحب یوں زبان کے سادہ اشعار سے شاعرانہ نوشتگی کی سی فرما رہے ہیں ۔

پھول بکھرے جبیں پر یہ تماشا کیا ہے ؛ چشمِ بینا یہ حقیقت ہے تو دھوکا کیا ہے
کھلائے سوزِ غم تو اک پھول تبسم کا بنا ؛ تم نہ سمجھو گے مرے شوق کی دنیا کیا ہے
رُت جوانی کی جو بیتی تو سمجھ میں آیا ؛ ڈھلتے سورج سے چڑھے چاند کا رشتہ کیا ہے

ساحر صاحب داد تو ہر حال میں لے ہی لیتے ہیں ہر چند کہ آپ ترنم سے نہیں پڑھتے ہیں۔ لیجئے اب ایک نیا انداز۔ نئی فکر اور منفرد غزل محمود سعیدی سنئے ۔

ہر گذرتے ہوئے جھونکے نے کہا مجھ سے ؛ تم جو ناراض ہو تو موسم بھی خفا ہے مجھ سے
میری دہلیز پہ آ آکے پلٹ جاتی ہے ؛ سر گراں کیوں ترے قدموں کی صدا ہے مجھ سے
آگے بڑھ جاؤں کہ اس موڑ کا پتھر بن جاؤں ؛ وہ پھر آنے کیلئے کہہ تو گیا ہے مجھ سے
خالی خالی نظر آنے لگی دنیا مجھ کو ؛ وقت نے آج یہ کیا چھین لیا ہے مجھ سے

محمود صاحب بھی داد وصول کئے جا رہے ہیں اور منظور صاحب ساغر نظامی کو یاد فرما رہے ہیں قبلہ ساغر صاحب رواں دواں سُنا کر واپس اپنی جگہ آ رہے ہیں اور منظور صاحب درخواست کلام کر رہے ہیں بسمل سعیدی سے۔ قبلہ بسمل صاحب بھی رواں دواں سُنا رہے ہیں آپ بھی اسی عجلت سے سُن لیجئے ۔

جستجو نے تری جس دل سے گنوایا ہے مجھے
جس نے ڈھونڈا ہے ترے ساتھ ہی پایا ہے مجھے

داد مطلع ہی سے شباب پر ہے اور آپ عطا کر رہے ہیں ۔

بیکسی کہتی ہے وہ تجھ سے سوا رہتے ہیں ؛ بےخودی تو نے کبھی تنہا بھی پایا ہے مجھے
تھا میں اک لغزشِ عشرت اے ازل تو نے ؛ عشق کے ساز پہ اس نے [illegible] ہے مجھے
موت اگر تجھ سے فراقی تو کوئی بات بھی تھی ؛ زندگی موت سے کیوں تو نے ڈرایا ہے مجھے

قبلہ بسمل صاحب مناسب داد وصول کرتے تالیوں کی جھنکار میں مائیک چھوڑ رہے ہیں اور منظور صاحب ذکیہ سلطانہ نیّر صاحبہ سے درخواست کلام کر رہے ہیں نیّر صاحبہ عنایت کر رہی ہیں ۔

اس طرح اُسے عزّتِ بھارت کی لگن ہے ؛ جیسے سمویا ہوا خود اس میں وطن ہے
کہتا ہے جسے سارا جہاں ہند گاندھی ؛ وہ فخرِ وطن نازِ وطن محبوبِ وطن ہے
علم اور لیاقت کی ہیں مثالیں اندرا گاندھی ؛ دُنیائے سیاست میں وہ یکتائے فن ہے

نیّر صاحبہ تالیوں کی جھنکار میں مائیک چھوڑ رہی ہیں اور منظور صاحب درخواست کلام بلاغت نظام کر رہے ہیں الحاج پدم شری جمیل اتساہی صاحب سے۔ قبلہ جمیل کا نام سنتے ہی تالیوں سے پرخلوص خیر مقدم کیا جا رہا ہے اور جمیل صاحب محفل کو چونکانے اور گرمانے کی یوں کوشش فرما رہے ہیں ۔

محفوظ کبھی سمجھے تھے گر بیگانے ہوں گے ؛ وہ ہمارے زمانے کا مقدر ہو گئے ہوں گے
وہ جو سادہ ورق بکھر گئے تھے محفل میں ؛ وہی پھر لوٹ کے اک دفتر ہو گئے ہوں گے
تمہارے شہر کی سڑکوں کی ہے اپنی منزل ؛ ہمارے گاؤں کے رستے برابر ہو گئے ہوں گے

عزیز اندوری

جشنِ سحر و کمال مدراسی کا کل ہند مشاعرہ

آج ۵ مارچ جنوری کی شب میں جشنِ سحر و کمال کا دوسرا مشاعرہ راجہ جی رائے بھون کے ہال میں منعقد ہو رہا ہے جس کی صدارت کے لئے خمار بارہ بنکوی صاحب سے استدعا کی گئی ہے اور اناؤنسر کے فرائض جناب کمال مدراسی انجام دے رہے ہیں مشاعرے سے قبل ساجد صدیقی لکھنوی صاحب کے تازہ مجموعۂ کلام آئینۂ غزل کے اجراء کے لئے عالی جناب اے ایم یوسف صاحب سیلز منیجر صاحب ٹیلی پرنٹرس (TELI PRINTERS) سے استدعا کی گئی ہے یہ عجیب اتفاق ہے کہ ساجد صاحب اپنا مجموعۂ کلام ہی نہیں لائے ہیں سامنے بیٹھے صبا افغانی کہہ رہے ہیں ساجد صاحب کیا ابھی کتاب چھپی نہیں اس پر ایک ہلکا سا قہقہہ بلند ہوا ہے۔ بہرحال کتاب کا اجراء جیسے تیسے ہو گیا ہے اور تقریباً سوا دس بجے کمال صاحب نے مائیک پر آکر خمار صاحب سے صدارتی تقریر کرنے کی استدعا کی ہے خمار صاحب فرما رہے ہیں حضرات! میں بولنے میں بہت کمزور ہوں۔ کافی عرصہ بعد یعنی ۱۴-۱۵ سال بعد یہاں آیا ہوں میرے کاندھوں پر صدارت کا بوجھ کچھ عجیب سا لگتا ہے۔ کمال صاحب کا حکم تھا اس لئے حاضر ہو گیا ورنہ یہاں مجھ سے کئی بڑے شاعر اور انسان موجود ہیں پھر بھی آپ حضرات نے مجھے جس طرح نوازا ہے میں اس کے لئے آپ کا شکرگزار ہوں۔ پنجاب اسمبلی کے مشاعرے میں نے دیکھے ہیں بڑے کامیاب ہوتے ہیں میری دعا ہے کہ اس کے تحت جو مشاعرہ ہو وہ انتہائی کامیاب معیاری اور شاندار ہو۔

کمال صاحب فرما رہے ہیں کل کا مشاعرہ بڑا کامیاب ہوا مجھے امید ہے کہ آپ حضرات کے تعاون سے آج کا مشاعرہ بھی کافی کامیاب ہوگا آج ایک شاعرہ یعنی محترمہ جمیلہ حیدرآباد سے اور تشریف لے آئی ہیں۔ اب سے ۱۵ سال قبل کنور صاحب نے اندھے کی جس شمع کو روشن کیا تھا ہم اسے آج تک تیز تر کئے ہوئے ہیں۔ کمال صاحب نے بیدی صاحب کا نہایت شاندار اور حقیقت پر مبنی الفاظ میں تعارف کراتے ہوئے انھیں کلام سنانے کی دعوت دی ہے۔ بیدی صاحب مائیک پر تشریف لا چکے ہیں اس بیچ خمار صاحب شاعرات کو جو اسٹیج کی پشت پر کرسیوں پر بیٹھی ہیں اسٹیج پر بلا رہے ہیں بیدی صاحب اپنی مشہور نظم "پاکستانی عوام سے خطاب" کا پس منظر بتانے کے بعد نہایت جوشیلے انداز میں مشاعرے کا افتتاح فرما رہے ہیں سامنے نظم کے ایک ایک بند پر چاروں طرف سے داد مل رہی ہے۔ چند بند آپ بھی ملاحظہ فرمایئے؎

ہم کسی دین سے ہوں صاحبِ کردار تو ہیں | ہم ثنا خوانِ شہِ حیدرِ کرار تو ہیں
نام لیوا ہیں محمدؐ کے پرستار تو ہیں | یعنی محبوب پئے احمدِ مختارؐ تو ہیں

عشق ہو جائے کسی سے کوئی چارہ تو نہیں
صرف مسلم کا محمدؐ پہ اجارہ تو نہیں

میری نظروں میں تو اسلام محبت کا ہے نام | امن کا آشتی کا مہر و محبت کا ہے نام
وسعتِ قلب کا اخلاص و اخوت کا ہے نام | تختہ دار پہ بھی حق و صداقت کا ہے نام

میرا اسلام نکو نام ہے بدنام نہیں
بات اتنی ہے کہ یہ کچھ کا وہ اسلام نہیں

بیدی صاحب کامیاب و کامران اپنی جگہ واپس تشریف لیجا رہے ہیں۔ اور اب کمال مدراسی دعوتِ غزل سرائی دے رہے ہیں محترمہ غزل اناوی کو موصوفہ کل کی طرح آج جم نہیں پا رہی ہیں پھر بھی انھیں مندرجہ ذیل اشعار پر خاصی داد ملی ہے؎

مری وحشت مری دیوانگی کا سبب ✽ پوچھنے والے تو ہیں سوچنے والے کم ہیں
غم نہ کر دوست یہاں کوئی اگر بے غم ہیں ✽ میری آنکھوں سے تجھے دیکھنے والے کم ہیں

غزل صاحبہ کے بعد کمال صاحب نے انجم جبل پوری کا تفصیلی تعارف کرایا ہے۔ انجم صاحب نے مائیک پر پہنچ کر فرمایا ہے کہ ایک بار اتنا عرض کروں کہ میں پہلی بار مدراس آیا ہوں۔ میری آرزو تھی کہ میں اپنی پسندیدہ غزلیں سناؤں لیکن نہ تو حالات نے اجازت دی اور نہ آپ نے موقع دیا۔ اس پر ایک آواز آئی ہے جی نہیں ایسی بات نہیں آپ سنایئے تو سہی۔ انجم کہہ رہے ہیں سنئے ایک سادہ سی غزل؎

تو جو کہہ دے تو سدا ہم ترا چہرہ دیکھیں ✽ موند لیں آنکھ اگر چاند نکلتا دیکھیں

مطلع پر مناسب داد ملی ہے اسی درمیان چند حضرات ہال میں داخل ہو رہے ہیں انجم کچھ دیر کے لئے خاموش ہو گئے ہیں اور پھر فرما رہے ہیں آپ کے شہر میں آکر جو کچھ محسوس کیا ہے اس کی ترجمانی اس شعر میں ملے گی۔

یہ در و بام یہ سڑکیں یہ حسینوں کے ہجوم ✽ تم نظر آ نہ سکے شہر میں ہم کیا دیکھیں

اور سُنئے انجم صاحب ہر شعر کے بعد کچھ نہ کچھ ضرور فرما رہے ہیں۔ ارشاد ہوا ہے "یہ شعر بڑے اعتماد کے ساتھ پیش کر رہا ہوں" ؎

اب جو بچھڑے تو ملاقات کی امید نہیں ؛ یہ مصرعہ پڑھ کر انجم صاحب شعراء سے فرما رہے ہیں آپ حضرات توجہ کیوں نہیں دیتے اِدھر اُدھر کیوں دیکھ رہے ہیں ۔ اس پر ایک قہقہہ بلند ہوا ہے ۔ بہرحال انجم صاحب فرما رہے ہیں ؎

اب جو بچھڑے تو ملاقات کی امید نہیں ؛ تم سے باتیں ہی کئے جائیں یا چہرہ دیکھیں

اس شعر پر انجم صاحب کو داد ملی ہے اب وہ اپنا اگلا شعر پڑھ رہے ہیں ؎

اپنی قسمت کا ستارہ تو کہیں ڈوب گیا ؛ تو جو آئے تو ترے ساتھ کی ریکھا دیکھیں

اس شعر پر بھی واجبی داد ملی ہے سُنئے انجم صاحب فرما رہے ہیں ؎

اب کسی زُلف کی چھاؤں بھی ملے نہ رہی ؛ اپنے ہمراہ چلیں اپنا ہی سایہ دیکھیں

ظرف کہتا ہے کہ پیاسے ہی رہیں اُف نہ کریں ؛ تشنگی کا یہ تقاضا ہے کہ دریا دیکھیں

آخری شعر پر انہیں کافی داد ملی ہے اور اُسے دوبارہ پڑھوایا گیا ہے۔ یہ شعر لوگوں کو سنانے کے بعد آپ فرما رہے ہیں حضور اس پہلی بار آیا ہوں سُنا ہے یہاں شعر سمجھا جاتا ہے اس لئے یہ شعر سُنئے ؎

دور تک گھنا دور کا جنگل ہے اندھیرا ہے محیط ؛ مشعلیں خوں کی جلاؤ تو سویرا دیکھیں

اور انجم صاحب کو اس شعر پر حضور اک لگے۔ ہمارے سامعین نے خوب داد دی ہے سُنئے انجم جبل پوری مقطع پڑھ رہے ہیں ؎

بانٹتا شہر ہے لہو اپنا بہا کر انجم ؛ موسمِ گل میں ہر اک پھول کو شوخ دکھا دیکھیں

اور اب کمال صاحب شاعر فتحپوری کا تعارف کراتے ہوئے فرما رہے ہیں کہ آپ کا کلام بہت سادہ اور گلے میں سادہ ہے اور واقعی شاعر صاحب گلے کے اترنے سے بھی کام لیتے ہوئے اپنی غزل کا مطلع سُنا رہے ہیں ؎

ادھر ان سے آنکھ لڑتے مسحور ہو گئے ہیں ؛ وہ پاس آ گئے ہیں ہم دور ہو گئے ہیں

اور سُنئے ؎

اے حُسنِ یار اس میں تیری خطا نہیں ہے ؛ ہم اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہو گئے ہیں

جس دن سے میرے دل کا افسانہ سُن لیا ہے ؛ اُس دن سے وہ بھی مغرور ہو گئے ہیں

شاعر کو سامعین کی طرف سے کافی داد مل رہی ہے اب ایک شعر ایسا سُن لیجئے جس نے اسٹیج پر بھی ہلچل مچا دی ہے ؎

رخسار و زُلف کی یہ آرائشیں مُبارک

وہ آئینے بھی دیکھو چور چور ہو گئے ہیں

دو شعر اور سُنانے کے بعد شاعر فتحپوری مقطع پڑھ رہے ہیں ؎

اونچی عرش پہ ہے شاعر دماغ اپنا ؛ دنیائے عاشقی میں مشہور ہو گئے ہیں

ایک صاحب کہہ رہے ہیں عرش خود بلند ہوتا ہے اس لئے پہلے مصرعہ میں لفظ اونچ زائد ہے۔ بہرحال شاعر صاحب کو خاصی داد ملی ہے اور اب پنجاب ایسوسیشن کے ایک سرگرم رُکن سرین لاہوری کا تعارف کمال صاحب نے بڑے جذباتی انداز میں کرایا ہے۔ موصوف اپنا کلام سُنا رہے ہیں افسوس میں ناظرین ایک قطعہ نوٹ کر پایا ہوں۔ سُنئے ؎

راستے شیخ و برہمن کے نہیں مجھ کو پسند ؛ آدمی ہوں رہِ آدم سے گزر جاتا ہوں

میں نے ہر گام پہ ہمت کا سہارا لے کر ؛ ہر مصیبت کے تلاطم سے گزر جاتا ہوں

سرین صاحب نے تلاطم کو تلاطم پڑھ کر آدم کا قافیہ صحیح بنا لیا ہے اسپر شعراء ایک دوسرے کو حیرت سے دیکھ رہے ہیں۔ سرین جا چکے ہیں اور لیجئے ایک بار پھر ڈاکٹر رانند و شست اپنی مدھر آواز کے ساتھ گیت کا رس بکھیر کر فضا کو مٹھاس بخش رہی ہیں۔ آپ کا گیت کافی پسند کیا گیا ہے اور اب مائیک پر تشریف لائے ہیں شوق دہلوی۔ جنموں نے کل کی طرح آج بھی کلام سُنانے سے قبل نصیحت آمیز تقریر کی ہے۔ موصوف خالقِ حقیقی کے عرفان پر کافی زور دے رہے ہیں اور ایک نظم سُنا رہے ہیں جس میں معرفت کے سبق آموز پہلو موجود ہیں۔ مجمع میں چاروں طرف سناٹا ہے شاید شوق صاحب کی نظم میں اس وقت ہر فرد مستغرق ہے۔

کمال صاحب بڑے کمال کے ساتھ طنز و مزاح کی اہمیت و افادیت بتاتے ہوئے ناظم انصاری کو آواز دے رہے ہیں۔ موصوف نے پہلے دو اشعار سُنائے ہیں ؎

بیگم کہ خدا را ننانی جھنک پٹک ؛ کتنی دفعہ کہا کہ غزل کہہ رہا ہوں میں

آفس میں بعد وقت مجھے دیکھ کر بغور ؛ صاحب کو کیا پتا کہ غزل کہہ رہا ہوں میں

معلوم ہوتا ہے کہ سامعین ناظم انصاری سے جی بھر کر سُننا چاہتے ہیں اور موصوف بھی سُنانے کے موڈ میں ہیں۔ چند شعر آپ بھی ملاحظہ کیجئے جنہیں کافی پسند کیا گیا ہے ؎

شرف دیں کس کو دلا دی کا تیرے والد ماجد

تیرا طالب تو پورا اندیا معلوم ہوتا ہے

شاعروں پہ وہ چھا جاتے ہیں گا کیلئے ؛ غزل سُناتے ہیں ٹاکے گئے نتا کیلئے

پکڑلیا جو پولیس نے تو شیخ جی بولے ؛ شراب پی ہے یہ سچ ہے مگر دوا کیلئے

خود منتخب کریں گے تمہارے پتا مجھے

بس ایک لاٹری ہی دلا دے خدا مجھے

آگے نکل چکا ہوں میں حدِ شباب سے ؛ ڈیڈی سمجھ رہے ہیں ابھی چھوکرا مجھے

ابھی سمجھو نہ لاؤ مگر یہ ہے خیالی ÷ یونہی ملے سہلے نہ کوئی شاعرہ مجھے
انجام عاشقی کا مراد آگیا مجھے ÷ چلتا ہوا جو کوئی دکھائی دیا مجھے

کمال مدراسی آخری شعر سنکر کہہ رہے ہیں خدا کرے ناظم کی دعا قبول ہو۔ اس پر ہلکا سا قہقہہ بلند ہوا ہے سُنئے ناظم پڑھ رہے ہیں ؎

میں تجھ سے قربان مُنّے کی اماں ÷ کیوں ہے پریشان مُنّے کی اماں
سو فیصدی ہے تجھ سے بھی بڑھکر ÷ اے غمِ دوراں مُنّے کی اماں
بن کے رہیں گے تیرے پتا جی ÷ کبتک مہماں مُنّے کی اماں

ناظم انصاری کے بعد نوجوان شاعر راحت القیصری کو آواز دی گئی ہے سنئے راحت کہہ رہے ہیں مجھے ایسے ماحول میں بٹھایا جا رہا ہے جہاں میں اپنے شعروں سے نہیں بلکہ اپنی سیاہ مائل صورت سے ہنسا سکتا ہوں۔ راحت نے پہلے تین اشعار پڑھے ہیں جن پر مناسب داد ملی ہے سُنئے آپ پسندیدہ اور دلکش ترنم کے ساتھ غزل کا مطلع پڑھ رہے ہیں ؎

مرا حیات کے دشمن وہی نکلتے ہیں
جو دوست بن کے مری آستیں میں پلتے ہیں

راحت کو مطلع پر خاصی داد ملی ہے۔ سُنئے آپ نے ایک ایسا شعر پڑھا ہے جس پر کافی تعجب ہیں شعراء داد دے رہے ہیں ؎

یہ کس مقام پہ لے آئی زندگی مجھ کو
یہاں تو برف بھی چھونے سے ہاتھ جلتے ہیں

ایک شعر اور سُنئے جسے کافی پسند کیا گیا ہے ؎

رہِ حیات میں کھائی ہیں ٹھوکریں اتنی
کہ لوگ اب تو مجھے دیکھ کر سنبھلتے ہیں

احباب آواز دی جا رہی ہے روشن بنارسی کو۔ ابھی موصوف نے اپنا کلام سُنانا ہی شروع کیا تھا کہ ہال میں سلیمان خطیب داخل ہو رہے ہیں جن کا پُر زور تالیوں کے ساتھ استقبال کیا جا رہا ہے اور اُدھر روشن بنارسی اسی عالم میں اپنا کلام سُنا رہے ہیں۔ اس شور و غل میں جو کچھ سمجھ میں آسکا وہ ملاحظہ فرمائیے ؎

خود کو پہچاننے لگا ہوں ÷ اٹھ رہے ہیں حجاب آنکھوں سے
میری آنکھوں میں ان کی آنکھیں ÷ دیکھو اپنا شباب آنکھوں سے
مجھ سے آداب میکدہ سیکھو ÷ پی رہا ہوں شراب آنکھوں سے

قارئین خود اندازہ لگائیں کہ ان اشعار پر کس قدر داد ملی ہوگی بہرحال کمال صاحب مشاعرے کو گرمانے اور اس میں ہلچل پیدا کرنے کے لئے نور اندوری کا تفصیلی تعارف کراتے ہوئے انھیں دعوت غزل سرائی دے رہے ہیں۔ نور آ رہے ہیں تالیوں سے ان کا استقبال ہو رہا ہے سُنئے آپ کہہ رہے ہیں۔ ابھی لکھنؤ میں مشاعرہ ہوا تھا جس میں سردار جعفری...... اور نور کچھ رُک رُک کر کہہ رہے ہیں خیر شعر سُنئے ؎

جو سرمایۂ علم و فن بیچتے ہیں
وہی آبروئے سخن بیچتے ہیں

دیکھئے نور پھر رُک گئے ہیں........ اور اب انھوں نے دوسری غزل شروع کی ہے۔ مطلع سُنئے ؎

یہ میری محبت کا انجام ہوگا ÷ معیت ہوگی نہ آرام ہوگا

سامعین نور کے رُک رُک کر پڑھنے پر متعجب ہیں پھر بھی داد کی آوازیں آ رہی ہیں۔ سنئے ؎

ہمیں کیا خبر ہے کہ الزام ہم پر ÷ چمن کی تباہی کا الزام ہوگا

اس شعر پر بھی نور کو داد ملی ہے انھوں نے اپنا اگلا شعر شروع ہی کیا تھا کہ اسٹیج پر سے غفار اکبرآبادی صاحب اُٹھ کر نیچے جا رہے ہیں جس پر سامعین کی توجہ نور کی طرف سے ہٹ گئی ہے اور ماحول کچھ بگڑ سا گیا ہے بہرحال نور پڑھ رہے ہیں ؎

جو شیخ و برہمن اُلجھتے رہیں گے ÷ نہ یہ کام ہوگا نہ وہ کام ہوگا

شہزادہ گلریز۔ یعنی دونوں فکرمند ہو جائیں گے۔

سمجھتے تھے ہم نور نے میکدے میں

ابھی نور نے یہ مصرعہ پڑھا ہی تھا کہ غفار صاحب اسٹیج پر واپس آئے انھیں دیکھ کر ایکبار پھر سے سامعین کی توجہ نور کے شعر کی طرف سے ہٹ گئی اور نور بھی خاموش ہو گئے ہیں۔ غفار صاحب اپنی جگہ پہنچ گئے ہیں اور نور اپنا اگلا شعر سُنا رہے ہیں ؎

اُٹھا گر کوئی تشنہ لب میکدے سے
تو ساقی یہ مے خانہ بدنام ہوگا

غرض نور اندوری توقع کے خلاف اپنی غزل ختم کرکے اپنی جگہ واپس آگئے ہیں اور اب کمال صاحب مشاعرے میں دوبارہ جان پیدا کرنے کے لئے ایک اور مترنم شاعر شہزاد گلریز کو آواز دے رہے ہیں۔ گلریز مائیک پر آ چکے ہیں۔ لیکن سامعین آپس میں باتیں کر رہے ہیں اور ان کے کلام پر توجہ نہیں دے رہے ہیں اس پر کمال صاحب کلا شاعر کو توجہ کے ساتھ سننے کی استدعا کر رہے ہیں۔ سُنئے گلریز مترنم

اشعار سنا رہے ہیں مگر بات نہیں بنی ؎

چند لمحوں کا ہوا کرتا ہے خوابوں کا سفر ٭ آنکھ کھلتی ہے تو صدیوں کی تھکن ہوتی ہے

تجھ سے بچھڑا تو یہ مت سوچ کدھر جاؤں گا
اشک بن کر ترے عارض پہ بکھر جاؤں گا

اور اب غزل شروع کی ہے ہر چند گریز اس غزل سے ماحول کو تبدیل نہیں کر سکے پھر بھی چند شعر سن لیجئے ؎

چاند جس شاخ پہ کھلتا تھا اُسے توڑ دیا
میں نے اس عہد کی تاریخ کا رُخ موڑ دیا
ہر ورق پر مری تصویر نظر آتی ہے
آج یہ کس نے کتابوں کو کھلا چھوڑ دیا
یہ بتا عہدِ وفا توڑ کے جانے والے
تو نے کیا مجھ کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا

کما آل صاحب چاہتے ہیں کہ مشاعرہ ایکبار پھر سے داد کے شور سے گونج اُٹھے اسی لئے وہ سامعین کو بار بار متوجہ کر کے ساجد صدیقی لکھنوی کو آواز دے رہے ہیں۔ ساجد صاحب مائیک پر آکر فرما رہے ہیں حضرت تازہ غزل کے چند اشعار ملاحظہ فرمایئے ؎

اُلجھن غمِ ولشاد کی دل میں پڑی رہی۔
جو زندگی میں کشمکشِ زندگی رہی
اہلِ جنوں سے اہلِ خرد کب رہے جُدا
شانہ بشانہ ہوش کے دیوانگی رہی
جاگی نہ تیرہ بختیِ سرِ زندگی تو
اور دامنِ عمل سے سحر جھانکتی رہی

ساجد صاحب کافی زور لگا رہے ہیں لیکن اسٹیج کے علاوہ کہیں سے داد نہیں مل رہی ہے۔ دراصل مشاعرہ سننے والوں کا ایک خاص موڈ ہوتا ہے کئی بار دیکھا ہے اچھا خاصا مشاعرہ سامعین کی عدم توجہی کے باعث بے جان ہو جاتا ہے اس مشاعرے میں بھی یہی کچھ ہو رہا ہے شعرا اچھے شعر سنا رہے ہیں کمال صاحب خوبصورت اناؤنسمنٹ کر رہے ہیں لیکن سامعین اس وقت کسی دوسرے موڈ میں ہیں تو لیجئے کمال صاحب نے بیدی صاحب کو دعوتِ سخن دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ موصوف مشاعرے سے جلد تشریف لے جانا چاہتے ہیں میری خواہش ہے کہ کم سے کم پہلے دور تک آپ اسٹیج پر تشریف رکھیں بیدی صاحب نے مائیک پر آکر فرمایا ہے کہ میرے والد بزرگوار علیل ہیں اس لئے مجھے دہلی جلد روانہ ہونا ہے۔ آپ تمام حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور آپ سے معذرت چاہتا ہوں۔ آپ نے پہلے چند متفرق اشعار سنائے ہیں جن پر خاصی داد ملی ہے۔ سنیئے ؎

زندگی سوز بنے ساز نہ ہونے پائے ٭ دل تو ٹوٹے مگر آواز نہ ہونے پائے

مرے نالوں میں نہاں سوز بھی ہے ساز بھی ہے
مری آواز میں شامل تری آواز بھی ہے

اور اب سنئے بیدی صاحب چند قطعات ارشاد فرما رہے ہیں جن پر ہر طرف سے داد مل رہی ہے۔ ملاحظہ فرمایئے ؎

اب تو پھولوں سے جھولیاں بھر لیں ٭ چاک دامن ہوا تو سی لیں گے
کیوں ابھی سے قضا کی بات کریں ٭ یوں بھی جینا پڑا تو جی لیں گے

زندگی موت بن گئی ہوتی ٭ جان سے ہم گزر گئے ہوتے
اتنے عشرت زدہ ہیں ہم کہ اگر ٭ غم نہ ہوتا تو مر گئے ہوتے

چند قطعات اور سنا کر اور محفل کو گرما کر بیدی صاحب واپس تشریف لے جا رہے ہیں اور اب دیکھئے مائیک پر آ رہی ہیں صبا حیدر آبادی۔ مشاعرے میں کنور صاحب کے کلام سے جان آگئی ہے۔ صبا نے اس مطلع اور پاٹ دار آواز نے اور روح پھونک دی ہے۔ سنئے ؎

دھوم ہے آج اُن کے آنے کی ٭ لگ نہ جائے نظر زمانے کی
جب اُجالا کہیں دکھائی دیا ٭ یاد آ گئی آشیانے کی
ایسے کھوئے کہ خود کو بھول گئے ٭ کی جو کوشش انہیں بھلانے کی
ہائے رے اس غم کی گستاخی ٭ جس کی عادت ہے مسکرانے کی
ہم سے رُوٹھا ہے تو مانے صبا ٭ ہم کو پروا نہیں زمانے کی

صبا حیدر آبادی کے بعد شمسی مینائی صاحب مائیک پر آئے ہیں نظموں سے پہلے چند قطعات سنائے ہیں جنہیں اُن کی طویل نظموں کی تمہید کہا جا سکتا ہے۔ ایک قطعہ سن لیجئے ؎

افسانہ ہے غلامی کا شاہی کا ذکر ہے
رہزن کی داستاں ہے راہی کا ذکر ہے
ظالم جو حکمراں ہو وہ تاریخ توڑ ہے
کتنی حکومتوں کی تباہی کا ذکر ہے

اس کے بعد انھوں نے اپنی طویل نظم ہوا سنائی ہے۔ ہر چند موصوف

کافی تھکے ہوئے نظر آ رہے تھے لیکن عوام کے اصرار پر اپنی نظم "تاج محل" تفصیلی پس منظر کے بعد سنانی شروع کی ہے جس میں تاریخی حادثات و واقعات کی بھرپور عکاسی کی گئی ہے اور سماجی پس منظر کو کافی طوالت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ شمسی صاحب اپنی نظموں کو جس محنت و فکر سے کہتے ہیں اس سے کہیں زیادہ محنت وہ ان کے پڑھنے میں صرف کرتے ہیں۔ بہر حال انکی یہ نظمیں ان کے اندازِ بیان کی وجہ سے بھی مقبول ہو جاتی ہیں۔

شمسی صاحب کے بعد کمال صاحب حیدرآباد سے آئی ہوئی شاعرہ ثریا مہر کا تعارف کراتے ہوئے فرما رہے ہیں کہ وہ جس قدر خوبصورت ہیں اُن سے کہیں زیادہ خوبصورت ان کا کلام اور اتنا ہی خوبصورت ترنم ہے۔ آپ پہلے بھی مدراس آچکی ہیں اور کافی مقبول ہوئی ہیں۔ ثریا مہر نے خوبصورت ترنم کے ساتھ غزل کا مطلع سنایا ہے جس پر معمولی داد ملی ہے۔ سنئے ؎

دل بھی مانگے ہیں کس طرح نبھاتے ہیں لوگ
خار ہیں پہلو میں سینے پہ پھول سجاتے ہیں لوگ

مطلع کے بعد آپ دوسرا شعر پڑھ رہی ہیں جس پر کافی داد ملی ہے ؎

اپنے گھر بنتے ہیں پہلے بعد میں بنتے ہیں لوگ
رفتہ رفتہ پھر انہیں بازار بناتے ہیں لوگ

اور سنئے ؎

بے وفاؤں کی زمیں پر یاد آنے کے لئے
اپنے قدموں کے نشاں تک چھوڑ جاتے ہیں لوگ

ثریا مہر نے شاید ... شعر سنا کر آخری شعر پڑھ رہی ہیں جس پر زبردست داد ملی ہے ؎

رہ نہ جائیں اس زمیں پر بھی کسی کے نقشِ پا
احتیاطاً ذرہ ذرہ تک اٹھا لاتے ہیں لوگ

مقطع پڑھ کر ثریا مہر واپس جا رہی ہیں اور اب مجھے آواز دی جا رہی ہے بقول شہزادہ گلریز "کافی اچھا تعارف کرایا گیا ہے" خیر میں مائک کے سامنے حاضر ہوں چونکہ شمسی مینائی صاحب کی نظموں کے تاثرات میرے ذہن میں تازہ ہیں اس لئے میں بھی اپنی وہی نظمیں سنانا چاہتا ہوں جن میں سماج کی تصاویر ہوں۔ لیکن میں نے سامعین سے استدعا کی ہے کہ شمسی صاحب نے آپ کو ایک طویل اور تیز رفتار ریل میں بٹھا کر سارے سماج کی سیر کرائی آپ کو اسی سماج کا سفر منی بس میں کراؤنگا یعنی دو تین انتہائی مختصر سی نظمیں اسی قبیل کی پیش کر رہا ہوں (قارئین کیلئے صرف ایک نظم حاضر ہے)

وہ جو بستی ہے جھونپڑوں والی ؛ اس میں عیش و سکوں کا سورج
اپنی نرم و حسین کرنوں کا ؛ کوئی پیغام کیسے پہنچائے
کاش ان بلڈنگوں کی دیواریں ؛ اپنے سایوں کو مختصر کر لیں

نظموں کے بعد میں نے غزل کے مندرجہ ذیل اشعار بھی سنائے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے ؎

جبر کے سائے میں گرمیٔ سفر مانگے ہے ؛ راکھ کے ڈھیر میں دل رقصِ شرر مانگے ہے
پھر سے سرخیٔ تواریخِ گلستاں کے لئے ؛ مجھ سے گلشن کی فضا خونِ جگر مانگے ہے
پھول سجدے کے ہر اک گام پہ برسائے ہیں ؛ اور کیا مجھ سے تری راہ گزر مانگے ہے
جسکو زیبی عمل سے ہی سکوں ملتا ہو ؛ آہ چاہے ہے نہ آہوں کا اثر مانگے ہے

کل بھی پابندیاں افکار و نظر پر تھیں عزیز
اب بھی بے دادیاں افکار و نظر مانگے ہے

میرے بعد مطرب نظامی صاحب کو آواز دی جا رہی ہے موصوف کو مطلع ہی سے داد ملنی شروع ہو گئی ہے۔ ملاحظہ کیجئے ؎

میری ہر سانس تمہارا ہی تکلم تو نہیں ؛ زندگی نام ہے جس کا وہ کہیں تم تو نہیں

سنئے مطرب صاحب ایک اچھا شعر سنا کر کافی داد حاصل کر رہے ہیں ؎

دور تک رنگ بکھرتے ہی چلے جاتے ہیں ؛ میرے ہونٹوں پہ کہیں ان کا تبسم تو نہیں

ایک اور شعر سنئے جس پر مطرب صاحب کو خاصی داد ملی ہے ؎

دل کی دنیا میں ہے ہنگامۂ رنگیں پیہم ؛ کس نے آواز مجھے دی ہے کہیں تم تو نہیں

سنئے مطرب صاحب مقطع پڑھ رہے ہیں ؎

لبِ مطرب پہ جو نغمے ہیں کئے غور سے سن ؛ ایک مرکز پہ یہ فریاد و ترنم تو نہیں

مطرب صاحب کامیاب و کامران واپس جا رہے ہیں اور اب آواز دی گئی ہے صبا افغانی صاحب کو آپ نے پہلے دو غزلوں کے دو دو اشعار سنائے ہیں اسی درمیان ان سے ایک فلمی گیت سنانے کی فرمائش کی گئی ہے لیکن انھوں نے غزل سنانی شروع کی ہے جسکے چند شعر ملاحظہ کیجئے ؎

زندگی کی راہوں میں رنج و غم کے میلے ہیں ؛ بھیڑ ہے قیامت کی پھر بھی ہم اکیلے ہیں
گیسوؤں کے سائے میں ایک شب گزاری تھی ؛ آج تک جدائی کی دھوپ میں اکیلے ہیں
اب تو اپنا سایہ بھی کھو گیا اندھیروں میں ؛ آپ سے بچھڑ کر ہم کس قدر اکیلے ہیں
ساتھ ہے صبا سب کے اک حسین قاتل ؛ جستجو میں قاتل کی صبح دم اکیلے ہیں

صبا افغانی اپنے کلام پر خاصی داد پا کر واپس جا رہے ہیں اور اب

غفار اکبرآبادی صاحب کو آواز دی گئی ہے۔ آپ نے پہلے چند قطعات ارشاد کئے ہیں ایک قطعہ جس پر بے پناہ داد ملی ہے ؎

آپ نے پوچھے ہیں حالات تو بتلاتا ہوں ❊ صبح شبنم سے ملاقات تو ہوتی ہوگی
مختصر یہ ہے کہ گریۂ پیہم کا سماں ❊ آپ کے گاؤں میں برسات تو ہوتی ہوگی

اور اب آپ غزل کا مطلع سُنا رہے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے ؎

کہتے ہیں جسے خُلدِ بریں میرا وطن ہے ❊ کانٹے بھی یہاں پھول ہیں صحرا بھی چمن ہے

مطلع پر مناسب داد ملی ہے اور اب ارشاد ہوا ہے ؎

قیدِ غمِ ہستی سے رہائی نہیں ممکن ❊ کہتے ہیں جسے موت وہ جینے کی تھکن ہے
ویسے بھی قفس موت سے کچھ کم نہیں ہوتا ❊ پھر میرا قفس تو پسِ دیوارِ چمن ہے

غفار صاحب کو پوری غزل پر خاصی داد ملی ہے۔ خمار صاحب کہیں تشریف لے جا رہے ہیں۔ شہزادہ گلریز پوچھ رہے ہیں "حضرت کدھر"۔ خمار صاحب فرما رہے ہیں...... جی وہ — صبا افغانی فوراً کہہ رہے ہیں "صدارت پیشاب کرنے جا رہی ہے"۔ اس پر ہلکا سا قہقہہ بلند ہوا ہے۔ اسی بیچ مہمان خطیب صاحب مائیک پر تشریف لے آئے ہیں۔ پہلے ایک قطعہ پڑھا ہے سُنئے ؎

اپنے باوا کا سنگ بنیا ہوں ❊ وہی رستہ کو بیچ جاتا ہوں
گیہوں کنکر میں وہ ملاتے تھے ❊ میں تو کنکر میں گیہوں لاتا ہوں

اس قطعہ کے بعد خطیب صاحب نے دو نظمیں "پیسی بائی" "شادی کی آرسی رسم) اور "پلنگ" سُنا کر محفل کو زعفران زار بنایا ہے۔ لیکن یہ بھی صداقت ہے کہ خطیب صاحب کی نظموں میں کوئی ایسا سنجیدہ پہلو ضرور ہوتا ہے جو سامعین کو ہنستے ہنستے اچانک ہی سنجیدہ بنا دیتا ہے۔

اور لیجئے آخر میں اس مشاعرہ کے مقطع یعنی صدر مشاعرہ حضرت خمار بارہ بنکوی مائیک پر تشریف لا رہے ہیں۔ سنئے آپ فرما رہے ہیں کہ ...... کی تھکاوٹ کی وجہ سے آواز ساتھ نہیں دے رہی۔ لیکن آپ کو مطلع ہی سے داد ملنی شروع ہو گئی ہے۔ حالانکہ یہ حقیقت ہے کہ کل کے مقابلے میں آج اُن کی آواز اُن کا ساتھ نہیں دے رہی ہے۔ خیر چند اشعار سُنئے جن پر اہلِ نظر نے کافی داد دی ہے ؎

حالِ غم ان کو سناتے جائیے ❊ شرط یہ ہے مسکراتے جائیے
آپ کو جلتے نہ دیکھا جائیگا ❊ شمع تو پہلے بجھاتے جائیے
شکریہ لطفِ مسلسل کا مگر ❊ گاہے گاہے دل دکھاتے جائیے
دشمنوں سے پیار ہوتا جائیگا ❊ دوستوں کو آزماتے جائیے

خمار صاحب شعراء اور سامعین کے بے حد اصرار پر اپنی مشہور غزل سُنا رہے ہیں جس کا مطلع ہے

بجھ گیا دل حیات باقی ہے ❊ چھُپ گیا چاند رات باقی ہے

کمال مدراسی صاحب چاہتے ہیں کہ مشاعرہ کا دوسرا دور جاری رہے لیکن شعراء بے حد تھک چکے ہیں اس لئے بادلِ ناخواستہ شعراء کے اسٹیج سے اُٹھ کر جا رہے ہیں اور اب کمال صاحب شعراء اور سامعین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے مشاعرے کے اختتام کا اعلان فرما رہے ہیں۔ اسوقت رات کے تین بج چکے ہیں۔ اب مجھے بھی اجازت دیجئے۔ خدا حافظ۔

بقیہ صفحہ ۱۳

جنہیں تم توڑ کر خود گھر کے باہر پھینک آئے تھے
وہ کیا آئینے کے ٹکڑے بھی پتھر ہو گئے ہونگے
مری دیوانگی کے بعد سناٹا تو ہوا ہوگا
کسی کے ہاتھ کے کچھ پھول پتھر ہو گئے ہونگے

قبلہ بسمل صاحب تالیوں کے شور میں مائیک سے جدا ہو رہے ہیں۔ اور آپ کے ساتھ ہی سوا بارہ بجے یہ محفلِ شعر و سخن برخاست ہو رہی ہے آج کا یہ مشاعرہ غنیمت ہے کہ اچھی طرح سُن لیا گیا ورنہ سالہا سال سے یہ مشاعرہ ہو ہلڑنگ کی نذر ہو کر رہ جاتا تھا۔ مجموعی طور پر امسال یہ مشاعرہ اچھا اچھا اور سُنا گیا کاش تمام مدعو شعراء کرام شرکت فرماتے تو یہ مشاعرہ اور کامیاب ہوتا ویسے اس سرکاری مشاعرہ کو نمائندہ مشاعرہ نہیں کہا جا سکتا حالانکہ اس مشاعرہ کو مثالی اور تاریخی ہونا چاہئے مگر ایسا نہیں ہوتا ہے۔ میں بھی لال قلعہ کے ترنگی پرچم کو سلام کرتا ہوا پھاٹک حبش خاں کا رُخ کر رہا ہوں جہاں آرام کروں گا۔ آپ بھی آرام فرمائیے گا۔ خدا حافظ۔

میں گیا وقت نہیں ہوں جو پھر آ بھی نہ سکوں

یادوں کے سائے

محترمہ پدم شری ممتاز مرزا صاحبہ کا مجموعۂ کلام جو اردو شاعری کی دنیا میں یقیناً اضافہ ہے۔ قیمت [illegible] روپے (علاوہ محصول ڈاک)

دفتر شانِ ہند، فلیٹ ۳ انصاری مارکیٹ، دریا گنج۔ نئی دہلی ۲۔۔۔۱۱

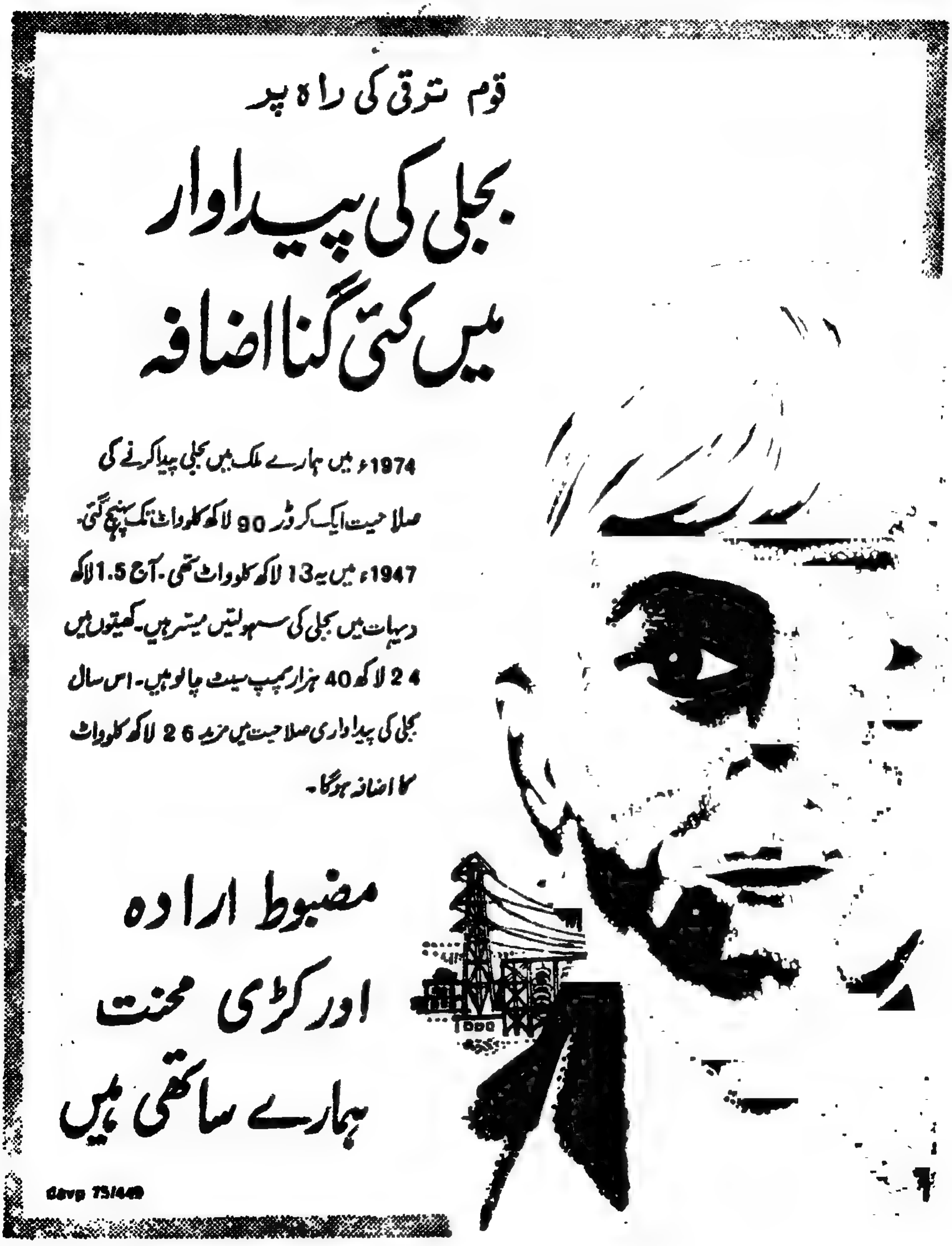
قوم ترقی کی راہ پر
بجلی کی پیداوار
میں کئی گنا اضافہ
1974ء میں ہمارے ملک میں بجلی پیدا کرنے کی
صلاحیت ایک کروڑ 90 لاکھ کلوواٹ تک پہنچ گئی۔
1947ء میں یہ 13 لاکھ کلوواٹ تھی۔ آج 1.5 لاکھ
دیہات میں بجلی کی سہولتیں میسر ہیں۔ کھیتوں میں
24 لاکھ 40 ہزار پمپ سیٹ چالو ہیں۔ اس سال
بجلی کی پیداواری صلاحیت میں مزید 26 لاکھ کلوواٹ
کا اضافہ ہوگا۔
مضبوط ارادہ
اور کڑی محنت
ہمارے ساتھی ہیں
davp 75/449

نگار ایم۔ اے

اندازِ عشق

محترم چچا جان سلام شوق

میرا افسانہ "عقیدت کے آنسو" شبابِ ہند کے پڑھنے والوں کو پسند آیا اس کے لئے میں ان سب کی شکر گزار ہوں یہ پسندیدگی میرے لئے باعثِ مسرت ہے۔ ایک اور افسانہ "اندازِ عشق" لے کر حاضر خدمت ہوں پسند آجائے تو شائع کر کے شکریہ کا موقع عطا کیجیئے۔

مخلص نگار ایم۔ اے ۱۴۴ بابو زئی شاہجہانپور

شادی؟

ہاں ہاں شادی

کس سے؟ مجھ سے؟

ہاں ہاں تم سے۔

تم مجھ سے شادی کرو گے؟

ہاں ہاں۔ اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟

لیکن ساجد تم تو مجھ سے عشق کرتے ہو؟

ہاں میں تم سے عشق کرتا ہوں۔ تم میری زندگی ہو۔

تو پھر تم مجھ سے شادی کیوں کرنا چاہتے ہو؟

اسی لئے کہ میں تم سے عشق کرتا ہوں۔

تعجب ہے؟ تم مجھ سے عشق کرتے ہو اور شادی بھی کرنا چاہتے ہو؟

کیا تم پاگل ہو گئے ہو؟ بھلا ایک وقت میں عشق۔ شادی کیسے کر سکتے ہو؟

تم بالکل پاگل ہو گئی ہو۔ آخر تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں اس میں کیا غلط بات ہے؟

کہیں تم عثمان کے بھائی تو نہیں؟

کون عثمان؟

وہ بھی مجھ سے عشق کرتا تھا...... کیا؟...... یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟

کیا تم کسی اور سے بھی عشق کر چکی ہو؟

نہیں.... مجھ سے وہ عشق کرتا تھا، میں نہیں۔

تو پھر کیا ہوا؟

وہ بھی عاقبت اندیش نہ تھا۔ بے وفا۔

بے وفا؟

ہاں....

لیکن میں تو بے وفا نہیں؟

تم بھی بے وفا ہو......

تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ آخر میں نے کیا بے وفائی کی ہے؟

تم بھی تو مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہو۔ بے وفا کہیں کے؟ دھوکے باز۔

ساجد بُری طرح غصے میں کانپنے لگا۔ تمہارا دماغ تو ٹھکانے ہے؟

سچ سچ تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے آج۔

ہاں ہاں میرا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ چلے جاؤ یہاں سے۔ چلے جاؤ میں کہتی ہوں چلے جاؤ...... ساجد شبی کو جھنجھوڑتے ہوئے۔ شبی ہوش میں آؤ۔

میں ہوش میں ہوں اور بالکل ٹھیک ہوں۔ سوچ رہی ہوں آخر تمہیں کیا ہو گیا ہے؟

میں ٹھیک ہوں۔ جانے سے پہلے میری بات کا جواب دو؟ میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں؟

لیکن میں تم سے شادی کرنا نہیں چاہتی۔

کیوں؟

کیونکہ مجھے تم سے عشق ہے ساجد۔ میں بھی تمہیں پیار کرتی ہوں۔

وہی تو میں بھی کہتا ہوں۔ تمہیں مجھ سے عشق ہے مجھے تم سے عشق ہے ہم دونوں شادی کر لینگے۔ ایک ہو جائینگے۔ یہ دوریاں ختم ہو جائینگی۔

لیکن پھر عشق بھی تو ختم ہو جائیگا؟ اور اپنے عشق کا خاتمہ میں خود [illegible] کرتی۔

عشق بھلا کیسے ختم ہو جائے گا؟

یہ انتظار بھری باتیں؟ یہ بیتابی؟ یہ ملاقاتیں؟ یہ خوبصورت خواب یہ لمحے؟ پھر یہ سب کہاں جائیں گے؟ چپکے چپکے ملنا۔ خوابوں میں تمہیں بلانا۔ تنہائیوں میں [illegible] ڈھونڈنا۔ اکیلے میں گنگنانا یہ سب ختم ہو جائیگا شادی کے ساتھ ساتھ تو یہ سب چیزیں [illegible] ہو جائینگی ساجد؟

نہیں [illegible] میں تم سے پہلے سے بھی زیادہ پیار کرونگا۔

شادی کے ساتھ ساتھ یہ سب چیزیں دفن ہو جائیں گی۔

تمہیں شبی میں تم سے پہلے سے بھی زیادہ پیار کروں گا۔

لیکن اس پیار میں تمہاری ہوس شامل ہو گی میں تمہاری بیوی اور تم میرے شوہر بن جاؤ گے۔ عشق کی پاکیزگی ختم ہو جائے گی۔

تم نے مجھے بے موت مار دیا شبی۔ آخر میں کیا کروں؟

اپنی بیماری کا علاج

علاج؟

ہوں!

وہ کیسے؟

اپنی شادی کر لو۔

تم کہاں کرتی ہو؟

میرے ساتھ نہیں کسی دوسری لڑکی کے ساتھ۔

دوسری لڑکی کے ساتھ میں شادی کروں؟ میں تم سے عشق کرتا ہوں شبی میں تمہارے علاوہ کسی سے شادی کر ہی نہیں سکتا۔ میں اپنی جان دے دوں گا۔

خدا کیلئے ایسا نہ کہو ساجد میرے عشق کو زندگی بخش دو۔ میں تم سے اپنے عشق کی زندگی کے لئے بھیک مانگتی ہوں۔ شادی کر لو۔ کسی بھی لڑکی سے۔ پھر دیکھنا یہ عشق کتنا پروان چڑھتا ہے۔ تم مجھ سے شادی کرکے بے وقوفی کرو گے۔ بھلا تمہیں بتاؤ۔ بیوی۔ معشوقہ۔ کتنا فرق ہے ان دونوں لفظوں میں؟ اس فرق کو کیا سمجھ سکو گے؟ تمہیں میری قسم ساجد۔ تمہیں میری محبت کی قسم۔ جاؤ تم اپنی شادی کر لو۔

تم مجھے دھوکا دے رہی ہو شبی مجھے تم سے ایسی امید نہ تھی۔

نہیں ساجد نہیں۔ میں نے تمہیں دھوکا نہیں دیا۔ بلکہ تمہیں عشق کرنا سکھا دیا۔

اچھا مان لو شبی۔ میں تم سے عشق نہیں کرتا صرف شادی کرنا چاہتا ہوں۔ یوں تو تم میری بات مان لو گی؟؟

لیکن بس جو تم سے عشق کرتی ہوں۔

یہ پاگل پن چھوڑ دو شبی۔ چھوڑ دو۔ اپنی قسم واپس لے لو۔ مان جاؤ نہیں تو میں تمہیں زبردستی اٹھا کر لے جاؤں گا۔ اور شادی کروں گا۔

نہیں نہیں نہیں ..... میں تم سے شادی نہیں کرونگی نہیں کروں گی نہیں کروں گی .....

اس کے بعد سے ساجد کبھی میرے گھر نہیں آیا۔ شاید اس نے ہمیشہ کے لیے دوستی بھی چھوڑ دی تھی لیکن میں ..... میں پھر بھی اس کے عشق میں تڑپ رہی تھی۔ میرے دل میں اس کے لئے اب بھی وہی جذبہ تھا۔ وہی پیار تھا۔ وہی دیوانگی تھی۔ عشق کی آگ سلگتی رہی ..... اور پھر ایک دن .....

عشق کا جوالا مکھی پھوٹ پڑا ..... ساجد کی شادی ہو گئی ..... میرا دل تڑپ اٹھا ..... میں نے خود اس کو شادی کی اجازت دی تھی ..... اس کے علاوہ چارہ بھی کیا تھا ..... اور اسی خیال سے میرا دل بیٹھنے لگا ..... کہ ساجد کی باہوں میں میرے عاشق کی باہوں میں۔ میں نہیں کوئی اور ہوگا ..... آہ ..... شادی ..... عشق ..... احساس ..... اُف۔

میرے خدا ..... یہ سب کیا ہے؟ .....

ساجد مجھے بھول گیا ..... اس نے کبھی مجھے یاد نہیں کیا ..... اس نے کبھی پہلے کی طرح مجھ سے ملنے کی کوشش نہیں کی ..... کرتا بھی کیوں ..... میں ویران ہو گئی ساجد کا قرب نہ ملنے سے۔ لیکن تصور، تصور میں وہ میرے قریب تھا۔ بہت قریب ..... اس کی یاد میری ویران زندگی کا ایک سہارا بن گئی .....

اور پھر ایک شام ..... گاندھی پارک میں مجھے ساجد مل گیا۔

..... ساجد ..... میرا محبوب ..... میں اپنے آپ میں کھو سی گئی ..... بڑھتے ہوئے قدم رک گئے ..... ساجد میرے قریب آ گیا ..... مجھے معاف کر دو شبی! ..... اس کے ہونٹ لرز رہے تھے۔ چہرہ دہشت زدہ تھا ..... آنکھیں خاموش تھیں۔ اور دل اُداس ..... میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ آواز گلوگیر ہو گئی۔ اس کی آنکھیں بھی اشک بار ہو چکی تھیں۔ لرزتے ہونٹوں میں پھر جنبش ہوئی۔ شبی میں نے تمہارے پاکیزہ عشق کو سمجھنے میں بھول کی تھی۔ اس کی سزا آج تک بھگت رہا ہوں۔ تم معاف کر دو تو شاید مجھے کچھ سکون مل جائے۔ تمہارے پاس آنے کے لئے میرے قدم ہی نہیں اٹھتے تھے۔ میں تمہارا گنہگار ہوں شبی مجھے معاف کر دو۔

پاگل ہوئے ہو کیا؟ ایسی باتیں کیوں کرتے ہو؟ میں تمہارے لئے آج بھی وہی ہوں جو پہلے تھی۔ تم میرے لئے وہی ساجد ہو جو پہلے تھے اور وہی رہو گے۔ لیکن تم پریشان کیوں ہو؟؟ .....

میں تم سے ناراض ہو کر آیا تھا اس کے کچھ دنوں بعد مجھے ایک لڑکی سے عشق ہو گیا۔ اور پھر اس سے میری شادی بھی ہو گئی لیکن آج ..... آج وہی شادی میرے لئے بربادی بن گئی ہے۔ مجھے سکون نہیں

تھا۔ ذرا ذرا سی معمولی باتوں پر ہم دونوں میں لڑائی جھگڑے ہوتے ہیں ہم دونوں کے بیچ میں ایک دیوار کھڑی ہو گئی ہے جس نے دو دلوں کو ایک جا ہوتے ہوئے بھی الگ کر دیا۔ دلوں سے نفرت کی آگ نکلنے لگی نہ وہ میرے خوابوں کی ملکہ رہی نہ میں اس کے ارمانوں کا شہزادہ اسے بچوں اور گھر گرہستی سے فرصت نہیں اور مجھے دفتر سے فرصت نہیں۔ ہم لوگ پہلے کی طرح گھوم نہیں سکتے۔ پہلے کی طرح پیار نہیں کر سکتے پہلے کی طرح دو لمحے مل کر خوشی کے لمحات نہیں گزار سکتے۔ جو شکایت میں اس سے کرتا ہوں وہی شکایت وہ مجھ سے کرتی ہے۔

ساجدہ کی آواز غم و غصہ سے کانپ رہی تھی... میرا دل تڑپ گیا..... اف...... کتنی بھول کرتے ہیں وہ لوگ جو عشق کو شادی میں تبدیل کر لیتے ہیں یا پھر انہیں ازدواجی زندگی گزارنے کا سلیقہ آتا ہو۔

شادی اور گرہستی میں پڑ کر تم دونوں پہلے جیسے انداز میں جی ہی نہیں سکتے ساجدہ۔ کسی بھی عورت کو برتن دھوتے۔ آٹا گوندھتے۔ مسالہ پیستے۔ جھاڑو دے کر گھر کی صفائی کرتے۔ بچے کو دودھ پلاتے۔ کپڑے دھوتے۔ میلے کچیلے کپڑے اور بکھرے بالوں میں ایک شوہر تو قبول کر سکتا عاشق نہیں...... اور پھر اس سے یہ چاہت کرنا کہ وہ ہر وقت تمہارے خوابوں کی ملکہ بنی رہے قطعی ناممکن ہے۔ تم کو اپنی اسی چاہت میں تبدیلی کرنا پڑے گی تبھی تم خوش رہ سکو گے۔ یہ اور بات ہے کہ تمہاری چاہت کی قدر کرتے ہوئے وہ تمہارا زیادہ سے زیادہ خیال کرنے لگے جلدی جلدی ہر کام سے فارغ ہو کر تمہارے آنے سے پہلے تصور کی ملکہ بن جائے

یہ سب کچھ تم کہہ رہی ہو شبی...... تم...... اپنے محبوب سے۔ کیا یہ سب کہتے ہوئے تمہیں ذرا بھی تکلیف نہیں ہوئی؟؟ آخر یہ سب کیا ہے؟..... انداز عشق...... میں نے کہا...... عشق کرنے والا اپنی تکلیف نہیں دیکھتا۔ محبوب کی خوشی چاہتا ہے۔ تم خوش رہو۔ بس میں بھی خوش ہوں...... ساجدہ مسکرانے لگا۔ فرط مسرت اور وفورِ جذبات سے اس نے مجھے اپنی باہوں میں بھر لیا۔

ساجد اب بھی میرے گھر آتا ہے...... وہ میرے تصورات میں اب بھی میرا محبوب ہے...... اور میں اس کی محبوبہ...... اور یہ رشتہ شاید ابد تک قائم رہے.....................

..... محبت زندہ رہتی ہے مر نہیں سکتی.....

جمیل احمد خاں جمیلؔ

محمد جمیل احمد خاں میرا نام ہے جمیلؔ تخلص کرتا ہوں ایک متوسط زمیندار خاندان سے متعلق ہوں ضلع بستی کے ایک مشہور و معروف گاؤں دھدھرہ میں ۱۹۴۹ء میں پیدا ہوا۔ میرا گھرانا ایک علمی گھرانا ہے میرے بھائی بہنوئی اور داماد وغیرہ پاکستان۔ ایران۔ اردن وغیرہ ملکوں میں بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہیں۔ بڑے بوڑھوں کے انتقال کے بعد بھائیوں اور خاندان کے دوسرے افراد میں اب میں ہی سب سے بڑا تھا اس لئے مجھے کھیتی باڑی کا کام سنبھالنا پڑا اور ہائی اسکول پاس کر کے سلسلۂ تعلیم روک دیا۔ تعلیمی دور ہی میں مجھے شاعری کا شوق پیدا ہوا تھا جو اب تک باقی ہے۔ ابھی حال میں ایک نمائش میں جو بنکروں کی خصوصی نمائش تھی میں نے ایک نظم پڑھی تھی جس میں سرکار کی عطا کردہ سہولتوں کا تذکرہ تھا جو بنکروں کو دی گئی ہیں۔ صدارت ڈسٹرکٹ جج ایچ۔ ایم سنگھ صاحب نے فرمائی تھی۔ نمائش میں نظم پڑھتے وقت جو فوٹو اور تصویر لی گئی تھی اس کے ساتھ میں آپ کے شانِ ہند میں شرکت کا شرف حاصل کر رہا ہوں تصویر میں میرے پیچھے اے۔ ڈی۔ آئی ہینڈ لوم کھڑے ہیں۔ اور سامنے ڈسٹرکٹ جج تشریف فرما ہیں۔

اصلاح سخن کے لئے جناب صادق بستوی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

—— نمونۂ کلام ——

غزل

شاعری شغل ہو گیا ہے — درد کا آسرا ہو گیا ہے
زندگی کوشش بندگی ہے — نفس دل کا خدا ہو گیا ہے
رہبر کارواں کارواں کا — دست تقدیر قضا ہو گیا ہے
حیرت دل کا عالم نہ پوچھو — مقتدی مقتدا ہو گیا ہے
رس گیا عشق کا دل میں کانٹا — اور کانٹا دوا ہو گیا ہے
درد انسانیت کی طلب میں — دل سراپا دعا ہو گیا ہے
فکر پاس محبت کہاں ہے — دل حریف وفا ہو گیا ہے
ہیں بہاریں گلشن میں پیچھے — اور گلشن فنا ہو گیا ہے

لا دوا درد دل تھا پہلے
وہ جمیلؔ اب دوا ہو گیا ہے

قوم ترقی کی راہ پر

فولاد کی ریکارڈ پیداوار

پچھلے سات مہینوں میں قابل فروخت فولاد کی پیداوار 31 لاکھ 40 ہزار ٹن تک پہنچ گئی ہے جو کہ ایک نیا ریکارڈ ہے ——— پچھلے سال کی اسی مدت کی پیداوار سے 16 فیصد زیادہ۔
اس ضمن میں پبلک سیکٹر کے کارخانے سب سے آگے رہے جن میں 19.3 فیصد پیداوار بڑھی ——— کڑی محنت اور صنعتی امن و امان کا نتیجہ۔

مضبوط ارادہ اور کڑی محنت ہمارے ساتھی ہیں

devp 75/450

نازک الہ آبادی

ذاکر عثمانی اویری

سنہ پیدائش ۱۹۲۰ء۔ نام شیخ اسماعیل شیخ عثمان۔ ذاکر تخلص وطن راویر ضلع جلگاؤں (مہاراشٹر) ہے۔

پونا سے لوک شالہ اور سینئر بی۔ ٹی۔ سی امتحانات امتیازی نمبروں سے پاس کیے۔ ساتھ ہی ایس۔ ایس۔ سی امتحان میں آل مہاراشٹر مولانا آزاد اردو پرائز حاصل کیا تھا۔ بعدہٗ بی۔ اے کی تیاری کر چکے تھے مگر کسی خاص وجہ سے رکاوٹ آ گئی۔ اس کا انھیں افسوس نہیں۔ وہ اپنی جگہ یوں بھی مطمئن ہیں اور وسیع مطالعہ کو سب سے بڑا امتحان سمجھتے ہیں اپنے پیشے میں کامیاب و معروف پرائمری مدرس ہیں۔ ویسے پرائیویٹ طور پر ۱۹۵۱ء اور ۱۹۵۲ء میں چند طلبا کے فارسی ٹیچر بھی رہ چکے ہیں۔ ادب برائے زندگی کے قائل ہیں۔ نثر نگاری اور تنقید سے بھی مضامین سے بھی لگاؤ ہے۔ اس سلسلے میں علامہ سحر عشق آبادی سے کچھ نہ کچھ دریافت کر لیتے ہیں اور علامہ موصوف بھی سرپرستی کے تحت انھیں بتا دیتے ہیں۔ فارسی میں بھی غزل کہتے ہیں۔ علامہ آثر مرحوم احسنی گنوری کے فارغ الاصلاح شاگرد ہیں۔ سلام، نعت اور قطعات میں بھی طبع آزمائی کرتے ہیں مگر غزلیں ہی زیادہ کہتے ہیں۔ خوش گلو ہیں ترنم سے پڑھتے ہیں ویسے تحت اللفظ پڑھنے کا انداز بھی کافی اچھا ہے "ضربِ احساس" کی اشاعت کی فکر ہے۔ مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکاڈمی حوصلہ افزائی کرے تو دیوان زیورِ طباعت سے آراستہ ہو جائے اور قارئین سے خراجِ تحسین حاصل کیے بغیر نہ رہے گا۔

ان کی غزلیات ملاحظہ کیجیے۔

غزل

تہذیب ترقی کا اب کونسا امکان ہے
انسان کے ہاتھوں عجب انسان پریشان ہے

دل۔۔۔ کی محفل میں نالاں ہے شاد۔۔۔
خاموش متفکر۔۔۔ خاموش ہو۔۔۔

۔۔۔ پریشاں ۔۔۔ گلستاں ہے
میں ۔۔۔ ہوا ۔۔۔ کا ۔۔۔ ہے

یہ ظلم پہ شاداں ہے یہ ظلم پہ نازاں ہے
عبرت ہے اسے دیکھو انسان کا کیا حال ہے

افسانۂ الفت کا عنوان نمایاں ہے
میں چاک گریباں ہوں وہ سر بگریباں ہے

پستی ہے کہ پابندی ہے انساں کے عمل ہی میں
بگڑ جائے تو مفلس ہے اچھے تو سلیماں ہے

تم عیش کے سلطاں ہو کیا فکر غمِ ہستی
دنیا کو ذرا دیکھو یہ کتنی پریشاں ہے

چھائی ہے گلستاں پر کچھ ایسی فضا یارو
یہ کفر کا باعث بھی اب باعثِ ایماں ہے

نغمات محبت کے بکھرے ہیں فضاؤں میں
اے دوست ترا آنا محفل میں غزل خواں ہے

غزل

جوہرِ حسنِ ازل ذہن میں بھرنے کوئی
اور بھی عشق کے میزان میں تولے کوئی

اپنے ہر عیب کو جو ہنر سے کہتا ہے ہنر
حرفِ۔۔۔ ان دوست۔۔۔ ۔۔۔

سوزِ دل سوزِ جگر حد سے سوا پایا ہے
لے کسی کو مری اشکوں میں ڈبولے کوئی

ان کے ۔۔۔
ان کے اس زہر بھرے پیار کو تولے کوئی

اس میں شعلے بھی ہیں پوشیدہ تبسم ہی سہی
کاش گلشن کا مرے راز نہ کھولے کوئی

یہی جائے گا اسے سفینہ طوفانوں سے
کشتیِ غم کو جو طوفاں میں ڈبولے کوئی

بزم احباب میں چھائی ہے خوشی کیوں کہ اب
غم کے عنوان پر اس بزم میں بولے کوئی

یہ تغافل ہی زمانہ کو کہ سکتا ہے ۔۔۔
تم یہ کہتے ہو کہ آنکھ نہ کھولے کوئی

رفعتِ عشق پہ آ جائے گی ان سے اگر
لے کسی کا ہے قدموں سے نہ سر لے کوئی

ناقابلِ فراموش

سردار دیوان سنگھ مفتون (مرحوم) ایڈیٹر ریاست دہلی
کا ناقابلِ فراموش ادبی سرمایہ قیمت بیس روپے
دفتر ماہنامہ شانِ ہند۔ فلیٹ ۳ انصاری مارکیٹ۔ دریا گنج نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

پشیمانی

محمد مبین نغمہ کھام گانوی

"دیکھو خالد! یہ میرا اپنا معاملہ ہے جس کے ساتھ میرا جی چاہے فلمیں دیکھوں، تفریح کروں، کہیں بھی آؤں جاؤں اس سے تمہارا کیا تعلق؟ آئندہ خیال رہے میرے معاملات میں کبھی دخل نہ دینا سمجھے"۔

ناز نے اپنے ڈرائیور خالد کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔

"مگر ناز! میں نے ایسی کونسی بے جا اور بُری بات کہہ دی جو تم اتنا بگڑ رہی ہو۔ میں نے جو کچھ کہا ہے تمہارے بھلے کے لئے ہی کہا ہے۔ حامد کو تم نہیں جانتیں وہ لڑکیوں کے معاملہ میں بڑا بدکردار لڑکا ہے"۔

خالد نے ناز کو سمجھاتے ہوئے آہستہ سے جواب دیا۔

"خالد! یہ مت بھولو کہ تم میرے ملازم ہو صرف ملازم"۔ ناز نے دانت پیستے ہوئے خالد کو ٹوکا۔ اور کار میں بیٹھ کر کہا "گاڑی چلاؤ"۔

خالد کی تعلیم میٹرک تک ہوئی تھی۔ اس کے حالات اس قدر بگڑ چکے تھے کہ اپنے ایک دوست کی مدد سے اس نے ڈرائیور بن جانا منظور کر لیا تھا وہ اس دنیا میں تنہا حالات کی تلخی کا مقابلہ کر رہا تھا۔ لیکن اسی کے ساتھ وہ ناز کو اپنی جان سے بڑھ کر چاہنے لگا تھا۔ ناز اس کے ذہن و دل پر بُری طرح چھائی ہوئی تھی اُسے قدم قدم پر اس بات کا احساس ستاتا تھا کہ ناز اس کی کبھی نہ ہو سکے گی وہ انہیں خیالوں میں گم ہو کر اکثر اداس رہتا۔

"ابے او خالد کے بچے"

"ارے سلیم تم"

"ہاں کہو۔ اچھا ٹھاٹھ ہیں"

"بس غنیمت ہے"

"ارے ہاں! خالد۔ آجکل تو تمہاری میم صاحب کے بڑے چرچے ہیں۔ کس چکر میں پھنسی ہیں وہ"

"یار! وہی حامد۔ وہی لکھپتی اوباش باپ کی امیر اولاد"

"اچھا سمجھا۔ لیکن وہ پچھتائے گی"

"یہ تو مجھے بھی معلوم ہے۔ اسی لئے تو میں اسے روکنا چاہتا ہوں لیکن....."

"بس اسی لئے صاحب اُلجھنے کی کوشش نہ کرو۔ صاف صاف کیوں نہیں کہتے حامد تمہارا رقیب ہے"

"ہاں یہی سمجھ لو۔ تم نہیں جانتے سلیم! میں ناز کو کس قدر......"

"چاہتا ہوں۔ لیکن اس سے ملے گا کیا"

"کچھ نہ ملے۔ مگر اسے دیکھ کر دل کو سکون تو مل جاتا ہے۔ میرے لئے یہی بہت کچھ ہے"

"میری مانو۔ تو اس پاگل پن کو چھوڑ دو۔ یا پھر ناز کو صاف صاف بتا دو کہ تم اس سے محبت کرتے ہو۔ آخر کب تک جلتے رہو گے"

"نہیں یہ میں نہیں کروں گا۔ اس کا انجام مجھے معلوم ہے۔ میرا سکون اور غارت ہو جائے گا"

"تمہاری مرضی۔ میں تمہارے حق میں دعا کرتا رہوں گا"

"آج تم نے بہت دیر کر دی خالد!" ناز نے غصہ کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "تمہیں معلوم ہے ہمیں جلدی جانا ہے"۔

"جی وہ۔ وہ۔ معاف کر دیجئے"

"اچھا چلو"

"کہاں"

"گرین پارک"

"بہت اچھا"

خالد۔ پارک کی ایک بنچ پر بیٹھ کر ناز کا انتظار کرتا ہے۔ ناز کے بوجھل قدم بکھری بکھری زلفیں، سوچ میں ڈوبا ہوا چہرہ۔ خالد سمجھ جاتا ہے وہ ناز کے پاس آ کر کہتا ہے۔

"کیا تم۔ حامد کو اپنا دوست۔ اپنا دمساز مانتی ہو؟"

"تمہیں اس سے کیا مطلب؟"

"دیکھو ناز اب بھی وقت ہے۔ سنبھل جاؤ"

"او۔ یو شٹ۔ آپ۔ گاڑی چلاؤ۔ بکواس بند کرو" ایک ہی سانس میں سب کچھ کہہ دیتی ہے۔

"تو آپ کا حوصلہ یہاں تک بڑھ گیا۔ جناب خالد" ناز کے والد نے خالد کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔

"جی میں نے ناز سے جو کچھ کہا اس کی بھلائی کے لئے۔ افسوس میری بات کو غلط رنگ دے دیا گیا۔"

"کیا سچ ہے کیا غلط۔ یہ ہم خوب سمجھتے ہیں۔ ناز اپنے بُرے بھلے کو اچھی طرح جانتی ہے۔ تم ہمارے نوکر ہو اور بس آئندہ کسی معاملے میں دخل دیا تو سزا پاؤ گے۔"

"اس سے پہلے کہ آپ سزا دیں۔ میں ذلت برداشت نہیں کر سکتا"

"اوہ! تو ٹھیک ہے اپنا حساب کر لو۔"

خالد نے اس شہر کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا۔ اور اِدھر اُدھر بھٹکتا پھرا۔ اچانک اس کی ملاقات بچپن کے ساتھی تحسین سے ہو گئی۔ تحسین جو اب ایک بہت بڑی ٹرانسپورٹ کا مالک تھا۔ خالد کو اپنے ساتھ لے گیا اور اُسے اپنی کمپنی میں ملازمت دے دی۔ خالد نے شب و روز محنت کر کے تحسین کا اعتماد حاصل کر لیا۔ اب وہ اس کمپنی کا پارٹنر تھا اور تحسین نے اپنی بہن نسرین کا رشتہ اس سے طے کر دیا تھا۔ نسرین جو تہذیب و شرافت، شرم و حیا اور علم و ادب کا جیتا جاگتا نمونہ تھی۔ خالد کے ان زخموں کو بھرنے میں کامیاب ہو گئی جو اُسے ماضی نے دیئے تھے

ایک دن خالد اپنے آفس میں بیٹھا تھا کہ اُسے معلوم ہوا کہ جس ٹرک کے ذریعے انتہائی ضروری مال روانہ کیا جانا تھا۔ اس کا ڈرائیور اچانک بیمار ہو گیا ہے۔ خالد نے سوچا۔ مال کا وقت پر پہنچنا بے حد ضروری ہے کیوں نہ میں خود ٹرک لے کر چلوں۔ اور وہ اس کے لئے تیار ہو گیا۔ کمپنی کے سارے لوگ اُسے تعجب سے دیکھتے رہ گئے۔ آج کافی دنوں کے بعد اُسے اسکا ماضی یاد آ رہا تھا جس کی یاد میں وہ گم تھا۔ وہ سوچ رہا تھا وقت بڑا منصف ہے۔ کسی کی محنت رائیگاں نہیں جاتی۔۔۔ میں کل کیا تھا آج کیا ہوں۔۔۔؟

مزدور ٹرک کو خالی کر رہے تھے۔ خالد قریب کھڑا تھا۔ لیکن چپ چاپ۔ خاموش۔ اِس شہر میں آ کر آج اُسے ناز یاد آ رہی تھی۔ کیونکہ اسی شہر میں تو اس کے ارمانوں کا خون ہوا تھا۔ وہ اپنے خیالوں میں گم تھا۔ کہ ایک آواز نے اسے چونکا دیا۔

"صاحب تم کو ہمارا میم صاحب بلاتا ہے۔"

"کون میم صاحب؟"

"اُدھر سامنے والا بلڈنگ میں۔"

اور خالد اس شخص کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ "ناز ۔۔ ناز" اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا "تم ہو ناز؟"

"ہاں! میں ہوں۔ تمہاری گنہ گار۔ مجھے معاف کر دو۔"

"لیکن تم تو رئیس گھرانے کی بیٹی ہو۔"

"اور رئیس گھر کی بہو بھی۔۔۔۔۔ لیکن۔۔۔"

"لیکن ۔۔ لیکن کیا۔؟"

"مجھے سب کچھ حاصل ہے۔ دولت۔ عزت۔ شہرت۔ مگر جذبے کی اس گرمی سے محروم ہوں جو عورت کے مردہ جسم میں جان ڈال دیتی ہے۔"

"تو۔۔۔۔۔"

"ہاں خالد۔ تم میرے کام آ سکتے ہو۔ میں تمہیں ملازمت دونگی۔ وعدہ کرتی ہوں کہ تم صرف دکھاوے کے لئے ملازم رہو گے۔ لیکن میرے نزدیک۔ تمہاری حیثیت گھر کے مالک کی ہوگی۔ تم ہر چیز کے مالک ہو گے۔ ہر چیز کے میرے بھی۔۔۔۔ میں۔۔۔ بھٹک جاؤں گی۔ مجھے بچا لو۔ میرے خالد۔"

"اوہ! تو یہ معاملہ ہے۔ لیکن سنو ناز۔ اب میں وہ خالد نہیں ہوں میں نے ماضی کے ہر نقش کو دھو دیا ہے۔ اب اِس دل میں تمہاری جگہ کسی نے لے لی ہے۔ میں اُسے دھوکا نہیں دے سکتا۔ وہ وفاؤں کی دیوی ہے اور تم جیسی تلذذ کی ماری۔ ایک عورت جو مجھے پیار نہیں دے سکتی۔ اب بھی اپنی غرض سے صرف ملازم رکھنا چاہتی ہے۔ جبکہ نسرین نے مجھے اپنے سارے وجود کا مالک بنا دیا ہے۔"

"صاحب ٹرک خالی ہو گیا ہے۔"

"اچھا چلو۔"

ناز کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگتے ہیں۔

بقیہ صفحہ ۲۱

اسی لئے "زہرِ حیات" فن کی نمایاں اور لائقِ احترام تخلیقوں سے تقریباً پاک ہے۔ ظاہرہ زیدی کو نئی نئی تراکیب تراشنے اور لفظوں کو نئی معنویت دینے پر بھی پورا عبور حاصل ہے۔ اِسی لئے "زہرِ حیات" "عطرِ شبنم"، "رنگینیٔ تنہائی"، "ہدیۂ نظر" "بکا تھم کے آدھ" "لفظوں کی چھینی"، "لفظوں کی مشعل" وغیرہ جیسی شگفتہ اور بامعنی تراکیب ملتی ہیں "زہرِ حیات" کا سرورق دیدہ زیب اور کتابت و طباعت نفیس ہے۔ جسے آٹھ روپیے کے عوض مکتبہ شانِ ہند سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

ادارہ

معیار کی کسوٹی پر

من کے منکے

کرشن موہن غزل بھی کہتے ہیں نظم بھی رباعی بھی اور قطعہ بھی لیکن شعر گوئی میں انکا مخصوص مزاج "ہر جگہ نمایاں رہتا ہے۔ ان کے کلام میں عشق کی مختلف "رنگینیاں" بکھری پڑی ہیں۔ ان رنگینیوں کی اہم صفت عشق کی وہ اضطراری کیفیت ہے جو انھیں عشق کے کسی خاص مرکز پر رُکنے نہیں دیتی اور اسی لئے وہ ان تمام روایتوں سے بغاوت کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں جنھیں روزِ ازل سے عشق کی مرکزیت حاصل رہی ہے۔ روایات سے بغاوت کا جذبہ کرشن موہن کی رگ رگ میں سرایت کر گیا ہے۔ لیکن اس بغاوت میں غیر کے مقابلے شعور و فکر کارفرما نظر آتے ہیں۔ اسی لئے ان کی بغاوت پھیکی اور غیر مؤثر نہیں بنتی بلکہ وہ عشق کی "ظاہری نفاست" پر ضرب کاری لگاتے ہیں تو ان کا شعور ان کا وہاں تک ساتھ دیتا ہے جہاں عشق کی اضطراری صورتیں نت نئے رنگوں میں انکے سامنے اُبھرتی چلی جاتی ہیں اور جن میں گم ہو کر وہ ان سارے حقائق کا ذکر انتہائی بے تکلفی سے کرنے لگتے ہیں جنھیں عشق کے داخلی کرب کو سمجھے بغیر نہیں پڑھا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ جب وہ حقائق ان کے اشعار میں ڈھلتے ہیں تو ان کی بے باکی پر ان کے بیشتر قارئین تعجب کا اظہار کرنے لگتے ہیں لیکن اصلیت یہ ہے کہ ان کا یہ اضطراری عمل جسے روایت شکنی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، نگاہ و قلب کے لئے ایسے سکون کا سبب بھی ہوتا ہے جس میں نشاطِ غم کو اولیت حاصل ہوتی ہے۔

"من کے منکے" (منتخب اشعار کا تازہ مجموعہ) میں شامل بیشتر اشعار اسی نشاطِ غم کی عظمت کو ظاہر کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں کرشن موہن کا رویّہ نہ تو قطعی جدیدیت کی نمائندگی کرتا ہے اور نہ قدیم روایات کے وہ قائل ہیں بلکہ استدلال اور میانہ روی پر مبنی انکا شعور انہیں حد سے تجاوز نہیں کرنے دیتا۔ اسی لئے اِن کے عشق کی "ظاہری نفاست" اور دکھاوے کی "طہارت" کوئی حیثیت نہیں رکھتیں اور وہ عشق کے اندرونی کرب کا علاج تلاش کرنے میں تکلفات کے سارے پردوں کو ہٹا کر صاف صاف" باتیں" کرنے لگتے ہیں جنھیں سن کر ان کا قاری عالمِ استعجاب میں انکی شاعری کے حسن اور ستھرے حصّے کو "جنسی بے راہ روی" سے تعبیر کر کے انکے اضطراری عمل سے منحرف ہو جاتا ہے لیکن کرشن موہن اپنے اس اضطراری عمل کو تیز تر کرنے میں دراصل عشق کے اس جمالیاتی پہلو پر اپنی نگاہیں مرکوز رکھتے ہیں جس میں ساری کائنات "حُسن و تجمل" کا مرقع بن جاتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ کرشن موہن اس کائنات کو "بے لباس" دیکھنا پسند کرتے ہیں لیکن چونکہ ان کے ہاتھ "کھُردرے" نہیں ہیں اور نہ اِن کے اضطراری عمل میں "جلد بازی" کو کوئی دخل ہے اسی لئے بے لباسی کے باوجود کائنات کی طہارت اور "تجمل" مجروح نہیں ہوتے بلکہ کرشن موہن کا معتدل رویّہ انھیں اور بھی نکھار دیتا ہے۔ عشق کی ظاہری نفاست کے دلدادہ اِس رویّے کو ناواقفیت کی بنا پر قبول کرنے میں بخل سے کام لیتے ہیں اسی لئے اُن کے اور کرشن موہن کے درمیان اسی مقام سے کشمکش کی ابتدا ہو جاتی ہے لیکن کرشن موہن شکستگی کے احساس کو نزدیک نہیں آنے دیتے اور انکا یہی عمل باقی کے الفاظ میں انھیں [illegible] بنا دیتا ہے جو ابدی قدروں اور لازوال حقیقتوں کے اندر جھانکنے پر انھیں مجبور کر دیتا ہے۔ داخلی حقائق کی یہ چمک کرشن موہن کی نگاہوں میں ایسی روشنی پیدا کر دیتی ہے کہ جب وہ کائنات پر پڑتی ہیں تو اسے بھی چمکا دیتی ہیں جسے دیکھنے والی عام نگاہیں خیرہ ہو کر تعجب و تذبذب کا شکار ہو جاتی ہیں۔ لیکن کرشن موہن اس چمک کو عشق کے جمالیاتی پہلو سے تعبیر کر کے کائنات کی بے لباسی پر مسرور ہوتے ہیں ان کے نزدیک یہی بے لباسی ابدی قدروں اور لازوال حقیقتوں کی عکاسی کرتی ہے۔ جس میں نشاطِ غم کی ساری کیفیات بھی موجود ہوتی ہیں "من کے منکے" میں اِس کی کئی مثالیں موجود ہیں چند ملاحظہ ہوں ؎

جب سے اپنا لیا ہے غم نے مجھے ٭ غم بھی اک کیفیت خوشی کی ہے

ملا ہے ہمیں عشق کا سوزِ پنہاں ٭ سلگتے سلگتے دھواں ہو گئے ہیں

مرے اضطرابِ دروں کا سبب ہے ٭ تمنا کی رفعت ارادے کی پستی

ہر ایک رنگ میں ہے وہ خود نشاط رنگ ٭ نازاں ہے رقص تیرے بدن کے سہاگ پر

کتنی بے کیف کٹ رہی ہے حیات ٭ ایک مدت سے دل اُداس نہیں

کرشن موہن نے اردو شاعری کو جس رویّے سے نزدیک کیا اس میں انکے ذہن کی وہی گونج صاف صاف سنائی دیتی ہے جس میں باقی نے اشارہ کرتے

ہوئے لکھا ہے "کرشن موہن کی شاعری پورے وجود کی شاعری ہے۔ انکے یہاں کوئی موضوع شجرِ ممنوعہ نہیں حسن وابستگی محض احساسی سطح پر نہیں بلکہ اس میں گوشت پوست اور اس کے لمس سے سیراب ہونے کی آرزو بھی شامل ہے اس جذبے کے اظہار میں صحت مند فیضیابی کا عنصر کہیں پھیکا نہیں پڑتا۔"

کرشن موہن گوشت پوست اور اس کے لمس کے سلسلے میں بعض "حسن سے وابستگی" تک ہی محدود نہیں رہے بلکہ پورے وجود کی تلاش اور انسانی نفسیات کی کشمکش اور ناکامیٔ شوق تک بھی پہنچے ہیں۔ ان کی سوچ کے پھیلاؤ کو نہ تو محدود ہونے دیتا ہے نہ یک رُخی۔ لیکن یہ بھی صداقت ہے کہ کرشن موہن اِس کشمکش اور ناکامی کے اسباب حسن سے وابستگی میں تلاش کرتے وقت بڑے جذباتی بن جاتے ہیں۔ ملاحظہ کیجیے ؎

ہے نغمہ وسرود کی دنیا کو احتیاج ؞ دنیا بہت حزیں ہے غزل ابتدا کرو
کیسا جگ ہے جسمیں ایک دلِ مسرور ؞ تخیل ایک ترحم ہے احساس ایک شورش
ہے اور تڑپتا ہے زیست ایک سنا ہے ؞ دیکھ کے جسکو راحت ہو جاتی ہے جسکو درد آئے
گفتگو میں ہیں محو تو ہیں دلشاد ؞ جو اپنے حال پہ سوچیں اُداس ہو جائیں

کرشن موہن بعض صورتوں میں ذہنی لذت کو تبدیل کرنے کے لیے ایسے شعر بھی کہہ جاتے ہیں ؎

بیوی جو پیار جتائے تو کوئی شعر نہ ہو ؞ داشتہ ناز دکھائے تو غزل ہو جائے
بیوی کی سخت وسرد طبیعت کو جان کر ؞ جی چاہتا ہے اپنی کوئی داشتہ بھی ہو
آپ غیروں کے پاس رہتے ہیں ؞ اس لئے ہم اُداس رہتے ہیں
بنتا ہے ایک ڈھیٹ کو ؞ کرے کا کیا۔ کائیں مکرر

[illegible] یہ مثالیں کرشن موہن کی شاعری کی تنہائیاں [illegible] ہیں اور وہ جب یہ کہتے ہیں ؎

تمہاری شاعری میں کرشن موہن ؞ فقط افسانۂ رخسار و لب ہے

تو کم از کم مجھ جیسے انسانوں کو تعجب ضرور ہوتا ہے۔ اس لئے کہ ان کی شاعری میں افسانۂ "لب و رخسار" کی گرمی محض روایتی انداز میں پیدا نہیں ہوتی بلکہ اس میں عشق کی وہ اضطراری کیفیت ملتی ہے جو جذبات کو جامد و ساکت نہیں ہونے دیتی اور ذہنِ انساں کو نشاطِ غم کے اس پہلو سے روشناس کراتی ہے جو زندگی کی تسکین کے لئے ناگزیر ہے۔

کرشن موہن کی شاعری میں "پیامِ عمل اور رنگِ خرد" کو تلاش کرنا بے سود ہے جس کا اعتراف انھوں نے خود کیا ہے ؎

نہ اس میں کوئی پیامِ عمل نہ رنگِ خرد ؞ فقیہہ شہر مری شاعری سے بدظن ہے

کتابت وطباعت میں وہ بات نہیں جو انکی سابقہ کتب کا طرۂ امتیاز رہی ہے پھر بھی سرورق کے حسن نے اس کمی کو بڑی حد تک پورا کر دیا ہے ۳ روپیہ کے عوض یہ کتاب مکتبہ شانِ ہند دہلی سے بھی حاصل کی جا سکتی ہے۔

کچھ نثر میں بھی

آنند نرائن ملا کا شمار ان مجاہدین میں ہوتا ہے جنھوں نے اُردو کے آئینی حقوق کی خاطر انتہائی بے لوث طریقِ کار اختیار کرکے اپنی صفائیٔ قلب اور طہارتِ نظر کا ثبوت دیا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ملا صاحب نے اپنی زندگی کے بڑی قیمتی لمحات اُردو کے تحفظ اور ارتقا کے لیئے وقف کرکے عملی میدان میں جس تیز رفتاری کا ثبوت دیا وہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے انھوں نے اردو کی ترویج وارتقا کے سلسلے میں نہ صرف اپنی ذکاوت و بیدار مغزی ہی کا ثبوت دیا ہے بلکہ اُن کا قلم اُردو کے آئینی حقوق کے حصول کی خاطر کبھی سست رفتار نہیں ہوا جس کی عکاسی ان کی تازہ تصنیف "کچھ نثر میں بھی" مل جاتی ہے جسکے مطالعے سے ان کے تبحرِ علمی کے ساتھ ساتھ انکے فکری تعمق کو بھی پرکھا جا سکتا ہے۔

"کچھ نثر میں بھی" ملا صاحب کے دس ریڈیائی ٹاکس، تین خطبات، ایک منظوم آپرا (پس منظر) انسانی حقوق کے بنیادی تحفظ سے متعلق دو مقالے، دو دیباچے، خواجہ آتش کی حیات پر مبنی ایک ڈرامہ اور ایک ادبی مضمون کا مجموعہ ہے۔

ان تمام تصنیفات کے مطالعہ کے بعد اس بات کا آسانی سے پتا چلایا جا سکتا ہے کہ ملا صاحب انتہائی تیز اور صاحب ناقدانہ شعور کے مالک ہیں۔ انکی ریڈیائی ٹاکس میں اکثر و بیشتر مقامات پر ان کے مذکورہ شعور کی بھرپور عکاسی ملتی ہے۔ وہ کسی ادبی پہلو پر ناقدانہ نگاہ ڈالتے وقت تجزیاتی عمل کو مقدم نہیں سمجھتے بلکہ واقعاتی انداز میں اس پہلو کے حقائق تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں اس سلسلے میں ان کی ان ٹاکس کو پیش کیا جا سکتا ہے جو انھوں نے سرشار اور چکبست کے متعلق تحریر کی ہیں جن میں انھوں نے مذکورہ دونوں حضرات کے فن اور انکی شخصیت سے متعلق تمام حقائق کا بھرپور جائزہ لیکر ان سے کارآمد نتائج نکالے ہیں۔ اپنی دیگر ٹاکس میں انھوں نے مختلف اہم مراکز پر اُردو کی ترقی کا ذکر کرتے ہوئے اسکی خصوصیات کے تواریخی اور جغرافیائی پہلوؤں پر خاصے مدلل انداز میں روشنی ڈالی ہے۔

ان کا ناقدانہ شعور (جو انتہائی معتدل ہے) اس دیباچے میں نظر آتا ہے جو انھوں نے سردار جعفری کے مجموعۂ کلام "پیرہنِ شرر" پر لکھا ہے جس میں انھوں نے زندگی اور ادب کے لاتعداد سلسلے پر بڑے سلجھے ہوئے انداز میں روشنی ڈال کر ژرف نگاہی کا ثبوت دیا ہے۔

اُردو کے مستقبل کے بارے میں انھوں نے جن حقائق کی جانب کھلکر اشارے کئے ہیں انھیں انکے خطبات (اُردو کانفرنس سے لسانی کمیشن تک) میں دیکھا جا سکتا ہے۔ جن میں ملّا صاحب نے اُردو کے ارتقا کے سلسلے میں کئے جانے والے کھوکھلے دعووں سے سخت اختلاف کرکے عملی میدان میں آنے اور خلوص بے انتہا کا اظہار کرنے کی دعوت دی ہے۔ ملاحظہ کیجئے۔

"کوئی شخص جو اُردو کا سوال اُٹھاتا ہے اسکو پہلے یہ دیکھنا چاہئے کہ وہ خود اُردو کیلئے کیا کر رہا ہے۔ جو مریض خود صحت یاب ہونا نہیں چاہتا اسکو کوئی طبیب اچھا نہیں کر سکتا۔ آپ بھی تو اپنے عمل سے اپنے مطالبے میں جان پیدا کیجئے" (صفحہ ۲۶)

"آئینی محاذ پر ہمارا کام ہے کہ ہم مرکزی حکومت نیز ریاستی حکومتوں کی توجہ اپنے بنیادی حقوق کی پامالی کی طرف برابر دلاتے رہیں ... جیسے ہی کسی حق کی پامالی ہو فوراً اس کیخلاف آواز بلند کرنا چاہیے کیونکہ جس حق تلفی کو کوئی تھوڑی دیر کے لئے برداشت کر لیتا ہے اس حق کا پھر حاصل کرنا مشکل ہوجاتا ہے۔" (صفحہ ۲۵۲)

ملّا' تشدد کے قائل نہیں۔ اور نہ اپنے حقوق کے حصول کے سلسلے میں وہ بنیادی باتوں کو نظر انداز کرکے انتہاپسندی کو پسند کرتے ہیں اسی لئے انکی تحریروں اور تقریروں میں میانہ روی اور اعتدال پسندی نمایاں طور پر نظر آتی ہے جس کی جھلکیاں ان کے ناقدانہ رویّے میں بھی مل جاتی ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کے تنقیدی مضامین میں کسی خاص رویّے یا نظریے کی چھاپ نہیں لگ پاتی۔ بلکہ وہ ان تمام حقائق کو قبول کر لیتے ہیں جن میں زندگی اور کائنات رقصاں نظر آئے چاہے اسکا رخ کچھ بھی ہو۔ اور کیسی بھی تحریک، نظریہ یا احساس سے ان کا تعلق ہو۔

کاش ملّا صاحب کا وہ نثری سرمایہ تلف نہ ہوا ہوتا جس کا ذکر انھوں نے "۲۷ سال" میں کیا ہے۔ پھر بھی ہمیں امید رکھنی چاہئے کہ موصوف موجودہ شعری و ادبی تحریکات اور انکے بدلتے ہوئے پہلوؤں پر بھی روشنی ڈال کر اپنی نثری قوتوں سے ادب کے تشنہ پہلوؤں کو سرسبز و شاداب کرتے رہینگے۔

"کچھ نثر میں بھی"۔ کتابت کی اغلاط سے پاک ہے ۲۷۶ صفحات کی یہ کتاب صرف سولہ روپیے میں مکتبہ شانِ ہند سے بھی حاصل کیجا سکتی ہے۔

زہرِ حیات

اُردو کی ایک حسّاس اور باشعور شاعرہ زاہدہ زیدی کا پہلا مجموعۂ کلام ہے جس میں ۳۹ نظمیں ۹ غزلیں اور ایک قطعہ شامل ہے۔

زاہدہ زیدی کی شاعری کی ابتدا ۱۹۴۲ء سے ہوئی اور ان کا پہلا مجموعہ ۱۹۷۵ء میں شائع ہوا۔ ان ۳۳ برسوں میں انھوں نے جو کچھ کہا وہ اس طویل مدت کے پیشِ نظر بہت مختصر ہے۔ لیکن ان کا یہ اختصار ہی ان کے مزاجی ٹھہراؤ اور فکر و شعور کے عمق کا ثبوت بن گیا ہے۔ جس میں "زود گوئی" کی بیجا طوالت معلوم نہیں ہوتی۔

زاہدہ زیدی اس نسل سے تعلق رکھتی ہیں جس نے اپنی سوچ کے پھیلاؤ کو حالاتِ زمانہ اور مسائلِ حیات پر پوری طرح محیط کرنے کی کوشش کی ہے یہی سبب ہے کہ انکے یہاں بعض ایسے نئے گوشہ ہائے فکر نظر آتے ہیں جن کا تعلق زندگی کے سرسری مطالعہ یا فکر و نظر کی سطحیت سے نہیں بلکہ ان میں کائنات ایک نئے زاویے کے ساتھ پھیلی ہوئی نظر آتی ہے۔

زاہدہ زیدی کا تعلق اس نسل سے بھی ہے جس نے اپنی ذات کو پہچاننے کا سفر ہنوز مکمل نہیں کیا ہے اور جو اس سلسلے میں کسی حد تک تذبذب اور بے یقینی کے تحت ہنگامہ ہائے حیات میں گم اپنے ٹوٹے اور بکھرے ہوئے "میں" کو تلاش کرنے میں معروف ہے۔ اسی لئے زہرِ حیات کی بیشتر نظمیں اسی تلاش کی عکاسی نظر آتی ہیں۔ جن میں زاہدہ زیدی زندگی کی خلش کو اختیار کرکے اضطراب اور بے چینی کا اظہار اس طرح کرنے لگتی ہیں جیسے دیکھ کر محسوس ہونے لگتا ہے کہ وہ بھی عرفانِ ذات کا سفر کرتے ہوئے اپنے ٹوٹے ہوئے اور منتشر "میں" کو سمیٹنے کی کوششوں میں چند حقائق تک پہنچ جانا چاہتی ہیں۔ لیکن بیشتر نظموں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انکی محرومیوں کا جذبہ ان کے "میں" کی کرچوں کو سمیٹنے میں انھیں شدید کرب میں گرفتار کر دیتا ہے۔ ہر چند انھیں قدم قدم پر یہ احساس بھی رہتا ہے کہ ان کا "میں" واقفِ ہر حادثۂ عالم بھی ہے اور حسّاس افکار کے بحرِ زخّار میں قطرۂ مضطرب ہونے کے باوجود خود میں سمندر کی توانائی رکھتا ہے اس سلسلے میں انکی نظم "حکایاتِ گریزاں" کو پیش کیا جا سکتا ہے۔

اسی طرح زاہدہ کو اپنے وجود کے ساتھ اسکا کوئی "ہمشکل" چلتا ہوا دکھائی دیتا ہے جسے وہ ایک پل بھی نہ تو نگاہوں سے دور ہی رکھنا چاہتی ہیں اور

نہ اس کی یاد کو ذہن کے گوشوں سے نکال دینا ہی انھیں منظور ہے اس لئے کہ وہ ان کی نگاہوں میں ایک ایسے احساس کو بیدار رکھنے کا ذریعہ ہے۔ جسکے سہارے زاہدہ حقائق کے سنگین اور کرب آمیز پہلوؤں سے نجات حاصل کر سکتی ہیں۔ نظم "تم وہ نقطہ ہو" اس جذبے کی بھرپور عکاسی کرتی ہے۔

زاہدہ کی شاعری کا ایک نمایاں پہلو یہ بھی ہے کہ وہ حادثات و حالات کی سختی سے واقف ہونے کے بعد جب اپنے وجود کو ان کے سبب سایوں میں گھرا ہوا پاتی ہیں تو ان کے ذہن و فکر میں تذبذب اور کشمکش کے متواتر عمل کے ساتھ ہی ایک عجیب سا خوف پیدا ہو جاتا ہے جس کا اظہار وہ اس طرح کرنے لگتی ہیں۔

ہر طرف گونجتی انجان صداؤں میں
نہ کھو جائے کہیں نغمۂ روح
کہیں بے ربطیٔ ماحول میں
ہر حسیں خواب
ہر اک شوق کی پرواز کو
تاریکیٔ شب ڈھانپ نہ لے
اور ہر جذبۂ رنگیں کو
ڈس نہ لے کہیں
رنگینیٔ تنہائی کا سانپ
گل نہ ہو جائیں کہیں
زیست کے ایوان میں
افکار کی لرزاں شمعیں
سرد ہو جائیں نہ دیرینہ وفاؤں کے چراغ (نظم اندھیرا)

لیکن باوجود "اندھیرا" ہونے کے زاہدہ وفاؤں کے چراغ کو سرد نہیں ہونے دیتیں اس سے ان کا خوف و تذبذب کے عالم میں حوصلہ مند ہونے کا ثبوت ملتا ہے اور محسوس ہوتا ہے کہ وہ وجود کے بکھراؤ کے باوجود انھیں زندگی کے حقائق کی تلاش اُکساتی رہتی ہے جسکے نتیجے میں "تجربہ" اور "تنہائی" جیسی پر اثر نظمیں جنم دیتی ہیں۔ ہر چند انھیں محسوس ہوتا رہتا ہے کہ انسانی وجود شکستگی کے احساس سے بہت جذباتی .... اور بعض صورتوں میں آگہی کی شمع انسانی تصور و خاکستر بھی کر دیتی ہے لیکن زاہدہ اس احساس کے نزدیک پہنچنے کے بعد بھی مکمل طور پر قنوطیت کا شکار نہیں ہوتیں اور اپنی فکر و حسی شعور کو زندگی کی محرومیوں سے بچا کر ان میں زندگی کی ہلکی ہلکی مٹھاس اور وفاؤں کی تازگی کے نقوش بھی کسی حد تک شامل کر دیتی ہیں۔ مثلاً ان کی نظمیں "آؤ" "ایک شام" "صفحہ ۱۰۹" "دیوانِ خاص" "چٹانوں کے بدن" (پہلا حصہ) کا مطالعہ اس سلسلے میں کیا جا سکتا ہے۔

زاہدہ زیدی کا سماجی شعور بڑا دمکتا اور تابناک ہے۔ وہ سماجی نابرابری پر بھرپور طنز کر کے اسکی تبدیلیوں کے امکانات پر غور کرتی ہے اس سلسلے میں ان کا رویہ محض کھوکھلے نعرہ بازی کا شکار نہیں ہو جاتا بلکہ وہ فکر و شعور اور تعقل و ادراک کے سہارے اس سلسلے کو دراز کرتی ہیں جسکی بھرپور جھلکیاں ان کی نظموں "لاشوں کا سوداگر" "چٹانوں کے بدن" "بازیچۂ اطفال" اور "بند کمرہ" میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

"زہرِ حیات" میں چند ذاتی نظمیں بھی شامل ہیں جن سے زاہدہ زیدی کا ذہنی کرب پورے طور پر ظاہر ہوتا ہے اس مجموعے کی غزلوں کے بیشتر اشعار فکر و فن کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔

زاہدہ فنی رکھ رکھاؤ کا حتی الامکان خیال رکھتی ہیں (بقیہ صفحہ ۲۷ پر)

بُنکروں کی خوشحالی

جمیل بستوی
دودھارا

یہ نظم ۸ جنوری سنہ ۱۹۷۶ء کو بنکروں کی نمائش کے افتتاح کے موقع پر پڑھی گئی جسکی صدارت ڈسٹرکٹ جج ضلع بستی نے فرمائی تھی نظم بہت پسند کی گئی۔ جج صاحب موصوف نے اپنی افتتاحی تقریر میں نظم مذکور کو بہت سراہا۔ — جمیل

خوشی کے دیئے آج بُنکر جلائیں — خزانے مسرت کے بھر کر دکھائیں
کٹھن تھا یہ بالو کا بھارت میں اپنے — ہنر کے لئے لوگ چرخا چلائیں
کریں خوب خوش رنگ تیار کپڑے — انھیں سے نمائش کی زینت بڑھائیں
اُسی وقت اُنت یہ بھارت کریگا — بدیشوں میں جب مال اپنا کھپائیں
یہ صنعت ترقی کی منزل کو چھولے — یہ بُنکر اگر اس کی ہنسی بجائیں
رہا چشمِ نرتم یہ سارا زمانہ — سُنیں اندرا نے تمہاری صدائیں
ارادہ حکومت کا ہے بُنکروں کو — جہاں تک ہو مقدور اونچا اٹھائیں
یہ صنعت ہے باپو کی خواہش کا حصہ — ترقی کی منزل پہ اس کو لگائیں
سنہرا یہ موقع جو ہم کو ملا ہے — اسے اپنے دل سے نہ ہرگز بھلائیں
جہاں تک ہو ممکن کریں اسکو حاصل — خدا جانے یہ دن پھر آئیں نہ آئیں
تمہیں فکر خود اپنی کرنی ہے پیہم — کہاں تک تمہیں راستہ ہم دکھائیں
جمیل اب ہماری تمنا ہے آخر — یہ بُنکر پھلیں پھولیں پھر جگمگائیں

نایاب اور مشہور اُردو کتابیں منگائیے

کلیات اقبال کا صدی ایڈیشن (آفسٹ)		۳۰/-
اقبال۔ شاعر اور فلسفی	سید وقار عظیم	۱۲/-
بانگِ درا (فوٹو آفسٹ)	اقبال	۱۰/-
ضربِ کلیم	″ ″	۷/۵۰
بالِ جبریل	″ ″	۷/۵۰
ارمغانِ حجاز	″ ″	۴/۵۰
شاعری اور شاعری کی تنقید	ڈاکٹر عبادت بریلوی	۱۶/-
اُردو شاعری کا مزاج	وزیر آغا	۲۰/-
نیا افسانہ	وقار عظیم	۹/-
اطرافِ غالب	ڈاکٹر سید عبداللہ	۱۵/-
غزل اور مطالعۂ غزل	عبادت بریلوی	۲۰/-
جدید شاعری	″ ″	۲۵/-
ارمغانِ علی گڈھ	خلیق نظامی	۲۰/-
اُردو مثنوی کا ارتقاء	عبدالقادر سروری	۶/-
تصوراتِ اقبال	مولانا صلاح الدین احمد	۱۲/۵۰
اُردو زبان اور ادب	ڈاکٹر مسعود حسین خاں	۷/۵۰
مطالعۂ سرسید احمد خاں	عبدالحق	۵/-
اُردو ادب کی تاریخ	عظیم الحق جنیدی	۷/۵۰
گلدستۂ مضامین انشاپردازی	ڈاکٹر محمد عارف خاں	۵/۹۵
نمائندہ مختصر افسانے	ڈاکٹر طاہر فاروقی	۴/۷۵
تنقیدی سرمایہ	عبدالشکور	۱۲/۵۰
اُردو لسانیات	ڈاکٹر شوکت سبزواری	۸/-
تخلیقی عمل	وزیر آغا	۱۴/-
فیروز اللغات (جیبی ایڈیشن)		۶/۵۰
انتخاب مضامین سرسید	آلِ احمد سرور	۲/۵۰
مقدمۂ شعر و شاعری	وحید قریشی	۲/۵۰
شرح جاوید نامہ (جلد اول)	محمد سلیم چشتی	۴۰/-
″ ″ ″ (″ دوم)	″ ″	۴۰/-

ضیاء شررہ نظمیں	مرتبہ علی جواد زیدی	۲۱/-
تنقید سے تحقیق تک	عنوان چشتی	۱۵/-
اقبال کے خطوط	ڈاکٹر منظر عباس نقوی	۱۸/-
پریم چند کے ناولوں میں نسوانی کردار	ڈاکٹر شمیم نکہت	۱۸/-
مقدمۂ تاریخ زبان اُردو	ڈاکٹر مسعود حسن	۱۰/-
ادب اور تنقید	اسلوب احمد انصاری	۱۰/-
ادب اور زندگی	اظہر پرویز	۶/-
اُردو ادب آزادی کے بعد	خورشید الاسلام	۷/۵۰
یادوں کے سائے	پدم شری ممتاز مرزا	۲۰/-
مترجم مثنوی مولانائے روم دفتر اول	قاضی سجاد حسین	۲۰/-
مترجم مثنوی مولانائے روم دفتر دوم	قاضی سجاد حسین	۱۹/-
مترجم دیوان حافظ	قاضی سجاد حسین	۲۰/-
ناقابلِ فراموش	دیوان سنگھ مفتون	۲۰/-
جذباتِ مشرق	″ ″	۱۵/-
یادوں کی برات	جوش ملیح آبادی	۲۵/-
فرہنگِ آصفیہ (چار حصے مکمل)		۱۵۰/-
انگلش اُردو ڈکشنری	مولوی عبدالحق	۵۰/-
اُردو انگلش ڈکشنری	″ ″	۴۰/-
ابتدائی علم عروض	سبحان انجم کھام گانوی	۱/-
فکرِ ہندوستانی مسلمان نمبر		۲۰/-
اُردو شاعری کے ارتقا میں ہندو شعراء کا حصہ	سلوا استوا	۱۵/-
شرح دیوانِ غالب	بیخود موہانی	۱۵/-
برقِ تبسم	تبسم علی پوری	۱۰/-
سحر نغمہ	ساحر ہوشیار پوری	۱۰/-
نقد نظر	مختار احمد مانی	۶/-
پہلا پتھر	طاہر تلہری	۶/-
مغربی ادب کے معمار	اے۔ جے۔ ابراہیم	۲/-
آئینہ	حیرت بدایونی	۶/-
اوراقِ زندگی	بسمل سعیدی ٹونکی	۱۲/-

دفتر شانِ ہند فلیٹ نمبر ۸ انصاری مارکیٹ۔ دریا گنج۔ نیو دہلی ۱۱۰۰۰۲

March—76 Phone : 278880 Regd. No. D-(D) 370
THE SHAN-E-HIND MONTHLY, NEW DELHI-110002
Regd. with the Registrar of News Paper at R. No. 644/57

جب کنگھی کرتے ہوئے ہر بار بال اُلجھ جائیں یا بالوں کا ایک گُچھا ہاتھ میں آجائے تو سمجھئے یہ بال اب کچھ ہی دن کے مہمان ہیں، بالوں کو مضبوط، چمک دار، ملائم اور سیاہ بنانے کے لئے زُلفی استعمال کیجئے۔ اس کا ایک ایک قطرہ بالوں کے لئے رحمت سے کم نہیں۔ زُلفی گرتے بالوں کو روک دیتا ہے اور گھنے بال اُگاتا ہے۔ یہ گنج کو ختم کرتا ہے اور بالوں کی سب سے بڑی دُشمن خشکی کو دُور کرتا ہے —— زُلفی تیل نہیں بلکہ بالوں کی غذا ہے۔ زُلفی بالوں میں ڈالئے اور پھر دیکھئے وہ کتنی جلدی بڑھتے ہیں۔

قیمت زُلفی ہیر ٹانک : ۸ روپے
زُلفی شیمپو پاؤڈر : ۳ روپے ۵۰ پیسے

شمع (یونانی اینڈ آیورویدک) لیباریٹریز، لال کنواں، دہلی ۶

SHAMA LABORATORIES

شانِ ہند

APRIL—1976

WARSI BAREILVI

TAUNSVI

SAIFI SIRONJI

Re. 1.25

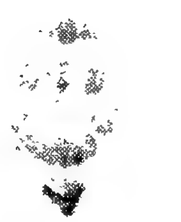

YUSUF NASEEM
QASMI SIRONJ

IMTIAZ ANJUI
BHOPAL

سال اجراء ۱۹۳۸ | رجسٹرڈ نمبر ڈی ۔ ۳۷۰ (D) | رجسٹرڈ نمبر جرنلز نمبر [illegible]

فون نمبر ۲۷۸۸۸

ماہنامہ شان ہند دہلی

مدیر: سرور تونسوی | قیمت سالانہ دس روپے | قیمت فی پرچہ سوا روپیہ

جلد ۳۷ | اپریل ۱۹۷۶ء | شمارہ ۴

فہرست

افکار و واقعات	مدیر	۶
انجمن جمعیۃ المسلمین بریلی کا گل ہند مشاعرہ	وارثی بریلوی ایم اے	۹
ریت، سمندر اور جھاگ	مرشد ابن عبادہ	۱۷
غزلیات	شیخ شفیع دستگیر۔ محمد مبین نغمہ	۱۹
ہر غلط کو صحیح کہتے ہیں	عظیم صدیقی	۲۰
عارف جمال ایم اے۔ اندور		۲۵
امتیاز انجم	کلیم سرونجی	۲۶
یوسف نسیم قاسمی اور سیفی سرونجی		۲۷
نئی سمتیں	مختار شمیم اور سید بیاد پرواز	۲۸
غزل	ابراہیم اشک	۲۹
غزل	سطوت رسول	۲۹
اردو شاعری میں نقوش زنداں	کشور سلطان اندور	۳۰
غزل	ساغر پالم پوری	۳۲
معیار کی کسوٹی پر	عزیز اندوری	۳۳
غزل	جمشید علی فیضانی	۳۷
من کہ مکتوب الیہ	مختلف حضرات	۳۸

ودیا پرکاش سرور تونسوی ایڈیٹر پرنٹر پبلشر نے لاہوری پریس جامع مسجد بازار دہلی سے چھپوایا اور ٹائٹل تاتصادی مارکیٹ دریا گنج نیو دہلی سے شائع کیا۔ سرورق الامین ایم پرنٹرز دریا گنج میں چھپا

ہر دلعزیز انسان | شاعرِ جادو بیان | اُردو کا عاشق

قومی ایک جہتی کا خواہاں | انسانیت کا پیکر | شرافت کا نمونہ | مذہبی تعصب کا دشمن

ہر غمزدہ کا ہمدرد | ہر ضرورتمند کی حاجت روائی کیلئے کوشاں | مشاعروں کا رُوحِ رواں

غرضیکہ انسانی پیکر میں واقعی انسان - اپنے جدِ امجد گورو نانک دیو جی مہاراج کی تعلیمات کا مظہر

کنور مہندر سنگھ بیدی سحرؔ

کو ایک ارمغانِ عقیدت و خراجِ محبت

کنور صاحب کے عزیزوں رفیقوں دوستوں مداحوں اور عقیدت مندوں کیلئے ایک گرانقدر ہدیہ، عزیزوں کی یگانگت، دوستوں کی محبت، مخالفوں کے جذبات، عام ملنے جلنے والوں کے تاثرات، بزرگوں کے خیالات، نجی زندگی کے کوائف و حالات اور کنور صاحب کی شاعری کے انتخابات سے لطف اندوز ہونے کیلئے

شانِ ہند کا شائع ہونے والا

جشنِ سحرؔ نمبر

ضرور پڑھیئے

جو عنقریب ہی دہلی میں منائے جانے والے جشنِ سحر کے مبارک موقع پر شائع ہو رہا ہے جو یقیناً دنیائے اُردو ادب میں ایک یادگاری اضافہ ہوگا۔ چار صد صفحات پر پھیلا ہوا یہ خاص نمبر جو بیس صفحات آرٹ پیپر پر کنور صاحب کی مختلف تصاویر سے مزین آپ اپنی نظیر ہوگا۔

قیمت دس روپیہ۔ شانِ ہند کے مستقل خریداروں سے چھ روپے علاوہ محصولڈاک جبکہ اس شمارہ پر دس روپیہ فی پرچہ اصل اخراجات ہوں گے مشتہرین کی خدمت میں التماس ہے کہ کنور مہندر سنگھ بیدی سحر کی ملک گیر مقبولیت کے پیشِ نظر جشنِ سحر نمبر ملک بھر میں بڑے ذوق و شوق سے پڑھا جائے گا۔ لہٰذا اس یادگاری خاص نمبر میں اشتہار دینا بھی کنور صاحب سے دلی عقیدت کا مظہر ہوگا۔

اُجرتِ اشتہارات:- عام سالم صفحہ اڑھائی صدروپیہ۔ نصف ۱۲۵ روپیہ۔ سرورق کا اندرونی صفحہ ۲ پانچ صدروپیہ۔ سرورق کا تیسرا صفحہ چار صد روپیہ اور سرورق کا آخری صفحہ دو رنگ میں سات صدروپے۔

جشنِ سحر نمبر میں آپ بھی لکھیئے۔ جشنِ سحر نمبر کو اپنے لئے اور اپنے عزیزوں کو تحفہ دینے کے لئے مطلوبہ کاپیاں ریزرو کرا لیجئے۔ جشنِ سحر نمبر میں اپنا اشتہار دیجئے۔ کنور مہندر سنگھ بیدی سحر کے ہر عقیدت مند کو جشنِ سحر نمبر کی اطلاع دیجئے۔ مزید تفصیلات کے لئے لکھئے:-

ماہنامہ دفتر شانِ ہند، فلیٹ ۳، انصاری مارکیٹ، دریا گنج، نیو دہلی ۱۱۰۰۰۲

اپنے اسٹیشن کو صاف رکھیے

- اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ صاف ستھرا ماحول ایک طرف کسی شخص کے کردار کا آئینہ دار ہوتا ہے اور دوسری طرف اس کردار کو نکھارتا ہے۔ صاف ستھرا گرد و پیش خوشی اور مسرت بکھیرتا رہتا ہے۔
- ہم اپنے گھر صاف ستھرے رکھتے ہیں تو پھر ان جگہوں کو صاف شفاف کیوں نہ رکھیں جنھیں ہم سب استعمال کرتے ہیں؟
- ریلوے پلیٹ فارموں، ویٹنگ روموں، سواری ڈبوں اور درحقیقت ان تمام جگہوں کو جہاں بڑی تعداد میں لوگ اکٹھے ہوتے ہیں گرد و پیش کو صاف شفاف رکھنا بہت ہی ضروری ہے۔

ریلوے نے صفائی مہم شروع کی ہے جس کے بہت اچھے نتائج نکلے ہیں۔ اب ریلوے صاف ستھرے نظر آتے ہیں۔ لیکن ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ اس سلسلے میں ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ ہم زیادہ صفائی کے لئے اپنی کوششوں کا سلسلہ جاری رکھیں گے۔

آپ بھی اس سلسلہ میں ریلوے کی مدد کر سکتے ہیں۔ آپ صرف اتنا ہی خیال رکھیں کہ آپ کے آس پاس کی جگہ بالکل صاف شفاف حالت میں رہے۔ اس طرح اسٹیشن اور منسلکہ مقامات صاف ستھرے رہ سکتے ہیں۔ اور ہاں آپ ریلوے صفائی محکمہ کے کارکنوں کی خدمات سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں وہ صرف آپ کی خدمت کیلئے ہی رکھے گئے ہیں۔

آپ بھی ذرا خیال رکھئے کہ کوڑا کرکٹ آپ کے ہاتھ سے ادھر ادھر نہ بکھرنے پائے بلکہ کوڑا دان میں پھینکا جائے آپ کا یہ معمولی سا کام نہیں آپ کی بہتر خدمات کرنے میں کافی مدد دیتا ہے۔

ریلوے آپ کی پراپرٹی ہے اسے صاف شفاف رکھئے

ناردرن ریلوے

مقدمہ کمال امروہوی بنام رحمٰن نیر ایڈیٹر "روبی" دہلی میں ایڈیٹر "روبی" کے معافی نامے کی مصدقہ عدالتی نقل

بعدالت جناب میٹروپولیٹن مجسٹریٹ

۲۰ویں عدالت، اسپلینڈ۔ ممبئی

مقدمہ نمبر ۹/ ایس ۱۹۷۵ء

کمال امروہوی .... مُدعی

بنام

رحمٰن نیر .... ملزم

میں رحمٰن نیر مقدمہ نمبر ۹/ ایس ۱۹۷۵ء کا ملزم، جو آپ کی معزز عدالت میں زیر سماعت ہے یہ بیان دیتا ہوں کہ میں "روبی" رسالہ کا ایڈیٹر، پرنٹر اور پبلشر ہوں۔

میں قبول کرتا ہوں کہ میرے رسالہ "روبی" میں یکم اپریل ۱۹۷۲ء سے لے کر آج تک شری کمال امروہوی، مینا کماری، اُن کے خاندان یا کاروباری سرگرمیوں سے متعلق جو بھی مضامین شائع ہوئے ہیں۔ وہ ایسی اطلاعات پر مبنی تھے جو غلط اور گمراہ کن پائی گئی ہیں۔

ان مضامین میں جو الزامات لگائے گئے ہیں انکو بلا شرط واپس لیتا ہوں۔ اور شری کمال امروہوی سے معافی کا خواستگار ہوں میں اس بیان کے ذریعے شری کمال امروہوی کو یقین دلاتا ہوں کہ آئندہ شری کمال امروہوی، مینا کماری، انکے خاندان، کاروباری سرگرمیوں کے متعلق کوئی توہین آمیز مواد یا مضمون شائع نہیں کروں گا۔

مُدعی، ملزم کی طرف سے دیئے گئے اس معافی نامہ کو قبول کرتا ہے۔ اور اس کے پیش نظر وہ اب اس مقدمہ کو جاری نہیں رکھنا چاہتا۔ اور اپنی شکایت واپس لیتا ہے۔ مُدعی یہ بھی اقرار کرتا ہے کہ اس معافی نامہ کے پیش نظر وہ ملزم کے خلاف دیوانی عدالت میں بھی کوئی کارروائی نہیں کرے گا۔

دستخط مُدعی

دستخط ملزم

بمبئی ۱۵ ستمبر ۱۹۷۵ء

فائیل انٹرڈ پی۔ڈی۔ایس ۱۵-۹-۱۹۷۵ء

اصل مطابق نقل

دستخط

میٹروپولیٹن مجسٹریٹ

۲۰ویں عدالت۔ اسپلینڈ، بمبئی

مہر عدالت میٹروپولیٹن مجسٹریٹ بمبئی

مقدمہ کمال امروہوی بنام رحمٰن نیّر ایڈیٹر "رُوبی" دہلی میں ایڈیٹر "رُوبی" کے معافی نامے کی مصدقہ عدالتی نقل

بعدالت جناب میٹروپولیٹن مجسٹریٹ

۲۰ ویں عدالت، اسپلینیڈ، بمبئی

مقدمہ نمبر ۹/ ایس ۱۹۷۵ء

کمال امروہوی ـــــــ مُدعی

بنام

رحمٰن نیّر ـــــــ ملزم

حضور والا۔

ملزم یہ اقرار کرتا ہے کہ وہ اس معافی نامہ کو جو اس نے اس مقدمہ سے متعلق آج پیشِ عدالت کیا ہے۔ اپنے "رُوبی" میگزین کے آیندہ شمارے اور بعد ازاں شائع ہونے والے شمارے میں شروع کے دس صفحات کے اندر اندر باقاعدہ حاشیہ لگاکر شائع کرے گا۔

مُدعی کو یہ اختیار حاصل ہوگا کہ وہ اس معافی نامہ کا متن اپنے اخراجات پر اپنی مرضی سے کسی بھی رسالے یا اخبار میں شائع کراسکتا ہے۔

دستخط ملزم

دستخط مُدعی

بمبئی ۱۵ ستمبر ۱۹۷۵ء

فائیل انٹرڈ پی۔ڈی۔ایس۔۱۵۔۹۔۱۹۷۵ء

دستخط   اصل مطابق نقل

میٹروپولیٹن مجسٹریٹ

۲۰ ویں عدالت۔ اسپلینیڈ۔ بمبئی

مہر عدالت
میٹروپولیٹن مجسٹریٹ
بمبئی

مُدیر

افکار و واقعات

وسیم بریلوی کی اُردو دُشمنی

پچھلے دنوں بریلی میں انجمن جمعیتہ المسلمین کے زیرِ اہتمام ایک کُل ہند مشاعرہ منعقد ہوا جس کی مفصل روداد جناب وارثی بریلوی ایم۔اے نے قلمبند کی ہے اور شانِ ہند کی اسی اشاعت میں شائع کی جا رہی ہے۔ اس مشاعرہ کو جناب ڈاکٹر سلیم بریلوی نے جن مشکلات پر قابو پاکر ایک مثالی مشاعرہ بنایا اس کی داد نہ دینا کفرِ ادب ہے۔ اور جناب وسیم بریلوی نے جن بھونڈے طریقوں سے اس مشاعرہ کو ناکام بنانے کی ہر ممکن کوشش کی اُس پر اظہارِ تنفر کیا جانا عین ثواب ہے۔

وسیم صاحب نے اس مشاعرے کو ناکام بنانے کیلئے جو جو ہتھکنڈے ... اگر انکو تفصیل سے بیان کیا جائے تو شانِ ہند کے کم از کم آٹھ صفحات درکار ہوں گے اور ایسی ذلیل داستان پر اتنے صفحات ضائع کرنا خود قارئین کرام سے ناانصافی ہوگی۔ وسیم صاحب کی یہ اردو کش ناکام کوششیں محض ذاتی وقار کی خاطر تھیں کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ بریلی میں ان کے سوا کوئی اور بھی ایسا مشاعرہ کرا سکے کہ جس کی یاد مدتوں باقی رہے۔ جبکہ وسیم کا مشاعرہ اُن اعلانات کا حامل نہ ہو سکا تھا جو کہ وسیم صاحب نے فرمائے تھے۔ اور ڈاکٹر سلیم بریلوی کا مشاعرہ اُن کے اعلانات کے مطابق ہوا چنانچہ اسے وسیم صاحب نے اپنی ذاتی شکست سمجھا اور اس مشاعرہ کو ناکام کرنے کے لئے انھوں نے جو غیر ادبی اور غیر شاعرانہ حرکتیں کی ہیں اُن کی تفصیل ہمارے پاس ڈاکٹر سلیم کی تحریر کردہ موجود ہے جسے ہم شائع نہ کرتے ہوئے محض یہ کہنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں کہ اگر وسیم جیسے شعرا بھی اُردو کے اس انحطاطی دور میں اُردو کُش سرگرمیاں جاری رکھ سکتے ہیں تو یہ اُردو کے لئے زوال بد ہے۔ اب وہ زمانہ گیا کہ اپنے ذاتی وقار یا ذاتی مفاد کے لئے اُردو کُش حرکات کی آڑ میں شکار کھیلا جائے۔

اُردو کی بقا و حیات میں دلچسپی لینے والے حضرات کے لئے تو یہ خبر یقیناً مسرت کی لہر دوڑا دینے کی کہ جناب ڈاکٹر سلیم صاحب بریلی میں ایک مثالی کُل ہند مشاعرہ کرا رہے ہیں۔ اس مشاعرہ میں ہندوستان کے ہر صوبے سے دو دو نمائندہ اُردو شعراء کا انتخاب کیا جا رہا ہے اور بہت جلد تاریخ کا اعلان کیا جا رہا ہے اس مشاعرہ کے لئے "شانِ ہند" کا پورا پورا تعاون ڈاکٹر سلیم کو حاصل ہوگا اور ایڈیٹر شانِ ہند خود اس مشاعرہ کی رُوداد قلمبند کریں گے۔ مفصل اعلان آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیے گا۔

کمال امروہوی بنام رحمٰن نیّر ایڈیٹر "روبی"

شانِ ہند کی اسی اشاعت کے صفحہ ۴۔۵ پر اُس معافی نامہ کی درخواست و معافی نامہ کی شرائط کی مصدقہ نقول شائع کی جا رہی ہیں جو کہ ماہنامہ "روبی" کے ایڈیٹر۔ پرنٹر۔ پبلشر جناب رحمٰن نیّر نے بمبئی کی عدالت میں جناب کمال امروہوی یا کمال صاحب کے کاروبار کے خلاف لگائے گئے بے بنیاد الزامات کی اشاعت کے سلسلے میں یہ معافی نامہ عدالتِ متعلقہ میں پیش کیا تھا۔ اخلاق۔ صحافت۔ شرافت، اور انسانیت کا تقاضہ یہ ہے کہ رحمٰن نیّر صاحب اپنے تحریر کردہ معافی نامہ کی شرائط پوری کریں۔ اسی میں اُن کے کردار کی بلندی ہی ثابت ہوگی نا کہ پستی۔

"شانِ ہند" کا ہندی رسم الخط میں اجراء

ہندی ہماری قومی زبان ہے لہٰذا اس سے فرار ناممکن ہے۔ اُردو کی اب خاصی ... ہو چکی ہے جس کی وجہ سے اُردو کے ادبی رسائل کی اشاعت جاری رکھنا روز بروز ناممکن ہوتا جا رہا ہے کیونکہ اُردو پڑھنے والی موجودہ نسل ختم ہوتی جا رہی ہے اور نئی پود کے لئے اُردو پڑھنے کے امکانات روشن نظر نہیں آتے۔ جب تک اسکولوں ... سے اُردو کی تعلیم جاری نہ کی جائے گی ہم اُردو کو

پھلنا پھولنا ناممکن ہے۔ اُردو کے لئے جو سردست کوششیں ہو رہی ہیں وہ ایسی ہیں کہ اس کی شاخوں اور پتوں پر تو پانی کا چھڑکاؤ کیا جا رہا ہے۔ مگر اس کی جڑیں آہستہ آہستہ سوکھتی چلی جا رہی ہیں۔ اس لئے یہ طے کیا گیا ہے کہ "شانِ ہند" اُردو کے ساتھ ساتھ شانِ ہند ہندی ماہنامہ بھی جاری کیا جائے۔ لہٰذا اس کے لئے ضروری مسائل حل کئے جا رہے ہیں۔ اشاعتِ آئندہ میں اعلان کیا جائے گا کہ شانِ ہند کی ہندی میں اشاعت کس ماہ سے شروع کی جا رہی ہے۔

جشنِ تبسّم علی پوری

ہفت روزہ "روشنی" سونی پت کے مالک اور ایڈیٹر جناب تبسّم علی پوری جو نامور صحافی اور مُلک کے صفِ اوّل کے شاعر ہیں کے مجموعۂ کلام "برقِ تبسّم" پر اُترپردیش اُردو اکادمی کی طرف سے ایوارڈ دیئے جانے اور تبسّم صاحب کے نئے مجموعۂ کلام "عزمِ جواں" جس میں الو کا قومی یکجہتی، وزیرِ اعظم کے بیس نکاتی اقتصادی پروگرام۔ سنجے گاندھی کے چار نکاتی پروگرام کے سلسلے میں کلام شائع کیا گیا ہے کی رسمِ اجرا کے موقع پر سونی پت میں ۲۴ اور ۲۵ اپریل کو جشنِ تبسّم علی پوری منایا گیا۔ جشنِ تبسّم کے ساتھ ساتھ ہی وزیرِ اعظم صاحبہ کے بیس نکاتی پروگرام کی وضاحت اور اسے صدقِ دلی سے پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے جو تدابیر اختیار کی گئی ہیں ان کو بیان کرنے کے لئے تقاریر ہوئیں۔

جناب دین دیال صاحب چیئرمین صدر بلاک کانگریس کمیٹی سونی پت نے تبسّم صاحب کے اعزاز میں لنچ دیا جس میں شہر کے رؤسا اور عمائدین نے شرکت فرمائی۔ ینگ مین ایسوسی ایشن کی طرف سے شاستری ریڈنگ روم میں تبسّم صاحب کو عصرانہ دیا گیا۔ جس میں عمائدین شہر کے علاوہ ہریانہ سرکار کے وزیرِ مال شری چرنجی لال شرما۔ سونی پت کے ڈپٹی کمشنر چوہدری رام نارائن سنگھ۔ سونی پت کے سیشن جج۔ ہریانہ کے ڈی۔ آئی۔ جی پولیس اور سونی پت کے پولیس کپتان نیز دیگر حکام نے شمولیت کی۔ رات کو پہلے ... پارک میں عمائدین شہر نے تقاریر کیں۔

اور پھر طوفانِ باد و باراں کے باعث ریسٹ ہاؤس کے برآمدے میں لیڈیز قوالی کا پروگرام نہایت کامیاب رہا۔

دوسرے دن ۲۵ اپریل کو جین ودیا مندر میں ایک بہت بڑی تقریب میں ہریانہ کی وزیر شریمتی شاردا رانی اور ہریانہ کے وزیرِ مال پنڈت چرنجی لال شرما۔ چودھری سلطان سنگھ ایم۔ پی۔ چوہدری راجندر سنگھ صدر ڈسٹرکٹ کانگریس کمیٹی معززین شہر اور حکّام ضلع نے شرکت کی۔ جس میں تبسّم صاحب کی کتاب "عزمِ جواں" کو ریلیز کیا گیا۔ اور انھیں مبارکباد دی گئی۔ شری مہاویر جین مجاہدِ آزادی و صدر کوآپریٹو بنک نے تبسّم صاحب کو سپاسنامہ، کشمیری دوشالہ اور ناریل پیش کیا۔ اور نہایت موزوں انداز میں تبسّم صاحب کی خدمات کو سراہا۔ وزرا حضرات نے تبسّم صاحب کو ان کی قومی ادبی۔ علمی اور صحافی خدمات پر مبارکباد دی اور عوام سے اپیل کی وہ وزیرِ اعظم صاحبہ کے بیس نکاتی پروگرام اور سنجے گاندھی صاحب کے چار نکاتی پروگرام کو صدقِ دلی سے کامیاب بنانے میں ساتھ دیں۔ ادارہ "شانِ ہند" بھی تبسّم صاحب کے ان کے اس جشن پر مبارکباد پیش کرتا ہے۔

گگن کا یہ خاص نمبر اس درجہ ضخیم ہے کہ انسائیکلوپیڈیا کا حکم رکھتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ نمبر بڑی محنت عرق ریزی، تلاش جستجو، دیدہ وری حسن و خوبی اور خوش مذاقی سے مرتب کیا گیا ہے اور اِس لئے یہ صرف پڑھنے کے لئے نہیں۔ بلکہ حفاظت سے رکھنے کی چیز ہے۔ تاکہ آئندہ وقتِ ضرورت کام آوے — ماہنامہ "برہان" دہلی

گگن کا
ہندوستانی مسلمان نمبر

محدود اسٹاک کی بنا پر اب قیمت تیس روپیہ۔ ڈاک خرچ بذمہ خریدار
منگانے کا پتہ
دفتر شانِ ہند نیو دہلی ۱۱۰۰۰۲

حمل گرانا جائز ہے

کن حالتوں میں؟

بعض اوقات حمل گرانا بہت ضروری ہو جاتا ہے۔
جب حمل کا جاری رہنا عورت کی زندگی کے لئے خطرہ بن جائے یا اس سے اس کی جسمانی یا ذہنی صحت کو شدید نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو،

جب اس بات کا خطرہ ہو کہ پیدا ہونے والے بچے کی نشوونما میں کوئی شدید جسمانی یا ذہنی نقص رہ جائیگا،
جب حمل عصمت دری کے نتیجے کے طور پر ہوا ہو،
جب معاشی و سماجی حالت دراصل ایسی ہو یا مستقبل قریب میں ایسی حالت پیدا ہونے کا امکان ہو، جس سے ماں کی صحت کو نقصان پہنچ سکتا ہو،
جب حمل روکنے کے کسی طریقے کے ناکامیاب ہو جانے سے حمل ٹھہر گیا ہو،

پہلے بارہ ہفتوں میں حمل آسانی سے گرایا جا سکتا ہے۔

مفت مشورے کے لئے نزدیک ترین سرکاری ہسپتال میں جائیں

وارثی بریلوی ایم اے

انجمن جمعیتہ المسلمین بریلی کا کُل ہند مشاعرہ

شعرائے کرام جو شریکِ مشاعرہ تھے :-

چندر پرکاش جوہر۔ چاند بدایونی۔ فرقان احمد عزم۔ عتیق کمال۔ حسرت جے پوری۔ ہلال رامپوری۔ حق کانپوری۔ جمیلہ بانو دہلوی۔ جاں نثار اختر۔ کمال ہانسی۔ لتا شرما بریلوی۔ میکش بدایونی۔ مشیر جھنجھانوی۔ ماہ لقا راجے۔ پروفیسر شہباز صدیقی۔ پروفیسر ظہیر احمد صدیقی۔ قاری غلام محی الدین خاں خطیب۔ رار الہ آبادی۔

مہمانِ خصوصی :-

جناب ہیم وتی نندن بہوگنا سابق وزیر اعلیٰ اُتر پردیش۔ موسیقارِ اعظم شہنشاہ موسیقی محترم جناب نوشاد صاحب۔

ملک کی وہ عظیم سیاسی اور غیر سیاسی ہستیاں جو مشاعرہ میں شریک نہ ہو سکیں لیکن بذریعہ پیغامات مشاعرہ کی کامیابی کیلئے دعاگو رہیں۔

عزت مآب عالیجناب محترم فخر الدین علی احمد صاحب صدر جمہوریہ ہند۔ ہندوستان کی مایۂ ناز خاتونِ اوّل محترمہ بیگم عابدہ احمد صاحبہ۔ محترم ضیاء الرحمٰن صاحب انصاری نائب وزیر صنعت و رسد عامہ حکومتِ ہند۔ محترم جناب اکبر علی خاں صاحب بہادر صاحب گورنر اڑیسہ۔

محترم جناب ایف۔ ایچ محسن نائب وزیر داخلہ حکومتِ ہند

محترم جناب محمود بٹ صاحب چیف سکریٹری اُتر پردیش

محترم جناب ایس۔ ایم۔ ایچ برنی سکریٹری انفارمیشن اینڈ براڈ کاسٹنگ حکومتِ ہند۔ محترم شیخ سید بن سلطان النہیان صدر ابو ظہبی و متحدہ عربیہ امارات۔

کارپینٹری اسکول بریلی کے وسیع ہال میں انجمن جمعیتہ المسلمین بریلی کی جانب سے ایک آل انڈیا مشاعرہ کا اہتمام ہو رہا ہے لیکن بریلی کا ماحول یہ بتا رہا ہے کہ بریلی کے ایک گروپ کو بریلی میں ایک اتنا بڑا تاریخی مشاعرہ گراں گذر رہا ہے۔ چونکہ میرے کانوں میں برابر یہ آوازیں آ رہی ہیں کہ مشاعرہ نہیں ہوگا۔ یہ سب دھوکا اور فراڈ ہے۔ حد یہ ہے کہ مشاعرہ کے چیئرمین ڈاکٹر سلیم اور انجمن کے جنرل سکریٹری جناب ڈاکٹر سلیم کے اپنے دوستوں اور انجمن کے ممبران نے بھی ان کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ ہر شخص سوچ میں ڈوبا ہوا ہے کہ آیا اتنے بڑے مشاعرہ کا جو اعلان کیا گیا ہے وہ حقیقت بھی بن سکے گا یا نہیں۔ بریلی کے اس عظیم اور تاریخی مشاعرہ کا جو بار ڈاکٹر سلیم صاحب نے اپنے کاندھوں پر اٹھایا ہے اس کے لئے وہ قابلِ داد ہی نہیں بلکہ قابلِ صد فخر ہیں۔ ان کی یہ جدوجہد اور مسلسل جدوجہد اردو ادب کے لئے ایک ناقابلِ فراموش قربانی ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ مشاعرہ کے لئے ہال دلہن کی طرح سجایا جا رہا ہے اور اب ہر طرف سے صدائے مرحبا آ رہی ہے بریلی کا ہر فرد مشاعرہ میں شریک ہونے کا خواہشمند نظر آ رہا ہے۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ آج یہاں رامپور، مراد آباد، شاہجہانپور، پیلی بھیت، بدایوں، پیلی بھیت اور نینی تال وغیرہ اضلاع سے بھی لوگ جوق در جوق چلے آ رہے ہیں۔ مشاعرہ میں داخلہ بذریعہ پاس ہے۔ نیز پولیس کا بھی معقول و بہتر انتظام ہے جس کی وجہ سے کسی قسم کی کوئی بدنظمی پیدا ہونے کا امکان نظر نہیں آتا۔ اس انتظامیہ کے لئے قابلِ فخر ہیں جناب محمود بٹ صاحب چیف سکریٹری اُتر پردیش اور جناب میجر جنرل شابیگ سنگھ صاحب جی۔ او۔ سی۔ یوپی ایریا بریلی۔

۱۲ر فروری ۱۹۷۶ء۔ رات کے آٹھ بج رہے ہیں۔ مشاعرہ ہونے میں ابھی تقریباً دو گھنٹے باقی ہیں لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ کارپینٹری اسکول کے مین گیٹ سے تقریباً ایک فرلانگ تک سول لائنس کی وسیع و عریض سڑک پر لوگوں کا اتنا بڑا ہجوم ہے کہ میرا ہال تک پہنچنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن نظر آ رہا ہے۔ میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک ایک ایمبیسیڈر کار آئی۔ میں نے جھانک کر اس میں دیکھا تو ڈاکٹر سلیم اگلی سیٹ پر نظر آئے۔ میں نے آواز دی اور انھوں نے فوری مجھے اپنی گاڑی میں بٹھا لیا اور آج میں اس ہال تک پہنچ گیا۔ ہال کے اندر میری نظر ہال میں بیٹھے ہوئے ان لوگوں پر پڑی جو مشاعرہ سننے کے لئے بیتاب و مضطرب نظر آ رہے ہیں۔ ابھی مشاعرہ شروع ہونے میں تقریباً ایک گھنٹہ باقی ہے۔ ذرا [illegible]

ہال کھچا کھچ بھرا ہوا ہے۔ میرے سامنے وہ اہلِ ذوق حضرات بھی ہیں جو اسٹیج کے سامنے فرش پر بیٹھنے کو ترجیح دے رہے ہیں اور ہر فرد زرق برق لباس میں ملبوس نظر آرہا ہے۔ خواتین بھی خاصی تعداد میں دکھائی دے رہی ہیں۔

ساڑھے نو بجے ہیں سلیم صاحب مائیک پر تشریف لائے ہیں اور صدارت کے لئے مہمانِ خصوصی جناب ہیم وتی نندن بہوگنا سابق وزیر اعلیٰ اتر پردیش کا اعلان فرما رہے ہیں۔ صدر صاحب موصوف کی تصویریں لی جارہی ہیں اور جناب صدر سامعین سے اس طرح مخاطب ہیں:۔

"یہ بات کچھ مناسب سی نہیں لگتی کہ بڑے بڑے شعرائے ادب جو یہاں شمعِ محفل بنے ہوئے ہیں اُن کی موجودگی میں مجھے صدارت کی انجام دہی کے لئے منتخب کیا گیا ہے جس کے لئے میں ڈاکٹر سلیم صاحب کا مشکور و ممنون ہوں۔ مجھے اس بات سے مسرت ہوئی کہ اُردو مشاعرہ کا اہتمام روہیل کھنڈ کی راجدھانی بریلی میں اسکے تاریخی اور تہذیبی سلسلے کو ملحوظ رکھ کر کیا گیا ہے۔ اُردو زبان اپنی وسعت نظری میں ایک اہم مقام رکھتی ہے۔ ہمارا تمدن کوئی چھوٹا سا دریا نہیں بلکہ ایک سمندر ہے اسمیں مختلف زبانیں بولی اور سمجھی جاتی ہیں مگر اردو کو یہ مقام حاصل ہے کہ یہ ہر ہندوستانی کے دل و دماغ پر چھائی ہوئی ہے اور یہی وجہ ہے کہ اُسے بولے بغیر رہا نہیں جاتا۔ آپ نے مزید فرمایا۔ اُتر پردیش میں اُردو کو دبانے کی کوشش کی گئی اور ہندوستان کے الگ الگ صوبوں میں بھی اُردو کو دبانے کی کوشش کی گئی۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ لیکن ہوا کیا یہ عجیب شے ہے وہ جو کسی شاعر نے عشق کے سلسلے میں کہا تھا "جو لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بجھے" لیکن یہ اُردو بھی ایک ایسی شے ہے جو دبائے نہ دبے اور اٹھائے نہ اُٹھے۔ جتنا ہی اردو رسالے اُتنے بڑھتے گئے روز مرہ کے نکلنے والے اخبارات کی تعداد بڑھتی گئی۔ تقریر کے دوران جناب صدر کا نہایت گرمجوشی کے ساتھ تالیوں سے ہر جملہ پر خیر مقدم کیا جا رہا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔ بدقسمتی سے جب ہندوستان کو مجبوراً تقسیم ہونا پڑا تو کچھ تنگ نظر لوگوں نے اُسے (اُردو کو) بھی اپنے ساتھ پاکستان لیجانے کی کوشش کی۔ بیچاری اُردو ہماری جیتی پرائے گھر اس طرح گئی ہے اور ایسی مشکل میں پھنسی ہوئی ہے کہ پاکستان میں بھی اسے چین نہیں۔ پہلے بنگلہ اس سے لڑی اب سندھی اس سے لڑنا چاہتی ہے۔ پختو نی لڑنا چاہتی ہے۔ اور تو اور پنجابی بھی لڑنا چاہتی ہے۔ ماشاء اللہ بھلا پنجابی سے کیا تعلق اُردو سے لڑائی کا۔ لیکن لڑنے کے لئے تیار ہے۔ پنجاب کے لوگوں کو اپنی پنجابی سے بڑا پریم ہے اور اُردو ایسی خادم ہے کہ ایک بار ہندوستان میں پنجابی اور ہندی میں جھگڑا ہوا تو لڑائی ان کی ہوتی رہی اور جنگ یہ سہتی رہی۔ جنگِ آزادی کے زمانہ میں ہندوستان کے شاعروں نے بڑا اثر ہمارے نوجوانوں پر ڈالا لیکن آج بھی جوش ملیح آبادی کا ایسٹ انڈیا کمپنی کے چند فرزندان کے نام شاعر کا پیغام یاد آتا ہے تو رونگٹے کھڑے ہونے لگتے ہیں اور آج جب یاد آتی ہے اس زمانہ کی۔ جب اُردو کے شاعر ملک کے نوجوانوں کو اپنے دیش پر قربان ہونے کی دعوت دیتے ہوئے کہتے تھے ؎

در و دیوار پر حسرت کی نظر کرتے ہیں
خوش رہو اہلِ وطن ہم تو سفر کرتے ہیں

پھر دلوں میں طاقت پیدا ہوتی تھی اِسی قوت و طاقت کو پیدا کرنیوالی زبان کی جو خدمت ہندوستان کو کرنی چاہیئے اسکا سلسلہ کچھ معنوں میں شروع ہوا ہے۔ دیر آید درست آید۔ مجھے خوشی ہے کہ وہ سلسلہ شروع ہوا اور میرا یقین ہے کہ آئندہ آنے والے زمانہ میں یہ سلسلہ اور مضبوط ہوگا...... میں اُمید کرتا ہوں کہ اس طرح کے مشاعروں سے نئی زندگی، نئی روشنی اور نئی امید کو طاقت ملے گی اور آپ صاحبان کے اس کام سے زندگی کو نیا بھروسہ منزلوں کی طرف آگے بڑھنے کے لئے پیروں کو اور طاقت اور انسانیت کو قائم کرنے کی کوشش میں انسان جو پوری طرح سے لگا ہوا ہے اسکو پوری مدد ملے گی۔ ایک بار پھر جو عزت آپ نے مجھے دی ہے جس کا میں قطعی حقدار نہیں تھا اس کے لئے میں بہت بہت آپ لوگوں سب صاحبان کا شکریہ ادا کیا چاہتا ہوں۔ جے ہند"

صدرِ مشاعرہ جناب ہیم وتی نندن بہوگنا کی اس خوبصورت و حسین تقریر کے بعد جناب ڈاکٹر سلیم شہنشاہ موسیقی جناب نوشاد صاحب کو دعوت دے رہے ہیں" اب میں اپنے محترم بزرگ جناب نوشاد صاحب سے گذارش کرونگا کہ وہ مائک پر تشریف لائیں اور مشاعرہ کا باضابطہ طور پر افتتاح فرمائیں۔" اب نوشاد صاحب آپکے سامنے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں" میں آپ سب حضرات کا شکرگزار ہوں کہ آپ نے مجھے بڑی عزت بخشی۔ شعر و ادب کا میدان میرا میدان نہیں ہے لیکن موسیقی اور شاعری کا چولی دامن کا ساتھ ہے اسلئے میں حاضر ہوگیا ہوں ڈاکٹر سلیم صاحب احسانمند ہوں کہ انھوں نے مجھے اتنے بڑے اور تاریخی مشاعرہ

ہمیں دعوت دی اور مجھے یہ عزت بخشی اور اہلِ بریلی کا شکرگزار ہوں کہ اُنھوں نے مجھے نوازا۔ ساتھ ہی میں جنرل صاحب کا بھی بہت مشکور ہوں کہ آپ نے بڑی مہمان نوازی کی۔ مجھے خوشی ہے کہ اس عظیم الشان مشاعرہ میں ایسی شخصیتیں بھی تشریف رکھتی ہیں جو ملک کی تعمیرِ نو میں اور ہندوستان کی فلاح و بہبود میں اپنا مقام آپ رکھتی ہیں۔ ہم اُن بہادروں پر ناز کرتے ہیں جنھوں نے اپنی قربانیاں دیکر ملک کو آزاد کرایا اور اس کو عزت بخشی۔ اب میں مشاعرہ کی کارروائی کرنے کو کہونگا اور یہ بھی کہونگا کہ آپ حضرات مشاعرہ نہایت ہی پُرسکون اور خوبصورت ماحول میں سُنیں جس سے کہ میں بھی آپکو کچھ سُنا سکوں۔"

نوشاد صاحب تالیوں کی جھنکار میں مائک سے رخصت ہو رہے ہیں اور انکی جگہ ڈاکٹر سلیم مائک پر نظر آئے ہیں اور ڈاکٹر صاحب مشاعرہ کی نظامت جناب حسن کمال صاحب ایڈیٹر اُردو بلٹز کو سونپتے ہوئے مائک چھوڑ رہے ہیں اور اب مائک سنبھال لیا ہے ہمارے عزیز صحافی اور خوبرو نوجوان حسن کمال صاحب نے حسن کمال صاحب مشاعرہ کی بسم اللہ کرتے ہوئے فرما رہے ہیں "اس سے پہلے کہ میں مشاعرہ شروع کروں میری یہ خواہش ہے کہ اس عظیم الشان مشاعرہ کا آغاز کسی علاقائی [illegible] ہو تا کہ دوسری آواز وں کو [illegible] لہذا میں التجا کروں گا محترمہ مایا کھنہ راہی سے کہ وہ آئیں اور اپنا کلام سامعین کو سُنائیں:-

محترمہ راہی غزل سرا ہیں ؎

مذاقِ لطفِ [illegible] نہ شہر میں نہ گاؤں میں

دل شناس دوستی نہ شہر میں نہ گاؤں میں

آپ کو داد مل رہی ہے اور آپ پُرسوز آواز میں غزل سنا رہی ہیں ؎

قدم قدم پہ دیر ہیں۔ قدم قدم پہ ہیں حرم
شعورِ عشق و بندگی نہ شہر میں نہ گاؤں میں

یہ پورنما کی رات کو ہوا تو راہی کیا ہوا
بکھر رہی ہے چاندنی نہ شہر میں نہ گاؤں میں

راہی تالیوں میں گھری ہوئی نہایت کامیابی سے مشاعرہ کا آغاز کر کے مائک چھوڑ رہی ہیں اور اب دعوت سخن دی جا رہی ہے بزرگ شاعر جناب فرقان احمد عزم کو۔ آئیے اور آپ کے چند اشعار ملاحظہ فرمایئے۔ آپ فرماتے ہیں "شاعر خود" میری ہندوستان کے ایک ایسے شاعر سے ہے جو شاعر کم اور اداکار زیادہ ملاحظہ فرمایئے۔

؎ مومن کا ماموں میر کا لڑکا کہو انہیں
غالب کا باپ ذوق کا چچا کہو انہیں

بیچارگی سی بات ہے اونچا کہو انہیں
برقِ ادب کے بلب کا کھمبا کہو انہیں

لُچا کہو انہیں نہ لفنگا کہو انہیں
ہر ایک عہدیدار کا چچا کہو انہیں

جغرافیہ کا علم ہے جا گر آپ کی
اُردو زبان کے مُلک کا نقشہ کہو انہیں

عزم صاحب کے ہر شعر کا زبردست تالیوں سے خیر مقدم کیا جا رہا ہے اور ساتھ ہی میں نے سُنا کہ سامعین میں سے ایک آواز آئی "بیٹھ جاؤ" عزم صاحب فوری جواب دیتے ہیں "چپ" عزم صاحب کے ان اشعار کے بارے میں ڈائس پر بیٹھے حضرات کانا پھوسی کر رہے ہیں کیا خوب بریلی کے مشہور شاعر اور مترنم اداکار کے بارے میں کس خوبصورتی سے عزم صاحب نے تصویر پیش کی ہے۔ عزم صاحب تالیوں کے بیچ

[illegible]

اب حسن کمال صاحب ہندوستان کے مشہور و معروف ادیب و شاعر اور صدر شعبۂ اُردو دہلی یونیورسٹی جناب پروفیسر ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی کو دعوتِ سخن دے رہے ہیں ڈاکٹر ظہیر صاحب اپنے مخصوص انداز میں سامعین کو محظوظ فرما رہے ہیں ؎

ماجھی ہمت ہار دے دنیا کر تو ہی پتوار بلند
عزم کے آگے طوفاں کیا شے کشتی سے کب دھار بلند

آپ نے اس شعر پر سامعین سے جی بھر کر داد حاصل کی۔ سامعین داد دیتے رہے اور اسی طرح فرماتے رہے ؎

میرے گھر میں دھوپ خوشی کی آئے بھلا تو کیسے آئے
میرے گھر کا آنگن چھوٹا اور پیچھے دیوار بلند

فن محدود نہیں ہے یارو رنگوں اور لکیروں میں
دل کے زخم [illegible] ہوتا ہے نقش کا مُکند

کلیاں [illegible] سوچ میں [illegible] شبنم خون کے آنسو روئے
میرے چمن کا حال نہ پوچھو پھول نگوں [illegible]

حشر تک فانی تری خاطر کون بڑھائے دستِ سوال
ہم تو ہیں حساس طبیعت روشن دل افکار بلند

ہائے رے قسمت کی محرومی دریا سے بھی پیاسے آئے
اپنا دامن خالی خالی داتا کی سرکار بلند

کام سے بڑھ کر نام کی قیمت دل سے زیادہ جیب کی قدر
جیسے اس چوپٹ نگری میں مسجد سے مینار بلند

چاند کی دنیا اوجِ ثریا ہے تو بشر کی زد میں ظہیر
سچ پوچھو تو اپنی نظر میں سب سے فرازِ دار بلند

ظہیر صاحب داد سے اپنی جھولیاں بھرے فخر کے ساتھ واپس ہو رہے ہیں اور اب حسن کمال صاحب زحمت دے رہے ہیں نوجوان اور خوش گلو شاعر حق کانپوری کو۔ لیجئے حق صاحب اپنے خوبصورت اور مخصوص ترنم میں آپ کے دل کے تار چھیڑ رہے ہیں ؎

بربادیٔ پیہم کا سبب یاد نہیں ہے ❊ یہ بات کبھی یاد تھی اب یاد نہیں ہے
وہ پہلی نظر وہ پہلی ملاقات کا عالم ❊ کچھ کچھ تو مجھے یاد ہے سب یاد نہیں ہے

حق صاحب داد حاصل کرتے ہوئے راز صاحب اور کمال صاحب کو مخاطب کر رہے ہیں کہ توجہ چاہوں گا ؎

ہم سے کبھی پیمانِ محبت بھی ہوا تھا ❊ کیا یاد دلائیں تمہیں جب یاد نہیں ہے

خوب خوب داد حاصل کر رہے ہیں ؎

کیا پوچھتے ہو دوستو رودادِ محبت ❊ بس لٹ گیا۔ لٹنے کا سبب یاد نہیں ہے
نظریں رخِ جاناں سے ہٹائے نہیں ہٹتیں ❊ دیوانہ ہوں دیوانہ ادب یاد نہیں ہے

اس شعر پر سامعین بھی تھام لیتے ہیں اور داد دیتے ہوئے مکرر و ارشاد کی صدائیں بلند کرتے ہیں۔ ہال بری طرح واہ واہ سے گونج رہا ہے۔ شعر کئی بار پڑھوایا جا رہا ہے۔ سامعین کی واہ واہ کا شور ختم نہیں ہوتا۔ اب مقطع پیش کرتے ہیں ؎

حق پھر طرفِ منزلِ محبوب چلے ہو
کانٹوں سے بھری راہِ طلب یاد نہیں ہے

واہ واہ کے شور و غل اور تالیوں کی جھنکار میں حق صاحب پلٹ رہے ہیں اور ابھی ہال تالیوں اور واہ واہ سے گونج ہی رہا ہے کہ حسن صاحب ہال کا شاعر سلیم لکھنوی کو خود خود تخن دیتے ہیں۔ سلیم صاحب کا استقبال ... کی گونج اور ... کا ... سے کیا ... رہا ہے۔ سلیم ... [illegible]

پُروقار انداز سے لحنِ داؤدی میں غزل سرا ہیں ؎

تڑپا زمانہ مرغِ تہِ دام کی طرح
ظالم نے جب بھی ڈالی نظر عام کی طرح

وہ چشمِ مے فروش ہر اک رندِ عشق کو
ملتی ہے مست بادۂ گلفام کی طرح

دل میں تلاشِ منزلِ جاناں لئے ہوئے
گردش میں ہوں میں گردشِ ایام کی طرح

سلیم صاحب نے گردش کا ایسا تذکرہ کیا کہ واقعی مشاعرہ گاہ دو منٹ کے لئے گردش میں ہی آگئی۔ پاس نہ ملنے کی وجہ سے جو لوگ شریکِ مشاعرہ نہ ہو سکے میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ امنڈتے ہوئے دریا کی طرح ہال میں داخل ہو رہے ہیں پولیس ان کو روکنے کی نہایت ہی مہذب انداز میں کوشش کر رہی ہے اور آخر دو منٹ کی اس مسلسل جد و جہد نے مجمع پر قابو پا ہی لیا اور جو لوگ پاس نہ ملنے کی وجہ سے باہر ہزاروں کی تعداد میں سرگرداں تھے اور جو مین گیٹ توڑ کر اندر داخل ہو چکے تھے وہ بھی اپنی اپنی جگہ لے کر ہال کے ارد گرد کھڑے ہو چکے ہیں اور اب سلیم صاحب پھر اپنے اسی انداز میں غزل سرا ہیں۔ لیکن وہ اپنی اس غزل کو جسے پڑھ رہے تھے گردش میں چھوڑ کر دوسری غزل سنا رہے ہیں ؎

جس رند پہ محفل میں ساقی کی نظر جائے
مستی میں وہ عالم سے وہ کیوں نہ گزر جائے

اس پر انہیں اچھی داد مل رہی ہے ؎

ناکام سیاست سے اربابِ بہاراں کی
شیرازۂ گلستاں کا شاید نہ بکھر جائے

میں دور حسینوں سے اس واسطے رہتا ہوں
زخمِ دلِ افسردہ پھر سے نہ ابھر جائے

اس شعر پر سلیم صاحب خوب خوب داد لے رہے ہیں واہ واہ کی آواز سے ہال گونج رہا ہے ؎

پائندہ و تابندہ ہو وہ سلیم آخر
سنگِ درِ جاناں پہ سر رکھ کے جو مر جائے

آپ تالیوں کی گڑگڑاہٹ میں اپنی جگہ پر واپس آ رہے ہیں اور اب ناظم مشاعرہ حسن کمال صاحب خود ہی اپنے آپ کو سامعین کے سامنے پیش

کر رہے ہیں۔ سامعین نے حسن صاحب کا استقبال تالیوں کی جھنکار میں کیا۔ آپ بڑے ہی اچھے انداز میں فرماتے ہیں ؎

زندگی پائی ہے اک چشمِ ستمگر کی طرح
ہم پریشاں ہیں غریبوں کے مقدر کی طرح

حسن صاحب کو داد کا سلسلہ مطلع ہی سے شروع ہو گیا ہے اور آپ واہ واہ کی صداؤں میں غزل سرا ہیں آپ بار بار مطلع پیش کر رہے ہیں اور برابر داد مل رہی ہے ؎

روز جی اٹھتے ہیں سورج کی کرن کے ہمراہ
اور مر جاتے ہیں ہر شام سمندر کی طرح

اپنا تن کرب و بلا بن کے جلا ہے برسوں
ہم بھی پیاسے ہیں بہت آلِ پیمبر کی طرح

لوگ ہائے ہائے اور واہ واہ کی صداؤں سے ہر شعر کا خیر مقدم کر رہے ہیں اور آپ اسی طرح سے سامعین کو محظوظ کرنے میں محو ہیں ؎

ہم نے چاہا تھا کہ ہم اپنی طرح سے جی لیں
ہم پہ الزام برسنے لگے پتھر کی طرح

اس شعر پر داد کی انتہا ہو رہی ہے شعر کو بار بار پڑھوایا جا رہا ہے ؎

اب کوئی رام نہیں غم کا دھنش جو توڑے
زندگی روتی ہے سیتا کے سوئمبر کی طرح

داد نے ہنگامہ کا روپ دھار لیا ہے اور حسن صاحب اپنی دلکش اور بصورت زلفیں بکھیرے جھوم جھوم کر اسی دلکشی اور فیاضی سے عطا کر رہے ہیں ؎

جانے رستوں میں کہاں اس کو گنوا آئے حسن
ایک نقشہ سا لگا ہوں میں جو تھا ظفر کی طرح

حسن صاحب تالیوں کے بے ہنگم شور میں خوب خوب کا مراد جا رہے ہیں اپنی جگہ واپس آ کر انھوں نے حضرت بیکس بدایونی سے درخواست کی ہے کہ وہ آئیں اور اپنے کلام سے سامعین کو محظوظ فرمائیں ؎

ذہنوں کے تغیر کا سبب سوچ رہے ہیں
جو پینے سمجھتا تھا وہ اب سوچ رہے ہیں

مطلع ہی سے شروع ہوئی ہے اور آپ نہایت متانت سے فرما رہے ہیں

مانگے سے تو دشنام بھی دیتا نہیں کوئی
اس بات کو اب اہلِ طلب سوچ رہے ہیں

برگشتہ ہیں کیوں حلقہ بگوشانِ محبت
بیٹھے ہوئے وہ مُہر بہ لب سوچ رہے ہیں

آپ کے بعد اب زحمتِ سخن دی جا رہی ہے مولانا راز الٰہ آبادی کو ایک قہقہہ فضا میں بلند ہوتا ہے۔ ماشاء اللہ راز صاحب متشرع بزرگ بن گئے ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں ؎

اب تو دل سنبھو، لگتا الن پری جمالوں میں
ہم الجھ گئے اتنا آپ کے خیالوں میں

تنگدل ابھی شامل ہیں آج ظرف والوں میں
بند کر کے رکھئے گا بوتلوں کو تالوں میں!!

یہ مانا کہ راز صاحب کے ترنم میں اب وہ حسن نہیں رہا ہے۔ لیکن باوجود اس کے آپ اپنی روایت کو نبھا رہے ہیں اور داد کا شور کم ہوتے ہی آپ ہنسنا شروع کر دیتے ہیں ؎

کیا اسی کو کہتے ہیں انقلابِ زمانہ
شیخ جی بھی شامل ہیں آج پینے والوں میں

داد ہڑبونگ کا رُخ اختیار کر رہی ہے اور آپ مقطع نہایت ہی فیاضی سے عنایت فرما رہے ہیں ؎

عمر جتنی بڑھتی ہے دل جوان ہوتا ہے

راز صاحب فرما رہے ہیں۔ سنیئے بھو گیا جی۔ یہ آپ کے کام کی چیز ہے ؎

عمر جتنی بڑھتی ہے دل جوان ہوتا ہے
راز یہ حسین غزلیں ان سفید بالوں میں

سامعین میں پیچھے سے داد کے ساتھ واہ واہ سے ملی ہوئی ایک آواز آتی ہے "ہائے" اور اس مقطع پر داد نے تمام قیود توڑ دی ہیں اور راز صاحب خوب خوب داد لئے ہوئے اپنی جگہ آ رہے ہیں اور حسن صاحب چاند بدایونی کو دعوتِ شعر و نغمہ دے رہے ہیں۔ چاند بدایونی اپنے مزاح سے بھرپور اشعار کی بارش کر رہے ہیں ؎

دھتورے!—

لو یہ دھتورے ہیں اس کے تمام سابقہ ریکارڈ ٹوٹے جاتے ہیں اس پر سونے پہ سہاگا یہ کہ جناب چاند صاحب چاروں طرف گھوم گھوم کر سامعین سے داد حاصل کر رہے ہیں واہ واہ شور و غل جب تھمتا ہے تو آپ عطا کرتے ہیں ؎ دھتورے سمجھ تمہیں ہیں گتانے جائیں گے
اور ایک دن تھمائیں گے گلاب گھونسے پر

چاند صاحب طبیعت سے داد حاصل کر رہے ہیں اور لوگ جھوم جھوم کر داد دے رہے ہیں۔ آپ کے بعد حسن کمال صاحب ایک کمسن اور اُبھرتی ہوئی گلوکارہ جیسے شاید لتا کہنا بیجا نہ ہوگا محترمہ شمیم نذر شمیم نذر شعرا کو دعوت نغمگی دے رہے ہیں اور آپ اپنی پُرکیف و دلکش اور سوز سے بھری ہوئی آواز میں یوں محفل شعر و سخن میں غزل سرا ہیں ؎

خود ہی ڈوب جائیں گے کوئی راز پانے تک
نشتروں کو آنے دو زخم کے دہانے تک

مطلع ہی سے واہ واہ اور ہائے ہائے کی فلک شگاف صدائیں بلند ہو رہی ہیں اور جیسے ہی آپ پڑھنا شروع کرتی ہیں محفل پر سناٹا سا چھا جاتا ہے اور ہر شعر کے بعد داد کا بھی عالم ہے ؎

وادیٔ تعلق میں دُور تک اندھیرا ہے
تم یہیں کھڑے رہنا میرے لوٹ آنے تک

میری خامشی میں بھی ایک بات ہوتی ہے
میری بات پہونچا دے اے لتا زمانے تک

تالیوں اور واہ واہ کے بے ہنگم شور سے ہال بُری طرح گونج رہا ہے اور چاروں طرف سے ونس مور کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں لیکن وقت کی کمی اور شعرا کی زیادتی کے باعث لتا شرما اپنے مقام پر واپس آ رہی ہیں۔ آپ کے بعد زحمت سخن دی گئی ہے جناب چندر پرکاش جوہر بجنوری کو۔ آپ فرماتے ہیں ؎

فضائے لالہ و گل پر بہاروں کا بھروسہ کیا
نظر میں حسن پیدا کر نظاروں کا بھروسہ کیا

واہ جی واہ دے کر آپ چلے گئے۔ اب زحمت سخن دی جا رہی ہے نوجوان شاعر جناب کمال جائسی کانپوری کو۔ آپ مائک پر آئے ہیں اور پہلے ایک لیکچر عطا فرما رہے ہیں: "دار و غیر جی! یہ انتظام قدرے ٹھیک رکھئے یہ جو لوگ کھڑے ہیں اُن کو بٹھا دیجئے اور پیچھے والے لوگوں سے میری گزارش ہے کہ وہ ذرا دو منٹ صبر کریں اور پانچ منٹ کے لئے خاموشی اختیار کر لیں" میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ نے لکچر کا کچھ اثر ہوا تب اور آپ نے اب غزل پر بھی لیکچر دینا شروع کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں غزل ایک ایسی نازک صنف ہے شاعری میں اور غزل ایک ایسی شے ہے مشاعرہ میں جو آپ دیکھ سکتے ہیں، محسوس کر سکتے ہیں لیکن چھو نہیں سکتے میں غزل کی زبان میں آپ حضرات کے دلوں کی ترجمانی میں شعر پیش کر رہا ہوں ملاحظہ فرمائیے ؎

منزلِ درد سے قافلے عشق کے آنسوؤں کے سہارے گذر جائیں گے
آپ شمعِ تبسم نہ روشن کریں روشنی پا کے پروانے مر جائیں گے

پروانے تو جلا کرتے ہیں مگر کمال صاحب نے قافیہ سے تنگ آ کر شاید گھبرا کر "جل جائے" کو "مر جانا" فرما دیا۔ خیر کوئی بات نہیں۔ شاعر ہیں صاحب انھیں حق ہے ؎

تیری محفل سے ہم تو چلے جائیں گے اپنی بربادیوں کے فسانے لئے
ذکرِ اہلِ وفا ہوگا جب بھی کبھی بے وفاؤں کے چہرے اُتر جائیں گے

داد اور واہ واہ کا شور و غوغا۔ پتہ نہیں کہ کیا فرما رہے ہیں شاعر صاحب اور کیا کہہ رہے ہیں سامعین حضرات۔ عجیب ہنگامہ ہے ؎

عشق کے پاؤں ہیں اور نئی رہ گذر زندگی کے تقاضے میں پیشِ نظر
ہاں اجازت کبھی دی اگر آپ نے سایۂ زلف میں ہم ٹھہر جائیں گے

کمال جائسی صاحب محفل کو ہڑبونگ سے بدل کر تالیوں کے بیچ شور میں جا رہے ہیں اب حسن کمال صاحب محترمہ جمیلہ بانو دہلوی کو اس طرح یاد فرما رہے ہیں: "میں آپ کو صرف اتنا بتا دوں کہ دہلی ہمارے ساتھ ایک بہت ہی خوبصورت کلاسیکل غزل آئی ہے جسے ... پیش کرنے کا فخر حاصل کر رہا ہوں۔ محترمہ جمیلہ ... بہار ... نغمہ اور غزل سے نہایت پُروقار انداز ... غزل سرا ہیں ؎

کہیں اماں نہ ملی گردِ کارواں کی طرح
لبوں پہ حرفِ تمنا رہا زیاں کی طرح

داد مطلع ہی سے ہنگامے کا روپ دھار رہی ہے اور آپ اسی جانے ترنم سے بے حال کر رہی ہیں ؎

فسانۂ غمِ دل کہہ رہا تھا کوئی مگر
زمانہ سنتا رہا حرفِ داستاں کی طرح

آہ اور واہ کا ایک ہنگامہ ہے شعر کئی کئی بار پڑھایا جا رہا ہے ؎

محبت قریب سے دیکھا ہے زندگی تجھ کو
ہزار رنگ بدلتی ہے آسماں کی طرح

داد کا ہنگامہ۔ شعر بار بار پڑھے جانے کا شور، ونس مور کی آواز میں بھی ذرا مائک کے قریب پہنچ گیا ہوں ؎

ہر ایک سمت جو تنکے بکھر رہے ہیں
یہیں کہیں مرا مسکن تھا آشیاں کی طرح

نہ جانے کونسا لمحہ تلاش میں ہے مری
جمیلہ دل بھی بہت چپ ہے اب بان کی طرح

،بانو بیگم واہ واہ۔ ہائے میرا دل چلا۔ اور تالیوں کے بیحد شور
ں کو گر ماکر کامراں جارہی ہیں اور حسن کمال صاحب اس عالم
و سرور کو بدلنے کیلئے فلمی دنیا کے مشہور گیت کار جناب حسرت
ری سے گزارش کرتے ہیں کہ وہ آئیں اور سامعین کو اپنے کلام
ظوظ فرمائیں۔ آپ کا نام آتے ہی چند منٹ کیلئے تالیوں کے
ست شور سے ہال گونج اٹھتا ہے اور آپ اپنے اس استقبال کو
غزل سنانے سے پہلے سامعین کا شکریہ ادا فرماتے ہیں۔ بعدہٗ تین
ات بریلی کی تعریف میں اور متواتر دو غزلیں سامعین کے مسلسل
ر پر عطا فرما رہے ہیں۔ جناب حسرت جے پوری ؎

کے دربار تک پہونچا دیا ❊ آستانِ یار تک پہونچا دیا
بریلی آگیا ہوں دوستو ❊ پیار نے دلدار تک پہونچا دیا

ریہ اے جذبِ الفت شکریہ ❊ آخرش سرکار تک پہونچا دیا
ہت کنعاں بریلی بن گئی ❊ مصر کے بازار تک پہونچا دیا

ہمارے پاس الفاظ نہیں جو داد کا تذکرہ کر سکیں۔ داد مل رہی ہے
ٹ رہی ہے اور حسرت صاحب جھوم جھوم کر سامعین کی نذر کر رہے
۔ اب آپ غزل سماعت فرمائیں ؎

عشق جب ایک طرف ہو تو صدا دیتا ہے
عشق جب دونوں طرف ہو تو مزا دیتا ہے

اے نمک پاش تری سانولی صورت کی قسم
دل کا ہر زخم تجھے دل سے دعا دیتا ہے

اپنے ماتھے پہ یہ بندیا کی چمک رہنے دو
یہ ستارہ مجھے منزل کا پتا دیتا ہے

شعر پر ایک ہنگامہ بپا ہے۔ چونکہ اتفاق سے ڈائس کے بالکل سامنے
محترمہ صوفہ پر تشریف رکھتی ہیں جن کے ماتھے پہ بندیا چمک رہی
ورنہ نفیس نہ معلوم کس پریشانی کا شکار ہے۔ اور اسی پہ جناب حسرت
ر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرما رہے ہیں اور بار بار فرما رہے ہیں۔
معین کی داد سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ حسرت صاحب اس شعر کو
ھتے رہیں اور ہم داد دیتے رہیں۔

آگ میں آگ لگاتا ہے سلگتے دل کو
جب بھی ملتا ہے تو دامن سے ہوا دیتا ہے

میں کسی جام کا محتاج نہیں ہوں حسرت
میرا ساقی مجھے آنکھوں سے پلا دیتا ہے

ایک شور ہے۔ ایک اور۔ ایک اور کے شور میں حسرت اپنی جگہ پہونچ جاتے ہیں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ سامعین انہیں دوبارہ سنے بغیر خاموشی اختیار نہیں کریں گے۔ اور ہوا بھی وہی حسرت صاحب کو دوبارہ سے اپنی جگہ چھوڑ کر مائک پر آنا پڑا۔ اور اب وہ دوسری غزل عطا فرما رہے ہیں غزل سے پہلے آپ فرماتے ہیں بہت بہت شکریہ۔ حوصلہ افزائی کا محبت کا۔ پیار کا۔ میں کہاں تک شکریہ ادا کروں۔ بہرحال کچھ قطعات اور غزل پیش کر رہا ہوں۔

قطعہ:۔ اُن سے ہر روز ملاقات ہوا کرتی ہے
کتنی پُر کیف میری رات ہوا کرتی ہے
اُن کی آنکھیں بھی محبت کی زباں رکھتی ہیں
حضور! بات کرتے نہیں اور بات ہوا کرتی ہے

اس کے بعد دو قطعات اور نذر کئے اور پھر یہ غزل ارشاد فرمائی ہے ؎

آنسو بھی جنہیں ٹپکے رونے کو تو روئے ہیں
ہم نے تو یہی موتی پلکوں میں پروئے ہیں

شعر ملاحظہ ہو:؎

دامن یار کے بادل بھی نکلتے ہیں کفن جیسے
بجلی کی چمک نے بھی نشتر سے چبھوئے ہیں

یہ کیسی بہاریں ہیں بتلاؤ چمن والو!
غنچوں کی طرف دیکھو دامن کو بھگوئے ہیں

لو بحر کے سفینے تو موجوں سے نکل آئے
انساں کی شرارت نے ساحل پہ ڈبوئے ہیں

جب سے انہیں دیکھا ہے حیرت کا وہ عالم ہے
احساس نہیں ہوتا جاگے ہیں کہ سوئے ہیں

ساقی ترے ہاتھوں نے دو رنگ دکھائے ہیں
انگور کے پانی میں شعلے بھی سموئے ہیں

سو کروٹیں لے لی ہیں دیکھو تو زمانے نے
لیکن مرے ہمدم تو منہ ڈھانپ کے سوئے ہیں

آتنا تو کوئی پوچھے اس جانِ تمنا سے
حسرت کے خیالوں کس واسطے کھوئے ہیں

حسرت صاحب دادِ تحسین کا نذرانہ و تحفے لئے شمع محفل ہی نہیں جانِ محفل بن کر واپس آ رہے ہیں اور اب آپ کے بعد زحمت سخن دی گئی ہے مشیر جھنجھانوی کو۔ فرماتے ہیں ؎

ایک حلقہ ہر برس بڑھتا گیا زنجیر کا
اور ہم آزاد ہونے کی دعا کرتے رہے

اور اب آپ کے سامنے آ رہے ہیں ہلال رام پوری۔ لوگ آپ کو دیکھ کر ہی محظوظ ہو رہے ہیں ؎

آج کل فرصت میں ہو شیطان سے میں نے کہا

اس طرح کے مزاحیہ قطعات فرما کر آپ دادِ تحسین لئے واپس ہوئے ہیں اور اب اُردو ادب میں ہندوستان جس پر فخر کرتا ہے میری مُراد ہے اخترِ ہند جناب جاں نثار اختر سے لیجئے زہرہ جمالوں کی بھیڑ میں اختر مانندِ اختر چمک رہا ہے۔ آپ نے بھی سامعین کے بے حد اصرار پر متواتر دو غزلیں پیش کیں۔ پہلی غزل اس طرح ہے ؎

ہر ایک رُوح میں اک غم چھپا لگے ہے مجھے
یہ زندگی تو کوئی بد دُعا لگے ہے مجھے

اور دوسری غزل اس طرح ؎

ہم سے بھاگا نہ کرو دور غزالوں کی طرح
ہم نے چاہا ہے تمہیں چاہنے والوں کی طرح

آپ نے بے حد دادِ تحسین سامعین سے حاصل کی ہے جسے ہم لکھنے سے قاصر ہیں۔ آپ اخترِ مشاعرہ ہی نہیں بلکہ اتنی داد حاصل کی ہے کہ جانِ مشاعرہ ثابت ہوئے ہیں۔

اب جگہ تمام کے بیٹھو ہری یاری آتی

اور لیجئے اب ناظمِ مشاعرہ اعلان کرتے ہوئے فخر محسوس کر رہے ہیں کہ ہندوستان کے ہر دلعزیز اور دلوں پر حکومت کرنے والا رام شہنشاہِ موسیقی۔ موسیقارِ اعظم نوشاد صاحب آپ کے سامنے آ رہے ہیں۔ آپ کا استقبال ... تک ہی محدود نہیں رہا بلکہ لوگ اپنی اپنی سیٹ ... سے ... چلے ہیں کہ ہم کسی نہ کسی طرح اپنے اس محبوب ... اور ہر دلعزیز موسیقی کے شہنشاہ کو ایک نظر ہی دیکھ لیں جس کی دُھنیں ... میں اپنے ... مجبور کر دیتی ہیں۔ ہنگامہ اتنا ... روپ اختیار کر چکا تھا کہ نوشاد صاحب کو نہایت خاموشی کے عالم میں ... مائک کے سامنے پانچ چھ منٹ تک خاموش کھڑا رہنا پڑا۔ اب کہیں جا کر سامعین کے ہوش ٹھکانے آئے ہیں اور وہ مُجسم بنے محوِ حیرت ہیں۔ اور ہال میں ایک سناٹا سا چھایا ہوا ہے۔ لیجئے اب نوشاد صاحب اپنے خوبصورت انداز میں چند اشعار عطا فرما رہے ہیں (میں یہ بھی بتا دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ نوشاد صاحب صرف موسیقار ہی نہیں بلکہ بہترین شاعر بھی ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ آپ کی سب سے بڑی خوبی "انسان" ہونا ہے "عظیم انسان") ؎

ابھی سازِ دل میں ترانے بہت ہیں
ابھی زندگی کے بہانے بہت ہیں
یہ دنیا حقیقت کی قائل نہیں ہے
فسانے سُناؤ فسانے بہت ہیں
مرا اک نشیمن جلا بھی تو کیا ہے
چمن میں ابھی آشیانے بہت ہیں
درِ غیر پہ بھیک مانگو نہ فن کی
جب اپنے ہی گھر میں خزانے بہت ہیں
ترے در کے باہر بھی دُنیا پڑی ہے
کہیں جا رہیں گے ٹھکانے بہت ہیں

آپ کی اس کامیاب و خوبصورت حسین و دلکش اور مطابقِ حالات و زمانہ غزل پر مطلع سے آخر تک دادِ تحسین کا وہ شور رہا اور وَنس مور کی صداؤں سے ہال اسطرح گونجتا رہا جس سے ثابت ہوا کہ آپ جانِ مشاعرہ بن گئے۔

اس طرح آپ کے ساتھ ہی یہ عظیم الشان تاریخی مشاعرہ شگفتہ و لاجواب پُرسکون محفلِ شعر و سخن دو بجے نہایت کامیابی کے ساتھ پایۂ اختتام تک پہنچی جس کی کامیابی کا سہرا عزیزم ڈاکٹر وسیم اور حُسنِ انتظام کا سہرا یو۔ پی کے ... سکریٹری جناب محمود بٹ صاحب۔ اور ... پی ... بریلی کینٹ کے جی۔ او۔ سی ... جنرل شابیگ سنگھ ... کے سر رہا۔

خدا حافظ

[redacted]

ہرچرن چاولہ (اوسلو ناروے)

ریت، سمندر اور جھاگ

محترمی سرور صاحب آداب! پچھلے دنوں میں نے افسانہ "ریت، سمندر اور جھاگ" مکمل کیا ہے شان ہند کیلئے بھیج رہا ہوں افسانے میں کچھ نئے پن کی جھلک آ گئی ہے پھر بھی سمجھ میں آ جاتا ہے اس لئے امید ہے آپ اسے پسند فرمائیں گے۔　　آپ کا ہرچرن چاولہ

IA/60F STUDENT BYEN KRINGSJA OSLO-8 (NORWAY)

یہ کہانی جو میں آپ کو سنانے جا رہا ہوں اس کے چار کردار ہیں اسلئے آئیے پہلے ان سے تعارف ہو جائے۔ پھر آپ کو کہانی سمجھنے میں بھی مدد ملے گی۔ پہلا کردار میں ہوں جو بہت سیدھا آدمی ہوں۔ پڑھنے کے لکھنے میں کوئی خم ہو تو ہو مگر مجھ میں کوئی ٹیڑھا پن نہیں چونکہ زمانہ سیدھے پن سے چالیس پچاس سال آگے بڑھ گیا ہے۔ اسلئے میں جسمانی طور پر جوان ہوتے ہوئے بھی ذہنی طور پر بوڑھا ہوں۔ چونکہ آج کل تمام کام ٹیڑھی انگلیوں سے ہی سرانجام پاتے ہیں اور میری انگلیاں بالکل سیدھی ہیں اسلئے میرے تمام کام ادھورے رہ جاتے ہیں۔ دوستیاں بھی میری چند روزہ ہوتی ہیں پھر آپ ہی اپنی موت مر جاتی ہیں۔ دو لکیریں سیدھی ہوں تو ساتھ بھی چلتی ہیں۔ کہیں کہیں مل بھی جاتی ہیں۔ مگر ایک ٹیڑھی لکیر دوسری سیدھی لکیر کے ساتھ ملتے ہی اس کی کمر میں انگلی کھبونے لگتی ہے اور چونکہ انگلی کی چبھن میرے بس کی بات نہیں اس لئے میں ہی دوستی کے معاملے میں پیچھے ہٹ جاتا ہوں۔ باہر کی بات تو خیر دوسری ہے گھر میں بھی میری بیوی سے میری نہیں بنتی۔ مجبوراً سماج کے بندھن میں بندھے ہم ایک چھت کے نیچے رہ ضرور رہے ہیں مگر ہم ایک دوسرے سے اتنے ہی دور ہیں جتنے مشرق اور مغرب۔

دوسرا کردار میری بیوی ہے چونکہ میں اس کا اچھا دوست یا ساتھی نہیں ہو سکا اس لئے اس نے میرے ہی سیدھے پن سے ایک ٹیڑھا پن اخذ کر لیا ہے۔ شاید دھوپ کا تصور ہی سائے سے ہے۔ میرے ہی گھر میں اس نے ایک دوست بھی تلاش کر لیا ہے جس سے وہ میرے سامنے ہنستی ہے باتیں کرتی ہے اور اس کے ساتھ سوتی بھی ہے۔ حتیٰ کہ اس کے پیار میں اس نے مجھے بالکل نظرانداز کرنا شروع کر دیا ہے۔

اندر باہر چہار تنہائی ایک آگ کے چکر کی طرح میرے ارد گرد گھومتی رہتی ہے مجھے تنہائی نے چکر کے علاوہ میں بالکل تنہا ہوں۔ اٹھارہ سال کی تنہائی کے بعد اگر میرے اندر سے ایک افسانہ نگار ابھرا ہے شاید یہ لوگ ایسی ہی سے ہی لگ گئے ہیں۔ میری کہانیاں ہر رسالہ خوشی چھاپنے کو تیار ہے مگر معاوضہ دینے کو بالکل تیار نہیں۔ وجہ وہی میرا سیدھا پن ہی ہے۔ ورنہ بڑے بڑے ٹیڑھے ٹیڑھے لکھنے والے بھی آجکل اپنی ہر کاوش کے کھرے دام وصول کر رہے ہیں۔

اٹھارہ سال میری بیوی کا دوست اب بالکل گبرو جوان ہو گیا ہے یہ میرا بیٹا سنتوش ہے۔ چونکہ میری بیوی نے اسے میری ہواؤں سے بچا کے رکھ کر پالا ہے اسلئے ہم دونوں ریلوے کی پٹریوں کی طرح سلیپروں کے ایک ہی پل پر متوازی چل رہے ہیں۔ ہمارا ملاپ کہیں بھی ممکن نہیں۔

اپنی تنہائیوں سے گھبرا کر میں نے ایک کتا پال لیا ہے کیونکہ یہ جانور ٹیڑھے اور سیدھے پن کی سوچوں سے بہت بالا ہے اس لئے میری اس کی خوب نبھنے لگی ہے۔ میں جب دفتر کی ویرانیوں سے نکل کر شہر کے ہولناک شور سے گزرتا شام کو گھر لوٹتا ہوں تو وہ بڑی گرم جوشی سے میرا سواگت کرتا ہے کوں کوں کرتا وہ میرے پاؤں میں لوٹ جاتا ہے۔ جیسے میرا دن بھر کی خیر خبر کا فکر کر رہا ہو۔ اس کی عمر اب تین سال ہو گئی ہے۔ کبھی کبھی ایک ہول سا میرے دل پر لہرا جاتا ہے۔ اگر وہ بھی مجھے چھوڑ کر چلا گیا تو میں کہاں جاؤں گا اسلئے میں اس کو ہمیشہ باندھ کر ہی رکھتا ہوں کبھی کبھی باہر گھمانا ہو تو ساتھ لیکر جاتا ہوں۔ کبھی زنجیر اس کے گلے سے نکالتا بھی ہوں تو اسے اپنی نظروں سے دور نہیں جانے دیتا۔ ایک دن میں نے اسے تھوڑی دیر کے لئے آزاد کیا ہی تھا کہ وہ میری بے دھیانی میں میری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ میں نے اسے بہت تلاش کیا آخر وہ مجھے ایک گلی کے موڑ پر ایک آوارہ کتیا سے راز و نیاز کی باتیں کرتا مل ہی گیا۔ میں نے اسے بڑے کرخت لہجے میں آواز دی "ڈِکی"!

اس نے پل بھر میری طرف دیکھا۔ گتیا کے کان میں جنبا اور پھر وہ مجھے آ کے یا ... سے بہت جھاڑ ... تو وہ وقتی پیچھے چھپا

گھو نپنے پر بہت شرمندہ کیا۔ تو وہ خوشامد پر اُتر آیا اور میرے پاؤں میں لوٹ لوٹ کر انھیں چاٹنے لگا۔ میں نے غصّے سے کہا "جا بے شرم حرامی!"

وہ اُٹھا اور اپنے قد سے اور چھوٹا ہوکر ہوتے ہوئے گھر کی طرف چل پڑا۔ ایک دن پھر جب میں ایک دوکان پر ایک سال گرہ میں گُم ہو گیا تو پھر وہ میری نظر بچا کر غائب ہو گیا۔ میں نے سوچا وہ گھر چلا گیا ہوگا اسے ڈھونڈتا میں گھر کی طرف چلا تو پھر اُسی گلی کے موڑ پر وہ میرے ساتھ شامل ہو گیا آنکھیں نیچی کئے وہ میرے ساتھ ساتھ چلتا رہا۔ میری خاموش شکایت پر شرمندہ سا مگر میری نظریں بچا کر مڑ مڑ کر اُس گلی کی طرف دیکھنے پر مجبور بھی ــــ اب میں نے اُسے آزاد کرنا ہی چھوڑ دیا۔ ایک دو بار اُس نے شکایت بھری نظروں سے میری جانب دیکھا [illegible] مگر پھر میری خوشی کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیا۔

شاید آگ اُدھر بھی اتنی تیزی سے سلگ اُٹھی تھی ایک دن [illegible] ہمارے گھر آ گئی۔ دونوں پھر پیار و محبت میں ڈوب گئے مگر [illegible] میری اُس پر نظر پڑ گئی۔ وہ کتیا پر اس طرح لپکا جیسے اسے پھاڑ [illegible] گا۔ بچ وہ اسے چیر ہی ڈالتا اگر وہ بھاگ نہ جاتی۔

[illegible] بیوی کا [illegible] اب اکیس سال جوان ہو چکا ہے۔ ہمارے [illegible] کی طرح [illegible] ابھی تک زندگی کی سیج کا [illegible] میرے گھر کا کتا بھی اپنے [illegible] زیادہ [illegible] سے بھاء [illegible] میری شکست خوردگی پر ایک [illegible] میں نے پینی شروع کر دی ہے۔

ایک شام [illegible] نکل کر میں سیدھا ایک [illegible] اُس دن میرا دل بہت دکھی تھا۔ [illegible] اپنی گلی [illegible] دیکھ لیا تھا [illegible] کی وجہ سے میری آنکھیں بند ہوئی جا رہی تھیں [illegible] لوگ مجھے [illegible]

[illegible] نوجوان [illegible]

[illegible]

ہم بہت دیر قریب بیٹھ کر بھی دور رہے۔ وہ شراب کی ندی کے اُس کنارے میں اِس کنارے۔ بھلا کنارے بھی کہیں ملے ہیں۔

رات پھر ایک آدمی جو میری مستی کا ناجائز فائدہ اُٹھا کر مجھ سے دوستی کرنا چاہتا تھا ایک چمکیلے ڈبے میں مجھے ڈال کر میرے گھر چھوڑ گیا۔ میری مدہوش آنکھیں بس یہی کچھ دیکھ سکیں کہ وہ چمکیلا ڈبہ مجھے نیچے اُنڈیل کر یوں لڑھکا اور دور بھاگتا چلا گیا جیسے آبشار کے دہانے پر دھرا ہو۔

میں لڑکھڑاتا گرتا پڑتا گھر کے دروازے کی طرف بڑھا قریب تھا کہ میں گر پڑتا کہ دو بازوؤں نے مجھے گھیرے میں لے کر دروازے تک پہنچا دیا۔ جب میں نے دروازہ تھام لیا تو میں نے سہارا دینے والے کو بسیار کوشش پہچاننے کی ہمت کی وہ شراب خانے والا نوجوان چوکیدار تھا۔ مجھے چھوڑ کر وہ یہ کہتا آگے بڑھ گیا۔ "اِدھر میرا گھر ہے۔ مگر میرا باپ سامنے کے گھر میں داخل ہوتا ہے اس لئے میں اس کی نظریں بچا کر پچھلی گلی سے گھر میں جایا کرتا ہوں۔"

بہت دیر اِدھر اُدھر گرتے پڑتے اور لڑکھڑانے کے بعد جب اپنے کمرے کی طرف بڑھ رہا تھا تو مجھے گھر کا پچھلا دروازہ کھلا ہوا محسوس ہوا۔ پھر ایک پرچھائیں میری بوجھل بند ہوتی آنکھوں کے آگے لہرائی۔ مگر دوسرے لمحہ یہ مجھے اپنے ہی دل کا وہم محسوس ہوا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے میں نے اپنے وہم کو گالی دی۔ "حرامی [illegible] چمکیلا" [illegible] میرے گھر کے دروازے پر [illegible] کی لڑکی جیسا [illegible] شخص [illegible] مجھ سے [illegible]

[illegible] آپ [illegible] ساتھ [illegible] نہیں بیٹھیں گے"

[illegible] اُس کی طرف دیکھنے لگا۔ میری آنکھوں [illegible] کوئی [illegible] پا کر وہ مڑنے ہی لگا تھا کہ میرا کتا [illegible] گیا تھا دوڑتا ہوا باہر آیا اور [illegible] جھگڑے کے [illegible] خاموش ہو گیا۔ پھر وہ [illegible] دُم ہلا [illegible] کرنے لگا۔ [illegible]

[illegible] تھی۔

[illegible]

[illegible]

دیجیے گا؟"

کار کا دروازہ کھلا اور دوسرے لمحہ میرا بیٹا اس کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ چکا تھا۔ میرے کانوں نے سنا وہ میرے بیٹے سے کہہ رہا تھا۔ "دوستی تو ہم عمروں سے ہی اچھی لگتی ہے"۔ مگر خیر...

اب میرے بیٹے کی دوستی اُس شخص کی بیٹی سے ہو چکی ہے۔ دوستی تو ہم عمروں میں ہی بھلی لگتی ہے نا۔ شاید شادی بھی ہو چکی ہو کیونکہ اب زیادہ تر وہ اُن ہی کے گھر میں رہنے لگا ہے۔ میرے گھر میں تنہا رہنے والا میں بھی اب تنہا نہیں کیونکہ میرے کتے نے اپنا عشق نیا کر لیا اور میری طرف... بڑھنے والی خود غرضی دوستی کے چکر میں پڑ کر پریشان بھی نہ کرے میری اور اپنی دوستی مضبوط کر دی ہے۔ اس چمکیلے شخص کو بھی کوئی اور دوست ضرور مل گیا ہوگا۔ کیونکہ دنیا جہاں پر جانے والے بڈھے مرے آدمیوں سے بھری پڑی ہے۔

میرے گھر کی چار دیواری میں تنہائی کا احساس جو میں نے بہت دن چھوڑا ہے۔ سے میری بیوی نے پیدا کیا ہے۔ در اصل اس نے غلط دوست چنا تھا۔ دوستی تو ہم عمروں میں ہی ہوتی ہے نا۔ یا پھر ہم نے یا ہمارے بعض اوقات خیال تھا ہم عمروں میں ایک بہت بڑا تضاد ڈال دیتے ہیں۔

غزل

شیخ شفیق دلگیر (سری نگر)

اُن کو اپنا بنائینگے کیسے
راستے میں ہزاروں کانٹے ہیں
راستے میں دیارِ یار بھی ہے
مگر احباب کے ہیں مارے ہوئے

دل کی دنیا بسائینگے کیسے
وہ مرے پاس آئینگے کیسے
دار پر لوگ جائینگے کیسے
ہم فریب اور کھائینگے کیسے

اُن کے جلووں میں گم ہوئے دلگیر
دل کو قابو میں لائینگے کیسے

غزل

محمد مبین نغمہ لکھا گانوی

آج کہنی ہے اک غزل تازہ
اپنی صورت کے آئینہ ہم ہیں
اب بنا جو نظر میں لیا ہے...
اک اچٹتی ہوئی نگاہ مری
جھلملاتے ہوئے ستاروں سے
اپنی لغزش کی عمر بھر نغمہ

کھٹکھٹائینگے دل کا دروازہ
کون کستا ہے کس پہ آوازہ
منتشر ہو گیا ہے شیرازہ
تیرے رخسار پہ ملے غازہ
ہو چلا ہے سحر کا اندازہ
ہم بھگتتے رہے ہیں خمیازہ

اناہل یا تام چینی کے دوکانداروں کیلئے

خوشخبری

ہماری فیکٹری گذشتہ پانچ سال سے اناہل یا تام چینی کے ہاؤس ہولڈ اور سرجیکل سامان تیار کرتی ہے جو نہایت خوبصورت اور پائدار ہوتے ہیں۔ جن کی مانگ بازار میں دن بدن بڑھتی جا رہی ہے اور دوکاندار بھی ہمارے سامان اور تجارتی اصولوں سے کافی مطمئن ہیں۔ لہٰذا ہم اپنی فیکٹری کی جانب سے اناہل یا تام چینی کے دوکانداروں کو ایک بار آزمائش کیلئے پُر خلوص دعوت دے رہے ہیں۔

خط و کتابت کا پتہ

میسرز کلاسک اناہل اینڈ پریسنگ ورکس
نئی بستی۔ فیروز آباد (یو۔پی)

ہر غلط کو صحیح کہتے ہیں

عظیم صدیقی

اس وقت میرے سامنے ایک ہونہار نوجوان کا مضمون ہے۔ دس بارہ دن ہوئے ایک کتاب مولفہ شیام منوہر لال جگر بریلوی نظر سے گزری جو شاید مضمون نگار نے بھی دیکھی ہو $\frac{۲۰\times۲۶}{۱۶}$ کتابی صورت کے کل ۲۵ صفحات ہیں ۷۰ اغلاط کی فہرست کتاب کے آخر میں درج ہے اور اس غلط نامہ سے جو گھنا اغلاط اور باقی ہیں۔ یہ حال تو اس کتاب کی کتابت اور تصحیح کا ہے اور نام ہے "صحتِ زبان"۔ رہا سوال نفسِ مضمون کا اس کے لئے مجھے جگر پر کوئی اعتبار نہیں اس نے کند چھری سے زبان و ادب کو ذبح کرنے کی کوشش کی ہے۔ جتنا اس کی معلومات کا دائرہ تھا اتنا ہی وہ کر سکتا تھا۔ اور کیا۔

اس مضمون میں ایک نامور ادیب اور شاعر کی تحریر کے حوالے کئی جگہ دیئے ہیں۔ کہیں ان کی رائے سے اتفاق کیا ہے کہیں اختلاف لیکن مجھے ان کی رائے سے اتفاق ہے نہ اختلاف۔ کیونکہ جیسے پنڈت کیفی اور شیام موہن لال ہیں۔ ویسے ہی وہ بھی ہیں۔ کہ انھوں نے اعتراف کیا ہے کہ "میں عربی نہیں جانتا" اس سے ظاہر ہے کہ اُنکی رائے کتنی وقیع ہو سکتی ہے۔

فاضل مولفان غلط العام و عوام نے اردو ادب کی تعمیر میں جتنی کوشش کی اتنی ہی صاحبِ مضمون نے اسے مسمار کرنے کی کوشش فرمائی۔

سب سے پہلے متروکات کے سلسلے میں میری نظر سے خواجہ عشرت لکھنوی کی کتاب "اصلاحِ زبانِ اردو" گزری ممکن ہے اس سے پیشتر اس قسم کی اور تالیفات بھی ہوں۔ یاس عظیم آبادی نے ان کی تردید فرمانا شروع کی۔ لیکن وہ نہ کتابی شکل میں آئی اور نہ اس کی کسی نے پرواہ کی۔

صاحبِ مضمون نے ایک اکیڈمی کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حرفِ روی ہم مخرج ہوتا ہے حروف سے بدل جائے تو اس کو عیب نہ سمجھنا چاہیے۔ یعنی خاص کا قافیہ پاس اور لذیذ کا ... لیا جا سکتا ہے۔ پنڈت کیفی نے جہیز کا قافیہ لذیذ لکھا ہے۔ الفتاح نے کہا تھا کہ ہر قاعدہ تو ڑ کر خود بنا لو۔

میں عرض کرتا ہوں کہ کیا اس خواص، اثاث یا محاذ، جہاز، بیاض، لحاظ ہم قافیہ کر لیے جائیں تو ہیئتِ روی جو بنیادِ قافیہ ہے کیا ہوگا؟ یوں کہیے کہ حرفِ روی ختم ہو کر تمام آئینِ قوافی درہم برہم ہو جائے گا۔ جن بزرگوں نے اصولِ قافیہ قائم کئے تھے کیا وہ سب عقل سے خارج تھے۔

قافیے کے حروف عرب میں نو تھے فارس میں تاسیس و دخیل کو خارج کر دیا۔ لیکن حرفِ قید بڑھا دیا۔ اس طرح کل پانچ حروف قافیہ ہوئے (ردف، ردف زائد۔ قید۔ روی۔ وصل) باقی ردیف میں شمار کئے۔ قافیے کا کوئی حرف بدل سکتا ہے نہ کوئی حرکت لیکن صاحبِ مضمون نے قواعد کے خلاف فتویٰ دیا کہ صوتی اعتبار سے صحیح مان لینا چاہیے۔ مثلاً ؎

استری کا پُرش سے ہوتا ہے بیاہ
عورتوں سے مرد کرتا ہے نکاح

بیاہ اور نکاح کے قوافی پر غور کیجئے۔ جو بالکل غلط ہیں لیکن صاحبِ مضمون کے صوتی اعتبار سے تو صحیح ہیں۔

اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم بخشا ہے۔ تو اس کی نعمت کا جائز فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ ادب کی ترقی میں حصہ لینا چاہیے۔ نہ کہ برعکس اس کے ہر غلط کو منطقی دلیلوں سے صحیح ثابت کر کے آنے والی نسلوں کو گمراہ کرنا۔ میں دریافت کرتا ہوں کہ کسی کو، کسی زبان کے کسی لفظ کو بگاڑنے کا کیا حق ہے۔ اَمرت کا قافیہ میّت۔ دھوبن کا قافیہ معدن، جیبن، دِن، ابھاگن۔ سُہاگن کرنا چاہیے اور میت کا قافیہ بُت ہونا چاہیے۔ دیکھیے ؎

تھا جنھیں اعتقاد اَمرت پر	رو رہے ہیں وہ میری میّت پر
خوف کھائیں حساب کے دن کا	ہنس کے پوچھیں حال ابھاگن کا
چھوٹے غلوں کی کہتی ہے دھوبن	کپڑے سلنے کے لائی ہے دھوبن
نوجواں ہو حسین سہاگن ہو	بے بہا ہیروں کی معدن ہو
دیکھ شعروں کے یوں ٹوٹے وہ بُت	خود نمائی کے نشے میں ہیں جو مست
چوری چھپے میں بیٹھے ہیں کیا بُت	پنڈتِ شیطاں کے نام اُچھلا شت

در عطر چمپیا کی تعریف میں جواہر کا قافیہ ماہر کے ساتھ دیکھا ہے

یہ کہتا ہے نکہتوں کا ماہر ٭ ہیں اک چمپیا میں سو جواہر

صنعت متلون میں پندرہ اشعار کی غزل کہی جو تین بحروں اور چار وزنوں پر مشتمل ہے۔ اور طرّہ یہ کہ کہیں کوئی سقیر اُردو کا حروف سے ساقط نہیں ہونے دیا۔ اس کا مطلع ہے ؎

جب نہیں سنتا کوئی آہ و فغاں
فائدہ کیا جو کوئی کھولے زباں

(ہفتہ وار سماچار میرٹھ دسمبر [illegible]ء)

پھر بارہ اشعار کی غزل کہی۔ جو ۱۲ اوزان اور بارہ بحروں پر مشتمل ہے جن میں ۵ وہ بحریں ہیں جن میں اُردو کی کوئی غزل نہیں۔ اس کا مطلع ہے۔

جو نار سقر سے ڈر رہے ٭ وہ حور جناں کا دم نہ بھرے
وہ شیخ ہی کو سجدہ کرے ٭ وہ میکدہ ہی کے در پہ مرے

اس مضمون میں کسی کی تعریف یا تنقیص منظور نہیں۔ مدعا یہ ہے حضرت عشق آبادی موحد قلندر ضرور ہیں۔ لیکن مسلم نہیں۔ ایک مسلم کا تحفظ زبان و تعبیر ادب میں قابل رشک کارنامہ کیا ہمارے سبق کا باعث نہیں؟

ان کا ایک مضمون "مسئلہ رباعی نگار" لکھنؤ اور ماہوار دہلی میں شائع ہوا۔ اُستاد رودکی سے آج تک اوزان رباعی میں کوئی ایک وزن کا اضافہ نہ کر سکا۔ موصوف نے [illegible] کے ارکان کی اصولی شرطوں کو سامنے رکھ کر بارہ اوزان [illegible] بڑھا دیئے۔ اور انکسار سے کہ اگر میری تجویز غلط ہے۔ تو [illegible] ورنہ خود سمجھ کر میری حوصلہ افزائی سے گریز

حضرت فرماتے ہیں کہ میرے استاد نے یہ [illegible] یا ناا استعمال فرمائے ہیں۔ وہ انہیں [illegible] بنایا لیا اپنی حدوں میں رہنا چاہیے۔ یوں تو ایسے الفاظ کی طویل فہرست ہے۔ لیکن میں یہاں چند مثالیں پیش کر کے دکھانا چاہتا ہوں کہ جہاں موصوف اُستاد [illegible] ان میں یہ فرماتے ہیں ؎

شاگرد کو ایسے کہنہ [illegible] ہے سحر [illegible] لکھنے [illegible] کا

وہاں وہ ادب کی حد سے [illegible]

ان استاد اور شاگرد کے اشعار پیش کرتا ہوں فیصلہ آپ پر

چھوڑتا ہوں اور اس جسارت کا معذرت خواہ بھی ہوں۔

خیریت — زلفیں کھولی گئی تھیں آج بڑے دعوے سے
خیریت تھی کہ عزیز آپ کا وحشی نہ ہوا

میری ہتی لے کے گنگا بجہ بنگال آ گئی !!
دشمنوں سے پوچھتے ہیں اب خیریت مری

حضرت — اٹّے وہ طور کے پُرزے گرے وہ حضرت موسیٰ
اثر تم نے بھی دیکھا کچھ تبسم ہائے پنہاں کا

مار ڈالا دیوی افکار نے — حضرت دلگیر افسانے
اور حضرت سحر کے اشعار نے

وگرنہ — منت کش اثر نہ ہوئی شکر ہے دعا
بڑھتا وگرنہ شوق دل بے حجاب کا

ورنہ — ہیں یہ ضبط عشق قائم بندہ زمین و آسماں
[illegible] اُڑ جائے یہ میری آہ سے جنگل و ہواں

درجہ — اپنی حد سے سوزِ دل اب بڑھ گیا
آخری درجہ تھا پارہ چڑھ گیا

درجہ — [illegible]
[illegible] عشق کا طے [illegible]

[illegible] — طبقہ خاک سے اک عالم پنہاں نکلا
[illegible] جو سوئے گور یہ عریاں نکلا

سُوئے — بتکدہ پر لات [illegible] چل دیا سوئے حرم
خیر گذری [illegible] کا بھولا سرِ شام آگیا

نظروں — نظروں نے دیکھی [illegible] کی اک قدرتی کشش
انظار الٰہی لے کے سبب کوئی محفل میں رہ گیا

نظریں — حائل وہ جہاں پہ ہیں نظریں
ہم تک آتی ہیں عرش سے خبریں

کیفیت
ہوگئی مستوں پہ طاری آج دو دونی کیفیت
تھیں نشیلی انکھڑیاں ساقی کی ساغر کا جواب

کیفیت
کس کی ہے تحریر یہ تقدیر دیکھ
دیکھ کیفیت نہ کر تو مین میکھ

مایوس
مایوس کب ہوئے ہیں دلِ جذب آفریں سے ہم
کروٹ ابھی تو لیں گے تہِ [illegible] سے ہم

ناامید
دم دلاسے ہیں فقط اے شوقِ دید
زندگی سے ہو چکا ہوں ناامید

دکھلائیں
دکھلائیں معجزے دلِ جذب آفریں سے ہم
کہہ دو تو آسماں کو ملا دیں زمیں سے ہم

دکھائیں
جو پردہ اُٹھا کر وہ جلوہ دکھائیں
تو ارض و سما دونوں ٹکرا نہ جائیں

دستِ مسیحا
تھی رگِ برقِ جہندہ نبضِ بیمارِ فراق
دیکھتے ہی دیکھتے دستِ مسیحا جل گیا

مسیح
تو مزبلے کو سمجھتا ہے کس طرح فردوس
کہاں سمومِ نجاست کہاں نسیمِ مسیح

جبکہ
دیر میں عمر بسر کیوں نہ کریں ہم زاہد
آستینوں میں نہاں جبکہ صنم رکھتے ہیں

کہ جب
ہم نے اُن سے کہا کہ [illegible] جائیں؟
مسکرا کر کہا [illegible] جب چاہیں

مبتلا
خاک کیوں ارماں رہا ہے مبتلا
تھا کبھی دل یا [illegible] یاد تو کر

مبتلا
آئینہ دیکھنے والے ذرا [illegible]
تماشا عشق [illegible]

جوکہ
ایسے سے کیا امیدِ تسلی کی ہو بھلا
ہنستا ہو جو کہ گریۂ بے اختیار پر

جو
جو وجودِ جنت و دوزخ کے قائل ہی نہیں
وہ بھی کہتے ہیں کہ ہے کشمیر فردوسِ بریں

رسم (مذکر)
سب ساکنانِ شہرِ خموشاں خموش ہیں
یہ رسم اک نیا ہے یہاں جو کہیں نہیں

رسم (مونث)
شان تو جب تھی حق پرستی کی
ان بتوں سے نہ رسم رکھنا تھی

جناب
چرچا ہے ملتِ بیضا کا بحث بادہ نوشوں میں
جنابِ شیخ آپ اس بزم میں بیکار بیٹھے ہیں

جناب (بغیر اضافت)
ابھر آتے ہیں موجوں کے تھپیڑوں سے حباب اکثر
غزل دلی کی بنا کر یہی پڑھتے ہیں جناب اختر

ہدیہ
ہدیہ دوں گا آفتابِ روزِ محشر کو عزیز
میرے زخمِ دل سے جو پھاہا اتر جائیگا

ہدیہ
وہ ہدیہ کیا کسی کو دے جو خود محتاج ہو
گو بظاہر مالکِ ایران تخت و تاج ہو

بات
آج کل تیاران کا بات ہے
دل اڑا دینا بھی کوئی بات ہے

ہاتھ
نفسِ امارہ ہمارے ساتھ ہے
فیصلہ تمہارا رب کے ہاتھ ہے

دنیاوی
نہیں اذکارِ دنیاوی سے فرصت
عزیز اس شاعری میں نام کیا ہو

دنیوی
مارے الادنیوی اذکار نے
اور حضرت سحر کے اشعار نے

خجالت　　دیکھوں گا میں بھی جو مجھے طاقتِ نظر
　　　　موسیٰ کی طرح مجھ کو خجالت ہی کیوں ہو

یوسف جمیل ہوں گے یہ مانا مگر صبیح　　خجلت
پھر کس لئے ہے یہ خجلت تم تو ہو ملیح

گرمیٔ　　ساری حرارتوں کا ہے مرکز یہ داغِ دل
　　　　گرمیٔ آفتاب قیامت ہی کیوں نہ ہو

کچھ گرمیٔ حسن آتشِ الفت سے نہیں کم　　گرمیٔ
آ آگ میں اور آگ لگانے کے لئے آ

آرام آنا　　سکوں ہو کس جگہ میرے دلِ سیماب فطرت کو
　　　　جہاں بجلی تڑپتی ہے وہاں آرام آتا ہے

تیرے اعجاز کے قرباں کہ دنیا ہو گئی　　آرام ہونا
نہیں تو زہر دینے سے کہیں آرام ہوتا ہے

پچھلے سے　　شاید کہ رو رہا ہے کوئی نامرادِ عشق
　　　　پچھلے سے آ رہی ہے آوازِ دور کی

بے چین ہو کے کہتے ہیں کیا سو گیا مریض　　پچھلے پہر
پچھلے پہر سے شورِ سلاسل نہیں رہا

[illegible] تقلیل ہے جس کا
پہلا حرف مکسور اور دوسرا مضموم ہے۔ دیکھئے کس طرح نظم کرتے ہیں
یہ برق۔ یہ عالم یہ بہاریں [illegible]
آئے شباب دشمن اُٹھائیں [illegible]
چاندنی کے جھرنوں میں نہانے چاندنے [illegible]
فعلن فعولن فعلن فعولن فعلن فعولن [illegible]
آپ نے [illegible] کا شعر [illegible] کی مثال میں دیا ہے میر تقی میر
کا [illegible] دیکھئے ؎
[illegible] جائے
[illegible] ہے۔ اور [illegible]
[illegible] بالکل غلط

ہے۔ اس سلسلے میں اہلِ فارس تو کیا اہلِ عرب ہی کیوں نہ ہوں ہر مسلم کھلے الفاظ میں کہے گا کہ وہ کون ہے جو کلام اللہ کا نام بگاڑنا چاہتے ہیں (یہ خود معبودِ حقیقی کی زبان کا لفظ ہے) جس کتاب کی ہر اور اسکے ایک ایک لفظ کیا ہر ہر حرکت کی حفاظت ہمارا ایمان ہے اور جسکے خلاف آواز بلند کرنیوالوں کی زبانیں بند کرنے میں ہم نے اپنی جانوں کی بھی پروانہ کی آج کوئی صاحب فرماتے ہیں کہ یہ لفظ مفرس ہے اور بغیر مدِ الف کے بالکل صحیح۔ لیکن فارس میں حرف قاف ہی نہیں۔

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

ہزاروں داد و تحسین کے مستحق وہ غیر مسلم ہیں جو زبان دانی کی تعمیر میں کسی مسلم سے پیچھے نہیں۔ اگر لفظ مایوس بمعنی ناامید از روے قواعد عربی صحیح نہیں۔ تو کیا یہ لفظ عشق آبادی صاحب کے کلام میں دکھا سکتے ہیں ہرگز نہیں ضرورتِ شعری کا حیلہ صرف وہ لوگ تراشتے ہیں جنہیں یا تو علم نہیں یا اپنی خطا پر پردہ ڈالنے کیلئے استادوں کی مثالیں پیش کرتے ہیں۔ غلط بہر حال غلط ہے۔ خواہ متقدمین سے ہو یا منتہی سے۔ ہاں لفظ قرآن بروزن گمان شعر یا توریہ کیلئے منا[illegible] ہے نزاکت طبع شعر سے باز رہے جبھی حضرات نے تعمیرِ زبان [illegible] کیلئے ازالۃ الاغلاط، غلط العام، مزیل الاغلاط، قاموس الاغلاط [illegible] وغیرہ کتابیں متعدد مستند لغات چھان کر تکمیل کیں جو در[illegible] اہلِ لغات ہی کا سرمایہ ہے کیا صاحبِ مضمون کے خیال [illegible] نے جھک ماری ہے؟ اور جو صاحب مضمون فرمائیں وہ حرفِ آخر مانا جائے حضرت وحی کے الفاظ میں بھی تخریب فرما رہے ہیں بھلا انھیں عربی کے الفاظ بگاڑ کر استعمال کرنے کا فتویٰ دینے کا کیا حق ہے؟

کہیں شاعر ایسے لفظ [illegible] استعمال کر جاتا ہے جو فصاحت پر سخت گراں ہوتے ہیں۔ مثلاً

وہ ستمگر خبر نہیں ہوتا [illegible] مانے ہائے کرو

یہاں خبر بمعنی خبردار ہے [illegible] شعرا اس طرح خبر کا استعمال نہیں کرتے۔ شعر میں خبردار [illegible] آسکتا تھا لیکن غیاث میں خبر کے معنی خبردار بھی لکھے ہیں۔

مضمون نگار نے مضمون بجوشِ تخریب تحریر کیا ہے اگر وہ اس جوش کو تعمیر ادب کے لئے وقف کرتے تو آئے دن ایسی [illegible] مضمون ہوتی۔　　(بقیہ صفحہ ۲۵ پر)

درجہ حرارت ناپنے کے لئے
سیلسیس اسکیل استعمال کریں
بھارت میں اب یہی اسکیل قانونی طور پر تسلیم کیا جاتا ہے۔
(فارن ہائٹ کا استعمال متروک ہو چکا ہے)
جسم کا عام درجہ حرارت : 37° سی
بہت تیز بخار : 40° سی

عارف جلال ایم۔ اے (اندور)

۱۴ اکتوبر ۱۹۲۹ء کو نصر پور ضلع ٹھٹھ میں پیدائش کے بعد چند سال آرام سے گزرے لیکن والدِ محترم کی عدم شفقت نے زندگی کی ساری لطافت مجھ سے چھین لی اپنی والدہ اور دو بہنوں کے ساتھ ہزار دقتوں اور دشواریوں کا سامنا کیا۔ سوتیلی والدہ کے سلوک نے فاقوں تک پہنچا دیا۔ درجہ ہشتم کے بعد معمولی معمولی مزدوری بھی کرنی پڑی۔ اور اپنے فرضِ منصبی کی تکمیل کے لئے وہ سب کچھ کیا جو ایک محنت کش اور راہِ مستقیم پر چلنے والے انسان کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ اپنی والدہ مرحومہ کی خدمت سے ایک پل غافل نہیں رہا جنکی دعائیں میرے لئے مشعلِ راہ بنی رہیں اور مجھے قدم قدم پر حوصلہ نصیب ہوتا رہا کہ میں حالات کی سختیوں سے نبرد آزما ہوتا رہوں۔ اپنی والدہ مرحومہ کی دعاؤں سے ۱۹۴۸ء میں مدرس ہوگیا اور اسی سال رشتۂ ازدواجی کی مضبوط کڑیوں میں جکڑ دیا گیا میری رفیقۂ حیات نے بھی دشواریوں کا سامنا کرنے اور بلند ہمت رہنے کیلئے وہ سب کچھ کیا جو ایک نیک اور وفاشعار بیوی کا فرض ہوتا ہے۔ اپنے تعلیمی سلسلہ کو میں جاری نہیں رکھ سکتا تھا اگر میری شریکِ حیات شب و روز محنت کر کے میرے امتحانات کی فیس بچا کر نہیں رکھتیں۔ ایم اے (تاریخ) تک میں نے جو تعلیم پائی اس میں میری بیوی کا تعاون ہر حال میں شامل رہا۔ اِن دنوں اندور سے قریب ایک سکول میں صدر مدرس کی خدمات انجام دے رہا ہوں۔

شاعری کی ابتداء ۱۹۵۳ء میں کی۔ ابتداء میں اپنے کلام پر احباب سے مشورہ کرتا رہا۔ ازاں بعد ۱۹۶۰ء میں قبلہ پروفیسر نشور واحدی صاحب کو اپنی چند غزلیں دکھائیں۔ میں آج تک انھیں اپنا استاد تسلیم کرتا ہوں۔ میں جدید رجحانات ادب کا قائل ہوں اور تجربے کو شعور کی تکمیل کے لئے لازمی سمجھتا ہوں۔

غزل میری پسندیدہ صنف ہے۔ میری غزل کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیے ؎

اُس سے بھی دل زباں کے گُلِ تر لئے ملا

ہر چیز کے جواب میں جو شر لئے ملا

ظاہر میں جب لباس فقط خوشگوار تھا

اس وقت بھی میں اپنے عزیزوں پہ بار تھا

چند اشعار اور ملاحظہ فرمائیے :

میرے خلوص نے مجھے تقسیم کر دیا

دریا تھا میں کبھی تو کبھی آبشار تھا

حال سے اُلجھا کئے وہ فکرِ مستقبل سے ہم

وہ تو منزل پہ رہے ہاں بھٹک گئے منزل سے ہم

خالی گھڑوں کو دیکھ کے جاں ہی نکل گئی

تشنہ لبی جو ہوئی سبیلوں کو دیکھ کر

نفرت سے اس نے منہ لگا کر رکھا ہیں ؎ شربت پلا دیا ہے شکستہ گلاس میں

حرص و ہوس کی دھوپ بڑی جنبش ؎ شعلے اُٹھا کے پی لئے صراحیوں میں گھونٹ

یہ طوق و سلاسل زنجیریں ناکام ہیں ساری تدبیریں

صیاد ہے تیرا دور وہی یہ بات نہیں ہم مانیں گے

صحرا سے گزرنے والوں کے منزل بھی نظر کے ساتھ رہی

ناکام رہی آشفتہ سری یہ بات نہیں ہم مانیں گے

اُلجھ کے رہ گیا انسان جتنا سمجھا ہے ؎ یہ دل عجیب سا صحرا عمیق دریا ہے

خلوص بیت تھا مٹھی میں بند تھا شاید ؎ کسی نے ہاتھ ملایا خلوص بکھرا ہے

بقیہ صفحہ ۲۳

آپ نے ہر جگہ "بہ" بہ تخفیف۔ یہ بلائے معروف وغیرہ لکھا ہے یعنی "بہ" کو الگ لکھا ہے لیکن آغا حشرت لکھنوی قواعدِ تاریخ گوئی کے تحت فرماتے ہیں کہ بعض شعراء جو مادہ کے مصرع میں بہ جنت اور بہ فردوس کو الگ الگ لکھتے ہیں یہ اصولِ رسم الخط کے خلاف ہے بجنت بفردوس لکھنا چاہیے یعنی تاریخ گوئی میں بھی دو ان کا اجازت نہیں دیتے۔ ہاں جب اچھا کے معنی میں یہ استعمال ہو تو الگ لکھنا واجب ہے۔ مثلاً

شعر می گویم بہ از آبِ حیات　　(مولوی معنوی)

باقی آئندہ

جناب کلیم سرونجی

امتیاز انجم

سید امتیاز علی نام تخلص انجم سید سراج علی صاحب مرحوم کے چشم و چراغ ۵ ا اگست ۱۹۳۹ء کو محلہ پاترا پری گھاٹ بھوپال میں پیدا ہوئے۔ اوائل عمری میں ہی والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ جانے کی وجہ سے مجبوراً پی۔ ڈبلیو۔ ڈی ورکشاپ میں ملازمت اختیار کرنی پڑی، اس زمانے ایک نذر دا سلی نائٹ اسکول نلے ورکشاپ ہی کا قائم تھا اس کو محترم جناب باسط صاحب اوجینی اور محترم قبلہ صبا صاحب قریشی چلاتے تھے۔ اسی اسکول میں ملازمت کے ساتھ تعلیمی سلسلہ بھی جاری رکھا اور ادیب، ادیب ماہر امتحانات پاس کئے۔

انجم کو شعر گوئی کا شوق بچپن ہی سے تھا، اسکول کے ماحول اور اساتذہ کی ہمت افزائی نے مزید تقویت پہنچائی تو مشق سخن کیجانب زیادہ توجہ دینے لگے اور مقامی و غیر مقامی خاص و عام مشاعروں میں بھی شرکت کرنے لگے اور محترم صبا قریشی کی شاگردی اختیار کی۔ ابتک کئی طرحیائی مشاعروں میں کامیابی حاصل کر چکے ہیں۔ نیز نیشنل ٹو۔ بی جو کمپنی کے انعامی مشاعرے میں انعام بھی حاصل کر چکے ہیں۔

انجم کی تخلیقات ہندو پاک کے اکثر روزناموں اور رسائل میں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ اس کے علاوہ "رنگ و نکہت" مرتبہ نور محمد قمر "تشنۂ افکار" مرتبہ اختر صبائی اور "نہرو کی آواز" مرتبہ مصطفیٰ صبائی و ضمیر فیاضی میں بھی شائع ہو چکے ہیں ۱۹۶۶-۶۷ء میں ایک ماہنامہ آذر بھوپال کے نائب مدیر رہے۔ اور بھوپال کی مشہور اور بہت پرانی انجمن بزم سخن میں مختلف اوقات میں خازن، جنرل سکریٹری اور نائب صدر کے فرائض بھی انجام دیئے۔

انجم ایک جواں خوش فکر و خوش گلو۔ نہایت خلیق سنجیدہ ملنسار شاعر ہیں۔ مشاعروں میں ترنم سے پڑھتے ہیں۔ پڑھنے کا انداز نہایت دلکش اور سادہ ہے۔ غرض بہت اچھا کہتے ہیں اور پڑھتے ہیں۔ انکے کلام میں وہ سب کچھ ملتا ہے جو ایک صاف و ستھرے ذوق کے شاعر میں ہونا چاہیئے۔ آپ بی۔ ایچ۔ ای۔ ایل میں ۱۹۶۵ء سے کرین آپریٹر کی حیثیت سے ملازم ہیں۔

غزل

جنبشِ چشمِ کرم سے کوئی پیغام تو دو ۔۔۔ صبحِ رنگیں نہ سہی درد کی اک شام تو دو
تم مجھے دو کہ نہ دو میری وفاؤں کا صلہ ۔۔۔ میری شوریدہ سری کا کوئی انعام تو دو
خود سے منسوب کر دیا نہ کرو تم لیکن ۔۔۔ میرے افسانے کو کچھ نام تو دو
میری خاموش پرستش کے صلے ہی میں سہی ۔۔۔ حرم و دیر نہ دو کوچۂ اصنام تو دو
سادہ دل سادہ نظر کہہ کے نہ ٹھکراؤ مگر ۔۔۔ ساغرِ عیش نہ دو درد کا اک جام تو دو
چشمِ رنگیں کے اشاروں کو سمجھ سکتا ہوں ۔۔۔ میرے معیار کے قابل کوئی پیغام تو دو

جیبِ داماں میں ابھی حسرتِ ارماں ہے ابھی
اپنے انجم کو محبت میں کوئی کام تو دو

غزل

ترا الم ترا غم بھی ہے سرخوشی کی طرح ۔۔۔ ملا ہے سوزِ وفا سوزِ سرمدی کی طرح
سکون ملنے لگا ہے تری فراقت سے ۔۔۔ دلِ حزیں مجھے دھوکا نہ دے کسی کی طرح
کبھی خرد نے کیا پاک دل کے دامن کو ۔۔۔ کبھی جنوں نے سنوارا ہے آدمی کی طرح
ہزار خواہشیں دل میں تڑپ کے ڈوب گئیں ۔۔۔ مجھے حبیب آپ نے دیکھا ہے اجنبی کی طرح
قریب بیٹھے ہوئے آپ خود ستاتے تھے ۔۔۔ اور اب فراق ستاتا ہے آپ ہی کی طرح

یہ میری شومیٔ قسمت تو دیکھیے انجم
بھٹک رہا ہوں وطن ہی میں اجنبی کی طرح

غزل

میکشی نظروں سے کر ساقی کا دیوانہ نہ بن ۔۔۔ شیشہ و مے سے گزر جا نقشِ میخانہ نہ بن
بے نیازانہ رہنا تیری عادت ہی سہی ۔۔۔ میرے دل سے میرے غم سے اتنا بیگانہ نہ بن
دیدۂ پرنم سے کر اپنی وفائیں آشکار ۔۔۔ خونِ دل جس میں نہ چھلکے ایسا پیمانہ نہ بن
اک سراب دل نشیں ہے یہ جہانِ رنگ و بو ۔۔۔ اس جہاں رنگ و بو کا تو دیوانہ نہ بن
جادۂ الفت میں اب رسوائیاں پیدا کر ۔۔۔ اے دلِ مجروح کسی کا یوں تو دیوانہ نہ بن
میں گزرگاہِ وفا میں ایک افسانہ ہی سہی ۔۔۔ تو حقیقت ہے مری تو تو افسانہ نہ بن

عشق کی رعنائیاں انجم سمجھنا ہے اگر
عکسِ دل بن کر ابھر جا عکسِ جانانہ نہ بن

سیفی سرونجی

۱۹۵۲ء میں سرونج کے ایک گاؤں میں پیدا ہوا تعلیم گھر پر ہی پائی شعر و شاعری کا شوق بچپن سے ہی تھا کچھ گھریلو الجھنوں کی وجہ سے تعلیم مکمل نہ ہو سکی لیکن پھر بھی میں مایوس نہیں ہوا اور امید کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیا اور اب بھی اسی کوشش میں رہتا ہوں کہ کچھ حاصل ہو جائے ۱۹۷۹ء سے شعر کہنا شروع کیا اور اپنے ذوق کی تسکین کیلئے مقامی مشاعروں میں شرکت کرنے لگا میری غزلیں اکثر رسالوں میں شائع ہوتی رہتی ہیں شرف تلمذ جناب منور زبیری سے حاصل ہے اور فن عروض کی تکمیل جناب اسمٰعیل ذبیح صاحب سے کر رہا ہوں اردو کی خدمت اپنا فرض عین سمجھتا ہوں اور اسی جذبہ کے تحت میں نے یہاں ایک لائبریری کھول رکھی ہے۔ اپنا زیادہ وقت مطالعہ میں گزارتا ہوں۔

سامنے میرے اک آفتاب آ گیا | یا اٹھا کر وہ رخ نقاب آ گیا

. . . .

کتنے روشن [illegible] | جب ترے [illegible] آ گیا
انتہائے شوق ہے آپ لے لیجئے | [illegible] کتاب آ گیا
اس طرح وہ تصور میں آیا مرے | یاد بھولا ہوا جیسے خواب آ گیا
کیا لکھیگا تو سیفی [illegible] | خط کا تیرے اگر کچھ جواب آ گیا

ہم جیسے کہاں تجھ کو طلبگار [illegible] گے | تو جان بھی مانگے گا تو تیار ملیں گے
ہمدرد ملیں گے نہ کہیں یار ملیں گے | پیسے کے سبھی تم کو طلبگار ملیں گے
اس دور میں جتنے ہیں غمخوار ملیں گے | ہر وقت لئے ہاتھ میں تلوار ملیں گے
ہیں حرص و ہوس کے یہاں مارے ہوئے اکثر | بے لوث تو اس دور میں دو چار ملیں گے
دیکھو گے اگر غور سے صحرائے جنوں میں | میرے ہی بنائے ہوئے شہکار ملیں گے
جو ایک اشارے پہ ترے جان بھی دیدیں | اب ایسے کہاں تجھ کو وفادار ملیں گے

ذکر الفت نہ [illegible] | آئینہ [illegible]
آج یہ بات ہے آخری آخری

زندگی تو نے کچھ دیا ہے مجھے | ہر جگہ تو نے رسوا کیا ہے مجھے
اب ترا ساتھ ہے آخری آخری

راز کی بات اب میرا کچھ نہیں | ہجر میں اب ترے میں رہوں گا نہیں
دوستو رات ہے آخری آخری

پھر نہ کہنا کبھی مجھ سے تم دوستو | وقت ہے تم یہ دامن [illegible] تھام لو
یہ ملاقات ہے آخری آخری

یوسف نسیم قاسمی

۱۹۱۶ء میں سرونج میں پیدا ہوا۔ ابتدائی تعلیم ریاض المدارس سرونج میں پائی۔ دار العلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہوا۔ بعد ازاں الٰہ آباد یونیورسٹی سے "مولوی عالم" اور جامعہ اردو علی گڑھ سے "ادیب کامل" کی اسناد حاصل کیں ۱۹۴۷ء سے محکمہ تعلیمات میں ماسٹر اور ہیڈ ماسٹر رہ کر اکتوبر ۷۵ء میں پینشن پر سبکدوش ہوا۔

ذوق شاعری فطری ہے فارسی اور اردو میں طبع آزمائی کرتا ہوں۔ چند سال سے شعر گوئی کی طرف رجحان بڑھ گیا ہے۔ میرا کلام مختلف رسائل میں شائع ہوتا رہتا ہے۔

بے انتخاب

ہم سفر جتنے تھے سرگرم سفر ہی رہے | ہم مگر بھی رہ زیست پہ چلتے ہی رہے
روشنی [illegible] الزماں کا شعور | رنگ تہذیب و تمدن کے بدلتے ہی رہے
تھا غم کی [illegible] اپنا وجود | ہر نفس شمع کی مانند پگھلتے ہی رہے
کتنی گھٹی ہوئی آہیں [illegible] ہیں | کتنے آنسو ہیں جو پلکوں پہ مچلتے ہی رہے
خوف سے [illegible] بچا یا پہلو | ہم سے [illegible] کے حوادث بھی نکلتے ہی رہے
آرزو [illegible] رہے غریب پسند | میرے افکار مگر شعر میں ڈھلتے ہی رہے

اپنی فطرت سے ہیں مجبور جو اپنے ہیں نسیم
یہ تو دستور ہی ہے شعر اگلتے ہی رہے

باطل سے وہی بر سر پیکار ملیں گے | جو راز حقیقت سے خبردار ملیں گے
وہ لوگ جو مست مے پندار ملیں گے | بدنام سر کوچۂ بازار ملیں گے
[illegible] ایسے بھی پرستار ملیں گے | خود اپنے ہی ماحول سے بیزار ملیں گے
[illegible] | یہ خواہش دل ہو تو [illegible]
گرداب سے بچتا ہوا نکلا تو سفینہ | لیکن ابھی طوفان یہاں [illegible] ملیں گے
[illegible] ہیں شب غم کے اندھیرے | اے صبح طرب کیا ترے انوار ملیں گے
آئے ہیں [illegible] شوق سے ایسی | ہم ان سے ملاقات کو تیار ملیں گے

ہنستے ہوئے چہروں میں نسیم آج بھی اکثر
برباد تمنا، جگر افگار ملیں گے

نئی سمتیں

ترتیب کار
عزیز اندوری

"شانِ ہند" کے اس شمارے سے ایک نئے سلسلے کا آغاز کیا جا رہا ہے۔ ادب کے اس ناگزیر رجحان کی مقبولیت سے انکار ممکن نہیں امید کہ قارئین اس "سمت" کو بھی پسند فرمائیں گے۔ نیز اہلِ قلم اپنی تازہ ترین تخلیقات سے نوازیں گے۔ (ادارہ)

ترائیلے

مختار شمیم۔ شعبۂ اردو۔ گورنمنٹ گرلس کالج موتی طویلہ اندور

لفظ بکھرے تو سلگ اٹھے کا خوابِ معنی
سطحِ احساس پہ اب برف جمائے رہیے
ورقِ سادہ پہ لکھیے نہ حسابِ معنی
ایک اک حرف کی تقدیر سرابِ معنی
جذبۂ شوق کو ناکام بنائے رہیے
لفظ بکھرے تو سلگ اٹھے گا خوابِ معنی
سطحِ احساس پہ اب برف جمائے رہیے

تنزل

وحید پرواز۔ گورنمنٹ پریس۔ ملبار پلٹن بس اسٹینڈ (اندور)

اور پھر ایسا ہوا
جسم بھی اُس کی گلی میں کھو گیا
کھڑکیوں کا درد دروازے کی آنکھوں سے کھلا
ڈال پر بیٹھی ہوئی تتلی کا رنگ
پھول کی خوشبو سے جا کر مل گیا

اور پھر ایسا ہوا
عمر کی ماری چمیلی رو پڑی
آم کی شاخوں پہ بیٹھی زندگی
دھوپ نے دیکھا تو نیچے گر پڑی

بشکریہ آل انڈیا ریڈیو (اندور)

از- ابراہیم اشک
وینس پریس ۲۳۶ کملا مارکیٹ نئی دہلی

غزل

لُٹ گئے جن کے دل گھروں جیسے
اب وہ لگتے ہیں مقبروں جیسے

بات کیا ہے نہ جانے اب گھر میں
لوگ رہتے ہیں بے گھروں جیسے

بستیاں ہیں کہ پربتوں کا دیس
سب کے چہرے ہیں پتھروں جیسے

آسمانوں کو تکتے رہتے ہیں
سب پڑے ہیں کٹے پروں جیسے

اُن کی باتیں ہیں دیوتاؤں سی
ڈولتے ہیں جو سر پھروں جیسے

کیسے جنگل میں گھر گیا ہوں میں
پھول لگتے ہیں پتھروں جیسے

اشک ہم دیکھنے کی چیز ہوئے
جب سے اُجڑے ہیں کھنڈروں جیسے

سطوت رسول
ڈاکٹر ذاکر حسین لائبریری جامعہ نگر نئی دہلی

غزل

یادوں کے چہرے کتنے پریشاں سے لگے
تم بھی لُٹے نگر میں کچھ انجان سے لگے

کل شب تمہاری بزم میں تھے درمیاں رقیب
پہچاننے کے بعد بھی انجان سے لگے

لہرا رہی تھی دیر سے اک موجۂ خیال
کاغذ کی ناؤ میں کئی طوفان سے لگے

ہر ایک دوسرے سے بہت مختلف تھے لوگ
سب آشنا مجھے یہاں حیران سے لگے

پتھر چلاؤ، اب کے برس رُت عجیب ہے
پھیلاؤ راستوں کو، یہ ویران سے لگے؟

سطوت یہ دھوپ چھاؤں یہ قربت یہ فاصلے
لمحوں کے بوجھ عمر پہ نادان سے لگے

اُردو شاعری میں نقوشِ زنداں

ڈاکٹر کشور سلطان۔ شعبۂ اُردو گریجویٹ کالج موتی تلوینیہ (اندور)

انسان جس کی رگوں میں فطری طور پہ آزادی کا احساس تیزی کے ساتھ رواں دواں ہے۔ صدیوں سے آزادی کی تلاش میں سرگرداں نظر آتا ہے۔ قدم قدم پر وہ قید و بند طوق و سلاسل اور دار و رسن کی صعوبتوں کا شکار ہوتا آیا ہے اور نجات کا نور اس کے قید کی آہنی سلاخوں کے باہر نیلگوں آسمان کی بے کراں وسعتوں میں غبار کی طرح جھلملاتا ہوا دکھائی دیتا ہے مگر دسترس سے دور ——!!

دائمی احساس غلامی کا مارا ہوا انسان غموں سے آزاد ہو کر خوشی کے گیت تو گاتا ہے۔ مگر اس کے گیتوں میں غلامی سے نجات کا جذبہ کبھی انفرادی آزادی کی گونج بن کر اُبھرتا ہے تو کبھی اجتماعی غلامی کی یہ جد و جہد رہتی دنیا تک بھی قائم رہتی ہے۔

دنیا کی ہر زبان کی شاعری میں ہمیں آزادی کی جد و جہد اور غلامی سے نجات کے زمزمے ملیں گے۔ فارسی شاعری کے تتبع میں اُردو کی ابتدائی شاعری میں بھی حسن کی اسیری، زلف کی قید اور قفس و بلبل کے استعاروں کو موضوع بنا کر شعرا نے اپنی بے بسی اور مجبوری کا ڈھنڈورا دیا ہے۔ عوام کی زبان میں اپنے مذہبی عقائد کا اظہار کرنے والے صوفی شعرا نے زندگی کو قید سے تعبیر کیا اور جسم کو زنداں کا نام دیا ہے۔ اور اس سے نجات کو حقیقی آزادی سے موسوم کیا ہے۔ فارسی شاعری میں مولانا رُوم نے اپنی مثنوی کی بنیاد اسی تصور پر رکھی ہے اور پوری مثنوی میں یہ تمثیل قائم رکھی ہے ؎

بشنو از نے چوں حکایت می کند
وز جدائی ہا شکایت می کند

صوفیائے کرام کے یہاں تو یہ تراکیب محض استعارے کے طور پر استعمال ہوتی تھیں۔ لیکن بعد کے شعرا نے ان کو مجازی رنگ دے دیا۔ اس طرح مختلف تراکیب وجود میں آئیں۔ جیسے اسیرِ زلف، گرفتارِ بلا۔ اسیرِ قفس، صید و صیاد، دام و دوام وغیرہ یہ سب ایسی ہی اصطلاحیں ہیں جن میں "نقوشِ زنداں" کا مجازی عکس نمایاں ہوتا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

ستم ہوا ہے اسیروں پہ اتنا صیاد
چمن چمن کہیں بلبل کی اب صدا بھی نہیں (سودا)

با رہا ہم اس چمن میں آگئے اشیاں تو کیا
ہے گل میں آب و رنگ وفا کی تو بو نہیں (سودا)

اب فا بہت ہے شورِ بہاراں ہم کو مت زنجیر کرو
اپنی ہوس کچھ ہم بھی نکالیں دھوم ہم کو مچانے دو (میر)

[illegible] زنداں نے نکلا ہے وحشت دوانی کا
داغ ہی دل میں رہا لالۂ صحرائی کا (آتش)

ممکن نہیں نجات اسیرانِ عشق کو
یہ قید وہ نہیں کہ جو زنداں سے دور ہو (آتش)

جو دیکھتے تری زنجیرِ زلف کا عالم
اسیر ہونے کی آزاد آرزو کرتے (آتش)

اسیرِ پنجۂ عہدِ شباب کر کے مجھے
کہاں گیا مرا بچپن خراب کر کے مجھے (مضطر)

قفس میں مجھ سے رودادِ چمن کہتے نہ ڈر ہمدم
گری ہے جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیاں کیوں ہو (غالب)

لیکن جہاں سے اُردو شاعری میں قید و بند، ظلم و ستم، ظلمتِ زنداں، زنجیر و قفس کا مفہوم حقیقی شکل میں ہمارے سامنے آتا ہے وہ ہماری سیاسی غلامی کا دَور ہے جو مغلوں کے زوال کے بعد

شروع ہوتا ہے جب ایسٹ انڈیا کمپنی مکمل طور پر اقتدار میں آکر پورے ملک کو اپنا محکوم بنا چکی تھی اور اس کے ظلم وستم اور حد سے تجاوز کی ہوئی ناانصافیوں کے خلاف ہر ہندوستانی کے دل میں بغاوت کا جذبہ پرورش پا رہا تھا۔ شہنشاہ شاہ عالم کی بے دست وپائی نے اکثر شعراء کو متاثر کیا جن میں کمال نے اس طرح احتجاج کیا ہے۔

اسی سے سمجھو رہا سلطنت میں کیا رتبہ
ہو جبکہ محل سراؤں میں گوردوں کا پہرا
نہ شاہ ہیں نہ وزیر اب فرنگی ہیں مختار

انھیں احساسات کا ردِ عمل اس طرح رونما ہوا کہ ۹ مئی ۱۸۵۷ء کو انگریزی فوج کے ہندوستانی سپاہیوں نے میرٹھ میں بغاوت کا علم اٹھا کر قومی جنگ کا آغاز کیا جسکو انگریزوں نے غدر کا نام دے کر اس کی اہمیت کو کم کرنے کی کوشش۔ لیکن حقیقت میں یہ انقلاب تھا جسنے پورے ملک میں پھیل کر کمپنی کی حکومت کے سامنے زندگی اور موت کا سوال کھڑا کر دیا جس کو کچلنے کیلئے انگریزوں نے نہایت انسانیت سوز مظالم اور بدترین اخلاقی جرائم کا ارتکاب کیا۔ اس کے ساتھ یہ بات قابلِ لحاظ ہے کہ اس بغاوت کے پیچھے نہ کوئی نظام تھا نہ کوئی تحریک، نہ کوئی واضح منزلِ مقصود، پھر بھی یہ قومی آزادی کی پہلی جنگ تھی جس کو ہندوستانی عوام ہار گئے۔ لیکن اس جنگ نے سارے ملک کو اس سرے سے اس سرے تک بیدار کر دیا "صیاد" کے ظلم وستم کی کھلی تصویر لوگوں کے سامنے آگئی اور انھیں اپنے پاؤں کی زنجیروں کی جھنکار صاف طور پر سنائی دینے لگی۔ واجد علی شاہ اختر نے خود اپنی مثنوی "حزنِ اختر" میں انگریزوں کے ہاتھوں اپنی گرفتاری کا حال بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔

ہوئے بند در قید خانے کے جب
کھول کیا دکھ گزرا ستم اور غضب
کوئی رنج زنداں میں ایسا نہیں
جو . . . . سر و پا کو پہنچا نہیں
وہ آ . . . . دل . . .
. . . . . زندا . . . . . .

کہ یہ بے گنہ قید میں ہے تباہ
شب و روز زنداں میں کرتا ہے آہ

اسی طرح بہادر شاہ ظفر نے "قیدِ فرنگ" کے عنوان سے اپنی ایک نظم میں یوں بیان کیا ہے ؎

کوئی بلا ہے خانۂ زنداں یہ آسماں
چھٹنا محال اس سے ہے جبتک ہے تن میں جاں

بہادر شاہ ظفر پر جو کچھ مظالم انگریزوں نے ڈھائے ہیں وہ کسی ہندوستانی سے پوشیدہ نہیں۔ ہمارا تاجدار شاعر ظفر کس یاس و حسرت سے کہتا ہے ؎

کیا طائرِ اسیر وہ پرواز کر سکے
جس میں دم اتنا دم ہو کہ آواز کر سکے

اس دور کے سب سے بڑے شاعر مرزا غالب کے اشعار میں زنداں کے نقوش اس طرح واضح ہوئے ؎

چوک جس کو کہیں وہ مقتل ہے
گھر بنا ہے نمونۂ زنداں

اسی طرح منیر شکوہ آبادی جنھوں نے ۱۸۵۷ء کی تحریکِ آزادی میں حصہ لینے کے جرم میں کالے پانی کی سزا پائی اپنی نظم "داغِ غم" میں کہتے ہیں ؎

بھیڑیوں سے بچ گیا ہے جو چند یوسف اے فلک
خانما برباد اسیرِ بند و زنداں ہو تو کیا

منیر شکوہ آبادی کے علاوہ اس دور کے بہت سے شعراء نے ۱۸۵۷ء کی تباہی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ ان میں مفتی صدرالدین آزردہ۔ قاضی فضل حسین خاں افسردہ۔ محمد علی تشنہ، ظہیر دہلوی، حکیم آغا جان عیش قابلِ ذکر ہیں انھوں نے اپنے عزیزوں دوستوں کی کہیں تاریخ وفات کہیں مرثیے لکھے۔ مصیبتیں بیان کیں اور دردِ شہر آشوب، فغانِ دہلی، انقلابِ دہلی، نوحہ دہلی، داستانِ دہلی، ہنگامۂ دار وگیر، گنج شہیداں وغیرہ کے عنوانات سے اپنے احساسِ غلامی کو اجاگر کر کے غیر شعوری طور پر ایک لائحہ عمل تیار کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اردو میں ایک نیا موڑ ابھرنے لگا۔ وہ تھا قوم پرستی اور وطن پرستی کا . . . . . جس کا . . . احساس آزاد، حالی اور شبلی وغیرہ کے یہاں ہوتا ہے آزاد . . . . سانحہ! کبھی کے یہاں جو بات . . .

درجہ رکھتی ہے وہ ہے قومی کا احساس جس سے نجات کے لئے یہ لوگ اپنے اپنے انداز سے جدّوجہد کرتے ہیں۔ یہ بات صحیح ہے کہ دونوں کے یہاں انقلابی لب و لہجہ اور باغیانہ جوش و خروش کا فقدان ہے لیکن بہتر زندگی کی خواہش اور حالات کو سازگار بنانے کی تمنا دھڑکتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ اسی دور میں جنھیں نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ ان میں اکبر الہ آبادی۔ محمد حسین آزاد۔ اسمٰعیل میرٹھی شبلی نعمانی کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

اسی دوران محض اصلاح کی تحریک نے آزادی کے خیال کی تقویت حاصل کی۔ اکبر الہ آبادی چکبست، حسرت موہانی۔ ظفر علی خاں اور تلوک چند مرحوم جیسے شعراء نے قوم پرستی اور حب الوطنی کو نیا جوش اور ولولہ عطا کیا۔

اب چوں کہ لوح و قلم اور خونِ دل سے کام لیا ہی جانے لگا تھا۔ مگر جذبات و احساسات کے اظہار کے لئے استعاروں کی آڑ لینا پڑتی تھی۔ حسرت موہانی کو چکّی کی مشقت بھی گوارا تھی ۔

ہے مشقِ سخن جاری چکّی کی مشقت بھی
کیا طرفہ تماشا ہے حسرت کی طبیعت بھی

کچھ اور مثالیں ملاحظہ ہوں۔ تلوک چند محرومؔ کہتے ہیں۔

بیڑیاں بیلی نظر آتی ہیں دیوانوں کی
توڑ ڈالیں گے یہ دیوار کو زندانوں کی

اور ——

پھول ہو جائے گا چھاتی پہ جو پتھر ہوگا
قید خانہ جسے کہتے ہیں وہی گھر ہوگا

محمد علی جوہر کہتے ہیں ——

یا الٰہی طوقِ لعنت ہو نہ گردن میں یہاں
غم نہیں گر یاں ہمارے پاؤں میں زنجیر ہے

جوش کی بلند آواز گونجتی ہے ۔

جھکا وہ فرقِ آسماں اٹھی وہ تیغِ بے نیام
ہم اپنے ملک و قوم کو رکھیں گے کیا صدا غلام
جوانیوں کو سرد و منجمد ہوا بھی نہیں

فیض نے کہا کہ۔۔ زباں پہ مہر لگی ہے تو کیا کہ رکھ دی ہے
ہر ایک حلقۂ زنجیر میں زباں میں نے

آخر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ غلامی کی زنجیریں کٹ گئیں۔ وطن آزاد ہوا۔ مگر اس کامیابی کے باوجود انسانی فطرت کا تنوع اسے احساس دلاتا رہا ہے کہ یہ آزادی بھی غلامی کا ایک بوجھ نہ بن جائے۔ اسی لئے جس منزل کے لئے وہ سرگرداں تھا ابھی تک اس کے قدم وہاں نہیں پہنچے مگر بقول جاں نثار اختر غم کے شعلے کو ابھی اور فزوں ہونا ہے۔

آزاد ہندوستان کا آزاد شاعر اب بھی بعض سماجی برائیوں کا اسیر ہے اور وہ اپنے سماج اپنے ملک کو تعصب، غبار، فرقہ واریت اور لسانی جھگڑوں وغیرہ کی زنجیروں سے آزاد کرانے میں نبرد آزما ہے۔

غرض یہ کہ شاعری ہر حال میں ازآں دم تا ایں دم روسو کے اس خیال کی تفسیر بنی گئی ہے کہ انسان آزاد پیدا ہوا ہے۔ لیکن وہ ہر جگہ زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔ (بشکریہ آل انڈیا ریڈیو اندور)

غزل

ساغر پالم پوری

دردِ پیہم ہے جو کبھی حد سے گزر جائیگا
کتنے ارمانوں کا شیرازہ بکھر جائیگا

چاہے گمنام جزیرے پہ سفینہ رکھو
دور تک اُسکے تعاقب میں بھنور جائیگا

نہ کرو یاد مگر ملنے کا وعدہ تو کرو
اِس طرح دامنِ اُمید تو بھر جائیگا

جس سے خائف بنے مارا ہے معلوم نہیں
ایک دن اپنے ہی سائے سے وہ ڈر جائیگا

حسرت و یاس کے عالم میں یہی ہے سہم
تو مرے پاس نہ آیا تو کدھر جائیگا

آرزوؤں کے نشیمن کو جلانے والے
یاد رکھ لے یہ دھواں تیرے ہی گھر جائیگا

ڈال دے جام میں تو عکسِ نظر ہی ساقی
پینے والوں کا مقدر تو سنور جائیگا

مل گیا اسمیں مرے دل کا لہو تو ساغر
اور بھی رنگ بہاروں کا نکھر جائیگا

عکس آئینے کے

ہرچرن چاولہ کے افسانوں کا تازہ مجموعہ جسے اتر پردیش اردو اکادمی نے ایوارڈ دیا ہے۔ مختصر افسانوں کا تنہا مجموعہ جسے اکادمی نے انعام سے نوازا ہے۔ پہلی فرصت میں منگائیے۔ ناپسندیدگی کی صورت میں قیمت واپس۔

قیمت: ۱۵ روپے۔ ۔۔۔

[illegible] شان ہند نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵

عزیز اندوری

معیار کی کسوٹی پر

میر انیس سے تعارف:

بیگم صالحہ عابد حسین کا نام انیس پر تفصیل سے کام کرنے والوں کی فہرست میں نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ موصوفہ نے اُردو مرثیہ اور خصوصاً میر انیس کی مرثیہ نگاری پر کئی مختصر مضامین لکھے ہیں ان میں سے چند مضامین کو کتابی شکل میں شائع کرکے انھوں نے اس کمی کو کسی حد تک پورا کرنے کی کوشش کی ہے جو انیس کے کلام پر عدم توجہی کی وجہ سے اہلِ قلم کے لئے شکایت کا باعث بنی رہی۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انیس نے اپنی شعری استعداد اور فکری تعمق کو جس انداز سے پیش کیا اُسے اُردو شاعری کا کارنامہ کہا جا سکتا ہے۔ لیکن اس کی جانب بھرپور طریقے سے توجہ نہیں دی گئی اور انیس پر بجز چند کتب کے کوئی لائق تسلی یا مبسوط کام نہ ہو سکا۔ ان میں سے چند کتب تو لاحاصل مباحث کی شکل اختیار کر گئیں جس کی شکایت صالحہ عابد حسین نے اپنی کتاب میں کرتے ہوئے لکھا ہے "ان کا مرتبہ اور مقام پوری طرح جاننے کے لئے ابھی اسکی بہت ضرورت ہے کہ انیس پر بے تعصبی اور غیر جانبداری سے کام لیا جائے"

"میر انیس سے تعارف" میں بیگم صالحہ نے اس شکایت کو کسی حد تک دُور کرنے کی کوشش کی ہے اور اختصار سے کام لینے کے باوجود مراثیٔ انیس کے بعض انتہائی اہم پہلوؤں کو نمایاں کیا ہے۔ اس سلسلے میں ان کے مضامین "کلام انیس میں ہندوستانی تہذیب" اور "مراثی انیس میں خاندانی زندگی کی جھلکیاں" بطور خاص قابلِ ذکر ہیں۔

بیگم صالحہ عابد حسین نے اس خیال کو رَد ۔۔۔ ہے جس کے تحت انیس پر یہ اعتراض کیا جاتا رہا ہے کہ انھوں ۔۔۔ مجاہدوں کو جن کا تہذیبی پس منظر ۔۔۔ کی سیدھی سادی بدوی ۔۔۔ تھی ہندوستانی ۔۔۔ رنگ کر واقعاتِ کربلا کی غلط تصویریں پیش کی ہیں...... نیز خواتینِ اہلِ بیت کی تہذیب رہن سہن اور بول چال ہندوستانی رنگ میں رنگ جاتی ہے جو حقیقت اور اصلیت سے کوسوں دُور ہے اور تاریخی غلطیوں کا مرتکب ہو جاتی ہے۔ اسی طرح

انھوں نے اس اعتراض کو بھی رَد کیا ہے جو مراثی انیس پر کیا جاتا رہا ہے کہ انھوں نے اپنے مرثیوں میں جن حسین اور دلفریب مناظر کا ذکر کیا ہے وہ عرب کی پہاڑیوں اور صحراؤں میں کہاں پائے جاتے ہیں؟ نیز یہ کہ انیس اس سلسلے میں حد سے تجاوز کر گئے ہیں۔

مصنفہ نے ان اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے۔ کہ "شاعر ہر وقت حقیقت نگاری پر تلا ہی رہتا ہے یہ انیس کی خامی نہیں سوچی سمجھی کوشش ہے کہ وہ ان آفاقی کرداروں کو مقامی پس منظر میں دکھا کر اپنے سامعین کے دل سے اور زیادہ قریب کرنا چاہتا ہے اسی طرح شاعر جب صبح بہارات کی منظر کشی کرتا ہے تو یہ ضروری نہیں کہ ہر وقت وہ یہ بات پیش نظر رکھے کہ یہ صحرائے عرب ہے اسکی شاعرانہ خلاقی جب زور پر ہوتی ہے تو یہ چیزیں فروعی رہ جاتی ہیں لیکن ایک بات اور بھی ہے جس کی طرف کم لوگوں نے دھیان دیا ہے کہ ریگستان میں جہاں نخلستان ہوتے ہیں ان کی سرسبزی اور شادابی اور حسن فطرت لاجواب ہوتا ہے عراق کا وہ علاقہ جسے دریائے دجلہ اور فرات سیراب کرتے ہیں ایسا ہی نخلستان ہے اور کربلا کا میدان وہیں واقع تھا اس لئے اگر انیس وہاں صبح کی منظر کشی میں گلشن و جنگل و باغ کے دلکش مناظر کی عکاسی کرتے ہیں تو کوئی بہت دور از کار بات نہیں"

مصنفہ کا ارشاد بجا لیکن جس نخلستان کا انھوں نے ذکر کیا ہے انیس نے اپنے مراثی میں منظر کشی کرتے وقت صرف انھیں پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان سے تجاوز بھی کیا ہے۔ مگر جیسا کہ مصنفہ کا خیال ہے کہ شاعر کی شاعرانہ خلاقی جب زور پر ہوتی ہے تو یہ چیزیں فروعی رہ جاتی ہیں۔ غالباً اسی لئے انیس صحرائے عرب سے گزر کر گلشن لکھنؤ تک پہونچ جاتے ہیں اور اگر مصنفہ کے اس خیال سے اتفاق کر لیا جائے کہ "یہ انیس کی خامی نہیں سوچی سمجھی کوشش ہے کہ وہ ان آفاقی کرداروں کو مقامی رنگ کے پس منظر میں دکھا کر اپنے سامعین کے دل سے اور زیادہ قریب کرنا چاہتا ہے" تو پھر "شاعر کا ہر وقت حقیقت نگاری پر ہی تلا رہتا ہے" معلوم۔؟

بیگم صالحہ نے ۔۔۔ مراثی انیس کو محض جذباتی انداز میں پڑھ لینے

اور انھیں شکوا آنسو بہا دینے والے سے بھی سخت اختلاف کرکے ان میں مضمر ان پہلوؤں کو تلاش کرنے پر زور دیا ہے جن سے صبر و استقلال راضی برضا رہنے اور ثابت قدمی کی تعلیم اور خدا کے حکم پر سر جھکانے کا درس ملتا ہے نیز ان مراثی میں موجود اخلاقی قدروں کی پیروی کرنے پر توجہ مبذول کرائی ہے۔

انیس کے قادر الکلام ہونے میں کسی کو شبہ نہیں بیگم صالحہ عابد نے اس پہلو کو بھی کافی مدلل انداز میں پیش کیا ہے لیکن زبان و بیان کے معاملے میں بعض بعض جگہ انھیں مثالوں کو دہرا دیا ہے جنھیں شبلی موازنۂ انیس و دبیر میں پیش کرچکے ہیں۔ مثلاً شبنم اور اوس کے استعمال میں انیس کی مہارت یا پھر دبیر و انیس کے ان دو مصرعوں کا موازنہ جن میں دونوں شعرا نے ایک ہی موضوع کو دہرایا ہے۔ وہ مصرعے اس طرح ہیں:-

ع فرمایا "میں حسین علیہ السلام ہوں" دبیر

ع مولا نے سر جھکا کے کہا "میں حسین ہوں" انیس

لیکن اس کے باوجود مصنفہ نے انیس کی قادر الکلامی منظر کشی کے ساتھ ساتھ اپنے ان مختصر مضامین میں بہت سے ایسے پہلوؤں کو بھی ابھارا ہے جن کا تعلق انسان کی نفسیات اس کے اخلاق اور اس کے معاشرتی مذہبی سلسلے سے بڑا گہرا ہوتا ہے۔

کتابت وطباعت اور سرورق نفیس اور دلآویز ہے۔ ۱۰۸ صفحات کی یہ کتاب ۷ روپے کے عوض مکتبہ شان ہند سے بھی حاصل کی جاسکتی ہے

پیش دستی

اُردو شاعری میں طنز و ظرافت کو اسواسطے اہمیت حاصل رہی ہے کہ اس کے ذریعے شاعر جہاں اپنا کام نکال لینا چاہتا ہے وہیں وہ اس پہلو کو بھی نظر انداز نہیں کرتا جسکے ذریعے اجتماعی یا انفرادی اصلاح مقصود ہو۔ اخلاقی نقطۂ نگاہ سے بھی ایسی شاعری بڑی اہمیت رکھتی ہے لیکن اس کے لئے سنجیدہ رویے اور شگفتہ لہجے کی شرط اولین ہے۔ شاعر اپنے سماج اور اس کی مضحکہ خیز یا بے جان روایتوں پر طنز کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی اصلاح کا بھی طالب ہوتا ہے جس کے لئے اسے ان تمام پہلوؤں اور روایتوں پر گہری نظر رکھنی پڑتی ہے جو سارے سماج کے لئے نہ صرف مضر بلکہ زہر ہلاہل بن جاتی ہیں۔ گویا شاعر کے احساسات ایسے زہریلے اثر کے لئے تریاق بن جاتے ہیں اور سماج کو ایک بڑے وبال سے نجات دلانے پر شاعر کو اُکساتے رہتے ہیں اسے تصنع، فریب، ریا، کذب، ظلم و تشدد استبداد اور جبر سے بیزار ہونے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ کیونکہ شاعر جہاں احساسات دلفریب کا دلدادہ ہوتا ہے وہیں وہ سماجی حالات کو پرکھنے میں بھی بیداری کا ثبوت دیتا ہے یہ بات الگ ہے کہ وہ اپنے ثبوت کے لئے مختلف النوع رویّوں کو پسند کرتا ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اُردو میں طنز و مزاح کے سلسلے میں DIRECT رویے کو صرف پسند ہی کیا جاتا رہا ہے بلکہ اس سے براہ راست متاثر ہونے والی بھی کئی مثالیں مل جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اُردو کی طنزیہ اور مزاحیہ شاعری سماجی حالات کا محاصرہ کرتے وقت DIRECT رویّے کی شکل میں قابلِ قبول بھی گئی ہے۔

اعجاز وارثی بھی اسی رویّے کے قائل ہیں اسی لئے ان کے مجموعے میں ان موضوعات پر براہ راست "حملے" ملتے ہیں جو سماج کی بے جان و اُبوتا اور ظلم و تشدد یا مکر و فریب کی "دلآویزی" سے متعلق ہیں۔ اس سلسلے میں تو یہ خیال ہے کہ طنز کو ایک طرح کی تنقید اور قسم کا عمل جراحی کہا گیا ہے۔ تنقید بھی اس سخت جو معاشرے کی خامیوں اور بدنمائیوں کو علی الاعلان سامنے لاتی ہے۔ سوسائٹی کے ناسوروں کو کریدتی ہے اور پٹیوں کو ادھیڑ کر متعفن زخموں کو نمایاں کرتی ہے اس تنقید میں ظاہری ہمدردی کے لب و لہجہ سے عمداً احتراز کیا جاتا ہے" بڑی حد تک ان کے مزاجی رویّے کو ظاہر کرتا ہے نیز اس کی روشنی میں ان کے کلام کو پڑھنے میں آسانی بھی ہو جاتی ہے۔ کلام اعجاز کو سماجی خامیوں کی گرفت کرنے اور سوسائٹی کے ناسوروں کو کریدنے والا "معجز نما" پہلو تو کہا جاسکتا ہے۔ بطور خاص ان پہلوؤں کے مطالعہ کے بعد ذہن شدید تاثرات کو قبول کرتا ہے جن میں انھوں نے بناوٹی چہروں کو بے نقاب کرنے کی کوشش کی ہے لیکن اس کتاب کے بڑے حصّہ کو شعرا کی (خاص طور سے متشاعر اور خود نمائی کے قائل) "بے نقابی" کے لئے وقف کرکے ایک ہی موضوع کو جس طرح بار بار دہرایا گیا ہے اس سے طبیعت اکھڑنے لگتی ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ اس قسم کے "تماشے" بیشتر مشاعروں میں دیکھنے کو مل جاتے ہیں لیکن یہ بھی اصنف ہے کہ جب تک ہمارے تفریح پسند سامعین اور ادب نواز زندہ ہیں اس میں کمی نہیں آسکتی پھر بھی اتنا تو ضرور کہا جاسکتا ہے کہ اعجاز وارثی جس موضوع کو چھوتے ہیں

اس کے تمام اچھے اور بُرے پہلوؤں کو پیش کرتے وقت وہ اس حد تک ضرور کامیاب ہو جاتے ہیں جس کی طرف فکر تونسوی نے اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے "وہ روزمرّہ زندگی کا دوغلا پن، مکاریاں، ناہمنگی اور مُلمّع بازی دیکھتے ہیں جو ان کے جسم و رُوح میں بسی ہوئی تہذیبی قدروں سے ٹکراتی ہیں تو جہاں اعجاز وارثی صاحب کو مضحکہ خیز لگتی ہیں وہاں ان کی سوچ میں ایک کرب بھی پیدا کر دیتی ہے اور مسکراہٹ اور آنسو ان کے اشعار میں بیک وقت جنم لیتے ہیں"۔

"پیش دستی" میں شامل بعض نظمیں اپنے موضوعات کی وجہ سے بڑی کارآمد اور مؤثر ہیں خاص طور سے ان میں موجود تنی اصلاحیں شاعر کی فکری عمق کا ثبوت بہم پہونچاتی ہیں۔ چند مثالیں دیکھئے۔

عود و عنبر کی مہک میں پڑھنے والوں کا ہجوم
حلقۂ دہقاں میں جیسے پیری کی حاضرات
(جشنِ مشاعرہ)

تشنگی تھی اس طرح بیل باٹم اک "بیپ" کی کمائی پر
کہ جیسے کوئی تنقیدی مقالہ دورِ حاضر پر
(بیچاروں کی انتخابی مہم)

دشمنانِ ملک سے سرکار کچھ کہتی نہیں
نام کی ندی ہے یہ بارش میں بھی بہتی نہیں
(رجحوں کا مستقبل؟)

فخر سے استادِ غرّاں کل یہ فرمانے لگے
میرے شاگردوں کی شہرت آسماں پر چڑھ گئی
سنتے ہی اک شاعرِ خوش فکر نے پھبتی کہی
روپیہ روپیہ ہی رہا اور ریزگاری بڑھ گئی
(روپیہ اور ریزگاری)

اعجاز وارثی کی بیشتر نظموں میں ان کے لہجہ کی وہ بے ساختگی بھی ملتی ہے جو طنز و ظرافت کے لئے ناگزیر ہے۔ ان کے اسی لہجہ نے ان کی ذہنی پختگی نے بھی کئی نمایاں پہلوؤں کو ان کی نظموں میں شامل کر دیا ہے جس کی وجہ سے وہ جس موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں اس میں بڑی حد تک کامیاب نظر آتے ہیں۔ اگر مندرجہ ذیل مصرعوں کے خط کشیدہ الفاظ و تراکیب پر نظرِ ثانی کر لی جائے تو بہتر ہے۔

ع　محفلِ شعر میں "حرکت" کا اشارہ ہوگی۔
ع　"راشن و کوٹہ" کا دھندہ پیشۂ اوّل ہے آج

کتابت و طباعت مناسب ہے۔ چھ روپے کے عوض یہ کتاب مکتبہ شانِ ہند سے بھی حاصل کی جا سکتی ہے۔

حامد اللہ افسر　حیات و کارنامے

اختر یزداں محسن نے اردو کے ایک ایسے شاعر و ادیب کی زندگی اور ان کے شعری و ادبی کارناموں کا جائزہ لیا ہے جنھوں نے اوائل عمری سے شعر و ادب کے صالح اور قدیم روایتوں کو اختیار کر کے چند کارہائے نمایاں ضرور انجام دیئے ہیں۔

حامد اللہ افسر نے جہاں شعر و ادب کے بعض سنجیدہ پہلوؤں کی جانب توجہ دی وہیں بچّوں کی نفسیات اور مسائل پر بھی انھوں نے جس سنجیدگی سے لکھا ان کے ہم عصروں میں شاید ہی کوئی دوسرا ایسی مثال قائم کر سکا ہو۔ اس سلسلے میں جو موضوعات ان کے دائرۂ خیال میں آئے انھیں بھرپور شعری قالب میں ڈھالنے میں وہ پوری طرح کامیاب نظر آتے ہیں۔ ان کی شعری و ادبی استعداد اور فکری استحکام کے ارتقائی عمل کا اختر یزداں محسن نے پوری طرح جائزہ لیا ہے مصنف نے مرحوم کے ابتدائی حالات اور شعر و ادب سے ان کی دلچسپی کے تعلق سے جس قدر واقعات لکھے ہیں ان سے ان کے شعری و ادبی شغف کا پتا چلتا ہے۔

یوں تو افسر مرحوم کو عام طور پر "بچّوں کا افسر" کی حیثیت سے یاد کیا جاتا ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ انھوں نے جس طرح سنجیدگی کے ساتھ شعر و ادب کے دوسرے اہم پہلوؤں کی جانب توجہ دی اس کا اندازہ اس کتاب میں شامل ان کی ۲۳ تصانیف کی فہرست سے بھی لگایا جا سکتا ہے جن کا مصنف نے تجزیہ کر کے ان کی ادبی اہمیت کو تسلیم کرایا ہے۔ اختر یزداں محسن نے ان میں سے بیشتر مضامین کا تجزیہ کرتے وقت مرحوم کے نظریۂ شعر و ادب اور تنقیدی شعور پر بھی خاصی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اس سلسلے میں انھوں نے صاحب الرائے حضرات کے اقتباسات کو بھی شامل کیا ہے جو افسر مرحوم کی ادبی و شعری حیثیت کو واضح کرتے ہیں لیکن بعض بعض صورتوں میں اقتباسات کی تفصیل مصنف کی رائے پر مسلط ہو جاتی ہے۔ لیکن اس کی مثالیں بہت کم ہیں۔

مرحوم کے نجی حالات کے مقابلے میں شعری و ادبی کارناموں پر زیادہ روشنی ڈالی گئی ہے۔ پھر بھی ان کی زندگی کے جس قدر حالات درج کئے گئے ہیں ان سے مرحوم کی ذہنی تربیت، مزاجی کیفیت اور نظریۂ شعر و ادب بڑی حد تک آشکار ہو جا سکتا ہے۔ نیز جن کے ذریعے بعض ایسے پہلو بھی اُبھر کر سامنے آگئے ہیں جو مرحوم پر مزید تفصیل سے تحقیقی کام کرنے والوں کے لئے ابتدائی زینہ بن سکتے ہیں۔

کتابت و طباعت مناسب ہے۔ دو سو صفحات کی یہ کتاب آٹھ روپے کے عوض مکتبہ شاہراہ ہند سے بھی حاصل کی جا سکتی ہے

شامِ میکدہ

شامِ میکدہ دیس راج یکتاؔ کے کلام کا مجموعہ ہے جس میں تقریباً ۲۵ غزلیں ۲۶ نظمیں ۱۲۵ قطعات و رباعیات ۲۲ متفرق اشعار اور طنز و مزاح کے تحت ۹ مزاحیہ اور طنزیہ غزلیں شامل ہیں ۲۸۳ صفحات پر مشتمل اس کتاب کے مطالعہ کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یکتاؔ شعر و ادب کے ان موضوعات اور شکلوں کو برتنے کے قائل ہیں جنکا تعلق قدیم شعری روایتوں سے رہا ہے اسکا سبب غالباً یہی ہے کہ موصوف نے جس شعری ماحول میں آنکھیں کھولیں اس میں ان شعراء کا "بول بالا" تھا جو بڑی حد تک شعری روایتوں کے صالح پہلوؤں کے قائل تھے ان شعراء کی قربت اور صحبت میں یکتاؔ کی ذہنی تربیت اور ادبی نشو و نما ہوا۔ حاجی لق لق۔ مجید لاہوری۔ احسان دانش، سالکؔ، الطاف مشہدی، عبدالحمید عدمؔ اور اختر شیرانی کی قربت نے ان کے میلانِ طبع اور فطری ذوق کو ایسی شعری روایتوں سے نزدیک تر کر دیا جو مذکورہ شعراء کے کلام کی "اہمیت" تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ "شامِ میکدہ" میں ایک طرف اختر شیرانی کا رومانی لہجہ نظر آتا ہے تو دوسری طرف احسان دانش کے نکھرے ہوئے سماجی شعور کے نشانات بھی ملتے ہیں اگر اس میں کلام عدمؔ کے کیف سرور اور رندی و مستی کا نکھار نظر آتا ہے تو دوسری جانب مجید لاہوری اور حاجی لق لق کے چبھتے ہوئے طنزیہ لہجہ کو بھی اس میں دیکھا جا سکتا ہے۔

دیس راج یکتاؔ نے اپنی بیشتر نظموں کو حسنِ فطرت کا عکاس بنا کر پیش کیا ہے۔ ان کی اکثر نظموں کا لہجہ شگفتہ و رومانی ہے مثلاً "گھاٹ کی رات" "گنگا کے کنارے" "اے دیش سے آنے والے بتا" کا رومانی لہجہ کافی حد تک متاثر کرتا ہے۔ چند نظمیں جیسے "ایک غریب ناکام عاشق کا خط اپنی محبوبہ کے نام" "نوجوانان کالج سے خطاب" "پڑوسی ڈائریکٹ" نظمیں ہیں اس کے ساتھ بعض نظمیں وطنیت و اخلاقیات پر مبنی ہیں لیکن دراصل یکتاؔ یہی وہ نظمیں کسی حد تک کامیاب نظر آتے ہیں جنکا لہجہ رومانی ہے ہر چند ان کا سیاسی اور سماجی شعور بھی خود میں ہلکی ہلکی آنچ ضرور رکھتا ہے لیکن اس کی رفتار اسقدر تیز نہیں ہو پاتی کہ اسے سماج کو تبدیل کرنے والی کسی سمت سے تعبیر کیا جا سکے۔ البتہ وہ سماج کے منتشر اور ناسازگار حالات پر طنز کرتے وقت ٹھکانے کی باتیں کرنے کا شعور رکھتے ہیں مثلاً

چور بازاری کے صدقے زر پرستی کے نثار ؎ منڈیوں سے زیست کا سامان چوری ہو گیا

جینا پڑیگا اور بھی اے دلِ مضطر ؎ اب زہر بھی بازار میں اچھا نہیں ملتا

نہ کوئی پوچھنے والا نہ کوئی ٹوکنے والا ؎ ہر اک لیڈر بنا پھرتا ہے راشی خان ہا

اردو شاعری میں طنز و مزاح کا جو معیار و مزاج ہے یکتاؔ کے بعض اشعار اسے چھو کر ضرور گزرتے ہیں۔

یکتاؔ کی غزلوں میں ان شعری روایات کی عکاسی ملتی ہے جنھیں اب بھی ایک مخصوص طبقہ پوری طرح پسند کرتا ہے۔ ان کی غزلوں میں کہیں کہیں ایسے چونکا دینے والے اشعار بھی نظر آتے ہیں ؎

کیا بات ہے تو بیرِ جمالِ نظر آشوب ؎ عریاں تو ہے لیکن اسے عریاں نہیں دیکھا

قائلِ تقدیر ہے ہر بے مراد ؎ صبر گویا بے بسی کا نام ہے

بس اتنی بات پہ دنیا مجھے دیوانہ کہتی ہے ؎ کبھی تنہائی میں دو باتیں کر لیتا ہوں میں دل سے

موجوں کی کشمکش میں ذرا زندگی تو تھی

الٰہی عاقبت پسند کنارہ ملکو کیا کروں

لب جو وہ میری غزل گاتے ہیں ؎ کہ موج دریا سے موتی اچھالے

یکتاؔ کی شاعری میں ایسے اشعار جا بجا نظر آتے ہیں جن میں تقسیم ہند کی کرب ناکی بڑے واضح انداز میں موجود ہے اسی لئے یکتاؔ بار بار اپنے اس ذہنی کرب کا اظہار بڑے موثر انداز میں کرتے ہیں چند مثالیں دیکھئے

تھا نہیں در خورِ وطن شاید ؎ جو وطن بھی چھڑا دیا تو نے

اے ساکنانِ گوجرانوالہ علیٰ خیر ؎ اس سرزمینِ پاک کے پالے ہوئے ہیں ہم

قدم قدم پہ محبت نے پاؤں روکے تھے!

وطن کو چھوڑ کے آنا کوئی مذاق نہیں

یکتاؔ دیارِ غیر میں ہو قدر کس طرح ؎ اپنے ہی جب وطن سے نکالے ہوئے ہیں ہم

کاش انتخابِ کلام کے معاملہ میں ذرا سختی سے کام لیا جاتا۔ تو "شامِ میکدہ" میں ایسے مصرعے یا اشعار نظر نہیں آتے۔

ع کرتے بھی ہیں اگر تو بڑی بے رخی کے ساتھ

جس ترے غم کو چھپاتے رہے غم خوروں سے

کسی کی عنایت سے اپنا بنا لو ؎ تجھے آج توفیق دی ہے خدا نے

تمہاری اداؤں سے مسحور ہو کر ؎ تجھے پیار کرتے ہیں مجبور ہو کر

"شامِ میکدہ" میں بعض شعرا کے مشہور مصرعے معمولی سی تخفیف

کے ساتھ نظر آتے ہیں مثلاً حسرت موہانی کا یہ مصرعہ ع "مٹتا ہے تو مٹ جائے کوئی ان کی بلا سے"۔ اس طرح موجود ہے۔ ع کوئی برباد ہو اُن کی بلا سے

داغ کا یہ مصرعہ "جو دیا اے خدا دیا تو نے" کو اس طرح کی معمولی ردّوبدل کے بعد اپنا لیا ہے ع مجھ کو جو کچھ دیا دیا تو نے

اور شاد عظیم آبادی کا یہ مصرع "بڑی مشکل سے منوایا گیا ہوں" ہلکی سی تخفیف کے بعد اس طرح موجود ہے ع بڑی مشکل سے سمجھایا گیا ہوں۔

دیس راج یکتا کی زود گوئی سے انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن کاش موصوف ذرا سی توجہ کرتے اور مندرجہ بالا مصرعے شامل نہ کرتے تو "شام میکدے" کا مطالعہ کرتے وقت نظر ان پہلوؤں پر نہ اٹکتی جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ بلکہ اس مجموعہ میں شامل عمدہ پہلوؤں سے کچھ اور بھی بہتر شکل میں لطف اندوز ہو سکتی۔

یہ کتاب آٹھ روپیہ کے عوض مکتبہ شانِ ہند سے بھی حاصل کی جا سکتی ہے۔

اورینٹل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ٹونک کی ایک جھلک

سید منظور الحسن برکاتی لکچرار دار العلوم خلیلیہ ٹونک نے اس کتابچے میں یہ مطالبہ کیا ہے کہ اورینٹل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ٹونک کو راجستھان بھر میں علوم شرقیہ کی حفاظت و ترقی کا مرکز بنایا جائے اپنے اس مطالبہ کے سلسلہ میں موصوف نے انسٹی ٹیوٹ میں موجود قلمی نوادرات و مخطوطات (جن کی تعداد تقریباً چار ہزار ہے) قلمی اور نادر الوجود کتب (جن کی تعداد تقریباً تین چار ہزار ہے) کا ذکر کرتے ہوئے اس کی ادبی اور علمی اہمیت کے تمام پہلوؤں پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ نیز اس انسٹی ٹیوٹ کی ابتدا سے لیکر آج تک کی ادبی او علمی خدمات کا اجمالی جائزہ لیا ہے اور ان تمام فرماں روائے ٹونک کی جد و جہد اور علمی ذوق کا تفصیل سے ذکر کیا ہے جنھوں نے اپنی مساعی اور توجہ سے اس ادارے کو علمی اور ادبی سرمائے سے مالا مال کیا۔

اسی کے ساتھ برکاتی صاحب نے ان معتبر و مستند شخصیتوں کے تاثرات کو بھی اس کتابچے میں شامل کیا ہے جنھوں نے اس ادارے میں پہنچکر اور وہاں موجود نوادرات کو دیکھ کر اس کی اہمیت وقتاً فوقتاً کیا۔

اس کتابچے میں اہلِ علم و ادب کے اس مطالبے کو دہرایا گیا ہے جو اس ادارے کو راجستھان کے علوم مشرقیہ (اُردو۔ فارسی اور عربی مخطوطات) کے مرکز میں تبدیل کرنے کے سلسلے میں حکومت سے بار بار کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں ان اربابِ علم و اقتدار کے تاثرات کو بھی شائع کیا گیا ہے جنھوں نے نہ صرف اس ادارے کی علمی و ادبی خدمات کا اعتراف ہی کیا ہے بلکہ اسے علوم شرقیہ کے مرکز بنائے جانے کے سلسلے میں کی جانے والی ہر کوشش کو کامیاب کرنے میں اپنی خدمات پیش کرنے کا وعدہ بھی کیا ہے۔

اُمید کہ اس کتابچے میں پیش کئے مطالبہ کو حقائق پر مبنی سمجھتے ہوئے اربابِ اقتدار جلد ہی کوئی عملی قدم ضرور اٹھائینگے تاکہ علم و ادب کا وہ خزانہ جسے سخت محنت و جانفشانی کے بعد یکجا کیا گیا ہے نہ صرف اور بہتر طریقے سے محفوظ ہی رہ سکے بلکہ علم و ادب کے دلدادہ اس سے مزید استفادہ بھی کر سکیں۔

غزل

جمشید علی فیضانی

ذہن میں آئی اُلٹی سیدھی باتوں سے رشتہ توڑا
آج نہایت بے دردی سے ہم نے اپنا سر پھوڑا

شہر کی اِن اُجلی سڑکوں پر چپکیلے قدموں کی دوڑ
نادانستہ اکثر ہم بھی تیز چلے — تھوڑا تھوڑا

پیلی پیلی آنکھیں لے کر چاند نکل آیا چھت پر
نیند سے بھاری کچھ پلکوں میں پھوٹ گیا غم کا پھوڑا

تیز ہوا بھی غیر مقفّل دروازہ نہ کھول سکی
شاید سوچ رہی ہے کن کن قدموں نے رستہ چھوڑا

اب میرے کمرے میں صرف اُداسی رہتی ہے
مردہ آنکھیں، پیلا چہرہ، تن پر زخموں کا جوڑا

مَن لہٗ مکتوب الیہ

ڈاکٹر شکیلہ

ملکی محلہ، آرہ (بہار) ۳ر مارچ ۱۹۷۶ء

کرم گستر محترم جناب سرورؔ تونسوی صاحب زاد لطفہٗ

عقیدت و محبت !

کل کی ڈاک سے "شانِ ہند" کا جشنِ جمہوریت نمبر (جنوری ۱۹۷۶ء) موصول ہوا ، یاد فرمائی و ذرہ نوازی کا شکریہ ، ادبی رسالوں کی اس کساد بازاری میں غیر متوقع طور پر اتنا ادبی اور معیاری پرچہ کا دستیاب ہونا یقیناً قابلِ صد ستائش ہے ع ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند مکمل شمارہ پوری دلچسپی اور توجہ سے پڑھ ڈالا۔ بیشک شانِ ہند ادب کا بے لاگ اور بیباک ترجمان ہے۔ میری نارسائی کہ ازکار رفتہ کی پہلی دو قسطیں پڑھنے سے محروم رہا مگر یہ تیسری قسط پڑھ کر بیحد متاثر ہوا۔ زبان و ادب میں ایمانداری برتنا اتنا ہی اہم ہے جتنا زندگی کے دوسرے شعبوں میں ...... "سُن تو سہی" ..... از گوپال متل میں تحریک میں پڑھ چکا تھا۔ اس بار قندِ مکرر کا لطف آیا۔

خیال انگیز نظموں کے ساتھ ساتھ دو دو مشاعروں کی رپورٹنگ کافی دلچسپ رہی۔ حکیم جوہر شاہ وارثی بہرائچی کی شخصیت اور ان کے استادانہ کلام کا نمونہ پرچے کی زینت ہے۔

آمدم برسرِ مطلب ، اس شمارے میں سب سے زیادہ میں جس مضمون سے محظوظ ہوا وہ فاضل مصنف جناب اے عظیم صدیقی کا محققانہ مضمون "خط غلط ، املا غلط ، انشا غلط" ہے۔ موصوف نے اسمیں بڑی کاوشِ فن کا ثبوت دیا ہے اور محنت کی ہے۔ ادارہ نے اس مضمون کو جناب رشید حسن خاں کی نذر کر کے مقالے کی بیجا اہمیت کو اور بھی روشن کر دیا ہے۔ عظیم صدیقی صاحب سے اس مضمون میں ایک جگہ سہو دانستہ ہوگیا ہے جس کی نشاندہی میں ضروری سمجھتا ہوں ، یہ ایک خالص علمی معاملہ ہے۔ لہٰذا امید ہے کہ موصوف کچھ خیال نہ فرمائینگے

صفحہ ۱۹ پر ذال معجمہ کی جگہ دال ابجد لکھنے کی شعری مثالیں دیتے ہوئے موصوف نے ایک بات جو یہ لکھ دی کہ

"مرزا اسداللہ خاں نے شیطان کو فرشتہ لکھ مارا ہے

کیوں آج بیچ ذلیل کہ کل تک تھی نہ پسند
گستاخیٔ فرشتہ ہماری جناب میں"

اس کا موقع تھا نہ محل ، اور یہ قطعی غلط ہے کہ اسداللہ خاں (غالب) نے "شیطان کو فرشتہ لکھ مارا" ایک تو اس شعر میں "شیخ نجد" کے الفاظ نے شاید موصوف کا ذہن اس طرف پھیر دیا یہ صحیح ہے کہ "شیخ نجد" کا لقب شیطان ہی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ مگر غالب کے اس شعر میں "گستاخیٔ فرشتہ" کو شیطان لعین کی گستاخی سمجھنا بالکل غلط ہوگا۔ کیونکہ غالب نے یہاں پر جس واقعے کی طرف اشارہ کیا ہے وہ "شیطان کا آدم کو سجدہ کرنے سے انکار" نہیں ہے بلکہ وہ قرآنی مکالمہ ہے جو تخلیقِ آدم سے بہت پہلے اللہ تعالٰے اور ملائکہ مقربین کے درمیان ہوا تھا۔ ملاحظہ ہو سورہ بقرہ شریف کی مندرجہ ذیل آیت کریمہ :-

"وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ۖ قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَن يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۖ قَالَ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝ البقرہ"

لفظی ترجمہ :- (اور جب کہا پروردگار تیرے نے واسطے فرشتوں کے تحقیق میں پیدا کرنے والا ہوں بیچ زمین کے نائب ، کہا انھوں نے کیا بناتا ہے بیچ اس کے اس شخص کو کہ فساد کرے بیچ اس کے اور ڈالے گا لہو اور ہم پاکی بیان کرتے ہیں ساتھ تعریف تیری کے اور پاکی بیان کرتے ہیں واسطے تیرے کہا تحقیق میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے)

خدائے قدوس سے یہ سُن کر کہ وہ زمین پر اپنا نائب پیدا کرنیوالا ہے۔ ملائکہ نے خدا سے کہا کیا تُو اس کو پیدا کر رہا ہے جو زمین پر فساد کرے گا اور خون بہائے گا ؟ یہی دراصل نائبِ خدا (آدمی) کی شان میں فرشتوں کی گستاخی تھی جس پر خالقِ کُل نے فادیبا فرمایا "تحقیق میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔" فرشتے یہ ڈانٹ سُن کر چُپ ہو گئے اور انہیں اپنی اوقات معلوم ہو گئی۔

بہرحال عظیم صدیقی صاحب کا مضمون بیحد مفید کارآمد اور منفرد ہے۔ میں انھیں انکی کامیاب محنت پر مبارکباد دیتا ہوں۔ ع اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔

علام محمد عشق آبادی کا میں دیرینہ معترف و معتقد ہوں تیفرے

کا حصہ خاصا جاندار اور وقیع ہے۔ موصوف اور جناب عزیز اندوری نے علمی اور متوازن تبصرے رقم فرمائے ہیں۔ حق یہ ہے کہ تبصرہ تنقید سے زیادہ کتاب کا ہمدردانہ تعارف ہوتا ہے۔ تنقید کا میدان الگ ہے اور تبصرے کی راہ جُدا۔ میں اپنی کتاب "اردو کی نعتیہ شاعری" کی دو جلدیں بھجوا رہا ہوں امید کہ حضرت ملاّم عشق آبادی ہی اس پر تبصرہ فرمائینگے۔

شعر وسخن کا ذوق ورثا میں ملا ہے لہذا اپنی دو غزلیں ارسال ہیں۔ نذر شانِ ہند گر قبول افتد زہے عزو شرف۔ خدا کرے آپ بخیر و عافیت ہوں۔

عقیدت گزار برق حقی عفتہ

محترمی ڈاکٹر برق صاحب تسلیم و نیاز

آپ کا نامہ نظر نواز ہوا۔ اس قدر افزائی و ذرہ نوازی کا شکریہ کن الفاظ میں ادا کروں۔ میرے مضمون میں غالب یا اس کی شاعری زیر بحث نہیں بل کہ اردو زبان کی ترکیب لفظی ہے۔

جہاں تک سورۂ بقرہ کے اس حصّہ کا تعلق ہے اسمیں لفظ "الملٰئکۃ" موجود ہے جو فلک کی جمع ہے اور غالب نے فرشتہ (واحد) استعمال کیا ہے۔ اگر ایسا ہی تھا تو غالب صاحب کو "گستاخی ملائکہ اپنی جناب میں" لکھنا چاہئے تھا۔

شیطان کو فرشتہ لکھنا کچھ غالب پر ہی منحصر نہیں لمعہ حیدر آبادی کی رباعی کے دو مصرع یاد ہیں

آدم کو نہ سجدہ کیا جب رب نے کہا
لمعہ وہ عزازیل فرشتہ ہے لعیں

یگانہ چنگیزی نے بھی اسی طرح ایک شعر میں شیطاں کو فرشتہ لکھا ہے جو اسوقت میرے ذہن میں نہیں۔

شیطان کا نام چونکہ عزازیل بروزن جبرئیل، اسرافیل، میکائیل ہے اس لئے یہ غلط فہمی ممکن ہے۔

عظیم صدیقی۔ ۹ مارچ ۷۶ء

پوری یونیورسٹی

اطلاع نامہ (حر منی) - ۷۶-۳-۲۸

محترم سرور صاحب

آپ کے ماہنامہ "شمارے میں" اردو کی پکار" کی اپیل پڑھ کر نہایت خوشی ہوئی۔ ساتھ ہی اس خط کو لکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ مجھے بہت خوشی ہے کہ آپ اردو کی ترقی کے لئے کوشش کر رہے ہیں اور لوگوں کو اس بات کا احساس دلا رہے ہیں کہ اردو نہ تو مسلمانوں کی زبان ہے اور نہ ہی پاکستان کی اصل میں اردو ہندوستان کی زبان ہے۔ اس زبان کی پیدائش ہندوستان میں ہوئی اور ہندوستان کی سب سے میٹھی اور نفیس زبانوں میں ہے۔ میرے خیال میں ہندستان میں زیادہ لوگ اردو بولتے ہیں اور اس زبان کو ہندی کا نام دیتے ہیں۔ اس میں قصور اردو زبان میں کتابیں لکھنے والوں کا ہی ہے۔ ہندی کو چاہنے والے ہندی کو دن دن سنسکرت میں بدلتے جا رہے ہیں۔ اردو کو چاہنے والے اس زبان کو روز بروز فارسی میں بدلتے جا رہے ہیں۔ اردو کے لئے یہ بہت بہتری کا موقعہ ہے۔ اگر اردو کے ادیب ہندوستان میں اردو کی ترقی دیکھنا چاہتے ہیں تو اردو کو لوگوں کی روزمرہ کی بولنے والی زبان بنائیں ہندی کے اور دوسری زبانوں کے الفاظ اردو میں شامل کریں۔ اگر ابھی اردو کے ادیب فارسی کے مشکل مشکل الفاظ کو خیرباد کہہ کر لوگوں کی بولنے والی زبان میں اپنے جذبات کو لوگوں کے سامنے پیش کرنا شروع کر دیں تو لوگ ہندی کو چھوڑ کر اردو کی طرف خود بخود کھنچے چلے آئینگے اور کچھ برسوں میں اردو لوگوں کی زبان بن جائے گی اس وقت آپ کو یہ لکھنا نہیں پڑیگا کہ "اردو پکار پکار کر یہ کہہ رہی ہے کہ اگر مجھے زندہ رکھنا ہے تو اپنے بچوں کو اردو پڑھانے کی کوشش کیجئے....."

آپ کا خیر اندیش

سوہن لال منوچہ

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ
علی گڑھ

محترمی سرور صاحب تسلیم

سُوٗرج کے تماشائی پر تبصرہ پڑھا۔ یہ تبصرہ مستغنی من التوصیف ہے۔ کوئی پہلو ایسا نہیں جس پر علّامہ کی نگاہِ نقد نہ پڑی ہو۔ آخر کا یہ فقرہ بھی بے انتہا خوش گوئی پر مبنی ہے کہ ان اوصاف کے باوجود کتاب کی قیمت بہت زیادہ ہے۔ اس شوخیٔ تحریر کا کیا کہنا۔

تحفز آفاقی

نایاب اور مشہور اُردو کتابیں منگائیے

کتاب	مصنف	قیمت
کلیات اقبال کا صدی ایڈیشن (آفسٹ)		۲۰/-
اقبال ـ شاعر اور فلسفی	سیّد وقار عظیم	۱۲/-
بانگِ درا (فوٹو آفسٹ)	اقبال	۱۰/-
ضربِ کلیم	″ ″	۷/۵۰
بالِ جبریل	″ ″	۷/۵۰
ارمغانِ حجاز	″ ″	۴/۵۰
شاعری اور شاعری کی تنقید	ڈاکٹر عبادت بریلوی	۱۶/-
اُردو شاعری کا مزاج	وزیر آغا	۳۰/-
نیا افسانہ	وقار عظیم	۹/-
اطراف غالب	ڈاکٹر سیّد عبداللہ	۱۵/-
غزل اور مطالعہ غزل	عبادت بریلوی	۲۰/-
جدید شاعری	″ ″	۲۵/-
ارمغان علی گڑھ	خلیق احمد نظامی	۲۰/-
اُردو مثنوی کا ارتقار	عبد القادر سروری	۶/-
تصوراتِ اقبال	مولانا صلاح الدین احمد	۱۲/۵۰
اُردو زبان اور ادب	ڈاکٹر مسعود حسین خاں	۷/۵۰
مطالعہ سر سید احمد خاں	عبد الحق	۵/-
اُردو ادب کی تاریخ	عبد الحق جنیدی	۷/۵۰
گلدستہ مضامین و انشا پردازی	ڈاکٹر محمد عارف خاں	۵/۹۵
نمائندہ مختصر افسانے	ڈاکٹر طاہر فاروقی	۳/۷۵
تنقیدی سرمایہ	عبد الشکور	۳/۵۰
اُردو داستانیں	ڈاکٹر شوکت سبزواری	۸/-
تخلیقی عمل	وزیر آغا	۱۴/-
فیروز اللغات جیبی ایڈیشن		۶/۵۰
انتخاب مضامین سیّد	آل احمد سرور	۲/۵۰
مقدمہ شعر و شاعری	وحید قریشی	۴/۵۰
شرح جاوید نامہ (جلد اوّل)	محمد سلیم چشتی	۶۰/-
″ ″ (″ دوم)	″ ″	۲۰/-

کتاب	مصنف	قیمت
ضبط شدہ نظمیں	مرتبہ علی جواد زیدی	۲۱/-
تنقید سے تحقیق تک	عنوان چشتی	۱۵/-
اقبال کے خطوط	ڈاکٹر منظر عباس نقوی	۱۸/-
پریم چند کے ناولوں میں نسوانی کردار	ڈاکٹر شمیم نکہت	۱۸/-
مقدمہ تاریخ زبان اُردو	ڈاکٹر مسعود حسین	۱۰/-
ادب اور تنقید	اسلوب احمد انصاری	۱۰/-
ادب اور زندگی	اظہر پرویز	۶/-
اُردو ادب آزادی کے بعد	خورشید الاسلام	۷/۵۰
یادوں کے سائے	ممتاز میرزا	۲۰/-
مترجم مثنوی مولانائے روم	قاضی سجاد حسین	۲۰/-
مترجم دیوان حافظ دفتر دوم	″ ″	۱۸/-
ناقابلِ فراموش	دیوان سنگھ مفتون	۲۰/-
جذباتِ مشرق	″ ″	۱۵/-
یادوں کی برات	جوش ملیح آبادی	۲۵/-
فرہنگ آصفیہ چار حصے مکمل		۱۵۰/-
انگلش اُردو ڈکشنری	مولوی عبد الحق	۵۰/-
اُردو انگلش ڈکشنری	″ ″	۴۰/-
ابتدائی علم عروض	سبحان انجم کھام گانوی	۱/-
نگین کا ہندوستانی مسلمان نمبر		۲۰/-
اُردو شاعری کے ارتقا میں ہندو شعرا کا حصہ	سرلا دیستوا	۱۵/-
شرح دیوان غالب	بیخود موہانی	۱۵/-
برقِ تبسم	تبسم علی پوری	۱۰/-
سحر نغمہ	ساحر ہوشیارپوری	۱۰/-
نقد نظر	مختار احمد مانی	۵/-
پہلا پتھر	طاہر تلہری	۶/-
مغربی ادب کے معمار	اے۔ محمد ابراہیم	۱۲/-
آئینہ	حیرت بدایونی	۱۵/-
اوراقِ زندگی	بسمل سعیدی ٹونکی	۱۵/-

دفتر شانِ ہند فلیٹ ۸ ـ انصاری مارکیٹ ـ دریا گنج نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

THE SHAN-E-HIND MONTHLY, NEW DELHI-110002
Regd. with the Registrar of News Paper at R. No. 644/57

اُف یہ بال

جب کنگھی کرتے ہوتے ہر بار بال اُلجھ جائیں یا بالوں
کا ایک گچھا ہاتھ میں آجائے تو سمجھیے یہ بال اب کچھ ہی دن کے
مہمان ہیں، بالوں کو مضبوط، چمک دار، ملائم اور سیاہ بنانے
کے لئے زُلفی استعمال کیجیے۔ اس کا ایک ایک قطرہ بالوں
کے لئے رحمت سے کم نہیں۔ زُلفی گرتے بالوں کو روک دیتا
ہے اور گھنے بال اُگاتا ہے۔ یہ گنج کو ختم کرتا ہے اور بالوں
کی سب سے بڑی دُشمن خشکی کو دُور کرتا ہے —— زُلفی
تیل نہیں بلکہ بالوں کی غذا ہے۔ زُلفی بالوں میں ڈالئے اور
پھر دیکھئے وہ کتنی جلدی بڑھتے ہیں۔

قیمت زُلفی ہیر ٹانک : ۸ روپے
زُلفی شیمپو پاؤڈر : ۳ روپے ۵۰ پیسے

SHAMA LABORATORIES

شمع (یونانی اینڈ آیورویدک) لیباریٹریز، لال کنواں، دہلی ۶

DR. ZAKIR HUSAIN LIBRARY
JAMIA NAGAR

ماہنامہ

شاعرِ ہند

دہلی

MAY—1976

Dr. S. H. Afzal 'BASTVI'

Editor :
SARWAR TAUNSVI

Re. 1-00

رجسٹرڈ نمبر ڈی (D)370 — رجسٹرڈ نمبر رجسٹرار نیوز پیپر R/N 646/57

سال اجراء ۱۹۳۸ء

ٹیلیفون ۲۷۸...

ماہنامہ شانِ ہند دہلی

DR. ZAKIR HUSAIN LIBRARY JAMIA NAGAR NEW DELHI

ایڈیٹر: سرور تونسوی — قیمت سالانہ دس روپے R10/- — فی پرچہ ایک روپیہ

جلد ۲۷ — مئی ۱۹۷۶ء — شمارہ ۵

فہرست

افکار و واقعات	مدیر	۳
مشاعرہ یادِ آلِ مظفر نگر	کرتی انصاری	۹
ٹونک کا ایک قدیم تاریخی مشاعرہ	سید مقبول حسن برکاتی	۱۳
ہر غلط کو صحیح کہتے ہیں	عظیم صدیقی	۱۷
چِتا	نگار ایم اے	۲۲
کہانی ہے یہ افضل بستوی کی	حافظ صدیقی	۲۴
رباعیات	ڈاکٹر لقیتو (نکلا اشا)	۲۵
قطعات	"	۲۵
کرچیں	مدن بھاردواج	۲۶
سہار کی کسک ہے	عزیز انوری	۲۷

آپ کے نام ضروری گذارشات

۱۔ جس ڈاک خانہ سے آپ کو رسالہ شانِ ہند یا آپ کے دوسرے خطوط وغیرہ ڈلیور ہوتے ہیں۔ اس کا پن کوڈ PIN CODE نہیں لکھتے۔ اگر آپ کو معلوم نہ ہو تو اپنے ڈاک خانہ سے دریافت کر لیجئے۔ یہ کام آپ پہلی فرصت میں انجام دیجئے۔

۲۔ جب بھی آپ دفتر شان ہند کو خط لکھیں تو اپنا خریداری نمبر ضرور لکھئے جو رسالہ کے ریپر پر آپ کے پتہ کے اوپر درج ہے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کے خط کا جواب آپ کو فوری طور پر ملے تو اپنا خریداری نمبر ضرور لکھئے۔

۳۔ اب دفتر شان ہند سے آپ کے کسی ایسے خط کا جواب نہیں دیا جائے گا جب تک کہ آپ نے جواب کے لئے جوابی پوسٹ کارڈ یا لفافہ وغیرہ نہ بھجوایا ہوگا۔ امید ہے کہ آپ ان ضروری گذارشات پر دھیان دیں گے۔

(ادارہ)

باہتمام ودیا پرکاش سرور ایڈیٹر پرنٹر پبلشر
لاہوری پریس جامع مسجد اردو بازار دہلی میں چھپا
اور دفتر شان ہند طیش روڈ انصاری مارکیٹ
دریا گنج نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲ سے شائع ہوا۔
سرورق ایم بیس پرنٹرز دریا گنج دہلی میں چھپا

کنور مہندر سنگھ بیدی سحرؔ

کو

ادارہ شانِ ہند کا خراجِ عقیدت

جشنِ سحر نمبر

کنور صاحب کی شخصیت اور فن پر اہلِ قلم کے رشحات، یادگار تصاویر اور منتخب کلام سے مزین۔
چار صد صفحات پر پھیلا ہوا یہ خاص نمبر دنیائے اردو ادب میں ایک یادگار اضافہ ہے۔
قیمت دس روپے
مستقل خریداروں کے لیے چھ روپے۔ علاوہ محصول ڈاک

مرتبین: سرور تونسوی، عزیز اندوری

مشتہرین سے استدعا ہے کہ کنور صاحب کی ملک گیر مقبولیت کے پیشِ نظر "جشن سحر نمبر" ملک بھر میں بڑے ذوق و شوق سے پڑھا جائے گا۔ اس لیے اس یادگار نمبر میں اشتہار دینا بھی کنور صاحب سے دلی عقیدت کا مظہر ہے۔

اجرتِ اشتہار: عام پورا صفحہ ڈھائی صد روپے۔ نصف ۱۵۰ روپے۔ سرورق کا اندرونی صفحہ نمبر ۲ پانچ صد روپے۔ سرورق تیسرا صفحہ پانچ صد روپے اور سرورق کا آخری صفحہ دو رنگ میں ایک ہزار روپے

مزید تفصیلات کے لیے

ماہنامہ شانِ ہند فلیٹ نمبر ۲ انصاری مارکیٹ دریا گنج نئی دہلی ۲

افکار و واقعات

ڈاکٹر شنکر دیال شرما کی حق گوئی

حکومتِ ہند کے وزیر مواصلات ڈاکٹر شنکر دیال شرما نے جشنِ ممتاز مرزا میں تقریر فرماتے ہوئے کہا کہ حال ہی میں جب وہ عراق اور مصر تشریف لے گئے تو عراق کے وزیر مواصلات سے جب ان کی بات چیت ہوئی تو انھوں نے بات چیت کا آغاز انگریزی زبان میں کیا مترجم عربی میں ترجمہ کر کے عراقی وزیر مواصلات سے ڈاکٹر صاحب کا مافی الضمیر بیان کرتا اور وہ عربی زبان میں جواب دیتے جسے مترجم انگریزی میں ڈاکٹر صاحب سے بیان کرتا۔

ڈاکٹر شرما نے فرمایا کہ عراقی وزیر مواصلات فارن لینگویجز کے ماہر تھے اور وہ میری انگریزی بات چیت کا ایک ایک لفظ نہایت اچھی طرح سے سمجھ رہے تھے مگر کیا مجال ہے کہ انھوں نے بھولے سے بھی انگریزی کا ایک لفظ اپنی زبان سے نکالا ہو اور وہ آخر تک عربی ہی میں سلسلۂ گفت و شنید جاری رکھے رہے۔ ڈاکٹر شنکر دیال شرما نے بتایا کہ انھیں عراقی وزیر مواصلات کی اس عربی پرستی پر رشک آیا اور انھوں نے محسوس کیا کہ انھیں بھی ہندوستانی (اردو) میں بات چیت کرنی چاہیے تھی لہٰذا دوسرے وزرا انھوں نے اپنے مترجم (جو کہ اعظم گڑھ کے رہنے والے تھے) سے کہا کہ کیا یہ بہتر نہ رہے گا کہ میں بھی ہندوستانی زبان میں بات چیت کروں اس پر اس مترجم نے ڈاکٹر صاحب کو مشورہ دیا کہ اب اگر آپ ہندوستانی زبان میں بات چیت کریں گے تو وہ ایک دکھاوا ہو جائے گا یا تو آپ شروع سے ہندوستانی زبان میں سلسلۂ گفتگو شروع کرتے اب چونکہ آپ انگریزی زبان میں بات چیت شروع کر چکے ہیں تو اب انگریزی زبان کو ہی چلنے دیجیے۔

ڈاکٹر شنکر دیال شرما نے تجزیہ انداز میں کہا کہ آئندہ وہ ایسی غلطی نہیں کریں گے اور جب بھی وہ کسی دوسرے ملک میں جائیں گے تو ہندوستانی زبان میں ہی بات چیت کریں گے تاکہ انگریزی کو ترک کرنے کی طرف عملی قدم اٹھایا جا سکے۔ ڈاکٹر صاحب نے سامعین سے بھی کہا کہ اب ہمیں انگریزی زبان سے پیچھا چھڑانے کی دلی کوشش کرنی چاہیے۔

ڈاکٹر شرما کی اس حق گوئی پر انہیں مبارکباد دی جانی چاہیے کہ انھوں نے ایک بہت ضروری بات کی طرف دھیان دلایا ہے۔ ہمارے خیال میں تو حکومتِ ہند کو یہ ہدایات جاری کرنی چاہئیں کہ جب بھی کوئی ہندوستانی وفد یا ہندوستانی وزیر سرکاری دورے پر کسی دوسرے ملک میں جائے تو وہاں بات چیت ہندوستانی زبان میں ہی کرے اور وفد کے ارکان یا دوسرے حضرات کو ہندوستانی زبان بولتے ہوئے شرم نہیں آنی چاہیے بلکہ انگریزی جو کہ غیر ملکی زبان ہے، بولتے ہوئے ندامت کا احساس ہونا چاہیے۔

ڈاکٹر شرما نے فرمایا کہ عراق میں اس موقع پر انھیں مرحوم مولانا ابوالکلام آزاد کی یاد آئی کہ وہ انگریزی زبان کو کروڑوں ہندوستانیوں سے بہتر جانتے ہوئے بھی کرپس مشن سے بات چیت کرتے وقت یا دوسرے مواقع پر غیر ملکی سربراہوں سے بات چیت کرتے وقت انھوں نے انگریزی کا ایک لفظ بھی اپنی زبان سے نہیں نکالا۔

ڈاکٹر شرما نے اپنی تقریر کو نہایت رواں دواں سلیس اردو میں جاری رکھتے ہوئے "اردو" زبان سے متعلق جن خیالات کا اظہار فرمایا وہ یقیناً حوصلہ افزا تھا۔ انھوں نے فرمایا کہ عراق اور مصر میں انھوں نے یہ بطور دیکھا اور محسوس کیا کہ ان ملکوں میں بھی اردو مقبول ہے ان ممالک میں جب بھی کوئی ہندوستانی فلم دکھائی جاتی ہے تو وہ مہینوں

چلتی ہے جب تک کہ سرکاری طور پر اسے نہ ہٹایا جائے۔ ڈاکٹر شرما نے فرمایا کہ سکندریہ جاتے وقت ان کے ایک ہم سفر نے انہیں بتایا کہ یہاں پر ہندوستانی فلموں کے گانے عوام گنگناتے ہیں۔ اور اس ہمسفر نے (جو کہ ایک عالم فاضل تھے) ہندوستانی فلموں کے کئی گیتوں کے اشعار بھی سنائے جب پر ڈاکٹر صاحب نے ان سے دریافت کیا کہ کیا آپ ان اشعار کا مطلب بھی سمجھتے ہیں تو اس رفیقِ سفر نے بتایا کہ تھوڑا تھوڑا سا مگر مطلب کو ایک طرف رکھئے یہ ہمیں اچھے لگتے ہیں۔

ڈاکٹر شرما نے اردو سے متعلق حکومت کی پالیسی پر بھی کچھ روشنی ڈالی اور فرمایا کہ ہماری وزیر اعظم صاحبہ اردو کے لئے فراخدلانہ رویہ رکھتی ہیں اور اردو پڑھنے والوں کے لئے ہر قسم کی سہولیات اور مراعات دینے سے ہماری وزیر اعظم صاحبہ کسی طور بھی پیچھے نہیں ہٹتی۔

جشنِ ممتاز مرزا پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر شرما نے فرمایا کہ جب مجھ سے اس تقریب میں شرکت کے لئے کہا گیا تو میں نے فوراً وعدہ کر لیا مگر بعد میں سوچا کہ میں سیاسی آدمی ہوں اور اس خالص ادبی تقریب میں میری کا نسبت کسی سرکردہ ادیب کو ہی مہمان خصوصی ہونا چاہیئے تھا لیکن میں نے پھر سوچا کہ کسی بھی ملک کے ترقی یافتہ ہونے کا پتہ اس سے چلتا ہے کہ وہاں کے ادیبوں کے ساتھ حکومت کا سلوک کیا ہے اور وہاں کے ادیب کس حال میں ہیں۔ لہذا میں اس تقریب میں شریک ہونا اپنے لئے باعث عزت سمجھتا ہوں

ڈاکٹر صاحب نے محترمہ ممتاز مرزا صاحبہ کو اُن کی ادبی خدمات کے سلسلے میں حکومتِ ہند کی طرف سے پدم شری کا اعزاز حاصل ہونے پر دلی مبارک باد دیتے ہوئے کہا کہ وہ یہ اُمید رکھتے ہیں کہ ہم سب پھر اکٹھے ہوں گے جب ممتاز مرزا صاحبہ کو پدم وبھوشن کا اعزاز ملے گا۔ ڈاکٹر شرما نے جشنِ ممتاز مرزا کی طرف سے فراہم کیا ہوا پانچ ہزار روپیہ کا چیک بھی محترمہ ممتاز مرزا کو پیش کیا۔

عکس آئینے کے

جناب ہر چرن چاولہ مشترکہ پنجاب کے صفِ اول کے افسانہ نگاروں میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ کا سب سے پہلا افسانہ ماہنامہ "نقوش" لاہور میں شائع ہوا تھا۔ حال ہی میں ماہنامہ شانِ ہند کے زیرِ اہتمام ان کے افسانوں کا دوسرا مجموعہ "عکس آئینے کے" بہت اچھے انداز میں شائع کیا گیا ہے جس پر اس سال اتر پردیش اردو اکاڈمی نے ایوارڈ دیا ہے۔ "عکس آئینے کے" واحد افسانوی مجموعہ ہے جس پر اکاڈمی مذکورہ نے ایوارڈ دیا ہے لہذا اس اعزاز پر ادارہ شانِ ہند جناب چاولہ صاحب کو مبارک باد پیش کرتا ہے۔ "عکس آئینے کے" ایک انفرادیت لئے ہوئے افسانوی مجموعہ ہے کہ جس کے مطالعہ سے قاری یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ ہر چرن چاولہ کا افسانوی طرزِ نگارش جدا گانہ ہے اور ان تمام افسانوں میں ہماری اپنی روزمرہ کی زندگی کی داستان ہی معلوم دیتی ہے۔ آپ کی ذاتی لائبریری میں اس افسانوی مجموعہ کی موجودگی آپ کی خوش ذوقی کا ثبوت ہوگی۔

کلیاتِ مائل

گزشتہ بیس سال سے سننے میں آرہا تھا کہ راجستھان ساہتیہ اکاڈمی (سنگم) اودے پور حضرت مرزا محمد تقی بیگ مائل دہلوی (مرحوم) کی کلیات شائع کر رہی ہے۔ مگر نہ معلوم اس کام کا مہورت کس بُری ساعت میں ہوا تھا کہ یہ کلیات شائع ہونے میں ہی نہیں آرہی تھی۔ بھلا ہو جناب راجندر شرما ڈائرکٹر راجستھان ساہتیہ اکاڈمی کا کہ جب سے وہ ڈائرکٹر ہوئے ہیں اکاڈمی مذکورہ نے اردو کتب کی اشاعت کی طرف اپنی ذمہ داری نبھانے کا بھرپور ثبوت دیا ہے۔ چنانچہ جانزنارائن سکو میر کا مجموعہ کلام کرن اور فضل المتین صاحب کا مجموعہ "کلام" کی اشاعت کے بعد "کلیاتِ مائل" کے حصہ اول کی اشاعت کا سہرا بھی جناب راجندر شرما کے سر بندھا ہے۔

ایک مدت ہوئی کہ مرحوم مولائی احترام الدین شاغل عثمانی نے حضرت مائل کے پورے کلام کو ترتیب دیا اور

اس کام میں اُن کے کئی سال لگے۔ یہ مسودہ شاغل صاحب صبا صاحب اور پنڈت اوتار نرائن بہادر نے اشاعت کی غرض سے اکاڈمی کو پیش کیا۔ مگر افسوس کہ مولوی احترام الدین شاغل کی زندگی میں یہ کلیات شائع نہ ہو سکی۔ تاہم راجندر شرما نے جس اہتمام سے اور نیشنل اکاڈمی دہلی نے جس بانکپن سے اس کلیات کو شائع کیا ہے اس سے مرحوم شاغل صاحب کی روح بھی وجد کر اٹھی ہوگی۔ راجستھان ساہتیہ اکادمی (سنگم) اودے پور اور اس کے ڈائریکٹر جناب راجندر شرما یقیناً مبارکباد کے مستحق ہیں کہ جن کی مساعی جمیلہ کے باعث کلیات مائل کا حصہ اول شائع ہوا ہے ۲۳×۱۸ سائز کے ۸۰۰ صفحات کے اس حصہ اول میں مائل صاحب کی غزلیات ہی شائع ہوئی ہیں نہ معلوم کن وجوہ کے باعث یہ ضروری سمجھا گیا کہ مائل صاحب کا پورا کلام ہی شائع کیا جائے حالانکہ اگر یہ کلام قدرے انتخاب کے بعد شائع کیا جاتا تو جہاں کلیات کے حصہ اول کی ضخامت کم ہو جاتی وہاں اس کلیات میں بھرتی کے اشعار نظر نہ آتے جو مولانا مائل کے شعری مقام کو مجروح کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

دوسری بات جو بہت بڑی طرح کھٹکی ہے وہ ہے کتاب کی قیمت تہتر روپے پچاس پیسے۔ ۷۳٫۵۰ روپے اس دور میں جب کہ اُردو داں طبقہ کافی حد تک مالی پریشانیوں میں مبتلا ہے وہ اس قدر گراں قیمت کلیات کو خریدنے کی قطعاً سکت نہیں رکھتا۔ اس کتاب کے لئے کاغذ حکومتِ ہند نے رعایتی نرخ پر دیا ہے اس کے باوجود نہ معلوم کتاب کی قیمت اس قدر زیادہ رکھنے کی کیا وجہ ہے۔ تاہم اس کلیات کی اشاعت راجستھان ساہتیہ اکادمی کا ایک ایسا سنہری کارنامہ ہے جسے اُردو زبان کبھی فراموش نہ کر سکے گی۔

وسیم بریلوی کا نخرہ

انجمن دوستانِ ادب پٹھان کوٹ کے جنرل سیکریٹری ستیہ پال راہی صاحب ہر سال پٹھان کوٹ میں ایک کل ہند مشاعرہ کراتے ہیں اور یہ مشاعرہ پنجاب میں ہونے والے مشاعروں میں ایک انفرادیت کا حامل ہوتا ہے اور اس مشاعرہ میں ملک بھر کے مشہور شعراء شرکت کرنا اپنے لئے باعثِ عزت سمجھتے ہیں بلکہ [illegible] سے سفارش کرانے کے بعد بعض شعراء اس مشاعرہ میں شریک ہونے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

جناب راہی صاحب اپنے مکتوب گرامی میں فرماتے ہیں۔

" محترم سرور صاحب آداب۔ گزشتہ روایات کے مطابق انجمن دوستانِ ادب کی جانب سے ۲۴ اپریل کو کل ہند مشاعرہ کا اہتمام کیا گیا جس کی رسم افتتاح پنجاب کے وزیر پی۔ ڈبلیو۔ ڈی اور سیر و سیاحت نے ادا کی۔ اس مشاعرہ میں پدم شری بیکل اتساہی، نازش پرتاب گڑھی، رشید قریشی اور جناب نور اندوری نے شرکت فرمائی۔ پنجاب کے شعراء کی فہرست الگ ہے۔ ہم پنجابی اُردو کی خدمت دل و جان سے کرتے ہیں اور دوسری طرف کچھ شاعر محض چند ٹکوں کے لئے بک جاتے ہیں اور منتظمین مشاعرہ کی پوزیشن خراب کرتے ہیں۔

وسیم بریلوی، [illegible] مراد آبادی اور محترمہ برکھا رانی جنہوں نے ہمارے مشاعرہ میں شرکت کی تحریری منظوری دے رکھی تھی اور ان کے منہ مانگے معاوضے بھی طے ہو چکے تھے۔ وسیم بریلوی کا ایک خط مشاعرہ کے دو دن بعد ملا کہ انہیں پٹھان کوٹ سے انجمن دوستانِ ادب کی طرف سے تار موصول ہوا تھا کہ مشاعرہ ملتوی ہو گیا ہے۔ جس پر ہم نے پٹھان کوٹ کے تار گھر سے سارا ریکارڈ نکلوایا تو پتا چلا کہ پٹھان کوٹ سے وسیم صاحب کو کوئی تار گیا ہی نہیں۔ انہیں لکھا گیا کہ وہ تار ہمیں بھجوائیے۔ مگر متعدد یاد دہانی کے باوجود اُن کا کوئی جواب ہی نہیں آیا۔ [illegible] صاحب ۲۳ اپریل کو مراد آباد سے پٹھان کوٹ کے لئے برتھ ریزرو کرا چکے تھے لیکن آئے نہیں۔ معلوم ہوا کہ وہ کسی دوسرے مشاعرہ میں زیادہ فیس ملنے پر چلے گئے۔ محترمہ برکھا رانی کا ۲۴ اپریل کی شام کو تار ملا کہ ان کے والد سخت علیل ہیں حالانکہ بعد میں پتہ چلا کہ آپ نے اُسی روز آسنسول میں مشاعرہ پڑھا کیونکہ انہیں بھی وہاں پٹھان کوٹ کی نسبت زیادہ فیس ملی۔

پٹھان کوٹ ایک چھوٹا سا شہر ہے جہاں کوئی انڈسٹری
[نہیں] ہے اور نہ ہی حکومت کوئی امداد دیتی ہے۔ پھر بھی ہم محض
[اردو] کی خاطر ہر سال ایک بہت ہی اچھا مشاعرہ کراتے ہیں اور
[ار]دو کے نام پر روٹی کمانے والے پیشہ ور شاعر ہیں کہ ہمیں
[دھوکہ] دے دیتے ہیں۔ ایسے شعرا کے لئے کوئی ضابطہ بننا چاہیئے
[اور] اس قسم کے فریب کار شاعروں کا بائیکاٹ کیا جانا چاہیئے
[تاکہ] دوسرے شعرا ان کی راہ پر نہ چلیں۔"

وسیم بریلوی، ہلڑ مرادآبادی اور برکھا رانی تینوں نے
[ا]پنی اپنی بساط کے مطابق جھوٹ سے کام لیا مگر وسیم بریلوی
[کا] جھوٹ سب سے زیادہ بھونڈا اور دھوکہ کی آڑ لئے ہوئے
[ہے] جبکہ یہ صاحب طالب علموں کو پڑھاتے ہیں اور کسی طرح
[ان]ہی اپنے ناک پر مکھی بیٹھنے نہیں دیتے۔ وہ استاد اپنے طالب علموں
[کو] کیا پڑھائے گا۔ جو خود جھوٹ فریب اور غلط بیانی کو
[اپ]نا شیوہ بناتا ہو۔ ہلڑ مرادآبادی نے جھوٹ بولتے ہوئے
[کو]ئی اچھی مثال قائم نہیں کی رہی برکھا رانی تو یہ بیچاری
[نہ] تو شاعرہ ہیں اور نہ شاعری اس کے پاس سے ہو کر گزری ہے
[ک]چھ دنوں سے چند لڑکیاں شاعرات کے روپ میں مشاعروں میں
[آ]نا شروع ہوئی ہیں جن میں سے اکثر اردو پڑھ لکھ بھی نہیں سکتی ہیں
[او]ر لوگوں نے انہیں کو شعر پر بٹھانے کی بجائے [illegible] [شاعر]ات بنا دیا
ہے اس پردے میں ان لڑکیوں کو مشاعروں میں شرکت کے باعث
شہر شہر اچھے لوگوں سے قریبی واسطہ پڑتا ہے جن میں سے
کچھ حضرات صاحب نظر بھی ہوتے ہیں۔ لہٰذا مشاعرے کے
معاوضہ کے ساتھ ساتھ دوسری آمدنی بھی ہو جاتی ہے اور ان
لڑکیوں کو شاعرات بنانے والے استاد جی بھی کبھی کبھار افطاری
سے فیض یاب ہو جاتے ہیں۔ ویسے راہی صاحب، برکھا رانی
جیسی شاعرات کو "محترمہ" ایسے احترامی القاب سے مت نوازا
کیجئے۔ اگر ہم لوگوں نے انہیں بھی محترمہ لکھنا شروع کر دیا تو
پھر اپنی ماں۔ بہن اور معزز خواتین کو کس القاب سے یاد کریںگے
راہی صاحب جب آپ ایسے باذوق اور اردو کی خدمت کا
دلی جذبہ رکھنے والے منتظمین برکھا رانی جیسی نام نہاد شاعرہ کو شاعرہ کے
طور پر منہ مانگا معاوضہ دیکر بلائیں گے تو پھر انہیں حق پہنچتا
ہے کہ وہ جو بھی غیر شاعرانہ رویہ اپنائیں کیونکہ یہ غیر شاعرہ لڑکیاں
اپنی تھوڑی بہت خوبصورتی اور گلے کی کاریگری کے باعث یہ
سمجھنے میں حق بجانب ہیں کہ بیں احسن و درجہاں باقیست کس
مفلس نمی ماند۔ (جب تک دنیا میں بے وقوف موجود ہیں کوئی
مفلس نہیں رہ سکتا) ان موڈرن اور ریفائینڈ قسم کی طوائفوں؟
شاعرات کو منتظمین مشاعرہ نے ہی سر پر چڑھا رکھا ہے اگر منتظمین
مشاعرہ ان غیر شاعرات سے حسن اور آواز پر لٹو ہونا چھوڑ دیں تو
پھر ان فریب کار شاعرات کی جگہ مشاعروں کی اسٹیج کی بجائے کوئی
اور ہی ہوگی۔

راہی صاحب آپ ذرا سی تکلیف اٹھایئے اور تینوں جھوٹے
اور مکار دشمنانِ شاعری کے خلاف پٹھان کوٹ کی عدالت میں عہد شکنی
اور وعدہ خلافی نیز ہرجانہ کا مقدمہ دائر کر دیجئے اور انہیں جب
پٹھان کوٹ کی عدالت میں کچھ دنوں چکر لگانے پڑیں گے تو پھر
یہ کسی بھی منتظم مشاعرہ سے دھوکا نہیں کریں گے۔ اس کے بغیر
ان لوگوں کے لئے کوئی اور شافی علاج ہے ہی نہیں

ملک زادہ منظور اور ناظر خیامی کی عہد شکنی اور وعدہ خلافی

ابھی جناب ستیہ پال راہی کے مکتوب گرامی کی سیاہی
بھی خشک نہ ہونے پائی تھی کہ ہندوستان اسٹیل لمیٹڈ رانچی
سے جناب نصیر افسر صاحب کنوینر مشاعرہ کا حسب ذیل خط
موصول ہوا۔

قابل احترام سرور صاحب آداب! امید ہے کہ مزاج گرامی
بخیر ہوگا اس بار جناب ملک زادہ منظور احمد و ناظر خیامی صاحب
کی دھوکہ دہی کے سبب مشاعرہ کچھ پھیکا رہ گیا۔ کیا عرض کروں
ان دو حضرات نے مجھ کو کتنا رسوا کیا۔ بیشک ہم لوگوں سے کر
اور منظوری نامہ دیکر جناب ملک زادہ اسی تاریخ کو بیکارو اور
ناظر خیامی نے نیپال تا ئیٹ کا نپور کے مشاعروں میں شرکت
کرنا بہتر سمجھا اور اپنے منظوری ناموں اور وصول کردہ پیشگی
رقم کا ذرا بھی خیال نہیں کیا اگر ملک زادہ جیسے باوقار استاد و نثر
کو ایسا کرنا ہی تھا تو وہ پہلے اپنا منظوری نامہ رد کر سکتے تھے

اور پیشگی رقم واپس کر سکتے تھے تو بھی کوئی اور انتظام کر لیتا۔ اناؤنسر کے فرائض کسی حد تک جناب حفیظ بنارسی نے نبھائے لیکن وہ بات ان میں کہاں سے آتی جو مخصوص پیشہ ور اناؤنسروں میں ہے۔ جناب نور اندوری نے بڑے ڈرامائی انداز میں مشاعرے میں شرکت کی۔ مقرب صاحب کو لکھا تھا مگر وہ چھٹی نہ ملنے کے باعث نہ آ سکے۔ جناب کنور مہندر سنگھ بیدی سحر نے شعری بھوپالی اور طارق بدایونی صاحبان کے نام تجویز کئے تھے۔ جناب شعری بھوپالی کو تشریف لائے لیکن جناب طارق بدایونی نے چار سو روپیہ کی پیش کش پر مزید دو سو روپیہ کنور مہندر سنگھ بیدی سحر ٹیکس کی فرمائش کی۔ یعنی کنور صاحب نے اُن کی سفارش کی ہے اس لئے انہیں دو صد روپیہ اور دیا جائے۔ جسے ہم اپنے مخصوص بجٹ کے تحت منظور نہ کر سکے شعری بھوپالی تشریف لائے اور ۱۶ر مئی تک رانچی رہ گئے کیونکہ ۱۵ مئی کو ایک اور کل ہند مشاعرہ ہیوی انجینئرنگ کارپوریشن لمیٹڈ رانچی میں منعقد کیا گیا جو بے حد کامیاب ترین مشاعرہ تھا۔ اس مشاعرہ میں طارق بدایونی بھی جناب کرشن بہاری نور لکھنوی کے ہمراہ مشاعرہ کے دوسرے دور میں شریک ہو گئے جبکہ فہرست میں دونوں کے نام نہیں تھے اسے بھی ڈرامائی حیثیت کا نام دے سکتے ہیں۔"

جناب نصیر افسر صاحب اپنے تازہ ترین مکتوب میں اطلاع دیتے ہیں کہ "جناب ملک زادہ منظور اور ناظر خیامی پر مقدمہ دائر کرنے کا فیصلہ کیا جا چکا ہے اور ان کے نام نوٹس بھی جاری کئے جا چکے ہیں۔ ان کی عدم شرکت سے ہمارے اور ہماری کمپنی کے وقار کو شدید نقصان پہنچا ہے۔"

جناب نصیر افسر صاحب کے دونوں خطوط پر تبصرہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ نصیر افسر صاحب اور ان کی کمپنی کے افسران اپنے ارادے پر سختی سے عمل کریں۔ اور ہتک عزت کا مقدمہ ضرور دائر کریں تاکہ اس مقدمہ کے فیصلے کے دور رس نتائج سے دوسرے شاعروں کے کان کھڑے ہو سکیں گے اور شعراء یا غیر شعراء حضرات وعدہ اور اعتماد شکنی کے مرتکب نہ ہو سکیں۔ ویسے نصیر صاحب اور دوسرے

منتظمین مشاعرہ کی اطلاع کے لئے یہ عرض کرنا بھی ضروری ہے کہ طارق بدایونی کی شاعری کا محدود اور بعض ان کی غلمانی شکل و صورت اور کسی حد تک لحن داؤدی تک ہی محدود ہے اور یہ دونوں صفات عوام میں مقبولیت دلانے کی ضامن ضرور ہیں مگر اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ لحنِ داؤدی یا اچھی شکل و شباہت رکھنے والے شعرا یا شاعرات کی خاصی تعداد شاعری کی ابجد سے بھی واقف نہیں خواہ ان کی سفارش کنور مہندر سنگھ بیدی سحر کریں یا کوئی اور سخن فہم یا موسیقی کا دلدادہ۔

عقیل صاحب کی ادب پرستی

اردو کے ملک گیر شہرت یافتہ بزرگ شاعر جناب الحاج نصیر فتحپوری کے فرزند ارجمند جناب عقیل صاحب جو کہ خود بھی ایک اچھے شاعر اور اردو ادب کے سرپرست ہیں کئی سالوں میں جدہ (سعودی عرب) میں مقیم ہیں۔ خدا نے عقیل صاحب کو اپنی تمام نعمتوں سے نوازر رکھا ہے اور وہ "شان ہند" کو پڑھتے ہیں اور پسند کرتے ہیں۔ چنانچہ انہیں شان ہند کا ۳۲ صفحات پر شائع ہونا کچھ اکھرا اور وہ اس لئے کہ ان کم صفحات میں جو مضامین شائع ہوتے ہیں وہ اُن کے ذوق کی سیری کے لئے ناکافی ہیں۔ لہٰذا انھوں نے شان ہند میں آٹھ صفحات کے اضافہ کے لئے ایک ہزار روپیہ (ایک سال کے لئے) شان ہند کو بھجوایا ہے جس پر ہم نے اپریل ۱۹۷۶ء کے شمارہ میں آٹھ صفحات کا اضافہ شروع کر بھی دیا تھا اور شان ہند کو نیوز پرنٹ کاغذ کی بجائے سفید کاغذ پر چھاپنا شروع کر دیا۔ مگر راقم الحروف کی طویل اور تشویشناک علالت کے باعث شان ہند کی اشاعت میں التوا ہونا شروع ہو گیا۔ اب مئی تا جولائی کے شمارے حسب سابق ۳۲ صفحات پر ہی شائع کئے جائیں گے۔ اس کے بعد عقیل صاحب کے عطیہ کے مطابق شان ہند میں آٹھ صفحات کا اضافہ کیا جائیگا۔ اور یہ آٹھ صفحات گوشۂ عقیل کے طور پر شائع ہوں گے۔ ان مخصوص آٹھ صفحات میں ایسا بہترین ادبی مواد پیش کیا جائیگا جسے آپ پسند فرمائیں گے۔

غریب اور کمزور طبقوں کی بھلائی

کے پروگراموں کی تلاش جاری رہنی چاہیے اور ان پروگراموں کو ٹھیک طریقے سے لاگو کرنے کی مسلسل کوشش بھی کی جانی چاہیے!

—— اندرا گاندھی

آئیے! قومی تعمیر کے کام میں جُٹ جائیں

کریمی الاحسانی

مشاعرۂ یادِ آلم مظفر نگر

حکیم جوہر وارثی ۔ فنا کانپوری ۔ راز الہ آبادی ۔ مشیر جھنجھانوی ۔ بلال رضوی ۔ مضطر اندوری ۔ آفتاب لکھنوی ۔ سودہ حیات ۔ شمیم جے پوری ۔ طارق بدایونی ۔ مظفر رزمی ۔ فاید نوحی ۔ تسلیم کنتوری ۔ ہوش نعمانی ۔ صبیحہ ملیگ ۔

دیکھئے یہ مظفر نگر (یو۔پی) کی ایک معروف ترین اسٹرک جی۔ٹی روڈ ہے ۔ جو دہلی سے رڑکی ۔ ہردوار ۔ دہرہ دون تک جاتی ہے ٹہریئے ملکھالہ پار کا پل ہے اس پل سے مشرق کی طرف پلٹ جائیے یہ اسلامیہ انٹر کالج ۔ ڈی اے ۔ وی انٹر کالج آریہ سماج بلڈنگ اور عظمت باغ ہے اور ذرا آگے بڑھئے ۔

ذرا سی دیر بھی رکنا نہ رہروانِ وفا
ذرا سی دیر بڑا فاصلہ بڑھاتی ہے

یہ رضا علی خاں سادات ہوسٹل ہے آج اس کا دروانہ برقی قمقموں سے جگمگا رہا ہے اور بڑی دور تک رنگ برنگی سنہری جھالروں سے مزین کیا گیا ہے ۔ سامنے ایک عظیم پنڈال بنا ہوا ہے جس میں برقی ٹیوب لائٹ اور روشنی کی ایک جلوہ گری ہے ۔ آئیے ۔ اس پنڈال میں میرے ساتھ آپ بھی چل کر ایک عظیم مشاعرہ سنیئے ۔ یہ برفیلی رات ۔۔۔ آپ اس برفیلی رات میں کہاں جائیں گے اور کس کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے اور اگر

سوال سُن کے کسی نے جواب تک نہ دیا
تری گلی میں ہر اک بے زباں لگے ہے مجھے

تو نا مہربانی کی شکوہ سرا زبان میں ہی یہ کہنا پڑ جائے ۔

یہ ۲۵ نومبر ۷۵ء کی برفیلی رات ہے ۔ انجمن فروغ اردو مظفر نگر کے زیر اہتمام مرحوم مولانا آلم مظفر نگری کی یاد میں ایک شستہ اور سنجیدہ محفل شعر و سخن ترتیب دی گئی ہے جس کی صدارت جناب ضیاء الرحمٰن انصاری مرکزی نائب وزیر صنعت فرما رہے ہیں ۔ مسٹر شاہد رضا ایڈوکیٹ اس مشاعرہ کے کنوینر ہیں ۔ ایک بات بڑی طرح سے کھٹک رہی ہے کہ مرحوم مولانا کے شاگردوں نے اس مشاعرہ میں کیوں حصہ نہیں لیا ۔۔۔ ؟ اگر ان کو خدا نے شرکت کی توفیق نہیں دی تھی تو کیا ان کی یاد میں کئے گئے مشاعرہ میں وہ حضرات شرکت نہیں کر سکتے تھے ۔ تعجب ہے کہ ان کا نام لیسٹ تک میں نظر نہیں آیا اور نہ ہی مشاعرہ میں انھوں نے اپنے اسکول کی نمائندگی کی ۔ کیا ستم ہے کہ شاگردانِ آلم نے اس مشاعرہ میں پڑھنے تک سے گریز کیا ۔ یہ کوئی منصوبہ تھا ۔۔۔ ؟ یا پھر مشاعرہ کمیٹی نے ان کو پوچھا تک نہیں ہے ۔ بہرحال انکی عدم موجودگی قابلِ افسوس ہے ۔

مظفر رزمی مولانا آلم کے بارے میں مختصر تعارف فرما کر پروفیسر مظفر نوید سے درخواست مقالہ کر رہے ہیں ۔ نوید صاحب نے نہایت مختصر اور جامع مقالہ مولانا آلم کے حالاتِ زندگی کے بارے میں سنایا آیئے آپ بھی ان کے بارے میں کچھ اپنی معلومات میں اضافہ کیجئے :۔

محمد اسحاق خاں آلم سہانی ایک باکمال شاعر ۔ بے مثال ادیب ۔ بلند پایہ عالم اور مشہور ماہر نجوم تھے ۔ آلم صاحب کے جدِ اعلیٰ حسینی خاں موضع بیلڑا ضلع مظفر نگر سے ترک سکونت کرکے مظفر نگر میں بودوباش اختیار کرلی تھی وہ ایک بزرگ سید نامدار علی سے بیعت تھے اور ان پر تصوف کا رنگ چھایا ہوا تھا ۔ آلم صاحب کے والد بزرگوار بھی صوفی مشرب انسان تھے آلم صاحب نے ابتدائی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی اس کے بعد عربی کی تعلیم فرما کر مولوی صفدر علی سے باقاعدہ تعلیم حاصل کی بعد ازاں مرحوم نے پنجاب اور الہ آباد یونیورسٹیوں سے علوم مشرقیہ کے اعلیٰ امتحانات پاس کئے ۔ اور مظفر نگر کے ایس ۔ ڈی کالج میں اردو فارسی کے معلم ہو گئے پھر ۱۹۲۳ء سے اسلامیہ انٹر کالج مظفر نگر میں معلمی کے عہدے پر فائز ہوئے اور اسی کالج سے ۱۹۵۳ء میں ریٹائرڈ ہوئے ۔ آپ مولانا سیماب اکبر آبادی کے شاگرد تھے ۔ آپ کے چار مجموعے سلسبیل ۔ کوثر و تسنیم ۔ سدرہ و طوبیٰ ۔ جلوۂ گل شائع ہو چکے ہیں ۔ دو مثنویاں آہنگ سرمدی اور معرکۂ کربلا بھی شائع کرائیں ۔ بھگوت گیتا کا منظوم ترجمہ بھی کیا ۔ آلم صاحب کا آخری عمر میں سرکار سے وظیفہ بھی ملنے لگا تھا جو تادمِ حیات ملتا رہا ۔ آپ کا یہ کارنامہ اختتامی قابلِ تعریف ہے کہ آپ نے رسول خدا صلعم کا زائچہ تیار کرکے یہ ثابت کیا تھا کہ کامل

مقبول مسلم سچے نبی اور خاتم النبیین ہیں ۸ ۲ مئی ۱۹۶۹ء بروز چہارشنبہ
کو آپ کا انتقال ہوا۔

نوید صاحب کا یہ مقالہ نہایت سکون سے سنا گیا۔ رزمی صاحب
حکیم جوہر وارثی قبلہ سے درخواست کر رہے ہیں کہ آیئے قبلہ اس مشاعرہ
کا افتتاح فرمایئے۔ محترم جوہر صاحب مائک پر آکر دلکشی سے فرما رہے ہیں ؎

نوید خلد بریں ہے کرم محمدؐ کا ✤ مسرتوں کا ہے پیغام غم محمدؐ کا
اگر نے چھوڑ دی دنیا اسی مسرت میں ✤ کہ مل گیا انہیں نقش قدم محمدؐ کا

قبلہ جوہر صاحب جا رہے ہیں اور رزمی صاحب نجم مظفر نگری کو زحمت
سخن دے رہے ہیں۔ نجم صاحب یوں دلکشی سے غزل سرا ہیں ؎

دیکھئے در بدر کی ٹھوکروں میں کتنی آنکھوں کے تارے ملیں گے
جہاں جب ایک گمشدہ کی خاطر ان گنت ماہ پارے ملیں گے

یہ جہاں ایک گنبد نما ہے گونجتی ہے وہی جو صدا ہے
جو کسی کا سہارا بنے گا اس سے آکر سہارے ملیں گے

ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہ بیٹھو کھیل سمجھو نہ اس زندگی کو
صرف عزم و عمل کی بدولت منزلوں کے اشارے ملیں گے

خامشی میری طوفاں بھری ہے قہقہوں میں اداسی چھپی ہے
راکھ دل کی کریدو تو اس میں آرزو کے شرارے ملیں گے

نجم صاحب خوب خوب داد لوٹتے اپنی جگہ آ رہے ہیں اور رزمی
صاحب دعوت سخن دے رہے ہیں حکیم کنتوری کو۔ حکیم صاحب عادت
شاید دلکش ترنم سے گا رہے ہیں ؎

ہزاروں پردوں میں حسن فطرت چھپا ہے لیکن چھپا نہیں ہے
نگاہ سے ماورا ہی وہ شعور سے ماورا نہیں ہے

یہ مژدۂ بہار کیسا سنا دو ارباب گلستاں کو !!
اگر یہ دست طلب میں جنبش خزاں کے دامن میں کیا نہیں ہے

داد بھی شباب پر ہے اور آپ اسی انداز سے الاپ رہے ہیں ؎

[illegible] کی آہ و فغاں کو سن کر یہ اہل محفل بڑا نہ مانیں
ہم اپنی قسمت کو رو رہے ہیں کسی سے شکوہ گلا نہیں ہے

حکیم صاحب نہایت کامراں پلٹ رہے ہیں۔ دیکھئے تو محترم شیخ یاد محمد
فخر گلشی صاحب تشریف لا کر ایک کرسی پر رونق افروز ہو گئے ہیں یا یوں کہیں
کلام شاعروں کے لئے غنیمت ہے اس قدر مصروفیات کے باوجود شاعروں
میں اپنا وقت دے رہے ہیں۔ وہ دیکھئے رزمی صاحب مشہور ترنم اور غزل گو

شاعر جوش نعمانی رامپوری کو دعوت سخن دے رہے ہیں۔ جوش صاحب
یوں محفل کو چونکا رہے ہیں ؎

تشریح قانی و ظہوری ✤ تفسیر زندگیٔ عرفی
اشعار الم میں آہ وش پنہاں ✤ فردوسی و انوری و سعدی

داد کے شور میں ارشاد ہوا ہے ؎

آج وہ دن ہے باعث زینت یارو ہمیں اچھا لگتا ہیں
جس کے ٹکڑے کل بکیں گے ایک سیر بازاروں میں

داد کا ایک دھماکہ ہوا ہے اور آپ غزل سرا ہیں ؎

تم سے یہ جدائی کے غم دل اٹھائیں گے
ہنستے رہو گے آنکھ میں آنسو نہ آئیں گے

بخشے کوئی ہمیں بھی جو اک دن کی سلطنت
ہم بھی کسی کے پیار کا سکہ چلائیں گے

دنیا کو اپنے حسن پہ کس درجہ ناز ہے
دنیا کو ایک دن تری محفل میں لائیں گے

ہر رنج دل پہ سہہ کے جو روکے ہیں آنکھ میں
ان موتیوں سے آپ کا دامن سجائیں گے

صندل سا ہاتھ ماتھے پہ سر خم۔ نظر جھکی
آداب یوں کرو گے تو ہم مر نہ جائیں گے

پوچھو نہ ہے کہ کچھ نہ پوچھئے اور تاج صاحب فرما رہے ہیں کس
طرح سے اس پر انکے احباب تاج صاحب کو بھی داد دے رہے ہیں اسی
ہنسی مذاق میں جوش صاحب مقطع عنایت کر رہے ہیں ؎

اے ہوش آج پوچھ رہے ہیں جو دل کا حال
کل وہ رقیب ہی ترے ٹکڑے اڑائیں گے

ہوش صاحب پہلی بار محفل کو گرما کر تالیوں کی جھنکار میں خدا حافظ کہہ رہے
ہیں اور رزمی صاحب جناب تشنہ صاحب کو مائک سونپ کر اپنی جگہ گئے
ہیں۔ تشنہ صاحب کرشی ہلی گڑھی کو رنگ محفل بدلنے کے لئے زحمت سخن دے
رہے ہیں لیکن کرشی صاحب رواں دواں سنا کر چلتے بنے۔ اچھا اب آپ
فدا صاحب میرٹھی سے یہ غزل سنئے ؎

کر کے اظہار محبت بڑی رسوائی ہوئی
جب کبھی دیکھو وہ نظر ملتی ہے شرمائی ہوئی

داد سامعین کی شباب پر ہے اور آپ فرما رہے ہیں ؎

رازِ دل کہہ کے میں اس طرح کھڑا ہوں خاموش
ہو بہو جیسے کوئی لاش ہو کفنائی ہوئی

لاش پڑی رہتی ہے — ایک آواز — اور آپ فرما رہے ہیں ؎

ہائے اس دور کے انسان کی قسمت شاداب
زندگی پھرتی ہو جس دور میں گھبرائی ہوئی

شاداب صاحب داد سمیٹے جا رہے ہیں اور قمر شیر صاحب مشہور مترنم شاعر مظفر رزمی کو بنا رہے ہیں رزمی صاحب یوں دلکشی سے غزل سرا ہیں ؎

ہم تو دریا میں کوئی راہ بنا ہی لیں گے
آپ پتھر ہیں بتا دیں کہ کدھر جائیں گے

آہ اور واہ کے ہنگامے میں ارشاد ہوا ہے ؎

وہ پکاریں گے اگر خود تو ٹھہر جاؤں گا
ورنہ خوددار مسافر ہوں گذر جاؤں گا

میں ہوں خود اپنے خیالات کا اک عکس حسیں
آئینہ خانے سے نکلا تو کدھر جاؤں گا

تجھ کو الجھا ہوا سمجھے دو مقدر کی طرح
میں تری زلف نہیں ہوں جو سنور جاؤں گا

داد کا سابقہ ریکارڈ بھی جھوم رہا ہے یہ شور خوشگوار کم ہوا تو رزمی صاحب اسی جان لیوا ترنم سے سحر کر رہے ہیں ؎

عصر نو اپنی کتابوں میں چھپا لے ورنہ
میں خیالات کی مانند بکھر جاؤں گا

رزمی صاحب تالیوں کی جھنکار میں نہایت تمکنت سے اپنی جگہ آ رہے ہیں اور اب تیغیر صاحب ساحل دہلوی کو یاد فرما رہے ہیں ؎

زلف میں تھا تم کو تو منزل میں بسا لو مجھ کو
اس سے پہلے کہ بکھر جاؤں اٹھا لو مجھ کو

ہائے ہائے کی ایک طرف آواز بلند ہو رہی ہے اس پر ایک قہقہے نے جنم لیا اور آپ فرما رہے ہیں ؎

اب اگر لوٹ گیا ہوں تو شکایت کیسی
میں تو کہتا تھا کہ نہ اب [illegible] تو مجھ کو

ساحل صاحب جا رہے ہیں اور اب آ رہی ہیں تالیوں کی جھنکار میں ایک کمسن شاعرہ صبیحہ علیگڑھی نہایت دلکشی سے جھوم کر سنا رہی ہیں ؎

دور تک اڑنے کی آگ میرے آشیانے کی بجھ نہ سکی آپ بھی کیجئے اپنا گھر بچانے کی

مطلع نہایت دلکش اور جاندار ہے۔ ترنم بھی ماشاءاللہ شعلہ سا لپک رہا ہے اس پر سامعین باذوق لہذا داد کا عالم نہ پوچھئے اور میں سوچ رہا تھا مگر واقعی صبیحہ اتنے اچھے شعر کہتی ہے تو کیا کہنا خدا نظر بد سے بچائے دیکھا تو اک سحر کاری سے سامعین کو مسحور کرنے کی ٹھان رہی ہیں ؎

آپ کو مبارک ہو عشرتیں زمانے کی
ہم نے پائی ہے دولت درد کے خزانے کی
صرف لب تک آئیں تھیں کچھ دبی دبی آہیں
اور ہوئی سزا مجھ کو حد اور پر جھانکنے کی

پھر داد شباب پر ہے اور آپ مقطع عنایت کر رہی ہیں ؎

کیا خبر تھی اے سنبل جب بہار آئے گی
بھول جائینگے طرز مسکرانے کی

صبیحہ صاحبہ ایک گیت اور سنا کر تالیوں کے شور میں جا رہی ہیں اور منہ کا مزہ ذرا بدلنے کے لئے ہلال رضوی رامپوری کو دعوت طنز و مزاح دے رہے ہیں۔ ہلال صاحب فرما رہے ہیں ؎

تیسری بیوی جو گئی میکے تو والد نے کہا
خوش ہوں میں، ذوقِ شوہری ٹھنڈا نہ ہو
بزنس کے لئے ترقی یافتہ اس دور میں
جتنی چاہو مرغیاں پالو مگر انڈا نہ ہو

شور و غل کم ہوا تو ارشاد ہوا ؎

پیٹ بھر جائے گا گو دام میں غلہ ہوگا
اب تو جو سال بھی آئے گا وہ اچھا ہوگا
اس میں کچھ فرق تو نہیں لیکن یہ بتلا دیجئے
چر گئے قوم کی کھیتی تو پھر کیسا ہوگا

ہلال صاحب محفل کو قہقہہ زار بنا کر جا رہے ہیں اور تیغیر صاحب پروفیسر مظفر نوید سے درخواست کلام کر رہے ہیں۔ نوید صاحب ایک شگفتہ غزل میر کے رنگ میں چھیڑ رہے ہیں سماعت فرمائیے ؎

دیر و حرم کے جھگڑوں سے یوں ہر اک گھبراتا ہے
فرزانوں کی بھیڑ میں جیسے دیوانہ گھبراتا ہے

داد و داد سے بے نیاز عنایت کر رہے ہیں ؎

مجھ سے بہتر تو کیا جانے کیوں مجھے کھاتا ہے
ناصح جو مجبور ہو دانستہ ٹھوکر کھاتا ہے

کوئی کسی کا دوست نہ دشمن اپنے عمل کا پھل ہے یہاں
گیہوں بوئے گیہوں پائے جو بوئے جو پائے ہے
روز ہمیشہ رہنے کی تدبیر بھی کرتی ہے لیکن
اور یہ دُنیا کہتی ہے یہ دُنیا ایک سرائے ہے

نوید صاحب خوب خوب داد لُوٹ کے کامراں پلٹ رہے ہیں مشیر صاحب مشہور مترنم شاعر مضطر اندوری کو دعوت موسیقی دے رہے ہیں مضطر صاحب کسی اور ہی عالم میں مائک پر آگریوں لہرا رہے ہیں ؎

آج اگر راس بھی آجائے تو ہوتا کیا ہے ❊ کل بدل جائیگی دُنیا کا بھروسا کیا ہے
دل تو اس شوخ ستمگر نے کبھی کا چھینا ❊ پھر مرے سینے میں دن رات دھڑکتا کیا ہے

داد شباب پر ہے اور آپ دلکشی سے محفل کو گرما رہے ہیں ؎

تو یہ کہتا ہے کہ وہ گھر میں نہیں ہیں قاصد ❊ چاند پھر پسِ پردہ یہ چمکتا کیا ہے
ہم نہ ہونگے تو میخانہ اجڑ جائے گا ❊ ساقی میکدہ تو ہمکو سمجھتا کیا ہے

مضطر کا ایک دانت گر گیا ہے جس کو وہ اُٹھا کر اس کی جگہ فٹ کر رہے ہیں اور نواب عارف صاحب فرما رہے ہیں ؏

شعر پڑھتے ہوئے منہ سے یہ نکلتا کیا ہے

دیکھا تو اسی ہنسی مذاق میں آپ مقطع سنا رہے ہیں ؎

سب یہ کہتے ہیں کہ مینوش ہے مضطر لیکن
دیکھتا کوئی نہیں ہے کہ یہ پیتا کیا ہے

مضطر تالیوں کے شور میں مائک سے جدا ہو رہے ہیں اور مشیر صاحب رنگِ محفل بدلنے کے لئے آفتاب لکھنوی کو دعوتِ قہقہہ دے رہے ہیں اور آپ رواں دواں سنا رہے ہیں سماعت فرمایئے ؎

مر نہ جائے یہ بجھا قبر پہ میری وہ بیٹھ کر ❊ افسانہ لکھ رہی ہیں دلِ بے قرار کا
میں ڈر رہا ہوں انکی محبت کے بوجھ سے ❊ تختہ لچک کے ٹوٹ نہ جائے مزار کا

ہائے اور شور و غل کم ہوا تو ارشاد ہوا ہے ؎

بھرے ڈبے میں ٹی۔ ٹی نے فقط مجھ سے ٹکٹ مانگا
کہا میں نے کہ تم بے حد بیکٹ معلوم ہوتے ہو
ٹکٹ حاضر ہے لیکن مجھ اکیلے پر یہ شک کیسا
نظر سے کھوپڑی سے دل سے بے ٹکٹ معلوم ہوتے ہو
یہ سنکر مجھ سے ٹی۔ ٹی نے کہا سنگین لہجہ میں
بڑے گستاخ ہو بے حد اڈیٹ معلوم ہوتے ہو
تمہاری شکل ہی قدرت نے کچھ ایسی بنائی ہے
ٹکٹ رکھتے ہوئے بھی بے ٹکٹ معلوم ہوتے ہو

ادھر آفتاب صاحب نے پنڈال میں ہڑ بونگ کو جنم دیا ہے اور اُدھر گیٹ پر ایک ہجوم اندر آنے کے لئے ڈٹا کھڑا ہے پھر اس ہنگامہ کو فرو کرنے کے لئے مشیر صاحب راز الہ آبادی کو دعوتِ نغمگی دے رہے ہیں۔ راز صاحب یوں لحن داؤدی میں غزل سرا ہیں ؎

اب تو دل نہیں لگتا اِن پری جمالوں میں ❊ ہم اُلجھ گئے کتنے آپ کے خیالوں میں
لوگ آگئے آخر رہنما کی چالوں میں ❊ خوف تھا لٹیروں کا لٹ گئے اُجالوں میں

داد اور تالیوں کا ایک دھماکہ ہوا ہے قدرے سکوت کے بعد ارشاد ہوا ہے ؎

تم نے اپنے لٹنے کا ان سے جب سبب پوچھا ❊ وہ جواب کیا دیتے کھو گئے خیالوں میں
اِن پھٹے لباسوں کی کیوں ہنسی اُڑاتے ہو ❊ کوئی اہلِ دل ہوگا ان خراب حالوں میں

پھر آہ اور واہ کا ایک ریلا سا آیا ہے اور آپ فرما رہے ہیں ؎

عمر جتنی بڑھتی ہے دل جوان ہوتا ہے
راز یہ حسین غزلیں ان سفید بالوں میں

راز صاحب شاداں جا رہے ہیں ادھر مشیر صاحب خوبرو خوش گلو خوش فکر جواں شاعر طارق بدایونی کو دعوتِ نغمگی دے رہے ہیں۔ طارق صاحب نہایت سیکھے اور جوان ترنم سے غزل سرا ہیں ؎

اس طرح مرے دل میں تیرا غم مچلتا ہے
جیسے کوئی بستر پر کروٹیں بدلتا ہے

کیا وہی غزلیں رہ گئی ہیں ——— ایک آواز ——— اور آپ ہنسی اَن سنی کرتے ہوئے الاپ رہے ہیں ؎

جانے کس کا رہتا ہے انتظار آنکھوں کو ❊ کوئی میری پلکوں پر رات بھر مچلتا ہے

داد کے شور میں ارشاد ہوا ہے ؎

رات کتنا ہی کرے اپنی فصیلوں کو بلند ❊ دھوپ اتریگی تو آنگن میں اُجالا ہوگا
اپنی آنکھوں کے سوالوں میں بچا لو آنسو ❊ اِن بتوں کا بھی کوئی پوچھنے والا ہوگا
اک جھلک غم کی سر شام سے نا پہ آئی ہوگی ❊ یوں تو چہرے کو بہت اس نے سنبھالا ہوگا

طارق صاحب خوب خوب داد لوٹ کے اپنی جگہ آ رہے ہیں اور راز صاحب فرما رہے ہیں ؏

میرا جیسا نہ کوئی چاہنے والا ہوگا

اور مشیر صاحب درخواست کلام کر رہے ہیں مسعودہ حیات صاحبہ سے حیات صاحبہ نہایت سنجیدگی سے غزل سرا ہیں ؎

مانا کہ ہم کرم کے سزاوار بھی نہیں ٭ لیکن جہاں میں ہم سا وفادار بھی نہیں
دل کو کسی کے عشق کا آزار بھی نہیں ٭ ہم ایسی زندگی کے طلبگار بھی نہیں
گزری ہے زندگی تِسے دامن کی چھاؤں میں ٭ کیا غم جو آج سایۂ دیوار بھی نہیں
...پا ہے اضمیر بھی بیدار ہو سکے ٭ اب شاعروں کے لب پہ دعا بھی نہیں

عیش و طرب میں جان چھڑکتے تھے سب حیاتؔ
حالِ تباہ میں کوئی غمخوار بھی نہیں

حیاتؔ صاحبہ خوب خوب داد و تحسین پاکر جارہی ہیں اور مشیرؔ صاحب منظفر نگر کے گوشہ نشین اور استاد شاعر نوحیؔ سے درخواست کلام کر رہے ہیں قبلہ شاہد صاحب تبرکاً عطا کر رہے ہیں ؎

ہوس کو عشق سمجھا رہا ہے ٭ اجالوں کو اندھیرا کھا رہا ہے
ہزاروں مشعلیں جلتے ہوئے بھی ٭ نظر کیوں راستہ کم آرہا ہے

قبلہ شاہد صاحب گلو خلاصی کر کے اپنی جگہ آ رہے ہیں اور مشیرؔ صاحب نہایت پُروقار انداز سے تازہ غزل عنایت کر رہے ہیں سنیئے ؎

جان پر بنتی رہی لیکن وفا کرتے رہے ٭ زندگی بھر زندگی کا قرض ادا کرتے رہے
حوصلہ مندوں نے بڑھ کر چھین لی تیغ ستم ٭ پست ہمت سر جھکا کر التجا کرتے رہے

داد نے ایک ہنگامہ کا روپ دھار لیا ہے اور آپ کئی بار دہرا کر عطا کر رہے ہیں ؎

زندگی کی نازبرداری کوئی آسان تھی ٭ موجِ تیز و تند کو موجِ صبا کرتے رہے
روزنِ زنداں سے دنیا کے مناظر دیکھ کر ٭ اپنی تنہائی پہ ہم شکرِ خدا کرتے رہے
ایک حلقہ ہر برس بڑھتا گیا زنجیر کا ٭ اور ہم آزاد ہونے کی دعا کرتے رہے

پھر داد نقطۂ عروج سے ہوا ہے اور آپ محفل کو گرما رہے ہیں ؎

ہو سکا پھر نہ آشفتہ مزاجی کا علاج ٭ پتھروں کو حسن دے کر ہم خدا کرتے رہے
اس سے بڑھ کر اور کیا ہوں گی یقیں ہو گا مشیرؔ ٭ اس کی رحمت کے سہارے ہم خطا کرتے رہے

قبلہ مشیرؔ صاحب تالیوں کی جھنکار میں محفل کو لوٹ کر اپنی جگہ آکر مشہور مترنم شاعر شمیمؔ جے پوری کو دعوتِ نغمگی دے رہے ہیں۔ شمیمؔ صاحب یوں جوان ترنم سے غزل سرا ہیں ؎

صبا کہنا یہ میرا نام لے کر ٭ کب آؤ گے وہ صبح و شام لے کر
اٹھے ہیں اہلِ مستی جام لے کر ٭ جوابِ گردشِ ایام لے کر

داد کا عالم نہ پوچھئے اور آپ بھی جھوم کر فرما رہے ہیں ؎

مجھے ہر منزلِ غم ہے گوارا ٭ گزر جاؤں گا تیرا نام لے کر
غمِ عصیاں نہ جینے دیگا ساقی ٭ پلا دے جا خدا کا نام لے کر
طوافِ بتکدہ کو جا رہا ہوں ٭ حرم سے جامۂ احرام لے کر
جو ساقی سے ملی واعظ کو دیدی ٭ مذاقِ تشنگی سے کام لے کر

شمیمؔ صاحب تالیوں کی جھنکار میں پلٹ رہے ہیں اور مشیرؔ صاحب درخواست کلام بلاغت نظام کر رہے ہیں محترم حکیم جوہرؔ وارثی قبلہ سے محترم جوہرؔ صاحب اس پیرانہ سالی میں جوان ترنم سے محفل کو گرمانے چلے ہیں ؎

دل لبِ غد ہے کہ ہوں لعب پریشاں کے قریب ٭ سی لیا ہوگا وہ جلتے ہیں گریباں کے قریب

داد اس مطلع کا حق ہے لہٰذا داد کا ایک ریلا آیا ہے اور آپ کئی بار دہرا کر عطا کر رہے ہیں ؎

آج ایسے تئیں کچھ اس طرح ہوا ذکرِ بہار ٭ ہاتھ رک رک گئے جا جا کے گریباں کے قریب
ہوش رہتا تو ہر اک ذرہ پہ سجدہ کرتا ٭ دل ہی بس میں نہ رہا کوچۂ جاناں کے قریب
دل کو غم دیکے رہو پہلوئے دل میں تم بھی ٭ میزباں جچتا ہے ساتھ میں مہماں کے قریب

قبلہ جوہرؔ صاحب خوب خوب داد و تحسین پاکر کامراں لوٹ رہے ہیں اور مشیرؔ صاحب شانِ غزل فناؔ کانپوری کو دعوتِ نغمگی دے رہے ہیں۔ فناؔ صاحب محفل کا جائزہ لے کر غزل سرا ہیں ؎

دو گھونٹ کا اے ساقی الزام نہیں لوں گا ٭ میں تشنہ لبی دے کر اک جام نہیں لوں گا
اظہارِ تمنا میں توہینِ تمنا ہے ٭ تم خود ہی سمجھ جاؤ میں نام نہیں لوں گا
اے اہلِ چمن رکھ لو یہ تحفۂ گل اپنا ٭ مجھ کو مرا حق دے دو انعام نہیں لوں گا
بے ترشا ہوا پتھر کافی ہے پرستش کو ٭ پھینکے ہوئے کعبے کے اصنام نہیں لوں گا
میں راہ کے سایوں سے خیراتِ سکوں کیوں لوں ٭ منزل سے بھی مانگے کا آرام نہیں لوں گا

قبلہ فناؔ صاحب محفل کو گرما کر تالیوں کی جھنکار میں مائک سے جدا ہو رہے ہیں اور آپ کے ساتھ ہی اس کامیاب سلاجواب اور یادگاری مشاعرہ کا پہلا دور سوا دو بجے ختم ہو رہا ہے۔ دوسرا دور تقریباً ۴ بجے تک جاری رہا جو نہایت کامیابی سے چلا اور خوب خوب شعرا ہی کو نہیں محترم صدر صاحب کو بھی سنا گیا۔

اس مشاعرہ کے سلسلے میں جہاں ضلع کے وکلاء، ڈاکٹر صاحبان، اسلامیہ انٹر کالج کے اساتذہ کرام اور طلبا عزیز نے دلچسپی لی اور تعاون فرمایا وہاں جناب شاہد رضا ایڈوکیٹ کنوینر مشاعرہ تھا اور جناب نجمؔ مظفر نگری نے اس مشاعرہ کو ہر ممکن طریقے سے شب و روز جد و جہد فرما کر کامیاب بنایا۔ لائق صد مبارکباد ہیں۔ انجمن فروغِ اردو کے ارکان کہ جن کی سعی پیہم سے نمائش کے مشاعرہ کی طرح ایک اچھا اور شاندار مشاعرہ ضلع کے سامعین کو نصیب ہوا۔ اچھا خدا حافظ!

ٹونک کا ایک قدیم تاریخی مشاعرہ

از سید منظور الحسن برکاتی لکچرار
دارالعلوم خلیلیہ ٹونک

یہ مشاعرہ آج سے سو سال پہلے منعقد ہوا تھا

(محرم سنہ ۱۲۹۰ھ)

یہ آج سے پورے ایک سو سال پہلے کی بات ہے۔ ٹونک کے چوتھے فرماں روا امین الدولہ نواب ابراہیم علی خاں خلیل مرحوم کا عہدِ حکومت تھا۔ ریاست ٹونک کو قائم ہوئے ۵۶ برس اور نواب ابراہیم علی خاں کو حکمرانی کرتے ہوئے صرف چند برس گزرے تھے۔ ٹونک میں علم و فن اور شعر و ادب کی بہت سی مسندیں بچھی ہوئی تھیں۔ رام پور، دہلی، لکھنؤ اور دوسرے شہروں کے کثیر تعداد میں علمی ادبی خاندان یہاں کی قدردانیِ علم و ادب کا شہرہ سن کر یہاں آکر آباد ہو چکے تھے۔ اور خوش حالی و فارغ البالی کی زندگی گزار رہے تھے۔ نواب ابراہیم علی خاں ایک اولو العزم اور صاحب حشمت حکمراں ہونے کے ساتھ ساتھ پیشرو حکمرانوں کی طرح قدردانِ علم و فن تھے شعر و سخن کا بھی ذوق رکھتے تھے۔ خود بھی بڑے قادر الکلام شگفتہ بیان شاعر تھے خلیلؔ تخلص تھا۔ اسدؔ لکھنوی۔ بسملؔ خیرآبادی۔ مضطرؔ خیرآبادی، اور ظہیرؔ و انورؔ دہلوی جیسے مشاہیر اساتذۂ سخن اُن کے دربار سے وابستہ تھے۔ بسملؔ خیرآبادی اسدؔ لکھنوی، اور مضطرؔ خیرآبادی کو مشیرِ سخن ہونے کا اعزاز بھی حاصل تھا رات دن شعر و سخن اور مشاعروں کی محفلیں گرم رہتی تھیں۔ نئی نئی اور سنگلاخ سے سنگلاخ زمینوں میں شعراء داد سخن دیتے تھے خود نواب صاحب کے درباری مشاعروں کیلئے شعرا کو مصرعہائے طرح دیے جاتے تھے۔ اور دربار میں ہر ماہ کبھی پندرہویں روز بڑے اہتمام سے مشاعرے منعقد ہوتے تھے۔

ٹونک میں اُردو کا ایک بڑا اچھا مطبع تھا۔ مولوی غالب علی خاں، منشی عبدالغفار خاں خوشنویس و منتظم مطبع کے مہتمم تھے۔ آئے دن کتابیں چھپتی رہتی تھیں اور بڑی صاف اور عمدہ طباعت ہوتی تھی، یہ مطبع "مطبع مہدی" کے نام سے موسوم تھا۔ نواب محمد علی خاں سرے حکمرانِ ریاست کے عہدِ حکومت میں ۱۸۷۶ء میں قائم ہوا تھا، مطبع نول کشور لکھنؤ سے خریدا گیا تھا۔

درباری مشاعروں میں شریک شعرا کا کلام "گلدستۂ بہار" کے نام سے ہر ماہ کتابی صورت میں شائع ہوتا رہتا تھا، منشی ممتاز علی جو خود بھی صاحبِ دیوان اور قادر الکلام شاعر تھے وہ اس ماہنامہ کے مرتب تھے۔

نواب صاحب کے ذوقِ شعر و سخن کی وجہ ان کے خاندان اور شہر میں بھی شعر و شاعری کا چرچا تھا۔ درباری مشاعروں کے علاوہ نواب صاحب کے خاندان کے ارباب اقتدار علم دوست اور شعر و ادب سے ذوق رکھنے والے رئیس زادوں کے یہاں بھی آئے دن محافلِ شعر و سخن اور مجالس شعر و ادب منعقد ہوا کرتی تھیں۔

صاحبزادہ عبدالکریم خاں ابن نواب امیر الدولہ اور ان کے فرزندان صاحبزادہ حامد خاں و محمد سعید خاں قدردانیِ شعر و سخن میں دوسرے خاندان سے ممتاز تھے۔ عبدالکریم خاں شاعر بھی تھے اور فداؔ تخلص تھا اسی طرح محمد سعید خاں سعیدؔ تخلص رکھتے تھے۔ اس خاندان کو مجالس مشاعرہ کے انعقاد سے بڑی دلچسپی تھی۔ ہر ہفتہ مشاعرہ ہوتا تھا اور ہر مشاعرہ کے لئے دو دو مصرعہائے طرح دیئے جاتے تھے۔

حسن اتفاق سے ان کے عہد کے کچھ طرحی مشاعروں کی غزلیں پرانے ذخیرے سے دستیاب ہوئی ہیں آج کی صحبت میں ان میں سے ایک مشاعرے کی طرحی غزلوں کا انتخاب ہدیۂ ناظرین کرنے کی عزت حاصل کر رہے ہیں۔

یہ مشاعرہ آج سے پورے ایک سو پانچ سال پہلے محرم الحرام سنہ ۱۲۹۰ھ منعقد ہوا تھا۔ وہ دور بڑا مہذب اور شائستہ دور تھا، اُس دور میں شاعروں کی محفلیں پورے آداب و احترام سے منعقد ہوتی تھیں۔ داد میں صرف سخن سنج، سخن شناس ہی حصہ لیتے تھے داد دینے کا طریقہ اور انداز بھی بڑا مہذب اور سنجیدہ ہوتا تھا۔ مجالس میں ایسے لوگوں کو زیادہ مدعو کیا جاتا تھا شعرا سخن شناس سامعین کا اور سخن فہم سامعین، سخن گو شعرا کا ہر اعتبار سے پاس و لحاظ رکھتے تھے۔

یہ مشاعرہ بھی بڑے شائستہ انداز میں ہوا تھا اس میں جن شعرا نے طرحی غزلیں پڑھی تھیں ان کے اسما یہ ہیں۔

مرزا اشہیار کا تا، غلام احمد خاں احمدیؔ۔ عبدالواحد خاں مرتبیںؔ، بشیرؔ، مفلسؔ، صمصامؔ، پنڈت دیبی پرشاد حرکیؔ، پنڈت برہما چاری ماہر، کندجی زاہدؔ، مرقتؔ، محمد عبدالکریم خاں رخشاںؔ، عبداللہ خاں قصؔ، سید فدا حسین سعیدؔ، سید محمد عثمان مشتاقؔ، شوقؔ، مولانا غضنفر علی خاں غضنفرؔ،

فائق - خان بہادر خاں عاجز - علی مردان -

مصرعہائے طرح تھے (۱) رہیں نالے نہ کیوں جاری مری اس چشم پر نم سے

(۲) بجائے نور ہے آتش عیاں ماہِ محرم سے

ذیل میں اس مشاعرہ کا انتخاب ہدیۂ ناظرین کیا جا رہا ہے ہر شاعر کا ایک مطلع اور مقطع درج ہے اس انتخاب سے مقصد یہ ہے کہ اس دور کا رنگ شاعری سامنے آئے اور ان شعرا کا نام اور کلام تاریخ میں محفوظ رہ جائے۔

---

(۱) مرزا شہباز بیگ آغا

محب مصطفےٰ کو حضرت شبیر کے غم سے ٭ بجائے نور ہے آتش عیاں ماہِ محرم سے
سراپا صورت غم ہوں الٰہی کس کے ماتم سے ٭ کہ روز عید قرباں ہے سوا ماہِ محرم سے
ہمارا سینہ وہ آتشکدہ ہے جس کے اے آغا ٭ ہمیشہ اتقوا تم یہ زباں نار جہنم سے

(۲) غلام احمد خاں احمدی

وہ کب مفلس ہے جو جلتا ہے نار الفت غم سے ٭ کہ ہر گز داغ سودا کم نہیں دینار و درہم سے
دل سادہ ویاں میں تعلی بڑھتی جاتی ہے ٭ خوشامد ہو نہیں سکتی زیادہ احمدی ہم سے

(۳) آمی

ہے ہم سے غم غلط غم کو ہمارا غم غلط غم سے ٭ عجب ہی الٹا سیدا ہوا ہے غم سے اور ہم سے
محبت آل کی رکھتے ہیں جنکو کام ہے آمی ٭ شفیع المذنبین پاک صلی اللہ وسلم سے

(۴) بشیر

نہاں ہے شفق خون جگر یہ کس کے ماتم سے ٭ عزا بر پا نکیلی ہے کیوں ماہِ محرم سے
بشیر اب چپ رہو اپنا کلیجہ منہ کو آتا ہے ٭ سنا تم کبھی نہیں جاتا غم آل عبا ہم سے

(۵) عبدالواحد خاں برجیس

تم کہ تیری سخن میں شکایت جن و آدم سے ٭ نہیں چھوڑا کسی کو تو نے خالی درد و غم سے
ہوا ہے قتل بے باعث کوئی تو جس کے ماتم سے ٭ بجائے نور ہے آتش عیاں ماہِ محرم سے
دکھا دے کیوں نہ جوہر چشم برجیس اپنا عالم میں ٭ کہ اوس کی موت آنکھوں کی ملی ہے چشم پر نم سے

(۶) ـــ حریق ـــ ان کا نام پنڈت دیبی پرشاد تھا۔ یہ اردو فارسی میں اچھی استعداد رکھتے تھے۔ کئی کتابوں کے مصنف بھی۔ ان کے دادا بانی ریاست نواب امیرالدولہ کے ساتھ زمانہ جنگ سے وابستہ تھے۔ ان کے دادا کے خسر بخشی دولت رائے نواب صاحب کے میر منشی لشکر تھے۔ ان کے والد منشی تھمن لال تھے۔ جو نواب زادہ عبدالکریم خاں کی سرکار میں منشی و کار مدار تھے۔ حریق کو بچپن ہی سے شعر و شاعری سے ذوق تھا۔ انھوں نے پہلی غزل نواب زادہ احمد علی خاں آزو لق کے یہاں پڑھی تھی۔ مصرع طرح تھا ع

کچھ بن ہی آتی نہیں کیا کیجئے

حریق نے صاحبزادہ صاحب کی تجویز پر "حریق" تخلص اختیار کیا تھا بعد میں اپنے والد کے کہنے سے "بشاش" اختیار کیا۔ یہ دونوں تخلص ان کو پسند تھے۔ اور دونوں ہی میں شعر کہا کرتے تھے۔

تبوں گے مبتلائے عشق دنیا میں کوئی ہم سے ٭ ہمارا بال بال الجھا ہوا ہے زلف پر خم سے
جہاں میں بلکہ ہے غم کو یہیں سے اور ہمیں غم ہے ٭ کہ ماہ عید بھی ہم کو نہیں ہے کم محرم سے
جلو لیس غالک الوا آتش دل پر حریق اب تک ٭ جلا جاتا ہے عالم اب تمہارے آتشیں دم سے

(۷) محمد عبدالحکیم رخشاں

بہے ہیں کتنے دریا رفتہ رفتہ چشم پر نم سے ٭ کئی ناسور سینے میں ہوئے اپنے سوز غم سے
رواں ہے جبکہ تن میں رخشاں کی تمنا ٭ دل جدا ہوا آباد اں ہے حسینؓ کے غم سے

(۸) زاہد - پنڈت برہم جاری پرم کنند جی سکسینہ ۱۸۷۲ء میں ٹونک تشریف لائے اور صاحبزادہ حامد خاں صاحب مرحوم کی ادب پرور سرکار سے وابستہ ہو گئے اس دور کے سب ہی مشاعروں میں شریک ہوتے تھے اور طرح میں غزلیں پڑھا کرتے تھے۔

غلب گریہ سے فکر ہو لیلاور حشر کے غم سے ٭ ہے امید شفاعت سرور اولاد آدم سے
کہ جگر ہو دامن دشک قمر کے نام کو نا ہو ٭ بنیں خسی قمر دونوں جہاں کی تسبیح کے غم سے

(۹) - سید - سید غلام حسین چابک سوار تھے۔

شہید ابن علا کا خون چمکا جوش ماتم سے ٭ بجائے نور ہے آتش عیاں ماہِ محرم سے
وہ اپنا پیشوا سمجھ کرائے سید مسکیں ٭ جسے بخشا خدا نے فخر ابراہیم و آدم سے

(۱۰) سید محمد عثمان شائق - سید نورالدین بخشی ریاست کے فرزند تھے۔ ابتدا نائب بخشی کے عہدہ پر فائز ہوئے والد کے انتقال کے بعد بخشی ریاست مقرر ہوئے۔ مجاہد اعظم حضرت سید احمد شہید کے نسبی و خاندان سے تعلق تھا۔

بیاں الطف وصال یار کیونکر ہو سکے ہم سے ٭ شب خلوت کا پوچھے حال کوئی ناگہ غم سے

یہ جب شائق شیدا افق سے مہر نکلا ہے ۔ اٹھا کر جس گھڑی پردے سے نکلی وہ پری پیکر ہے

(۱۱) شوق

لالہ جیون رام ولد تن سُکھ رائے نام تھا۔

خفا جانے مکدر ہو گئے بے وجہ کیوں ہم سے ۔ بگڑ کر منہ بناتے ہیں تو ٹھیک ہیں ہم سے بے ہم سے
پڑا عکس مے جسدم کو بید مدال جانان ہے ۔ کہیں افزوں نہ ہو وہ حُسن میں کیا شوق نیکم ہے

(۱۲) صمصام

حقیقت تو یہ ہے گر پوچھتے ہو ہمدم ۔ خوشی اچھی نہیں معلوم ہوتی یار کے غم سے
وہی ان خوب تھے جب بے تعلق تھے آپ سے ہم ۔ نہ غم آگاہ تھا ہم سے نہ ہم آگاہ تھے غم سے
شبہ کونین سے ہے عرض یہ صمصام عاجز کی ۔ نجات عاصی کو ہو عصیاں سے اور نار جہنم سے

(۱۳) علی مردان خاں

ہے امید شفاعت ہم کو ایک ایسے معظم سے ۔ ہوئے ہیں دو جہاں پیدا جس کے فیض مقدم سے
جو شن لیوے علی مردان ہم پیلے دو شال اپنا ۔ تن بے جان میں جان آجائے مجنوں کے غم سے

(۱۴) غضنفر

مولانا غضنفر علی خاں نام، علامہ تحف علی خاں ہجروی کے فرزند، خود بھی فارسی و عربی کے بڑے عالم اور دوسری زبانوں پر قادر، عربی، فارسی اور اُردو تینوں زبانوں میں طبع آزمائی کیا کرتے تھے ان کے فرزند مولانا نظیر حسن سخا اور مولانا امیر حسن تنہا بھی ماہر فن شاعر اور عربی فارسی کے عالم تھے۔

سلامی طلایا تا ہے میرا آتش غم سے ۔ بجائے نور آتش ہے عیاں ماہ محرم سے
بروز حشر کہ او اشہر رکیک اس فن کا ہیں بھی ۔ غضنفر کو خدا ہے صاحب بیت معظم سے

(۱۵) فائق

قدم زینہ پہ رکھا آپنے جب عرش اعظم ہے ۔ فرشتوں نے پئے دھو دھو کے پاؤں آپ نے زمزم سے
جو کوئی چاہے فائق سلطنت میں منصب اعلیٰ ۔ تو سیکھے ترک لذت حضرت ابراہیم ادہم سے

(۱۶) فرقتی

خدا جانے فلک روتا ہے کس کا آج ماتم سے ۔ کہ گریاں دیدۂ انجم ہے پیہم اشک شبنم سے
کرو لے فرقتی دربار میں کے جبہ فرسائی ۔ بآسید شفاعت جبکہ تم بیٹھے ہوئے غم سے

(۱۷) قفس

عبداللہ خاں نام تھا، مزاحیہ شاعری کرتے تھے۔ صاحبزادہ حامد خاں کی سرکار سے وابستہ تھے۔ اُن کے قدما میں شمار ہوتا تھا۔

مریض عشق میں اچھے نہ ہونگے ابن مریم سے ۔ مزاج اپنا مکدر ہے نہ سودا ہے نہ بلغم سے
ہوائے گلشن عالم پہ بدلی ہے کہاں قفس ۔ بجائے سرو قمری کو ہوا ہے عشق شبنم سے

(۱۸) عاجز

رہیں نالے نہ کیوں جاری مری اس چشم پرنم سے ۔ بجائے نور آتش ہے عیاں ماہ محرم سے
ہو عاجز دیدیا تُو نے بہا و یار سر اپنا ۔ فنا ہو خاک ہو کر نہ کر تو دور تجسم سے

---

(۱۹) کلامی

مولانا عبدالرزاق کلامی بڑے قادر الکلام شاعر عربی، فارسی کے عالم، مصنف صمصام الاسلام (ترجمہ منظوم فتوح الشام امام واقدی) کلامی نے بڑی قادر الکلامی اور جوش و جذبۂ دلی کے ساتھ عربی فتوح الشام کو پچیس ہزار شعروں میں اُردو میں نظم کیا یہ حضرت سید احمد شہیدؒ کے ہمشیر زادہ منشی سید حمید الدین کے پوتے اور ان کے حقیقی بھائی سید عبدالرحمٰن کے نواسے تھے۔ والد کا نام محمد سعید تھا۔ شاعری میں مولوی الٰہی بخش نازش سے تلمیذ تھے۔

مطلع نہیں پڑھا گیا اس لئے چھوڑ دیا گیا۔

نہیں کہتے کبھی ہم شعر جب ایسے کہتے ہیں ۔ مخالف سے کوئی کہہ سکے یہ فن سیکھے ہم سے
وہ طوفاں ہو حبابوں کی طرح تیریں فلک آسیر ۔ کلامی گر بہیں آنسو ہماری چشم پرنم سے

(۲۰) مفلس

ہوا خورشید جل کر آگ کا شعلہ نہ یہ ہم ۔ بجائے نور ہے آتش عیاں ماہ محرم سے
خداوند امٹا نام و نشان ظالم کا دنیا سے ۔ اڑا دے ظالموں کو ایکدم میں توپ اور بم سے

نوٹ:۔ ان میں سے جن شعرا کے حالات دستیاب ہو گئے ان کا مختصر تعارف درج کر دیا گیا ہے۔ بقیہ کے حالات کی تحقیق و تلاش جاری ہے۔

۱۸ر جنوری ۱۹۷۶ء ۱۵ر محرم ۱۳۹۶ھ

سید منظور الحسن برکاتی

لکچرار دار العلوم خلیلیہ ٹونک۔

عظیم صدیقی

ہر غلط کو صحیح کہتے ہیں

دوسری قسط

رسالہ المعجم فی اشعار العجم میں لکھا ہے۔ صحت زبان یا درستی قافیہ کے لئے اساتذہ سلف نے دس عیب جائز رکھے ہیں۔

(۱) وصل (۲) قطع (۳) تخفیف (۴) تشدید (۵) قصر (۶) مد (۷) اسکان (۸) تحریک (۹) منع صرف (۱۰) [illegible] لیکن تسلیم کرتے ہوئے کہ ہم صحیح سے گریز کر رہے ہیں۔ ان جوازوں کو عدول ازاہل [illegible] کہ تحت پیش کیا ہے۔ اور ہٹ دھرمی سے کام نہیں لیا ہیں یہاں مختصر مثالیں پیش کرتا ہوں (۱) وصل اصل لغت میں کوئی حرف بڑھا لینا۔ مثلاً

رنگ رنگ میں الف بڑھا کر				رنگا رنگ	بنا لیا
"	"	ب	"	رنگ برنگ	"
چنگل	"	الف	"	جنگال	"
[illegible]	[illegible]	"	"	نعالع	"
[illegible]	[illegible]	"	"	[illegible]	"
[illegible]	"	[illegible]	"	[illegible]	"
[illegible]	[illegible]	[illegible]	"	[illegible]	"
[illegible]	"	ی	"	پایان	"
بہار	"	"	"	زینہار	"
[illegible]		"	[illegible]	[illegible]	"
[illegible]			"	[illegible]	
[illegible]		"	"	[illegible]	
[illegible]		"	"	[illegible]	
	"	"	"	[illegible]	

[illegible]

[illegible] رنگ و [illegible] [illegible]

[illegible] ایک دھواں [illegible]
[illegible] آگ مرے گھر سے [illegible]

[illegible] عظیم آبادی

عشق یک بار کے دیکھ لیا
غلطی یا یاد کون [illegible]

پروانہ

سحر [illegible] وقت وداع
ہو [illegible] دعا کا [illegible] مصرع

[illegible] آیا تھا

اب چند اشعار میں وصل [illegible] ملاحظہ ہوں۔

آتش	میں	شین	بڑھا کر	آتشش	بنا لیا
پروا	"	"	"	پرواہ	"
گلاس	"	"	"	گیلاس	"

آتشش ہو گا جو ان پھر [illegible] گے
چند روز اور [illegible] [illegible] دنیا
اپنے گیلاس [illegible] کریں گے حاضر
[illegible]

(۲) قطع اصل لغت سے کوئی حرف کم کر دینا
شاہ [illegible] کم کر کے شاہ [illegible] بنایا

ام غیلان	"	تشدید میم کم کر کے مغیلاں بنایا			
دختر رز	"	"	کم کر کے دخت رز بنایا		
آب خور	"	"	"	آخور بنایا	
[illegible]	"	الف	[illegible]	"	
ابوبکر	"	"	"	بوبکر	"
[illegible]	"	"	"	[illegible]	"
[illegible]	"	"	"	[illegible]	"
[illegible]	"	الف و [illegible] کم کر کے [illegible] بنایا			
[illegible]	"	"		[illegible]	"
[illegible]	"	"	"	[illegible]	"
[illegible]	"	الف و [illegible]	"	پیمبر	"
[illegible]	"	ب	"	[illegible]	"
[illegible]	"	ت	"	دبستان	"

تابار	سے	الف	کم کر کے	تبار	بنایا
نیش تر	"	سے	"	نشتر	"
کاہکشاں	"	الف	"	کہکشاں	"
کاہربا	"	"	"	کہربا	"
افسوں	"	"	"	فسوں	"
افسردہ	"	"	"	فسردہ	"
خارود	"	ر	"	خاود	"
دادور	"	د	"	داور	"
ازدحام	"	د	"	ازحام	"
آب زقہ	"	ب	"	آزقہ	"
گوہر	"	و	"	گہر	"
پیغام	"	غ	"	پیام	"
بوستاں	"	و	"	بستاں	"
واژگوں	"	گ	"	واژوں	"
ہوشیار	"	و	"	ہشیار	"
شورآبہ	"	آ	"	شوربہ	"
مورچھال	"	الف	"	مورچل	"
سیاہ	"	الف	"	سیہ	"
پیکر	"	ر	"	پیک	"

اب چند مثالیں قطع معیوب کی دیکھئے

دستخط	سے	ت	کم کر کے	دسخط	بنایا
مہاراج	"	الف	"	مہراج	"
دیوانہ	"	ی	"	دوانہ	"
بیچارہ		ے	"	بچارہ	"
شاہجہاں	"	الف	"	شہجہاں	"
کوتوال	"	و	"	کتوال	"
دیوتا	"	ی	"	دوتا	"

یہ عرضیاں حضور کی پہنچیں ہیں صبح و شام
دسخط جو ہو کے آئے کوئی سوا ای کا نام

اک شعلہ بلائے سیہ ساں تھی جاں کو ٭ ... دستک دے کر ... کی الفت جس
دشتوں سے شیری کا ہم آہنگ یوں کہنے لگا ٭ ... کبھی یارب تو بھی انساں کر
داغ ہے تاباں علیہ الرحمہ کا چھاتی پر تیر ٭ بوقت الوداع ہم سے بھی تھا آشنا
شہجہاں پادشہ بیگم ... ٭ ... ہے کیا آج بھی قید فرش فلک پر
کس طرح قہر کا ہو یہ ملال ٭ شیدی کا فور سا جو ہو کتوال

یوں ہی۔ قمر ہی کو ... بھی تحسین۔ بولنا صحیح۔ لیکن آپ ہی آپ ہی یا آپی لکھنا غلط ہے۔

(۳) تخفیف۔ کسی لفظ کے حرف مشدد کو مخفف کرنا۔ عربی میں جو دو حرفی لفظ مشدد الآخر ہوتا ہے۔ وہ اُردو اور فارسی میں بحالت انفراد بغیر تشدید ہو جاتا ہے اور اضافت کی حالت میں دونوں طرح دیکھا گیا ہے ؎

چارہ گر تدبیر دردِ عشق پیچھے سوچنا
خطِ ردّ تو پہلے بالائے خطِ تقدیر کھینچ
امیر مینائی

شعر میں لفظ خط مشدد و مخفف دونوں طرح آیا ہے لیکن فصحا بغیر تشدید لکھتے ہیں۔

برِّ اعظم اور حجِ اکبر میں تخفیف ناجائز ہے۔ لیکن بحر و بر اور بڑے حج میں تشدید ناجائز ہے۔

ع ہند اس طرح برِّ اعظم ہے
ع بحر و بر پر جو راج کرتے ہیں

قدّ، حدّ، صفّ، حلّ، مدّ، حقّ عربی میں مشدد ہیں۔ اُردو میں فصحا مخفف استعمال کرتے ہیں ؎

بڑھ گئی اب حد سے چراغِ شبِ غم کی
جنبشِ دامن سے بڑھ جانے کے لئے آ
سحر عشق آبادی

حد ہستی بہت کچھ نیستی ہے کھینچ لایا ہوں
بلا دو تنگنا میں تک نہ دیکھنا منزل کو منزل سے
صفی لکھنوی

نظّارہ اور نظارہ فصحا دونوں طرح لکھتے ہیں ؎

کیا وہی جلوہ تمہارا سا جو نظر آیا تمہیں ؟
کیا یہی آنکھیں تھیں جن سے نظّارہ کیا
سحر عشق آبادی

ع ہم ان حسین نظاروں کو پیار کرتے ہیں
"

لیکن کیفیت۔ نشہ۔ کفارہ بغیر تشدید ناجائز ہیں

اپنی فرحت کے دن اے یار چلے آتے ہیں
کیفیت پر گل رخسار چلے آتے ہیں

شراب خندۂ گل سے صبا ہی مست نہیں
نشے میں لیتی ہے ہر شاخ سبز انگڑائی

بتا ساقی کفارہ کیا ہے کیش مے پرستی میں
قسم پیر مغاں کی جھوٹ کھا سکتا ہے مستی میں

(۴) تشدید :- حرف مخفف کو مشدد کر دینا مثلاً ـ تبہ ـ زریں،
اُلٹے، رکھے وغیرہ در فارسی ہے۔ لیکن زریں کی ر مشدد مستعمل ہے۔ ع

تر کیا ذریں بہاریں لوٹیں قاعدوں کے دامن پر

لیکن کتاں کو کتّاں، سن و من کو سنّ و منّ وغیرہ کر عیتہ۔ دمو کو دمّو۔ مذی
کو مذّی۔ ردی کو ردّی لکھنا غلط ہے ؎

ایک ہی جلوۂ مہر و میں ہوا سو ٹکڑے
جامۂ صبر جسے کہتے ہیں کتّاں ہونا

کسی کو تاہ دور اعظم ہیں بن قوم کے نازاں
جو آکراس کا ایک ایک در مکنوں بن و من کیش

اگرچہ وہ بے فکر و غسور ہے
ولے پرورش سب کی [illegible] ہے

دمّو کو پاک کرکے جیب [illegible] گیا
آیا جو [illegible] قصّہ [illegible] تھا

اسی طرح جما یا ہے کس تیر [illegible]
[illegible] پہ کھینچ گئی تصویر شام

صنما ہیں جو رکھتے ہیں در عزّ و قدر پہ
ابجد کا قفل قاعدۂ ابّ و جد سے ہیں

اَب بمعنی باپ عربی ہے اور اس لفظ کا دوسرا حرف مشدد نہیں
اور شاعر نے غلط لکھا ہے اب جد (باپ دادا) شاعر غلط سمجھا کہ ب کی
ب مشدد ہے۔

(۵) قصر :- الف ممدودہ کو مقصورہ بنانا۔ مثلاً
تماہ کو تباہ، ولاور کو دلاور، دستاور کو دستاور، گلاب و
گلاب، حباب آب کو حباب، آب کو تراب، مرغ آبی کو مرغابی،
اژدہا کو اژدر وغیرہ ؎

بس اتنا فرق ہے ذات و صفات میں باہم
نہ جلوۂ مہر میں یا باد حباب میں ہے

اسی طرح آب نمود کو انمودہ۔ پایاں کو پیاں [illegible] کر دیا۔

آب بر کو ابر۔ لیکن آفتاب کو افتاب، آئمہ کو ائمہ، قرآن کو قران لکھنا
کرنا صحیح نہیں ؎

کہاں سے کہ بھر کے آفتاب ♦ جس کی جا شور میں [illegible]
ائمہ پہر اضطراب کی ادا ہے ♦ [illegible] کہ مرغ بسمل [illegible]

ھ گر آوے شیخ پہن کے جامہ قران کا

(۶) مد :- الف مقصورہ کو ممدودہ کرنا۔ مثلاً
ابر کو آبر، من دونوں طرح جائز ہے۔ لیکن ابریشم آب ریشم یا ارامی
کو آرامی، اسامی کو آسامی کہنا غلط ہے۔ اسی طرح انگریزی کو انگریزی
کہنا صحیح نہیں ؎

[illegible] فارسی [illegible] انگریزی و اردو
عروض و قافیہ [illegible] تحریر باہر

فارسی میں آچار اور اردو میں اچار دونوں [illegible]
میرے دل دیکھ پہ پکڑ [illegible] کہا ♦ [illegible] پار [illegible]
[illegible]

(۷) اسکان :- [illegible]
[illegible] کو [illegible] قابل [illegible] صاحب [illegible]
جائز ہے۔ لیکن نظریں کو نظریں [illegible]

جلوہ دکھا کر وہ چھپے ہیں
سو نظریں سو نظریں ہی وہیں
(مستفعلن مستفعلن فاعلن)

[illegible]
[illegible]

لیکن قسمیں، بمعنی سوگند، صدقہ، عقل۔ ارنی۔ [illegible] گرا
[illegible] شعراء۔ فقرہ کے متحرک حرفوں کو ساکن کرنا غلط ہے۔ مثلاً
مجھ کو سوگند اپنے مُہر پیر کی ♦ [illegible]
رنج مہر و مہ اس نے تاباں کیا ♦ کہاں وہ جیسے کو حیراں کیا
[illegible] ♦ [illegible]
اب تو اللہ کر [illegible] ♦ [illegible]

[illegible]
گر آوے شیخ پہن کے جامہ قران کا

[illegible] کی متحرک ہے میر صاحب نے ساکن [illegible]

اس شوخ سے مرعوب بہت سہل سے ہوتے
گر ہم سبکِ حرکتِ قاتل سے ہوتے

کہاں ہیں وہ آنسو جو آنکھوں سے نکلیں
نکلے برستے ٹکڑے اب دل کے کٹ کر

لفظ برسنے کی ر متحرک ہونا چاہیئے۔ شعر میں ساکن غلط استعمال کی ہے۔

(۷) تحریک: حرف ساکن کو متحرک کرنا۔ مثلاً طرف کو طرح کے وزن پر باندھا جاتا ہے۔

برسا رہی ہے فضا خاک اور کرنا کیا اجتناب
کس طرح سمجھاؤں اپنے دل کو میں برسات ہے — سحرِ عشق آبادی

ہر طرف ہیں تو آپ ہی جہان کے مالک
پہ یاد رہے پھر کوئی طرف نہ اٹھے گا — عزیز لکھنوی

لیکن مرض، غرض، عرض کے حرف دوم کو متحرک نظم کرنا یا بولنا صحیح نہیں ہے

شرم تجھ سے کہ کار ردّ نہ دکھا اس کو
ذبح سے پہلے شفا سے نہ ڈرا اس کو

تو تو کہتا تھا نہیں تجھ بن مجھے آرام نہیں
اب جدائی میں مری کیسے تجھ کو صبر پیدا ہے

بسم اللہ لکھ کے لغت کا اس پر کیا حصر
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

قرض دار کی سنتا نہ وہ نہیں
وہ بہرا نہیں پھر بھی سنتا نہیں

میں عرض سے بیس کرتا ہوں
عمر میری ہے ساڑھے بارہ برس

(۸) منع صرف: قاعدہ صرف کے خلاف لفظ گھڑنا۔ دو مصدروں میں تو قاعدہ صرف کے خلاف عام تغیر ہو گیا ہے۔ کرنا اور جانا میں۔

کرنا مصدر سے کرا امر ہوا۔ اس کی ماضی کرا ہونا چاہیئے تھی لیکن فصحا نے بحالت تذکیر کیا اور بحالت تانیث کی اور بصورت جمع مذکر کئے اور بصورت جمع تانیث کیں بولتے اور نظم کرتے ہیں۔ جیسے

طور پر موسیٰ پہ کیا تھا تماشا کیا

آپ بھی رسوا ہوئے اس کو بھی رسوا کیا — سحرِ عشق آبادی

زباں زد ہے حقیقت طور کی اور ابنِ عمراں کی
ہمارا حشر کیا ہوگا اگر اس نے بھی ہاں کی — سحرِ عشق آبادی

جانا مصدر ہے جا امر ہوا اور ماضی بھی لیکن فصحا گیا۔ گئی۔ گئے۔ گئیں بولتے ہیں اور یہی صحیح ہے۔ ع

دل گیا۔ جان گئی پھر بھی امیدیں نہ گئیں

اس کے علاوہ مصدر اسم مذکر ہے۔ اس لئے یائے معروف سے بدلنا قواعد صرف کے خلاف ہے لیکن اہل دہلی روٹی کھانا تھی کی جگہ روٹی کھانی تھی بولتے ہیں۔ کہنا مصدر (متعدی) ہے لوگوں نے اس کا متعدیہ دو مفعول سے خلاف قاعدہ صرف کہلا بنا لیا۔ مگر فصحا کہلوانا بولتے ہیں کہ صحیح ہے۔ دوسری بات یہ کہ اسے متعدی ہونے کے معنی پر بولتے ہیں مثلاً وہ جو نواب کہلاتے ہیں۔ یہ کہلاتے بالکل غلط ہے۔ اس طرح بولنا چاہیئے وہ جو نواب کہے جاتے ہیں۔ غلط مثال دیکھئے

وہ جو کہلاتے ہیں جمال جمال
دیکھنا ہے ہیں انھیں کا کمال

بیگماتِ ظفر ہی کیا روئیں
روتی پھرتی رہی رعایا بھی

رعیت کی جمع رعایا ہے لیکن اردو میں واحد استعمال کی جاتی ہے۔ اس طرح حور جمع ہے حوراء کی لیکن ادبا بطور واحد لکھتے اور بولتے ہیں۔

دل کیوں مچل نہ جائے وہ حور کا سا جلوا
کچھ شوخ بھی ہو آپ سے فطرت نے خود سنوارا

اب کچھ غلط مثالیں دیکھئے

جب نظر میری صورت آئی
میں نے سمجھا کہ قیامت آئی

سمجھنا فعل لازم ہے۔ یہاں علامت فاعل "نے" غیر ضروری ہے۔ دیگر

جو خوبیاں کہ چاہیں وہ سب حصول تھیں

یہاں حاصل کی جگہ حصول خلافِ قاعدہ ہے۔ اسی طرح دفعی کی جگہ دفع

کنڈلی تنے دیکھ ہوئے * کاٹا نہ ہیضی ترا برا ہو

ہزار شانہ و مسواک و غسل شیخ کرے
ہمارے عندیہ میں تو ہے خبیث و پلیت

عندی کی جگہ عندیہ اور پلید کی جگہ پلیت غلط ہیں۔

زبان کا [illegible] مری یا مجھے اسیر کریں
مرے خیال کو بیڑی پہنا نہیں سکتے

خدا کسی کو بھی یہ خواب بد نہ دکھلائے
قفس کے سامنے جلتا [illegible] آشیاں اپنا

دکھلائے تو قواعد [illegible] سے درست نہیں [illegible] چاہیئے۔

اور وہ میں [illegible] مرتے ہیں بھی [illegible]
غیر کیا خود مجھے نفرت مری اوقات سے ہے

[illegible] کی جگہ [illegible] ہونا چاہیئے۔

[illegible] کے [illegible] پہ رہے سایۂ یزداں
ابر ہند کی [illegible] سایہ قیصر

وکٹوریہ کے لیے [illegible] ہونا چاہیئے تھا قیصر غلط ہے

[illegible] [illegible] [illegible] انصاف
ڈوبا فرعون [illegible] موسیٰ [illegible] نیب [illegible]

دھرے سر کو زانو پہ حیران دیکھا
تفکر کے عالم میں غلطاں دیکھا

فرعون [illegible] [illegible] [illegible] غلط [illegible]

آنے دے وقت [illegible] [illegible]
[illegible] سر [illegible] کوئی [illegible]

[illegible] کی جگہ [illegible] ہے [illegible] نہیں اور [illegible] [illegible]
درست ہے۔ [illegible] اختراز چاہیئے۔

[illegible] قواعد نحو کے خلاف لکھنا

یگانے کی نہیں [illegible] کوئی بات [illegible] اگر [illegible]
شب [illegible] [illegible]

عقیدت کا [illegible] شریعت کا [illegible]
طریقت [illegible] حقیقت کا [illegible]

عقیدت کا [illegible] یا طریق [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] قواعد نحو کے خلاف ہے۔

بزم [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible]
بزم قدح [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible]

تمنائے [illegible] تو یہی شیخ [illegible]
[illegible] [illegible]
پیاسے [illegible] [illegible] نہیں [illegible]

آپ [illegible] دم خنجر صحیح ہے [illegible] دم [illegible] غلط ہے

[illegible] آنیاں [illegible] کی [illegible] اپنی [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] بھی

[illegible] [illegible] [illegible] جملے ہیں
غلط [illegible] غلطی [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

دی [illegible] اچھی [illegible] [illegible]

[illegible] ایک بیاض [illegible] پہلا شعر [illegible] [illegible] [illegible]
تمہاری [illegible] [illegible] [illegible] ادا را
سوائے اسکے نہیں [illegible] کوئی بھی [illegible] کا

[illegible] کے اور [illegible] کی [illegible] [illegible]

ہم [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible]

اشاش فارسی ہے [illegible] ہے اس کو اضافت دینا غلط ہے۔

[illegible] [illegible] مقابل پائی
[illegible] [illegible] بسمل پائی

دم قتل کی جگہ دم بسمل [illegible] ہے

زبردست [illegible] [illegible]

مالک [illegible] سے اضافت کم کرنا بھی [illegible]

پیاکیا [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible]

[illegible] غلط [illegible] ہے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
اور ساقی [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] ڈالوں

چتا

نگار۔ ایم۔ اے

رات کی تاریکی چاروں طرف پھیل چکی تھی ہر طرف خاموشی کا عالم تھا۔ وہ پوری بستی غریبوں کی ہی معلوم ہوتی تھی۔ غربت بھی تو ایسی ہے جو انسان کو تنہائیوں کے غاروں میں دھکیلتا چلا جاتا ہے۔ [illegible] اندھیرے میں ڈوبی ہوئی رات تھوڑی تھوڑی دیر بعد کسی کتے کے بھونکنے کی آواز فضا کو چیرتی چلی جاتی اور پھر وہی سناٹا چھا جاتا۔

بجلی زمین پر بچھی دیا اور اس پر پڑی گھاس پھوس اور چھپر کی چھتیں نہ جانے کتنے غریبوں کو اپنے سائے میں چھپائے ہوئے تھیں۔ ایک کسی کی مدھم سی سسکی نے فضا میں درد گھول دیا۔ دور بہت دور ایک جھونپڑی میں میلے کچیلے کپڑوں میں ملبوس گھٹنوں پر سر رکھے [illegible] ہلکی ہلکی سسکیاں لے رہی تھی آنسو اس کے گالوں پر بہہ رہے تھے جو چراغ کی مدھم سی روشنی میں موتیوں کی طرح چمک رہے تھے۔ دھیرے دھیرے سسکیاں بلند ہوتی گئیں۔

ہا۔۔۔۔۔ یا۔۔۔۔۔ پالی۔۔۔۔۔۔

کسی کی ہچکیاں [illegible] کی [illegible]

افسردہ چہرے [illegible]

میرا پیار زندہ [illegible]

نظر سے سالا [illegible]

بیٹے [illegible] ہیں موجود [illegible]

[illegible]

ایک ڈبیہ نکال لائی اور کھول کر زمین پر الٹ دی۔ پیسے اور نوٹ ادھر ادھر بکھر گئے۔ دس پیسے تیس پیسے تیس چالیس پچاس۔ ایک روپیہ۔ دو روپیہ۔ تین۔ چار۔ چار نہیں پورے چار روپیوں کو ہتھیلیوں میں لیکر وہ خوش خوش ماں۔ او ماں۔ اری [illegible] آ۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے ماں کو پکڑ [illegible] دیا [illegible] کتنے سارے پیسے [illegible] [illegible] ابھی سوچا [illegible] پیسے [illegible] ہوتی۔ میں [illegible] پیسے [illegible] او ماں [illegible] [illegible] آنکھوں میں [illegible] اس [illegible] چوڑی اور [illegible] اپنے [illegible] سے نکال لیا۔

کیا؟؟۔۔۔۔۔۔ بولنے دس روپیہ؟؟۔۔۔۔۔۔۔ [illegible] روپیہ [illegible] بجلی نے پھر [illegible] دس روپیہ [illegible] روپیہ [illegible] دکاندار [illegible] ہوئے کہا اور سودا والوں کا بنڈل اس کے ہاتھ میں تھما دیا [illegible]۔۔۔۔۔۔ لیکن میرے پاس تو تین روپے [illegible] نہیں۔ دکاندار نے بڑبڑاتے ہوئے ایک ہی جھٹکے میں بجلی کے ہاتھ سے [illegible] بنڈل [illegible] پھینک دیا۔

بجلی کی آنکھیں پرنم ہو گئیں۔ وہ تھکے تھکے پاؤں سے ہارے ہوئے جواری کی طرح واپس چل پڑی۔

دن بھر بستی میں ماری ماری پھری کہ شاید کوئی مدد کرے شاید کوئی ادھار ہی دیدے مگر کوئی کام نہ بنا [illegible] ماں کی حالت [illegible] ہوتی جا رہی تھی [illegible] کر کے بجلی نے ماں کو تھوڑا سا دودھ پلایا۔ اور باقی پیسے بچا کر رکھ لئے۔ یہ سوچ کر کہ پھر ماں کے کام آئیں گے۔ [illegible] کی [illegible] اسے شوہر یاد آ گیا۔ شوہر اس بستی [illegible] تھا۔ بجلی کی جوانی [illegible] دھان [illegible] تھا۔ حقیقت میں بجلی [illegible]

[illegible] سے کم نہ تھی [illegible]

جائے۔ بجلی دوڑی دوڑی شومو کے پاس گئی جو شام ہو جانے کی وجہ سے خوانچہ سمیٹ رہا تھا۔

کیا بات ہے؟ چاٹ کھائے گی؟

بجلی نے نہیں میں گردن ہلادی۔

تو پھر کیا بات ہے؟ آج بجری بھولی بنی ہے بولتی بھی نہیں۔ شومو نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

ماں بیمار ہے بہت...... بجلی آبدیدہ ہوگئی۔

تو کسی ڈاکٹر کو دکھا دے۔

تو مجھے کچھ روپیہ اُدھار دیدے ماں کی دوا لاؤنگی۔ ماں کے اچھے ہوتے ہی میں واپس کر جاؤں گی۔

اُدھار؟؟ اری پگلی یہ سب تو تیرا ہی ہے۔ ارے کتنے روپیہ لیگی۔

بس دس روپیہ دیدے بلا بہت جلدی دیدے۔ پھر بجلی نے شومو کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

شومو نے دس روپیہ دیدیئے۔

ماں...... او ماں...... لے دوا پی لے...... بجلی نے میلی چادر ماں کے چہرے سے سرکائی۔ اور دوا منہ میں ڈالنے لگی لیکن اس کی چیخ نکل پڑی ....

ماں.... ... بجلی چیختی ہوئی ماں کے اوپر گر پڑی۔ غربت کی سیاہ رات میں اندھیرے غار دنیا میں اس کی روشنی کھو چکی تھی۔ بجلی بلا کی وہ پھوٹ پھوٹ کر ماں سے لپٹ کر روتی رہی۔

ماں کی ارتھی شعلوں کی نذر ہوگئی۔ بجلی اتنی بڑی اور اتنی ظالم دنیا میں تنہا رہ گئی۔ دھیرے دھیرے شمشان خالی ہوتا گیا۔ بجلی اب بھی وہاں بیٹھی ارتھی سے اٹھتے آخری شعلوں کو دیکھ رہی تھی۔ اس کا جی چاہتا خود کو بھی چتا کی آگ میں ہمیشہ کے لئے بھسم کر دے۔

بجلی...... شومو نے دھیرے سے اسے پکارا اور اپنا ہاتھ اس کے کندھے پر رکھ دیا۔ بجلی نے شومو کا ہاتھ جھٹک دیا اور منہ پھیر لیا۔

بجلی۔ چل گھر چل رات ہو چکی ہے۔

میں نہیں جاؤں گی۔ گھر میں بیراگوت ہے۔ یہاں میری ماں ہے اسکی جلتی ہوئی چتا ہے سلگتی ہوئی ہڈیاں ہیں وہ پھر سکے گی۔

رو نہیں بجلی۔ چل میرے ساتھ چل گھر چل۔ شومو نے پھر اسکے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

اب تیری ماں کی جگہ میں کھڑا ہوں۔ تو تیری وجہ سے شہر بھر میں تجھ سے بیاہ کروں گا۔ میں تجھ سے پیار کرتا ہوں۔ میں بھگوان کی سوگند کھا کر کہتا ہوں میں تجھ سے بیاہ کروں گا۔

بجلی نے اپنی پُرنم آنکھوں سے شومو کی طرف دیکھا۔ جہاں اسے پیار کا ایک گہرا سمندر نظر آیا۔ بجلی ہم دونوں ماں کا آشیرواد لیتے ڈیڑھ ماہ بعد بھگوان کے سامنے جاکر دونوں نے ایک دوسرے کو مالائیں پہنا دیں۔

بجلی کی زندگی میں پھر بہار آگئی۔ وہ دھیرے دھیرے ماں کا غم بھولتی گئی۔ پیار کی پھہار نے ہر غم دھو ڈالا۔ خوشیاں نے سب سے دونوں کا استقبال کرنے لگیں۔ لیکن زیادہ دن تک وہ خوشیوں کو اپنا ساتھی نہ بنا سکے۔ زندگی میں ویرانیاں آگئیں۔ دکھ پھر اندھیرے سائے پھر ان کے ارد گرد منڈلانے لگے۔ غربت نے پھر انہیں گھیر لیا۔ مسکراتے چہرے پھر گہن میں آگئے۔ شومو پر شدید فالج کا اثر ہوا۔ اس کا آدھا جسم بیکار ہو گیا جو کچھ جمع پونجی تھی وہ اس کے علاج میں ختم ہوگئی۔ شومو کو آج وہی شام یاد آئی جب ایسی ہی شام کو بجلی اس کے پاس پہنچی تھی۔

شومو نے بجلی کو اپنے سینے سے چمٹا لیا۔ اسے اپنی محبت کی دہائی دی کمزور سی آواز بے جان جسم۔ اس کی آواز لرز رہی تھی۔

بجلی؟..........

ہوں.........

میری بیماری سے مجبور اور پریشان ہو کر تم کوئی غلط قدم نہ اٹھانا بجلی سسکیاں لیتی ہوئی شومو سے لپٹ گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

اور پھر ایک دن غربت نے بھی ساتھ چھوڑ دیا۔ شومو بیماری کی تاب نہ لا کر مر گیا...... بجلی بس...

بجلی تڑپ اٹھی...... شومو...... شومو...... وہ دیوانہ وار شومو کو دیکھ رہی تھی۔ ادھر چتا میں آگ کی لپٹیں تیز ہوتی جا رہی تھیں بجلی کی دردناک چیخ سے شمشان بھی کانپ اٹھا دل لرز گئے۔

نہیں شومو نہیں...... جب میں تمہارے لئے کوئی غلط قدم نہ اٹھا سکی تو اپنے لئے کیا قدم اٹھاؤں گی۔ اور پھر لپک۔ جھپٹتے ہی وہ دہکتی چتا میں کود پڑی۔

کہانی ہے یہ فضل بستوی کی

از۔ عاطر صدیقی بستوی، پنڈت پلا

آپ کا نام صغیر حسن، تخلص افضل، مرزبوم برگدہی تحصیل توگوا ضلع بستی ہے۔ برادر محترم حضرت مولانا محمد مصطفیٰ صاحب کی ترغیب سے مختلف مدارس میں اردو، ہندی، انگریزی اور [illegible] کی تعلیم [illegible] کی۔ پندرہ برس کی عمر میں پانڈے کیٹنگ [illegible] میں [illegible] ٹریننگ کی غرض سے چلے گئے۔ تقریباً چار سال بعد ماموں سید ادریس احمد صاحب ہاشمی نے [illegible] لکھنؤ بلا لیا، پھر قسمت نے بمبئی پہنچا کر سیدھے اسپتال میں ملازمت دلادی ۱۹۶۲ء میں پرائیویٹ مینڈیکل [illegible] ایسوسی ایشن زیر پردیس برانچ لکھنؤ سے بی۔ایم۔پی کا سرٹیفکیٹ حاصل کیا ۱۹۶۷ء [illegible] اچانک حادثہ میں آیا۔ موٹر سائیکل سے پوری [illegible] پارٹی میں جانے کے وقت سامنے سے گزرتی ٹرک ٹکرا گئی۔ زخمی ہو گئے۔ بیہوشی چھا گئی۔ ٹرک مالک نے تاثرا سپتال [illegible] اسپتال کو [illegible] حالت نازک تھی۔ مایوسی چھا گئی بدولت تمام معروف و متعارف [illegible] اسپتال میں [illegible] سرجری کے ماہرین کی [illegible] زندگی ہوں سے کرم فرمائی [illegible] اور [illegible] پہلو کی [illegible] خدا [illegible] نوازش [illegible] زیر علاج [illegible] قادر مطلق کے کرم سے صحت [illegible] ہوگئی [illegible] کا شکر ادا کیا [illegible] ہسپتال [illegible] گئے [illegible] ادبی [illegible] اچھے [illegible] کی صحبت [illegible] شفقت [illegible] اب ذوق نے قدر افزائی کی۔ [illegible] صاحب [illegible] موصوف کو [illegible] [illegible] شعلہ [illegible] ہوں [illegible] کے روح رواں [illegible] پہنچاتے [illegible] عبدالرؤف صاحب [illegible] بستوی ایم۔اے [illegible] قربان [illegible] [illegible]

کا اہتمام کرکے ادب نواز ہستیوں سے خراج تحسین حاصل کیا ہے۔ معیار سخن کے [illegible] حضرات کی خدمت میں حسب ذیل نمونۂ کلام بالادب پیش ہے

غزل

نہ ہنستا زار ہیں جو آنسو بہاؤں
تمنا ہے آنکھوں میں تم کو بساؤں

نکل آئینگے چہروں کے بھی آنسو
جو میں حادثہ زندگی کا سناؤں

[illegible] شام کو صبح کر [illegible]
تو ہر رند کو متقی میں بنا دوں

بکھلے زخم [illegible] کی [illegible] کر
حسیں گلشن [illegible] پہ قربان جاؤں

وہی حاصل زندگانی ہے افضل
اسے میں [illegible] تو کیسے نبھاؤں

غزل

حالت [illegible] کی [illegible] آنکھوں [illegible] کی
لیے چلو وطن سے باتیں [illegible] وطن کی
خورشید ماہ [illegible] نظر میں لاؤں
دل [illegible] ہوں جو [illegible] سخن کی
[illegible] کا نام لیتا کوئی [illegible] جہاں میں
[illegible] جذبات [illegible] کی
کانٹے گلاب [illegible] کو [illegible]
[illegible] عجیب دیکھی [illegible] کی
[illegible] پر [illegible] بجلیاں [illegible]
کرتا [illegible] کی
[illegible] واز [illegible] دیکھو
رہتے [illegible] پر [illegible] ہیں یہ [illegible]
[illegible] موتیوں کا
افضل عجیب نرالی دکان ہے سخن کی

(ڈاکٹر لغتہ ژولانا، امریکہ)

رُباعیات

(۱)

ماحول میں سناٹا نظر میں سنسان
مُبہم سی تمنا کے جگر میں پیکان
اے لغتہ مری زیست بھی ہے زیست کوئی
ہر سانس سے اُٹھتا ہے فغاں کا طوفان

(۲)

میں ہوں اپنے شوق ہی کا زندانی
کب میں نے کہیں خاکِ بیاباں چھانی
محبوس ہوں افکار میں اپنے اِس طور
ہو بند کسی حوض میں جیسے پانی

(۳)

اس دل کیلئے رنگ فشانی کیا ہے
اک گوشت کے ٹکڑے کی کہانی کیا ہے
صدمہ کی ذرا چوٹ لگی ٹوٹ گیا
اے لغتہ شیشے کی کہانی کیا ہے

(۴)

ہستی کے طلسمات کا یہ رازِ قدیم
نا کھول سکے اس کو نہ دانا نہ حکیم
اے فکرِ رسا سر نہ کھپا اور ادھر
اعداد نکالے گی نہ اس کے تقویم

قطعات

(۱)

اس کو آتے ہیں اَن گنت حربے
ہر طریقے سے کام لیتی ہے
رُوپ لاکھوں بدل کے اے لغتہ
زندگی انتقام لیتی ہے

(۲)

غرقِ کیف و خمار رہتی ہے
مثلِ فصلِ بہار رہتی ہے
زندگی لاکھ پُر نشاط سہی
موت سے ہم کنار رہتی ہے

(۳)

تیری فطرت بھی خوب ہے اے زیست
خوب ہے تیری کج ادائی بھی
تجھ کو جس نے بھی عمر بھر پُوجا
تُو نے اس سے ہی بے وفائی کی

(۴)

ہر قدم پر ہیں عیش کے ساماں
ہر قدم پر ہیں سیکڑوں جنجال
کتنی سیدھی ہے زندگی لیکن
کتنا ٹیڑھا ہے زندگی کا سوال

روی بھاردواج

لرزیں

پوچھتا ہے جو بشر وگیان کو
کیوں پڑھے وہ گیتا و قرآن کو

آرزو و حسرت و ارمان کو
کون روکے زیست کے بحران کو

روک سکتے ہو اگر تو روک لو
وقت کے بڑھتے ہوئے طوفان کو

کون سا وگیان ہے جو روک دے
زیست کے ڈھلتے ہوئے طوفان کو

بول اٹھینگے گڑے مُردے حضور
کیوں کریدو دل کے قبرستان کو

اتنی جرأت کس میں ہو سکتی ہے دوست
جو کبھی ٹالے ترے فرمان کو

اس جہاں کے جمگھٹوں میں روز و شب
ڈھونڈتا پھرتا ہوں میں انسان کو

آنسوؤں کی ہر چھلکتی دھار سے
سینچ لیں گے ہم دلِ ویران کو

زندگی کے پھول تو مرجھا گئے
کیوں لئے پھرتے ہو اب گلدان کو

کر دیا جس نے معطر دل مرا
ڈھونڈتا پھرتا ہوں اس مسکان کو

اے روی سائنس کے اس دور میں
کون پوجے گا ترے بھگوان کو

کس لئے شکوہ کریں ہم کاتبِ تقدیر سے
دن بدل سکتے ہیں جب انسان کی تدبیر سے

مدتوں پہلے بھرا تھا رنگ جس تصویر میں
دل کو بہلاتا ہوں میں دن رات اس تصویر سے

خنگ سدیہ نہ پوچھو وادیٔ احساس میں
پھول کتنے کھل رہے ہیں درد کی تاثیر سے

حسن کی کلیوں کی خوشبو رچ گئی ہے ذہن میں
کون اب ڈرتا ہے اپنے نام کی تشہیر سے

خواب کے سنسار میں کیوں ہلکو کریں کھلتا ہے دل
جب تو واقف ہی نہیں خواب کی تعبیر سے

کیا ملا سکتے دین و ایماں قوم و مذہب ذات پات
پوچھ تو لینے دو مجھ کو اک بتِ بے پیر سے

گردشِ دوراں بتا کھیلے گی کب تک اس طرح
تو مرے دل کے چمن کی ہر نئی تصویر سے

واعظِ ناداں بتا سائنس کے اس دور میں
کیا کوئی محفوظ ہوگا وعظ سے تقریر سے

گردشوں کا روپ مجھ کو کیا ڈرائے گا روی
عمر بھر کھیلا ہوں میں تو وقت کی تصویر سے

معیار کی کسوٹی پر

عزیز اندوری

مجلہ علم و آگہی (کراچی) خصوصی شمارہ

برصغیر ہند و پاک کے ان علمی، ادبی اور تعلیمی اداروں کا تفصیلی تعارف اس لحاظ سے بھی اہمیت رکھتا ہے کہ ان کے ذریعے ان ساری ذہنی تحریکات اور علمی جد و جہد کا پتہ چلتا ہے جنھیں "ماضی کا شاندار کارنامہ" کہا جا سکتا ہے۔

ماضی کے "نقوش" کو تلاش کرنا اور انھیں تابناک و توانا بنانا لائقِ مبارک ہے۔ اس لئے بھی کہ ہم آج جن روشن سطحوں تک پہنچے ہیں ان کا سلسلہ کسی نہ کسی طرح ماضی کے نقوش سے ضرور جا ملتا ہے۔ اس لحاظ سے گورنمنٹ نیشنل کالج کراچی کے اساتذہ اور طلبا نے مجلۂ علم آگہی کے خصوصی شمارے میں علمی، ادبی اور تعلیمی اداروں کا تفصیلی تعارف کرا کے قابلِ تعریف قدم اٹھایا ہے۔ ان تمام تعلیمی، علمی، تحقیقی، ادبی، تاریخی اور قومی اداروں پر اہلِ فکر و نظر نے تنقیدی نقطۂ نگاہ سے بھی روشنی ڈالی ہے جنھیں علم و ادب کی "تاریخی دستاویز" ہی کہا جائے گا۔ ان کے لیے شعوری اور فکری بیداری کے تمام اہم پہلوؤں کو بھی اہلِ قلم نے ابھار کر اس دور کی تاریخ اور آگہی کے ثبوت فراہم کئے ہیں۔

اس مجلہ میں شامل تقریباً تمام مضامین میں "مشرقی مزاج" کی واضح تصاویر ملتی ہیں اور ان سیاسی، علمی و تاریخی اسباب پر مدلل اور معلوماتی انداز میں روشنی بھی ڈالی گئی ہے۔ جو مشرق و مغرب کے درمیان حدِ فاصل کی طرح اہلِ ہند کے دل و دماغ میں ابھرتے رہے خاص طور سے اس دور کے مدبر اور مفکر مسلمانوں کے ساتھ ہی عام مسلمان کے ان تاثرات کو بھی ان اداروں اور تحریکوں میں دیکھا جا سکتا ہے جو مغرب زدگی سے گریز کرتے ہوئے بھی مغرب کے "علمی اور ثقافتی" پہلوؤں سے پوری طرح دامن کش نہ ہو سکے۔ ان مضامین میں ان تاریخی عوامل پر بھی بھرپور بحث کی گئی ہے جنھیں انگریزوں کی سیاسی حکمت اور علمی تبلیغ سے منسوب کیا جا سکتا ہے اس لیے کہ مغلیہ دور کے انحطاط کے بعد مشرقی تہذیب و علوم کی حفاظت کے لئے جو بھی قدم اٹھائے گئے ان میں سلطنت برطانیہ کا دخل کسی نہ کسی صورت ضرور رہا اور جس کے ذریعہ مشرقی اثرات کو کم کر کے مغربیت کو مقدم کرنے کی [illegible] پیش پیش رہے۔ میں مدرسہ عالیہ کلکتہ اور دہلی کالج دہلی کے قیام سال سے انگریزوں کی دلچسپی اور ان کے بنیادی مقاصد پر امیر الاسلام اور پروفیسر شفقت رضوی نے جس طرح روشنی ڈالی ہے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس دور میں علمی اور ادبی اداروں میں مشرق و مغرب کے درمیان کس طرح کی کشمکش جاری تھی یا پھر فورٹ ولیم کالج کلکتہ کے قیام کا سیاسی پس منظر بھی اس بات کا ثبوت فراہم کرتا ہے کہ لارڈ ویلزلی اس آنے والے زمانے کو کھلی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا جب سلطنت برطانیہ کا پرچم سارے ہندوستان میں لہرانے والا تھا انہی دنوں اس نے کمپنی کے انگریز ملازمین کو ہندوستانی زبانوں سے دلچسپی لینے کا ایک ذریعہ تلاش کر لیا تھا اور اسی سلسلے میں جنرل کونسل کی مخالفت کے باوجود فورٹ ولیم کالج کے قیام میں پوری طرح دلچسپی لی۔ جیسا کہ امیر الاسلام نے اشارہ کرتے ہوئے اپنے مضمون "فورٹ ولیم کالج کلکتہ" میں لکھا ہے "وہ (ویلزلی) جانتا تھا کہ کمپنی کو ایک نہ ایک دن ہندوستان کا نظم و نسق سنبھالنا ہے جس کے لئے ملازمین کا ہندوستانی زبان سے واقف ہونا ضروری ہے۔ اس ضرورت کے پیشِ نظر اس نے اپنے ذہن میں ایک کالج کے منصوبے کا خاکہ ترتیب دیا اور جنرل کونسل کو اپنے منصوبے سے زبانی مطلع کیا۔ ویلزلی ہندوستان میں برطانوی مفاد کو تقویت پہنچانا اپنا فرضِ منصبی سمجھتا تھا اور اس کے لئے کالج کے قیام کو ناگزیر سمجھتا تھا۔ چنانچہ اس نے مجلس منتظمہ کی منظوری حاصل کئے بغیر اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانا شروع کر دیا" (صفحہ [illegible])

ان مضامین میں مجموعی طور پر انگریزوں کی دلچسپی اور مشرقی مفکرین کے درمیان چلنے والی کشمکش کو بخوبی دیکھا جا سکتا ہے۔

اسی کے ساتھ ان اداروں اور تحریکوں پر بھی خاص تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے جو علمی اور ادبی نقطۂ نگاہ کے ساتھ ہی ہندوستانیوں خاص طور سے مسلمانوں میں سیاسی بیداری کا باعث ہوئے [illegible] آزادی اور مشرقی تہذیب و مشرقی ادبیات کی حفاظت کی [illegible] تاریخی اہمیت، ادبی [illegible] روشنی ڈالی گئی ہے ان کے [illegible] ان کی علمی اور ادبی سطح [illegible]

[illegible] مسلمانوں کو مغربی زندگی سے بچانے کے لئے کس کس طرح کوششیں کی گئیں۔

بعض ایسی تحریکات اور اداروں کا ذکر بھی تفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے جن کے ذریعہ "علوم جدید" کو اختیار کرنے پر زور دیا گیا۔ اُن مقاصد پر روشنی ڈالی گئی ہے جو ان تحریکات یا اداروں کے ذریعہ پھیلائے گئے جیسے مدرسۃ العلوم علیگڑھ یا انجمن اشاعت مطالب مفیدہ پنجاب (انجمن پنجاب لاہور) جن کے ذریعہ علوم جدید کے حصول کے ابتدائی تحریکات پر خاصی بحث کی گئی ہے۔

ان تعلیمی اداروں کا ذکر بھی تفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے جن میں قدیم طرز تعلیم کے ساتھ ہی جدید تعلیم کے طریقوں کو اختیار کیا گیا۔ لیکن ان سارے اداروں میں مشرقی طرز فکر کے جن پہلوؤں کو اولیت حاصل رہی ان کی اہمیت کو پوری طرح اُبھارا گیا ہے۔ اور ان پہلوؤں کی افادیت اور عظمت کو تسلیم کیا گیا ہے، جو مشرقی تہذیب و علوم کے لئے ناگزیر تھے اس سلسلہ میں اسلامیہ کالج پشاور، جامعہ عثمانیہ حیدر آباد (دکن)، جامعہ ملیہ اسلامیہ (دہلی) وغیرہ کا مطالعہ اِن دلائل کو مضبوط کرتا ہے۔

تعلیمی اور علمی اداروں کے ساتھ اِن اداروں کی تفصیلات پر بھی نمایاں روشنی ڈالی گئی ہے جن کے ذریعہ تحقیقی گوشوں کو ابھارا گیا۔ ان تحقیقی عوامل میں قدیم اور جدید ہر دو طرز فکر پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ اور ان پہلوؤں کو نمایاں کیا گیا ہے جن میں تحقیق و تلاش کی عظمت مضمر تھی۔ مثال کے طور پر سائنٹفک سوسائٹی علیگڑھ۔ دار المصنفین اعظم گڑھ۔ ندوۃ المصنفین دہلی، انجمن اسلام بمبئی جیسے قدیم سائنسی ادارے، ادارہ دائرہ معارف اسلامیہ لاہور وغیرہ کی تحقیقی خدمات کے سارے پہلوؤں پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔

اسی طرح ان اداروں کی تفصیلات بھی فراہم کی گئی ہے جن کے ذریعہ اُردو کے تہذیبی اور ثقافتی پہلوؤں کو روبہ ارتقا کرنے کی جدوجہد کی گئی اس کی نشر و اشاعت کے سلسلے میں اٹھائے گئے۔ لائق مبارکباد قدم اسکو سراہا گیا ہے۔ جیسے انجمن ترقی اُردو۔ ادارہ ادبیات اُردو حیدرآباد دکن۔ مجلس ترقی ادب لاہور۔ مرکزی اُردو بورڈ لاہور۔ ترقی اُردو بورڈ کراچی وغیرہ کے ذریعہ اُردو کی علمی و ادبی کتب کی نشر و اشاعت جس [illegible] پیمانے پر کی گئی اس کا اعتراف کرتے ہوئے یہ اُردو کے تحفظ کے سلسلے کا ایک اہم قدم قرار دیا گیا ہے اور ان تمام تفصیلات کو فراہم کیا گیا ہے جن کے ذریعہ محبانِ اُردو

کی لگن اور محنت ظاہر ہوتی ہے۔

اِن ادبی تحریکات کا ذکر بھی اس مجلہ میں کافی تفصیلات سے کیا گیا ہے جن کے ذریعہ چند علمی اور ادبی نظریات کو باقاعدہ اُبھارا گیا۔ نیز ان کے ذریعہ سماجی، سیاسی یا فطری عناصر کو ادب کا ایک ضروری حصّہ قرار دیا گیا۔ انجمن ترقی پسند مصنفین کا ذکر اس کے سارے پس منظر کے ساتھ موجود ہے۔ اس کی مقبولیت اور انتہا پسندی پر بھی کافی دلیل کے ساتھ بحث کی گئی ہے۔ حلقۂ ارباب ذوق کی تشکیل کے اسباب اپنے سارے پس منظر کے ساتھ موجود ہیں۔ حلقۂ ارباب ذوق کی کشمکش سے اُبھرنے والے ادب کی اہمیت پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ لیکن اسے صرف کراچی، لاہور وغیرہ تک محدود کر دیا گیا ہے جبکہ اس کے ذریعہ سلام مچھلی شہری، انیس، این کم اور پرکاش پنڈت وغیرہ نے لکھنؤ میں بھی نمایاں کام کئے۔ غالباً ایک سہ ماہی رسالہ "نیا ادب" اور کمال احمد صدیقی کی نظموں کا مجموعہ "بادبان" بھی حلقۂ ارباب ذوق لکھنؤ کے زیر اہتمام شائع کیا گیا۔

اس مجلہ میں ان سوسائٹیوں، بک سینٹرز اور اکیڈمیوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے جنھوں نے ہندوستانی ادب کے تحفظ اور نشر و اشاعت کیلئے نمایاں کام کئے۔ بعض اہم ادبی کتب کی اشاعت کی اور ہندوستانی ادب کی صحیح تاریخ مرتب کرنے میں دلچسپی لی۔ کاش اس سلسلے میں ان ہندوستانی اکیڈمیوں اور اداروں کا ذکر بھی کیا جاتا جن کے ذریعہ موجودہ دور میں نہ صرف مستحق ادبا و شعرا کے تخلیقات کی اشاعت میں معاونت ہی کیجاتی ہے بلکہ ان پر انعام دے کر ان ادبا و شعرا کی مالی امداد سے بھی ہمت افزائی کی جاتی ہے۔

اسی کے ساتھ ہی حکومتِ ہند اور حکومتِ پاکستان کے اس اقدام کی تفصیلات کا ذکر بھی اگر اس مجلہ میں کر دیا جاتا تو بہتر تھا جس کے ذریعہ وہ لائق ذکر شعرا و ادبا کے اعزازات میں اضافہ کرتی رہی ہیں اور ان کی تخلیقی صلاحیت اور قوت کو تیز تر کرنے کے وسائل پیدا کرتی رہی ہیں۔

مجلہ کا پیش لفظ اور مقدمہ بھی خاصے معلومات کی چیزیں ہیں۔

مجموعی طور پر گورنمنٹ نیشنل کالج کراچی کے اس مجلہ کو ایسی دستاویز کہا جاسکتا ہے جو علمی، ادبی، تعلیمی اور کسی حد تک تواریخی، سیاسی اور سماجی تحریکات اور واقعات کی تحقیق کرنے والوں کے لئے بطور حوالہ کام آسکے گی۔

تیرِ نیم کش

شاعر فتح چودھری مشاعروں میں اپنا کلام [illegible] سناتے ہیں اور داد سے جھولیاں بھر لیتے ہیں لیکن ابھی

کے ساتھ وہ اپنے کلام کی اشاعت سے بھی غافل نہیں رہتے ان کا کلام چند ادبی رسائل میں بھی شائع ہوتا رہتا ہے۔ ان کے اسی جذبے نے تیر نیم کش کی اشاعت کی طرف متوجہ کیا اور میں سمجھتا ہوں کہ شاعر کو مشاعروں میں مقبول ہوتا دیکھ کر ان کے بارے میں کچھ بھی سوچا جائے لیکن تیر نیم کش کے مطالعہ کے بعد ان کے شعوری ارتقا اور فکری اپج کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس میں زندگی کے کچھ گہرے نقوش بھی مل جاتے ہیں اور افکار جمیل کے انمٹ تاثرات بھی جو انکے اندازِ فکر کا عکس بنکر قاری کو اپنی جانب متوجہ بھی کرتے ہیں اور جن سے ان کے طبیعت کے خلوص اور زندگی کے تجربات کا عرفان ہوتا ہے۔ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ شاعر زندگی کے تلخ ترین گوشوں کی تلاش میں بہت دُور تک جاتے ہیں۔ لیکن ایسا بھی نہیں ہے کہ انکی نگاہ زندگی کی سطحی پہلوؤں پر جم کر رہ جاتی ہو اور وہ زندگی کے نشاط سے احساس کو تجربات کا نام دے کر اپنی فکر کو مزین کرتے ہوں بلکہ اکثر مقامات پر ان کے ذہن و دل میں وہ لہریں ضرور اٹھتی ہیں جو انھیں زندگی کے عمق کا پتہ دے سکیں وہ زندگی کے اس نقیب کی طرح بھی اپنے جذبات کا اظہار نہیں کرتے جو تلخ ترین احساسات اور شدید حسیاتی شعور میں مبتلا ہو کر زندگی کا عرفان کرتا ہے۔ ان کی نگاہ چو کھٹی ہے جو تلخیوں کو چھو نے کے باوجود جمالیاتی احساسات سے پھوٹنے والی کرنوں میں بھی گم ہو جانا چاہتی ہے یہی سبب ہے کہ تیر نیم کش کا مطالعہ دل میں ایک لطیف سی خلش پیدا کرتا ہے جسے شاعر کا سلیس سا اندازِ بیاں بڑی دیر تک قائم رکھتا ہے چند نمونے ملاحظہ فرمایئے ؎

زمیں حدیقۂ گل ہے فضا ہے برق و شرار ✤ قفس کہیں کہ اسے آشیاں نہیں معلوم

دل پائمالِ عہدِ ہوس ہو کے رہ گیا ✤ اس پھول نے تو رنگِ بہاراں بھی کھو دیا

پھر اک بار الفاظ پر غور کر لو ✤ یہ کیا کہہ رہے ہو کہ ہم یاد آئے

راز دل اُن سے آخرش نہ چھپا ✤ باتوں باتوں میں آنکھ بھر آئی

دل برباد سے کرتے ہیں جو ہم تیرِ ✤ اسی ویرانے میں اک شہر تمہارا رانوں کا

[illegible] ✤ وہ آئینے بھی دیکھو جو چور ہو گئے ہیں

اس فسانۂ شب [illegible] اٹھتا ہوا پردہ ✤ جب آنکھیں [illegible]

[illegible] کسی سے کوئی حرفِ تسلی ✤ زمانے کے لاکھوں ستم یاد؟

تیر نیم کش کی غزلوں میں شاعر کے اس مزاج کی [illegible] جا سکتی ہے جسے اُردو شاعری کا لطیف مزاج کہا گیا تھا [illegible] ذہن اس لطافت [illegible] پیچ پیچ ہی نہ [illegible] چھپا ہے وہ [illegible] ہلکی ہلکی

روشنی ذہنی تاریکی کو کبھی کبھی چمکا بھی دیتی ہے۔

کتاب کی طباعت اور کتابت مناسب ہے۔ سرِورق خوبصورت ہے۔ ۱۲۶ صفحات کی اس کتاب کی قیمت صرف تین روپیے ہے جو کافی مناسب ہے اور جسے مکتبہ شانِ ہند سے بھی حاصل کیا جا سکتا ہے۔

یادوں کے گلاب

اردو شاعری میں وطنی اور قومی جذبے کے اظہار نے موضوعاتی طور پر اس کے دامن کو وسیع کیا ہے۔ ہر چند اس قسم کی شاعری ایک مخصوص مزاج اور بڑی حد تک بیانیہ انداز کی عکاسی کرتی ہے۔ لیکن اس کی تاریخی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

جن شعرائے وطنیت اور قومیت کے اعلیٰ شعور کو اپنا کر اپنی شاعری میں پیش کیا ہے انھوں نے یقینی طور پر قوم و وطن کی تاریخی اہمیت اور اسکے تمام روشن پہلوؤں کو دو بالا کرنے کی خدمت انجام دی ہے اس طرح ادب و شعر میں موجود تاریخی حادثات و واقعات کی اہمیت بھی مسلم ہو جاتی ہے۔ تاریخی واقعات و حادثات کو شعر و ادب کے کاندھوں پر تو سوار نہیں کیا جا سکتا لیکن اس اصلیت کو بھی آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ بعض تاریخی واقعات اور شخصیات نے شعر و ادب کی زندہ اور ترقی پسند روایتوں کو اس حد تک متاثر بھی کیا ہے کہ ان کا ذکر کئے بغیر شعر و ادب کی شکلوں کو مکمل قرار دینا بھی (بعض صورتوں میں) ممکن نہیں ہو سکتا۔ یہ بحث الگ ہے کہ مذکورہ واقعات و شخصیات کے بارے میں کئے گئے اظہار کا طریقہ اصلاحی ہو یا بیانیہ۔ چونکہ عام طور پر ان پہلوؤں کا تعلق وقت، حالات اور زندگی سے براہِ راست ہوتا ہے اس لئے عام طور پر ان کے اظہار کے لئے بیانیہ انداز کو اختیار کئے بغیر کام نہیں چلتا پھر بھی بعض شعرا جو تاریخی موضوعات کو ادبی شکل میں ڈھالنے پر قادر ہوتے ہیں ان کا وہ کلام جو وطنیت و قومیت کے تصور سے بر تر ہوتا ہے ادبی حیثیت سے بھی اپنی انفرادیت کو نہ صرف باقی رکھتا ہے بلکہ جن موضوعات پر قلم اٹھاتا ہے انھیں اپنے اندازِ بیان سے زندہ و جاوید بھی کر دیتا ہے۔

سلمان عباسی کی بیشتر نظمیں باوجود تاریخی تلمیحوں اور حقائق کی عکاسی کرنے کے ادبی [illegible] سے بھی اپنی جانب متوجہ کرتی ہیں جن میں ان کے شعور کی پختگی بھی موجود ہے اور وطنیت و قومیت کے ساتھ ساتھ انسانیت کی [illegible]

[illegible]

شعرا اظہار خیال کر چکے ہیں۔ مثال کے طور پر یادوں کے گلاب میں عید کے دن، دیوالی، برسات، پیامِ عید، چل چل رے نوجوان، آزادی، جنگِ کشمیر، لکھنؤ، خواجہ چشتی، گرو نانک، رہبرِ انسانیت (مہاتما گاندھی) ابوالکلام آزاد، جوہر (مولانا محمد علی جوہر) جمِ جاوید (پنڈت نہرو کی موت) وغیرہ ایسے ہی موضوعات ہیں۔ لیکن سلمان عباسی نے ان موضوعات کو جس نئے انداز سے برتا ہے اس نے بڑی حد تک ان میں انفرادیت پیدا کر دی ہے اور بقول مرحوم سید احتشام حسین۔

"یہ بڑی بات ہے کہ سلمان عباسی نے چند افراد اور روایات کو اپنا موضوع بنایا ہے۔ ان کے صحت مند، خوشگوار جمہوری اور ترقی پسند پہلوؤں ہی پر زور دیا ہے اور اس طرح ان اخلاقی امن پسندانہ جذبات کی ترجمانی کی ہے جنکو زیادہ سے زیادہ لوگ سراہیں گے۔"

اسی لئے ان عام موضوعات کو برتتے وقت سلمان عباسی نے ایسی شعوری کاوش سے کام ضرور لیا ہے جس نے ان کی آواز میں کم از کم اتنی جان پیدا کر دی جو قومیت و وطنیت کے زندہ تصور سے اہلِ وطن کے دلوں کو گرما سکے۔

مذکورہ موضوعات کے علاوہ انھوں نے بعض ایسے واقعات و موضوعات پر بھی قلم اٹھایا ہے جو موجودہ عہد کی تاریخی اہمیت پر مبنی ہیں۔ مثلاً شہید، مرحد اس پار، پناہ گزیں، ڈھاکہ، وغیرہ ایسی نظمیں ہیں جن کا تعلق خصوصی تواریخی واقعات (یا حادثات) سے بڑا گہرا رہا ہے۔

یادوں کے گلاب میں بعض ایسی نظمیں بھی شامل ہیں جو کسی خاص رجحان (یا تحریک) کی عکاسی کرتی ہیں۔ جیسے بھگت یوجنا، بے جوان، قومی یکجہتی، جے کسان وغیرہ۔ حالانکہ ان نظموں میں بعض جگہ سلمان عباسی کا لہجہ خالص تشہیر کا انداز اختیار کر لیتا ہے لیکن ان رجحانات (یا تحریکات) کے تقاضوں کے پیشِ نظر ان کا یہ لہجہ ناگوار نہیں گزرتا۔

مجموعی طور پر سلمان عباسی کا یہ مجموعۂ کلام ان کے تازہ ذہن اور حساس دل کی اس خوشبو کو دنیائے شعر و ادب میں بکھیرنے کی کامیاب کوشش ہے جو قومیت و وطنیت کے تصور کو معطر کرنے کے لئے لازمی ہے۔

کتاب کا سرورق، کتابت و طباعت قابلِ ستائش ہے جسے مکتبہ شانِ ہند سے بھی دس روپیہ کے عوض حاصل کیا جا سکتا ہے۔

اُردو کی نعتیہ شاعری

ڈاکٹر طلحہ رضوی برقؔ نے اُردو نعتیہ شاعری کا جائزہ لیتے ہوئے

اس صنفِ سخن کی اہمیت و مقبولیت پر انتہائی جانفشانی سے توجہ دے کر نعت گوئی کے تاریخی ارتقا کو پیش کیا ہے اور پیغمبرِ آخر رسولِ مقبول کی حیاتِ طیبہ کے ان تمام پہلوؤں کو نعتیہ کلام کے ذریعہ یکجا کر دیا ہے جن کے بارے میں اللہ تبارک تعالیٰ نے خود کئی جگہ قرآن کریم میں کھل کر ارشاد فرمائے ہیں۔

ڈاکٹر برقؔ نے نعتیہ کلام کے اعلیٰ ترین نمونے یکجا کر کے اس صنفِ سخن کی مذہبی اہمیت پر بھی خاصی بحث کی ہے۔ عربی و فارسی کے مستند شعرائے نعتیہ کلام کے نمونوں کو جس طرح انھوں نے اس کتاب میں پیش کیا ہے اسکے پیشِ نظر ان کے وسیع مطالعہ کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہا جا سکتا۔

اُردو شاعری کے ابتدائی دور میں نعت گوئی کی جانب جس طرح توجہ دی گئی اس کے نمونے بھی ڈاکٹر برقؔ نے پیش کئے ہیں۔ لیکن "کدم راؤ، پدم راؤ" کے نعتیہ اشعار کو اُردو کے اشعار تسلیم کرنے میں موصوف نے جس تامل کا اظہار فرمایا ہے وہ محلِ نظر ہے اس لئے کہ اس عہد تک اور خاص طور سے مصنف "کدم راؤ پدم راؤ" کے نزدیک اُردو (ہندوی) یہی بر بنائے کا مستند انداز وہی تھا جسے انھوں نے برتا ہے۔

شمالی ہند میں نعت گوئی کی مقبولیت کا سہرا دوسری اصنافِ سخن کی طرح "ولی کی آمد" کو ہی قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس لئے کہ شمالی ہند کے بیشتر اور بیدار مغز شعرا "ولی کے رنگِ سخن" سے کافی حد تک متاثر ہوئے تھے اور ولی کی آمد کو فالِ نیک سمجھ رہے تھے۔ لیکن ولی کی شمالی ہند میں دوبارہ آمد (۱۷۲۲ء) مشکوک ہی ہے اور اسکا کوئی مستند ثبوت نہیں ملتا کہ ولی دوبارہ شمالی ہند پہنچے تھے۔ بہر حال اُردو کی نعتیہ شاعری کے صاف اور نکھرے ہوئے انداز کو ولی اور ان کے بعد کے عہد کے شعرا سے منسوب کیا جا سکتا ہے جن کے بارے میں ڈاکٹر برقؔ نے تمام تر تفصیلات کو یکجا کر کے اُردو نعت گوئی کے ارتقائی شکل کو موجودہ دور تک (کیفی حنفی تک) بڑے حسن و خوبی سے پہنچایا ہے۔ موصوف نے تمام اہم شعراء کی نعت گوئی کا تجزیہ بھی کیا ہے لیکن حفیظ جالندھری کے مقابلے میں دوسرے شعراء کی نعت گوئی کو جس انداز سے بیان کیا ہے اس سے تھوڑا سا اختلاف کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے کہ حفیظ نے نعت گوئی کے شعوری عمل کو جس انداز میں پیش کیا ہے اس پر تفصیل سے لکھے جانے کی ضرورت ہے۔

ڈاکٹر برقؔ نے غیر مسلم شعراء کی گوئی (یا اعترافِ عظمتِ رسول اللہ) کی مثالیں یکجا کر کے ان کے گہرے عقیدے کا اعتراف کیا ہے۔ اسی طرح موصوف نے اُردو کی نعت گو شاعرات کے نمونہ ہائے کلام بھی اس کتاب میں پیش کئے ہیں۔

غرض اُردو نعت گوئی پر ڈاکٹر برقؔ کی یہ پہلی کتاب ہے جس میں نعت گوئی کی فنی اہمیت کے ساتھ ساتھ مذہبی عظمت کے نقوش مل جاتے ہیں۔
کتابت وطباعت مناسب ہے۔ سرورق سادہ مگر جاذبِ نظر ہے۔ پانچ روپیہ کے عوض یہ کتاب مکتبہ شانِ ہند سے بھی حاصل کی جا سکتی ہے۔

فلسفیِ غالب

دیوانِ غالب کو الہامی کتاب کہہ کر عبدالرحمٰن بجنوری نے غالب کے "افکارِ نو" کو پرکھنے کے لئے جس طرح دروازۂ ذہن کو وا کیا۔ اس کے نتیجے کے طور پر غالب کی عظمت کو تسلیم کرنے والوں کا ایک ایسا کارواں تیار ہوا جس نے غالب کی شاعرانہ اہمیت کے اُن سارے پہلوؤں کی چھان بین کی جنہیں غالب نے پہلی بار انتہائی گہرے تدبر کے ساتھ پیش کیا تھا۔ اس پس منظر کو بھی تلاش کیا گیا جو غالب کے ذہنی تحرک اور نظریاتِ زیست کا سبب بنا تھا۔ اس سلسلے میں اُردو کے بیدار مغز اور ذہین نقادوں اور محققوں نے اس پس منظر کو تلاش کرنے کی کامیاب کوشش کی جس کا تعلق غالب کے تحرکِ شعری اور نظریۂ زیست سے رہا ہے۔

احمد رضا صاحب کی تصنیف "فلسفیِ غالب" کو اس سلسلے کی کڑی کہا جا سکتا ہے۔ جس میں مصنف نے تحقیق و تلاش کے بعد غالب کے تدبر اور اُن نظریات و تحریکات کے تعلق کو ظاہر کیا ہے جو تاریخی، سماجی یا مذہبی پس منظر میں ناقابلِ تردید رہے ہیں۔ ان کا تجزیہ مصنف نے بڑے مدلل انداز میں کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ اس پس منظر نے غالب کے تصورات و افکار کو نہ صرف جلا ہی بخشی بلکہ اُن میں ایسا تعمق بھی پیدا کیا جس سے اُردو شاعری اسوقت تک تقریباً محروم تھی۔ مثال کے طور پر غالب کی شاعری میں خدا کا فلسفیانہ تصور" یا مسئلہ جبر و اختیار" یا "دامِ خیال" یا نظامِ عالمِ حیات" اور تصورِ حسن خود بین کے سلسلے میں جو تصورات ملتے ہیں ان میں حقیقت پسندی کے ساتھ ساتھ فکر کا تعمق بھی موجود ہے۔ احمد رضا صاحب نے اِن پہلوؤں کی نشاندہی کرتے وقت اس پس منظر کو نظر انداز نہیں کیا ہے جس کی روشنی اِن پہلوؤں کو چمکاتی رہی ہے۔ پھر سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ مصنف اس کی نشاندہی کرتے وقت غالب کے ذہنی ارتقا اور فکری تعمق کو جہاں پیشِ نظر رکھتے ہیں وہیں اس کے اس پہلو سے بھی اختلاف کرتے ہیں جس کے تحت غالب بعض مرتبہ حد سے تجاوز کر جاتے تھے۔ فلسفی کے مضامین میں ایسے ہی پہلوؤں پر خاصے مدلل انداز میں بحث کی گئی ہے جس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مصنف محض غالب نوازی (عام روایت کے مطابق) کرکے ایک کتاب کے مصنف کہے جانے کے سلسلے کو دراز کرنا نہیں چاہتے ہیں۔

غالب کی شاعری میں جس فلسفے یا نظریے کی عکاسی ملتی ہے مصنف اس کا ذکر کرتے وقت ان مفکروں کے افکار کی بنیادوں کو نظر انداز بھی نہیں کرتے بلکہ انتہائی وضاحت کے ساتھ پیش کرتے ہیں جس سے ان کی معلوماتی اور تحقیقی قوتوں کا پتہ چلتا ہے۔ چند مثالیں دیکھئے۔

"مارکس بیلیس (۱۷۱۰ — ۱۸۰۰ء) نے کہا ہے۔ فی الحقیقت ہمارے تجربات میں کوئی چیز بُری نہیں ہے۔ محض عوام کا یقین اسے ایسا بنا دیتا ہے دنیا اچھی ہے۔ کیونکہ اس کا نظم و ضبط قوانینِ قدرت کے مطابق ہے تمام واقعات قدرتی اعمال کی حیثیت رکھتے ہیں ان کی ذاتی اخلاقی بُری یا بھلی قدر و قیمت نہیں ہے نہ کوئی چیز بُری ہے نہ کوئی چیز اچھی ہے بلکہ خیال اسے اچھا یا بُرا بنا دیتا ہے۔ ہمیں اپنے قیاس اور تنگ نظری سے اذیت پہنچتی ہے۔

اس فلسفے کو غالب نے کمالِ حسن و خوبی کے ساتھ اس شعر میں بیان کیا ہے

کی وفا ہم سے تو غیر اس کو جفا کہتے ہیں
ہوتی آئی ہے کہ اچھوں کو بُرا کہتے ہیں

"ایپی کیورس اور دیگر فلاسفہ کا قول ہے کہ آدمی کا مقصدِ حیات حصولِ مسرت ہے اس مقصد کے پیشِ نظر علما اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ بشر کو لازم ہے کہ دوسروں کے ساتھ بھلائی کرے چنانچہ غالب فرماتے ہیں:

ہاں بھلا کر ترا بھلا ہوگا
اور درویش کی صدا کیا ہے

یہ اور اسی قسم کی بہت سی مثالیں "فلسفیِ غالب" میں موجود ہیں۔ لیکن یہ کہنا یا سمجھنا کہ غالب کے پیشِ نظر وہ تمام تر فلسفے یا نظریے موجود تھے جن کے تاثرات ان کی شاعری میں ملتے ہیں صحیح نہیں۔ کیونکہ غالب نے ان نظریوں یا فلسفوں کو براہِ راست نہ تو پڑھا اور نہ ان سے اثر قبول کیا۔ اس لحاظ سے اگر کلامِ غالب میں ان کے نقوش ملتے ہیں تو اسے تقلیدی عمل نہیں بلکہ فکر کی گہرائی سے منسوب کرنا زیادہ مناسب ہوگا۔

احمد رضا صاحب نے جہاں دنیا کے مشاہیر مفکروں کے اندازِ فکر پر بحث کی ہے اور ان کا اطلاق کلامِ غالب پر کیا ہے وہیں انھوں نے غالب کی اس اندازِ فکر پر بھی خاصے مدلل انداز میں روشنی ڈالی ہے

جیسے صرف غالب ہی کے نام سے وابستہ کیا جاسکتا ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ غالب کے اس انداز فکر میں نہ صرف گہرائی اور عمق ہی موجود ہے بلکہ وہ اُردو شاعری کے لئے اچھوتی اور جدید بھی ہے جو غالب کے فلسفیانہ ذہن کا واضح ثبوت بن گئی ہے۔

بہرحال "فلسفیٔ غالب" میں پہلی بار احمد رضا صاحب نے کلام غالب کے ان پہلوؤں کو ابھارنے کی مربوط اور مبسوط کوشش کی ہے جو غالب کے فلسفیانہ ذہن کو سمجھنے میں مددگار و معاون ثابت ہو سکے گا۔

کتابت کی غلطیاں اکھرتی ہیں۔ البتہ طباعت مناسب ہے۔ چھ روپے کے عوض یہ کتاب مکتبہ شانِ ہند دہلی سے بھی حاصل کی جاسکتی ہے۔

طبِ قدیم میں دوسرے علوم کی آمیزش

کوثر چاند پوری صاحب نے اس کتابچہ میں علم طب کی قدیم و جدید صورتوں کا تفصیل کے ساتھ جائزہ لیتے ہوئے دوسرے علوم سے اس کا موازنہ کیا ہے اور اس غلط روش کی پُرزور انداز میں تردید کی ہے جس کے تحت علم طب کو دوسرے علوم جیسے منطق، الٰہیات، فلسفہ اور طبیعات سے نزدیک کر دیا جاتا ہے۔

اس سلسلے میں کوثر صاحب کی یہ رائے بڑا وزن رکھتی ہے کہ علم طب میں فلسفہ و منطق کے مباحث کو اگر شامل کرنے پر زور دیا جاتا ہے تو اسے مشکل اور پیچیدہ ہونے سے نہیں بچایا جاسکتا اور اس طرح جدید اور ترقی یافتہ شکلوں کے امکانات سے اُسے محروم ہی رہنا پڑے گا۔ کوثر صاحب نے ان تمام حالات کا جائزہ لیتے ہوئے طب کے طلباء کو اس خطرناک، پیچیدہ اور مشکل راستوں سے گریز کرنے کا مشورہ دیا ہے اور ان ارتقائی حالتوں کی تفصیل بیان کی ہے جنھوں نے علم طب کو مندرجہ بالا علوم کی آمیزش سے دُور رکھنے پر زور دیا۔

کوثر صاحب نے علم طب کا مفصل اور تاریخی تجزیہ کرتے ہوئے قدیم و جدید حوالہ جات سے اس بات کو ثابت کیا ہے کہ علم طب میں دوسرے علوم کی شمولیت اور امتزاج نہ تو ضروری ہے اور نہ اس سے کسی طرح کے فائدے یا ارتقائی توقع ہی کی جاسکتی ہے۔ اس سلسلے میں موصوف نے قدیم فلسفہ اور جدید سائنس کا نہ صرف موازنہ ہی کیا ہے بلکہ علم طب اور دوسرے علوم کے فرق کو سامنے رکھ کر ان کے امتزاج کو بڑی حد تک خطرناک اور دشوار بھی بتایا ہے جس کی وجہ سے علم طب کے ارتقائی عمل میں رکاوٹیں پیدا ہو سکتی ہیں۔ کوثر صاحب نے قدیم مشاہیر کے علاوہ ساتھ جدید نظریۂ فکر رکھنے والے بیشتر صاف ذہن اطبا اور مصنفین کے اقوال اور آراء کو شامل کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اگر موجودہ طب کو قدیم طبی روایات تک محدود رکھنے پر زور دیا جاتا ہے تو ایسا ہر قدم علم طب کو محدود اور دشوار بنا دے گا اور اس ترقی یافتہ زمانے میں اس کی مقبولیت مشکوک اور ناممکن ہو جائے گی۔

اس سلسلے میں موصوف کا خیال ہے

"ماضی قریب میں یہ کوشش کی جاچکی ہے کہ طب کی تعلیم میں مشکلات حائل نہ کی جائیں۔ فن کو حشو و زوائد سے پاک کر دیا جائے۔ دوسرے علوم کے مسائل طویل مباحث کو طب میں داخل کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ طالبانِ فن کی توجہ اصل مقصد پر مرکوز نہ رہ سکے گی۔ موجودہ دور میں ضرورت ہے کہ آدمی جلد سے جلد اس منزل پر پہنچ جائے جہاں معیشت و معاشرت کے دروازے کھلتے ہیں۔ اس کے پاس اتنا وقت اور قوتِ عمل نہیں کہ فلسفہ و منطق کی بحثوں میں الجھا رہے اور زندگی کے تیز رو دھارے کا ساتھ نہ دے سکے۔ دوسرے علوم کی جو اصطلاحات فن میں شامل ہیں انھیں مبادیات کے طور پر ذہن نشین کرایا جاسکتا ہے۔"

کوثر صاحب نے علم طب کے ساتھ ساتھ معاشرتی، اقتصادی، تاریخی اور سائنسی ارتقا کی بتدریج شکلوں کو بھی سامنے رکھا ہے اور ان سب کی اہمیت کا اعتراف بھی کیا ہے۔ لیکن علم طب کو ان قدیم روایتوں سے بچانے پر بھی زور دیا ہے جو موجودہ زمانے میں بے جان اور بے کیف ہیں۔

یہ کتابچہ علم طب کے سلسلے میں مفید معلومات پیش کرتا ہے۔ جسے دو روپے کے عوض مکتبہ شانِ ہند دہلی سے بھی حاصل کیا جاسکتا ہے۔

یہ کتابیں ضرور پڑھئے

قیدی کے خط — محمد محسن خان — -/۸
یادوں کے سائے — پیام شمری حمنا رضا — -/۲۰
فلمی کا ہندوستانی سنگاپور — -/۴
ناقابلِ فراموش — دیوان سنگھ مفتون — -/۲۰
دفتر شانِ ہند۔ نئی دہلی ۲

May—76 Phone : 278880 Regd. No. D-(E) 37

THE SHAN-E-HIND MONTHLY, NEW DELHI-110002.
Regd. with the Registrar of News Paper at R. No. 644/57

اُلجھے بال

جب کنگھی کرتے ہوئے ہر بار بال اُلجھ جائیں یا بالوں کا ایک گچھا ہاتھ میں آجائے تو سمجھئے یہ بال اب کچھ ہی دن کے مہمان ہیں، بالوں کو مضبوط، چمک دار، ملائم اور سیاہ بنانے کے لئے زُلفی استعمال کیجئے۔ اس کا ایک ایک قطرہ بالوں کے لئے رحمت سے کم نہیں۔ زُلفی گرتے بالوں کو روک دیتا ہے اور گھنے بال اُگاتا ہے۔ یہ گنج کو ختم کرتا ہے اور بالوں کی سب سے بڑی دشمن خشکی کو دُور کرتا ہے ——— زُلفی تیل نہیں بلکہ بالوں کی غذا ہے۔ زُلفی بالوں میں ڈالئے اور پھر دیکھئے وہ کتنی جلدی بڑھتے ہیں۔

قیمت زُلفی ہیر ٹانک : ۸ روپے
زُلفی شیمپو پاؤڈر : ۲ روپے ۵۰ پیسے

SHAMA LABORATORIES

شمع (یونانی اینڈ آیورویدک) لیباریٹریز، لال کنواں، دہلی

ماہنامہ

شاہراہِ ہند

دہلی

JUNE—1976

DR. ZAKIR HUSAIN LIBRARY
JAMIA NAGAR
NEW DELHI-110025

e. 1-00

Editor :
SARWAR T

سال اجراء ۱۹۳۸ | رجسٹر نمبر دی. ۳۷ | رجسٹرڈ نمبر رجسٹرار نیوز پیپر ۱۱۴۴/۵۷

فون نمبر ۲۷۸۸۸۰

شان ہند

ماہنامہ دہلی

ایڈیٹر: سرور تونسوی ۔ قیمت سالانہ دس روپیہ ۔ فی پرچہ ایک روپیہ

جلد ۳۷ | جون ۱۹۷۶ء | شمارہ ۶

فہرست

۱	غزل ۔ مشتاق شبنم	۱
۲	افکار و واقعات ۔ مدیر	۵
۳	مشاعرہ شاعرات ۔ عزیز اندوری	۹
۴	قصر سخن کی غزلیاتی جدولیں ۔ مفتون کوٹوی	۱۷
۵	غزل ۔ ڈاکٹر تفتہ (اٹلانٹا)	۱۹
۶	آدمی عورت ۔ سروری ریاض	۲۰
۷	غزل ۔ ظرفہ قریشی	۲۴
۸	اردو کی پکار ۔ ادارہ	

وو یاپرکاش سرور ایڈیٹر پرنٹر پبلشر نے لاہور پریس جامع مسجد دہلی سے چھپوا کر دفتر شان ہند فلیٹ ۲ انصاری مارکیٹ دریا گنج نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲ سے شائع کیا۔ سرورق ایم ایس پرنٹرز دریا گنج دہلی میں چھپا

ضروری اطلاع :۔ اب آپ کو دفتر شان ہند سے آپ کے خطوط کا جواب تب ہی موصول ہوگا اگر آپ نے جواب کے لئے جوابی کارڈ یا لفافہ بھیجا ہے۔ اس لئے جب بھی دفتر شان ہند کو خط لکھئے تو اس امر کا خاص خیال رکھئے

ادارہ

مشتاق شبنم

غزل

یہ میرے بس میں کہاں ہے کہ بھول جاؤں اسے
میں جو بھی عہد کروں عمر بھر نبھاؤں اسے

وہ خود بھی ایک غزل ہے شگفتہ و رنگین،
میں سوچتا ہوں کہ کیسے غزل سناؤں اسے

قریب آئے تو میں روح میں بساؤں اسے

جو میری ذات کے در پے رہا بنام خلوص
ملے تو پیار سے پھر بھی گلے لگاؤں اسے

سنا ہے عشق بھی چھپتا نہیں بصورت مشک
تمہیں کہو کہ میں پھر کس طرح چھپاؤں اسے

جسے ہے ناز بہت اپنے حسن پر شبنم
مری یہ ضد ہے ذرا آئینہ دکھاؤں اسے

کنور مہندر سنگھ بیدی سحرؔ

کو ادارہ "شانِ ہند" کا خراجِ عقیدت

جشنِ سحرؔ نمبر

کنور صاحب کی شخصیت اور فن پر اہلِ قلم کے رشحات، یادگار تصاویر اور منتخب کلام
سے مزین چار صد صفحات پر پھیلا ہوا یہ خاص نمبر دنیائے اُردو ادب میں ایک یادگار اضافہ ہوگا

قیمت:۔ دس روپے

مستقل خریداروں کے لئے چھ روپے علاوہ محصول ڈاک

مرتبین:۔ سرورؔ تونسوی، عزیزؔ اندوری

مشتہرین سے استدعا ہے کہ کنور صاحب کی ملک گیر مقبولیت کے پیشِ نظر "جشنِ سحر نمبر" ملک بھر میں بڑے ذوق و شوق سے پڑھا جائے گا۔ اس لئے اس یادگار نمبر میں اشتہار دینا بھی کنور صاحب سے دلی عقیدت کا مظہر

اُجرتِ اشتہار:۔ عام پورا صفحہ ڈھائی صد روپے۔ نصف صفحہ ۱۵۰ روپے۔ سرورق کا اندرونی صفحہ نمبر ۲ پانچ صد روپے۔ سرورق تیسرا صفحہ پانچ صد روپے۔ اور سرورق کا آخری صفحہ۔ دو رنگ میں ایک ہزار روپے

مزید تفصیلات کے لئے لکھئے

ماہنامہ شانِ ہند، فلیٹ نمبر ۱۸، انصاری مارکیٹ، دریا گنج، نئی دہلی ۲

قوم پھر ہمت سے آگے بڑھنے لگی ہے

76 - 1975ء

دستکاروں اور مزدوروں کو امداد

- ہتھ کرگھوں پر تیار کپڑے کے جمع شدہ ذخیرے کو لوگوں تک پہنچانے کیلئے 472 لاکھ روپے کی رقم فراہم کی گئی۔
- ہتھ کرگھے کی صنعت کی ترقی اور اسے نئی زندگی دینے کے لئے 23 اختیاری منصوبے اور برآمد کو فروغ دینے کے لئے 20 مراکز زیر تشکیل ہیں۔
- "جنتا" کپڑے کی کوالٹی اور دستیابی میں سدھار ہوا ہے۔ جولائی 1975ء سے اب تک کپڑے کی پرچون سپلائی کے مراکز کی تعداد بڑھ کر 96,694 ہو گئی ہے۔ ان میں سے 80 فیصد مراکز دیہی علاقوں میں ہیں۔
- ملک بھر میں سڑکوں کے راستے ضروری اشیا کی نقل و حمل کو آسان بنانے کے لئے 1910 سے زیادہ قومی پرمٹ جاری کئے گئے۔
- صنعتوں میں مزدوروں کی شرکت کو قابل عمل بنانے کے لئے 617 سے زیادہ اداروں، جن میں مرکزی پبلک سیکٹر کے 97 ادارے بھی شامل ہیں۔ میں شاپ کونسلوں، اور مشترکہ کونسلوں کا قیام عمل میں لایا گیا۔

DAVP 76/92

ایمرجنسی کے بعد دلّی کی نمایاں کامیابیاں

قیمتوں میں کمی
بڑھتی ہوئی قیمتوں میں کمی آئی۔ شرح مہنگائی صفر کے نشان سے بھی نیچے آگئی۔ اشیائے ضروریہ کی تقسیم کا شاندار نظام لاگو۔ شہری اور دیہی علاقوں میں ۲۵۳ کوآپریٹیوں اور ۲۱ ہزار سستے داموں والی دکانوں کے توسط سے سستے کپڑے کی فروخت۔

بےگھر لوگوں کیلئے گھر۔ بے زمین لوگوں کیلئے زمین
۱۳۶۰ ایکڑ زراعتی زمین۔ ۴۳۸۵ ہریجن اور غریب بے زمین کسانوں میں تقسیم۔ ۸۰۰۰ رہائشی پلاٹ غریب اور بےگھر ہریجنوں میں تقسیم۔ ہر ہریجن کو مکان بنانے کے لئے ۱۰ لاکھ روپے کی مالی امداد۔

اپرنٹس شپ اسکیم
مقررہ نشانہ ۳۵۰۰ کے مقابلے میں ۳۵۲۵ نوجوانوں کو مختلف صنعتوں میں بطور اپرنٹس لگایا گیا۔

سماج دشمنوں کے پاؤں اکھڑ گئے
بدعنوان بیوپاریوں کے خلاف ۲۲۵۹ چھاپے۔ ٹیکس چوری کے ۶ کروڑ روپے کے بیوپاری سودے کا پتہ لگایا گیا۔ جمع خوروں، منافع خوروں وغیرہ کیخلاف ۱۴ ہزار چھاپے مارے گئے۔

طلبہ کو راحت
۱۸۵۳ اسکولوں میں کتاب بنک۔ پنسل کاپیاں وغیرہ سستے داموں پر۔ طلبہ ہوسٹلوں میں سستا کھانا۔ اسکولوں میں ۲۰ نکاتی سدھار پروگرام۔ پرائمری اسکولوں کے تمام بچوں کو مفت درسی کتابیں۔ غریب طلبہ کو اسکولی وردی مفت دینے کی اسکیم پر ۸ لاکھ روپے کا صرفہ۔

پیداوار بڑھی
۶۰۰ صنعتی شیڈوں کی تعمیر۔ چھوٹے چھوٹے صنعتی یونٹوں کو ۳٫۵ کروڑ روپے کے قرضے۔ سبزی کی کاشت کا رقبہ ۲۰٫۱۶ ہزار ہیکٹر (۱۹۷۲) سے بڑھ کر ۲۷٫۱۹ ہیکٹر (۱۹۷۶ء) کثیر مقاصد والی فصلوں کے رقبہ کاشت میں اضافہ۔ حاشیائی کسان و مزدور ترقیات ایجنسی کے توسط سے غریب کسانوں کی بھرپور امداد۔

صاف و خوبصورت دلّی
شہری علاقے میں صاف ستھرا ماحول، جامع مسجد کے علاقے کی نئی ترقی۔ سبزی منڈی کی آزادپور میں منتقلی ۲۰۰۰ منظور شدہ صنعتوں کی منظور شدہ علاقے میں منتقلی۔ ۵۰ ہزار پلاٹوں اور عام سہولتوں کے ساتھ ۲۰ نئی کالونیوں کی آبادکاری۔ غریب و کمزور طبقے کے لوگوں کیلئے بہتر زندگی اور روزگار کے نئے مواقع۔

دیہی ترقی
۵۰ دیہات میں صفائی، نشہ بندی اور خاندانی منصوبہ بندی کا وسیع پروگرام۔ ۷۷-۱۹۷۶ء کے پہلے تین مہینوں میں ہی لاگو۔ ۷۷-۱۹۷۶ء کے آخر تک دلی کے سبھی گاؤں میں اس پروگرام کی توسیع۔

دلّی خاندانی منصوبہ بندی کی اسکیموں میں سب سے آگے
افزائش نسل والی عمر گروپ کے ۴۱٫۳ فیصد جوڑوں نے مانع حمل چیزوں کا استعمال کرکے ملک بھر میں ایک نیا ریکارڈ قائم کیا ہے جب کہ پورے ملک میں اس کا اوسط ۱۶٫۱ فیصد رہی ہے۔

ہم پردھان منتری شریمتی اندرا گاندھی کی موثر قیادت میں شاہراہ ترقی پر آگے بڑھ رہے ہیں۔

آئیے! ہم اپنے چھوٹے چھوٹے اختلافات کو بھول کر دیش کی راجدھانی۔ دلی کی شان بڑھانے کے لئے مل جل کر کام کریں۔

جاری کردہ:۔ محکمۂ اطلاعات و اشاعت، دلّی انتظامیہ دلّی

افکار و واقعات

چور متشاعر... مادر پدر آزاد

چیمسفورڈ کلب نئی دہلی کے ایک ہند و پاک مشاعرہ میں حضرت حفیظ جالندھری۔ مولانا عبدالمجید سالک سید جعفری جالب۔ زہرہ نگاہ۔ اور دیگر کئی پاکستانی و ہندوستانی شعراء کرام کی موجودگی میں۔ دلیر شیرانی نے ایک غزل پڑھی اور اتنی داد پائی کہ شاید اس کی سات پشتوں میں بھی اتنی داد کسی کو نہ ملی ہو۔ بشرطیکہ اس کی سات پشتوں میں کوئی شاعر ہو۔ اس مشاعرہ کا آنکھوں دیکھا اور کانوں سنا حال مدیر شانِ ہند نے لکھا اور یہ رُوداد ماہنامہ شانِ ہند میں شائع ہوئی۔ ان دنوں جناب بدیع الزمان صاحب خاور بٹالوی دفتر شانِ ہند سے متعلق تھے۔ انھوں نے جب مشاعرہ کی یہ رُوداد پڑھی تو فرمانے لگے سرور صاحب دلیر شیرانی نے جو غزل اس مشاعرہ میں پڑھی ہے وہ تو حضرتِ اعجاز صدیقی مدیر شاعر کی ہے۔ اور کئی سال ہوئے "شاعر" میں شائع ہو چکی ہے۔ کیوں کہ شاعر ہمارے یہاں تبادلہ میں آتا ہے۔ اور اس کی مکمل فائیل موجود تھی۔ دوسرے دن خاور صاحب نے دلیر شیرانی والی غزل۔ شاعر میں مطبوعہ ڈھونڈ نکالی اور دلیر شیرانی کی اس دلیرانہ چوری پر شانِ ہند کے اگلے شمارہ میں اس قدر لعن طعن کی گئی کہ اگر دلیر شیرانی میں ذرا بھی خاندانی شرافت ہوتی تو وہ اگر خودکشی نہ کر سکتے تو کم از کم شاعری کی چوری سے توبہ کر لیتے۔ (مگر خدا کے فضل سے ان کا یہ دھندا پہلے سے بھی زیادہ زور و شور سے جاری ہے)

ان دنوں حضرت جگر مرادآبادی (مرحوم) دہلی میں ہی مقیم تھے۔ ایڈیٹر شانِ ہند ہر شام کو ان کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ شانِ ہند کا شمارہ ان کی خدمت میں پیش کیا گیا تو انھوں نے دلیر شیرانی کی شعری چوری کا واقعہ پڑھا تو فرمانے لگے سرور صاحب ایک بات یاد رکھئے گا کہ جو بھی کوئی متشاعر کسی دوسرے شاعر کا کلام چوری کرے گا وہ یقیناً مادر پدر آزاد ہوگا۔ یا تو اس کی ماں حرام کار ہوگی یا پھر اس کا باپ اِدھر اُدھر کی خاک چھاننے والا ہوگا۔ کیوں کہ جنسی چوری ایسے حضرات کے خمیر میں ہوتی ہے اور جنسیات کا شمار شئی لطیف میں ہوتا ہے اس لئے ایسے اشخاص کسی شئی لطیف مثلاً شاعری یا فنونِ لطیفہ خوبصورتی کی ہی چوری کریں گے۔ حال ہی میں اُردو کے مشہور اور کثیر الاشاعت ماہنامہ "شمع" ماہ جون میں کسی جاوید غیاث نے پاکستان کے مشہور شاعر حضرت احسان دانش کی ایک مشہور نظم اپنے نام سے چھپوائی ہے۔ جس پر دفتر شانِ ہند میں درجنوں خطوط موصول ہوئے ہیں کہ جاوید غیاث ایسے چور متشاعروں کا کچھ علاج ہونا چاہئے مدیر شانِ ہند ایسے لوگوں کا علاج کرنے سے قاصر ہے کیونکہ حضرت جگر مرادآبادی کی رائے کے بعد تو ایسے حضرات کی اس قسم کی غیر شاعرانہ روش کو نظر انداز کرنا ہی ہوگا۔ ہاں اگر ایسے حضرات میں "غیرت" کا شائبہ ہو تو حضرت جگر مرحوم کی رائے گرامی پڑھنے کے بعد انھیں اس چوری سے توبہ کر لینی چاہیئے۔

دماغی ورزش

دماغی ورزش کے اس وقت تک جتنے جوابات آئے ہیں ان سے پتا چلتا ہے کہ عروض کے ساتھ علم قافیہ کا بھی فقدان ہو گیا لہٰذا ابھی ایک ماہ اور انتظار کیا جائے گا۔

حضرت علام حق آبادی نے قسم کھائی ہے کہ جو شاعر دماغی ورزش کا صحیح جواب نہ دے سکے گا وہ اس کلام پر تبصرہ نہ فرمائیں۔

مبارکباد

جناب محمد مبین نغمہ کھام گانوی

عالی مقیم دسورت) کی شادی خانہ آبادی فرزانہ بانو سے پچھلے دنوں کھام گانوں میں بڑی سادگی مگر پر لطف انداز میں ہوئی۔ بمبئی۔ سورت۔ بڑودہ اور دیگر کئی مقامات سے نغمہ صاحب کے احباب اور رشتہ تشریف لائے تھے نیز کھام گانوں کے معززین نے شریک ہو کر اس مبارک موقع پر دُلہا، دُلہن کو دُعائیں اور نغمہ صاحب کے والد صاحب کو مبارکباد پیش کی ۔ نغمہ صاحب کی شادی خانہ آبادی کے موقع پر مدیر شان ہند علالت کے باعث شریک نہ ہو سکا مگر سرور تونسوی کی دلی دُعا ہے کہ نغمہ اور فرزانہ کی جوڑی ہر طرح خوش و خرم رہے۔

جناب رام کشور ویاس

حکومت راجستھان نے جناب رام کشور ویاس صاحب سپیکر راجستھان اسمبلی کو ساہتیہ اکاڈمی (سنگم کمیں اُودے پور کا چیرمین مقرر کیا ہے۔ جناب رام کشور ویاس صاحب اپنے ہر فرض منصبی کو آج تک نہایت ذمہ داری دیانت داری اور جانفشانی سے انجام دیتے رہے ہیں اس لئے یہ امر یقینی ہے کہ ان کی سربراہی میں راجستھان ساہتیہ اکاڈمی اب پہلے کی نسبت زیادہ تیز رفتاری سے اپنے فرائض انجام دیگی۔ ویسے تو جب سے جناب راجندر شرما صاحب بحیثیت ڈائریکٹر اس اکاڈمی میں تشریف لائے ہیں اکاڈمی کی کایا پلٹ گئی ہے۔ مگر اب جناب رام کشور ویاس کی سربراہی میں یہ اکاڈمی اور بھی بہتر انداز میں کام کرے گی اور خصوصیت سے اُردو کو نظرانداز نہ کرے گی۔

جشنِ خطیب

جناب دیوان رگھوناتھ صاحب خطیب سرحدی (بریلی) کا جشن پچھلے دنوں لکھنؤ میں نہایت اچھے ڈھنگ سے منایا گیا۔ جس میں اُردو ہندی۔ پنجابی اور پشتو زبان میں مقررین نے خطیب صاحب کی ادبی خدمات کا ذکر فرمایا۔ خطیب صاحب صوبہ سرحد (پاکستان) کے رہنے والے ہیں بہنہ قلندری انہیں گھٹی میں ملی ہے۔ یوپی کی اکثر مسلم جماعتیں انہیں اپنے ہاں سیرت النبی شہادت حسین اور دیگر اسلامی تقاریب میں تقریر کے لئے مدعو کرتی ہیں۔ اور جہاں آپ ایک اچھے شاعر اور نثر نگار ہیں وہاں آپ خدمتِ خلق کے لئے ہر وقت جان تک حاضر کرنے کو تیار رہتے ہیں۔ جشن خطیب کی مفصل کارروائی شان ہند میں بہت جلد "گوشۂ خطیب" کے تحت مع تصاویر کے شائع کی جا رہی ہے۔ مشہور افسانہ نگار جناب رام لال صاحب نے جشن خطیب کی کارروائی کو قلمبند کیا ہے۔

دلاور فگار کی اکڑ اور جون ایلیا کی انکساری

پچھلے دنوں پاکستان سے دو شاعر دلاور فگار اور جون ایلیا ہندوستان تشریف لائے۔ یہ دونوں شاعر ہندوستان سے ہی پاکستان گئے ہوئے ہیں۔ کیوں کہ ایک عرصہ کے بعد پاکستانی شعرا یہاں تشریف لائے تھے۔ اس لئے جہاں جہاں بھی یہ دونوں حضرات تشریف لے گئے ان کا بہت اچھا دلی استقبال ہوا۔ اور عوام نے انہیں سر آنکھوں پر بٹھایا۔ جون ایلیا نے اپنی خاندانی شرافت اور انسانیت نیز انکساری سے ہر ملنے والے کا دل جیت لیا مگر دلاور فگار نے ہر جگہ اکڑفوں اور غیریت دکھائی۔ جیسے کہ وہ اس دھرتی کے رہنے والے ہی نہیں ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ دلاور فگار کے اعزاز میں ان کے آبائی مقام بدایوں میں ایک مشاعرے کا انتظام کیا گیا تو دلاور صاحب نے فرمایا کہ وہ پانچ صد روپیہ معاوضہ لینے پر ہی اس مشاعرہ میں شریک ہو سکتے ہیں۔

دلاور فگار ایڈیٹر شان ہند کے کرمفرما ہیں جب وہ ہندوستان میں تھے تو بھی اور اب ان کے پاکستان چلے جانے پر بھی ان تعلقات میں کوئی فرق نہیں آیا۔

مگر دلاور صاحب نے اپنے اس دورۂ ہندوستان میں کچھ اچھے اثرات عوام کے دلوں پر نہیں چھوڑے۔ وہ [illegible] پسند اور کم گو تو پہلے ہی سے ہیں مگر یہاں کے فرائض و حقوق سے وہ جس قدر پہلے بیگانہ تھے پاکستان جانے کے بعد ان کی اس عادت میں جو پختگی آئی ہے وہ کچھ خوشگوار نہیں ہے۔ جس قدر وہ اپنے آپ کو اچھا اور منفرد شاعر سمجھتے ہیں کاش وہ اس کا دسواں حصہ ہی اپنے آپ کو اچھا انسان سمجھتے تو ان کے بارے میں ہندوستان کے عوام کو ایسی شکایت نہ ہوتی۔

جشنِ سحر نمبر

عالیجناب کنور مہندر سنگھ بیدی سحرؔ کی خدمت میں شانِ ہند کا نذرانۂ عقیدت "جشنِ سحر نمبر" انشاء اللہ نومبر یا دسمبر ۱۹۷۶ء میں پیش کیا جا رہا ہے۔ اس وقت دو خوشنویس دن رات جشنِ سحر نمبر کی کتابت کر رہے ہیں۔ جس قدر مضامین موصول ہو چکے ہیں انھیں جناب عزیز نادری نے ترتیب دیا ہے۔ جناب سحرؔ کے کلام کا انتخاب بھی اس نمبر میں شریک کیا جا رہا ہے۔

کیا ستم ظریفی ہے کہ جناب کنور صاحب کے بہت ہی نزدیک رہنے والے احباب یا ہر وقت ان سے فائدہ اٹھانے والوں میں سے کسی ایک نے بھی کنور صاحب کے بارے میں ایک سطر بھی نہیں لکھی۔ ان کے مقابلہ میں وہ حضرات جو کنور صاحب کی شہرت، شخصیت اور خاندانی شرافت و انسانیت کے باعث ان سے متاثر ہیں انھوں نے بہترین مضامین لکھے ہیں۔ کئی حضرات نے تو درجنوں یاد دہانی کرانے کے باوجود مضمون تو کیا خط کا جواب تک نہیں بھیجا۔ تاہم جشنِ سحر نمبر خدا نے چاہا تو آپ اپنی نظیر ہوگا۔ خدا نے چاہا تو ستمبر کے شمارے میں اس سلسلے میں تفصیل اعلان کیا جائے گا۔

بقیہ صفحہ ۱۶

عوام کے بے حد اصرار پر [illegible] ایک اور نظم سنانے مائیک پہ واپس آ گئی ہیں۔ آپ کے [illegible] غالباً آپ کا مجموعۂ کلام ہے جسے دیکھ کر اور آپ کی نظموں سے متاثر ہو کر ایک صاحب نے بڑی جوشیلی آواز میں کہا ہے ... آپ تو [illegible] کا [illegible] سنا دیجئے ... اس پر ایک ہلکا سا قہقہہ بلند ہوا ہے۔ بہرحال آپ ایک نظم بعنوان "کوئی دریچہ کھولو" سنا رہی ہیں۔ اس نظم کے ہال میں [illegible] ایک سیلاب سا امڈ آیا ہے۔ ملاحظہ کیجئے

ذہن کی [illegible] بیداری میں اسیر
ہانپتے کانپتے تشنہ الفاظ
ان کہے شسدر و حیران الفاظ
سرد ہونٹوں سے پھسلتے ہوئے بے جان الفاظ
جن میں گھٹتا ہے دم — کوئی دریچہ کھولو
کوئی کھوئی ہوئی ساعت
کوئی بھٹکا ہوا بے شور خیال
کوئی صورت کوئی نام کوئی تشنہ ترسیل پیام
کوئی خوابوں کا کنوارا منظر
کوئی بھور بھگ سحر
کسی زنجیر کی جھنکار
کہیں ریت میں دھنستے ہوئے لفظوں کی پکار
بادِ صحرا و سموم
کچھ تو آئے کہ دیوارِ تعقل ٹوٹے
کوئی نیزہ کہ پڑے جس کے سینے میں شگاف
جس میں گھٹتا ہے دم کوئی دریچہ کھولو۔

ساجدہ زیدی کی نظموں کے تاثرات نے مشاعرہ کے اختتام کو خوشگوار بنا دیا ہے۔

اس وقت رات کے ۹ بج چکے ہیں۔ [illegible] کی جانب سے سامعین اور شعراء کا [illegible] ۔ [illegible] ت [illegible] تھا۔

قوم پھر ہمت سے آگے بڑھنے لگی ہے

1975-76ء

پیداوار اور کارکردگی میں اضافہ

- معیشت میں ترقی کی شرح 5.5 فیصد رہی جب کہ 75-1974ء میں یہ صرف 0.2 فیصد تھی۔

- صنعتی پیداوار میں 4.5 فیصد اضافہ ہوا جب کہ 75-1974ء میں یہ صرف 2.5 فیصد تھا۔

- اناج کی پیداوار 11.40 کروڑ ٹن تک پہنچ جانے کی توقع ہے۔

- پبلک سیکٹر اداروں کی مجموعی پیداوار میں تقریباً 36 فیصد اضافہ ہوا۔

- ریلوں اور ڈاک و تار کے محکموں میں وقت کی پابندی، مستعدی اور لوگوں کے ساتھ بہتر سلوک کرنے اور ان کی بہتر خدمات انجام دینے کے کام میں نمایاں اصلاح۔

DAVP 76/93

مشاعرہ شاعرات

اردو سروس آل انڈیا ریڈیو۔ دہلی

عزیز اندوری

آل انڈیا ریڈیو کی اردو سروس کے ذمہ دار
راکین۔ شعراء و ادبا کے نوازنے اور انھیں ان کا حق
ینے کی جانب متوجہ رہے ہیں ان کی مخلصانہ کوششوں
ور چند بڑا ادب نوازی سے انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن
عض صورتوں میں ہزاروں روپیہ صرف کرنے کے باوجود
ر کسی پروگرام کا بڑا حصہ بے لطفی اور بدمزگی کی نذر
جلئے تو اسے کیا کہا جائے گا۔

بے لطفی اور بدمزگی کا ایسا ہی ایک منظر اس مشاعرہ
ا دیکھنے کو ملا۔ جو ۲۶ مارچ ۷۶ء کی شام کو ۷ بجے
ان غالب میں منعقد کیا گیا تھا۔ اور جس میں ملک
یا چاروں سمتوں" کی شاعرات نے حصہ لیا تھا لیکن
ختلف سمتوں سے ابھرنے والے شعری رنگوں نے ہال
موجود تقریباً ۲-۳ ہزار اہل ذوق کو بہت
ابجا زبان (داد دینے کی خاطر) کھولنے کا موقع دیا۔

عموماً مشاعرے میں چند شعراء (یا شاعرات بھی)
ام اسی خیال کے پیش نظر پڑھتے ہیں کہ سامعین اس
ے "شاعری حسن" پر پھڑک اٹھیں گے۔ لیکن اس […]
ناکام […] بہت سی تھا ویراں مشاعرے میں دیکھنے
میں۔ بلکہ اس کے برعکس اس کلام کو […] پسند […]
ما گیا۔ جیسے عام طور پر مشاعرے […]
ے کوئی لگاؤ نہیں ہوتا۔ اور پھر […]
[…] ہے کہ یہ سارا کلام تحت اللفظ پڑھا گیا […]
م کا جادو بیشتر اوقات سامعین […]

لیجاتا ہے۔

مختصر سی تمہید صرف اس لئے پیش کی گئی کہ میرے
ذہن میں شاعرات کی فہرست دیکھنے کے بعد اس کی
کامیابی کا جو رخ ابھرا تھا وہ قدرے بدلا ہوا نظر آیا۔

خیر میں عزیزم ابراہیم اشک کے ساتھ تقریباً
پونے سات بجے جب ایوان غالب پہنچا تو دروازے
پر قیصر قلندر صاحب اور […] رضوی صاحب کو
آل انڈیا ریڈیو کی جانب سے مہمانوں کا استقبال
کرتے ہوئے پایا۔ ان حضرات سے سلام علیک کے
بعد جب ہال میں داخل ہوا تو وہاں محمود ہاشمی صاحب
سے ملاقات ہوئی لیکن اس وقت تک اسی فیصدی
نشستیں خالی تھیں۔ رفتہ رفتہ سامعین کی
تعداد میں اضافہ ہوتا رہا۔ ریڈیو کے ملازمین اور
ذمہ داران انتہائی خوش سلیقگی سے آنے والے
مہمانوں کے استقبال میں مصروف رہے۔ اگلی
صفوں میں چند نشستیں معزز مہمانوں کے لئے مخصوص
کر دی گئی ہیں۔

شاعرات اسٹیج پر پہنچ چکی ہیں۔ ٹھیک ۷ بجکر دس
منٹ پر شمیم عصمت نے مائیک پر پہنچ کر آداب کیا
ہے […] سامعین کا استقبال کرتے ہوئے یہ مصرعہ
پڑھا ہے […] وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ
آپ […] ہی ہیں کہ اردو کے بیشتر شعراء نے
عورت […] شاعری کا […] موضوع بنا کر پیش

لیا ہے وہ کبھی ماں کے روپ میں تو کبھی بیٹی کی شکل میں تو کبھی بیوی کی صورت میں تو کبھی محبوبہ کے تصور میں نظر آئی ہے۔ اب یہ کرشمہ رونما ہو چکا ہے کہ اردو شاعری میں ابھرنے والا مجسمہ شاعرہ کے کردار میں ابھرا ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ شاعری خود شاعری کرنے لگی ہے۔

اس تمہید کے بعد آپ نے اس مشاعرے میں شرکت کرنے والی شاعرات کے نام پڑھ کر سنائے ہیں جو اس طرح ہیں۔ نسیم مخموری، مسعودہ حیات۔ عزیز النساء صبا جہد آبادی، جمیلہ بانو، عزیز بانو داراب وفرحت، ذکیہ سلطانہ نیر۔ شاہ جہاں بانو یاد دہلوی حسینی سرور، اور ساجدہ زیدی۔ آپ مزید بتا رہی ہیں کہ ساحرہ قزلباش اور بیگم ممتاز مرزا کا انتظار ہے تو لیجئے شمع التماس سب سے پہلے محترمہ نسیم مخموری کے سامنے ہے۔

نسیم مخموری مائیک کی طرف جا رہی ہیں۔ آپ کھڑے ہو کر پڑھنا چاہتی تھیں لیکن پتا نہیں کس لئے آپ نے ارادہ بدل دیا ہے اور بیٹھ کر اپنا کلام مناسب ترنم کے ساتھ سنانا شروع کیا ہے ابھی آپ نے مطلع کا پہلا مصرعہ ہی پڑھا تھا کہ معلوم ہوا مائیک میں کچھ گڑبڑ ہے اس لئے اسے ٹھیک کیا گیا ہے۔ اور اب سنئے وہ مطلع جس پر ہلکی سی داد ملی ہے

مہکتی شب کے دریچے میں خواب جیسا تھا
ملوں تو تجھ بچھڑنا عذاب تھا

مطلع کے بعد ایک شعر اور اسی انداز کا پڑھا ہے یعنی اس پر بھی کہیں کہیں سے داد ملی ہے۔

سنئے اب نسیم مخموری ایک ایسا شعر پڑھ رہی ہیں جس پر کافی داد ملی ہے اور اسے دوبارہ پڑھوایا گیا ہے۔

ورق ورق ہوئے پھرتے تھے تیرے کوچے میں
ہمارا حال شکستہ کتاب جیسا تھا

ادھر یاد دہلوی جھومتے ہوئے انداز میں اس شعر پر داد دے رہے ہیں۔ اور میرے آگے بیٹھے ایک بزرگ (جو سفید ریش ہیں) ہاتھ اٹھا اٹھا کر اپنی پسند کا اظہار کر رہے ہیں

وہ شخص جس کو خزاں لے گئی بہاروں سے
...... کبھی چمن میں شگفتہ گلاب جیسا تھا

وہ دور رہ کے بھی اکثر قریب لگتا ہے
وہ زندگی کے سفر میں سراب جیسا تھا

ان معمولی شعروں پر بھی نسیم مخموری کو خاصی داد ملی ہے۔ ایک شعر اور سنانے کے بعد آپ مقطع سنا رہی ہیں۔

اسے خبر بھی نہیں کون جل رہا ہے نسیم
زمیں سے دور کوئی آفتاب جیسا تھا

شاید یہ بات پہلے سے طے ہو چکی تھی کہ ہر شاعرہ سے دو دو غزلیں سنی جائیں گی سی لئے نسیم مخموری ایک اور غزل سنا رہی ہیں۔ جس کا مطلع ہے۔

درد کا زہر ہے رسوائی کی رسوائی ہے
پھر ترے شہر کی جانب ترا سودائی ہے

مطلع کے بعد دو شعر اور پڑھے ہیں۔ جن پر معمولی داد ملی ہے اور اب سنئے ایک ایسا شعر جس پر بے حد داد ملی ہے اور اسے دوبارہ پڑھوایا گیا ہے۔

ٹوٹ جائیں گے ابھی اتنا تغافل تو نہ کر
ہم نے شیشوں سے بکھرنے کی ادا پائی ہے

نسیم مخموری مناسب داد پا کر اپنی جگہ واپس آگئی ہیں۔ اور اب اعلان کیا گیا ہے کہ ساحرہ قزلباش اسٹیج پر آچکی ہیں۔ جن کا تعارف کراتے ہوئے کہا جا رہا ہے کہ شاعری اور ساحری کا باہمی رشتہ ہے۔ اس قول کی صداقت کے لئے سنئے ساحرہ قزلباش سے ان کا کلام۔ ساحرہ کا تعلق ایک ایسے خاندان سے ہے جس نے دنیائے موسیقی میں کئی نسلوں سے اپنا

وقار بنا رکھا ہے۔ میرا مطلب ہے ڈاکٹر خانمان سے۔ اس لئے آپ کے ترنم میں جاذبیت اور دلکشی کا ہونا لازمی ہے۔ اسی کے ساتھ آپ امیر آغا قزلباش کی اہلیہ بھی ہیں اور چونکہ امیر آغا نے جدید رجحانات شعری کی وجہ سے خاص شہرت حاصل کرلی ہے۔ اس لحاظ سے بھی آپ کے اشعار میں نکھرا ہوا انداز پایا جانا ضروری ہے۔ بہرحال ساحرہ مائیک پر پہنچ چکی ہیں لیکن انھوں نے غالباً اسی خیال کے پیش نظر ہلکے پھلکے اشعار سنانے شروع کر دیئے ہیں کہ مشاعرے میں عام طور پر سامعین کا ایک مخصوص مزاج ہوتا ہے اور عموماً ایسے مجمع میں ہلکے پھلکے اشعار بھی اپنا جادو دکھا جاتے ہیں۔ لیکن شکر ہے کہ ساحرہ کو بہت جلد یہ احساس ہو گیا اور انھوں نے پہلی غزل کے صرف چار شعر سنانے کے بعد دوسری غزل کافی سنبھلے ہوئے انداز میں شروع کی ہے۔ جس کا مطلع ہے۔

ہم یوں تمام عمر رہے زندگی کے ساتھ
جیسے ہر ایک غم ہو گوارا خوشی کے ساتھ

اس مطلع کو پسند کیا گیا ہے اور اس پر خاصی داد بھی ملی ہے۔

سنئے ساحرہ اگلا شعر پڑھ رہی ہیں۔

کوئی نہیں جو حرفِ صداقت ادا کرے
دنیا نے وہ سلوک کیا ہے کسی کے ساتھ

اس شعر سے سامعین کافی متاثر ہوئے ہیں اور اسے دوبارہ پڑھوایا گیا ہے۔

ساحرہ کے ایک اور شعر نے سامعین کو چونکا دیا ہے۔ اور آپ کو مناسب داد مل رہی ہے۔ شعر سنئے۔

ظلمت میں روشنی کی کرن ڈھونڈنے لگے
اہلِ خرد بھی ہیں مری دیوانگی کے ساتھ

اور اب آپ کی غزل کا مقطع بھی سن لیجئے۔

اے ساحرہ کچھ ایسے گریزاں ہے زندگی
ہم جیسے چل رہے ہوں کسی اجنبی کے ساتھ

ساحرہ اپنی جگہ واپس پہنچ چکی ہیں اور اب اناؤنسر ساحرہ کے ذریعہ پڑھی گئی غزلوں میں سے سب سے کامیاب شعر کو دہرا رہی ہیں۔

کوئی نہیں جو حرفِ صداقت ادا کرے
دنیا نے وہ سلوک کیا ہے کسی کے ساتھ

اور اسی کے ساتھ شمیم عصمت کو بھی محسوس ہو رہا ہے کہ شاعرات کا یہ مشاعرہ توقع کے خلاف "فلک شگاف داد" سے محروم ہے۔ نہ تو اسٹیج سے اور نہ ہال کے کسی گوشہ سے داد کا "ریلا" امنڈ رہا ہے۔ اسی لئے آپ نے اناؤنسمنٹ میں جان پیدا کرنے کی غرض سے شاعرات کے تعارف کے لئے تھا سو طریقہ اختیار کیا ہے تاکہ مشاعرے میں اور گرمی پیدا ہو سکے۔

سنئے آپ فرما رہی ہیں۔ سحر و خمار کے معنی ایک دائرے میں حیات کے بھی لئے جاتے ہیں۔ اور حیات کا خیال آتے ہی وسیع الخیالی کی طرف ذہن منتقل ہوتا ہے تو اب دعوت غزل سرائی محترمہ مسعودہ حیات کو دی جاتی ہے۔ مسعودہ حیات مائیک پر پہنچ چکی ہیں اور کہہ رہی ہیں۔ "غزل پیش ہے مطلع ملاحظہ فرمائیے۔"

مناسب ترنم میں آپ نے یہ مطلع پڑھا ہے

کہیں کہیں جو اجالا دکھائی دیتا ہے
ہمارے خون کا سایا دکھائی دیتا ہے

اناؤنسر کے الفاظ اپنا کچھ اثر دکھا رہے ہیں۔ اسی لئے مسعودہ حیات کا یہ مطلع توجہ سے سنا گیا ہے اور اس پر خاص داد بھی دی گئی ہے

سنئے آپ فرما رہی ہیں۔

ہمارا آج بھی احساس ہے اگر ان کو
تو کیوں یہ درد اکیلا دکھائی دیتا ہے

اس شعر پر ہال میں بیٹھے بعض اہلِ ذوق چونکے
ہیں اور انھوں نے اپنی نشستوں سے ہلکی سی کروٹ
بدلتے ہوئے اس شعر کو پسند کیا ہے
ایک معمولی شعر پڑھنے کے بعد مسعودہ فرما رہی ہیں
"ایک شعر ملاحظہ کیجیے جو موجودہ حالات کی عکاسی
کرے گا

کسی کو بوئے وفا کی خبر کہیں ہے لوگو!
چمن تو سارا مہکتا دکھائی دیتا ہے

اور واقعی اس شعر نے ہال اور اسٹیج کو بیدار کر دیا
ہے۔ اس مشاعرے میں پہلی بار بہت کھل کر اس شعر پر
داد دی گئی ہے۔
لیجیے آپ کی اس غزل کا مقطع بھی سن لیجیے جس
پر واجبی داد ملی ہے۔

کسی کے عشق میں دل جل چکا حیات مگر
نظر کو اب بھی دھواں سا دکھائی دیتا ہے

آپ نے اب دوسری غزل شروع کی ہے۔ لیکن
صرف مندرجہ ذیل اشعار ہی سامعین کو چونکانے کا
باعث بنے ہیں

گزری ہے زندگی ترے دامن کی چھاؤں میں
کیا غم جو آج سایۂ دیوار بھی نہیں...
ہم آج خود ہی دور کریں دل کی تیرگی
آساں نہیں ہے ... تو دشوار بھی نہیں

اور اب دہلی کی باہر کی شاعرات کا نمبر ہے۔ یعنی
مہمان شاعرات کی باری ہے۔ سب سے پہلے شمیم
عصمت کی نگاہ اٹھتی ہے دکن کی جانب۔ اس سلسلہ
میں آپ فرما رہی ہیں۔ اس جرم کی تعزیر دیا جو تھا،
شاعرہ جن کا تعلق دہلی سے بھی بڑے تاریخی مرکز یعنی
دکن سے ہے۔ اپنا کلام سنانے آرہی ہیں۔ اور وہ
ہیں محترمہ عزیز النساء صاحبہ حیدرآبادی۔ دہلی
سے بڑے تاریخی مرکز سے تعلق رکھنے والی اس شاعرہ
کے بارے میں یہ بھی فرمایا جا رہا ہے کہ آپ دکن کی

بڑی فریبی پیامبر ہیں"
...اور صبا دل کی باتیں سنانے میں کسی حد تک
گریز سے کام لے رہی ہیں۔ کم از کم ان کے مندرجہ ذیل
اشعار سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے۔

پھر کوئی تازہ غزل سناؤں کیسے
آپ کو آپ کی تصویر دکھاؤں کیسے
لفظ مجبور ہیں اظہارِ حقیقت کے لئے
مجھ پہ جو کچھ بھی گزرتی ہے سناؤں کیسے

مجھ سے آگے بیٹھی ایک محترمہ فرما رہی ہیں۔ ہمیں
آپ سے ہمدردی ہے۔ خیر کوشش کیجیے کچھ سنانے کی۔
بہرحال صبا کو داد مل رہی ہے۔ اب وہ تین اشعار بھی
سن لیجیے جنھیں عوام کی فرمائش اور پسند پر صبا نے
دوبارہ پڑھا ہے

عمر گذری ہے محبت کے حسیں دکھوں میں
اتنی یادوں کو بھلا دل سے بھلاؤں کیسے؟
دل کے ہر زخم سے آتی ہے وفا کی خوشبو
زخم چھپ جائیں گے خوشبو کو چھپاؤں کیسے
سلسلۂ شبِ غم ختم کرے گی مجھ پر
میں سرِ شام چراغوں کو بجھاؤں کیسے؟

صبا کی پہلی غزل کی طرح ان کی دوسری غزل
کے اشعار وہ جادو نہیں جگا سکے۔ پھر بھی دو تین
شعر سن لیجیے۔

یہ نہ سمجھو کہ پریشاں ہیں غمِ دوراں سے
وقت سے آنکھ ملانا بھی ہمیں آتا ہے
یوں تو خوشبو سے بھی کچھ عار نہیں ہے لیکن
غم کو سینے سے لگانا بھی ہمیں آتا ہے۔
غیرتِ عشق کی رسوائی کا ڈر ہے ورنہ
آپ روٹھیں تو منانا بھی ہمیں آتا ہے

لیجیے ایک بار پھر شمیم عصمت ادبی تاریخ کے
اوراقِ پارینہ کو الٹتے ہوئے اس مشاعرے کی اسپرٹ
کو باقی رکھنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔

دبستانوں اور مرکزیوں کا پرانا تصور ٹوٹ گیا ہے۔ اسی
ہم دیکھتے ہیں کہ دلی سے میر کی سرزمین کا فاصلہ اب دور
ہے۔ اس کا اندازہ جمیلہ بانو کی غزل سن کر بخوبی ہو سکے گا
جمیلہ مائیک پر آ چکی ہیں اور لحن داؤدی جیسا انداز
یار کرکے غزل کا مطلع سُنا لیا ہے۔ لیکن پتا نہیں کس لئے صرف
اشعار ہی سنانے پر اکتفا کیا ہے۔ دو اشعار آپ
سن لیجئے ؎

ظرفِ شعورِ بشر دیکھتے رہے
عالم تمام زیر و زبر دیکھتے رہے
تم نے بارہا ہمیں آگاہ بھی کیا
ہم پھر بھی تیری راہ گزر دیکھتے رہے

اور اب انھوں نے دوسری غزل چھیڑی ہے۔ اسی بیچ
حضرات ہال سے باہر جا رہے ہیں۔ پہلی غزل کے مقابلہ
اس غزل کے بعض اشعار نے سامعین کو کچھ نکالا ہے
اشعار سن لیجئے

غم حیات کی صہبا میں کتنی مستی ہے
بقدر ظرف یہ تھنگی ہے اور مستی ہے
نظر نظر مہ و انجم نفس نفس خوشبو
تیرے خیال کی بستی عجیب بستی ہے
کہاں ہے کوئی خریدار فکر و فن لے دوست
یہاں تو لاؤ وہ جنسِ ہنر جو سستی ہو
چلیں تو دل کو سنبھالے ہوئے چلیں ہم تم
یہ شہرِ شیشہ نہیں پتھروں کی بستی ہے

اور اب لیجئے شمیم عصمت کی توجہ ایک ایسی شاعرہ کی
ہوئی ہے جن کے کلام میں بقول ان کے گومتی کی سیرابی
رہی ہے۔

سنئے عزیز بانو دارا ب وفا لکھنوی تحت اللفظ چند
اشعار سنا رہی ہیں جن پر ہر طرف سے (پہلی بار) داد
ب ملا سا امنڈ آیا ہے۔ ہال کے وہ حصّے جواب تک
رش اور ساکت تھے واہ واہ کی آواز سے گونجتے نظر
رہے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے ؎

نہ جانے کتنی مدت سوئے ہیں جسموں کے غاروں میں
کہ ہم سب اجنبی ہیں اپنے خوابوں کے دیاروں میں
نکلتے ہی گھروں سے ہم کو راہیں گھیر لیتی ہیں
جہاں جائیں ہمارے پہرے رہتے ہیں حصاروں میں

اور سُنئے۔

بہا کر لے گیا سڑکوں سے اک سیلاب سارے بت
ہمیں باقی بچے ہیں صرف اپنی یادگاروں میں۔۔۔
ہماری بے بسی شہروں کی دیواروں پہ چپکی ہے
ہمیں ڈھونڈے گی کل دنیا پرانے اشتہاروں میں
عجائب گھر میں جا ہے آدمی محفوظ ہوں اب تک
ہم ایسے لوگ تو شامل ہیں پتلوں کی قطاروں میں

اور آخری شعر بھی سُن لیجئے

ہم اپنے خال و خط کھو کر بھی اس امید پر خوش ہیں
کہ ہم کو زندگی ڈھالے گی اچھے شاہکاروں میں

وفا صاحبہ نے دوسری غزل سنانی شروع کی ہے
لیکن اس غزل کے ہر شعر پر اس قدر داد نہیں ملی ہے۔ جسقدر
پہلی غزل پر انہیں ملی تھی پھر بھی اس غزل کے بھی چند اشعار
سن لیجئے۔

نکل پڑے نہ کہیں اپنی آڑ سے کوئی
تمام عمر کا بندھن نہ توڑ دے کوئی
ہٹا نظر سے تو بستی کی دوپہر تھی یہاں
ملا تھا گھومتا جنگل میں دن ڈھلے کوئی
گنوا کے عمر بسایا تھا شہر خوابوں کا
سمیٹ لے گیا اس کے بھی راستے کوئی
میں پھوٹ پھوٹ کے روتا رہا مگر اندر
بکھیرتا رہا بے ربط قہقہے کوئی

اگر یہ کہا جائے تو شاید بیجا نہ ہوگا کہ وفا صاحبہ مشاعرہ
میں ایک نئی روح دوڑا کر اپنی جگہ واپس آ گئی ہیں۔ اور اب
آواز دی جا رہی ہے علیگڑھ سے تشریف لائی محترمہ سیدہ
فرحت کو۔

موصوفہ انتہائی تیزی کے ساتھ اپنا کلام سنا رہی ہیں

آپ کی دونوں غزلوں کے چند اشعار نوٹ کر پایا ہوں داد کے بارے میں کیا عرض کروں مشاعرے میں پڑھنے اور سامعین کو اپنے اشعار سنانے کا ایک خاص ڈھنگ ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں بعض شعراء اور شاعرات اس قدر ماہر ہوتے ہیں کہ ان کے پڑھنے کا انداز ہی ان کے اشعار کی تفسیر بن جاتا ہے۔ لیکن بعض حضرات و خواتین سے بعض مرتبہ چوک ہو جاتی ہے۔ اسی لئے اکثر مواقع بیان کا اچھا خاصہ کلام سامعین کو متاثر نہیں کرتا یہی کچھ فرحت صاحبہ کے ساتھ بھی ہوا ہے۔ پھر بھی آپ کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیے۔ اور اپنی پسند کے مطابق داد دیجئے

دردِ جگر کا کون یہاں چارہ ساز ہے
انسان خود غرض ہے خدا بے نیاز ہے
عقل و خرد کی ہوتی رہیں موشگافیاں
رازِ حیات آج بھی سربستہ راز ہے

جنون عشق کا حاصل جو بے خودی نہ رہے
نوائے شوق میں روحِ سرمدی نہ رہے
ہم اہلِ عشق جلائیں اگر نہ دل کے چراغ
کہیں جہاں میں محبت کی روشنی نہ رہے
ہم اپنے خون سے کشتِ حیات سینچیں گے
بلا سے اس میں سبھی اپنی زندگی نہ رہے
نئی بہار کا پیغام لائے تازہ ہوا
خزاں نصیب یہ گلزارِ زندگی نہ رہے
چراغ سے یونہی جلتے رہیں چراغ سدا
اجالا پھیلتا جائے یہ تیرگی نہ رہے

لیکن سچ پوچھئے تو وفا صاحبہ کے اشعار کا جادو سامعین کے ذہنوں کو اس تیزی سے متاثر کر گیا ہے کہ اسے... محترمہ ذکیہ سلطانہ نیر کی غزل اور ایک نظم باوجود پر اثر ہونے کے نہیں توڑ پائی ہے۔ ہندوستان کی ترقی یافتہ پہلوؤں کو جس انداز سے پیش کیا گیا ہے انہیں بے حد سنجیدگی اور غور کے ساتھ قبول کیا جا رہا ہے۔ پہلے غزل کے چند اشعار اور پھر بے عنوان نظم (اس لئے کہ محترمہ نیر نے نظم کا عنوان بتایا ہی نہیں) ملاحظہ کیجئے۔

گلشن میں شاخ شاخ چراغاں ہے آج کل
ہر پھول ایک شمع فروزاں ہے آج کل
موجوں میں بند شورشِ طوفاں ہے آج کل
گرداب کشتیوں کا نگہبان ہے آج کل
جن کھیتوں پہ ابر کا سایا نہ تھا کبھی
اُن کھیتوں میں ابر خراماں ہے آج کل
خورشید تو کجے پہ توسے انوار پاشی سے
ذروں میں ماہتاب خنداں ہے آج کل
انسانِ حق کی فتحِ مسلسل کو دیکھ کر
کچھا اعتبارِ عالمِ امکان ہے آج کل
نیر کسی سے اب نہ رکے گا یہ کارواں
ہر گام انقلاب درخشاں ہے آج کل

جو دل ایک ہے تو جہاں ایک ہے
بہار ایک ہے گلستاں ایک
چمن ایک ہے آشیاں ایک ہے
جو سوچو تو دردِ نہاں ایک
سنو تو ہر ایک داستاں ایک ہے
کہیں ہیں گلاب اور کہیں یاسمن
کہیں نسترن ہے کہیں ہے نستر
الگ ہے ہر ایک پھول کا بانکپن
جدا ہے ہر ایک پھول کا پیرہن
مگر پھر بھی یہ گلستاں ایک ہے
زمیں ایک ہے ایک ہے اپنا گگن
ہے ایک آشیاں ایک اپنا؟
ہے سمتوں سے آزاد اپنا وطن
کہاں کا شمال اور کہاں کا
بہر سمت ہندوستاں ایک ہے

اناؤنسر خود بھی ذکیہ نیر صاحبہ کا کلام سن کر اپنے جذبات کا اظہار اس طرح کر رہی ہیں کہ ان کے کلام میں ملک کے خوشگوار حالات کے ساتھ ہی آگے بڑھتے ہوئے قدم

کی چاپ سنائی دے رہی ہے۔ آپ اسی مناسبت سے یادؔ دہلوی صاحب کا تعارف کراتے ہوئے فرما رہی ہیں۔ "آئیے اب یادؔ کے کلام میں دھڑکتے ہوئے دل کی آواز سنئے" یادؔ صاحب اپنی جگہ سے سرکتی ہوئی مائیک تک پہنچی ہیں ایک عجیب انداز بے نیازی کے ساتھ غزل کا مطلع سنایا ہے

ہم نے مانا کہ دنیا میں تم کو چاند سورج ستارے ملیں گے

غم سے خالی مگر کون ہوگا سب کے سب غم کے مارے ملیں گے

یادؔ صاحبہ کی بھاری بھرکم آواز سے سارا ہال گونج رہا ہے۔ لیکن مطلع پر آپ کو اسی قدر گونجتی ہوئی واہ نہیں مل سکی ہے۔ البتہ اس شعر نے کافی لوگوں کو چونکا دیا ہے سنئے ۔ ؎

میرے مالک تری رحمتوں کی انتہا ہو بھی جائے تو کیا ہے

اہلِ عالم تو اہلِ ہوس ہیں اپنے دامن پسارے ملیں گے

لیکن اس کے بعد دو اشعار پھر اسی انداز کے پڑھے ہیں جن پر کہیں کہیں سے ہلکی ہلکی داد ملی ہے۔ ہاں مقطع نے کچھ لوگوں کو واہ واہ کرنے پر مجبور کر دیا ہے ۔ ؎

آرزوؤں کی ان بستیوں میں یادؔ ہم اس لئے مطمئن ہیں

ٹوٹ جائے گا جب اک سہارا جانے کتنے سہارے ملیں گے

اس سے قبل کہ یادؔ صاحبہ دوسری غزل شروع کریں ہال کے بائیں حصے سے ایک آواز آ گئی ہے "غزل چھوٹی بحر میں سنائیے"۔ پتا نہیں بحر کی اس "قید" سے ان صاحب کا کیا مقصد ہے ؟ خیر یادؔ صاحبہ فرما رہی ہیں۔ غزل کا مطلع سنئے ۔ ؎

پوچھتا کون ہے راس آئے گی دنیا کب تک

دیکھنا یہ ہے ستم ڈھائے گی دنیا کب تک

اور...... ہر طرف خاموشی سی ہے۔ لیکن ٹھہریئے۔ یادؔ صاحبہ نے وہ شعر بھی سنایا ہے جس نے ہال کے سکوت کو توڑ دیا ہے یہی شعر کو دوبارہ پڑھوایا گیا ہے۔

سُن لیا کرتے ہیں یہ سوچ کے افسانۂ غم

ایک ہی بات کو دہرائے گی دنیا کب تک

اور اب سُنئے۔ ایسا شعر جس پر داد کا وہ عالم تو نہیں

ذرے ذرے کے ہیں غمخوار ازل سے ہم یادؔ ؛ خود تڑپ کے ہیں تڑپائے گی دنیا کب تک

ہے جو پہلے شعر پر تھا لیکن اسے بھی پسند کیا گیا ہے ۔ ؎

ہم خود اک روز طلسمِ شبِ غم توڑ دیں گے

وعدۂ صبح سے بہلائے گی دنیا کب تک

لیکن یادؔ صاحبہ کے مندرجہ ذیل شعر اور مقطع نے پھر خاموشی کے منظر کو پیش کر دیا ہے۔

سچ بتا میرے خیالات کے مالک مجھ کو

میرے ہر خواب میں ڈھل جائیگی دنیا کب تک

اور لیجئے ایکبار پھر ناظمہ صاحبہ سمتوں کا تعین کرتے ہوئے جنوب و مشرق یعنی دھاروال سے آئی ہوئی شاعرہ حسنیٰ سرور کو دعوت غزل سرائی دے رہی ہیں۔ سرور صاحبہ نے بڑے دلکش اور پرکشش ترنم سے غزل کا مطلع پڑھا ہے۔ سنئے۔

شام کے ساتھ جلا دل میں دیا آہستہ

بجھ نہ جائے کہیں اے بادِ صبا آہستہ

لیکن داد حسب توقع نہیں مل پائی ہے۔ آپ اپنا اگلا شعر سُنا رہی ہیں۔ ؎

زخم ہی زخم ہے سر تا بقدم جسم مرا

اس مصرعے پر آپ کو داد مل رہی ہے اور آپ اس داد کا جواب آداب کر کے دے رہی ہیں۔ بہرحال شعر سُنئے

زخم ہی زخم ہے سر تا بقدم جسم مرا ؛ ٹوٹ جاؤں نہ کہیں دوست ہلا آہستہ

اور اب سنئے

بعد مدت کے ابھی ان کو لگی ہے غم کی ......

کوئی نوحہ کوئی نغمہ کہ صدا آہستہ

لیکن آپ کا یہ شعر ہال کی خاموشی کو نہیں توڑ سکا ہے۔ اگلا شعر سُنئے جس پر خاصی داد ملی ہے۔ اور اسے دوبارہ پڑھوایا گیا ہے ؎

ٹوٹ جائیں نہ کہیں زخمِ جگر کے ٹانکے

اے مسیحا ذرا تکمیلِ وفا آہستہ

اور اب حسنیٰ سرور اپنی دوسری غزل کے چند اشعار سنا رہی ہیں۔ آپ حضرات سارے اشعار سن لیجئے اور داد کا اندازہ خود لگا لیجئے۔ ؎

جو اجنبی تھے وہ اپنوں سے بڑھ کے لگتے ہیں
نہ جانے پیار کا کیسا عجیب رشتہ ہے
جو روشنی سی آتی ہے گوشۂ دل میں
ضرور آج شعورِ حیات جاگا ہے
چھپا کے رکھا ہے پردوں میں زخمِ دل اپنا
صبا کی چھیڑ پہ غنچہ کا دل لرزتا ہے
تری نگاہ میں یہ جو کرن سی کانپتی ہے
دیارِ دل میں یہ کیسا چراغ جلتا ہے
بجا ہے جرم کے شکوے زباں پہ آئے تھے
کسے ہے فکر کہ اس جرم کی سزا کیا ہے
ہم اپنے غم کی بھی تکمیل کر نہ پائیں گے
کہ درد آج بھی کچھ ناتواں سا لگتا ہے
غبارِ راہ کی صورت بکھر نہ جاؤ کہیں
وہ دیکھو دور سے طوفان سا لپکتا ہے
وہ ایک درد چراغِ سفر بنا حسنیٰ
قدم قدم پہ وگرنہ بہت اندھیرا ہے

حسنیٰ سرور قدم قدم بڑھ رہی ہیں۔ اس پر چند حضرات جو غالباً دکھنی لہجہ کی مجبوری سے پوری طرح واقف نہیں متعجب ہو کر ان کی طرف دیکھ رہے ہیں۔

بہرحال اب اس مشاعرہ کی آخری شاعرہ کی باری ہے اور وہ ہیں محترمہ ساجدہ زیدی۔ آپ بقول انا اس دور کی نفسیات کو شعر کی قالب میں ڈھالنے پر قادر ہیں۔ ساجدہ زیدی کا تالیاں بجا کر استقبال کیا جارہا ہے۔ آپ فرمارہی ہیں۔ دو مختصر نظمیں آپ حضرات کو سنارہی ہوں، پہلی نظم کا عنوان ہے "بھٹکتی روح" ملاحظہ کیجئے۔ سہ

بہت عرصہ ہوا ایک نیم جان مدھم سی چنگاری سے ہم نے
دہکتا جگمگاتا سا اک عجب شعلہ جلایا تھا
کہ جس کی آنچ سے پتھر پگھل جاتے تھے ......
کہ جس کی لو جلا دیتی تھی [illegible]وں کا سیاہ دامن
کہ گرم آتش کا ہمسندر سرو یخ بستہ وہ شعلہ جل بجھا کب کا
اب اس کی راکھ بھی شاید
کہیں راہوں کے ذروں میں بکھر کر کھو گئی ہوگی۔
لیکن
وہ چنگاری
سنا ہے اب بھی غموں کے کھنڈر میں
گاہے گاہے بھڑک اٹھتی ہے راتوں کی سیاہی میں
بھٹکتی روح ہو جیسے صدیوں سے آوارہ

نظم کے ختم ہونے پر سامعین نے اپنی پسند کا اظہار تالیاں بجا کر کیا ہے۔ سنئے! اب ساجدہ صاحبہ اپنی دوسری نظم سنارہی ہیں۔ آپ کے پڑھنے کا انداز بڑا ہی دلکش ہے ٹھہر ٹھہر کر ہر مصرعہ کو اس انداز سے پڑھتی ہیں کہ وہ تفسیر آپ بن جاتا ہے۔ بہرحال نظم سنئے۔

میں نے ڈھونڈا تھا تمہیں۔ لمحوں کے سیاہ خانے سے
سرمگیں رات کا لرزیدہ ستارہ جیسے
عمر جیسے ہو بس اک شب کی پریشاں نظری
تم نے دیکھا ہے مجھے ایام کے چٹخے ہوئے آئینے میں

"ایام کے چٹخے ہوئے آئینہ" پر کافی داد دی گئی ہے

شمع خود سوختہ کی طرح پگھلتے ہوئے لمحہ لمحہ
برق پا وقت کی ہر موج ہے
خاشاک میں یہ شام و سحر یہ مہ و سال
کوئی لرزیدہ ستارہ ہو کہ شمع سوزاں
چند زخموں کے سوا ان کی سوغات ہے کیا؟
اک تلاشِ موہوم
اور بے چین نگاہوں کی مکافات ہے کیا؟
برق پا وقت کی موج ہے
سیماب سے اصنام تراشے ہیں کہاں
حلقہ در حلقہ حبابوں کی سی زنجیریں ہیں
کیا کسی خواب کے چہرے سے اٹھانے کو کوئی سنگین حقیقت
کونسی برق صفت لمحے کا دامن تھامے
کس لئے کھوتے ہوئے وقت کا ماتم کرے
ماتم کدہ فردا بھی ہے امروز بھی ہے۔ دیروز بھی ہے۔

ساجدہ زیدی صاحبہ واپس جا رہی ہیں۔

باقی صفحہ ۷

مفتوں کوٹوی

"قصرِ سخن" کی غزلیاتی جدولیں

کچھ برسوں پہلے کی بات ہے۔ کسی ریڈیو اسٹیشن سے ایک مشاعرہ نشر ہو رہا تھا اس کے کسی شاعر کا یہ شعر مجھے بہت پسند آیا۔ اس مشاعرہ کے سامعین نے بھی اسے دو تین دفعہ پڑھوایا تھا ؎

اس شخص میں ضرور کوئی خاص بات ہے
جو شخص ہر مقام پہ تنہا دکھائی دے

اس شعر جہاں صفت سہلِ ممتنع کا حامل ہے۔ وہاں خود معنویت بھی رکھتا ہے۔ خاص بات جس سے وہ شخص ہر مقام پر تنہا دکھائی دیتا ہے اس کی پست ترین صفت بھی ہو سکتی ہے اور اس کا اعلیٰ ترین اخلاق بھی۔ یا تو وہ اس شعر کے مطابق ہو ؎

وہی ہے تلخ کلامی وہی جبیں پہ ہے بل
کبھی وہ ہم سے ملے بھی ہیں آدمی کی طرح

یعنی کی جس سے بات، اس نے شکایت ضرور کی۔ والا معاملہ ہو تو ایسا شخص بھی کسی کارواں، کسی محفل، اور کسی جماعت یا حلقہ میں جذب نہیں ہو سکتا۔ اور اگر وہ اپنے کمالات و صفات میں منفرد و یگانہ ہو۔ اس کا اخلاق گوارا اور اس کا لب و لہجہ دل آرا ہو تو ایسا شخص بھی ہر انجمن اور ہر گروہ میں امتیازی مقام کا مالک ہو گا۔ اس غزل کے دیگر اشعار بھی پسندیدہ تھے لیکن یہ شعر خاص صورت میں یاد رہ گیا۔ شاعر کا نام ریڈیو پر میں سن نہیں سکا یا میری گرفت میں نہ آ سکا۔ بہرحال یہ شعر مجھے یاد رہا اور اس کے مصنف قابلِ قدر شاعر کی تلاش تھی۔ اب جب "قصرِ سخن" — جناب قیصر اندوری کا شعری مجموعہ دستیاب ہوا تو گویا گم شدہ خزانہ ہاتھ آ گیا۔ یہ غزل جناب قیصر ہی کی ہے۔ موصوف نے اس غزل میں اپنی مشاقی سے حالاتِ حاضرہ کی چابکدستی کے ساتھ عکاسی کی ہے کہ اس خاص بات کی وجہ سے وہ "تنہا" دکھائی دیتے ہیں یعنی.. انفرادی اور امتیازی مقام پر — غزل ملاحظہ ہو ؎

تم کو نئے لباس میں دنیا دکھائی دے
ہر آدمی۔ ہمیں تو برہنہ دکھائی دے

ہمارے نوجوان لڑکے اور لڑکیوں نے جس قسم کا لباس ان دنوں اختیار کر رکھا ہے۔ اور لباس میں ہم وضعی قبول کر رکھی ہے، وہ ہر متین و مہذب، سمجھ دار اور بالغ نظر کی نگاہ میں قابلِ اعتراض ہے۔ شاعر لباس کی اسی وضع و قطع پر معترض ہے لباس جو ستر پوشی اور پردہ داری کے کام کی چیز ہے اگر اپنی ان صفات سے عاری ہو تو ایسا لباس کیوں نہ قابلِ اعتراض ہو گا ؎

۱ اتنی بلند اپنی نگاہوں کو کیجئے
قطرہ بھی آپ دیکھیں تو دریا دکھائی دے

اس شعر کے ذریعہ شاعر کشادہ نظری اور وسیع القلبی کے ساتھ ہر شے کو عمیق نگاہوں سے دیکھنے کی تلقین کر رہا ہے ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار یعنی ہر ذرہ اپنی جگہ آفتاب ہے صرف نگاہ ہونی چاہئے وہ نگاہ جس کی تعریف اقبال نے اس طرح کی ہے ؎

قلندریم و کرامات ما جہاں بینی است
ز ما "نگاہ" طلب، کیمیا چہ می جوئی؟

شبیر اپنی آنکھ کا پہلے وہ دیکھ لیں۔ اوروں کی آنکھ میں جنھیں تنکا دکھائی دے

انسان کی نظر اپنے معائب پر کم پڑتی ہے۔ بلکہ نہیں پڑتی۔ ہاں وہ دوسروں کی عیب جوئی اور نکتہ چینی میں بڑا سرگرم اور مستغرق رہتا ہے۔ اس شعر میں اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے ؎

قسمت پہ اس کی رو دیئے جتنا بھی ہو سکے
دریا کے پاس جو کوئی پیاسا دکھائی دے

واقعی محرومی و نامرادی کی حد بھی ہے! وہ شخص ہزار بار ترس کھانے کے قابل ہے جو قریب دریا بھی تشنہ رہے۔ ملکی و وطنی لحاظ سے ایسے ہزارہا بدنصیب آج بھی موجود ہیں جنہیں آزادی کا کوئی لطف حاصل نہ ہو سکا۔ ہاں شاید اب ان کی قسمت کھل سکے۔

اندھیرا یہ نہیں ہے تو پھر کیا ہے ہم نشیں
سورج کی روشنی میں اندھیرا دکھائی دے

سابقہ شعر سے یہ شعر ملا کر پڑھیے یا اس غزل کے مطلع سے اس کا رشتہ جوڑ لیجیے یا موجودہ تہذیب و تعلیم پر نظر ڈال لیجیے آپ کو اس شعر کی صداقت و عظمت کا پتہ چل جائیگا۔

جو بڑھ کے جام چھین لے ساقی کے ہاتھ سے
تشنہ لبوں میں کوئی تو ایسا دکھائی دے

جہاں شیوہ اپنوں ہی اپنوں کو تقسیم ہو۔ وہ نظام ملکی ہو یا نظام میکدہ۔ جرأت و جسارت ظاہر کئے بغیر اور خود شناسی و خود اعتمادی سے کام لئے بغیر کوئی بھی اپنے حقوق حاصل نہیں کر سکتا۔ تشنہ لبوں میں اگر کوئی ایسا نہ ہوگا۔ تو ساقی کی غیر منصفانہ تقسیم متواتر جاری رہے گی۔ اور اسے اس دھاندلی سے کوئی روک نہیں سکے گا۔

مقطع اس غزل کا یوں ارشاد ہوا ہے۔

قیصر تم اس کو آدمی کہنا نہ بھول کر
اک ور جس کے چہرہ پہ چہرا دکھائی دے

یہ ہماری سوسائٹی کے منافقوں اور بگلا بھگتوں پر بہترین طنز ہے۔ ایسے لوگ نہ آدمی ہیں نہ انہیں آدمی کہنا چاہیے۔ بے چہرگی کا حامل ہونا یا دو چہرے رکھنا ۔ جدید غزل کی اصطلاح و علامت ہے جسے اظہارِ مدعا کے لئے قیصر صاحب نے قبول کر لیا ہے ایک اور مطلع بھی اسی قسم کا ہے ؎

چہرہ سیاہ اور ہے چہرہ لگا ہوا
ہے کوئی خود غرض ترے دل میں چھپا ہوا

جناب قیصر بالعموم غزل کی روایات قدیم کے پاسدار ہیں لیکن انھوں نے داعیات زمانہ اور مقتضیات وقت سے غفلت نہیں برتی ہے اور اپنی غزل میں وہ تمام مصالح اقدار بھی

معمولی ہیں جنہیں حالات و ضروریات کے تحت قبول کر لینا ناگزیر تھا۔ لیکن اس اخذ و قبول میں ان کی بالغ نظری نے غزل کی لطافت و نفاست اور ترنم و تحمل کو مجروح نہیں ہونے دیا ہے۔ غزل کی موجودہ علامت و اصطلاح اتنی وسعت رکھتی ہے کہ اگر کہنے کا سلیقہ ہو تو سب کچھ کہا جا سکتا ہے پھر انھوں نے نئی اصطلاح بھی قبول کر لی ہے مثلاً بے چہرگی یا دو چہرگی۔ تاہم غزل کے مزاج و آہنگ کا اس سلسلے میں ضرور خیال رکھا گیا ہے۔

ان کی غزل میں ایسے بہت سے اشعار ہیں جن میں دنیا کے حالات حاضرہ بالخصوص اپنے ملک و وطن کے ماحول کی عکاسی دیکھی گئی ہے لیکن غزل کی رمزیت و ایمائیت ان میں برقرار ہے اور غزل ہی کی مخصوص اصطلاحوں میں اظہار مدعا کیا گیا ہے۔

نہ پہنچا قافلہ امن و اماں کا اپنی منزل پر
نہ جانے آج تک کتنے امیر کارواں بدلے

چشمِ گلچیں میں خار ہیں ہم لوگ ✤ پھر بھی جانِ بہار ہیں ہم لوگ
باغباں اتنا خوف کھاتا ہے ✤ جیسے برق و شرار ہیں ہم لوگ
ہائے اہلِ چمن کا طرزِ سلوک ✤ پھول ہو کر بھی خار ہیں ہم لوگ
کل بھی خونِ جگر پلایا تھا! ✤ آج بھی جاں نثار ہیں ہم لوگ
بات پر اپنی مٹ گئے قیصر ✤ پھر بھی بے اعتبار ہیں ہم لوگ

دیکھو اسے کہتے ہیں نیرنگِ زمانہ قیصر
باوفا جتنے تھے غدار نظر آتے ہیں

محافظ جب چمن کے ہم نہیں ہیں اے چمن والو!
یہ زخموں بجلیوں کی کون ہے سینہ سپر دیکھو
ہمارے دل کی رگ رگ میں وفاداری کا جذبہ ہے
یقین آتا نہیں تم کو تو سینہ چیر کر دیکھو

کچھ ان لغزشوں سے قطع نظر۔ فقر سخن کے مطالعے سے ظاہر ہے کہ غزل کے معاملہ میں قیصر صاحب کا رنگ یگانہ طبیعت رکھتے ہیں اور آپ جانشین کر سکے

اہل نظر سے دوستو، چھپتی ہے کوئی بات کیا
مسئلۂ حیات کیا فلسفۂ ممات کیا

فلسفۂ ممات کا ذکر اس وقت چھوڑ دیجئے۔ لیکن مطالعہ کے دوسرے جزو۔ مسئلہ حیات کے لحاظ سے انھوں نے حیات و کائنات کے مسائل غزل میں بڑے مخلصانہ و بے باکانہ انداز میں بیان کئے ہیں۔ ان کا دعویٰ بھی ہے سہ

میرے ہر ایک لفظ سے رازِ حیات ہے عیاں
جس کو شعور ہی نہ ہو سمجھے گا میری بات کیا

اب ہم ذرا ان کی بات سمجھنے کی کوشش کریں ان کا ارشاد ہے سہ

اس طرح کھل کے ہنس نہیں سکتے چمن میں پھول
بنیادِ گلستاں میں جو میرا لہو نہ ہو

جو بہار چمن کے عوض پہ ہ کون سینہ فگار ہوتا ہے
یہ جو موقع پرست ہیں ان کا ہ وقت پروردگار ہوتا ہے
جب بھی شمشیر جبر اٹھتی ہے ہ پہلے ہم پر ہی وار ہوتا ہے

گلستاں پر تصدق آشیاں تک کر دیا میں نے
سمجھتے ہیں مگر غدار اہل گلستاں مجھ کو

انھیں نئی بہار اور دورِ نو سے بڑی شکایت ہے۔ کچھ شکایت تو آپ کو "دکھائی دے" والی غزل میں دکھائی دے گی۔ کچھ شکایت یہاں سن لیجئے سہ

سکوں کی آج بھی صورت نظر نہیں آتی
ہے دورِ نو میں اجالا بھی تیرگی کی طرح
نئی بہار نے کیسے یہ گل کھلائے ہیں
نہیں ہے کوئی چمن میں کلی۔ کلی کی طرح

دیوارِ زیست پر کہیں سبزہ کہیں ہے خار
اس دورِ نو بہار کے احسان ہیں بہت

شاعر اگر دورِ نو بہار پر نکتہ چینیاں کر کے اپنا کام ختم سمجھ لیتا۔ تو یہ عظمتِ شاعرانہ کے منافی بات ہوتی

زخموں کو کرید نے سے کیا حاصل اگر ان پر مرہم نہ رکھا جائے شاعر، محدود نظریوں اور مخصوص عقیدوں کی ترجمانی نہیں کرتا۔ اس کی نگاہ آفاقی ہوتی ہے بقول اقبال سہ

یہ پورب یہ پچھم، چکوروں کی دنیا
میرا نیلگوں آسماں بے کرانہ

اس کی پرواز ہمہ رو و ہمہ سو ہوتی ہے ؎

دریا ست کہ صحرا ست نہ پیدا و نہ پیداست

چنانچہ قیصر صاحب نے جور خو گری اور چارہ گری زمانہ کے زخموں اور وقت کی جراحتوں کے لئے تجویز کی ہے سہ آج بھی اسی طرح مزدوری اور دوا کا عمل دکھائی دیتی ہے جس طرح اس وقت وہ موثر و مفید تھی جب اسے تجویز کیا گیا تھا اور یہی شے شاعر کی رفعت و عظمت اور بزرگی و بلندی کی نشاں دہی کرتی ہے ان کا ارشاد ہے سہ

دنیا کو رنگ و نور کے سانچوں میں ڈھال دوں
چلنے لگے زمانہ جو میرے سجھاؤ پر

کچھ سجھاؤ دیکھئے۔ آپ کو یقین آ جائے گا کہ جب بھی زمانہ یا دورِ نو بہاراں اپنی اصلاح و درستی کی طرف متوجہ ہوگا یہ سجھاؤ اسے نہ بے ہدف معلوم ہوں گے۔ ان میں کچھ کرنے کے کام ہیں۔ کچھ نہ کرنے کے۔ آپ اپنی بالغ نظری سے انھیں منتخب کر لیجئے سہ

اس آدمی کو سونپ دو دنیا کا کاروبار
جس آدمی کے دل میں کوئی آرزو نہ ہو

یہ غرض مند یاں ہی تو وبال جان و وبالِ ملک و وطن اور وبالِ دنیا دین جاتی ہیں۔ خلوص و صداقت سے مسائلِ حیات عقدۂ ہائے کائنات کو سلجھایا جائے تو یقیناً مفید اثرات اور بہتر ثمرات حاصل ہو کر رہیں۔

دوسرے مشورے سہ

سنوار نا ہے اگر تم کو گلشنِ ہستی ہ تو پہلے کانٹوں [illegible] نکال کر

"[illegible]"

جب بھی حوادث سامنے آئے ۵ ہم نے لیا ہے اپنا سہارا

انگلیاں میری خطاؤں پہ اٹھانے والو ۔ اپنا منہ ڈال کے دیکھو تو گریباں اپنا

جب اپنے جیب و داماں ہیں الجھے ہوں دستِ حرص
افلاس دبے کسی کا جنازہ اٹھائے کون ؟

اے ناخدا۔ خدا کے لئے مطمئن نہ ہو ۔ دریا کی خامشی کا اشارہ کچھ اور ہے

کسی کی چار دن کی زندگی سو کام کرتی ہے
کسی کی سو برس کی زندگی سے کچھ نہیں ہوتا

"قصرِ سخن" جناب قیصر اندوری کا شعری مجموعہ ہے جو ۱۹۷۳ء میں منصۂ شہود پہ آیا ہے قیصر صاحب کہنہ مشق شاعر ہیں اس میں انھوں نے اپنا پرانا اور نیا کلام شامل کر دیا ہے کیونکہ بقول ان کے — "تخلیقی قوتوں کو وقت کی پابندیوں میں قید کرنا بے سود ہے"۔ نیز "ماضی سے رشتہ جوڑے بغیر حال و مستقبل کی جڑوں کو مضبوط کرنا میرے نزدیک بے سود ہے"۔ — عزیز اندوری ۔ صحیح نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ — "انھوں نے (یعنی قیصر صاحب نے) حالات و واقعات کی تبدیلیوں اور تقاضوں کو شعوری طور پر جس طرح محسوس کیا وہ ان کے کلام کی ذہنی، فکری، فنی اور تجرباتی گہرائی کی غمازی کرتا ہے"۔ قیصر صاحب کا خود اعتمادی سے بھرپور یہ مقطع آخیر میں درج کرنا کافی ہوگا ۔

ہاتھ نبضِ وقت پر رکھ کر میں کہتا ہوں غزل
کیا کرے گا کوئی قیصرؔ شاعری ۔ میری طرح

ناقابلِ فراموش

مرحوم سردار دیوان سنگھ مفتون ایڈیٹر ریاست کی
ناقابلِ فراموش تصنیف ۔ قیمت بیس روپیہ

دفتر ماہنامہ شان ہند ۔ دہلی ۶ ۱۱۰۰۰۶

غزل

از ڈاکٹر قتیل اٹلانٹا (امریکہ)

پیار جب درد کی راہوں سے گزر جاتا ہے
آئینۂ زیست کا کچھ اور سنور جاتا ہے

کون کہتا ہے کہ یہ بڑھ کے ٹھہر جاتا ہے
ایک بار آکے بھلا دردِ جگر جاتا ہے؟

رُوحِ زندہ ہے تو احساس ہے زندہ جاوید
رُوح مُردہ ہے تو احساس بھی مر جاتا ہے

تو وہ نشتر ہے کہ رگ رگ میں شرارت جس کی
تو وہ چھلیا ہے جو دل لیکے مکر جاتا ہے

جب بھی آتا ہے تری شوخ نگاہی کا خیال
ایک نشتر سا مرے دل میں اُتر جاتا ہے

جذبۂ عشق سے قائم ہے سرورِ ہستی
نشۂ بادہ تو پیتے ہی اُتر جاتا ہے

راہِ ہستی میں ہیں ایسی بھی منازل کہ جہاں
قافلہ وقت کی گردش کا ٹھہر جاتا ہے

ضربِ غم موجبِ تکلیف تو ہوتی ہے ضرور
رُوئے احساس مگر اور نکھر جاتا ہے

آہ یہ جلتے ہوئے چاند ستارے قتیلؔ
دُور تک سوزِ محبت کا اثر جاتا ہے

آدھی عورت

سرداری ریاض
"علی کوہ" مئوناتھ بھنجن (دیوبی)

اس بے وفا پر لعنت! جس نے میرے پیار کو ٹھکرایا۔ وہ جہاں بھی ہو جس حال میں ہو میری بددعائیں اس تک پہونچیں اور اس پر لعنت اس کے سائے پر لعنت ......!!"

یہ ہیں وہ الفاظ جو میرے عزیز ترین دوست جمال کے منہ سے نکلے تھے اس واقعہ کو پانچ برس بیت گئے۔ لیکن یہ الفاظ شاید مجھے ساری زندگی نہ بھول سکیں گے۔ میں جب بھی تنہائی میں ہوتا ہوں جمال کے بدنصیبی اور نامرادی مجھے ڈسنے لگتی ہے ۔ مجھے کسی پل چین نصیب نہیں ہوتا۔ میں خود اس لڑکی پر نفرت بھیجنے لگتا ہوں جس نے جمال کی زندگی کو درہم برہم کر کے رکھ دیا ہے۔

پروین اس کی کلاس فیلو تھی اونچے گھرانے کی اکلوتی لڑکی نازونعم میں پلی ہوئی۔ مجسم حسن، شاخ گل کی طرح لچکتی بل کھاتی اپنی فیٹ سے اتر کر شانِ دل ربائی کے ساتھ جب کلاس میں داخل ہوتی تو کلاس میں چند لمحوں کے لئے خاموشی اور سکوت چھا جاتا۔ وہ آہستہ آہستہ قدموں سے جمال کے بغل میں جا کر بیٹھ جاتی۔ بمشکل دو گھنٹہ کالج اٹنڈ کرتی اور پھر جمال کو لیکر باہر نکل جاتی۔ وہ جہاں جاتی اس کے ساتھ جمال ضرور ہوتا۔ یہاں تک کہ کسی وقت جمال کالج نہ آتا تو پروین کالج چھوڑ دیتی اور نہ جانے کن جذبات کے تحت اس کے کوارٹر پر پہونچ جاتی۔ آہستہ آہستہ جمال کے دل میں محبت پروان چڑھنے لگی۔ وہ بے حد مسرور رہنے لگا کیونکہ پروین اسے مل چکی تھی۔ وہ سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ پروین جیسی لڑکی اس کی ہو سکتی ہے ۔ دن گذرتے رہے ماہ وسال گذرتے رہے یہاں تک کہ جمال کی پڑھائی بھی ختم ہوگئی ......

گھر جانے سے دو روز پہلے اس نے ہمت کر کے وہ بات کہہ دی جسے کئی بار وہ کہتے کہتے رہ گیا تھا۔

پروین یہ صندلی ہاتھ مجھے دے دو!

جمال تمہیں یہ بات کہتے ہوئے شرم آنی چاہیئے۔ تم نے اپنی بساط تو دیکھی ہوتی۔ کسی کے ساتھ ہنس کے بات کر لیا یا قدم بقدم، گھنٹہ دو گھنٹہ ساتھ گھوم لینے کو محبت نہیں کہتے اور نہ ہی اس کا مطلب شادی ہوتا ہے" پروین کمرے سے جا چکی تھی اور جمال خلاؤں میں اس طرح گھور رہا تھا جیسے آسمان کی پہنائیوں میں کچھ ڈھونڈنے کی ناکام کوشش کر رہا ہو۔

ایک مدت گذر گئی لیکن جمال کے دل سے پروین کے کہے ہوئے وہ الفاظ نہ مٹ سکے ۔ پروین کی بے وفائی نے جمال کے دل پر ایسا کاری زخم لگایا ہے کہ وہ شادی کے نام سے چیخ پڑتا ہے ——!

ماں کہتی کہتی ہار گئی باپ سمجھاتے سمجھاتے دنیا سے سدھار گئے۔ میں نے بھی لاکھ سمجھانے کی کوشش کی۔ ماں جیسی ہستی کا دل دکھانے اور ایک بے وفا کے لئے عروس زندگی کو بیوہ بنا دینا کہاں کی عقلمندی ہے۔ لیکن وہ کسی کی بات سننے کے لئے تیار ہی نہیں ۔ اس کے دل پر نہ جانے کیسا زخم ہے جو پانچ سال کے بعد بھی ہرا ہے ——!

۱۲ / مارچ کی رات کو میں اپنی شریک حیات کے ہمراہ ایک میوزیکل پروگرام "سہانی شام" دیکھنے جا رہا تھا کہ راستہ میں پوسٹ مین نے مجھے ایک ٹیلیگرام دیا — میں خوشی اور مسرت سے اتنا پاگل ہو گیا کہ اپنی بیوی کو کس کے دبوچ لیا۔ لوگ ہماری طرف دیکھنے لگے بیوی کی آنکھیں شرم سے جھک گئیں اس کے سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ مجھے کیا ہو گیا ہے —— میرے ہاتھ سے ٹیلی گرام لے کر دیکھا اور مسکرا کر رہ گئی۔

لکھا تھا —— ماں کو بہو چاہیئے اور تمہیں بھابی اس لئے لڑکی پسند کر لی ہے۔!

جمال

اگلے دن میں نے جمال کو خط لکھا اور اپنی دوستی کا واسطہ دیا کہ وہ اس لڑکی کے متعلق پوری تفصیل مجھے لکھے ـ کئی دنوں تک میں اس کے جواب کے لئے بے حد پریشان رہا۔ خدا خدا کرکے ساتویں دن مجھے جمال کا ایک افسانہ نما خط ملا

"ڈیئر فضیل سلامت رہو ــــ

تین ماہ پہلے آفس جاتے وقت "علی کمپاونڈ" کے سامنے والے فلیٹ کی چھت پر ایک حنائی ہاتھ سلام کے لئے اٹھا لیکن میں اسے اپنے لئے نہ سمجھ کر آگے بڑھ گیا۔ لیکن اگلے دن سڑک کے کنارے پر تھوڑا دور سے ایک لڑکی نے پھر مجھے سلام کرکے متوجہ کیا۔ میں فوراً سمجھ گیا۔ یہ وہی لڑکی ہے جس نے کل چھت سے مجھے سلام کیا تھا۔ لیکن میں اس سے کچھ بھی نہ کہہ سکا اور آگے بڑھ گیا۔ ایک عرصہ تک یہی سلسلہ جاری رہا۔ وہ ہر روز اسی وقت میرے ساتھ ہو جاتی اور تھوڑی دور چل کر ڈگری کالج چلی جاتی ـ رفتہ رفتہ میرے دل میں آرزوئیں کروٹیں لینے لگیں کئی بار جی چاہا کچھ بات کر دوں لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ شاید گلاب پر نگاہ جاتے ہی خیال اس کی خوبصورتی اور نزاکت کا نہیں ـ اس کے کانٹوں کا آنے لگتا ہے۔ بہت دنوں تک میں اسی الجھن اور پریشانی میں الجھا رہا۔ ایک دن سوچا آج ضرور سکوت کا طلسم توڑ دوں گا اور اس کے خیالات معلوم کروں گا ـ" اگلے روز یہ سوچ کر میں اس کے بالکل قریب پہونچ گیا لیکن میرا دل ایک انجانے خوف سے لرزنے لگا۔ زبان گنگ ہو گئی اور میں آگے بڑھ گیا ــ مجھے محسوس ہوا اس کے بھی لب بھتر تھراتے ہیں۔ لیکن کھلتے نہیں۔ کئی ماہ تک یہی سلسلہ جاری رہا کام کاج میں میرا دل نہیں لگتا۔ خیالات میرا پیچھا کرتے رہتے۔ ایک دن دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر میں نے اسے ایک خط لکھا ـ

جانِ من ــ خلوص کی کلیاں عقیدت کے پھول!
میں تمہارا نام نہیں جانتا اور شاید تم بھی میرے نام سے ناآشنا ہو گی ـ تمہارا ہر روز راستہ میں ملنا اور سلام کے لئے ہاتھ اٹھانا میرے دل میں طرح طرح کے خیالات پیدا کرتا ہے۔ جس کے نتیجے میں میرے دل میں محبت کی چنگاری بھڑک اٹھی ہے۔ لیکن تمہارے اور میرے درمیان ایک خلیج ہے خاموشی کی خلیج .... آج میں اس خلیج کو عبور کرکے سکوت کا طلسم توڑ رہا ہوں مجھے امید ہے تم اسے میری گستاخی نہ سمجھ۔ یہ بھی عجیب بات ہے کہ میں نے آج تک تمہیں دیکھا نہیں اور دل دے بیٹھا۔ حالانکہ محبت کی دنیا میں ایسی مثالیں بہت کم ہوں گی۔ لیلیٰ مجنوں، شیریں فرہاد، وامق عذرا، سوہنی مہیوال، رومیو اور جولیٹ دنیا کے ان سبھی محبت کرنے والوں نے ایک دوسرے کو قریب سے دیکھا تھا۔ ساتھ ساتھ رہے اور انھیں ایک دوسرے کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا تھا۔ لیکن ہماری محبت ایک انوکھی محبت ہے۔ میں تم سے یہ نہ کہوں گا کہ تم بھی مجھے دید کا شرف بخشو لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ اس راہ پر چلتے چلتے کہیں میرا ساتھ نہ چھوڑ دینا ورنہ شاید میں زندہ نہ رہ سکوں گا ــــ!

ڈیئر فضیل اس خط کے جواب میں اس لڑکی نے جو کچھ لکھا تھا وہ بھی بھیج رہا ہوں تاکہ تمہیں یقین آ جائے۔

میرے ...... سدا خوش رہو!
تمہارا خط پا کر میں پاگل اور دیوانی سی ہو گئی ہوں۔ اب تک اسے کئی بار پڑھ چکی ہوں اور ابھی نہ جانے کتنی بار پڑھوں گی۔ میری سمجھ میں نہیں آتا تمہیں کیا لکھوں ــ شاید بہت کچھ لکھنا چاہتی ہوں لیکن الفاظ نہیں ملتے یا مجھے ہی شرم آتی ہے ــــ!!

پروین

جمال کا خط اور اس کا جواب پڑھنے کے بعد میں اگلے روز اس کے گھر پہونچ گیا۔ مجھے دیکھتے ہی اس کی ماں نے مجھے گلے سے لگا لیا۔ فرطِ جذبات سے میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ کافی رات تک جمال اس لڑکی کے بارے میں مجھے بتاتا رہا۔ صبح جمال کے ساتھ ساتھ اس کی آفس تک میں بھی گیا۔ تھوڑی ہی دور جانے کے بعد جمال نے مجھے ایک سیاہ برقعے کی طرف اشارہ کیا۔ جس کا مجھے بے چینی سے انتظار تھا۔ میں نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح ایک جھلک دیکھ لوں لیکن ہم

اپنی اس کوشش میں ناکام رہا اور اس کے پیروں میں الجھ کر رہ گیا - غضب کے گورے پاؤں تھا - یہ پاؤں خدا جانے کہاں کہاں پھرتے ہوں گے - یہ پاؤں جمال پر کیا کیا قیامت نہ ڈھاتے ہوں گے اور نہ جانے کس کس کے دل کو تڑپاتے ہوں گے - میں خیالات کی روپہلی چاندنی میں نہ جانے کب تک بھٹکتا رہتا کہ جمال نے یکایک مجھے زور سے دھکا دیا اور میرے خیالات و تصورات کی لڑی ٹوٹ کر بکھر گئی ——— اگر وہ مجھے دھکا نہ دیتا تو میں یقیناً اگلے ہی پل تیز رفتار بس کے نیچے آجاتا ———

میں ہر روز جمال کے ہمراہ اس کے آفس تک جاتا کہ کبھی تو اس چاند جیسے چہرے کا رخ اپنی طرف ہوگا کبھی تو یہ پردے کی دیوار ہٹے گی لیکن ہر روز وہی مایوسی اور ناامیدی لئے گھر لوٹ جاتا - یکایک اس لڑکی کا کالج جانا بند ہوگیا اور ملاقات کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی ادھر جمال اُداس اُداس سا رہنے لگا —— میری سمجھ میں کچھ نہ آتا کیا کروں کیا نہ کروں جمال کی حالت مجھ سے دیکھی نہ جاتی بے شمار خط لکھ ڈالے لیکن کسی کا جواب بھی نہ ملا -

یکایک میری نظروں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا اور کالج کا زمانہ پردۂ فلم کی طرح میری نظروں کے سامنے گھومنے لگا -

یہ دنیا بھی کتنی بے درد ہے ذرا اس وقت کوئی جمال کے دل سے پوچھے کہ کیا گزری ہوگی اس کے دل پر!

لیکن یہ شاید کوئی نئی بات نہیں - دنیا نے نہ جانے ایسے کتنے تماشے دیکھے اور دکھائے ہوں گے اور نہ جانے آئندہ کتنے دیکھے اور دکھلائے گی -

صبح جمال بے حد اُداس اور غمگین بیٹھا آسمان کی طرف دیکھ رہا تھا جیسے وہ آسمان کی بلندیوں میں اس لڑکی کو تلاش کرنے کی کوشش کر رہا ہو -

یکایک پوسٹ مین کی آواز سے اس کے خیالات کی پازیب ٹوٹ کر بکھر گئی اس نے خط لے کر بہت بے تابی سے چاک کیا اور پڑھنے لگا —— !

جمال !

میں جانتی ہوں دنیا میں انسان کی راحت اور سکون کے لئے ایک ہی چیز پیدا ہوئی ہے اور وہ ہی محبت ہے - لیکن یہ میرے نصیب میں کہاں ؟

نہ جانے کس جذبے کے تحت میں تھوڑی دیر کے لئے تمہاری طرف کھینچ گئی تھی - آج جب میں نے تمہارے مستقبل کے بارے میں سوچا تو میرے قدم ڈگمگانے لگے - مجھے اپنے آپ سے نفرت ہونے لگی اور میرا وجود مجھے خود ڈسنے لگا -

میں اپنی قسمت کی سیاہی تمہارے خوبصورت چہرے پر تھوپنا نہیں چاہتی - میں نہیں چاہتی کہ تمہاری زندگی میں کبھی وہ دن بھی آئے جب مجھے دیکھتے ہی تمہارے دل میں نفرت اور حقارت کے شعلے بھڑک اٹھیں - بہتر یہی ہے کہ تم مجھے بھول جاؤ —— !!

شاید اب میرے برقعہ اوڑھنے کی وجہ سمجھ گئے ہو گے -

بد نصیب —— پربھا

اگلے روز پربھا کے خط کے جواب میں جمال نے لکھا -

مری ڈ ڈیس!

تم جیسی بھی ہو مجھے پسند ہو خواہ کسی وجہ سے تم برقعہ اوڑھتی ہو مجھے اس سے کوئی غرض نہیں -

تم اگر میرے اور اپنے درمیان مذہب کی دیوار سے ڈرتی ہو تو میں تمہیں یقین دلاتا ہوں میں اس دیوار کو گرا دوں گا اور میں جمال سے جے کشن بن کر تمہیں اپنی بنا لوں گا بس تم ہاں کر دو —— !!

تمہاری رضا کا منتظر —— جمال "

چند دنوں کے بعد جمال کو پربھا کا خط ملا -

" جمال !

میرے اور تمہارے درمیان جن مسائل اور جیسی کی دیوار حائل ہے جو خلیج حائل ہے اسے پاٹنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے اگر تم نے اس خلیج کو پار کرنے کی کوشش کی تو یقین جانو اس کے خوفناک لہروں میں ڈوب جاؤ گے !

" جمال ! حقیقت بے حد تلخ ہوتی ہے برداشت نہ کر سکو گے - تم نے حقیقت اور سچائی جاننے کے لئے قسم دی ہے

تو سنو —

میں شکل و صورت سے ایسی بد قسمت لڑکی ہوں کہ شاید قدرت نے آج تک ایسی بد صورت اور عجیب الخلقت لڑکی نہ پیدا کی ہوگی — میری زندگی ایک ناسور ہے! یقین جانو میں تمہیں وہ خوشیاں نہ دے سکوں گی تم جن کا خواب دیکھ رہے ہو —

دنیا کا کوئی مرد مجھے اپنی جیون ساتھی نہیں بنا سکتا تم تو ہزاروں میں ایک ہو بھلا تم یہ کیسے برداشت کر سکتے ہو کہ تم ایک ایسی لڑکی کو اپنی جیون ساتھی بنا لو جو کمر سے اوپر مرد ہے اور کمر سے نیچے عورت! یقین جانو میں عورت تو ہوں لیکن آدھی! میرے چہرے پر تمہیں وہ سارے نشانات ملیں گے جو مرد کے چہرے پر ہوا کرتے ہیں اور یہی وجہ ہے میرے نقاب اوڑھنے کی —" نہیں — یہ کبھی نہیں ہو سکتا — !!"

اور جاگ کے منہ سے ایک طویل چیخ نکل گئی — "دو ہیجڑا!!"

غزل

(طرفہ قریشی)

بس اک غم ہی مرے حصے میں صبح و شام آتا ہے
تجھے کچھ اور بھی اے گردشِ ایام آتا ہے

سنبھل اے دل لبوں پر آج کس کا نام آتا ہے
محبت کرنے والوں پر بڑا الزام آتا ہے

اٹھاتا ہے کسی کا بارِ غم کب کوئی دنیا میں
بُرے وقتوں میں اپنا دل ہی اپنے کام آتا ہے

اُجالے سے کوئی نسبت ہو مجھ تیرہ قسمت کو
مرے دل کو جلانے کیوں چراغِ شام آتا ہے

مآلِ سعیٔ اخفائے محبت! وائے ناکامی
نکل جاتے ہیں آنسو جب تمہارا نام آتا ہے

جو تو مختارِ کُل ہے تو مجھے مختارِ مجز کر دے
مری مجبوریوں سے تیرے سر الزام آتا ہے

ترے ہوتے ہوئے یہ نقصِ نظمِ میکدہ ساقی!
اِدھر کمبخت جب آتا ہے خالی جام آتا ہے

محبت انتہائے جذب کی حالت کو چھو آئی
براہِ راست اب تو دوست کا پیغام آتا ہے

مبارک ہو تمہیں یہ منصبِ معراجِ رُسوائی
ہمارے نام سے پہلے تمہارا نام آتا ہے

بٹھاتا ہے زمانہ سر پہ، دیتا ہے جگہ دل میں
یہ رفعت اس کی ہے جو دوسروں کے کام آتا ہے

انھیں میں بے نیاز اپنے سے طرفہ کس طرح سمجھوں
سُنا ہے اکثر اُنکے لب پہ میرا نام آتا ہے

اُردو کی پکار!

حضرات :- حکومت کی طرف سے اُردو کی نشو و نما کے لئے مختلف سرگرمیاں دکھائی جا رہی ہیں۔ مثلاً اُردو اکاڈمیوں کی قائمی اُردو مصنفین کو نقد انعامات وغیرہ وغیرہ اس کے علاوہ اُردو کتب کی خریداری کے لئے لائبریریوں کو مالی امداد بھی دی جا رہی ہے۔ نیز ایسے اُردو مصنفین جو اپنی تصانیف شائع کرنے کی مالی سکت نہیں رکھتے کو اپنی تصانیف شائع کرنے کیلئے جزوی مالی امداد بھی دی جا رہی ہے مگر ان سب باتوں کے با وجود جب تک اسکولوں میں اُردو کی تعلیم کا سلسلہ جاری نہ ہوگا۔ اُردو ترقی کی منزل پر تیزی سے گامزن نہ ہو سکیگی اس لئے اُردو اکیڈمیاں اگر اپنے اپنے صوبوں میں اس کے لئے بھی کوشاں ہوں تو اُردو کے حق میں اچھا ہوگا۔ جہاں تک ہو سکے اُردو سے محبت رکھنے والے محلے کے بچوں کو مفت پڑھائیں۔

اُردو پکار پکار کہہ رہی ہے کہ اگر مجھے زندہ رکھنا ہے تو اپنے بچوں کو اُردو پڑھانے کے لئے کوشش کیجئے اپنے ہاں کی سرکاری اور غیر سرکاری لائبریریوں کو مجبور کیجئے کہ وہ اُردو کی اچھی کتابیں منگائیں۔ کالجوں کے اُردو پروفیسر اپنے کالج کی لائبریریوں میں اُردو کی کتابیں منگانے کیلئے کوشش فرمائیں۔ یاد رکھئے جب اُردو پڑھنے والے ہی نہیں ہونگے تو ان کتابوں کو کون پڑھیگا جن پر اُردو اکاڈمیاں انعام دیتی ہیں۔

ذیل میں ہم کچھ ایسی اُردو کی بہترین کتابوں کی فہرست دے رہے ہیں جو ہر لائبریری میں ہونی ضروری ہیں۔ آپ اپنی ذاتی لائبریریوں کے لئے بھی اپنی پسند کی کتابیں منگائیں۔ لائبریریوں کو لائبریری کمیشن دیا جاتا ہے اُردو کی پاکستانی بہترین مطبوعات کے شائقین ہم سے خط و کتابت کریں۔ ہم ان کی پسندیدہ پاکستانی اُردو ادب فراہم کرنے کا انتظام کرنے کی کوشش کرینگے

(ادارہ)

تخلیقی عمل	وزیر آغا	۱۴/-
اردو شاعری کا مزاج	"	۳۰/-
آب حیات	محمد حسین آزاد تحقیق احتشام حسین	۹/۵۰
کچھ نثر بھی	آنند نرائن ملا	۲۴/-
میر انیس سے تعارف	صالحہ عابد حسین	۷/-
لکھنؤ کی لسانی خدمات	ڈاکٹر حامد اللہ انصاری	۱۶/-
تصورات اقبال	مولانا صلاح الدین احمد	۱۲/۵۰
کلیات اقبال	صدی ایڈیشن	۳۰/-
غالب اور شاہان تیموریہ	ڈاکٹر خلیق انجم	۹/۵۰
تلاش میر	نثار احمد فاروقی	۱۱/-
اردو املا	رشید حسن خاں	۳۷/-
اردو کیسے لکھیں	"	۴/-
مصحفی اور ان کا کلام	ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی	۶/-
غالب اپنے ہمعصر و غیر	ظفر ادیب	۱۰/-
گفت و شنید	"	۶/-
لکھنؤ کی زبان	محمد باقر شمس لکھنوی	۶/-
اردو شاعری میں سانیٹ	حنیف کیفی	۱۸/-
مغربی ادب کے معمار	اے محمد ابراہیم	۱۲/-
نا قابل فراموش	دیوان سنگھ مفتوں	۲۰/-
جذبات مشرق	"	۱۵/-
اردو شاعری کے ارتقا میں اردو شعراء کا حصہ	سرلا استوا	۱۵/-
شرح دیوان غالب	بے خود موہانی	۱۵/-
یادوں کی برات	جوش ملیح آبادی	۲۵/-
ناسخ	ڈاکٹر شبیہ الحسن	۲۰/-
ارمغان ادب	اخلاق حسین	۱۱/-
جواہرات انیس	حصہ اول	۱۵/-
"	حصہ دوم	۱۲/-
لکھنؤ کا دبستان شاعری	ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی	۲۵/-
تذکرہ اردو مرثیہ	سید علی عباس حسینی	۱۰/-
اقبال نامہ جہانگیری	مرزا محمد	۷/۵۰
تحقیقی نوادر	ڈاکٹر اکبر حیدری	۳۵/-

ریاض خیرآبادی	مہر الحق	۱۲/-
اردو ادب کی تاریخ	"	۷/۵۰
عرش و فرش	جوش ملیح آبادی	[illegible]
فکر و نشاط	" "	۵/-
دہلی کے اردو مخطوطات	صلاح الدین	۱۲/-
مطالعۂ داغ	سید محمد علی زیدی	۲۴/-
تفہیم غالب	ڈاکٹر مسعود حسن رضوی	۹/-
روح انیس	" " "	۹/-
نگارشات ادیب	" " "	۹/-
ہماری شاعری	" " "	۷/۵۰
لکھنؤ کا شاہی اسٹیج	" " "	۱۲/-
لکھنؤ کا عوامی اسٹیج	" " "	۱۲/-
آئینۂ سخن فہمی	" " "	۵/-
رزم نامۂ انیس	" " "	۴/-
اندر سبھا	امانت لکھنوی	۲/۵۰
مسرت سے بصیرت تک	آل احمد سرور	۱۲/۵۰
تجزیے	گیان چند جین	۱۳/۵۰
خواتین کربلا کلام انیس کے آئینے میں	صالحہ عابد حسین	۱۴/-
اردو ڈرامے کی تاریخ و تنقید	عشرت رحمانی	۱۵/-
اردو لسانیات	ڈاکٹر شوکت سبزواری	۸/-
فسانۂ آزاد	تلخیص ڈاکٹر قمر رئیس	۸/۵۰ (طلبا ایڈیشن)
اردو ادب کی تاریخ	عظیم الحق جنیدی	۷/۵۰
آج کا اردو ادب	ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی	۱۲/-
شاعری اور شاعری کی تنقید	ڈاکٹر عبادت بریلوی	۱۶/-
غزل اور مطالعۂ غزل	" " "	۲۰/-
جدید شاعری	" " "	۲۵/-
نیا افسانہ	وقار عظیم	۹/-
اطراف غالب	ڈاکٹر سید عبداللہ	۱۵/-
سرسید ایک تعارف	پروفیسر خلیق احمد نظامی	۱/۲۵
انتخاب مضامین سرسید	آل احمد سرور	۲/۵۰
مطالعۂ سرسید احمد خاں	عبدالحق	۵/-

اردو انشا	سید ظہیر الدین مدنی	۵/۵۰
اردو زبان و ادب	ڈاکٹر مسعود حسین خاں	۷/۵۰
اردو مثنوی کا ارتقا	عبدالقادر سروری	۶/-
اردو مرثیہ	سید سفارش حسین	۶/-
پردیسی کے خطوط	مجنوں گورکھپوری	۲/۷۵
تنقیدی سرمایہ	عبدالشکور	۳/۵۰
تنقید کیا ہے	آل احمد سرور	۷/۷۵
انتخاب مضامین شبلی	رشید حسن خاں	۱۰/- (طلبہ ایڈیشن)
امراؤ جان ادا	ڈاکٹر محمد حسن	۷/۵۰ (” ”)
تحقیقی مطالعہ حالی	ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی	۱/۵۰
تحقیقی مطالعہ انیس	” ” ”	۱/۵۰
دہلی کا یادگار شاہی مشاعرہ	فرحت اللہ بیگ	۱/۵۰
نذیر احمد کی کہانی کچھ ان کی کچھ میری زبانی	”	۱/۷۵
یادوں کے سایے	بیگم ممتاز مرزا	۲۷/-
نمائندہ مختصر افسانے	محمد طاہر فاروقی	۳/۷۵
داستان رانی	انشاء اللہ خاں انشاء	۱/۵۰
مجموعۂ نظم حالی	ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی	۲/۹۵
انتخاب مثنویاتِ اردو	مغیث الدین فریدی	۳/۵۰
مثنوی گلزارِ نسیم	ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی	۳/-
افاداتِ سلیم	ڈاکٹر خلیق انجم	۷/۵۰ (طلبہ ایڈیشن)
انتخاب دکنی	ڈاکٹر سید ظہیر الدین مدنی	۳/۵۰ (”)
انتخاب میر	ڈاکٹر محمد حسن	۱۵/- (”)
موازنہ انیس و دبیر	(شبلی) رشید حسن خاں	۵/- (”)
مقدمہ شعر و شاعری	(حالی) ” ”	۵/- (”)
قصہ حاتم طائی	اطہر پرویز	۵/۵۰ (”)
اردو کی قدیم داستانیں	ایم حبیب خاں	۸/-
فلسفی غالب	احمد رضا	۶/-
منتخب قومی شاعری	سردار جعفری	۴/-
اردو ادب کی ایک صدی	ڈاکٹر سید عبداللہ	۷/-
مقاماتِ اقبال	” ”	۲/۵۰
تلاش و توازن	ڈاکٹر قمر رئیس	۶/۵۰

غزل اور متغزلین	ڈاکٹر ابواللیث صدیقی	۸/-
لکھنؤ کا دبستان شاعری	” ” ”	۲۵/-
شرح بال جبریل	یوسف سلیم چشتی	۱۲/-
شرح بانگِ درا	” ”	۲۲/-
شرح غالب	” ”	۲۴/-
جاوید نامہ مع شرح	” ”	۱۶/-
مطالب بانگ درا	غلام رسول مہر	۱۰/-
مطالب بالِ جبریل	” ” ”	۸/-
دیوانِ غالب مع شرح	مجیب احمد	۲۰/-
ادب کا مطالعہ	اطہر پرویز	۱۰/-
ادب اور زندگی	” ”	۸/-
ادب اور تنقید	اسلوب احمد انصاری	۱۱/-
یادگارِ غالب	مولانا حالی	۴/۵۰
اردو کے کلاسیکی شعراء حصہ اول	ایم حبیب خاں	۸/-
” ” ” حصہ دوم	” ” ”	۹/-
” ” ” حصہ سوم	” ” ”	۹/-
جدید غزل	رشید احمد صدیقی	۳/۵۰
تنقید سے تحقیق تک	ڈاکٹر عنوان چشتی	۱۵/-
تاریخ ادب اردو	رام بابو سکسینہ	۱۲/-
تاریخ تعارف اردو	شجاعت علی سندیلوی	۵/-
مختصر تاریخ ادب اردو	ڈاکٹر اعجاز حسین مرحوم	۱۲/-
حالی کا سیاسی شعور	معین احسن جذبی	۴/۵۰
ادب میں سوانح نگاری کا ارتقا	الطاف فاطمہ	۱۲/۵۰
اردو میں ڈرامہ نگاری	سید بادشاہ	۸/-
اردو تنقید پر ایک نظر	کلیم الدین احمد	۷/۵۰
تنقیدی نقوش	ڈاکٹر عبدالقیوم	۵/-
اردو کے اسالیب بیان	محی الدین قادری زور	۳/-
ملا وجہی کے انشائیے	ملا وجہی	۸/-
اردو ناول نگاری	سہیل بخاری	۹/-
آبِ حیات کے لطیفے	محمد حسین آزاد	۵/-
تاریخ مرثیہ گوئی	حامد حسن قادری	[illegible]

اقبال [illegible] خلا حیات وشاعری	محمد عدیل عباسی	۶/-
اردو ناول کا ارتقا	مجتبیٰ حسین	۱۲/-
تاریخ زبان اردو	محی الدین قادری	۴/۵۰
انارکلی	امتیاز علی تاج	۴/-
غالب نما	سید مرتضیٰ بلگرامی	۴/-
تنقیدی اشارے	آلِ احمد سرور	۵/-
میزانِ سخن	علامہ اخلاق دہلوی	۱/-
روح بلاغت	″ ″ ″	۱/-
فن شاعری	″ ″ ″	۳/-
شمیم بلاغت	″ ″ ″	۱/-
قدیم ادبی تنقید	ڈاکٹر وہاب اشرفی	۵/-
تقابلی مطالعے	عطا کاکوروی	۴/-
مطالعہ حسرت	″ ″	۴/-
ترقی پسند ادب ایک جائزہ	ہنسراج رہبر	۶/-
سرشار رتن ناتھ کی نظر میں	پریم پال اشک	۳/-
ادبی تنقید کے اصول	اشفاق محمد خاں	۳/۵۰
اردو زبان وعورت	وحیدہ نسیم	۳/۲۵
شرح دیوان غالب	حسرت موہانی	۵/-
تاریخ تنقید ادبیات اردو	حامد حسن قادری	۴/-
گئودان	پریم چند	۱۳/-
نئی نظم کا سفر	ڈاکٹر خلیل الرحمن اعظمی	۱۲/۵۰
اردو قصیدہ نگاری کا تنقیدی جائزہ	ڈاکٹر محمود الٰہی	۱۴/-
آشفتہ بیانی میری	رشید احمد صدیقی	۵/-
ہم نفسانِ رفتہ	″ ″ ″	۴/۵۰
قلم کا مزدور (پریم چند)	مدن گوپال	۵/-
پریم چند کے خطوط	″ ″	۷/۵۰
کیفیہ	پنڈت برجموہن کیفی	۱۴/-
اردو شاعری میں ہیئت کے تجربے	ڈاکٹر عنوان چشتی	۱۴/-
کلاسیکی مغربی تنقید	ڈاکٹر محمد یٰسین	۶/-
چند ہم عصر	عبدالحق	۵/-
تنقیدیں	ڈاکٹر خورشید الاسلام	۱۲/-
کلام سودا	ڈاکٹر خورشید الاسلام	۸/-
انگریزی ادب کی مختصر تاریخ	محمد یٰسین	۱۲/-
فرانسیسی ادب	ڈاکٹر یوسف حسین خاں	۱۶/-
گلکرسٹ اور اس کا عہد	محمد عتیق صدیقی	۱۰/-
حالی کی ایک جھلک	صالحہ عابد حسین	۲/-
خواجہ میر درد تصوف اور شاعری	ڈاکٹر وحید اختر	۲۶/-
محمد رفیع سودا	ڈاکٹر خلیق انجم	۱۵/-
شعر شور انگیز	مجنوں گورکھپوری	۳/-
تاریخ جمالیات	″	۴/-
تلمیحات اشاراتِ اقبال	ڈاکٹر اکبر حسین قریشی	۱۵/-
محاسن کلام غالب	عبدالرحمن بجنوری	۲/-
ریختی کا تنقیدی مطالعہ	ڈاکٹر خلیل صدیقی	۲۶/-
غالبیات کے چند مباحث	ابو محمد سحر	۶/-
اردو میں قصیدہ نگاری	″ ″	۷/-
فانی کی شاعری	ظہیر احمد صدیقی	۵/۵۰
پنجاب میں اردو	محمود شیرانی	۱۰/-
اردو انشائیہ	سید صفی مرتضیٰ	۴/۵۰
اردو غزل کے ۵۰ سال	ڈاکٹر عبدالاحد خاں	۹/-
اردو شاعری میں منظر نگاری	ڈاکٹر سلام سندیلوی	۱۲/-
اردو شاعری میں نرگسیت	″ ″ ″	۲۵/-
ادب کا تنقیدی کا مطالعہ	″ ″ ″	۱۴/-
غالب کی شاعری کا نفسیاتی مطالعہ	″ ″ ″	۱۲/-
اردو رباعیات	″ ″ ″	۱۴/-
غالبیات	عبدالقوی دسنوی	۷/-
مشکلات غالب	نیاز فتحپوری	۳/-
تلمیحات	محمود نیازی	۹/-
نگارستان	نیاز فتحپوری	[illegible]
دواد بی سکول	علی جواد زیدی	[illegible]
اصناف ادب کا ارتقا	سید صفی مرتضیٰ	۲/[illegible]
سب رس	ملا وجہی (عبدالحق)	۱۰/-
باغ وبہار کا تنقیدی جائزہ	امام مرتضیٰ	۴/-

ات انیس	میر مہدی حسین	۹/-
رش	عطیہ نشاط	۱/۵۰
کادریا	قرۃ العین حیدر	۲۰/-
چند کے ناولوں میں نسوانی کردار	عطیہ نشاط	۱۰/-
امہ روایت اور تجربہ	" "	۲۴/-
ر اور ادبی تنقید	" "	۱۲/-
ہ عابد حسین بحیثیت ناول نگار	نزہت فاطمہ	۵/-
رسودا	ڈاکٹر شارب ردولوی	۶/-
اسلام اقبال کی نظر میں	ڈاکٹر غلام عمر خاں	۵/-
زبان کا مذہبی ورثہ	قیوم صادق	۳/-
کا تصورِ عشق	ڈاکٹر غلام عمر خاں	۴/-
ناتِ حیدری		۱۲/-
اور میریات	صفدر	۱۵/-
یہ ہندی شاعری	ڈاکٹر فضل امام	۷/۵۰
ستانی تہذیب اور اردو	شبنم سبحانی	۴/-
ادب آزادی کے بعد	ڈاکٹر خورشید الاسلام	۷/۵۰
رلی ماضی و حال	رشید احمد صدیقی	۳/-
غالب	آلِ احمد سرور	۸/-
غالب	" " "	۸/-
کے خطوط	منظر عباس نقوی	۱۲/-
ب کا فن	اسلوب احمد انصاری	۲/-
ہ الدین حلیم	منظر عباس نقوی	۹/-
غفلت	ڈاکٹر عابد حسین	۲/-
ستِ صبا	فیض احمد فیض	۳/-
ت فیض	" "	۸/-
ان نامہ	[illegible]	۹/-
ت جگر	جگر مراد آبادی	۹/-
ل طور	" "	۷/-
ت گل	" "	۸/-
م اصغر	اصغر گونڈوی	۳/۵۰
ب اور زندگی	مجنوں گورکھپوری	۸/-

انتخاب اکبر الہ آبادی	رشید حسن خاں	۵/- (مجلد [illegible])
فسانۂ عجائب	رجب علی بیگ سرور / اطہر پرویز	۱۵/۵۰
طنز و مضحکات	رشید احمد صدیقی	۱۰/۵۰
پچھلی رات	فراق گورکھپوری	۸/-
دلی و کنو	ظہیر الدین مدنی	۵/-
جانے والوں کی یاد آتی ہے	صالحہ عابد حسین	۱۲/-
یہ ہے مرا ہندوستان	خضر برنی	۱۰/-
اردو اور قومی ایکتا	قیوم خضر	۱۰/-
مختصر افسانے کا فنی تجزیہ	ڈاکٹر فردوس فاطمہ نصیر	۱۵/-
سرسید کی صحافت	اصغر عباس	۱۱/- (عام ایڈیشن)
اردو فکشن کی وضاحتی فہرست	فاطمہ راجہ	۸/۵۰
بازگشت	کبیر احمد جائسی	۱۱/-
لاہور کا جو ذکر کیا	گوپال متل	۶/-
اردو الفاظ شماری	حسن الدین احمد	۸۵/-
گلدستۂ مضامین و انشاء پردازی	ڈاکٹر محمد عارف خاں	۵/۷۵
اردو کے بہترین ۱۳ افسانے	ڈاکٹر اطہر پرویز	
لسانی مطالعہ	گیان چند	۱۲/۵
باغ و بہار	رشید حسن خاں	۶/۵۰
اردو کی کہانی	احتشام حسین	۲/۵۰
اردو صرف و نحو	مولوی عبدالحق	۴/۷۵
ہمارے نثر نگار	سید صفی مرتضیٰ	۲/۵۰
آزمائش (ڈرامہ)	پروفیسر مجیب	۲/-
بہشت نظر	رتن پنڈوروی	۱۱/-
دانش و بینش	کوثر چاندپوری	۱۴/-
آواز کی صلیب	"	۱۲/-
پتھر کا گلاب	"	۶/-
جوہر آئینہ	طالب کاشمیری	۱۲/-
۳۳ برس	دت بھارتی	۱۰/-
خطبات آزاد	مولانا ابوالکلام آزاد	۱۲/-
ترجمان القرآن جلد اول	"	[illegible]
" جلد دوم	"	[illegible]

ترجمان القرآن جلد سوم	مولانا ابوالکلام آزاد	۲۲/-
ترجمان القرآن جلد چہارم	"	۲۲/-
مولانا کی تاریخ نگاری کا آغاز و ارتقا	محمود الحسن	۱۱/-
اقبال اور مغربی مفکرین	جگن ناتھ آزاد	۱/۵۰
مہاکوی انیس	صالحہ عابد حسین	۱۵/-
ایوانِ غزل	جیلانی بانو	۱۶/-
آرزو	سراج انور	۱۲/-
فکر و ریاض	علی جواد زیدی	۱۲/-
ذکرِ غالب	مالک رام	۱۵/-
پتھر کا شہزادہ	صغرا مہدی	۴/-
راستے اور کھڑکیاں	انور خاں	۵/-
بوند اور سمندر	مترجم رضیہ سجاد ظہیر	۲۶/۷۵
ہندی کے یک بابی ڈرامے	" ڈاکٹر محمد حسن	۱۲/۵۰
راگ درباری	" راشد سہسرامی	۱۵/۵۰
آہوتی	" مخمور جالندھری	۲/۲۵
چیلت وستو گمبر	" ش قدوائی	۲/۲۵
حلیم باجی	" ڈاکٹر ... ستمارن	۶/۲۵
قاضی نذر اسلام	" عرش ملسیانی	۲/۲۵
کچھوا اور خرگوش	ڈاکٹر ذاکر حسین	بلا جلد ۱/- مجلد ۲/-
کبیر	مترجم ایم۔ کے درانی	۲/۵۰
گاندھی کا ہندوستان	نشرت بہ بدولت نیشنل گاندھی صدی سب کمیٹی	۲/۲۵
گرو نانک	مترجم مخمور جالندھری	۳/-
مٹی کی تصویریں	" رضیہ سجاد ظہیر	۵/-
تاش کے محل	" زینت ساجدہ	۵/۵۰
سفید خون	" رتن سنگھ	۸/-
گرو گوبند سنگھ	" مخمور جالندھری	۲/-
زندگی ایک ناٹک	" کشور سلطانہ	۱۰/-
رنجیت سنگھ	" مخمور جالندھری	۲/۷۵
جدوجہد آزادی	" غلام ربانی تاباں	۵/۵۰
بنگلہ لوک واڑی	" عرش ملسیانی	۵/۲۵
شاعر	پربکش بک کارڈ سے	۸/۷۵
موت کے بعد	محمود سروش	۱/۷۵
آدمی کے روپ	سہیل عظیم آبادی	۲/-
اکبر	رضیہ سجاد ظہیر	۱/۵۰
طبیعیات کے بنیادی تصورات	مترجم احمد وکیل	۵/-
تاریخ فلسفہ اسلام	" ڈاکٹر سید عابد حسین	۱/۵۰
تاریخ تمدن ہند	پروفیسر محمد مجیب	۱/-
تاریخ فلسفہ سیاست	" "	۱/-
ہمارا قدیم سماج	سید سبط حسن	۱/-
تاریخ تعلیم ہند	مترجم مسعود الحق	۱/-
انقلاب ۱۸۵۷ء	مرتبہ پی۔ سی جوشی	۱/۷۵
لسانی مطالعے	ڈاکٹر گیان چند جین	۲/۵۰
جدید ہندوستان میں ذات پات	مترجم شہباز حسین	۱/-
دیدۂ حیراں	ڈاکٹر مظفر حنفی	۱/-
کلیات شاد عارفی		۱/-
تیکھی غزلیں		۱/-
حریف خامہ		۱/-
دیپک راگ		۱/-
شاد عارفی کی غزلیں		۱/-
دو غنڈے		۱/-
پانی کی زبان		۴/-
شوخیٔ تحریر		۳/-
برگ و بار	کنول انبالوی	۶/-
گلستانِ ہزار رنگ	بہاء الدین	۱/-
لاہور کا جو ذکر کیا	گوپال متل	۱/-
کلیات اختر شیرانی	"	۱/-
صحرا میں اذان	"	۱/-
شیرازہ	محمود سعیدی، پریم گوپال متل	۶/-
اردو شاعری میں ہیئت کے تجربے		۴/-
تنقید سے تحقیق تک		۱/-
نیم باز (شاعری)		۶/-
عکس و شخص		۱/-

ہندوستان کا وسطی دور		۴/۵۰
خسرو شناسی	مرتبین ظ انصاری، ابوالفیض سحر	۱۶/۵۰
حیدر علی	مترجم اقتدار حسین صدیقی	۱۶/-
ہندوستانی معیشت	مترجم محمد خلیق	۳۶/۷۵
ہندوستانی معاشرہ عہد وسطیٰ میں	" قمر الدین	۱۱/۲۵
سورٹھ [illegible] پانی	" مظہر الحق علوی	۱۳/-
لہرو [illegible] آواز	" راج نرائن راز	۱۹/۵۰
چک ویر راجندر	" راشد سہسوانی	۲۲/۵۰
چک درباری	" " "	۱۵/۵۰
جدوجہد آزادی میں مجلس قانون ساز کا رول	مترجم غلام ربانی تاباں	۱۲/۵۰
آب حیات	تلخیص پروفیسر احتشام حسین	۶/۷۵
قومی شاعری	مرتبہ علی سردار جعفری	۴/-
چار دیواری میں	مترجم ظفر ادیب	۷/۷۵
فاطمہ کی بکری اور بچپن کی ساتھی	" اطہر پرویز	۵/۷۵
گنگا جل کے پنکھ	" رضیہ سجاد ظہیر	۶/۷۵
برہمن لڑکی	" اگر سین نارنگ	۷/-
ملیالم افسانے	" " "	۸/۷۵
تامل افسانے	" حسرت سہروردی	۸/-
ہندی افسانے	" اگر سین نارنگ	۹/-
پنجابی افسانے	" مخمور جالندھری	۷/-
اردو افسانے	" " "	۱۰/-
جدید اردو تنقید اصول و نظریات	ڈاکٹر شارب ردولوی	۲۰/-
خطوط وقار الملک	[illegible] احمد	۲۵/-
[illegible]	ظفر ادیب	۹/-
اسرار اقبال	تحسین رضوی	۱۱/-
رازدانِ حیات	اسلم ہندی	۱۰/-
[illegible]	پیام فتحپوری	۴/-
رشید احمد صدیقی (سوانح)	مالک رام	۱۴/-
ایک قطرۂ خون	عصمت چغتائی	۳۶/-
نئے تنقیدی جائزے	خوشحال زیدی	۱۶/۵۰
کلیات مصحفی حصہ سوم	مرتبہ حفیظ عباسی	۲۶/-

امیر خسرو	شیخ سلیم احمد	۴۰/-
مخدوم علی مہائمی	عبد الرحمن	۱۶/-
اردو کے تیرہ افسانے	اظہر پرویز	۱۰/-
مجلۂ علوم اسلامیہ	محمد اقبال انصاری	۱۰/-
اونچی سوسائٹی	شہناز تبسم بی اے	۱۲/-
سرود جاوداں	بیکل اتساہی	۵/-
ریگِ سیاہ	ذکاء الدین شایاں	۵/-
اردو غزل	ڈاکٹر یوسف حسین	۲۶/-
شہیدانِ آزادی (تاریخ آزادیٔ ہند)	ڈاکٹر چوپڑہ	۲۴/-
مجموعۂ نظم	حکیم قدرت اللہ قاسم	۵۰/-
لہو رنگ	جلیل الہ آبادی	۵/-
حیرت کدہ	شائق	۵/-
کاروان خیالوں کے	نو بہار صابر	۶/-
جلوۂ صد رنگ	شمس	۴/-
آبلے	مدہوش بلگرامی	۴/-
سلگتے پھول ڈھلکتے آنسو	ڈاکٹر بابا کرشنہ راجے	۱۰/-
وطن (اردو)	فیاض گوالیاری	۷/-
وطن (ہندی)	" "	۳/۶۰
ناقابل فراموش	دیوان سنگھ مفتون	۱۵/-
جذباتِ مشرق	" " "	۱۵/-
تروینی (ناقابل فراموش کا ہندی ایڈیشن)	" "	۱۲/-
بادہ و جام	شارق میرٹھی	۲/۵۰
رعنائیاں	رعنا جگی	۲/-
[illegible]	شرف کمالی	۳/-
متاعِ نظر	نظر برنی	۳/-
مغربی ادب کے معمار	اے محمد ابراہیم	۱۲/-
باب السماء	نامی نادری	۲/۵۰
ابتدائی علم عروض	سبحان انجم	۱/-
شمیم سخن	ساحر سیالکوٹی	۳/-
سوزِ جگر	جگر جالندھری	۳/-
نسیم بہار	نسیم [illegible]	۴/-

بچھڑی دلہن	رتن ناتھ سرشار	۳/-
ٹورگنیا	مفتون	۴/-
خواب تماشا	کماری پاشی	۴/-
۱۹۷۶ء کی منتخب شاعری	پریم شل	۳/-
معجون نشاط	نواب حیدر حشم	۸/-
انگریزی ادب کی مختصر تاریخ	ڈاکٹر محمد یٰسین	۱۲/-
اخلاقی سماجیات	ڈاکٹر جعفر حسین	۴/۵۰
سوگوار یاد	رحم علی الہاشمی	۲/۲۵
مقالات حالی	حالی	۵/-
یادگار نظر	مرتب جگر بریلوی	۶/-
انتخاب شرح دیوان مومن	حامد حسن قادری	۷/-
مرقع افغان	ابرار حسین فاروقی	۳/۲۵
محاسن کلام غالب	عبدالرحمٰن بجنوری	۱/-
مطالعہ حضرت غمگین	محمد یونس خالدی	۳/-
مذہب اور دھرم	مہاتما گاندھی	۴/-
تذکرہ گلشن سخن	مسعود حسین رضوی	۸/-
دیمک کی کہانی	عبدالبصیر خاں	۲/-
شگفتہ!	قدسیہ زیدی	۲/-
تنقیدیں	ڈاکٹر خورشید الاسلام	۱۲/-
عکس آئینے کے	ہرچرن چاولہ	۸/-
گنجہائے گراں مایہ	پروفیسر رشید احمد صدیقی	۱۷/-
آشفتہ بیانی میری	" "	۵/-
ہم نفسانِ رفتہ	" "	۴/۵۰
تجزیے	ڈاکٹر گیان چند	۱۳/-
وہ صورتیں الٰہی	مالک رام	۱۰/-
تذکرہ معاصرین	"	۱۶/-
پہلا پتھر	طاہر تلہری	۶/-
لکھنؤ کی زبان	محمد باقر شمس لکھنوی	۶/-

بیر بہٹی کی کہانی	اندرجیت	۴/-
اناجوں کا بادشاہ	"	۳/۵۰
ایٹم کی کہانی	"	۶/-
میرا بھائی	ادیب اعظم پریم ناتھ دت	۴/-
اہل سیف	"	۵/-
خواب و بیداری	سبزواری	۳/-
حسن عرفاں	اکرہ نظر	۱/-
بھولے کبوتر ہوشیار سانپ	طالب شاہ آبادی	۱/۵۰
عکس حیات	حمید قیصر	۳/-
تذکرۂ آزاد	آزاد	۳/-
دیوان ذوق	محمد ابراہیم ذوق	۷/-
خواب نے	ظفر ادیب	۶/-
چاند کا زخم	شمس فرخ آبادی	۲/-
آیاتِ قرآنی	رضا کوثری	۱/-
کرنیں	روپ بھاردواج	۶/-
کرن	راجکرن پرشاد	۱/-
شخصیت تنقید ... یا	فرمان فتحپوری	۷/۵۰
تنقید و تشخیص	ارشد مرحوم	۵/۵۰

حضرت مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کی تفسیر

ترجمان القرآن

کا حصہ اول ایک عرصے سے نایاب تھا۔ اب یہ حصہ بھی دستیاب ہے۔ لہٰذا چاروں حصص مکمل طلب فرما کر اس غیر فانی تفسیر کو اپنی لائبریری میں رکھئے۔ ہدیہ ہر حصہ بائیس روپیہ چاروں حصص مکمل اٹھاسی روپیہ۔

ملنے کا پتہ :- دفتر شانِ ہند۔ فلیٹ ۸ انصاری مارکیٹ دریا گنج نئی دہلی ۲-۱۱

THE SHAN-E-HIND MONTHLY, NEW DELHI-110002.
Regd. with the Registrar of News Paper at R. No. 644/57

اُف یہ بال

جب کنگھی کرتے ہوتے ہر بار بال اُلجھ جائیں یا بالوں کا ایک گچھا ہاتھ میں آجائے تو سمجھئے یہ بال اب کچھ ہی دن کے مہمان ہیں، بالوں کو مضبوط، چمک دار، ملائم اور سیاہ بنانے کے لئے زُلفی استعمال کیجئے۔ اس کا ایک ایک قطرہ بالوں کے لئے رحمت سے کم نہیں۔ زُلفی گرتے بالوں کو روک دیتا ہے اور گھنے بال اُگاتا ہے۔ یہ گنج کو ختم کرتا ہے اور بالوں کی سب سے بڑی دشمن خشکی کو دُور کرتا ہے ——— زُلفی تیل نہیں بلکہ بالوں کی غذا ہے۔ زُلفی بالوں میں ڈالئے اور پھر دیکھئے وہ کتنی جلدی بڑھتے ہیں۔

قیمت زُلفی ہیر ٹانک : ۸ روپے
زُلفی شیمپو پاؤڈر : ۳ روپے ۵۰ پیسے

SHAMA LABORATORIES

شمع (یونانی اینڈ آیورویدک) لیبارٹریز، لال کنواں، دہلی

Only Title Printed at M. S. Printers, Darya Ganj, New Delhi-2.

شانِ ہند دہلی

DR. ZAKIR HUSAIN LIBRARY
JAMIA NAGAR
NEW DELHI-110025

JULY—1976

Janab Krishn Mohan

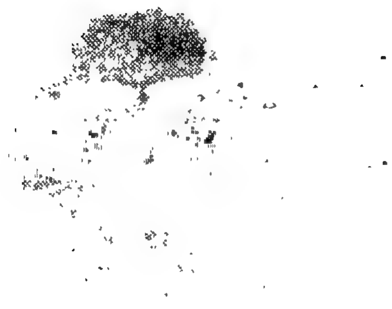

Editor :
SARWAR TAUNSVI

Rs. 1-25

Janab Akbar Jai Puri (Sri Nagar)

سال اجراء ۱۹۳۸ء | رجسٹرڈ نمبر ڈی ۳۷ | رجسٹرڈ نمبر رجسٹرار نیوز پیپر R.N. 644/57

فون نمبر :- ۲۷۸۸۸۰

ماہنامہ شان ہند دہلی

ایڈیٹر :- سرور تونسوی قیمت سالانہ دس روپے فی پرچہ ایک روپیہ

جلد ۳۸ | جولائی ۱۹۷۶ء | شمارہ ۷

فہرست

۱۔ غزل	ماہر تلہری	۱
۲۔ افکار و واقعات	ایڈیٹر	۳
۳۔ مشاعرہ اسلامیہ انٹر کالج سہارنپور	کریم الاحسان	۹
۴۔ غزل	ثاقب [illegible]	۱۵
۵۔ اکبر چاند پوری فن اور شخصیت	رشید نازکی	۱۷
۶۔ اردو کا ہمہ جہت شاعر کرشن موہن	سریو استوا	۲۱
۷۔ غزل	کوکب [illegible]	۳۰

ضروری اطلاع :- اب آپ کو دفتر شان ہند سے آپ کے خط کا جواب تب ہی موصول ہوگا۔ اگر آپ نے جواب کے لئے جوابی کارڈ یا لفافہ بھجوایا ہے۔ اس لئے جب بھی دفتر شان ہند کو خط لکھیں تو اس امر کا خاص خیال رکھئے :- (ادارہ)

غزل
ماہر تلہری

وہ پھول جس پہ زیادہ نکھار ہوتا ہے
کسی کے دستِ ہوس کا شکار ہوتا ہے
کوئی ہو دیکھنے والا تو ایک ایک چہرہ
خود اپنے عہد کا آئینہ دار ہوتا ہے
تمام زخموں کی قیمت سب آنسوؤں کا بدل
بس ایک خندۂ بے اختیار ہوتا ہے
وہ زخم کھائے ہیں سورج کی تیز کرنوں کے
ہوا کا لمس بھی اب ناگوار ہوتا ہے
لہولہان افق کی صلیب پر سورج
تمام شہر کا آئینہ دار ہوتا ہے
[illegible] آج تک ماہر
[illegible] وہ بڑا [illegible] دار ہوتا ہے

دو ماہی کاوش سرور تونسوی ایڈیٹر پرنٹر پبلشر نے [illegible] پریس جامع مسجد دہلی سے چھپوا کر دفتر شان ہند [illegible] انصاری مارکیٹ دریا گنج نئی دہلی [illegible] سے شائع کیا۔ سرورق [illegible] پریس دریا گنج دہلی میں چھپا

کنور مہندر سنگھ بیدی سحرؔ کو

ادارہ "شان ہند" کا خراجِ عقیدت

جشنِ سحر نمبر

کنور صاحب کی شخصیت اور فن پر اہلِ قلم کے رشحات، یادگار تصاویر اور منتخب کلام سے مزین چار صد صفحات پر پھیلا ہوا یہ خاص نمبر دنیائے اردو ادب میں ایک یادگار اضافہ ہوگا۔

قیمت: دس روپے

مستقل خریداروں کے لئے چھ روپے علاوہ محصول ڈاک

مرتبین:۔ سرور تونسوی، عزیز اندوری

مشتہرین سے استدعا ہے کہ کنور صاحب کی ملک گیر مقبولیت کے پیشِ نظر جشنِ سحر نمبر ملک بھر میں بڑے ذوق و شوق سے پڑھا جائے گا اسلئے اس یادگار نمبر میں اشتہار دینا بھی کنور صاحب سے دلی عقیدت کا مظہر ہے۔

اُجرت اشتہار۔ عام پورا صفحہ ڈھائی صد روپے، نصف صفحہ ۱۵۰ روپے سرورق کا اندرونی صفحہ نمبر ۲ پانچ صد روپے، سرورق تیسرا صفحہ پانچ صد روپے اور سرورق کا آخری صفحہ دو رنگ میں ایک ہزار روپے۔

مزید تفصیلات کے لئے لکھئے

ماہنامہ شان ہند فلیٹ ع۔۸ انصاری مارکیٹ دریا گنج نئی دہلی ۲

افکار و واقعات

مشہور شعرا کے ناخلف بیٹے

ابوالفصاحت پنڈت لبھورام جوش (مرحوم) کے واحد فرزند جناب پنڈت بالمکند عرش ملسیانی اور جناب تلوک چند محروم (مرحوم) کے واحد فرزند جناب جگن ناتھ آزاد خدا کے فضل وکرم سے بڑے اچھے مرتبے پر رہے اور چار ہندسوں میں تنخواہیں پائیں (جگن ناتھ آزاد اب بھی ڈپٹی پرنسپل انفارمیشن بیورو سرینگر ہیں) مگر جب حکومت ہند کی طرف سے حضرت محروم و حضرت جوش ملسیانی کو ادبی وظیفے ملنے شروع ہوئے تو ان حلفیہ بیانات پر کہ ہمارا ذریعہ معاش کوئی بھی نہیں ہے۔ یعنی دوسرے الفاظ میں ان دونوں معتبر شعرائے کرام نے یہ حلفی بیان داخل کئے کہ ان کے بیٹے ان کے اخراجاتِ زندگی کے کفیل نہیں ہو رہے لہٰذا انھیں سرکاری طور پر زندگی گذارنے کے لئے ان کی ادبی خدمات کے صلے میں وظائف دیے جائیں۔

ایڈیٹر شان ہند نے اس وقت بھی ایک ادارتی نوٹ میں لکھا تھا کہ جناب عرش ملسیانی اور جناب آزاد کے لئے یہ باعثِ ندامت ہے کہ ان دونوں حضرات کے والدِ محترم یہ بیانِ حلفی دیں کہ ان کا ذریعہ معاش کوئی نہیں۔ جبکہ اس وقت عرش صاحب اور آزاد صاحب ایک ایک ہزار روپیہ سے زائد تنخواہ وصول کر رہے تھے اور مشاعروں سے جو آمدنی ہوتی تھی وہ علیحدہ تھی۔ چونکہ حکومت سے روپیہ مل رہا تھا اس لئے یہ دونوں حضرات اس ندامت کو شیر مادر سمجھ کر پی گئے۔ مگر ذوقِ سلیم رکھنے والوں نے یہ برملا کہا کہ جناب عرش اور جناب آزاد کی یہ ناخلفی ہے۔

حال ہی میں جناب جاں نثار اختر صاحب کے انتقالِ پُرملال پر ان کی بیگم صاحبہ کو محترمہ وزیراعظم صاحبہ ہند اور بہار اسٹیٹ کے وزیراعلیٰ نے دس دس ہزار روپیہ کی امداد دی ہے۔ جس پر ہم اُردو داں کو محترمہ وزیراعظم صاحبہ اور وزیراعلیٰ بہار اسٹیٹ کا ممنون ہونا چاہئے کہ مرحوم جاں نثار اختر کے بچوں کی تعلیم اور ان کی بیوہ کی مدد کے لئے یہ امداد دی۔ مگر یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ جاں نثار اختر صاحب کے ایک بیٹے جاوید صاحب اس وقت لاکھوں میں کھیل رہے ہیں اور ان کے دوسرے بیٹے امریکہ میں خوب کما رہے ہیں۔ کیا جاں نثار اختر ایسے غیرت مند شاعر کے بیٹوں کے لئے یہ ندامت کا باعث نہیں کہ وہ اتنے خوشحال ہوتے ہوئے اپنی سوتیلی ماں اور سوتیلے بھائیوں کی کفالت کے لئے کچھ نہ کر سکیں اور ان کی ماں اور بھائیوں کو سرکاری مدد قبول کرنی پڑے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ جاوید جو ایک ایک فلمی کہانی کا چھ ہندسوں میں معاوضہ لے رہے ہیں محترمہ وزیراعظم صاحبہ اور بہار اسٹیٹ کے وزیراعلیٰ کا شکریہ ادا کرتے اور کہتے کہ یہ روپیہ دوسرے ضرورت مندوں کو دیا جائے یا بہار، یو۔پی وغیرہ کے بالشویت لوگوں کو بھجوا دیا جائے۔ کیونکہ ان کے پاس خدا کا دیا ہوا بہت کچھ ہے اور وہ خود اپنی ماں اور بھائیوں کی بہتر انداز میں خدمت کر سکتا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ یہاں بھی ناخلفی اپنا رنگ دکھائے بغیر نہ رہ سکی۔ کاش کہ ایسے مشہور شعرا کے بیٹے کچھ سبق لیں۔

دماغی ورزش ماہ مارچ ۱۹۷۷ء کے شان ہند میں دماغی ورزش چھ پچاس روپے کا انعام رکھا گیا تھا۔ اس سلسلے میں اس وقت تک جتنے جوابات آئے ہیں وہ سب کے سب غلط ہیں۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہم لوگوں کے ساتھ علم کا معیار بھی ختم ہو گیا۔ مدیر شان ہند کوشش کر رہا ہے کہ حضرت علامہ عرش آبادی ... فرمائیں تاکہ قارئین شان ہند انعام حاصل کر سکیں کہ شان ہند کے معیار ... معلوم ہو ... سلسلہ میں کیسے رہا کر رہا ہے۔

موجودہ دور کے مشاعرے

غیر شاعروں، غیر اُردو دانوں، غیر شاعرہ مستورات اور گلے بازوں کی آماجگاہ بن کر رہ گئے ہیں

جناب ڈاکٹر [illegible] آبادی نے کوروالا مدھیہ پردیش سے ایک طویل خط مدیر شانِ ہند کے نام لکھا ہے۔ جس کے کچھ اقتباس حسب ذیل ہیں۔

۱۔ آج کل ایسے غیر شاعر غیر اُردو دان شاعر بنے پھرتے ہیں جو کسی بھی شعر کا مطلب نہیں بتا سکتے مگر وہ جو کلام مشاعروں میں سناتے ہیں وہ بہت اچھا ہوتا ہے۔

۲۔ اکثر اساتذہ یا اچھا کہنے والے شعراء جن کو مشاعروں میں بلایا نہیں جاتا وہ گلے باز متشاعروں کو (جن میں سے اکثریت ایسے متشاعروں کی ہوتی ہے جو اپنے دستخط بھی مشکل سے کر سکتے ہیں) اپنا کلام دے دیتے ہیں تاکہ یہ گلے باز متشاعر اچھے اچھے غیر مترنم شعراء پر چھا جائیں جس سے ان اساتذہ یا اچھا کہنے والوں کو ذہنی سکون ملتا ہے کہ ان کا کہا ہوا کلام عوام میں مقبول ہوا۔

۳۔ صرف یہی نہیں بلکہ یہ اساتذہ اور اچھا کہنے والے شعراء منتظمین مشاعرہ سے سفارش کر کے گلے باز متشاعروں کو مدعو کراتے ہیں۔

۴۔ [illegible] مشاعرہ کمیٹیوں کے ارکان بھی اب عموماً کلام کی اچھائی کو نظر میں نہیں رکھتے اور نہ ہی قابلِ قدر شاعروں کو انتخاب کرتے ہیں۔ بلکہ گا کر پڑھنے والوں کو ترجیح دی جاتی ہے۔ اور یہی حال سامعین کا ہے کہ وہ مترنم شعراء (جن میں سے اکثریت متشاعروں کی ہے) کو پسند کرتے ہیں۔

۵۔ مذکورہ بالا حیثیت کے شعراء یا شاعرات چونکہ آدابِ بزم اور وقارِ شاعر سے ناواقف ہوتے ہیں اس لئے وہ مشاعرہ کے اسٹیج کو تھیٹر کا اسٹیج سمجھتے ہیں اور جتنا اچھا وہ ترنم جانتے ہیں سامعین کو خوش کرنے کے لئے فرماتے ہیں۔ اس لئے اب بزمِ مشاعرہ کو عام تفریح گاہ یا تماش بینوں کا اجتماع کہا جانے لگا ہے۔

۶۔ یہ بھی دیکھنے میں اور سننے میں آیا ہے کہ کہیں کہیں مشاعروں میں سامعین نے ہاتھ اٹھا کر بھی شروع کر دی ہے جسے شعراء نے بھی قبول کرنا شروع کر دیا ہے۔ یعنی شاعر کو مثل قوال یا طوائف غزل پڑھنے میں روپیہ دینے کا چلن شروع ہو گیا ہے۔ غرض یہ کہ سامعین اور خود شعراء بزمِ مشاعرہ کو اب رقص و سرود کی محفل بناتے جا رہے ہیں جس کی وجہ سے فرضی شعراء یا سارق شعراء (گلے بازوں) کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ ایسے شعراء کے بارے میں کہا گیا ہے ؎

شاعر اور قوال برابر — فرق نہیں ہے بال برابر
شادی اور ختنہ میں بلاؤ — [illegible] قوال برابر

۷۔ آج کا شاعر [illegible] اور یہ جرم بڑی ذمہ داری ایسے شعراء پر عائد ہوتا ہے جو اپنی شہرت کے لئے [illegible] اور انہیں مشاعروں [illegible] کوشش فرما رہے ہیں۔

۸۔ غیر طرحی مشاعرے ادب کی خدمت یا اردو کی خدمت [illegible]

شعرا تک اپنی پرانی بلکہ چھپی ہوئی غزلیں جو بیسیوں مرتبہ کی سُنی یا پڑھی ہوئی ہوتی ہیں سُنا دیتے ہیں۔ اب [illegible]
جب شعرا نے نئی غزل کہنی ہی نہیں — اور پرانی غزلوں سے کام چل رہا ہے۔ [illegible]
مشاعروں نے بجز اس کے کہ [illegible] آگے نہ بڑھایا کسی کلام آیا — ایک بار جو [illegible]
معاوضہ [illegible] یا ادب [illegible] ہے یا [illegible] مروّج [illegible]
میں میڈیا رشاعروں کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔

۹ - ہر جگہ بازشاعر خواہ شاعری اس سے کوسوں دور ہو کر نکل جاتی ہو — یہ [illegible]
ہو یا نہ — عروض سے نابلد ہو۔ مگر ہر بڑے مشاعرے میں بلایا جاتا ہے جس سے [illegible]
ہوئے اس قدر بی لیتے ہیں کہ جسے ہضم کرنا ان کم ظرفوں کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ اور یہ [illegible]
منتظمین مشاعرہ نیز آس پاس بیٹھے ہوئے شعرا کے لئے عذاب جان ہی نہیں بن جاتے بلکہ بعض اوقات [illegible]
ہیں اگر اسٹیج سے انھیں ہٹا بھی دیا جائے تو مشاعرہ گاہ کے آس پاس کسی نالی میں بے ہوش پڑے [illegible]
ادبی محفل کے قابل ہو سکتے ہیں اور کیا ایسے لوگوں کے اجتماع کو بزم مشاعرہ کہنا درست ہے۔ اور کیا [illegible]
پر [illegible] ادب کو ذلیل کرنا نہیں اور ایسے شراب نوشوں کو شراب پلا کر یہ کہنا کہ یہ خدمت ادب ہے کیا [illegible]
سے [illegible] کے ساتھ دھوکا نہیں ہے۔

ڈاکٹر خنجر صاحب کے طویل خط کے کچھ حصوں کے اقتباس آپ ملاحظہ فرما چکے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے خط میں [illegible]
کی ان بدعتوں کے تدارک کے لئے کچھ علاج بھی تجویز فرمایا ہے۔ یہ نسخہ بھی مختصر الفاظ میں [illegible]۔

۱- مشاعرے طرحی کئے جائیں بے شک دوسرے دور میں غیر طرحی کلام سُنا جائے۔ مگر مشاعرے میں [illegible]
پر کلام سنائیں تاکہ شعرا نئی غزلیں کہیں اور اس طرح سے ادب میں اضافہ ہو۔

۲- شعرا کو منہ مانگا معاوضہ نہ دیا جائے ان کے قیام و طعام کا خاطر خواہ بہترین انتظام [illegible] اور [illegible]
بھی دیا جائے۔

۳- کسی شاعر کو مشاعرے میں شراب پی کر آنے کی اجازت نہ ہونی چاہئے۔ اس سے شعرا میں شراب نوشی کی [illegible]
۴- مشکوک شعرا کو برجستہ کے بعد غزل پڑھنے کی اجازت دی جائے۔ دکھوں [illegible]
اس کے بعد ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ بے شک اس سے مشاعرے کچھ پھیکے پھیکے [illegible]
شعرا کو خود اپنا صحیح مقام معلوم ہوگا۔ ایسے مشاعروں کا مقصد [illegible] ادب کی خدمت ہوگا — اور ایسی [illegible]
واقعی ادبی اور شعری محفلیں کہلانے کی مستحق ہوں گی۔ مشکوک شعرا کے بارے میں ڈاکٹر صاحب [illegible]
مشاعرے میں شریک ہونے والے شعرائے کرام کے ایک کاغذ پر دستخط [illegible]
لہٰذا ایسے شعرا سے باتوں باتوں میں کسی شعر کے مطلب پر بحث کرنے یا عروض کے کسی اصول سے [illegible]
از خود سمجھ میں آ جائے گا۔

جناب ڈاکٹر خنجر صاحب کی واقفیت کے لئے یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ انھوں نے [illegible]
نشان دہی فرمائی ہے۔ الاہر تفصیل سے بحث شان ہند کے متعدد شماروں میں کی جا چکی ہے۔ مگر [illegible]
میں دن دونی اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ اور ان تمام بدعتوں کے ذمہ دار یہی مشاعرہ کمیٹیوں کے ارکان [illegible]
خنجر صاحب نے اب شاعروں اور شاعرات کے انتخاب میں ایک نہایت خطرناک [illegible]

کہ منتظمین مشاعرہ میں سے شاطر قسم کے لوگ ان شاعرات کو بلانے کے لئے لیفند ہوتے ہیں جن سے انھیں راہ و رسم بڑھانے کی امید ہوتی ہے اور یہ راہ و رسم ناجائز تعلقات تک جا پہنچی ہے۔ یار لوگوں نے اس قسم کی شاعرات کو بڑے بڑے مقصد حاصل کرنے کے لئے آلۂ کار کے طور پر استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔ اور لطف اور دیکھو نامور اور مشہور شعرا نے یہ چلن اختیار کر لیا ہے کہ منتظمین مشاعرہ کو مجبور کرتے ہیں کہ ان کے ساتھ ان کی پسندیدہ شاعرہ (جو دراصل اپنی طوائفیت کو شاعرہ کے پردہ میں چھپائی ہوئی ہوتی ہے) کو بھی مدعو کیا جائے ورنہ وہ دعوت نامہ منظور نہیں کریں گے۔ لہٰذا مشاعرہ کے بعد یہ نامور شاعر اور ان کی پسندیدہ شاعرہ جو گل فشانیاں کرتے ہیں وہ ناقابل بیان اور ناقابل اشاعت ہیں

مگر ان سب باتوں کے باوجود ان تمام بد عنوانیوں کا تدارک منتظمین مشاعرہ ہی کر سکتے ہیں۔ شان ہند کی ماہ مئی کی اشاعت میں صاف لفظوں میں لکھا گیا کہ طارق بدایونی شاعر نہیں ہیں۔ محض گلے اور غلافی صورت کی بدولت وہ مشاعروں میں مقبولیت پاتے ہیں اس کے باوجود آج ہی کی ڈاک میں جناب جوہر باسودوی جو کہ شان ہند کے دیرینہ کرم فرما ہیں لکھتے ہیں کہ باسودہ کے مشاعرے کے سلسلہ میں قتیل شفائی، عنبر تاباں اور طارق بدایونی کے پتے درکار ہیں اگر زحمت نہ ہو تو ان حضرات کے پتے ارسال فرمائیں۔ ع۔

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے۔

جب منتظمین دیدہ دانستہ گلے باز شاعروں کو لوٹ دینے پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں تو مدیر شان ہند یا آپ کیا کر سکیں گے۔

اپنی تلاش میں

جناب کلیم الدین احمد کی خود نوشت سوانح حیات جو بہترین انداز میں شائع ہوئی ہے۔

اس وقت تک اردو زبان میں جس قدر سوانح عمریاں شائع ہوئی ہیں ان سب میں سے "اپنی تلاش میں" ایک جداگانہ نوعیت کی حامل ہے۔ طرز تحریر میں وہ شگفتگی ہے کہ حضرت جوش ملیح آبادی۔ سردار دیوان سنگھ مفتون ایسے حضرات بھی اپنی سوانح عمریاں لکھتے وقت یہ بانکا اور انوکھا انداز پیدا نہ کر سکے اردو میں ایسی سوانح عمری شاید ہی ابھی تک شائع ہوئی ہو۔

قیمت مجلد تیس روپے

مولانا ابوالکلام آزاد (مرحوم) کی تصنیف لطیف "غبار خاطر" کے بعد

اگر

آپ نے خطوط کے پردے میں انگریزی حکومت کے مظالم کی داستان، اُس وقت کی ملکی سیاست کے پیچ و خم۔ انگریزی عہد کی ہندوستانی جیلوں کی ہوش ربا کہانی۔ سرحدی گاندھی خان عبدالغفار خان کے ایام اسیری کی دلچسپ کہانیاں اور متعدد دلچسپ واقعات پڑھنا چاہیں تو

قیدی کے خط

پڑھیے جو محمد یونس خان صاحب (نمائندہ خاص برائے وزیر اعظم صاحبہ) کے زور قلم کا نتیجہ ہیں۔ آپ اس کتاب کو شروع کرنے کے بعد ختم کئے بغیر چین سے نہیں بیٹھ سکتے۔

قیمت صرف آٹھ روپے - ملنے کا پتہ

دفتر ماہنامہ شان ہند فلیٹ ۸-انصاری مارکیٹ دریا گنج نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

اگر آپ اردو پڑھ سکتے ہیں؟

تو حسب ذیل کتابیں ضرور پڑھئے ۔ ناپسند آنے پر واپسی کی شرط

۱۔ ترجمان القرآن :۔ مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کی تفسیرِ قرآن چار جلدوں میں۔ اس تفسیر کا جلد اول ایک عرصہ سے نایاب تھی۔
ب چھپ گئی ہے۔ قیمت فی جلد بائیس روپے چاروں جلدیں ۔ ۰۰ ۔ ۸۸ روپے

۔ غبارِ خاطر :۔ مولانا ابوالکلام آزاد (مرحوم) کی وہ تصنیف جو اپنی نظیر آپ ہے ۔ ایک عرصہ سے اس کا اصل ایڈیشن نایاب تھا۔
ب حکومتِ ہند کے اہتمام میں شائع ہوئی ہے ۔ قیمت پندرہ روپیہ :

۔ خطباتِ آزاد :۔ مولانا ابوالکلام آزاد کے خطبات کا مجموعہ قیمت ۱۸ روپیہ

۴۔ یادوں کے سائے :۔ بدم نشری محترمہ ممتاز مرزا کا تازہ ترین مجموعہ کلام قیمت بیس روپیہ ۔

۔ ناقابلِ فراموش :۔ سردار دیوان سنگھ مفتون ایڈیٹر ریاست (مرحوم) کا زندۂ جاوید شاہکار قیمت بیس روپیہ

۶۔ جذباتِ مشرق :۔ سردار دیوان سنگھ مفتون ایڈیٹر ریاست (مرحوم) کی ادبی و شعری تالیف جو دنیائے ادب میں یقیناً ایک بیش
بہا اضافہ ہے ۔ قیمت اٹھارہ روپیہ :۔

۷۔ یادوں کی برات :۔ حضرت جوش ملیح آبادی کی خودنوشت سوانح عمری ۔ جو پاکستان میں چھپی ۔ اور وہاں ضبط کر لی گئی ۔ ہندوستانی
ایڈیشن ۲۵ روپے ۔

۸۔ ۳۳ برس :۔ مشہور افسانہ نویس دت بھارتی کی خودنوشت سوانح حیات افسانوی رنگ میں دت صاحب نے اپنی سوانح عمری لکھ
کر زورِ قلم کے وہ شاہکار پیش کئے ہیں جو ان کے افسانوں اور ناولوں میں نہیں ملتے ۔ قیمت دس روپیہ ۔

۔ عکس آئینے کے :۔ ہرچرن چاولہ کے افسانوں کا مجموعہ ہے جسے پڑھ کر آپ کو منشی پریم چند کے دیہاتی ماحول سے متعلق افسانوں اور
سعادت حسن منٹو کے طرز نگارش کی یاد آنے لگے گی ۔

۔ سحر لغمہ :۔ حضرت ساحر ہوشیارپوری کا مجموعۂ کلام جو لطافت کے تمام پہلوؤں سے مزین ہے ۔ قیمت دس روپے

۱۔ بہشتِ نظر :۔ حضرت رتن پنڈوروی کا مجموعۂ کلام ۔ اگر آپ شاعر ہیں تو یہ مجموعہ ضرور پڑھئے قیمت پندرہ روپے

۱۲۔ آئینہ :۔ حضرت حیرت بدایونی مرحوم کا مجموعۂ کلام ۔ سحر رنگ پبلی کیشنز ۔ قیمت پندرہ روپیہ ۔

۱۳۔ پہلا پتھر :۔ جناب گا ہر تلہری کا مجموعۂ کلام اس دور کے شاعروں میں سے ایک منفرد شاعر کا معقول مجموعۂ کلام : قیمت ۹ روپے

۱۴۔ کو سخن ملامت :۔ کرشن موہن کا تازہ ترین مجموعہ جتنا کلام نفیس ویسا ہی مجموعہ بھی ہر لحاظ سے نفیس ۔ قیمت ۱۰ روپیے ۔

۱۵۔ گیان مارگ کی نظمیں :۔ کرشن موہن کا مجموعۂ کلام جو مطالعہ سے تعلق رکھتا ہے ۔ قیمت دس روپے ۔

۱۶۔ دلی جو ایک شہر تھا :۔ ایک ایسی کتاب جو اپنی نظیر آپ ہے ۔ آپ اسے پڑھنے کے بعد یقیناً داد دیں گے ۔ قیمت پانچ روپے

۱۷۔ رعنائیاں :۔ جناب برج لال جی رعنا کا مجموعۂ کلام ۔ ایک قابلِ قدر مجموعہ قیمت ۶ روپے

۱۸۔ ترزینی :۔ سردار دیوان سنگھ مفتون کے عظیم شاہکار "ناقابلِ فراموش" کا ہندی ترجمہ قیمت پندرہ روپے

دفتر ماہنامہ شانِ ہند ۔ فلیٹ ۵ انصاری مارکیٹ ۔ دریا گنج ۔ نئی دہلی

اگر کنبہ چھوٹا ہو تو والدین ہر بچے پر زیادہ توجہ دے سکتے ہیں اور اسے زندگی کی زیادہ سہولتیں مہیا کر سکتے ہیں۔ اس سے ملک کو بھی بحیثیت مجموعی اپنے وسائل کے بہتر استعمال کا موقع ملتا ہے۔

فیملی پلاننگ ہماری قومی ترقی کے پروگرام کا ایک لازمی جزو ہے اور ہم نے اسے عملی جامہ پہنانے کے لئے اپنے تمام ذرائع کو بروئے کار لانے کا تہیہ کر رکھا ہے۔

اندرا گاندھی

davp 79/5:6

کوثر الاحسانی

مشاعرہ اسلامیہ انٹر کالج سہارنپور

وسیم بریلوی۔ کیف بھوپالی۔ عالم فتحپوری۔ اختر نظمی گوالیاری۔ ناظر خیامی۔ بشیر بدر
نور لکھنوی۔ اجمل سلطانپوری۔ حق کانپوری۔ ہلال سیوہاروی۔ مسعودہ حیات
ایاز جھانسوی۔ ظفر رزمی۔ کمال جائسی۔ محسودہ ناز لکھنوی

یہ وہ مشاعرہ ہے جسے پوسٹروں میں تاریخی آل انڈیا مشاعرہ لکھا گیا
یہ وہ مشاعرہ ہے کہ جس کے پوسٹر میں ۵۰ شعراء کے نام دئے گئے اور شرکت کی صرف ۲۱ نے۔
یہ وہ مشاعرہ ہے کہ جہاں سامعین نے نہایت بردباری اور سنجیدگی کا مظاہرہ کیا۔
یہ وہ مشاعرہ ہے کہ جسے اس برفیلی رات میں کامران اور کامیاب کرانے کے لئے شہر ہی سے نہیں بلکہ دور دراز علاقوں سے اردو دوستوں نے سفر کیا۔
یہ وہ مشاعرہ ہے کہ جس پر تقریباً ۱۵ ہزار روپے خرچ کئے گئے۔
یہ وہ مشاعرہ ہے کہ سہارنپور کی تاریخ میں ایک عرصہ کے بعد واقعی کامیاب مشاعرہ ہوا
یہ وہ مشاعرہ ہے کہ مقامی شعراء کو نظر انداز کرکے ایک مثال قائم کی۔
یہ وہ مشاعرہ ہے جس کے پنڈال پر ایرکنڈیشنڈ کا گمان ہوتا۔
یہ وہ مشاعرہ ہے کہ جن حضرات نے سردی کی وجہ سے شرکت نہیں کی، وہ پچھتائے۔
یہ وہ مشاعرہ ہے کہ جس کو وسیم بریلوی نے پونے چار بجے تک بڑے مدبرانہ انداز سے چلایا۔
یہ وہ مشاعرہ ہے کہ جلسہ کے لئے شہر کی سڑکوں پر بانس کے کمرے کے بورڈ لٹکائے گئے
یہ وہ مشاعرہ ہے کہ جس میں دور دراز کی ہستیوں نے نہایت خاکساری اور مہمان نوازی کا ثبوت پیش کرکے بتلایا کہ اہل علم بھی مخلص ہوتے ہیں۔ وہ مسٹر محمود حسن شاہ اور نواب زادہ منصور علی خاں کیلاش پوری مجسم بنے رہے۔

یہ وہ مشاعرہ ہے کہ جس میں آپ کے کوثر الاحسانی کو مدعو نہیں کیا گیا اور یہ دریافت کرنے پہ کہ کوثر صاحب ترنم سے نہیں پڑھتے ہیں کہ نہیں — تحت سے پڑھنے کی وجہ سے نظر انداز کر دیا گیا لیکن سہارنپور کے کرم فرماؤں اور دوستوں کے پیہم اصرار پہ حاضری دی گئی یہ الگ بات ہے کہ مشاعرہ کمیٹی کے تمام ارکان نہایت خلوص سے پیش آئے۔

آئیے اب مشاعرہ کے دیگر حالات بھی ملاحظہ فرمائیے

۱۹ جنوری ۱۹۷۶ء کی ریخ بستہ اور برفیلی رات ہے اور ۹ بجے ہیں۔ افتتاح کے لئے جناب چودھری شفقت جنگ ایم ایل اے سے درخواست کی جا رہی ہے کہ آپ مائک پر تشریف لے آئے ہیں۔ بعد ازاں سے آپ کو لادیا گیا ہے اور ساتھ ہی صدارت کے لئے جناب مہاراج چرن سنگھ صاحب ایم ایس آفیسر کا نام نامی پیش کیا جا رہا ہے اسی طرح سرداری کو پھولوں سے لاد دیا گیا ہے۔ ساتھ ہی سرکردہ حضرات کی تصاویر بھی لے لی گئی ہیں۔ اس مشاعرہ کا پنڈال چونکہ اسلامیہ انٹر کالج کے وسیع میدان میں تیار کیا گیا ہے۔ اس قدر وسیع اور شاندار ہے کہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ یہاں مجھے بتلایا گیا کہ پنڈال میں حد بندی کی وجہ سے پنڈال گیلری میں وہ حضرات جن کی مخصوص نشست فلاں رقم دو گی اور فلاں گیلری میں فلاں رقم دینے والے۔ اسی طرح سلسلے کرسیوں کا انتظام تھا۔ یہ تمام انتظامات قابل تعریف اور قابل دید بھی تھے۔ نہایت سلیقے سے کرسیاں

اور فرش اور روشنی کا انتظام کیا گیا ہے۔ مسٹر رشید صدیقی کوثر خیابانی نے ایک مختصر خطبہ پڑھا جس میں بانیٔ اسلامیہ ہائی سکول کا بھی ذکر نہایت خلوص اور احترام سے کیا گیا ہے جونہی پنڈال جناب [illegible] کے سیکرٹری اور عزیزم عبدالحمید وسیم اور شعرائے کرام کے ہمراہ خصوصی گیٹ سے پہنچا تو سب سے پہلی کرسیوں پر جو نظر آئے تو وہ تھے محترم مائی شیخ محمد رفیق صاحب ان سے سلام اور مزاج پرسی کے بعد دیکھ بھال کرتا اور اسی دوران گولوں کے دھماکوں نے اپنی جانب متوجہ کر لیا۔ یہ گولے مشاعرہ کی رسم افتتاح کے لئے داغے گئے تھے۔ چونکہ عمر قریشی تشریف لانے والے تھے، زادہ منظور احمد منظور اور محترم کنور مہندر سنگھ بیدی سحر صاحب شریک ہو سکے۔ لہٰذا پروفیسر وسیم بریلوی نہایت اطمینان کے ساتھ اس مشاعرہ کو چلا رہے تھے۔ مائک پر آکر شعرائے کرام کا تعارف [illegible] کے ایک ابھرتے ہوئے نوجوان محترم شاعر کوثر زیدی کو دعوت سخن دے رہے ہیں۔ کوثر صاحب یوں سامعین کی تشنگی دور کر رہے ہیں۔ ؎

ہر زخم لالہ زار ہے اور میں اداس ہوں
منظر نہ بہار ہے اور میں اداس ہوں

کوثر صاحب کا مطلع سماعت [illegible] اور [illegible] کا طرز انیگی اور ترنم ہونے پر [illegible] اور [illegible] سے بیٹھے ہوئے سامعین کی داد کا عالم نہ پوچھئے [illegible] کوثر صاحب اس دلکشی سے جھوم کر سنا رہے ہیں ؎

میں نے تمام عمر کیا جس کا انتظار
آج اس کو انتظار ہے اور میں اداس ہوں
ساقی کی چشم مست بھی ہے محو التفات
موسم بھی خوشگوار ہے اور میں اداس ہوں

کوثر صاحب نے مشاعرہ کا آغاز نہایت دلکش ترنم سے کیا آپ خوب خوب داد لوٹ چلا رہے ہیں اور وسیم صاحب فرما رہے ہیں کہ اب میں جس شاعر کو دعوت سخن دے رہا ہوں وہ [illegible] میں کہتا [illegible] دو پڑھنے کے بعد اردو میں شاعری کر رہے ہیں میری [illegible] سنائیں۔ [illegible] اب [illegible] جو کر [illegible] جس کی وجہ سے شاعر [illegible]

[illegible]

اور شاداب عنایت کر رہے ہیں ؎

جنونِ شوق میں یہ بھی مقام آیا ہے تو قطرہ جاں کے کسی کا سلام آیا ہے
بڑے مزے میں کٹی ہیں سیاہ راتیں بھی کہ صراحی پہ جھک کے ماہِ تمام آیا ہے
طلوعِ صبح بھی ساقی کی بے نیازی کا ہمارے پاس تکلف کے جام آیا ہے

داد کے شور میں ارشاد ہوا ؎

وہ زرگری کی ہوس ہو کہ مفلسی واللہ سدا خلوص ہی انسان کے کام آیا ہے

شاداب صاحب خوب خوب داد بٹور کر اپنی جگہ آ رہے ہیں۔ دیکھا تو فاتح تاز انصاری صاحب ایڈیٹر الجمعیۃ تشریف لا رہے ہیں۔ تاز صاحب آج پہلی بار کسی مشاعرہ میں پاکر حیرانی سی ہوئی۔ حج کے بعد تاز صاحب ماشاء اللہ متشرع نظر آتے ہیں۔ لیجئے حق کانپوری یوں سج دھج اور بانکپن سے غزل سرا ہیں ؎

بربادیٔ پیہم کا سبب یاد نہیں ہے — یہ بات کبھی یاد تھی اب یاد نہیں ہے

[illegible] کسی ہر [illegible] کو گماں ہوتا ہے۔ پنڈال میں [illegible] سی بکھر گئی ہے اور [illegible] یار دہرا کر اسی جان لیوا ترنم سے محفل کو بے حال کرنے کی سعی کر رہے ہیں ؎

اس پہلی نظر پہلی ملاقات کا عالم! کچھ کچھ تو مجھے یاد ہے سب یاد نہیں ہے
کیا پوچھتے ہو دستورِ رودادِ محبت، بس لٹ گیا لٹنے کا سبب یاد نہیں ہے

پھر داد دینے والوں پہ سرشاری ہے اور آپ یوں جھوم کر کر رہے ہیں ؎

نظریں رخِ جاناں سے ہٹائے نہیں ہٹتیں
دیوانہ ہوں دیوانہ ادب یاد نہیں ہے
حق پھر طرفِ منزلِ محبوب چلے ہو
کانٹوں سے بھری راہ طلب یاد نہیں ہے

حق صاحب پنڈال کو گرما کر تالیوں کی جھنکار میں کامراں جا رہے ہیں اور جناب [illegible] پی صاحب [illegible] تشریف [illegible] شعرائے کرام کے جھرمٹ ہی میں بیٹھ گئے ہیں۔ آپ کو بھی بار [illegible] پایا گیا ہے۔ ادھر وسیم صاحب پنجاب کے بزرگ اور استاد شاعر سردار کرپال سنگھ بیدار سے درخواست کلام کر رہے ہیں۔ بیدار صاحب رباعیات کے بعد غزل عطا کر رہے ہیں ؎

جنونِ عشق کی ہنگامہ آرائی نہیں جاتی
مگر جانے کی قسمت تو رسوائی نہیں جاتی

جوانی اجمل بھی لیکن وہ بانکپن ان کا
بکھر گیا ہے ابھی کی خاک پہ لیکن نہیں جاتی

ہر چند کہ آپ ترنم سے نہیں پڑھتے ہیں مگر آپ کے ہر شعر پر داد دی جاتی ہے اور آپ فرما رہے ہیں ؎

یہ کیا ہوا دو جہاں کے تذکرے میں تو تھا
خرابی دو دل کی باتوں سے بہلائی نہیں جاتی

بھرپور داد شباب پر ہے اور آپ عنایت کر رہے ہیں ؎

مرا حسن طبیعت خود ہی پر رشک کرتا ہے
خزاں کے دور میں بھی دل کی رعنائی نہیں جاتی

بیدار صاحب کو داد تحسین سے نوازا گیا اور وسیم صاحب اجمل سلطان پوری کو دعوت موسیقی دے رہے ہیں۔ اجمل صاحب غزل سرا ہیں

ہمیں سکون ہی نہیں کیا کریں کدھر جائیں
ہمارے بس میں تو یہ بھی نہیں کہ مر جائیں

داد نقد بوچھ سے سوا ہے اور میں سوچ رہا ہوں اجمل صاحب کو بھی یاد لوگ بیکل اتساہی کے نام لیا کرتے ہیں لیکن اب گلے کی شہنائی میں وہ بات کہاں اور بیکل صاحب اب بھی اسی بانکپن سے لہراتے ہیں۔ دیکھا تو فرما رہے ہیں ؎

زباں بھی کھولیں تو انجام کار کیا ہو گا وہ کم سے کم نگاہوں سے کام کر جائیں
وہ میکدہ ہو کہ دیر و حرم قفس ہی قفس ہے کہیں نجات کی صورت نہیں کدھر جائیں
اس آرزو میں لب ریگزار بیٹھے ہیں تشنہ وہ مثل ابر کے ایک نظر دیکھ کر گزر جائیں
چلاؤ بادہ کی صورت تیر کچھ اجمل تو مشکلات کے پہاڑ سے جل کے مر جائیں

وکیل صاحب نے کمال ساقی نامے سے غور میں مائک سے کھو رہے ہیں اور وسیم صاحب شاعر خرابات ناظر خیامی کو یاد فرما رہے ہیں۔ ناظر صاحب عالم وجد میں مائک پر کیا آئے کہ آپ کی ہیئت گدائی پر پورا پنڈال میں قہقہوں اور فرمائشوں کا دورہ پڑا اور مستی اور سرمستی کو ہوئے فرما رہے ہیں ؎

بڑے سلیقے سے بیماری غزل ابھی تو طرب سے ملتا ہے انجام غزل
ممکن ہو کہ بولا لفظ بھی غلط! جاؤ ایسے بھی تھے جن سے غزل
سر کی لٹک تحسین فرماتے رہے آج مائک سے جدا ہونے کو چھوٹے دو شعر
کچھ غضب داد و انداز نے مائک پر بلا کر کے ناظر صاحب کو چھوڑ دیا

اور ہر دو حضرات نے سو سو روپے کا ایک ایک نوٹ ناظر صاحب کی خدمت میں پیش کیا اور جمیل شاہجہاں پوری فرما رہے ہیں ہجوم کیا ہی نگاہ ہی لیکن وہ شعر کہتا ہے۔ ابھی تک پنڈال میں وہی باؤ ہو اور شور و غل ہے۔ اسی عالم میں وسیم صاحب محمود ناز لکھنوی کو اس ہنگامہ کو دور کرنے کے لئے دعوت سخن دے رہے ہیں۔ ناز صاحب یوں دلکشی سے ایک حسین غزل چھیڑ رہے ہیں ؎

یاد محبوب سے دل اپنا بسا رکھا ہے ہم نے ایک الگ کعبہ بنا رکھا ہے
ان حسین آنکھوں کی گردش ہی نہ آئی ہو اور ساقی ترے میخانہ میں کیا رکھا ہے

داد کا شور کم ہو تو ارشاد ہوتا ہے ؎

آنکھیں کچھ چاہتی ہیں دل کی تمنا کچھ ہے مجھکو دیوانوں نے دیوانہ بنا رکھا ہے
روز و شب لوگ عیادت کو چلے آتے ہیں میری خاموشی نے طوفان اٹھا رکھا ہے

ناز صاحب داد کی جھولیاں بھرے اپنی جگہ آ رہے ہیں اور وسیم صاحب کمال جائسی کو زحمت سخن دے رہے ہیں۔ کمال صاحب فرما رہے ہیں ؎

غم کی رات آ رہی ہے تو نے سمجھ اب کے دیوانے کچھ کام کر جائیں گے
خون دل سے جلائیں گے شمع وفا تیرگی کے نشیمن بکھر جائیں گے
تیری محفل سے ہم تو چلے جائیں گے اپنی بربادیوں کے فسانے سے
ذکر اہل وفا ہو گا جب بھی بے وفاؤں کے چہرے اتر جائیں گے

کمال صاحب کی تصویر لی گئی ہے اور آپ کامران پلٹ رہے ہیں۔ ادھر وسیم صاحب کسی پیام اسلم اکرو ہوی کو یاد فرما رہے ہیں۔ اسلم صاحب فرما رہے ہیں ؎

مجبوری حالات غزل بیچ رہا ہوں انمول خیالوں کے کنول بیچ رہا ہوں
احساس کی اینٹوں سے جو تعمیر کیا ہے ہے کوئی خریدار محل بیچ رہا ہوں

اسلم صاحب نے ایک غزل ایسے ترنم سے چھیڑی ہے کہ کام نہ چلا گر آپ تحت سے پڑھتے تو کامیاب رہتے آپ جا رہے ہیں اور وسیم صاحب نہایت بانکپن سے غزل سرا ہیں ؎

پیار کی پیاس کسی طرح نکلتی بھی نہیں
خواہ مخواہ ڈالے حجر تو ٹلتی بھی نہیں
تیرے لٹے ہوئے اشکوں کا خدا ہی حافظ
یہ امانت اب آنکھوں سے سنبھلتی ہی نہیں
کب سے ایک وعدہ وفا ہونے کی امید لگے
ایسی آنکھ وہ بیٹھا ہوں جو ملتی ہی نہیں
ان کے جاں باز پرندوں نے بسر اٹھایا
جھپ جاؤں ان سے کبھی پر

وسیم صاحب داد تحسین پاکر اپنی جگہ آگئے مشہور غزل گو شاعر کرشن بہاری نور لکھنوی سے درخواست کلام کر رہے ہیں نور صاحب نہایت پُر وقار انداز سے عنایت کر رہے ہیں ؎

وہ صورت خوابوں سے اکتا کے جس کو چھوڑ دیا
شکن نصیب وہ بستر مری تلاش میں ہے

میں ایک قطرہ ہوں میرا الگ وجود تو ہے
ہوا کرے جو سمندر مری تلاش میں ہے

وہ ایک سایہ ہے اپنا ہو یا پرایا ہو
جنم جنم سے برابر مری تلاش میں ہے

میں جس کے ہاتھ میں اک پھول دیکے آیا ہوں
اسی کا ہاتھ کا پتھر مری تلاش میں ہے

نور صاحب کے صوت پر ہزار ولہ ترنم قربان۔ آپ کو وہ داد دی گئی کہ
ع کچھ اور پوچھیے یہ حقیقت نہ پوچھیے

نور صاحب تالیوں کی جھنکار میں جا رہے ہیں اور وسیم صاحب آگئیر کی نگری کے درویش صفت مصلی بردوش شاعر عالم فتحپوری کو زحمت سخن دے رہے ہیں۔ عالم صاحب کی تصویر لی گئی ہے اور آپ قلندرانہ شان سے فرما رہے ہیں ؎

مجھ سے تم نظریں ملا کر لطف لو یہی سہی، ظرف میرا آزماؤ امتحاں یہی سہی
پھول ابھی تو کھل رہے ہیں شاخ پر کانٹوں کے پاس، تم ہمارے پاس آؤ احتیاطاً ہی سہی

آہ اور واہ کے شور میں ارشاد ہوا ہے ؎

اہل دل جتنے ملے خانہ خرابوں میں ملے
یعنی گوہر جو سمندر کے سرابوں میں ملے

یعنی خوابیدہ ہوں شیشوں میں عدو کے لشکر
ایسے سوئے ہوئے طوفان حبابوں میں ملے

عالم صاحب تالیوں کے جھنکار میں جا رہے ہیں اور وسیم صاحب خنا الفاظ میں تعارف فرما کر مظفر رزمی کیرانوی کو دعوت سخن دے رہے ہیں رزمی صاحب بڑے انہماک سے محفل کو لوٹتے چلے ہیں

وہ ہیں کہ جیسے جلال میں مجبوراً شعلہ ہیں [illegible] ہم ہیں کہ [illegible] گردن جھکائے ہیں
گلشن میں روشنی کے طریقے بھی رزمی [illegible] ہم بے خبر [illegible]

[illegible] بھی [illegible]

رہے ہیں۔ ؎

تنہا دھیکے میں [illegible] رہ گو ساتھیا [illegible]
پہلے میں بھی کوئی شناسا [illegible] کے بہت یاد آتے ہیں
بسمل صاحب فرما رہے ہیں رزمی صاحب بہت اچھا کہتے لگے ہیں رزمی صاحب کی تصویر لی گئی ہے اور میں مرحوم ناصر کاظمی کے مطلع سے لطف اندوز ہو رہا ہوں، سنیے ؎

کچھ یادگار شہر ستمگر ہی لے چلیں
آئے ہیں اس گلی میں تو پتھر ہی لے چلیں

رزمی صاحب تالیوں کی جھنکار میں شادماں جا رہے ہیں اور وسیم صاحب درخواست کلام کر رہے ہیں۔ پروفیسر اختر نظمی گوالیاری سے۔ کئی برس ہوئے برادرم رزمی صاحب نے اختر صاحب کا ایک شعر ؎

سناٹیوں کے شور میں دم توڑتا ہوا
ایک گیت جا رہا ہے کسی اور گاؤں میں

سنایا تھا اختر صاحب سے ملاقات اور سننے کا بڑا اشتیاق تھا آج ان کو سن کر بڑی مسرت ہوئی خوب کہتے اور پڑھتے ہیں آپ بھی سماعت فرمائیے ؎

کب لوگوں نے الفاظ کے پتھر نہیں پھینکے، خط بھی مگر اس نے جلا کر نہیں پھینکے
ٹھہرے ہوئے پانی میں اشارہ تو کیا تھا، کچھ سوچ کے ہی [illegible] کنکر نہیں پھینکے
کیا [illegible] ہے اس نے مری تصویر کے ٹکڑے، گھر ہی میں چھپا کے ہیں باہر نہیں پھینکے

داد کا عالم نہ پوچھیے یہ شور خوش گوار کم ہوا تو آپ یوں [illegible] پر تول رہے ہیں ؎

ایک لمحے کلیوں کا تبسم بھی [illegible] میں نے تو کبھی پھول مسل کر نہیں دیکھے
دروازے کے شیشے [illegible] نظمی لوگوں نے ابھی ہاتھ کے پتھر نہیں پھینکے

نظمی صاحب پنڈال میں خوشی بکھیر کر تالیوں کی جھنکار میں کہاں پلٹ رہے ہیں ادھر [illegible] صاحب بھی جا رہے ہیں اور وسیم صاحب ہلال سیوہاروی کو بلا رہے ہیں ہلال صاحب کا تالیوں سے استقبال کیا جا رہا ہے آپ ایک طویل نظم [illegible] سنا کر داد تحسین پا کر جا رہے ہیں۔ [illegible] کے لئے ڈاکٹر بشیر بدر صاحب تالیوں کی جھنکار میں آ گئے ہیں۔

قیامت کے خوابوں میں منظر ملے، ہر خیاباں کھلے سر جیسے ملے
شکستہ مکانات ٹوٹے گئے، جہاں گئے اپنے ہی گھر ملے
عقیدے کچھ ہی ہوئی موج میں، ہمیشہ مجھے ریت کے گھر ملے
تمنا نے اعلان [illegible] لاکھوں [illegible]، لئے سرخ پھولوں کی چادر ملے

مد صاحب دادِ تحسین پا کر اپنی جگہ آ رہے ہیں اور آسی شہابی ایک دیل نظم جو کہ اکثر و بیشتر مشاعروں میں سناتے ہیں سنا کر چلے گئے اور وسیم صاحب مشہور غزل گو اور خوش ترنم شاعر ایاز جھانسوی کو دعوت سخن دے رہے ہیں۔ ایاز صاحب یوں بانکپن سے غزل سرا ہیں ؎

غم کیا ملے کہ پھیلے ہوئے غم سمٹ گئے
صدیوں کے فاصلے تھے جو لمحوں میں کٹ گئے

شیشے سے تو چور ہوئے پتھروں سے ہم
چھو لئے تو ہر کسی رستے سے ہٹ گئے

کس کس کے ناز اٹھائے کس کس کی تیغ جھیلے
مشہور کیا ہوئے کہ زمانے میں بٹ گئے

ہمت نہیں رہی کہ اٹھیں اور بڑھ چلیں
سائے میں اس درخت کے ہم کتنے گھٹ گئے

ایاز صاحب کے ہر شعر پر خوب خوب داد دی گئی۔ آپ نہایت خوش خوش واپس پلٹ رہے ہیں اور وسیم صاحب دوسرے بلند خیالات اور مشہور شاعر کیف بھوپالی سے درخواست کلام کر رہے ہیں۔ کیف صاحب مائک پر کیا آئے کہ فرمائشوں کا ایک شور ہے ادھر کیمرہ والا بھی حرکت میں آیا ہے اور کیف صاحب اپنی دھن میں مگن ایک غزل چھیڑ رہے ہیں ؎

کس طرح محبت میں دل پہ حکمرانی ہے — دل نہیں مرا گویا ان کی راجدھانی ہے
شاید ان کے دامن کو چھو دیں مری آنکھیں — آج میرے اشکوں کا رنگ زعفرانی ہے
ہم کو ہوش آتا ہے ... — عشق کرنے والوں نے کب کسی کی مانی ہے
... دو آزمائیں — آندھیاں بھی چلتی ہیں دن بھی ڈوب جاتی ہے

کیف ہم کو دنیا نے کیا سے کیا بنا ڈالا
پیار اب ترے منہ پر [illegible] نہ پانی ہے

کیف صاحب کئی غزلیں سنا کر تالیوں کے بیچ سرور میں جھومتے جا رہے ہیں اور وسیم سے درخواست کر رہے ہیں بسمل شاہجہانپوری سے قبل بسمل صاحب شاہجہانپوری شاعرانہ ترنم سے عنایت کر رہے ہیں ؎

گلشن ہند پہ رحمت کی گھٹا چھائی ہے
ہر شاعر کو یہیں تمنا تمنائی ہے
جشن جمہوریت ہند منانے کے لئے
خلد سے روحِ شہنشاہِ ظفر آئی ہے

پنڈال میں جو تھے موجود پر بھونچال سا آ گیا ہے کئی بار دہرا کر ایک طویل نظم سنا کر شاداں جا رہے ہیں۔ آپ کی تصویر لینے کے لئے فوٹو گرافر لپکا تو آپ نے اس کو سختی سے منع کر دیا ہے۔ تصویر لینے نہیں دی آپ کے ساتھ ہی اس یادگاری اور کامیاب مشاعرہ کا پہلا دور تین بجے ختم ہوا ہے دوسرا دور تقریباً پونے چار تک جاری رہا

اس مشاعرہ کو کامیاب بنانے میں جہاں مسٹر رشید احمد صدیقی عزیز الرحمٰن قریشی۔ محمد نعیم زیدی پرنسپل اساتذہ کرام اور طلباء اسلامیہ کالج نے نہایت جد و جہد فرمائی وہاں مسٹر محمود حسن شاہ صاحب اور نوابزادہ منصور علی خاں کیلاش پوری نے ہر طرح کا تعاون فرمایا۔ اسی طرح شہر کے اردو نواز دوستوں سرکاری ملازمین اور حکام نے بھی ہر طرح سے مدد فرمائی جو لائق صد تحسین اور قابل مبارکباد ہیں۔ اب مجھے بھی اجازت دیجئے انشاء اللہ زندگی لال قلعہ وغیرہ کے مشاعرے خدمتِ عالیہ میں پیش کروں گا۔

خدا حافظ

بقیہ اکبر جے پوری۔ فن اور شخصیت

اکبر کے سرمایۂ ادب میں ابھی کچھ کتاب طباعت کے انتظار میں ہیں، جنہیں کچھ اس طرح ترتیب کیا جا سکتا ہے

شمعِ سوزاں۔ مجموعۂ کلام — مقدرِ شہزادہ۔ ڈرامہ
اختر تاباں — منظوم تاریخی ڈرامہ — خون کی تحریر۔ ڈرامہ
بے گناہوں کی بستی۔ منظوم ڈرامہ — فکر و خیال۔ ادبی اور تنقیدی مضامین

اس کے علاوہ متعدد مختصر افسانے ملک بھر کے ادبی جرائد میں شائع ہو چکے ہیں، اکبر ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے پروگراموں میں Casual Artist کی حیثیت سے مسلسل کام کرتے رہے، ایک اور کام جو اکبر کے ادبی تاریخ میں ہمیشہ کے لیے ثبت رہے گا، یہ ہے، کہ انہوں نے ترقی اردو بورڈ کے ایما پر سرکاری محکموں اور عدالتوں میں رائج بائیس ہزار قانونی اور دفتری اصطلاحات کو مع انگریزی مترادفات کے جمع کیا ہے۔

وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی

کے

بیس نکاتی اقتصادی پروگرام

کی کامیابی سے ہی ہمارے ملک کا پسماندہ طبقہ غریبی کے دلدل سے نکل سکتا ہے اور ہم ڈسپلن سے قومی کیریکٹر کو بلند کر سکتے ہیں آئیے ہم سب مل کر وزیر اعظم صاحبہ کے بیس نکاتی پروگرام کو کامیاب بنانے میں قدم سے قدم ملا کر چلیں

دیال سنگھ کالج

مشترکہ پنجاب میں نصف صدی اور کرنال (ہریانہ) میں چوتھائی صدی سے اپنی شاندار روایات کو قائم رکھے ہوئے ہے۔ دیال سنگھ کالج کرنال میں طلباء کو ہمیشہ ڈسپلن، قومی یکجہتی، اور ملک کی ہر طرح حفاظت کرنے کی تلقین کیجاتی ہے اور انھیں ایک اچھا شہری اور ایک ذمہ دار ہندوستانی بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

اراکین منتظمہ کمیٹی

دیال سنگھ کالج

کرنال ہریانہ

غزل

(جناب ثاقب زلالی)

لوگ تو ہر چند بہکاتے رہے
یاد جو آنے تھے۔ یاد آتے رہے

یار لوگوں نے خدا کو جا لیا
ہم بتوں سے خوف ہی کھاتے رہے

ابتدا سے انتہا تک ہی سفر
ہم یونہی منزل کا غم کھاتے رہے

زندگی کانٹوں کی صورت ہو گئی
پھول کھلتے اور مُرجھاتے رہے

ہم نے کشتی ناخدا کو سونپ دی
اہلِ دل ساحل پہ گھبراتے رہے

ریت کی دیوار ہے یہ زندگی
ہم اُنہیں وہ ہم کو سمجھاتے رہے

نام انسانوں ہی کے زندہ رہے
آدمی آتے رہے جاتے رہے

ہوں گی ہم آہنگ کب یہ دھڑکنیں
وسوسے لختِ جگر کھاتے رہے

محتسب نے اس طرح مانگا حساب
سب کے سب محشر میں شرماتے رہے

خواب بکھرے اور ٹوٹے سلسلے
نیند کے جھونکے ستم ڈھاتے رہے

ٹمٹما کر بجھ گئے روشن چراغ
رات کے ساتھی سبھی جاتے رہے

غم کی صورت کو وہ ترسے عمر بھر
ہم وفا کے گیت ہی گاتے رہے

کارفرما غم تھا میرا اس قدر
داستاں میری وہ دہراتے رہے

وہ تو ثاقب غیر سے اپنے ہی تھے
عمر بھر جو ہم سے کتراتے رہے

اللہ شوق دے تو کتابیں پڑھا کرو

اور

آپ کا یہ شوق راجدھانی کی مقبول ترین

عوامی لائبریری

دیال سنگھ پبلک لائبریری

میں

پورا ہو سکتا ہے جہاں اردو، ہندی، پنجابی اور انگریزی کی ہزارہا کتابیں ہر موضوع پر آپ کے ذوقِ مطالعہ کی سیری کے لئے موجود ہیں اور بغیر کسی نقد معاوضہ کے آپ صبح دس بجے سے شام کے پانچ بجے تک اپنی پسند کی کتابیں پڑھ سکتے ہیں۔ اردو، ہندی اور انگلش کے مشہور روزنامے، ہفت روزے اور ماہنامے بھی لائبریری میں منگائے جاتے ہیں۔

دیال سنگھ پبلک لائبریری

ٹرسٹ سوسائٹی

راؤز ایونیو - نیو دہلی

اتوار اور دوسری تعطیلات

کے روز لائبریری بند رہتی ہے

جناب رشید نازکی

اکبر جے پوری ۔ فن اور شخصیت

(رشید نازکی ایم۔ اے)

اکبر جے پوری پچھلے تیس پچیس برس سے زمزمہ سنج ہیں
ان کی ولادت جے پور میں ہوئی ہے اور شعور و شعر دونوں یہی
ماحول سے حاصل کئے ہیں۔ کشمیر جنت نظیر ان کا آبائی وطن تو ہے
لیکن طبعاً وہ اس ماحول میں پرائے بھی ہیں اور غریب الدیار
بھی۔ اُن کے عادات و اطوار اور اُن کی نشست و برخاست
اور اُن کی حدیث دلبری کی روایتیں سب کی سب کشمیر سے
زیادہ بیرون کشمیر کی اُردو کا شعری فضا کی پیداوار ہیں۔
بے پناہ انکسار و خاکساریاں اور بے دلانہ انداز زیست
اکبر کی زندگی کے دو ایسے پہلو ہیں جنہوں نے اکبر کو
خلوص کے نام پر ہزار بار قربان کیا، اور لاکھوں صلیب
دار کے سایوں میں کھڑا کیا۔ اگر معصوم گناہوں کی دنیا
حرص و آز میں کوئی قدر و منزلت ہے تو اکبر ایک چلتا پھرتا
افسانہ اور ایک جیتا جاگتا اسطور رہے۔ اکبر کے ثواب و
رنگین گناہوں نے نہ معلوم کتنے بے نام و نمود لوگوں کی
زندگیاں سنوار دیں، کتنے اُجڑے گھروں کی آبادی کا
سامان کیا اور اس سعی اخلاص مآب میں اکبر کی اپنی زندگی
کچھ اس طرح اُجڑ گئی، کہ شاید اس چمن میں دوبارہ بہار
آنے کا کوئی خطرہ اور خدشہ نہیں۔ اکبر کما کما کے
لٹاتے اور لٹاتے رہے اور خلوص کی نیرنگیوں کے رنگین
گناہوں سے اُن پر اس طرح وار ہوتے رہے، کہ بالآخر
اس شعر کی منہ بولتی تصویر بن گئے ؎

کمال ترک تعلق مکمل ہوا آخر بہر غم !
ہوئے عافیت دامن کو دست ناخدا سمجھا تھا میں

مگر ناشر و مصنف ادب کے انسان اور ایسی زندگی کے
نگار کا سب سے بڑی سوغات ہے۔ اسی لئے اکبر
کا سارا کلام غم کے زبردست سایوں اور حزن و ملال

سے ابر مطیر سے مالا مال ہے، یہی وجہ ہے کہ اکبر کے
کلام میں جدت کے بجائے قدامت کی ایسی چھاپ ہے
کہ انہیں آج اس دور کے شاعر کی حیثیت میں پہچاننا مشکل سمجھا جاتا
ہے۔ دراصل اکبر کی شاعری کا مطالعہ ان کے وجود
کے حقیقی حالات اور ان کے ماحول کے پس منظر میں کیا جانا
چاہئے۔ اگر ایسا کیا جائے تو الفاظ اپنے معانی بدل دیں گے
تشبیہ و استعارات قدامت کے ہزاروں پردوں
سے ہی جدت فکر کی نئی نئی تصویروں کی نقاب کشائی
کریں گے، اور ہم دیکھ پائیں گے، کہ زندگی کے غم سے
اکبر کو ہر بار دُہری فکر کے ساتھ کیوں داخل ہونا پڑتا
ہے ؎

یہ جان کر سرا پنا ہم نے تو جھکایا ہے
بس اپنے در سے ہی چھلکے گی یہ پیشانی

لیکن اپنانے روزگار کی ستم رانیوں اور طغیانی
حیات تباہ کاریوں کے دوسرے ہی لمحہ شاعر کو یہ
حقیقت سمجھائی ہے کہ ؎

اب وصل کے وعدوں پر بہر اک سہارا بیٹھا ہے
چھائی ہے محبت پر اک عمر سے ویرانی!

اور وہ آخر واقعات کے اسی منطقی نتیجے پر پہنچے، کہ ؎

اُجڑا ہی کیا آخر بن کے چمن اپنا !
آیا ہی کیا جلتا ہے لیکن

غزل کے ان اشعار کی زبان اور [illegible] قدیم
روایتی نظر آئے، لیکن ان [illegible] واقعات کے
فسانے اور فسانوں کے واقعات [illegible] شہادت
اور دلی کرب و بلا کے [illegible]
[illegible] اکبر کی زندگی [illegible]

حادثے سے حافظہ چھیننے کی تگ و دو میں مصروف رہے ہیں۔ بہرحال ان ناکامیوں اور نامرادیوں کے فتیلے اکبر کی زندگی کی شعلہ سامانیاں محرومیوں کی اوٹ میں ابھریں، چمکیں اور بجھ گئیں ؎

مانندِ اکبر شامِ ہجراں کی ستم آرائیاں
خود بخود گُل کر گئیں چراغ زیرِ داماں ہو گیا

اکبر کی غزلوں میں کہیں کہیں نہیں اکثر جہاد کے خدوخال ابھرتے ہیں مگر قنوطیت کی ایک گہری چھاپ یہاں بھی اکبر کا دامن تھام لیتی ہے، وہ غم کے جشن منانے کے قائل رہے ہیں انہیں اسی کا سب سے بڑا غم ہے کہ

اکبر نے اساتذہ کے کلام کا بالاستیعاب مطالعہ کیا ہے اور اس کا اثر اکبر کے کلام پر جیسا کہ پہلے بھی کہا جا چکا ہے بہت زیادہ پڑا ہے۔ اس اثر نے اکبر کی زبان کو ہیئتاً کی جہاں چمک کا قائل تو کیا ہے لیکن خیال کی نیرنگیوں کو اس حد تک اسیر کیا ہے کہ کہیں کہیں ان کے کلام پر کہانت کی چھاپ ناقابلِ برداشت حد تک نظر آنے لگتی ہے۔ ؎

خالِ رخ دیکھ کے صاحبِ ایماں نہ رہا
کون تھا جو کہ انہیں دیکھ کے حیران نہ رہا

لیکن پھر اس کہانت کے سے صحرا میں کہیں کہیں نظر و بصر کے قافلے، ایسے چشموں پر بھی ٹھہرتے نظر آتے ہیں ؎

ان کو آشفتہ مزاجوں کی خبر کیا ہو گی!
جن کا گیسو بھی کسی وقت پریشاں نہ رہا

یا پھر ؎

درد خاک ہوئی، خاک بھی دیکھی نہ گئی
دل کے اس دشت میں شعلہ کوئی طوفاں نہ رہا

غم آگیں فضاؤں کی تاریکیوں سے کبھی اچانک امید اور حوصلے کی بجلیاں بھی چمک اٹھتی ہیں اور اکبر پکار اٹھتے ہیں ؎

جادہ پیما ہوں جلوہ گاہِ ناز میں دیوانہ وار
بلکہ مقدر آزمانے کی تمنا دل میں ہے

غزلوں [illegible]۔ اور غم سامان ماحول سے نکل کر اکبر نظموں کی دنیا میں بہت آگے بڑھے ہیں۔ اکبر کا جارحانہ انداز اُن کی زیبا شناسی اور عمیق نظر نے کچھ ایسے گرانقدر نقوش کئے ہیں اور یہ کہا جا سکتا ہے، کہ اکبر اپنے ماحول کے مطابق نظم کی دنیا میں "چند قدم" آگے بڑھ سکتے ہیں۔ ایسی نظموں میں "تجدید عہد شہیدان وطن کی یاد میں" "شاعرِ کشمیر مہجور کی یاد میں" اور دوسری نظموں کا تذکرہ کیا جا سکتا ہے۔

"زنداں کی شب" جناب اکبر کی ایک دلگداز اور پُر تاثیر نظم ہے۔ اکبر کب کیوں اور کس طرح زنداں کے اسیر ہوئے، اس کا تذکرہ میں اس کے سوانح نگاروں کے لئے چھوڑ رہا ہوں، لیکن اتنا کہہ دینا ضروری جانوں گا کہ وہ اسیر ہوئے اور شحنۂ شہر نے ان سے وہی سلوک کیا جو حضرت غالب سے ہوا تھا۔ ایسے بے درد اور بے مہر ماحول میں بڑے بڑوں کی وفا کے ضمیر چاک ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہاں اکبر کے آنسوؤں کے جشنِ چراغاں میں جو بات دیدنی ہے وہ ان کی صداقت شعاری، بے گناہی اور حق و عدل کے میزان اور یقینِ محکم کی شہادت ہے۔ انہیں یقین ہے کہ بارہا بادِ عالم پر فکر و فریب کے توسل سے بے گناہوں کے خون کی ہولی کھیلی گئی ہے اور اپنا روزگار کی شعبدہ بازیوں نے اپنے اعمالِ بد کو حسنِ عمل کا نام دینے کے فتوے صادر کئے اور کرائے ہیں، لیکن وقت کی تلوار نے ظالموں کی چیرہ دستیوں کو کاٹ کر رکھ دیا ہے، اور بے گناہوں اور مظلوموں کی داستانوں کو دور دور تک پھیلا دیا ہے ؎

مجھ سے چارہ گر نے مجھے اجنبی کو ایسا [illegible]!
میرے اشکوں کی فراوانی کی خبر تو ہو گی
آج شب میری طرح وہ بھی تڑپتے ہوں گے
آج شب میری طرف ان کی نظر بھی ہو گی
جانے کس حال میں ہیں میرے بچے گھر کے
اے میرے چاند کبھی ان کی خبر تو ہو گی

تک وہ آہ کی یہ جل ترنگ تمہید تو ہے لیکن دوسرے
ہمارے شاعر کی رگوں کا منجمد خون سیماب بن کر بہنے لگتا ہے
اُن میں توانائی اور مقاومت کے آتش فشاں پھوٹ پڑتے
ہیں اور اُن کے ذہن کے تمام آرکی ٹائپس، ماضی کے
اساطیر اور روایات کا ایک بحرِ بے کراں امڈ آیا
لیے نکلتا ہے ۔

تو نے دیکھا ہے صداقت کے علمبرداروں کو
حق پرستی کے سبب طوقِ سلاسل میں اسیر
بے گناہی کے سبب یہی تھا جرم اُن کا
کہ صداقت کی وہ تلقین تھے اک عمدہ ضمیر
کیا عجب ہے کہ یہ دیکھ کے جلاد جو
ظلم ہم جنس پہ انسان کی ددوالی ہے شمشیر

شاعر یہ کہتے ہوئے سراپا استفہام بن جاتے ہیں ۔

تا کجے اہلِ ستم ظلم و ستم توڑیں گے
قوتِ انصاف زمانے میں رہے گی کب تک ؟
بے خطاؤں کیلئے دار و رسن کی تعزیر
آخر انسان پہ بیداد رہے گی کب تک ؟
دور کب ہوگی شبِ ظلم کی تاریکی
عدل کا چاند دھندلکوں میں چھپے گا کب تک ؟

آخر یہاں بعد ایقان کی فروزاں قندیلیں اس شب تاریک کا سحر کا چہرہ دکھاتی ہیں اور شاعر کو تھپکیاں دے دے کر کہتی ہیں کہ ہر شب کا انجام سحر ہے ۔ ادب باجھ ہے ۔ اکبر کا رجحان ادب کا تعمیر کو تحریر کرتا ہے اور اس عقیدے کے بعد تحقیقات کے سمندر نے اور الفطرت کا تجزیہ ایسے پھوٹ نکلا ہے کہ کائنات کا ہر ذرہ مسخر کیا جا سکتا ہے اور تعمیر خوب و زشت کو بدلنے کا کام شروع کرتی ہے ۔

خاک ہو جائے گا اک روز یہ تیرہ ماحول
سطحِ آفاق پہ کرنوں کا سحر ابھرے گا
ڈوب جائیں گے شبِ غم کے یہ بوجھل سائے
مطلعِ وقت پہ خورشیدِ سحر ابھرے گا

صبح کے ساتھ بدل جائے گا ہر نقشِ کہن
اور انسان باندازِ دگر ابھرے گا

اکبر کی ایسی نظموں میں رواں دواں بیانیہ انداز کے زبان اور الفاظ کی طبیعت پر بے پناہ قابو کا پتہ دیتی ہیں۔ یہ وقت نہیں کہ اکبر کی دیگر نظموں کے پس منظر اور ذہنی ماحول کا جائزہ لیا جائے، کیونکہ اس صورت میں ہمارا مضمون تجزیاتی مقالے میں بدل جائے گا۔ لیکن "بہاریہ" صنف کا شعر، اکبر کی نعت نما نظم کے کچھ اشعار بلا تبصرہ پیش کرنے کی جسارت چاہتا ہے ۔

محفلِ طوطی البہت از شاخِ چنار کا شعر
قمریٔ سدرہ ز خضر ملبس الازرک ...
منتقل رضوان نشہ الا باغبانِ احمد
لیس جلی غلمان ز حسن بر دو دار کا شعر
طعنہ زن بر کاخِ کسریٰ خاک ایک ...
خندہ زن بر چرخ خضری سبزہ زار کا شعر

اکبر کے کلام میں "سلام" اور "نعت" کا ایک معتدبہ حصہ ہے ۔ اکبر کی اس صنفِ شاعری میں ان کے خلوص و جذبات کی شمع فروزاں ہر جگہ جلوہ گر نظر آتی ہے ۔ اکبر کے ہاں خالص عقیدت کے جذبات ہی نہیں، بلکہ شعور و خودی دونوں کی جلوہ گری ہے ۔ مثال کے طور پر شعر عرض کرتا ہوں ۔

اے سرورِ دلِ ملت، جان دادۂ طریقت
اک دورِ زندگی ہے اک شہرِ شہادت
اے رہبرِ عالم اے قائدِ سیاست
قرآنِ حرکت ہے تیری کتابِ سیرت
ڈوبی ہوئی ہے جس میں تیرے عمل کی شوکت
اسلام کے چمن کے تازہ نہادِ نکہت

اکبر حیدری نے باوصف اپنی حرماں نصیب حیات کے ایک بھرپور زندگی اور بھی زندگی گذاری ہے ۔ انھوں نے کشمیر میں پہلی بار سنہ ۱۹۴۸ء میں ... کالج کا افتتاح کیا ۔ سنہ ۱۹۴۸ء سے لیکر سنہ ۱۹۶۲ء تک

وہ کل ہند انجمن ترقی اردو کی ریاستی شاخ کے جنرل سکریٹری کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ اس دوران انہوں نے کشمیر کے دور دراز علاقوں کی اردو شناسی اور اس زبان کی ترویج کے لئے کافی جدوجہد کی۔ پچیس ادبی جلسے منعقد کئے۔ اردو املا کا اردو رسائل کتابچوں میں شائع کرکے اندرون و بیرون ریاست کے اردو داں طبقے کی توجہ اپنی جانفشانی اور محنت علمی کے ساتھ ساتھ اس زبان کی ترویج و اشاعت [illegible] اور ریاستی شاخ کے جنرل سکریٹری کی حیثیت میں آپ نے علی گڑھ کانفرنس اور دہلی کے کل ہند اردو کانفرنسوں میں کشمیر کی نمائندگی کی۔ آپ نے یہاں کے صحیح واقعات اور اردو کی تدریجی ترقی کی رفتار سے کانفرنس کو مطلع کیا۔ ۱۹۶۲ء سے ریاست کے [illegible] شاعر [illegible] کے ساتھ [illegible] قائم کیا اور تقریباً آٹھ مسلم طلبا اور طالبات کو رضاکارانہ طور پر ہندی سکھائی۔ ۱۹۶۹ء سے ریاست میں جامعہ اردو علی گڑھ کے امتحانات کا مرکز قائم کیا اور اس ادارے کو یونیورسٹیوں سے تسلیم کرایا۔ اس طرح اردو اور ہندی دونوں زبانوں کو بشانہ بشانہ ترقی کرنے اور آگے بڑھانے کے کام کو اپنے ہاتھ میں لیا۔

اکبر کی صحافتی زندگی بڑی طویل ہے۔ چند نشانات یوں ہیں۔

پنڈت پریم ناتھ بزاز ریاست کے نامور صحافی ہیں۔ ۱۹۴۶ء تک وہ کشمیر سے اپنا لاثانی اخبار ہمدرد کے مدیر اعلیٰ کی حیثیت میں [illegible] ترقی پسند آدمی کے محبوب صحافی کی حیثیت سے مشہور رہے۔ ہمدرد کے ان دنوں ہفتے وار ادبی ایڈیشن بھی شائع ہوا کرتے تھے اور اکبر اس ایڈیشن میں برابر کام کرتے رہے۔ یہ اخبار ۱۹۴۷ء بند ہو گیا اور بزاز صاحب کشمیر سے دہلی چلے گئے۔ اکبر صاحب اس کے بعد ہفت روزہ صداقت کے ساتھ [illegible] اس کی ادارت ۱۹۵۰ [illegible]

قطع نظر

آپ ہفتہ وار حقیقت سے منسلک ہوئے اور چار سال اس کی ادارت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ اس دوران ایک مذہبی اور ادبی جمعیۃ الارشاد کی نظامت کا کام بھی کرتے رہے۔ ان مسلسل تعلقوں کے علاوہ آپ روزنامہ ہماسنسار، روزنامہ زمیندار، سہ روزہ دیش اور دوسرے متفرق اخباروں سے وقتی طور پر متعلق رہے۔

تصنیف و تالیف کے میدانوں میں بھی اکبر خاصے سرگرم ہیں۔

میں مختصراً ان کے قلم کی اعجاز نگاریوں کی فہرست کا تذکرہ کروں گا۔

رہبر مضمون نگاری:۔ بچوں کی خاطر ایک نہایت مفید اور معتبر کتابچہ،

رہنمائے اردو:۔ زبانِ اردو کے صرف و نحو، فن بلاغت اور انشا پر ایک دلآویز تصنیف،

فنِ تعلیم ۱:۔ زبانِ اردو کی [illegible] پر ایک مستند کتاب،

جماعتِ [illegible]:۔ اکبر کی نظموں، غزلوں اور سلام، نوحوں اور نعتوں کا مجموعہ۔

رہبر ہندی:۔ ہندی زبان کی بنیادی جانکاری،

تراجم:۔ اس ضمن میں یونیسکو کی طرف سے شائع شدہ تعلیمی نفسیات کی کتابوں کا اردو ترجمہ اکبر کا جاری کیا ہے۔ ان تمام کتابوں کو محکمۂ تعلیم ریاست جموں و کشمیر نے سرکاری اداروں کی لائبریریوں کیلئے منظور کیا ہے۔

ترتیب و اشاعت:۔ اخبار [illegible] مورخِ کشمیر مولوی محمد شاہ مرحوم کی تاریخ کی ترتیب [illegible]،

شاعرات اور اقبال:۔ مرحومہ شہزادی کلثوم [illegible] کے مقالات کی ترتیب و اشاعت،

معرکۂ کربلا:۔ " " " " " " "

سمع حرم:۔ " " " " " "

یادگارِ کلثوم:۔ " " " " " "

رباعیاتِ [illegible]

اردو کا ہمہ جہت شاعر کرشن موہن

(گنپت سہائے سری واستو۔ ایم۔ اے)

یہ امر مسلم ہے کہ کسی زبان پر کسی خاص فرقہ یا مذہب کی اجارہ داری نہیں ہوتی۔ ہر زبان فرقہ وارانہ اور جغرافیائی حدود اور قیود سے آزاد ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے اردو کو صرف مسلمانوں کی زبان سمجھنا اور کہنا سراسر غلطی ہے۔ اس شستہ و شیریں زبان پر غیر مسلمین کا اتنا ہی حق ہے جتنا کہ مسلمانوں کا۔ جب ہم عہد حاضر کے چوٹی کے اردو شعراء پر نظر ڈالتے ہیں تو متعدد باکمال اور قادر الکلام شعراء غیر مسلموں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ مثلاً فراق گورکھپوری، تلوک چند محروم، جوش ملسیانی، پنڈت آنند نرائن ملا، ہری چند اختر اور کرشن موہن وغیرہ۔ شعراء خواہ ہندو ہوں یا مسلمان مذہبی قیود اور فرقہ وارانہ تنگ نظری سے بالاتر رہتے ہیں۔ اسی لئے کسی شاعر کو ہندو یا مسلمان کہنا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ شعراء بھی زبان کی طرح مذہب، زمانہ اور جغرافیائی حدود سے آزاد ہوتے ہیں۔

اس مقالہ میں راقم الحروف کا مقصد اردو کے منفرد اور بلند پایہ شاعر جناب کرشن موہن کی شاعری اور شخصیت پر ایک [illegible] ڈالنا ہے۔ دنیائے ادب اردو میں آپ شہرت عام اور بقائے دوام کا مرتبہ حاصل کر چکے ہیں۔ سپہر سخن کے مہر درخشاں نوشہ اسد اللہ خاں غالب کی طرح اردو کی [illegible] کو ترک کر کے اپنے لئے ایک الگ تھلگ اور سہانی ڈگر نکال کر اعتماد کے ساتھ اس پر گامزن ہونا اور دوسرے لوگوں کو اس ڈگر پر قدم بڑھانے کے لئے راغب کرنا کرشن موہن کی ایک موہبت ہے۔ غزل میں اردو کے ساتھ ہندی الفاظ کی آمیزش [illegible] وتنوع اور ہیئت میں نئے نئے خوشگوار تجربے ان کی [illegible] ادبی خدمات ہیں جو اردو ادب میں اہم اضافے کی حیثیت رکھتی ہیں۔

سوانح حیات: اس قادر الکلام اور باکمال شاعر کی ولادت ۲۰ نومبر ۱۹۲۲ء کو علامہ اقبال، اسد ملتانی اور فیض احمد فیض کی جنم بھومی سیالکوٹ میں ہوئی۔ چنانچہ سیالکوٹ کی نسبت سے آپ فخریہ فرماتے ہیں ؎

میں جس دھرتی کا بیٹا ہوں [illegible] کی دھرتی ہے
پیدا اس دھرتی سے ہوئے ہیں فیض کئی اقبال کئی

—

تو ایک شوخ باب تھا میرے شباب کا
اے مرکز تخیلات وطن اے سیالکوٹ

آپ کے پدر گرامی جناب گنپت رائے شاکر ([illegible]) ایک خوش کلام شاعر ہیں۔ چنانچہ آپ کو شاعری [illegible] کے زیر اثر ہوئی۔ جناب شاکر کے دو شعر جو آپ کو بہت پسند ہیں یہ ہیں ؎

پہنچنے والے لئے پھرتے ہیں دل ہاتھوں میں
ایک بار ارے [illegible] تیری دلربا کے پاس
شوق دیدار تو لے چلا [illegible]
ناتوانی نے گرا دیا در یار کے پاس

جناب کرشن موہن نے بی۔ اے آنرز (انگلش اینڈ پرشین) کا امتحان مرے کالج سیالکوٹ اور ایم۔ اے (انگلش) کا امتحان گورنمنٹ کالج لاہور سے پاس کیا۔ اردو، فارسی اور انگریزی رسالوں اور کتب کا مطالعہ ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ فارسی، اردو، انگریزی و فلسفہ ان کے مرغوب مضامین تھے۔ فارسی اور اردو میں ہمیشہ اور انگریزی و فلسفہ میں اکثر اول آیا کرتے تھے۔ شعر گوئی اور تنقیدی مضامین لکھنے کا شوق طالب علمی کے زمانے میں پیدا ہوا۔ مرے کالج میگزین کے ایڈیٹر اور سیالکوٹ کی بزم ادب کے صدر بھی وہ انہیں دنوں تھے۔ لاہور میں حلقۂ ارباب ذوق کے

ایک مقتدر رکن تھے۔

تقسیم ہند کے بعد ایک سال تک کرناں میں ویلفیئر آفیسر کے فرائض انجام دیئے۔ اس کے بعد آل انڈیا ریڈیو لکھنؤ کے سب ایڈیٹر رہے۔ پھر پریس انفارمیشن بیورو نئی دہلی میں جرنلسٹ کی حیثیت سے کچھ دنوں کام کیا۔ ۱۹۵۶ء میں انکم ٹیکس ڈپارٹمنٹ میں انکم ٹیکس آفیسر مقرر کئے گئے۔ بعد ازاں ترقی کر کے انڈین ریونیو سروس میں منتخب ہو گئے۔ ادبی ماحول کے باعث آپ کو دلی سے بہت رغبت ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں ؎

جی چاہتا ہے عمر ہماری یہیں گذر ے
گرویدہ کیا ہے ہمیں دلی کے نگر نے

۱۹۶۹ء میں آپ بزم ادب ہماچل شملہ کے صدر تھے اور ان دنوں دلی راٹرس ایسوسی ایشن کے صدر ہیں۔ دسمبر ۱۹۷۰ء میں آپ آل انڈیا ہندی اردو سنگم لکھنؤ کے تکلم الٰہ اردو (۷۱ - ۱۹۷۰ء) سے نوازے گئے۔ اپنے اولین شاہکار "شیرازۂ مژگاں" (مجموعہ نظمیات) پر آپ نے ۱۹۶۲ء میں اتر پردیش سرکار کی اردو اکاڈمی سے ایک ہزار روپیہ کا انعام حاصل کیا۔ بعد ازاں "گیان مارگ کی نظمیں" اور "غزال" پر بھی انھیں گراں قدر انعامات ملے۔

شعری تخلیقات (اردو میں)

۱ - غزال (مجموعہ غزلیات) مطبوعہ جنوری ۱۹۶۰ء
۲ - شیرازۂ مژگاں مطبوعہ جنوری ۱۹۶۱ء
۳ - کونپل کونپل (مجموعہ منتخب نظمیات، غزلیات، رباعیات اور قطعات) مطبوعہ ۱۹۶۲ء۔ اشاد پاکٹ سیریز۔
۴ - بیراگی بھونرا (مجموعہ قطعات) مطبوعہ ۱۹۶۲ء۔ اشاد پاکٹ سیریز۔
۵ - تماشائی (منتخب نظمیات۔ غزلیات اور قطعات) اشاد پاکٹ سیریز۔
۶ - شبنم شبنم، (۷) نگاہ ناز (۸) دل ناداں
۹ - آہنگ وطن (۱۰) گیان مارگ کی نظمیں مطبوعہ دسمبر ۱۹۶۲ء

ہندی کا میں

۱ - روپ درشن ۲ - سروپ میری کامنا کی ۳ - پیاس میری کلپنا کی

کرشن موہن کی نظمیں

شیرازۂ مژگاں

لمبی تختی کے ۱۶۰ صفحات پر مشتمل "شیرازۂ مژگاں" آپ کی جدید رنگ کی ۷۰ آزاد نظموں اور ۴۴ مختصر نظموں کا ایک خیال افروز مجموعہ ہے۔ یہ تمام نظمیں ادبی رنگ کی ہیں۔ یوں تو سبھی نظمیں دلآویز اور فکر انگیز ہیں مگر ان میں گھر بنانے، پتھروں کا نگر، آں دیکھی دوشیزہ، خوشبو کی طرح آوارہ، داشتہ، لمحوں کا دربار، افسردگی، گوڈھول، کلیاں، بیچارہ، ادب ساز، رشتے، عمر کا دلال، ریسٹورانٹ، بیولائے کمگ، حاتب، الفاظ کا جھگڑا، غالب، فراق، میراجی، مجید طوفانی، لاجواب نظمیں ہیں۔

جناب کرشن موہن کی نظموں میں ان کی انفرادیت اور علم و فضل کی چھاپ ہوتی ہے۔ ان کی نظمیں آج کل اکثر شعراء کی نظم گوئی کے عیوب سے پاک ہوتی ہیں، چونکہ ترقی پسندی اور جدیدیت کے نام پر آج کل نثری اور آزاد نظمیں اور بے کیف غزلیں لکھنا آسان ہو گیا ہے۔ اس لئے نام نہاد شعراء کی تعداد اعداد و شمار سے باہر ہے۔ شعراء کی آزاد نظموں کا نہ تو کوئی عنوان ہوتا ہے اور نہ کوئی واضح مفہوم۔ ان کی اکثر نظمیں مبہم اور غیر مربوط ہوتی ہیں۔ ان کی کسی نظم کو پڑھ کر یہ معلوم کرنا کارے دارد ہے کہ شاعر نے کس خیال اور مضمون کو شعری جامہ پہنایا ہے۔

چونکہ جناب کرشن موہن کی نظموں کا موضوع عموماً ادبی ہوتا ہے اس لئے وہ غیر فانی کشش کی حامل ہوتی ہیں۔ انھوں نے اکثر اچھوتے اور جدید موضوعات پر طبع آزمائی کی ہے۔ ان کی نظموں میں معانی کی جدت، فکر کی بلندی اور احساسات و جذبات کی خدمت ظہور پذیر ہوتی ہے۔ دلکش اسلوب بیان کے ساتھ ساتھ الفاظ کی شوکت

بندشوں کی چستی، زبان کی صفائی و روانی اور شادابی و فطری ذوق کی طلاوت سے ہر نظم ادبی لطافتوں کا ایک مرقع معلوم ہوتی ہے۔ انھوں نے فرسودہ اور پٹے ہوئے عنوانات پر نظم لکھنے سے احتراز کیا ہے اور نظم نگاری میں جدت و ندرت لاکر نظم کے حسن کو نکھارا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں ؎

ہے کرشن موہن یہ قابلِ قدر باعثِ ناز کام اپنا
غزل کو ہم نے نئی زبان دی تو نظم کے حسن کو نکھارا

کرشن موہن کی نظموں سے یہ صاف عیاں ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنی قابلیت، اعلیٰ ذہانت و ذکاوت اور وسیع علم کے ساتھ ساتھ انسانی زندگی کے مسائل اور طرزِ معاشرت کا گہرا مطالعہ اور مناظرِ فطرت کا بغور مشاہدہ ایک فلسفی کے نقطۂ نظر سے کیا ہے۔ ان کی نظموں کے عنوانات پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے یہ صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ ان کے توسنِ فکر کی جولانیوں سے کرۂ ارض کا کوئی گوشہ اچھوتا نہیں بچا ہے۔

اردو کے عام شعراء کے مقابلے میں کرشن موہن کی شاعری روایتی و رسمی استادوں کی کارفرمائی کی ممنون نہیں۔ انھوں نے اپنے ذوقِ سلیم ہی کو اپنا ہادی و رہنما بنا رکھا ہے۔ یہ امر ان کے ذہین شاعر ہونے کی بین دلیل ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں :-

قطعہ

اے ملکی ہے جذبۂ فطری کچھ اور چیز
ہے اس کا انحصار خدا کے کرم پر
تجھ کو غرور ہے کہ مرید فلاں ہے تو
نازاں ہوں میں تمتعِ ذوقِ سلیم پر

یہ بھی اُن کی ندرت ہے کہ انھوں نے اپنا ادبی نام یا تخلص بھی اردو کے عام شعراء کے روایتی مذاق سے ہٹ کر "کرشن موہن" اختیار کیا ہے۔

انتخابِ نظمیات

مجموعۂ "تیرۂ نظر" کالم سے آپ کی چند منتخب نظموں کے کچھ دلآویز ٹکڑے ذیل میں پیش کئے جا رہے ہیں۔ "سانپ" ایک نہایت دلکش نظم ہے جس میں شاعر کے تخیل کی نزاکت و رعنائی قابلِ ستائش ہے۔ اس کا کچھ حصہ ملاحظہ ہو :

سانپ نہ زہریلے ہوتے تو
چنچل دوشیزائیں ان کو اپنے گلے کا ہار بناتیں
رومانی راتوں میں اپنے ساتھ سلاتیں
کالے من کے کالے بھنورے
ورنہ حسینائیں البیلی
کرتیں یہ بھی اک اٹکھیلی
ڈال کے اپنی سحر انگیں آنکھوں میں کجرے
پہنا کرتیں بانہوں میں کالوں کے گجرے
سانپ کی بل کھاتی چالوں میں وہ دلکش مستی ہے
جو خاموش ندی کی لہروں میں بستی ہے
اس کے جسم کی لہر یہ مرلی سے دنیا کی ہر رقاصہ
اس کا اک اک انگ ہے مجموعۂ رنگ و نغمہ
جتنا خوش گل اتنا قاتل
جانِ حسن ہے زہرِ ہلاہل

پچھی

ایک نہایت دلچسپ نظم ہے جس کے پڑھنے سے پیسیوں کے حلیہ اور عادات و اطوار کی ہو بہو تصویر آنکھوں کے سامنے کھنچ جاتی ہے۔

راہرو، بے نیازِ منزلِ زیست
ذہن و دل میں خیال الجھے ہوئے
رُخ پہ خوابوں کے جال الجھے ہوئے
ناتراشیدہ بال الجھے ہوئے
روز و شب ان کا پھیر جاتا ہے
کیفوں پر رستے رستوں رادوں پر
نام کھدوا کے اپنا راہوں پر
پھیلے پھیلائے ہوئے ہیں شانوں پر
ایک ہی جامہ جاگتے سوتے
اپنے ہی آپ میں سمائے ہوئے
نکر و دانش ... سلائے ہوئے
کتنے دن ہو گئے نہائے ہوئے
... چہرے ... ہوئی ...

رات دن گھومتا دیار دیار
ٹیکے اور ٹھیکیاں کنار کنار
نہ کوئی کام، نہ کوئی افکار
گتھیاں نہ پا جائے، [illegible] کرتے
اب ہیں ملبوس ہم [illegible] کے
میلی بغلوں میں بچے بالوں کے
کیا ہیں منظر تیرے خیالوں کے

جناب فراق گورکھپوری پر کچھ لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ وہ غلط شعر بھی کہتے ہیں اور ان کے اشعار عروض کی کسوٹی پر پورے نہیں اترتے۔ وہ غزل کی روایت کی پروا نہ کرکے بدعت کے شائق ہیں۔ ان کی زبان بھی اکثر غیر مانوس اور غزل کی طبع نازک کے لئے بوجھل ہوتی ہے۔

جناب فراق گورکھپوری پر کچھ لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ وہ غلط شعر بھی کہتے ہیں اور ان کے اشعار عروض کی کسوٹی پر پورے نہیں اترتے۔ وہ غزل کی روایت کی پروا نہ کرکے بدعت کے شائق ہیں۔ ان کی زبان بھی اکثر غیر مانوس اور غزل کی طبع نازک کے لئے بوجھل ہوتی ہے۔ جناب کرشن موہن نے ایسے بدمذاق ناقدوں کو اس نظم میں جناب فراق کی تائید میں منہ توڑ جواب دیا ہے۔ اس نظم اور اسی طرز کی ایک دوسری پابند نظم "غالب" میں شاعر نے اپنی قادر الکلامی، جودت طبع اور گوہر افشانی کے جوہر کھل کر دکھائے ہیں۔ پوری نظم ملاحظہ ہو۔

یہ کہتا تھا اک ناقد بدمذاق: غلط شعر کہتے رہے ہیں فراق
نہیں جادۂ راست سے اتفاق [illegible] سے بہت انطباق
ہوا ہے کئی بار یہ [illegible] کر دی ہے زبان غزل کو طلاق
روایت سے کر رکھا ہے [illegible] عاق، بغاوت سے ہے اتفاق [illegible]
ہے بے بنیاد جو قیود و عروض [illegible] چلے برخلاف سیاق و سباق
نکالی وہ بدعت کی [illegible] ہوئی گفتگو [illegible] شعر طاق
زبان اجنبی ہے [illegible] بیان [illegible] اشعار [illegible]
عجب ان ادیبوں کا [illegible] کیا ہو فراق
قدر ناشناس ماہر علم و فن [illegible] خود اذکار رہا
مگر جان پایا نہیں اب تک [illegible] قواعد اور اشعار کا
عدول روایت پر چلتا رہا، دکھاتا رہا [illegible]
کہ ایسا مصرع غلط ہی سہی، کہیں جس طرح سے
اسی آرزو میں تڑپتا رہا، تو رہا عمر بھر دل میں یہ
جو بند [illegible] صرف و نحو، تو وہ جائے کا کیا [illegible]
جنوں کی فضا ہے حد و بیکراں
خرد کے ہیں محدود طاق و رواق

کھردرے پتھروں کا نگر

اس دلچسپ نظم میں چاند کی طبعی ساخت سے شاعر کی مشابہت قائم کرکے ان کی دلی کیفیات پر شاعرانہ نقطۂ نظر سے روشنی ڈالی ہے۔ بخوف طوالت ٹکڑا ملاحظہ ہو۔

دور سے ہے حسین کس قدر
کھردرے پتھروں کے مگر نگر ہیں، چاند کے
سنگ دل کس قدر ہیں حسیں
گرد یا طین ہیں درخشاں جبیں
ان کا درد دکھ بھی کم نہیں

جبرِ تقبل کے قتیل

اس پر لطف نظم میں آپ نے آج کل کے علم سے بے بہرہ نام نہاد شعراء کی مہمل اور مبہم نظم نگاری پر طنز کیا ہے۔ بخوف طوالت محض کچھ حصہ ملاحظہ ہو۔

جو منہ میں آئے بک دینا
اور خراج تحسین لینا
اُچھلے ہو کر خود کو [illegible] کہتے ہو
مہمل مصرعوں کو احساس کا [illegible] کہتے
سخت طبیعت ہو کر تم کومل بن بیٹھے
کیکر بھی صندل بن بیٹھے
دکھ [illegible] ہو کر بھی تم

کہا بے چارہ ناقد [illegible] سمجھتا رہا خود کو [illegible]

سمجھے ہو خود کو مت مومن
شعروں میں لگا ہے ہاتوں کا سا اگھڑا پن

محرومِ نظر ہیں جو تھے بھکاری
آ جنگے بازارِ انقلاب میں ہر شے کے بھاری بیوپاری

شیرازۂ مژگاں

طویل نظموں کے علاوہ اپنے دامن میں تمیں مختصر نظموں کا بھی ایک نظر نواز گلدستہ لئے ہوئے ہے۔ بخوفِ طوالت دو مختصر نظمیں ملاحظہ ہوں۔

گرانی

رہی جو یونہی گرانی کی یورش پیہم
تو بیس تیس برس کے بعد ہوگا یہ عالم
فقیر لوگ یہاں
بجائے پیسوں کے سو سو کے نوٹ مانگیں گے
صدا یہ آئے گی "اک سو کا نوٹ" دے بابا"

منجمد طوفان

اس مختصر نظم میں تشبیہات کی جدت و ندرت قابلِ غور ہے۔

شوخ سینے کا ابھار
اس طرح سمٹا ہے چولی میں کہ جیسے کوئی باغی مان جائے ہنچ ہار
جیسے فیلِ مست کی آنکھوں پہ ہو پٹی بندھی
جیسے کوئی موجۂ سرکش تلاطم در کنار
دفعتاً ہو بے قرار

قطعات

بیراگی بھونرا

۴۴ صفحات پر مشتمل یہ کتاب جناب کرشن موہن کی غزل رباعیات، مختصر نظموں اور ۵۴ قطعات کا ایک نظر نواز مرقع ہے۔ قطعات میں عموماً ادبی، عشقیہ، شبابی اور زندگی کے گوناگوں پہلوؤں کی عکاسی دلکش پیرائے کے ساتھ کی گئی ہے۔ چند منتخب قطعے ملاحظہ ہوں۔

(۱)

متاعِ امن اب زیرِ بحث جا رہی ہے
محبت اب قبر میں بستی جا رہی ہے
دلوں پہ جم گئی اب گرد کدورت
یہ بستی شہر بنتی جا رہی ہے

(۲)

جگر ہے کہ سر ٹکرا رہا ہے
ان میں تنگ کوئی در آہنگ
سمجھ میں کچھ نہیں آتا کریں کیا
جدید اشعار کا ہم دم گھٹ گیا

(۳)

دل شکن تھی کاوشِ شامِ فراق
جانفزا ہے تابشِ صبحِ وصال
روپ نکھرا ہے ترا یوں کہ بدنِ بسمل
دھوپ نکلے جیسے بعدِ برشگال

زوجہ و داشتہ کے فرق شگفتہ انداز میں کس خوبی سے آپ بیان کرتے ہیں۔

(۴)

صحبتِ بے کیف زوجہ روز و شب
گاہے گاہے لطف و کیفِ داشتہ
دھرم پتنی سادہ بھوجن بے مزہ
داشتہ اک پر تکلف ناشتہ

(۵)

وجاہت کا تمنائی ہوں چاہت کا چہیتا ہوں
اکھڑیوں سے عشق کا پیغام لیتا ہوں
حسینان بریہہ سادہ دل بنا دیتا ہوں
دل دیوانہ و مستانہ کا خدا ان بنا ہوں

(۶)

بھولوں بیٹھے ہیں یہ سب [illegible]
ایک بس تیری [illegible] ہے
تیری [illegible] سا
[illegible] دل [illegible] ہے

کرشن موہن کی غزل [illegible]

غزلیں [illegible] کرشن موہن کی غزلیات کا مجموعہ [illegible]

جنوری ۱۹۶۲ء میں شائع ہوا تھا۔ یہ تذکرہ کتاب لمبی تختی کے ۱۶۰ صفحات پر مشتمل ہے

کرشن موہن جدید شاعری کے سربرآوردہ نمائندہ اور نقیب تصور کئے جاتے ہیں۔ انھوں نے نظم، قطعہ، رباعی اور غزل یکساں چابکدستی کے ساتھ طبع آزمائی کی ہے اور نہ صرف نظم کو نثری خشکی و افسردگی سے بچالیا ہے بلکہ محبوبۂ غزل کے حسن کو بھی تازگی و رعنائی بخشی ہے۔ انھوں نے اس کے لباسِ کہنہ کو اُتار کر اُسے نئے جاذبِ نظر جامہ میں پیش کیا ہے۔ تہذیب و تمدن کے بدلتے ہوئے ماحول کے زیرِ اثر انھوں نے غزل کو نئے موڑ دئے ہیں اور اُسے نئے سانچوں میں ڈھال کر اس کے حسن کو نکھارا ہے۔ غزل کے روایتی و رسمی حدود کو توڑ کر اس کے میدان کی نہ صرف توسیع کی بلکہ اسے لامحدود قرار دیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں ؎

قطعہ

ہماری جدت نہیں ہے محدود نظم ہی تک
ہر ایک صنفِ سخن کو اپنے نشاں دئے ہیں
غزل کے موضوع میں بھی توسیع کی ہے ہم نے
غزل کی ہیئت میں بھی نئے تجربے کئے ہیں

اردو کے مایہ ناز شاعر اور نقاد جناب فراق گورکھپوری آپ کی معرکتہ الآرا تخلیق "غزل" اپنی رائے کا اظہار یوں فرماتے ہیں۔

"غزل" کرشن موہن کی تازہ غزلوں کا مجموعہ ہے۔ ان کے کئی مجموعے منظرِ عام پر آکر توجہ اور دلچسپی کا باعث بن چکے ہیں۔ کرشن موہن کی مشقِ سخن ایک مسلم حقیقت ہے۔ ان کو اپنے خیالات اور محسوسات کے اظہار پر قدرت حاصل ہے۔ ... غزل کی شاعری نہایت رنگارنگ ہے۔ جو ان نئے رنگوں کے پھول گلستانِ غزل میں کھل چکے ہیں وہاں نئے رنگ کا اضافہ بھی تو اپنے لئے جواز کا دعویٰ کرسکتا ہے اور قابلِ قدر ہے۔ کرشن موہن اپنی غزلوں میں ٹھیٹ ہندی کے بہت سے ایسے الفاظ بھی شامل کرتے ہیں جو روایتی لغتِ غزل سے مختلف ہیں۔ یہ الفاظ ایک تازہ فضا کو جنم دیتے ہیں۔ اس سے اعتبار سے بھی "غزل" اردو غزل کا ایک نیا تجربہ ہے۔ سامنے پہنچنے سے لوگ یقیناً محظوظ ہوں گے۔

اردو کے ایک دوسرے ممتاز شاعر و ادیب آنند نرائن ملا مجموعہ "غزل" کے متعلق لکھتے ہیں "غزل" کرشن موہن کا ساتواں مجموعۂ شعر ہے۔ آج کرشن موہن کی شاعری کے تعارف کی ضرورت نہیں رہی۔ ان کی شاعری پختگی کی منزل تک پہنچ چکی ہے اور اب اس کے کلام کے خدوخال میں ان کی شخصی انفرادیت کی جھلک ملتی ہے۔ کرشن موہن نے اس مجموعہ میں غزل کو خالی نئی صورت اور نیا لباس ہی نہیں دیا ہے۔ نئی زبان، نئی ادائیں اور نیا مزاج بھی دیا ہے۔ کسی نئے فنی تجربہ کے بارے میں قطعی رائے صرف اپنے ذوق کے سہارے ہی دی جاسکتی ہے۔ ممکن ہے جو لوگ ان کی کمی بیشی کر کے تجربے کئے گئے ہیں ان میں سے کچھ غزل کا مستقل حصہ قبول نہ کرسکے لیکن ان غزلوں کی زبان یقیناً اردو زبان کے دامن کو وسیع سے وسیع تر بناتی چلی جاتی ہے۔"

کرشن موہن نے مضامینِ حسن و عشق، اخلاق، فلسفہ، تصوف و عرفان اور مضامینِ زندگی کے ساتھ ساتھ رامائن گیتا اور اپنشد وغیرہ کے دیوتاؤں اور اشلوکوں کے مفہوم و سائنسی ترقیات کے ذکر کو بھی غزل میں سمو کر اس صنف کی توسیع کی ہے۔ غزل ان کے یہاں ایک ہمہ گیر صنف بن گئی ہے۔ غزل کے مضامین میں تنوع، اشعار میں ہندی الفاظ کی آمیزش اور غزل کی ہیئت میں نئے تجربے ان کی جدت پسندی کے مظہر ہیں۔ چنانچہ آپ نے فرمایا ہے ؎

یہ نیا رنگ، نئی سوچ، نئی لوچ لچک
روشِ عام سے بالکل ہے جدا فن اپنا
کرشن موہن ہمیں کیوں فکر ہو اپنے فن کی
خود بنالے گا جگہ اپنی نیاپن اپنا

ان کے لحاظ سے کرشن موہن کی غزلیں چار قسم کی ہیں۔

(۱) بیشتر غزلیں ایسی ہیں جن میں فصیح اردو زبان، الفاظ و تراکیب کا استعمال کیا گیا ہے۔ الفاظ نے شبہ استعمال نہیں کئے گئے ہیں

بعض غزلیں ایسی ہیں جن میں خالص بھاشا کی عام فہم
زبان استعمال کی گئی ہے۔ ان غزلوں کے ذریعہ
ب نے یہ دکھلایا ہے کہ کس طرح ہندی بھاشا میں بھی
زل کامیابی کے ساتھ لکھی جا سکتی ہے
پ کی بیشتر غزلوں میں متعدد اشعار دیکھے پائے جاتے
یں جن میں اردو، فارسی الفاظ کے ساتھ ٹھیٹ ہند
ے نرم اور شیریں الفاظ کی آمیزش اس خوبی سے کی گئی
ہے کہ اس سے شاعر کے فنکارانہ کمال کا اظہار ہوتا
ہوتا ہے۔ اردو اور ہندی زبان کے حوالوں سے
ہ موتی اور رنگا رنگ تے ہیرے ہیں کہ جس خوبی سے
ہیں پرو دیا ہے اس کی داد دیے بغیر نہیں رہا جاتا۔ گنگا
ی زبان کی شیرینی و دلکشی کے ساتھ ساتھ مضمون
کی نزاکت تخیل اور جذبات کی عکاسی بھی قابل
تحسین ہے۔

کھڑی بولی غزلیں جن میں زبان و بیان کے کھردرے
پن کے ذریعے روزمرہ کے حقائق کی ترجمانی تیکھے
طنزیہ انداز بیان میں کی گئی ہے۔
غرضیکہ کرشن موہن کی شاعرانہ زبان اردو اور
ہندی زبانوں کے، لفظوں کے سنگم کا عملی نمونہ ہے جس
کی تقلید اگر اردو اور ہندی کے دیگر شعرا خلوص
دل سے کریں تو قومی یکجہتی کا جو اور قومی یکجہتی
کے جذبے کو یقیناً تقویت پہنچے گی۔ آپ اپنے
کلام کی اس خصوصیت کی طرف یوں اشارہ
کرتے ہیں ؎

خالص ہندی کا رس، فارسی کی شوکت بھی
سب رنگ لئے غزل کرشن موہن کی ہے

خالص اردو ... میں لکھی ہوئی غزلیں خاص زبان
اور اسلوب ... کے لحاظ سے بہت خوب ہیں۔ ان میں
الفاظ کی تکرار اور ترکیب کی بندش سے حسن پیدا
کیا گیا ہے ... نادر تشبیہات ... سے شعر ... سے
بھرا ہوتا ہے۔ حالانکہ کرشن موہن انگریزی زبان

کے رومانی شاعر کیٹس کی طرح فطری طور پر بڑے حسن پرست واقع
ہیں پھر بھی محبوب کے حسن و جمال اور دیدار و وصال کی رنگین
عکاسی کے ساتھ ساتھ ان کے کلام میں یاس و حسرت اور درد و
فرقت کے جانگداز مرقعے بھی کثرت سے ملتے ہیں۔
آپ نے جہاں غزل کے موضوعات میں توسیع کر کے
اس میں تنوع اور ہمہ گیری پیدا کی ہے اس کی ہیئت میں بھی نئے
نئے تجربے کئے ہیں۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:
"غزل کی بیت ہنوز قافیہ و ردیف کی پابند ہے
ردیف غزل کے پاؤں میں ایک گراں زنجیر ہے۔
اگر ردیف میں قافیہ جلوہ گر ہو جائے تو آزادی
کی طرف ایک نئی راہ نکل آئے گی۔ اور تنوع
بھی پیدا ہو گا۔ میں ایجاد مذکور کو صنعت قافیہ
و ردیف کا نام دے رہا ہوں۔ آپ کی اس
قسم کی غزلیات کے چند شعر ملاحظہ ہوں ؎

ذرا اگلنے کو ہیں بیتاب سمندر کتنے ... ہیں دریا کے
اپنے جذبوں کی اتھاہ ... ہے ...
ایک دل ... کی ... ایک ... اپنے ہونے ...
... جسم کی ... کیوں ... فرماتے

آخر شب بھی مرقع کیف و کمال ہے
مٹ گئی ہیں شاہسواروں کی بستیاں
اب یہ زمین عدو خوابِ عزم جواں نہیں
منزل ہی ہیں چاند ستاروں کی بستیاں
میں نے تمام رات گذار دی ہے جاگ کر
تڑپا کیا ہوں ہجر کی جدائی کی آگ پر
من کا مناؤں میں ہے ایک کھڑا ہوا
تن جوگ دھار بیٹھا ہے ... کر
بھاگ تو او پیچھے پڑے ... زمانے
... بھاگ کر
ایک غزل میں ایک اور تجربہ کیا ہے ... غزل کا مصرع
... ایک ... ہے ...

اس سے غزل کے [illegible] میں ایک خوشگوار تغیر پیدا کیا ہے ۔ اس قسم کے دو شعر ملاحظہ ہوں ؎

چلی نہیں کا مزہ اتنا ہے لوٹ لو تو کبھی [illegible] کا [illegible] ہی ہمیں مے لوٹ
اتنی ہستی بھی تو اچھی نہیں [illegible] سے ہے ساغر [illegible] ہاتھ سے چھوٹ

غزل کے مندرجہ ذیل اشعار [illegible] اول میں دو رکن

بر وزن فعلن کم ہیں :۔

کیا آنے کو ابھی پیاسے پر ہوش نہیں
مجھ کو ہو شاید ہوش اپنا مجھ کو تو اپنا ہوش نہیں

آنکھوں میں ہے سنگھرش اپنا [illegible] اپنا
[illegible] دھرتی کی آغوش نہیں

ایک غزل کے مندرجہ ذیل اشعار کے مصرعِ ثانی میں ایک رکن

بر وزن فاعلاتن کم ہے :۔

[illegible] کے [illegible] ہے کر رکھا ہے تنگ
[illegible] آتا ہی نہیں ہستی کا رنگ

ایک [illegible] ہے نیاز تمام [illegible]
اب میرے دل میں نہیں کوئی امنگ

[illegible] کیوں [illegible] آنسو کر [illegible]
کر [illegible] دل [illegible] سنگ

مندرجہ بالا اشعار سے یہ بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ غزل کے

[illegible]

[illegible]

میں [illegible] زبان [illegible] ہندی [illegible] اردو [illegible]

[illegible] کر الفاظ کی خوشگوار [illegible] کی گئی ہے ؎

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

نوٹ دیتی ایک شکن میں ملکن — مورتی سیمون نے جلن کا [illegible]
پاس کا دامن ہے اور اتنی دل — ہم سمجھے تھے آس [illegible]
چھا گئی ہیں گھٹائیں ساون کی — کاستائیں ہیں پریم بندھن کی
پیاس رہتا ہے تیرے درشن کی — بیکل دیکھ میں تیرے تن کی
تیری آنکھوں ڈال دے آنکھیں — دور رہوں سب آسپاس کی
لب پہ رہتا ہے نام ساجن کا — دل میں رہتا ہے یاد ساجن کی
تیرے ہونٹوں میں اس محبت کا — تیرے نینوں میں جو بسا جیون کی
اب انھیں کس طرح منا لیں گے — ہو کوئی وجہ بھی ان بن کی
مندر کا دیا اداس اداس — جیسے جلتی ہو آس برہن کی

وہ من سے شستہ سماں جو آہستہ رہ جاتے ہو
پھر گنگنا رہی ہوا جنہیں سے گھنگرو آرہے ہیں !
وہیوں سے زیادہ ملا نیے ہیں لئے سے زیادہ سلیلے ہیں
یہ ہونٹ رسیلے چکیلے ، کومل کومل چنچل چنچل
مستی میں ڈبو دینے والے رنگین مدرا کے پیالے ہیں

مندرجہ ذیل اشعار کرشن موہن کی نعیمی اردو زبان میں لکھی ہوئی غزلوں سے منتخب کئے گئے ہیں ۔ ان میں محاسن زبان و معنی کے ساتھ ساتھ یاس و فرقت کے درد انگیز مرقعے جا بجا ملتے ہیں ۔ آپ نے اپنے اکثر اشعار میں محبوب کی طرف سے عشق و محبت اور [illegible] درد و فرقت کا اظہار کیا ہے جو غزل کا ایک نہایت خوشگوار اور اہم پہلو ہے اور جس کا فقدان اردو غزل میں قدرے [illegible] محسوس کیا جاتا ہے ۔ اردو کے دیگر شعراء کو بھی اس جانب خاص توجہ دینی چاہئے ۔

[illegible] وہاں میں [illegible] فراق کی [illegible] — میں سہ رہا ہوں [illegible]
[illegible] ہے [illegible] کر والا اور [illegible] — مجھ کو [illegible] اور [illegible]
تو [illegible] دوست [illegible] — [illegible] دل [illegible]
تمام فراق [illegible] ہے گویا [illegible] — [illegible] دو [illegible]
[illegible] مرگ [illegible] حیات — دیتا ہے ایک [illegible]
میرا [illegible] ہے [illegible] رہا — [illegible] خیال [illegible] بہیر
[illegible] میں [illegible] — [illegible] سے [illegible]
[illegible] — [illegible] زندگی [illegible]

ہے حرم کر سیجا ہے ہر تمام رات — سوئے ہیں تھک کر نیند انھیں بیدار کیا کریں
یں لاڈلے کی آنکھیں بس میگا ہا — آزاد ہو کے تیرے گرفتار کیا کریں
وہ تیکھی ہے آس کر ساجن نے سیج پایا — جب من پیا ہو اداس تو شرنگار کیا کریں
دے کے ایک دل تھا ہمارا سو گیا — یہ بھی ہوا اب ان کا طرفدار کیا کریں

یوں دو بند وقتِ تقویٰ بیچا مگر — پوچھا جائیں جب گھٹائیں تو مے خوار کیا کریں

" بدن " کی ردیف یا قافیہ میں شاعر نے تین چار نہایت حسین و رنگین غزلیں لکھیں ہیں۔ چند منتخب شعر ملاحظہ ہوں:—

شام وصال خوب چمکتا ہوا بدن — بعدِ شبِ وصال نکھرتا ہوا بدن
ک ایک چند کرنوں کا رکھتا ہے رنگ — جلووں کو سلسلے سے بکھرتا ہوا بدن
تا رہا سرور لینے کا بار بار — سردی کی رات میں نہ ٹھٹھرتا ہوا بدن
تیا ہے اہلِ شوق کے دل کو سنگار میں — ہر آن رنگِ نو میں سنورتا ہوا بدن

یا کے حکم پہ چلتے ہوئے بدن دیکھے — ہوس کی آگ میں جلتے ہوئے بدن دیکھے
بن کے ناچ، نندو نسیم کے تماشے میں — نظر نواز مچلتے ہوئے بدن دیکھے
سپردِ خاک ہوا اہل کے قصر میں تقویٰ — جو بے ستور کے نکلے ہوئے بدن دیکھے

کتنا صبیح کتنا سجل ہے بدن ترا — نکھرا ہوا حسین کنول ہے بدن ترا
ہرے جنونِ عشق کی تصویر ہے مرے — جذباتِ دل کا تاج محل ہے بدن ترا
ہر زرے بدن کا تصور ہے جلوہ گر — جیسے کہ میری روح میں حل ہے بدن ترا
ہر ایک انگ ہے اک شعرِ دل نواز — چنگی ہوئی لطیف غزل ہے بدن ترا
ہر دم ہیں وہ عشرتِ لمس جمیل سے — کہتے ہیں جو فریبِ عمل ہے بدن ترا
سینہ سنگ رہا ہے ترے تقاضے میں — مطلوبِ آرزو واصل ہے بدن ترا

اچھوتے اور مشکل ردیف و قافیہ میں ایک غزل کے مندرجہ منتخب اشعار کرشن موہن کی ذہانت و کاوش کا اظہار کرتی لے رہے ہیں۔ —

تو آخر مقصود ہوس ہے مجھے عشق نے مجبور کیا
اے حسنِ شوخ، ہر جائی تیری نیت ہے کیونکر

دل کا پھیلا رنگ ہے جس سے اس کو سمجھانے مر جائے
ناز نہ کرے کیونکر اب جن راہزن نے کیونکر
حسن میں اب وہ جو ہب تیکھی اہلِ اذہاں بچا کر نہیں
بچو قلبِ شوریدہ مگر مشکل کو وہ کسے کیونکر
اپنے پاس تو من کا دھن جتنا بھی بچا ہو لے لو
ہم ٹھہرے جوگی بیراگی در در ہو اپنے کئے کیونکر
مایا نے من کو گھیر لیا ہر دم ہے یہ فکر مجھے
خواہش اپنا جال بچھائے، چلے حرص کیونکر مجھے

ایک غزل کے مندرجہ ذیل اشعار میں نزاکت تخیل، لطافتِ بیان اور ندرتِ تشبیہ و استعارہ کے ساتھ ساتھ اردو اور ہندی الفاظ کی آمیزش اس خوبی کے ساتھ کی گئی ہے کہ شاعر کے فنی کمال کی داد دینے ہی بنتی ہے —

گوری ہیں گو نجی ہیں تری شوخ ادا پایل — چھلی جھلی چراتی مچلتی ہے تالیاں
ہے لیے میرے دل پہ تمناؤں کا ہجوم — تختہ کو جیسے گھیر لیں البیلی بالیاں
رقصاں ہیں یہاں کی غزل رنگین بہت یا دن — ابرارے کالے کالے حسین سیندوالیاں
چیونٹی کا رس بھی ان پیج چین کا حسن کچھ یہ ہونٹ آنکھیں کی دلکو پیالیاں
یوں تیری تام پلکیں ہیں آنکھوں پہ سایہ فگن — جیسے جھکی ہوں پھولوں پہ سرسبز ڈالیاں
ہو گا طلوع کب مرا سورج مراد کا — میری سیہ کی یہ لیاں چھائی ہیں کالیاں

عشرت فزا ہے موسم رنگیں بہار کا ہیں
دل چاہتا ہے ہم بھی اک رخنہ کو جا ہیں
یہ کالے کالے گیسو، یہ گورے گورے عارض
یہ گول گول باہیں، یہ پرفسوں نگاہیں
سمٹی ہوئی ہیں ان میں چاہت کی ایک دنیا
اک مرمریں شبستاں تیری گداز باہیں
اہلِ جہاں سے چھپ کے راتوں کو چپکے چپکے
لیتا رہا ہوں اکثر ان کی پناہ میں پناہیں
گوہر مقصود کا ملنا نہایت مشکل سہی دل میں لیکن ارادہ تو مرے بیک ہو تو ہو

عہ اس شعر میں عشق اور ارادت کا اظہار محبوب کی جانب سے کیا گیا ہے — اردو غزل میں اس قسم کے اشعار کی بہتات کم ہی ہے۔

کیوں نہ داد دیں کیوں نہ لطف زیست لیں
کیوں نہ ہم بھی بھر کے جام تیرا فرش مرنا تو ہے

مرہم شگفتگی تیری یاد کو چمکا دیا ہے، آج تیرا غم سوا ہے آج دل کی لغت
پہچی کیا حسن مطلب ہے، یہ بھی کیا شاعرانہ کوئی بودہ خشندہ فقرہ اور کوئی تیر محبت
جمال خود نما کو تابکے رکھو گے پردے میں
یہ سوز عشق کے مانند عریاں ہو

کرشن موہن کے کلام کا ایک سرسری مطالعہ بھی یہ بات ظاہر کرتا ہے کہ ان میں ندرت اور جدت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ علمی قابلیت اور ناقدانہ لیاقت کے ساتھ ساتھ الفاظ بیان پر انہیں حاکمانہ قدرت حاصل ہے۔ ہاکی کے شہرۂ آفاق کھلاڑی میجر دھیان چند اگر ہاکی کے جادوگر کہے جاتے ہیں، تو دنیائے ادب میں کرشن موہن اپنی غیر معمولی قادر الکلامی کے باعث ساحر الفاظ و معانی کہے جانے کے بجا طور پر مستحق ہیں۔ غزل میں اردو کے ساتھ ہندی الفاظ کی آمیزش ایک اہم اور خوشگوار تحریک ہے جس کے آپ مرشد و مجاہد کہے جا سکتے ہیں۔

دنیائے ادب میں اپنی یادگار اور بقا کے متعلق آپ نے مندرجہ ذیل دو شعروں میں بجا فرمایا ہے۔

اس بیری سنسار میں کچھ دن پیار کا اک اوتار آیا تھا
جس کے پریم میں سندر رچنا سندرتا شنشدرتا بھی تھی
جس کا تن تھا مورت جوگی جس کا من تھا رشتا جوگی
اک البیلا شاعر جس کو دنیا برسوں یاد کرے گی

حضرت مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کی
تفسیر قرآن
ترجمان القرآن
جس کا پہلا حصہ عرصہ سے نایاب تھا اب چھپ کر تیار ہے لہذا چاروں حصے مکمل طلب فرمائیے
حصہ پنجم بائیس روپیہ۔ مکمل سیٹ شاعری ۰۰۔
علاوہ محصول ڈاک
دفتر شاعر ہند تی جیلی

غزل

(کوکب گھر ونڈی)

ہم خوب سمجھتے ہیں فسوں گر تری سازش
کیوں آج ہوا ہم پہ کرم گستر نوازش

ہو ۓ کو ہوئی پرسش احوال طبیعت
افسوس ہوئی مجھ سے نہ توفیق گزارش

ہر ظلم جہاں ہنس کے اُٹھا قلب گریزاں
کم ظرف ہوا کرتے ہیں آمادۂ نالش

یا ان وساطت سے بھی نکلا نہ مرا کام
ان کا بھی ہے سر پہ مرے احسان سفارش

اے حکم تصادم تو ذرا یہ کہ وہ ہیں سعت!
بیٹھا ہے کئے زلف پریشاں سر بالش

پھر تشنہ رہے کوئی تو وہ اس کا مقدر!
یا ذوق میں بہتا ہو جو دریائے نوازش

خوش ہونے لگا حسن بھی ارباب ہوس پر
اُف عشق کہیں کام نہ آئے تری دانش

سنوری نہ مگر صورت تصویر تمنا
ہر چند فراہم ہوئے سامان نگارش

میں آشنا شکیبا ہوا اس سرد روش پر
باقی نہ رہی دل میں کسی لطف کی خواہش

گذرے نہ گراں خاطر معصوم پہ اُن کے
اور وہم ہے کہ نہیں ہے تصویر کی نالش

کوکب تری حیرانی فطرت کی ہے کیا ما
ذلت ہے نہ ذلت ہے نہ نازش ہے نہ تازش

قوم پھر بہت سے آگے بڑھنے لگی ہے

۱۹۷۵-۱۹۷۶

بہتر ڈسپلن کی طرف

- ڈسپلن اور وقت کی پابندی میں نمایاں سدھار۔

★

- سرکاری اور پرائیویٹ تنظیموں میں کام جلدی نمٹایا جا رہا ہے

★

- لوگوں میں زیادہ ذمہ داری و خلوص سے کام کرنے کا احساس۔

★

- ایک دوسرے سے مل کر قومی ترقی کیلئے کام کرنے کے جذبے کو تقویت ملی ہے۔

davp 76/156

★

قوم پھر ہمت سے آگے بڑھنے لگی ہے

۷۶ - ۱۹۷۵ء

صارفین کا تحفظ

- پرچون کی دوکانوں پر اشیاء کی قیمتوں کی فہرستیں لگائے جانے سے قیمتوں میں استحکام پیدا ہوا اور کمزور طبقوں کے افراد کے لئے اشیاء کی فراہمی برقرار رکھی گئی

★

- چیزوں کو ایک ریاست سے دوسری ریاست میں لانے لے جانے پر پابندیاں ختم کرنے سے تقسیم کے سرکاری نظام کی کارکردگی میں نمایاں بہتری۔ اس مقصد کے لئے صارفین کے کوآپریٹو اداروں کا تعاون حاصل کیا گیا

★

- صارفین کے استعمال کی ضروری چیزیں تیار کرنے والی کچھ اہم صنعتوں میں "سول سیلنگ ایجنسی" کا سسٹم ختم کر دیا گیا ہے

★

- دلّی میں کوآپریٹو اداروں اور دیگر منظور شدہ ایجنسیوں کے ذریعہ اشیاء کی منصفانہ تقسیم کے لئے نئی اسکیم نے دوسرے علاقوں کے لئے رہنمائی کا کام کیا ہے۔ کوچین، کوئمبتور، درگاپور اور تمل ناڈو میں ایسے ہی انتظامات کئے گئے۔

★

dav-p 76/152

July—76 Phone : 2/8880 Regd. No. D-(D) 370
THE SHAN-E-HIND MONTHLY, NEW DELHI-110002
Regd. with the Registrar of News Paper at R. No. 644/57

اُف یہ بال

جب کنگھی کرتے ہوئے ہر بار بال اُلجھ جائیں یا بالوں کا ایک گچھا ہاتھ میں آجائے تو سمجھئے یہ بال اب کچھ ہی دن کے مہمان ہیں۔ بالوں کو مضبوط، چمک دار، ملائم اور سیاہ بنانے کے لئے زُلفی استعمال کیجئے۔ اس کا ایک ایک قطرہ بالوں کے لئے رحمت سے کم نہیں۔ زُلفی گرتے بالوں کو روک دیتا ہے اور گھنے بال اُگاتا ہے۔ یہ گنج کو ختم کرتا ہے اور بالوں کی سب سے بڑی دشمن خشکی کو دُور کرتا ہے —— زُلفی تیل نہیں بلکہ بالوں کی غذا ہے۔ زُلفی بالوں میں ڈالئے اور پھر دیکھئے وہ کتنی جلدی بڑھتے ہیں۔

قیمت زُلفی ہیئر ٹانک : ۸ روپے
زُلفی شیمپو پاؤڈر : ۳ روپے ۵۰ پیسے

SHAMA LABORATORIES

شمع (یونانی اینڈ آیورویدک) لیبارٹریز، لال کنواں، دہلی

Only Title Printed at M. S. Printers, Darya Ganj, New Delhi-110002

شانِ ہند دہلی

DR. ZAKIR HUSAIN LIBRARY
JAMIA NAGAR
NEW DELHI-110025

'rime Minister of India 'INDIRA GANDHI'

Janab Sanjay Gandhi

August—76

Editor :
SARWAR TAUNSVI

Dr. Ghias "Arif" Karimnagri

Manohar Gurgaon

سال اجرا ۱۹۳۸ء | رجسٹرڈ نمبر ڈی-۳۷ | رجسٹرڈ نمبر رجسٹرار نیوز پیپر R.N. 644/57

فون نمبر ۲۷۸۸۸۰

آزادی ایڈیشن

ماہنامہ
شان ہند دہلی

ایڈیٹر: سردار تونسوی سالانہ دس روپیہ : فی پرچہ ایک روپیہ

جلد ۳۷	اگست ۱۹۷۶ء	شمارہ ۸

فہرست

- عظمت ہندوستان	منوہر گوڑ گاؤں	۱
۲- افکار و واقعات	ایڈیٹر	۵
- آل انڈیا مشاعرہ کیرانہ	کریمی الاحسانی	۹
- قولِ جمیل	سروش یزدانی	۱۵
- یوم جمہور	کلیم سونجی	۱۷
- اندرا گاندھی	پی/این-جبلا	۱۸
- ہمارا وطن	جوہر لیسوڑوی	۱۹
- آزادی	اسماعیل ذبیح	۲۰
- بیس نکاتی پروگرام	علامہ امین لکھنوی	۲۱
- پندرہ اگست	نثار گورکھپوری	۲۳
- تو نے بخشی ہے غریبوں کو اماں	ساجر فتح پوری	۲۴
- ڈاکٹر غیاث عارف ایک مختصر خاکہ	سید علی حسین نقوی	۲۵
۱۱- غزل	اشک سنبھلی	۲۷
عرض	سرداری ریاض	۲۹

دیا پرکاش سود ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر نے لاہوری پریس جامع مسجد دہلی سے چھپوا کر دفتر شان ہند ... دریا گنج نئی دہلی ۔۲ سے شائع کیا۔ سرورق ایم۔ ایس پرنٹرس دریا گنج دہلی میں چھپا

عظمتِ ہندوستان ـــــ مختلف اشعار

جناب منوہر لال منوہر گوڑ گاؤں

بڑھ رہا ہے کس قدر تیزی سے اپنا کارواں
تک رہا ہے چشم حیرت سے سارا جہاں
موج سے گرداب سے ہرگز نہ گھبرائیں گے ہم
اس تلاطم سے سفینہ پار لے جائیں گے ہم

ہے یہ آزادی ہمارے دل کی راحت ہم وطن
اس سے اپنے ملک نے پائی ہے عزت ہم وطن
یہ شہیدانِ وطن کی ہے امانت ہم وطن
اس سے دھوکا ہے امانت میں خیانت ہم وطن
اس سے کر کے بیعت فانی نہ وفا ہو جاؤ گے
پھر پشیمانی درد سر میں مبتلا ہو جاؤ گے

دل لگا دو جان لگا دو ملک کی تعمیر میں
رنگ بھر دو خوشنما سا اس کی نئی تصویر میں
آسماں کو بھی ہے اتنا بڑھے تو قیر میں
لطف پھر آئے گا ہم کو خواب کی تعبیر میں

کنور مہندر سنگھ بیدی سحرؔ کو
ادارہ "شانِ ہند" کا خراجِ عقیدت

جشنِ سحرؔ نمبر

کنور صاحب کی شخصیت اور فن پر اہلِ قلم کے رشحات، یادگار تصاویر اور منتخب کلام سے مزین چار صد صفحات پر پھیلا ہوا یہ خاص نمبر دنیائے اردو ادب میں ایک یادگار اضافہ ہوگا۔

قیمت :۔ دس روپے

مستقل خریداروں کے لئے چھ روپے علاوہ محصول ڈاک

مرتبین :۔ سرور تونسوی، عزیز اندوری

مشتہرین سے استدعا ہے کہ کنور صاحب کی ملک گیر مقبولیت کے پیشِ نظر جشنِ سحر نمبر ملک بھر میں بڑے ذوق و شوق سے پڑھا جائیگا۔ اسلئے اس یادگار نمبر میں اشتہار دینا بھی کنور صاحب سے دلی عقیدت کا مظہر ہے۔

اجرتِ اشتہار :۔ عام پورا صفحہ ڈھائی صد روپے، نصف صفحہ ۱۵۰ روپے، سرورق کا اندرونی صفحہ نمبر ۲ پانچ صد روپے، سرورق تیسرا صفحہ پانچ صد روپے اور سرورق کا آخری صفحہ دو رنگ میں ایک ہزار روپے۔

مزید تفصیلات کے لئے لکھئے

ماہنامہ شانِ ہند فلیٹ ۸ انصاری مارکیٹ دریا گنج نئی دہلی ۲

آئیے! اپنے بچوں کے مستقبل کو روشن بنائیں

ہمارے ملک میں فیملی پلاننگ کا پروگرام عوامی فلاح و بہبود کے وسیع تر پروگرام کا لازمی جزو ہے۔ بلکہ فیملی پلاننگ پروگرام شروع کرنے کا مقصد ہی عوامی فلاح و بہبود ہے۔ کنبے کو چھوٹا رکھنے کی ضرورت پر اس لئے نہیں زور دیا جا رہا کہ ہمیں بچے پسند نہیں بلکہ ہمارا مقصد تو یہ ہے کہ ہر بچے کو زندگی میں ترقی کرنے کے بہترین مواقع ملیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہم اپنے بچوں کو ایک بہتر دنیا ورثے میں دیں۔ ہر ماں باپ کی یہی خواہش ہوتی ہے اور ہماری منصوبہ بند ترقی کا بھی یہی مقصد ہے

— اندرا گاندھی

DAVP 75/325

حمل گرانا جائز ہے

کن حالتوں میں؟

بعض اوقات حمل گرانا بہت ضروری ہو جاتا ہے۔

جب حمل کا جاری رہنا عورت کی زندگی کے لئے خطرہ بن جاتے یا اس سے اس کی جسمانی یا ذہنی صحت کو شدید نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو،

جب اس بات کا خطرہ ہو کہ پیدا ہونے والے بچے کی نشوونما میں کوئی شدید جسمانی یا ذہنی نقص رہ جائیگا،

جب حمل عصمت دری کے نتیجے کے طور پر ہوا ہو،

جب معاشی و سماجی حالت دراصل ایسی ہو یا مستقبل قریب میں ایسی حالت پیدا ہونے کا امکان ہو،

جس سے ماں کی صحت کو نقصان پہنچ سکتا ہو،

جب حمل روکنے کے کسی طریقے کے ناکامیاب ہو جانے سے حمل ٹھہر گیا ہو،

پہلے بارہ ہفتوں میں حمل آسانی سے گرایا جا سکتا ہے۔

مفت مشورے کے لئے نزدیک ترین سرکاری ہسپتال میں جائیں۔

افکار و واقعات

پی۔ ایچ۔ ڈی بدستِ طفلاں

حال ہی میں ڈاکٹر فردوس فاطمہ نصیر صاحبہ صدر شعبۂ اردو ...آباد یونیورسٹی کو ان کے تھیسس "مختصر افسانے کا فنی تجزیہ" پر ...ہار یونیورسٹی نے ڈی۔ لٹ کی ڈگری عطا فرمائی ہے اور اس ...یسس کو حکومت ہند کے یونیورسٹی گرانٹ کمیشن نے کتابی شکل ...شائع کر دیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ پوری کتاب چوری کی ہے اور مختلف ...ابوں سے سرقہ کر کے تھیسس لکھا گیا ہے۔ (اس کتاب پر مفصل ...مون شان ہند کی اشاعتِ آئندہ میں شائع کیا جا رہا ہے۔)

اس سے قبل علی گڑھ یونیورسٹی کے رضی الدین صدیقی تدوین ...یاتِ نظیر تھیسس پر پی۔ ایچ۔ ڈی حاصل کر چکے ہیں۔ اور ...صدیقی صاحب کو ڈگری دینے کے فوراً بعد جب علی گڑھ یونیورسٹی کے ...ذمہ دار ارکان کو مصنف کی حماقتوں کا علم ہوا تو حکم دیا گیا کہ یہ ...یسس کتابی شکل میں شائع کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ اس ...ن میں مصنف کی صرف ایک حماقت ہی سے آپ اندازہ لگا ...سکتے ہیں کہ کیسے کیسے لوگوں کو پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگریاں دی ...جاتی ہیں اور ڈگریاں دینے والے کس قدر غیر ذمہ داری سے ...اپنے فرائض کی انجام دہی میں کوتاہی سے کام لیتے ہیں۔ کہا ...جاتا ہے کہ جناب خلیل الرحمن اعظمی نے ازراہِ مذاق رضی الدین ...صدیقی سے کہہ دیا کہ نظیر کا بنجارا نامہ جو ان کی کلیات میں موجود ...ہے وہ در اصل ان کا نہیں ہے۔ اور میں نے بڑی تحقیق سے ...اصل بنجارا نامہ کی کھوج کی ہے جو میں آپ کو دے رہا ہوں ...آپ اپنے تھیسس میں اسے دے کر اپنی ریسرچ کی دھاک ...جمائیے۔ اور اعظمی صاحب نے حضرت فراق گورکھپوری کا لکھا ...بنجارا نامہ صدیقی صاحب کو دے دیا جو انھوں نے اپنی تحقیق کے طور پر اپنے تھیسس میں اس نوٹ کے ساتھ دیا کہ کلیاتِ نظیر میں جو بنجارا نامہ ہے وہ نظیر کا نہیں بلکہ ناشرین نے کسی اور کے بنجارے نامے کو نظیر کے نام سے دے دیا ہے۔ بڑی تحقیق کے بعد وہ نظیر کا اصل بنجارا نامہ دے رہے ہیں۔

ان دو واقعات سے ہی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ اور ڈی۔ لٹ ایسی قابلِ احترام ڈگریاں اب "بدستِ طفلاں" ہو کر رہ گئی ہیں۔ اس سلسلے میں ہم جناب نور الحسن صاحب وزیر تعلیم حکومت ہند سے گزارش کریں گے کہ وہ مندرجہ بالا واقعات کی روشنی میں یونیورسٹی گرانٹ کمیشن اور بہار یونیورسٹی و علی گڑھ یونیورسٹی کے متعلقہ ارکان سے باز پرس کریں کہ ایسی غیر ذمہ داری سے کیوں کام لیا جا رہا ہے۔ اگر ہماری یونیورسٹیوں میں کام کرنے والے حضرات اسی طرح اپنی نا اہلی اور جاہلانہ پن کا مظاہرہ کرتے رہے تو تعلیمی معیار جو پہلے ہی کافی حد تک گر چکا ہے اور بھی گر جائیگا۔

مادر پدر آزاد جے چند پریم

مظفر گڑھ (پاکستان) کے ملک گیر شہرت کے شاعر حضرت کشفی ملتانی کی ایک غزل اتنی مشہور ہے کہ اردو شاعری سے ذرا سا بھی مس رکھنے والے ہر باذوق کو اس غزل کا کوئی نہ کوئی شعر یاد ہوگا۔ آئیے آپ بھی اس زندۂ جاوید غزل کے کچھ اشعار سے لطف اٹھائیے۔

شورِ عالم میں ہے سحاب سحاب
ساقیا، ساقیا، شراب شراب
آبِ زم زم سے ہے کو کیا نسبت
پانی پانی ہے اور شراب شراب

رند بخشے گئے قیامت میں ؎ شیخ کہتا رہا حساب، حساب
جام گرنے لگا تو بہکا شیخ ؎ تھامنا، تھامنا کتاب، کتاب
اک وہی مست باخبر نکلا ؎ جس کو کہتے تھے سب خراب خراب
مجھ سے وجۂ گناہ جب پوچھی ؎ سر جھکا کر کہا شباب شباب

راقم الحروف نے ۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۷ء تک یہ غزل سیکڑوں بار حضرت کشفی کی زبان سے سنی۔ بلکہ اس زمانہ میں ملتان سے شائع ہونے والے ہفتہ وار شان ہند میں یہ غزل متعدد بار مشاعروں کی روداد میں بھی چھپ چکی ہے۔ مگر کیا غضب ہے کہ یہی غزل ماہنامہ شمع میں کچھ عرصہ ہوا جے چند پریم کے نام سے شائع ہوئی۔ جناب آزاد بہاولپوری جو اس وقت میرٹھ چھاؤنی کے سٹیٹ بینک آف انڈیا میں ایک افسر ہیں اپنے خط میں لکھتے ہیں۔

"شان ہند کے شمارے میں چور متشاعروں کی کارستانیاں پڑھ کر حیرانی ہوئی کہ ان مادر پدر آزاد متشاعروں کو کیسے ہمت ہوتی ہے کہ احسان دانش اور دیگر مشاہیر شعرا کا کلام اپنے نام سے رسائل میں چھپواتے ہیں۔ آپ کو یاد ہوگا کہ ملتان میں ایک بزرگ شاعر کشفی ملتانی تھے (بفضل خدا اب بھی حیات ہیں) ان کی ایک مشہور غزل ہے شور عالم میں ہے سحاب سحاب، ساقیا ساقیا شراب شراب کتنی جو میں اپنے زمانہ طالب علمی میں ان کی زبان سے بارہا سن چکا ہوں یہی غزل "شمع" میں کسی شاعر جے چند پریم کے نام سے شائع ہوئی۔ جس پر میں نے مدیر شمع کو اس چوری کی اطلاع دی مگر وہ بھی کچھ نہ کر سکے۔

جناب آزاد صاحب بہاولپوری کی خدمت میں گزارش ہے کہ یہ جے چند پریم خود ملتان کے رہنے والے ہیں اور آج کل غالباً کانپور میں مقیم ہیں۔ پریم صاحب خود ایڈیٹر شان ہند کی موجودگی میں یہ غزل کشفی صاحب کی زبان سے مرحوم لالہ بالکشن صاحب بترہ آنبر کی کوٹھی پر بارہا سن چکے ہیں۔ اگر پریم صاحب میں اتنی جرأت ہے کہ وہ کشفی صاحب کی یہ غزل اپنے نام سے "شمع" میں شائع کرا چکے ہیں تو پھر اس کا یہ صاف مطلب ہے کہ وہ ببانگِ دہل کہہ رہے ہیں کہ جے چند پریم مادر پدر آزاد چور متشاعر ہے۔ اور آزاد صاحب اگر کوئی صاحب اپنے آپ کو حرامی کہلوانے پر تیار ہو تو ہم اور آپ بھلا کیا کر سکتے ہیں اور اس میں شمع والوں کا کیا قصور

بلا تبصرہ

محترمہ ممتاز مرزا (پدم شری) نے اپنے مکتوب گرامی میں ان منتظمین مشاعرہ کے کردار پر مدیر شان ہند کو کچھ روشنی ڈالنے کی دعوت دی ہے جو محض طلب زر کے لئے یا کسی دوسرے ناپسندیدہ مقصد کے اپنے مشاعروں کو کامیاب کرنے کے لئے مشاعرے میں مدعو شعرا کرام میں ان شعرا و شاعرات کے نام بھی لکھ دیتے ہیں جنہیں منتظمین مدعو تو کرتے نہیں مگر روپیہ بٹورنے کے لئے ان کے ناموں کا اعلان کر دیا جاتا ہے۔ ہم محترمہ ممتاز مرزا صاحبہ کا یہ مکتوب گرامی بغیر کسی تبصرہ کے شائع کر رہے ہیں۔

محترم سرور بھائی، آداب!

شان ہند کا تازہ شمارہ نظر نواز ہوا۔ جشن ممتاز کی مفصل کارروائی شائع کرنے کے لئے دلی شکریہ قبول کیجئے۔ میری جانب سے بھی اور مرزا جی کی بھی۔ اسی شمارے میں کچھ شعرا کی بدعہدی اور پیشگی روپیہ لیکر مشاعرے میں شرکت نہ کرنے کے بارے میں کسی نے لکھا ہے۔ میں آپ سے قطعی متفق ہوں کہ اس قسم کے رویہ کی شدت سے مذمت کی جائے اور ایسے لوگوں کے خلاف قانونی کارروائی کی جائے لیکن اس کے ساتھ ہی ان منتظمین مشاعرہ کے بارے میں کیا فرمائیں گے جو حضرات ایک شاعر کو مشاعرے میں شرکت کی دعوت تک نہیں دیتے لیکن اس کا نام دعوتی رقعوں اور اشتہاروں تک میں شائع کر دیتے ہیں؟ میرے ساتھ بارہا ایسا ہوا ہے کہ مختلف جگہوں سے (خود دہلی میں بھی) مجھے اطلاعیں ملی ہیں کہ آپ مشاعرے میں کیوں نہیں آئیں آپکا نام تو دعوتی کارڈ میں لکھا ہوا تھا۔ کیا اس طرح میرے نام اور میری شہرت کو صدمہ نہیں پہنچا؟ عام پبلک تو یہی خیال کرے گی میں نے منتظمین کو دھوکا دیا اور وعدہ کر کے شریک نہ ہوئی۔ پچھلے اپریل میں پانی پت میں مولانا حالی کی یاد میں مشاعرہ تھا اس میں بھی کچھ ہوا ابھی حال میں خود دہلی میں ایک عظیم الشان سیمینار اور مشاعرہ ایوان غالب میں منعقد ہوا۔ حیران حضرات نے

مجھے بلایا ضرور تھا لیکن میں نے اپنی منظوری نہیں دی تھی لہٰذا انھیں میرا نام استعمال کرنے کا کوئی حق نہ تھا۔ لطیفہ یہ کہ دوسرے دن دہلی کے ایک موقر اردو روزنامہ نے خبر دی کہ شرکت کرنے والے شعراء میں بیگم ممتاز مرزا بھی شامل تھیں۔ لیکن پانی پت والوں نے دوسرے مجھے بلایا ہی نہ تھا۔ یہ اور ایسے کتنے ہی واقعات تو خود میرے ساتھ پیش آئے ہیں میں یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ دوسرے شعراء حضرات کے ساتھ بھی یہی سلوک ہوتا ہوگا۔ یہ تو عام بات ہے ساحر لدھیانوی، مجروح سلطان پوری، اختر الایمان، سردار جعفری ۔ ۔ ۔ تاکہ مشاعرہ کامیاب ہو سکے۔ لیکن آپ بتلائیے۔ یہ کہاں تک مناسب ہے کہ اس طرح شعراء کے نام بدنام کیا جائے۔ لکھنؤ میں نازش اور ساحر ہوشیارپوری کے سلسلے میں جو مشاعرہ جون میں ہوا تابش کے ساتھ اس میں بھی گذری کہ ان کا نام دعوت ناموں پر بھی چھپا ہوا تھا حالانکہ وہ شروع میں ہی انکار لکھ چکے تھے۔ میرا مطلب ہے اس سلسلے میں کچھ نہ کچھ ہونا چاہئے۔ کیا آپ ہم شعراء کو اجازت دیں گے کہ منتظمین کے خلاف عدالت کا دروازہ کھٹکھٹائیں؟ گستاخی کے لئے معذرت خواہ ہوں۔ بھابی کی خدمت میں آداب۔

خیر طلب آپ کی ـــــ ممتاز مرزا۔

راجستھان ساہتیہ اکاڈمی کی مخالفت

کچھ دنوں سے راجستھان ساہتیہ اکاڈمی اُردو جے پور کی مخالفت بالکل بے بنیاد اخبارات میں نظر سے گذر رہے ہیں۔ اگر یہ مخالفت ٹھوس بنیاد پر ہوتی تو شانِ ہند اور مدیر شانِ ہند دونوں راجستھان ساہتیہ اکاڈمی کے کارکنان سے باز پرس کرنے میں کسی سے پیچھے نہ رہتے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ صحیح وقت پر صحیح کاز کے لئے جس قدر بہتر ڈھنگ سے راجستھان ساہتیہ اکاڈمی کی مخالفت شانِ ہند اور مدیر شانِ ہند نے کی اس کا عشر عشیر بھی ان وقتی مخالفوں کے بس کی بات نہیں ہے۔

اکاڈمی کا سہ ماہی آرگن "نخلستان" جس قدر بہتر انداز میں باشاعت پذیر ہے اس سے پہلے کبھی اسے ایسی ثقاہت نصیب نہ ہوئی تھی یہ دوسری بات ہے کہ اس کی مخالفت میں لکھنے والوں کے مضامین یا نظمیں "نخلستان" کی حالیہ اشاعتوں میں نہیں دی گئی ہیں اگر ایسا نہ ہوتا اور ان مخالفوں کو نظموں یا مضامین کے معاوضہ میں کچھ روپیہ مل جاتا تو پھر بجائے مخالفت کے یہی حضرات "نخلستان" اور اکاڈمی کے سربراہوں کی تعریف کرتے۔

"کلیاتِ مائل" ایسی ضخیم کلیات کا شائع ہونا فی الواقع اردو شعری ادب میں ایک بیش بہا اضافہ ہے مگر اس کا کیا علاج کہ مخالفت برائے مخالفت کرنے والوں کو کلیاتِ مائل بھی اس ناپاک ارادے سے باز نہ رکھ سکی کہ وہ کم از کم جھوٹ تو نہ لکھیں۔

جناب رام کشور ویاس صاحب اسپیکر راجستھان اسمبلی کی اُردو نوازی اور اُردو سے محبت کسی سے پوشیدہ نہیں ہے لہٰذا ان کی چیئرمین شپ اور ڈاکٹر راجندر شرما صاحب ڈائریکٹر ایسی ذمہ دار شخصیت کی موجودگی میں اگر کوئی یہ شک بھی کرتا ہے کہ اکاڈمی میں اُردو کے حقوق محفوظ نہیں ہیں تو وہ نہ صرف خود غلط فہمی کا شکار ہے بلکہ اپنی ذاتی اغراض کے پورا نہ ہونے کے باعث دوسروں کو بھی غلط فہمی میں مبتلا کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

اُردو کے ہر بہی خواہ کو راجستھان ساہتیہ اکاڈمی کا ممنونِ احسان ہونا چاہئے کہ اس نے کلیاتِ مائل ایسی ضخیم کلیات اس دور میں شائع کی ہے جب کہ کوئی دوسرا پبلشر اس کا حوصلہ کر ہی نہیں سکتا تھا۔ اکاڈمی کے ڈائریکٹر جناب ڈاکٹر راجندر شرما کو چاہئے کہ وہ اس قسم کی مخالفانہ تحریروں کو محض ناکام ادیبوں اور شاعروں کی محرومِ اغراض کا مرثیہ سمجھا کریں۔ اور اپنے پروگرام کی تکمیل میں کوشاں رہیں۔

شاہد اعظمی ایم۔ اے کون؟

"مالک رام اور اُردو تحقیق" نامی ایک کتاب جو جشنِ مالک کا ایک جیتا جاگتا شاہکار ہے پچھلے دنوں شائع ہوئی تھی جس کے مولف کوئی شاہد اعظمی ایم۔ اے ہیں ہزار پتہ لگانے پر بھی یہ پتہ نہ چل سکا تھا کہ یہ شاہد اعظمی ایم اے کون صاحب

ہیں۔ مئو ناتھ بھنجن کے کچھ حضرات سے بات چیت کرتے ہوئے یہ پتہ چلا کہ جناب ڈاکٹر نور الحسن صاحب جو دلی یونیورسٹی میں شعبۂ فارسی کے ریڈر ہیں اور مئو ناتھ بھنجن کے رہنے والے ہیں جوانی کے دنوں میں شاعری کیا کرتے تھے اور ان کا تخلص شاہد تھا۔ چونکہ مئو ناتھ بھنجن ضلع اعظم گڑھ میں ہے اس لئے شاہد کے ساتھ اعظمی بھی لکھتے تھے۔

ہم جناب ڈاکٹر نور الحسن صاحب پر کسی قسم کا شک کئے بغیر ان سے دریافت کرنے کا یہ حق رکھتے ہیں کہ کیا اس مشتمل اردو کتاب کے مرتب آپ ہی ہیں یا یہ شاہد اعظمی کوئی اور صاحب ہیں۔ امید ہے کہ اس سلسلے میں جناب ڈاکٹر نور الحسن صاحب کچھ روشنی ڈالیں گے۔

فرہنگِ آصفیہ کی فروختگی پر پھر پابندی

حکومتِ ہند کی وزارت تعلیم کے ادارے، اردو ترقی بورڈ نے فرہنگِ آصفیہ کی چاروں جلدیں نیشنل اکاڈمی کے زیر اہتمام شائع کرائیں۔ یہ حقیقت ہے کہ اس ادارہ نے اگر کوئی کام کی کتاب شائع کی تو وہ یہ فرہنگ آصفیہ ہی ہے۔ یہ فرہنگ بالکل لفظاً اصل فرہنگ آصفیہ کے مطابق شائع کی گئی مگر بعد میں کشمیری لفظ کے معنی "بیراعتراض کیا گیا اور یہ معاملہ پارلیمنٹ میں اٹھایا گیا! جس پر اس فرہنگ کی فروختگی بند کر دی گئی۔ اور معقول معاوضہ پر کچھ لوگوں سے فرہنگ آصفیہ کی چاروں جلدیں چیک کرائی گئیں اور تمام متنازعہ الفاظ نکال دیئے گئے یا ان کے معنوں کو سیکولر کیا گیا۔ اس کام میں بھی تقریباً ایک سال سے زائد عرصہ لگ گیا اور خدا خدا کر کے فرہنگ آصفیہ کی فروختگی شروع ہوئی۔ مگر لیکا یک اس فرہنگ کی فروختگی پر پھر اس لئے روک لگا دی گئی کہ وزیر تعلیم کے حکم کے بغیر فروختگی شروع ہو گئی تھی لہذا جب تک تحریری طور پر وزیر تعلیم اس فرہنگ کی فروختگی کی منظوری نہ دیں اس کی فروختگی پر پابندی رہے گی۔

اردو ترقی بورڈ کے کارکنان نہ معلوم اپنے فرائض کی ادائیگی سے کیوں کوتاہی برت رہے ہیں کیا شاکر اردولوی صاحب یا کوئی اور ذمہ دار افسر خود وزیر تعلیم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس امر کی تحریری اجازت نہیں لے سکتا؟

ہم جناب پروفیسر نور الحسن صاحب وزیر تعلیم کی خدمت میں گذارش کرتے ہیں کہ وہ خود متعلقہ حضرات سے اس فرہنگ کی فروختگی کی منظوری حاصل کرنے والے کاغذات کی فائل طلب فرما کر حکم صادر فرمائیں کہ اس فرہنگ کی فروختگی حسب سابق تاجرانہ کمیشن پر کی جائے۔ تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس فرہنگ سے فائدہ اٹھا سکیں۔ وزیر تعلیم کی خدمت میں یہ بھی گذارش ہے کہ اردو ترقی بورڈ نے تاجرانہ کمیشن کم دیا ہے جس سے اردو ترقی بورڈ کی مطبوعات کی فروختگی پر اثر پڑے گا لہذا حسب سابق تاجرانہ کمیشن کی بھی اجازت دی جائے۔

مولانا ابو الکلام آزاد (مرحوم) کی

تصنیفِ لطیف "غبارِ خاطر" کے بعد

اگر

آپ نے خطوط کے پردے میں انگریزی حکومت کے مظالم کی داستان اس وقت کی ملکی سیاست کے پیچ وخم۔ انگریزی عہد کی بند کال جیلوں کی ہوش ربا کہانی، سرحدی گاندھی خان عبدالغفار خان کے ایام اسیری کی دلچسپ کہانیاں اور متعدد دلچسپ واقعات پڑھنا چاہیں تو۔

قیدی کے خط

پڑھئے جو محمد یونس خان صاحب (نمائندہ خاص وزیر اعظم صاحبہ) کے زور قلم کا نتیجہ ہیں۔ آپ اس کتاب کو شروع کرنے کے بعد ختم کئے بغیر چین سے نہیں بیٹھ سکتے۔

قیمت صرف آٹھ روپے — ملنے کا پتہ

دفتر شانِ ہند۔ فلیٹ ۸ انصاری مارکیٹ

دریا گنج۔ نئی دہلی ۲-۱۱۰۰۰

کوثر الاحسانی

آل انڈیا مشاعرہ کیرانہ

صوفی زمزم بجنوری ۔ راز الہ آبادی ۔ مشیر جھنجھانوی ۔ زبیر رضوی ۔ شمیم جے پوری
معراج فیض آبادی ۔ تمنا چپالی ۔ شوق اثری ۔ مظفر رزمی ۔ کرنل شیوتل بہار

میلہ حضرتاں (کیرانہ) کے سلسلہ میں حسب روایت ۲۶ جون ۷۶ء کی شب میں ۸ بجے ایک آل انڈیا مشاعرہ کا بھی اہتمام کیا گیا تھا (افتتاح) یا جا رہا ہے گرگ صاحب شاملوی شمع روشن کرکے مشاعرہ کا فرما رہے ہیں [illegible] ہے جناب عالم خان صاحب [illegible] کو کیا اپنے اسلاف بزرگوں کی روایت کو زندہ کرتے ہوئے [illegible] سے بھی گریز نہیں [illegible] ٹیوب لائٹ صوفہ سیٹ ۔ کرسیاں ۔ فرش اور شامیانہ کا انتظام کیا گیا ہے جناب مظفر رزمی صاحب صدارت کے لئے جناب گرگ صاحب جی کا اسم گرامی پیش کر رہے ہیں جس پر تالیوں سے اظہار خوشنودی کیا جا رہا ہے جناب گرگ صاحب نہایت پروقار انداز سے فرما رہے ہیں ۔ آپ لوگوں نے مجھے [illegible] دیا میرے پاس [illegible] ہیں تہہ دل سے شکریہ ادا کر سکوں ۔ ایس ۔ پی صاحب [illegible] آنے والے تھے ۔ وہ کسی مجبوری کی وجہ سے تشریف نہ لا سکے لہٰذا آپ حضرات [illegible] کرم مجھ پر فرمایا کہ صدارت کیلئے میرا نام پیش کر دیا تالیوں کے شور میں آپ شعرائے کرام کے جھرمٹ میں بیٹھ گئے [illegible] اور مظفر رزمی صاحب [illegible] ہے ۔ پنڈت [illegible] جوہر بجنوری کو کہ [illegible] مشاعرہ کی بسم اللہ نعت سے شروع کر رہے ہیں کیونکہ یہ میلہ حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی اجمیری کے اس قیام شریف کی یاد میں ہوتا آرہا ہے جو خواجہ صاحب نے سلطنت میں دورہ کرتے ہوئے کیرانہ میں بھی تین دن قیام فرمایا تھا بہرحال جوہر صاحب نعت شریف پیش کر رہے ہیں سنئے ۔

گر شیخ سے عالم ہے پیمانہ محمد کا — جب دیکھو نظر آتا ہے دیوانہ محمد کا
مہمان [illegible] ہو گیا ہوں [illegible] دیوار محمد کا — خدا کا گھر سمجھتا ہوں میں کاشانہ محمد کا
رہے گا ذکر حق دنیا تک یونہی ذکر [illegible] قائم — قیامت تک نہ ہوگا ختم افسانہ محمد کا
وہ اپنے دشمنوں پر رحم پاتے ہیں جنت — ہے طرزِ زندگی اتنا کریمانہ محمد کا
یہ رنگِ نعت اپنا رنگِ صد ایماں ہے اسے جوہر
کہ مومن بھی مجھے کہتا ہے دیوانہ محمد کا

جوہر صاحب نہایت خشوع و خضوع سے نعت شریف سنا کر بڑے خضوع سے داد پا کر اپنی جگہ آ بیٹھے ہیں آپ نے کیا [illegible] غزل بھی چلنے اور ایک [illegible] یہ غزل سنئے

نظر سے [illegible] چلانے [illegible] — وہ ایک بار ترے دل میں [illegible]
ملال اتنا مجھے کیوں ہے [illegible] — وہ بیوفا تھا مجھے آرزو کے جلنے
[illegible] آنکھوں [illegible] — تمام رات جگایا [illegible] کے بھول گئے
ملے ہیں ایسے بھی کچھ دوست اس زمانے میں
کہ اپنا کام بنایا [illegible] بھول گئے

اس شعر پر بار لوگ ذرا [illegible] ہیں اور بار بار کئی بار دہرا کر جا رہے ہیں ۔ رزمی صاحب [illegible] موسیقی دے رہے ہیں ۔ سکندر حیات کیلاش پوری کو ۔ حیات صاحب بڑے فنکارانہ انداز سے غزل چھیڑ رہے ہیں ۔

موت کو جو لوگ رات کہتے ہیں — کتنی نادان بات کہتے ہیں
روح تو میری مر چکی کب کی — لوگ اب بھی حیات کہتے ہیں

آہ اور واہ کا ایک دھماکہ ہوا ہے اور میں [illegible] داد دے رہا ہوں روح تو کسی عالم میں مرتی ہی نہیں [illegible] آپ غلط نہ ہوتے [illegible] رہے ہیں ۔

ہوش و خرد کی قید میں [illegible] — تمنا دیکھو [illegible] میں انسان کی زندگی
ساقی نے جام جم میں سب کو دئے مگر
میرے لبوں پہ تشنگی دم توڑتی رہی

گردو پیش سے بے نیاز صاحب پڑھ رہے ہیں اچھا مصرعہ کہا ہے ملتان سے عرض لیا ہے پیرا ابھرا ہے دیکھا اثر سے تماشوں سے نیک ہے ہیں ؎

داد دیں میں آپ کے سفر ہے ہر راہ پر کسیرا چہرہ پوچھتی ہے
لیموں کے شور میں پھر ایک گیت سنا کر دو دلوں کے کام ان بیٹے ہیں
اندر اس عالم میں ڈاکٹر عبد الحق علی ایک لاجواب نظم سنا کر داد کے گہارے بھر رہے ہیں اور رزاقی صاحب جناب زبیر رضوی کو مائک سونپ کر اپنی جگہ آ رہے ہیں۔ زبیر صاحب تالیوں کی گونج میں مائک سنبھال کر ریاض حید ر سہار نپوری کو دعوت سخن دے رہے ہیں۔ ریاض صاحب بھولے بھالے شگفتہ سے شعر سنا رہے ہیں

میں تھک کے بیٹھ گیا ہوں جہاں جہاں بھائی
تم جگنوؤں کو مری سعی رائیگاں بھائی

ابھی سے ہاتھوں میں پتھر اٹھا لئے تم نے
ابھی کھلی بھی نہیں ہے مری زباں بھائی

داد نقطۂ عروج سے سوا ہے ردیف کی خوب خوب تعریف ہو رہی ہے اور آپ نہایت سنجیدگی سے فرما رہے ہیں ؎

میں چپ رہا ہوں تو اندیشۂ وفا سے کروں
ہے پڑی کا ہے جو صحرا میں وہ اذاں بھائی

کبھی کبھار ادھر آتے بھی ہیں تو غم کے سفیر
یہ تم خلاف توقع ادھر کہاں بھائی

پھر دوسرے مصرعہ پر داد شباب پر ہے اور آپ مقطع سنا رہے ہیں ؎

ریاض اہل محبت پہ تبصرہ نہ کرو
مبادا تم سے نہ ہو جائیں بدگماں بھائی

ریاض صاحب داد لوٹ کر اپنی جگہ اسٹیج سے نیچے جا کر بیٹھ گئے ہیں
آپ کی جگہ [illegible] بھائی ایک صاحب [illegible]
[illegible] رہے ہیں اور زبیر صاحب [illegible]
[illegible] کو دعوت سخن دے رہے ہیں۔ [illegible]
نہایت [illegible] ایک غزل چھیڑ رہے ہیں
[illegible]
[illegible]

داد دے رہے ہیں۔ ایسے عالم میں اسی طرح لہک رہے ہیں ؎

مجھ سے شوق سفر نے ٹھوکریں لگائی ہے
میں ہوں تنگ راہ الفت کی بھی گیا ہے
ہو بجا۔ سفر وفا میں کوئی ہم سفر نہیں ہے
مرا غم قدم قدم پر مرا ساتھ دے رہا ہے
کبھی [illegible] مری تشنگی میں گر کر
کبھی دل بہک گیا ہے کبھی دل سنبھل گیا ہے

کوثر صاحب محفل کو گرما کر داد وصول کئے جا رہے ہیں اور ڈاکٹر شمیم محمد علی نشاط وغیرہ مظفر نگر سے ابھی آئے ہیں ڈاکٹر صاحب کا دم غنیمت ہے آپ قرب و جوار کے مشاعروں کے لئے مصروفیات کے باوجود وقت نکال ہی لیتے ہیں۔ لیکن آج آپ کے ہمراہ تاجور صاحب نہیں ہیں۔ ہاں تو دیکھئے زبیر صاحب نہایت مناسب اور موزوں الفاظ میں تعارف فرما کر درخواست غزل کر رہے ہیں۔ مصرعہ فیض آبادی ہے۔ معراج صاحب یوں بانکپن سے غزل سنا رہے ہیں ؎

نکلا ہے عشق شان قلندر لئے ہوئے ہر بوالہوس ہے ہاتھ میں پتھر لئے ہوئے
بیٹھے ہیں راہ میں ہم بھی شکستہ لوگ گھر سے چلے تھے ہم بھی سکندر لئے ہوئے

داد کے شور و غل میں معراج صاحب محفل کو یوں چونکا رہے ہیں ؎

ہم سفر تھے ہیں راہوں میں سوالوں کی طرح
ساتھ چلتے ہیں مگر پاؤں کے چھالوں کی طرح

دیکھنے والوں کی تھوڑی سی توجہ کے لئے
ہم کناروں پہ رہے ڈوبنے والوں کی طرح

پھر آہ اور واہ کا ایک عجب عالم ہے یہ شعر پر خوشی اور کم ہی داد دی جا رہی ہوا ہے ؎

روح گھٹتی رہی احساس کے زندانوں میں
جسم پھیلے گئے بکھرے خیالوں کی طرح

ہم تو [illegible] کا جس ایک حصہ ہیں
ذکر [illegible] بھی ہے کوئی تو مثالوں کی طرح

دوستو میری کہانی بڑی بے ربط سہی
گھر میں بکھرے ہوئے بوسیدہ رسالوں کی طرح

معراج صاحب محفل کو لوٹ کر جا رہے ہیں [illegible] ہم کو تصویریں [illegible]
وہ صاحب [illegible] داد دے رہے ہیں [illegible]

جونہی مائک پر آئے تو فرمائشوں کا ایک شور ہے اور آپ [illegible]
[illegible] داؤد [illegible] ایک حسین اور شگفتہ غزل چھیڑ رہے ہیں ؎

اتنے دل [illegible] بکھرا دیں پریوں کے بالوں میں — ہم الجھ گئے کتنے آپ کے خیالوں میں
لوگ [illegible] آخر رحمت کی جاں [illegible] — خون تھا ہم [illegible] کے پیالوں میں
تنگ دل [illegible] آج ظرف [illegible] والوں میں — بندگی کے رشتے [illegible] گوتم [illegible]
تم نے یہ تو کہہ کر مجھ کو یاد فرمایا — آج تیں اندھیرے [illegible] اجالوں میں
میں نے اپنے سننے کا [illegible] — وہ جواب کیا دیتے کھو گئے سوالوں میں
عمر کا [illegible] ہے کیسے سا [illegible] — میں تری نگاہوں کا [illegible] جانوروں میں
کیا اسی کو کہتے ہیں انقلاب [illegible] — [illegible] شامل ہیں [illegible] والوں میں
[illegible] کے عاشق ہیں [illegible] — [illegible] دن سے نکلے تو آ گئے [illegible]
[illegible] لباسوں [illegible] — کوئی [illegible] دل [illegible]

مان کر کوئی سقراط آج کل نہیں ہوتا
[illegible] ہے خاک [illegible] پیالوں میں

راز صاحب نے محفل کو خوب [illegible] اور خوب خوب
جھولیاں بھر بھر کر داد پائی اور تالیوں کے شور میں [illegible] رہے
ہیں۔ محترم [illegible] صاحب آج [illegible] ہیں [illegible] شکست کے
بعد [illegible] کا شکار ہو [illegible] صاحب [illegible] کا
شکار ہونے پر بھی [illegible] کے موضوع [illegible] شعر جب [illegible]
سنا رہے ہیں اور میں داد دے رہا ہوں۔ دیکھئے تاراز صاحب
کے اس شعر پر [illegible] کیا خوب کہا ہے ؎

ہم تو ان کے عاشق ہیں [illegible] کے [illegible] دلوں میں
[illegible] ہوتا . . . . میں

اس قافیہ کی [illegible] بے ساختہ [illegible] دیں گے اور
ذرا سوچئے تو پھر کیا قافیہ ہے دوسری غزل کے لئے صدر محترم
درخواست کر رہے ہیں مشیر صاحب فرما رہے ہیں ؎

صدر آ گئے شاید راز [illegible] چالوں میں
میں بھی ہو گئے آخر [illegible] والوں میں

راز صاحب دوسری غزل قہقہوں کے شور میں شروع کر رہے ہیں ؎
[illegible] ہم نے [illegible] دا [illegible]
[illegible] کے [illegible]
[illegible] صاحب فرما رہے ہیں ؎

تم نے کیا سمجھ کے پیاسے [illegible] دل [illegible]
[illegible] پیاسے [illegible] میں [illegible] تھا

کھیل ہی کھیلا اس نے لڑکپن سے
جو بھی [illegible] توڑ دیا چمن سے

[illegible] ٹوٹے [illegible] جائے
[illegible] ٹوٹے آواز [illegible]

[illegible] تیسرے شعر کے متعلق حفیظ [illegible] ان کا کلام [illegible]
حفیظ صاحب کا نام سن کر [illegible] گئے ہیں اس میں [illegible] کلام
نہیں [illegible] صاحب آج [illegible] اپنے دل کش ترنم
[illegible] غزل [illegible] ہیں ؎

یہ بات [illegible] دل [illegible]
[illegible] ہے مگر [illegible]

مطلع [illegible] حفیظ صاحب کی [illegible] اور [illegible] سامعین [illegible]
داد کا عالم نہ پوچھئے کسی [illegible] اگر ابھی مائکپن سے محفل کی [illegible] ہیں
؎ دنیا [illegible] سمجھ میں نہیں آتا دیکھئے حقارت کبھی پیار [illegible]
[illegible] کا [illegible] نہیں [illegible] ٹوٹے ہیں [illegible]
پھر داد [illegible] گمان ہو رہا ہے اور اب [illegible] ایک شعر سن [illegible]

؎ ڈرتا ہوں اپنے سایہ سے بھی اس لئے کہ آج
ہر شخص دوسرے کا شکاری [illegible]

اور حفیظ صاحب لہک رہے تھے ؎

تقریر سے ممکن [illegible] شکن
وہ کام جو انسان کا [illegible] ہے
تسلیم اسے کوئی بھی دل سے [illegible] تا
وہ فیصلہ جو [illegible] کی تلوار کرے ہے

ایسا [illegible] رہا ہوں کہ اب داد دینے والے [illegible] حال سے ہو چلے
ہیں اور حفیظ صاحب ہیں کہ [illegible] ہوئے ہیں ؎

[illegible] ہوں [illegible] سمجھتے ہیں خود کو
[illegible] خوشامد کو [illegible]

حفیظ صاحب [illegible] زہیر صاحب [illegible]

شاعر کو کبھی ایک سمت سے داد ملتی ہے اور کبھی دو سمت سے لیکن ان کو چاروں سمت سے داد مل رہی ہے نام پوچھنا چاہیں گے تو بتلاتا ہوں آپ ہیں تمنا جمالی ــــ تمنا صاحب کیا آئے کہ داد و تحسین کا لا متناہی سلسلہ شباب پر ہے میری درخواست پر ایک تازہ غزل عنایت فرما رہے ہیں

بڑی عجیب سی مشکل ہے کیا کیا جائے
قرار چھین کر دل ہے کیا کیا جائے

گرگ صاحب فرما رہے ہیں پچھلے سال کی نمائش کی طرح ہی تمنا صاحب داد کا یہ خوشگوار ہنگامہ فرو ہوا تو اسی دلربائی سے سحر کر رہے ہیں ــــ

چلے ہے جانبِ مقتل کتاں کتاں لیکر	مرا ہی دل مرا قاتل ہے کیا کیا جائے
جواب دے چکی ہمت قدم نہیں اٹھتے	نظر کے سامنے منزل ہے کیا کیا جائے
میں اپنی ذات سے واقف نہ ہو سکا اب تک	ترا احوال معاملہ ہے کیا کیا جائے
وہ شخص جس نے مجھے زندگی عطا کی تھی	وہ شخص اب مرا قاتل ہے کیا کیا جائے

پھر داد تعطل عروج سے سوا ہے اور آپ اسی بانکپن سے محفل کو لوٹ رہے ہیں ــــ

ہر ایک موج کنارے پہ مجھ کو لے آئی	مرے نصیب میں ساحل کیا کیا جائے
وہی ہجوم تمنا وہی ہجوم الم	عجیب سی صورتِ محفل ہے کیا کیا جائے

تمنا صاحب محفل میں تمکنت بکھیرتا تالیوں کی جھنکار میں مسکراتے ہوئے پلٹ رہے ہیں داد دیجئے ذبیر صاحب کو کہ تمنا صاحب کے بعد ایک ایسے شاعر کا انتخاب کر لیا کہ جو اس وقت ایسے ہی محترم شاعر کا تقاضا تھا اور اور لوگ قربانی کا بکرا بنتا یہ الگ بات کہ آج ہر شاعر کو سنا جا رہا ہے آج مشہور عیاث اور خیری ضمیر مہان تمبرماسٹی اکبر ایل۔ اے یکی غائب ہیں اور ممتاز علوی بھی زیادہ نہیں جھک رہے ہیں غالباً عیاث میاں کی کمی محسوس کر رہے ہیں ہاں تو دیکھئے ذبیر صاحب تبلیغ نہیں ہونے دیں گے مشہور نوجوان اور خوش گلو شاعر ظفر زیدی کیرانوی کو دعوت نغمگی دے رہے ہیں رازمی صاحب کا نام سن کر یار لوگ تالیوں پر اتر آئے ہیں اور رازمی صاحب اس ہنگامے سے بے نیاز

پھر لب غزل سرا ہیں ــــ

اشک پلکوں پہ اجالے میں نہیں آئیں گے	تیرے یادوں کی تہ میں چھپی ہیں
پہلے میں جرأتِ نظارہ تو پیدا کر لوں	ہے بہت ماس کچھی ہیں
اپنے دامن سے وہ آنسو نہ جھٹک دیں	اگر مجھ سے ہوئے بے وفا
جیسے دیوانی کو دامن ...	... رنگ ہیں

رازمی صاحب نے ہر شعر تمکنت و بلند مرتبہ پایا ہے اور وہ داد پائی کہ بس کچھ اور پوچھئے یہ حقیقت نہ پوچھئے

رازمی صاحب میلہ کے انتظام کے سلسلہ میں اس قدر مصروف رہتے ہیں ہفتوں انہیں ہوش نہیں آتا خصوصاً مشاعرہ کی رات میں تو ان کو ہوش ہی نہیں رہتا پھر بھی وہ استاد کا جو اپنا سنا جاتے ہیں کہ محفل کو لوٹ لیتے ہیں۔ خدا انہیں نظر بد سے بچائے رازمی صاحب فرما رہے ہیں کہ ذبیر صاحب کسی ضرورت سے ذرا دیر کے لئے جا رہے ہیں اس پر ایک قہقہہ بلند ہوا ہے اور پھر وصیل انجم کیرانوی کو یاد فرما رہے ہیں انجم صاحب تمنا اور رازمی کے بعد جم نہ سکے ادھر جادو کا دور شروع ہو گیا ہے جو کچھ ان کو سنا گیا ہے آپ بھی سنئے ــــ

شعلہ رو تیرا کرم بھی تو شرر باری ہے	جگر صبر میں بھی برق کا ساماں ہوگا
میں ہوں آئینہ تمہارا دیکھ لے مجھ میں جمال	آئینہ خانہ میں جا کر تو پشیماں ہوگا

انجم صاحب مناسب داد وصول کر چکے ہیں اور رازمی صاحب درخواست گزار کر رہے ہیں جلیل علوی ایڈوکیٹ کیرانوی سے ــ جلیل صاحب آج پھنس گئے ہیں ورنہ اس کاریگار ان سے ذرا دور ہی رہتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ جلیل صاحب اچھا نہیں کہتے یا اچھا نہیں پڑھتے آپ بھی سماعت فرمائیے گا ــــ

وہی راہ بھی حرم کی مجھے آتا تو چلے	میں جہاں انہیں ملا تھا وہی راستہ گیا ہے
تمہارے کاروان میں شامل کوئی رہبرِ شمائل	وہی لطف ہے سافر جو رک کے دم لیا ہے
مرا حال دل نہ پوچھو جو نظر ہے تو دیکھو	یہ مرا اداس چہرہ مرے دل کا آئینہ ہے

داد تعطل عروج سے سوا ہے اور آپ نہایت تمکنت سے فرما رہے ہیں ــــ

ترے غم کی تلخیوں نے مجھے حوصلے بڑھائے	ترا غم رہے سلامت کہ مرا نہما ہے
کبھی ہم رنگ دلوں میں کہیں آرزو ہیں	ترا آستانہ کیف پرور مجھے ہر جگہ ملا ہے

پھر داد نے ہنگامہ کا روپ دھار لیا ہے اور آپ قطع عنایت کر رہے ہیں ــــ

تری انجمن میں آؤں تو جلیل کیسے آؤں
غمِ عشق راستے میرے ساتھ ہو لیا ہے

جلیل صاحب داد و تحسین پا کر اپنی جگہ کا رستہ لیتے ہیں ادھر رازمی صاحب جند مہر کا شمن جوہر بکھوری کو زحمتِ تکلم کا دی دے رہے ہیں۔ جوہر صاحب پُر خصوص ترنم سے ایک پرانی غزل چھیڑ رہے ہیں۔ سنئے ــــ

جہاں عشق میں بے زخم کوئی دل نہیں ملتا — نشاں ملتا ہے قاتل کا مگر قاتل نہیں ملتا
فلا اس ڈوبنے والے کی ہمت کچھ نہ پوچھے — کہ ساحل کے قریب آکر جسے ساحل نہیں ملتا
مشیت فیصلہ کرتی ہے خود ہی ظرف انساں کا — کسی کو غم نہیں ملتا کسی کو دل نہیں ملتا

اس شعر پر داد کا ایک ہنگامہ سر اٹھا رہا ہے اور آپ جھٹتے ہوئے ہیں ـــ

نبت ہے وہ بحر بیکراں اے دل جہاں تنکو سفینے ڈوب جاتے ہیں مگر ساحل نہیں ملتا

نقاب اٹھتے ہی گم ہو جائیں جو نظریں تجلی میں
انہیں جوہر مذاق دید کا حاصل نہیں ملتا

جوہر صاحب اپنی حسین غزل کے جوہر دکھا کر داد وصول کئے جا رہے ہیں اور اب ہم صاحب محترم جان عالم خاں جاوید بدایونی ایگزیکیٹو آفیسر میونسپل بورڈ میرانہ سے مؤدبانہ درخواست کلام کر رہے ہیں جاوید صاحب عطا کر رہے ہیں ـــ یہ

کہ راہ محبت میں پریشانی نہیں ہوتی — یہ منزل طے تو ہوتی ہے آسانی نہیں ہوتی

زمانہ تنگ دل ہی کو مجرم الفت سمجھتا ہے
وہ ایسا کون ہے جس سے یہ نادانی نہیں ہوتی

او اور واہ کا شور کم ہوا تو ارشاد ہوتا ہے ـــ

راز سینہ میں جب تک رہے راز ہے راز داروں کا کوئی بھروسہ نہیں
اے کہ سنتے ہیں اکثر اڑاتے ہیں یہ غمگساروں کا کوئی بھروسہ نہیں

داد مطلع ہی سے شباب پر ہے اور آپ اسی طرح پاکیزگی سے غزل سرا ہیں ـــ

روز دو کش کے پیچھے ہیں تاریکیاں ہر ترقی پہ خطرے ہیں تنزل کے ہیں
حسن کی چند روزہ بہاروں پہ بھی ان بہاروں کا کوئی بھروسہ نہیں
ڈوب ہی جائے گا ڈوبتا ہے جسے جا کے ساحل پہ بھی ہو یا منجدھار میں
زد میں طوفاں کی یہ کنارے بھی ہیں ان کناروں کا کوئی بھروسہ نہیں

قبلہ جاوید صاحب خوب خوب داد تحسین پاکر اپنی جگہ آ رہے ہیں اور زبیر صاحب زحمت سخن دے رہے ہیں جناب مشیر جھنجھانوی کو۔ محترم مشیر صاحب بڑے اعتماد کے ساتھ پُروقار انداز سے عطا کر رہے ہیں ـــ

ان سے ٹھہرے رہتے ہیں اسیروں کی طرح
مند باندھے [illegible] میں پرندیاں بکھروں کی طرح

حق دیا جاتا ہے مانگا نہیں جاتا یارو
ہاتھ پھیلاؤ نہ مجبور فقیروں کی طرح

شاد نے بڑا لنگ کا روپ دھار لیا ہے اور آپ اسی متانت سے عنایت کر رہے ہیں ـــ

مسکراتے ہوئے کوئی تعلق نہ رہا — شہر آباد میں ویران جزیروں کی طرح
ہم نے آئین تمدن کو سنوارا ہے — دفن ہیں آج کتابوں میں لکیروں کی طرح

ہر نیا خط ہمیں تقسیم کئے دیتا ہے
زندگی اپنی ہے بے جان لکیروں کی طرح

قبلہ مشیر صاحب محفل کو توانائی اور زندگی عطا کر کے شاداں جا رہے ہیں اور زبیر صاحب نہایت موزوں اور مناسب الفاظ میں تعارف فرما کر قبلہ صوفی زمزم بجنوری کو یاد فرما رہے ہیں قبلہ زمزم صاحب اس پیرانہ سالی میں نہایت وارفتگی سے غزل سرا ہیں ـــ

کیسے ہوا دیوانہ کچھ یاد نہیں آتا — اف ایسا ہی افسانہ کچھ یاد نہیں آتا
کیا میں نے بھی ساقی کی آنکھوں سے کبھی پی تھی — اے عمر [illegible] زمانہ کچھ یاد نہیں آتا
مدت نظر ان کی ہے یاد مجھے لیکن — ایسا ہی [illegible] کچھ یاد نہیں آتا
گلزار تمنا کی [illegible] — کچھ یاد ہے افسانہ کچھ یاد نہیں آتا

زمزم کا پتہ آج اک پوچھو تو وہ کہتے ہیں
ہوگا کوئی دیوانہ کچھ یاد نہیں آتا

قبلہ زمزم صاحب خوب خوب ترنم کو سنا کر خوب خوب داد وصول کر کے کامراں پلٹ رہے ہیں لیجئے زبیر صاحب کرنل خلیق احمد بہار صاحب کو دعوت غزل دے رہے ہیں جناب بہار صاحب نہایت سلجھے اور دلکش ترنم سے عنایت کر رہے ہیں ـــ

در خور محفل زنداں کسی عنوان نہ ہوا — شیخ میخانے [illegible] گر بھی تو انساں نہ ہوا
آفتاب اپنے ہی جلووں میں پنہاں [illegible] — [illegible] لیکن [illegible] عریاں نہ ہوا

تم نے جب غنچۂ سربستہ پہ ڈالی تھی نظر
ہائے اس وقت مرے پاس گریباں نہ ہوا

داد کا عالم نہ پوچھئے میں نے مشیر صاحب سے عرض کیا کہ کبھی ہائے پورے شعر پر بھاری ہوتا ہے اگر شعر سے ہائے اڑا دیا جائے تو شعر میں وہ لطف اور جان ہی نہیں رہتی۔ دیکھئے خمار صاحب کا یہ مطلع سنا ہے ـــ

لطف دوزخ بھی لطف جنت بھی
ہائے کیا چیز ہے محبت بھی

بہار صاحب اور خمار صاحب کے دوسرے مصرعہ میں ہائے کا کیا جواب ہو سکتا ہے [illegible] تو بہار صاحب کی یاد [illegible] گرامی دل کشی سے

فرما رہے ہیں ؎

ڈسے ماضی کی حسیں یاد نے جینے پائی
میکدے میں بھی علاجِ غمِ پنہاں نہ ہوا

پھر دوسرے مصرعہ پر شاعرانہ داد دی جا رہی ہے ساتھ ہی آپ کی تصویر بھی لی گئی ہے ارشاد ہوا ہے ؎

زندگی ہم نے سلیقہ سے گذاری ہے بہار
دل بھی یہ شدتِ حرماں پریشاں نہ ہوا

بہار صاحب خوب خوب لوٹے شعراء اپنی جگہ آ رہے ہیں [illegible] تعارف فرما کر درخواستِ کلام کر رہے ہیں زبیر صاحب [illegible] اپنے مخصوص ترنم سے ایک حسین شاہکار غزل چھیڑ رہے ہیں ؎

مزہ شام ہی سے خود کو یوں محسوس کرتا ہوں
کہ جیسے ایک دیا ہوں [illegible] ہوا کی زد پہ رکھا ہوں

چمکتی دھوپ کو تم [illegible] اپنے ہی [illegible]
کہ ساری رات پیڑوں کی طرح بارش میں بھیگا ہوں

کوئی ٹوٹا ہوا رشتہ نہ دامن سے [illegible]
تمہارے ساتھ بھی بازاروں میں نکلا ہوں

یوں تو داد مطلع ہی سے شروع ہو گئی لیکن دوسرے مصرعہ پر داد [illegible] ہنگامہ [illegible] داد لیا ہے اور آپ [illegible] رہے ہیں

[illegible] آواز کا [illegible] مرے ہونٹوں پہ کانپا ہے
[illegible] شب صداؤں کی حلاوت [illegible] بیٹھا ہوں

بچھڑ کے تم سے [illegible] کوئی سا [illegible]
[illegible] دیکھو [illegible]

زبیر صاحب محفل کو نغمگی میں ڈبو کر گئے۔ اور نظم ستائش اور تالیوں کی گونج میں پلٹ کر اس عالم نغمہ و سرود میں آپ نے کرسی [illegible] فرمایا جا رہے ہیں سمجھتا تھا شاید مجھے بھول گئے ہیں لیکن [illegible] دوریش [illegible] معاملہ [illegible] تھا آپ نے سماعت فرمائیے ؎

ہر طرف رنگ بہاراں ہے کئی سال کے بعد | ہونے لگا چاک رقصاں کوئی [illegible]
سر نگوں پرچم شیطان ہے کئی سال کے بعد | سرخرو آج کا انسان ہے کئی سال کے بعد
اب تعصب کا اندھیرا نہ رہا [illegible] | [illegible] کئی سال کے بعد
[illegible] بیرونِ [illegible] | [illegible]
ہر طرف امن و اماں اور سکون [illegible] | کوئی [illegible] کئی سال کے بعد

اور اس دورِ زبوں کار سے کیا چاہتے ہو
لب پہ پھر مصرعِ احسان ہے کئی سال کے بعد

اس تضییعِ اوقات کے لئے معذرت خواہ ہوں آپ پڑھی گئی غزل کی نقل یوں لوٹ چلئے وہ دیکھئے ایوان کے اندر مشہور خوش فکر خوش اور خوش پوش جواں سال شاعر شمیم صاحب بیدی یوں محو داد دی ہیں

عنبر اسرائیلی ؎

جو ہنس ہنس کے ہر غم کو گوارا کر رہا ہے | یہ مت بھولنا کہ غم کا مارا کر رہا ہے

دوسرے مصرعہ پر داد نے ہر ٹونک کو ختم دیا ہے کئی بار دہرا کر پوری محفل کو معطر بنانے چلے ہیں ؎

کنارا ابھی جس نے کنارا کر رہا ہے | مدد اس کی طوفاں کا دھارا کر رہا ہے
پڑا ہے جو دیوانہ تیری گلی میں | خدا جانے کس کو پکارا کر رہا ہے

پھر داد دینے والے خصوصاً نوجوان اور سن چلے بے حال ہو چکے ہیں آپ اسی سٹیج سے یوں محفل کو گرما رہے ہیں ؎

خدا اس کے دامن کو خوشبو سے بھر دے | وہ ظالم جو تجھ سے مدارا کر رہا ہے
تغافل سے جیتی نہیں ہے محبت | تغافل کو اور آشکارا کر رہا ہے

شمیم اس نے ساحل پہ مجھکو ڈبویا
جو ڈوبے ہوؤں کو ابھارا کر رہا ہے

شمیم صاحب محفل کو چونکا کر تالیوں کے شور میں مائک سے جدا ہو رہے اور زبیر صاحب ناظم توصیف جلوی کیرانوی کو زحمتِ سخن دے رہے ہیں قبلہ توصیف صاحب حسبِ عادت، یہاں دوبارہ سنا رہے ہیں ؎

تاریکی حیات میں کیسے غزل کہوں | اس بے پناہ ملات میں کیسے غزل کہوں
دو چار اور گام چلو تم بھی میرے ساتھ | تنہا رہِ حیات میں کیسے غزل کہوں

روشن کرم کہیں ہے نگاہِ کرم کہیں
اس طرزِ التفات میں کیسے غزل کہوں

توصیف صاحب مناسب داد وصول کئے جا رہے ہیں اور زبیر صاحب درخواستِ کلام کر رہے ہیں۔ رامپور کے استاد شاعر جناب شوق اثری کا ہے۔ قبلہ شوق نے توصیف صاحب کو بھی پڑھنے میں پیچھے چھوڑ دیا مدوا دورا اسنا کر یہ چار اور وہ جامیں منہ دیکھتا رہ گیا چلتے چلتے آپ کا سنئے گا ؎

ابتک جو بھی گذری ہے ساری وہی [illegible] | شاید خود آگہی کو میسر نہیں ہوئی
اوراقِ ذہن و دل پہ مرا نام دیکھنا | یادِ کسی کتاب کے اندر نہیں ہوئی

...لا شوق صاحب کو خوب خوب سنا گیا اور خوب خوب داد دی گئی۔ یہ ساتو بجے ۱/۲ ساڑھے بجے اس محفلِ شعر و سخن کا پہلا دور نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ ختم ہو رہا ہے پھر دوسرے دور کا مطلب ہوتا کہ یہ تک مشاعرہ چلا جب پہلا دور ہی اتنا کامیاب اور بیٹھا ہی رہ گیا تو دوسرے دور کی ضرورت ہی کہاں رہی میں نے کئی حضرات کو یہ کہتے ہوئے سنا تو دوسرا دور نہ چلا شاید وہ نہیں جانتے کہ پہلی ہی کے بعد ناز محجر ہو جاتی ہے پھر ذرا وہ حضرات یہ تو فرمائیں جب مشاعرہ لانے دو دو وقت تک خوب گئی تو دوسرے دور کی کیسی — مجموعی طور پر مشاعرہ نہایت ہی کامیاب اور لاجواب رہا جناب محترم جاوید بدایونی — چودھری اختر حسن پریذیڈنٹ نشیلوفیرڈ کیراد — جناب مظفر رضوی وغیرہ نے شعرائے کرام کی خوب خوب خاطر مدارات کی اور ہر طرح سے میزبانی کے فرائض انجام دئے — اس مشاعرہ کو کامیاب کرانے میں انہی حضرات نے بڑی جدوجہد فرمائی اور کیراد کے سامعین بھی مستحق مبارکباد ہیں کہ انہوں نے حسبِ سابق اپنے مشاعرہ کو آخر تک خوب دلچسپی سے ہمہ تن گوش ہو کر سنا اور شعرائے کرام کو خوب خوب داد و تحسین سے نوازتے رہے۔ اچھا خدا حافظ — بہت جلد حاضرِ خدمت ہو کر کوئی مشاعرہ پیش کروں گا انشاءاللہ میں گیا وقت نہیں ہوں کہ پھر آبھی نہ سکوں۔

ازالاہر سروش یزدانی

قولِ جمیل

(خسرو کے لطائف)

التماس

امیر خسرو کے والد انہیں اور ان کے بھائی کو خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے دولت کدہ پر لے گئے۔ خسرو دروازے ہی پر بیٹھ گئے اور فی البدیہہ یہ قطعہ پڑھا

تو آں شاہے کہ بر ایوان حضرت || کبوتر گر نشیند باز گردد
غریبے مستمندے بر در آید || بیاید اندر و یا باز گردد

دل میں سوچا اگر خواجہ صاحب دلوں کا حال جانتے ہوں گے تو اس کا جواب دیں گے نیز اندر آنے کی اجازت مرحمت فرمائیں گے۔ ابھی خسرو یہ سوچ ہی رہے تھے کہ خواجہ نے اپنے خادم بشیر کو بلایا اور کہا، باہر دروازہ پر ایک ترک بچہ بیٹھا ہے اسے یہ اشعار سنا دو۔

بیاید اندرو‌ں مردِ حقیقت || کہ با ما یک نفس ہمراز گردد
اگر ابلہ بود آں مردِ نادان || ازاں راہے کہ آمد باز گردد

رہائش

خسرو کے استاد ان کو لے کر اپنے دوست کے گھر گئے اور اپنے شاگردِ رشید کی خوب تعریف کی۔ خواجہ اعز الدین نے چار الفاظ موے، بیضہ، تیر، خربزہ کہہ کر خسرو سے فرمائش کی ایک رباعی موزوں کریں جس میں یہ چاروں الفاظ آجائیں۔ خسرو نے چند ہی لمحات ...... کے بعد رباعی پڑھی

ہر موے کہ در دو زلف آں صنم است
صد بیضۂ عنبریں بر آں موے ضم است
چوں تیر مداں راست دلش را زیرا
چوں خربزہ دندانش میانِ شکم است

حُسنِ فیصلہ

خسرو نے "گلستان" کے طرز پر ایک کتاب لکھی اسے پڑھ کر اُن کے مرشد سلطان المشائخ نے خوب تعریف کی نیز کہا گلستان کا سا حُسن و لطافت اس میں نہیں۔ خسرو یہ سن کر دل شکستہ ہوئے دوسرے دن پیر و مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے سلام کیا اور بیٹھ گئے۔

تھوڑی دیر بعد کہا رات خواب میں سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفےٰ کی زیارت نصیب ہوئی۔ میں نے دیکھا آپ کے سامنے شیخ سعدیؒ اور بائیں جانب سلطان المشائخ دست بستہ با ادب

حجرے میں اور حضرت محبوب کسی کتاب کے مطالعے میں مشغول ہیں۔ میں نے جو قریب جا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ کتاب حضرت سعدیؒ کی گلستاں ہے۔

خوبرویانِ ہند

خسرو نے حسنِ بنگال و کشمیر کے ساتھ ساتھ دکن کی سیاہ فام حسیناؤں کو بھی دیکھا تھا۔ ان کے چہروں کی ملاحت آمیز صباحت سے بھی وہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ کسی نے ان ہی خوبرویانِ ہند کے سیاہ رنگ پر طنز کیا۔ خسرو کے دل پہ چوٹ لگی تلملا اٹھے اور معترض کو یہ شعر سنا کر خاموش کر دیا۔

ہندوا اے مدعی طعنہ بہ تاریکی مزن
زانکہ اندر ظلمت ناز آبِ حیوان ہم است

کاغذ کی قیمت

خسرو کی گراں قدر ادبی خدمات کے علاوہ ان کی گوناگوں خوبیوں سے متاثر ہو کر سلاطین نے ان کو انعامات سے خوب نوازا۔ جب کسی نے بادشاہ کے صلہ و ستائش اور داد و دہش کا ان سے ذکر کیا تو نہایت سنجیدگی بلکہ قدرے لاابالی انداز میں کہا میرا سخن بجائے خود ایک گنجینہ ہے اگر کوئی بادشاہ مجھے اس کے صلہ میں فریدوں اور جمشید کا خزانہ بھی عطا کرے تو وہ صرف کاغذ کی قیمت ہوگی میرے کلام کی نہیں۔

گوری سوئے

حضرت امیر خسرو کو اپنے پیر و مرشد سے بڑی محبت تھی۔ جب انھیں ان کے وصال کی خبر معلوم ہوئی تو روتے پیٹتے دہلی پہنچے۔ خانقاہ کے دروازہ پر فی البدیہہ یہ شعر پڑھا

ایں مکانیست کہ منزل گہِ جاناں بودہ است
راہ آمد شدہ آں سروِ خراماں بودہ است

اور جب خواجہ صاحب کے مزار پر پہنچے تو بے تاب ہو کر مزار اقدس سے لپٹ کر پڑھتے رہے

گوری سووے سیج پر مکھ پر ڈارے کیس
چل خسرو گھر اپنے رین بھئی چہوں دیس

انوکھی تشریح

ایک شب سلطان جی اپنے کسی سیاح مہمان فقیر کی طویل کلامی سے اکتا کر کبھی انگڑائیاں لیتے اور کبھی جمائیاں۔ گاہے گاہے پہلو بدل کر بیٹھتے تھے۔ آخر نوبت بجی۔ سلطان جی نے خسرو سے کہا یہ کیا بجا ہے۔ خسرو نے کہا حضور! آدھی رات کی نوبت بجی ہے۔ سلطان جی نے فرمایا۔ اس میں کیا آواز آتی ہے۔ خسرو نے کہا

نان کے خوردی خانہ برو نان کے خوردی خانہ برو
خانہ برو خانہ برو نان کے خوردی خانہ برو
دہ کہ بدست تو کردم خانہ برو خانہ برو خانہ برو

خسرو کی اس تشریح سے سبھی لطف اندوز ہوئے اور فقیر نے خدا حافظ کہہ اپنی راہ لی

اگر آپ شاعر ہیں؟
اگر آپ زباں داں ہیں؟
اگر آپ اچھا کلام پڑھنا چاہتے ہیں؟
تو
حضرت رتن پنڈوروی کا مجموعۂ کلام
بہشتِ نظر
پڑھئے۔ بڑے سائز کے قریباً تین سو صفحات
مجلد قیمت: پندرہ روپیہ
اگر "بہشتِ نظر" آپ کو پسند نہ آئے تو واپسی کی شرط
دفتر شانِ ہند۔ فلیٹ ۸۔۱ انصاری مارکیٹ
دریا گنج۔ نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

از کلیم سرونجی

یومِ جمہوریہ

ہائے وہ عہدِ غلامی اُف وہ دَورِ خوں فشاں		قید میں تھا پنجۂ افرنگ کے ہندوستاں
گر رہی تھیں پے بہ پے امن و سکون پر بجلیاں		اور لب پر بیکسوں کے تھی صدائے الاماں

وہ فرنگی دَور تھا یا دَورِ استبداد تھا
جس طرف دیکھو اُدھر خنجر بکف جلاد تھا

کھا رہے تھے گولیوں پر گولیاں اہلِ وطن		مسکرا کر چوم لیتے تھے کبھی دار و رسن
اور جب بھڑکے تھے شعلے انجمن در انجمن		اپنی آزادی کی خاطر باندھ کر سر سے کفن

گھر سے نکلے گولیاں سینوں پہ کھانے کیلئے
دستِ افرنگی سے بھارت کو چھڑانے کے لئے

ایک جانب سرفروشانِ وطن تھے سر بکف		ایک جانب فوجِ افرنگی کھڑی تھی صف بصف
چھن رہے تھے سارے آقاؤں کے جب عز و شرف		پرچمِ ہندوستاں لہرا رہا تھا ہر طرف

اور جب طوقِ غلامی ہو رہا تھا پاش پاش
ہو رہی تھی پیکرِ جور و جفا کی دفن لاش

آ گئے تھے جمع ہو کر ایک مرکز پر عوام		جاں بلب تھا عہدِ افرنگی کا فرسودہ نظام
خواجگی کے ٹکڑے ٹکڑے ہو رہے تھے صبح و شام		ہو رہا تھا ہند میں جمہوریت کا اہتمام

ہو رہا تھا فیصلہ اب حاکم و محکوم کا
خونِ ناحق لا رہا تھا رنگ ہر مظلوم کا

اب نہ وہ صیاد باقی ہے نہ وہ کنجِ قفس		سوئے مغرب چل دئیے مشرق سے سب اہلِ ہوس
متحد ہو کر رہیں اب تو اگر اے ہم نفس		چاند تاروں پر ہماری ہو گی اک دن دسترس

چونکہ صدیوں میں میسر آئے ہیں شادی کے دن!
ہم نے پائے ہیں بڑی مشکل سے آزادی کے دن

دھوم سے خوشیاں مناؤ آج ہے پندرہ اگست		گیت آزادی کے گاؤ آج ہے پندرہ اگست
سب گلی کوچے سجاؤ آج ہے پندرہ اگست		دیپ سب مل کر جلاؤ آج ہے پندرہ اگست

اور ہر غدار کے چہرے کو کر دو بے نقاب
بیس نکتے اندرا جی کے بناؤ کامیاب

اندرا گاندھی

(ڈی۔ این ہیرا آمر جالنوی)

سورج میں جو چمک ہے، وہ آندرا کے نام کی ‖ تاروں میں جو دمک ہے وہ اندرا کے نام کی
پھولوں میں جو مہک ہے، وہ آندرا کے نام کی ‖ گلشن میں جو چہک ہے وہ اندرا کے نام کی
ہر سمت ہے سکون ہر اک شاد کام ہے
کہتے ہیں جس کو امن وہ اندرا کا نام ہے

★

اندرا کی زندگی میں سحر کیا ہے شام کیا ‖ یک مشغلہ ہے کھیل ہے دن رات کام کیا
کیا گردشِ نجومِ فلک کا نظام کیا ‖ تقدیر اُس کے ہاتھ ہے اُس کا مقام کیا
منزل جھلک اُٹھی ہے وہ یوں تیز گام ہے
کہتے ہیں جس کو امن وہ اندرا کا نام ہے

★

اِک اِک کے کام آئی بڑی باوفا بھی ہے ‖ کہنے کو آدمی ہے مگر دیوتا بھی ہے
بحرِ سیاسیات میں وہ ناخدا بھی ہے ‖ اپنی شکستہ کشتی کا اک آسرا بھی ہے
اُس کے ہی دم سے ہند کا اونچا مقام ہے
کہتے ہیں جس کو امن وہ اندرا کا نام ہے

غبارِ خاطر:- حضرت مولانا ابوالکلام آزاد (مرحوم) کی زندہ جاوید تصنیف "غبارِ خاطر"، جس کا اصلی ایڈیشن عرصہ سے نایاب تھا۔ اب مکتبہ شان ہند نے اس کا نیا ایڈیشن (اصلی) شائع کیا ہے۔ قیمت پندرہ روپے

دفتر شانِ ہند فلیٹ نمبر ۸۔ انصاری مارکیٹ دریا گنج نئی دہلی نمبر ۲-۱۱۰۰۰

جوہر بسوودی

ہمارا وطن

پیام مسرت عروس نظارا | انوکھا انوکھا نرالا نرالا
کسانوں غریبوں کی قسمت کا تارا | ہوا آج آزاد بھارت ہمارا

ہمارا وطن ہے ہمیں دل سے پیارا

مرا ملک جنت نشاں بن گیا ہے | محبت کی اک داستاں بن گیا ہے
سپاہی ہر اک نوجواں بن گیا ہے | ترقی میں فخر جہاں بن گیا ہے

ہمارا وطن ہے ہمیں دل سے پیارا

ہمالہ کے پربت ہیں امرت کے دھارے | کہیں بہتی گنگ و جمن کے نظارے
کہیں رقص کرتے ہوئے چاند تارے | وہ صبح بنارس کے رنگیں اشارے

ہمارا وطن ہے ہمیں دل سے پیارا

ہیں نیتاجی سبھاش بھی جاودانی | بھگت سنگھ کی زندہ ہے اب تک کہانی
فدائے وطن ویر جھانسی کی رانی | جواہر کی ہے یہاں پاسبانی

ہمارا وطن ہے ہمیں دل سے پیارا

ترنگا یہ پرچم جو لہرا رہا ہے | غلامی سے آزاد اس نے کیا ہے
اسے خون باپو نے اپنا دیا ہے | ہر اک دل میں اس کا سکہ جما ہے

ہمارا وطن ہے ہمیں دل سے پیارا

یہ موقع ہے اب جانشیں گاندھی کا جو | نہیں ہے خیال اپنی ہستی کا جوہر
ہر اک نوجواں اپنی بستی کا جوہر | سہارا ہوا اندرا کی کشتی کا رہبر

ہمارا وطن ہے ہمیں دل سے پیارا

(جوہر بسوودی)

★

وزیر اعظم ہندوستان۔ شریمتی اندرا گاندھی
کے ۲۰ نکاتی پروگرام کی طرف نوجوانانِ وطن
کی توجہ مبذول کرانے کے لئے !

کشتی کی رفتار کو روکو | یا پھر اس منجدھار کو روکو
شعلوں سے گلزار بچاؤ | دہکی ہوئی انگار کو روکو
شبنم کا دل ٹوٹ نہ جائے | گل کو روکو خار کو روکو

تم ہو آخر ابن مریم
جاتے ہوئے بیمار کو روکو

میخانہ بدنام ہو جس سے | ایسے ہر میخوار کو روکو
دل کو تمنا دل سے بچالو | دشمن کے ہر وار کو روکو
آئینِ جمہور کو سمجھو | اپنے غلط کردار کو روکو

جوہر اپنا فرض سمجھ کر
ملک کے اس ادبار کو روکو

(نتیجہ فکر جوہر بسوودی)

بقیہ پندرہ اگست

ہنستے ہوئے چلو کبھی گاتے ہوئے چلو | آؤ قدم قدم سے ملاتے ہوئے چلو
اپنے وطن کی شان بڑھاتے ہوئے چلو | جھنڈے کی آن بان دکھاتے ہوئے چلو
جشن طرب ہے رنگ جمانے کی رسم ہے

نہرو سبھاش گاندھی و آزاد کا نثار | اک ایک دل سے تمام جہاں پر نثار بار
یہ دیس کے امیر شجاعت کے تاجدار | ہر شخص ان کی یاد میں ہے آج بے قرار
دنیا گئے ہیں جو وہ بتانے کی رسم ہے

اسماعیل ذبیح

آزادی

مچل کے ساز بجایا ہے کس نے سادلی میں ‖ بھڑک اٹھا جو حسینوں کا حسن چلمن میں
مہک رہے ہیں یہ پیار کے پھول دامن میں ‖ اچھل رہے ہیں محبت کے گیت گلشن میں
کدورتیں جو محبت سے ہو گئیں ہیں دور
تمام لوگ مسرت سے ہیں یہاں مسرور

خلوص اور محبت سے دل ہیں سب بیدار ‖ نشاطِ جوشِ مسرت سے ملک ہے سرشار
قدم قدم پہ ترقی کے ہیں یہاں آثار ‖ فدائیانِ محبت کی ہے نئی سرکار
چمک گئی ہے سب کی زندگی اس سے
یہ جشنِ نو نے پائی ہے روشنی اس سے

خیالِ رفعتِ گوتم سے شادماں ہیں سبھی ‖ پیامِ وحدتِ نانک سے کامراں ہیں سبھی
یہاں امانتِ گاندھی کے پاسباں ہیں سبھی ‖ یہاں سیاستِ نہرو کے رازداں ہیں سبھی
عظیم لائقِ تعظیم ہیں سبھی اس کے
کریم لائقِ تکریم ہیں سبھی اس کے

یہ خاکِ ہند سے پیدا ہوئے کئی رہبر ‖ نثارِ جان سے ہوئے تھے ان پہ سب قیصر
وہ نکتہ سنجِ سیاست جہاں کے تھے سرور ‖ جہاں میں تیرے نہیں کوئی ان سے اب برتر
خیال و فکر کے تنو ماہتاب چمکے ہیں
اسی زمیں پہ کئی آفتاب چمکے ہیں

وہ فخرِ دہر کہ ہندوستانی گاندھی ‖ نظامِ دہر کی اک آن بان ہے گاندھی
شہیدِ عزم ارادے کی جان ہے گاندھی ‖ اہنسا اور محبت کی شان ہے گاندھی
جہاں میں ہند کا پایۂ تمام روشن ہے
اسی سے ہند کا سارا نظام روشن ہے

اسی کا ذکر یہاں بار بار ہوتا ہے ‖ اسی کی یاد سے دل بیقرار ہوتا ہے
پیمبروں میں بھی اس کا شمار ہوتا ہے ‖ زمانہ تمام پہ اس کے نثار ہوتا ہے
رکھا ہے ہند میں گاندھی نے سنگِ آزادی
اچھل رہا ہے اسی سے یہ رنگِ آزادی

جو رہبرانِ سیاست میں کام کرتے ہیں ‖ وطن کے نام کو روشن مدام کرتے ہیں
دعا پہ ختم ہم اپنا کلام کرتے ہیں ‖ ادب سے اہلِ چمن کو سلام کرتے ہیں
خدا کرے کہ وطن میں یہی نظام رہے
میری دعا ہے درخشاں وطن کا نام رہے

بیس نکتوں کا پروگرام (علامہ گوپی ناتھ امن)

اندرا جی نے دیئے ہیں جو ہمیں بیس نکات   انھیں نکتوں سے ملے گی مرے بھارت کو نجات
ہے یہ مقصد کہ غریبی سے ملے سب کو نجات   فرق مٹ جائے جو قائم ہے یہاں طبقات
ہو نئے دور کا آغاز وطن میں اپنے
یعنی اک تازہ بہار آئے چمن میں اپنے

پہلا نکتہ ہے کہ بھارت میں گرانی کم ہو   زندگی کی جو ضرورت ہے ملے وہ سب کو
ایک دانہ جہاں اگتا ہے وہاں پر ہوں دو   اے جوانانِ وطن آگے بڑھو آگے بڑھو
خرچ سرکار کے صیغوں میں بھی کم ہوتا ہے
اس طرح قوم کو آزادِ الم ہوتا ہے

کام کچھ لوگ جو کھیتوں میں کیا کرتے ہیں   اوروں کی دی ہوئی اجرت پہ جیا کرتے ہیں
سود پہ قرض مہاجن سے لیا کرتے ہیں   ایک کے بدلے میں دو دو وہ دیا کرتے ہیں
ان کے کھیت اپنے ... زمیں اپنی ہو گھر اپنے ہوں
چاہے کم رقبے میں وہ گھر ہوں مگر اپنے ہوں

سیکڑوں بیگھہ پر اس کے اک ایسا ہے کسان   اور اک ایسا کہ کچھ بسوؤں ہی پہ ہے گزران
لیکن ایک سماج اب تو کریں گے نرمان   پست جس میں نہ ہو رتبہ میں کوئی بھی انسان
یوں تو اب دورِ غلامی کا کہاں باقی ہے
اس کا لیکن کہیں ایک آدھ نشاں باقی ہے

ابھی کچھ لوگ غریبی میں جو کرتے ہیں بسر   پاس ان کے نہ زمیں کوئی نہ اپنا کوئی گھر
چاہئے خود کو نہیں وہ اہلِ دول کا چاکر   مادہ ان میں ترقی کا ہے متوقع ہو اگر
ان کی خودداری کے جذبات کو اکساتا ہے
ان کی بہبود کا راستہ انھیں بتلاتا ہے

یہاں بیگاری کی لعنت جو چلی آتی ہے   پست قوم اس سے کہاں کوئی ابھر پائی ہے
دھوپ گرمی کی دوپہری کی وہ سہہ جاتی ہے   روٹی کھاتی ہے اوجھن سے فقط کھاتی ہے
جا کے بہار یوپی میں دیکھے کوئی حالت کیا ہے
زندگی کیسی ہے اندازِ معیشت کیا ہے

قرض لیتے تھے ضرورت کو جو بیچارے کسان   ان کا قارض ہوا گر کوئی کہیں بے ایمان
اس کی گردن پہ چھری ایک لٹکتی ہر آن   جانے کب ضبط بیک وقت ہوں کھیت اور مکان

اُن کو اس قرض سے اب چاہیے چھٹکارا ہے
ہوا احساس حکومت کو یہ بیچارہ ہے

کام کرنے کے لئے کھیت پہ جو جاتے تھے   جو بھی دیدیتا تھا مالک وہی پاتے تھے
غرضِ مقصد کی یہ حیرات تھی وہ بنواتے تھے   عرض کرتے بھی تو کیا جبر کی فقط کھاتے تھے

جرأت عرض بڑھی ان میں یہی کیا کم ہے
کہہ تو سکتے ہیں یہ منہ پھوڑ کے کیا کیا غم ہے

لاکھوں بیگھے پڑی تھیں جو زمینیں بیکار   جن میں اب گھاس کا تنکا بھی نہ اُگتا زنہار
اب یہ کوشش ہے کہ کی جائیں پھر ایسی افکار   تاکہ بن جائیں وہ کچھ بونے کے قابل اکبار

جب اپج ہوگی تو پھر ملک بھی شاداں ہوگا
جو بھی اس ملک میں رہتا ہے وہ فرحاں ہوگا

پہلے اک دور تھا انساں کی ضرورت کم تھی   جتنے سامان ضروری تھے وہ حاصل تھے سبھی
پھر جو قلت ہوئی تو بھاپ کی ایجاد ہوئی   ریل اس سے چلی فیکٹری بھی اس سے چلی

آج جس دور میں اس دہر میں ہم رہتے ہیں
برق کا دور اسے اہلِ خرد کہتے ہیں

برقی طاقت کو بڑھائیں پئے بہبودِ وطن   صنعتیں پائیں فروغ اس سے تو ہوں لوگ مگن
ایٹمی دور کا بھی جلد ہی آتا ہے زمن   اس سے اوسر جو ہیں بن جائیں گے سب گلشن

اپنا موقف تو ہے تعمیر ہے تخریب نہیں
ہم کو منظور شکستِ خمِ تہذیب نہیں

کارخانوں کی نہ اس ملک میں پہلے تھی نمود   چرخے اور کرگھے میں مضمر تھی یہاں کی بہبود
ملک میں آگئی غیروں کی حکومت مردود   اس میں تھا اپنا زیاں جس میں کہ اُن کا تھا سود

چرخے کو کرگھے کو اک بار پھر اپنانا ہے
گاندھی جی کا بھی اس ملک سے فرمانا ہے

عام لوگوں کو جو ملتا ہے ملوں کا کپڑا   کچھ دنوں سے نظر آنے لگا ہے گھٹیا سا
اس کو دینا ہے فروغ ایسا کہ بہتر ہو ذرا   غرض یہ بھی کہ نہ ہو نظروں میں بھی وہ بھدا

مل کے کپڑوں کی جگہ اس کا چلن ہو جائے
ملک خوشحال ہو جتنا بھی ممکن ہو جائے

شہر میں کتنی زمینیں پڑی ہیں بیکار   جوتتے بوتے ہیں ان کو نہیں پروا زنہار
ہے خیال ایسا کہ قبضہ کرے ان پر سرکار   تاکہ ہلچل سی مچے اہلِ دول میں اکبار

ہوں گی سرکار کے قبضہ میں تو کام آئیں گی
ہر غرض مند کے اغراض کو بر لائیں گی

اونچے اونچے جو نظر آتے ہیں گھر عالی شان   سچ یہ ہے ان کے لئے بیچا گیا ہے انسان

خود غرض ہو گئے کس درجہ جہاں میں اعلیٰ　　جیسے ان کے لئے مرتا ہے نہ کوئی بھگوان
ان کی بیداد میں خونِ غربا پائیں گے!
اہلِ دل دیکھ کے اس حال کو شرمائیں گے
چور بازاری پہ کچھ روک لگی تو ہے مگر　　جا بجا آج بھی ہے اس کا نمودار اثر
پست اقوام کو کس طرح سے حاصل ہو گزر　　لیڈرِ قوم کو ہے فکر یہی شام و سحر
وہ جو سروودے کا پروگرام تھا گاندھی دیا
وہ پروگرام تو آچاریہ تلسی نے دیا
لوگ لائسنس تو آسانی سے لے لیتے ہیں　　بیچ کر ان کو مگر خوب مزے لیتے ہیں
چند سرکاری ملازم ہیں جو لے لیتے ہیں　　زندگی بھر کا وہ سامان کئے لیتے ہیں
ساز باز ایسا ہے گہرا ہے تعلق اُن کا
قابلِ دید ہے حد درجہ تملق اُن کا
ہیں جو مزدور وہ مجبور رہیں گے کب تک　　یعنی خودداری سے معذور رہیں گے کب تک
خدمتِ غیر پہ مامور رہیں گے کب تک　　خارج از حصۂ مقدور رہیں گے کب تک
ان کی قسمت کو بہر حال بدلنا ہوگا
ان کو بھی جادۂ بہبود پہ چلنا ہوگا

* * * * *

پندرہ اگست

نثار گورکھپوری (دیروا چندن پور)

پھر پندرہ اگست منانے کی دھوم ہے　　بیتے دنوں کی یاد دلانے کی دھوم ہے
عزم و عمل کی راہ دکھانے کی دھوم ہے　　خوابِ گراں سے سب کو جگانے کی دھوم ہے
اٹھو کہ آج ہوش میں آنے کی دھوم ہے
ہم کو تھی جس وطن کی ہمیشہ ہی جستجو　　اسلاف نے بہا دیا جس کے لئے لہو
لے دے کے آج پوری ہوئی دل کی آرزو　　سر دے کے رکھ لی خوب شہیدوں نے آبرو
دل کی مراد آج بر آنے کی دھوم ہے
جور و ستم کا سیلِ رواں اب نہیں رہا　　یاس و الم کا نام و نشاں اب نہیں رہا
اغیار کا کسی پہ گماں اب نہیں رہا　　صحنِ چمن میں خوفِ خزاں اب نہیں رہا
اب گلشنِ حیات سجانے کی دھوم ہے
اب تو رواں دواں ہے محبت کا قافلہ　　شکوہ کسی کو کچھ نہ کسی سے کوئی گلہ
دل میں کہاں تھا پہلے اخوت کا ولولہ　　تھا سب کا صرف ایک عداوت سے واسطہ
سب کو گلے سے آج لگانے کی دھوم ہے

تو نے بخشی ہے غریبوں کو اماں

ساجد فتحپوری

شاد باش اے مادرِ ہندوستاں
تو نے بخشی ہے غریبوں کو اماں
کہہ رہا ہے ذرہ ذرہ بانکپن
نہیں پھولوں سے چمکتا ہے چمن
جشنِ جمہوری کا یہ اعجاز ہے
زندگی کا جس میں پنہاں راز ہے
بے مثالی ہے ہماری ایکتا
غیر رہ جاتا ہے اس کو دیکھتا
یاد ہے گزرا زمانہ آج بھی
اہلِ زر کا مفلسوں پر راج بھی
رہن تھی کل چند سکوں پر زمیں
سود خواروں کا ستم تھا بالیقیں
اک شلوکہ تن پہ تھا بے آستیں
اور تن پوشی کو دھوتی بھی نہیں
اڑتی پھرتی تھیں بغل کی دھجیاں
تھیں کفن کو بھی ترستی ارتھیاں
پست طبقہ حاملِ زنجیر تھا
چلتی پھرتی جیسے اک تصویر تھا
پاؤں ننگے چلتا تھا جو ریت پر
حق نہ تھا اس کا خود اپنے کھیت پر
اب نہیں محتاج ساہوکار کا
آدمی کوئی کسی پٹوار کا
پاؤں گا میں اپنی محنت کا صلا
اب مقدر کا نہ ہوگا کچھ گلا
اب نہیں مقروض میں زردار کا
میں ہوں مالک اپنے کاروبار کا
عزم مستحکم ہے ہمت بے مثال
ہے تخت و تاج کا حسن و جمال
ظلم زرداروں کا سہہ سکتا نہیں
کوئی راون بن کے رہ سکتا نہیں
ذات و مذہب کا نہیں کوئی بھرم
شان سے آباد ہیں دیر و حرم
لہلہاتے کھیت ہیں یہ دیکھ کر
اٹھ نہیں سکتی کسی کی بد نظر
ہاتھ میرے ہل میرا میری زمیں
کوئی ان کو چھین سکتا ہی نہیں
اونچے ہوں گے پست ماندہ اور دبے
تاکہ حق جینے کا ان کو بھی ملے
گاؤں گاؤں جل رہی ہیں بجلیاں
شاد ہیں نل کوپ ہی سے کھیتیاں
یہ ہے لعنت ہم کریں اس سے گریز
دیش میں پھیلی ہے جو رسمِ جہیز
فیملی پلاننگ کا چرچا عام ہے
صرف دو بچوں ہی میں آرام ہے
بچہ بچہ پیکرِ ایثار ہے
بیس نکتوں کا ہی پالن بار ہے
آئی ہے تبدیلی جو دس سال میں
مٹ نہیں سکتی کسی بھی حال میں
ہو رہی ہے جن سے تعمیرِ حیات
یا خدا پھولیں پھلیں بیسوں نکات
اب ہمالیہ کی حسیں وادی ملی
اب مکمل ہم کو آزادی ملی

دیش میرا میں ہوں ساجد دیش کا
منتظر ہوں دیش کے سندیش کا

ڈاکٹر غیاث عارف ایک مختصر خاکہ

سید علی حسنین نقوی ایم ایس سی (علیگ)

جناب ڈاکٹر سید غیاث الدین احمد المتخلص بہ عارفؔ اب آندھرا پردیش کے ادبی حلقوں میں "ڈاکٹر غیاث عارف" کے نام سے مشہور ہیں آپ کے والد ماجد سید عزیز الدین احمد مرحوم طبیب یونانی تھے۔ فن شعر سے بھی گہرا لگاؤ رکھتے تھے۔ عزیزؔ تخلص فرماتے تھے

یوں تو ڈاکٹر غیاث عارف کا آبائی وطن حیدرآباد (دکن) ہے، لیکن آپ ۸ ر مئی ۱۹۳۹ء کو نلگنڈہ میں تولد ہوئے اور وہیں ابتدائی تعلیم بھی حاصل کی۔ نلگنڈہ سے ۱۹۵۴ء میں "ہائر سیکنڈری سرٹیفکٹ" حاصل کیا۔ پھر حیدرآباد تشریف لے آئے جہاں آپ نے سٹی کالج" سے انٹرمیڈیٹ کیا اور عثمانیہ یونیورسٹی سے ۱۹۶۲ء میں "بی وی ایس سی اینڈ اے ایچ" کی ڈگری لی۔ جنوری ۱۹۶۸ء سے بحیثیت "وٹرنری اسسٹنٹ سرجن" مختلف سرکاری ہوسپٹلس میں کارگزار رہے ہیں۔ اور ہیڈ کوارٹرس گورنمنٹ وٹرنری ہاسپٹل کریم نگر پر اپنے فرائض منصبی انجام دے رہے ہیں۔

ڈاکٹر غیاث عارف کی ادب سے دلچسپی کا محرک آپ کے استاد اردو جناب سید وحید اللہ وحیدؔ کا پرکشش انداز تعلیم اور آپ کے والد مرحوم کی غیر معمولی ادبی دلچسپیاں تھیں چنانچہ یہ بچپن ہی سے شعر و ادب کی طرف مائل ہو گئے۔ اگر یہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا کہ ڈاکٹر غیاث عارف کو ادب و حکمت کا ذوق نفیس ورثہ میں ملا ہے جسے ادبی محفلوں اور علمی صحبتوں نے اور چمکا دیا گھر کا ماحول بھی شاعرانہ تھا۔ آئے دن مشاعرے ہوا کرتے تھے جہاں یہ اپنے والد مرحوم کے ہمراہ ہمیشہ شریک ہوا کرتے۔

ابتداً ڈاکٹر غیاث عارف کو اساتذہ سخن کے پسندیدہ اشعار جمع کرنے اور بیت بازی کے لئے نت نئے شعر موزوں کرنے کا شوق تھا۔ آپ کا حافظہ بھی خوب ہے۔ جوں جوں عمر بڑھتی گئی ان کا ادبی ذوق بھی بڑھتا گیا۔ جناب نظیر علی عدیل، سعید شہیدی، روحی قادری، احمد ساقر اور مخدومی جیسے ممتاز ادب نواز حضرات کے ساتھ رہتے ہوئے خوب روز شعری ماحول میں پروان چڑھتے رہے۔ ڈاکٹر غیاث عارف نے اپنی پہلی غزل ۱۹۶۲ء میں کہی جسے متذکرہ بالا شعراء نے کافی سراہا۔

جہاں تک استفادہ اور تلمذ کا تعلق ہے ڈاکٹر صاحب نے پہلے پہل اپنے والد ماجد جناب سید عزیز الدین عزیزؔ مرحوم سے ادبی رہنمائی پائی اور پھر جناب نظیر علی عدیل (تلمیذ صفی اورنگ آبادی) سے استفادہ کیا اور اب جب سے کریم نگر تشریف لائے ہیں جناب ریاست علی صاحب صدیقی تاج کریم نگری (ایم۔ اے۔ بی ایڈ عثمانیہ) سے باقاعدہ مشورۂ سخن کیا کرتے ہیں اتفاقاً انہیں جو استاد فن ملے ہیں سب کے سب زبان و بیان کی صفائی اور روانی کلام پر زور دیتے ہیں چنانچہ ڈاکٹر غیاث عارف کا کلام بھی صاف ستھرا ہوتا ہے۔ ابتک ڈاکٹر صاحب کو طرحی و غیر طرحی کوئی دس بارہ مشاعروں میں پڑھنے کا موقع ملا ہے اور میں نے دیکھا ہے کہ تقریباً ہر مشاعرے میں آپ دادِ سخن پاتے ہیں۔ ڈاکٹر غیاث عارف ترنم سے پڑھنا پسند کرتے ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ خوب پڑھتے ہیں سلیس زبان اور چھوٹی بحریں عارف صاحب کو پسند ہیں

ڈاکٹر غیاث عارف خاموش طبیعت کے مالک ہیں اور انسانی نفسیات کا سنجیدگی سے مطالعہ کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ اپنے احساسات اور مشاہدات کو شعر کے آئینہ میں بھی اچھے انداز سے منعکس کر دیتے ہیں۔ مثلاً آپ کے غزل میں بہترین شعر دیکھیے جو سادہ اور

سلیس ہوتے ہوئے بھی سننے والے کے دل پر گہرا نقش چھوڑ جائے گویا آپ کی شاعری شوکتِ لفظی سے کہیں زیادہ محسوسات کی شاعری ہے بہ سلیس پیرائے میں معنویت کے چند نمونے دیکھئے۔ سہ

اور بھی آشیاں ہیں گلشن میں : کیوں مرا آشیاں ہی جلتا ہے!!
روٹھ جانا کوئی منہ پھیر کر : داستاں مختصر ہو گئی
تیری محفل سے اٹھنے کے بعد : کیوں نظر در بدر ہو گئی

آپ کے اسلوب کی سلاست اور چاشنی واقعی قابلِ دلچسپ ہے۔ ان کا کلام دیکھنے یا سننے سے کوئی الگ بہت قطعی محسوس نہیں ہوتی ــــ یوں تو خودداری اور شعورِ انا ہر فنکار اور صاحبِ فکر و فہم میں ہوتی ہی ہے لیکن ان مرحلوں پر ڈاکٹر غیاث عارف نے جو تیور اختیار کیا ہے دیکھئے کیسا دلکش ہے۔

کیا جائے ان سے مانگنے لطف و کرم کی بھیک
ہونے لگے ہیں جب متحمل عتاب کے
آزمانا اگر ہو تاب نظر : سامنے بے نقاب آئے کوئی
میرا سر جھک گیا جس جگہ : نام اس کا حرم ہو گیا
مشکلیں منہ چھپاتی پھریں : سوئے منزل قدم جب بڑھے
آشیاں کس لئے بنائے کوئی : برق کے : کیوں اٹھائے کوئی!

ڈاکٹر غیاث عارف کے یہاں ان کے اساتذہ کی طرح محبوب کا تصور بھی بڑا شائستہ اور نہایت لطیف ہے سوچئے ذرا خود بھی دل سے کیسے جائیگی

آپ کی محبت تو دھڑکنوں میں شامل ہے
ہاتھ اٹھایا ہے چارہ سازوں نے
اپنے بیمار کو بچائے "کوئی"
آپ آئے تو بندہ نواز : شام غم کی سحر ہو گئی
تیرے پہلے تو تیرے کاجل کے لئے : چاند تارے بھی توڑ لائے کوئی
جب سے تم سے وہ دور شاید : موت نزدیک تر دیکھتا ہوں
رو دیئے وہ مجھے دیکھ کر : میرا غم ان کا غم ہو گیا
آشیانے تو روشنی کے لئے : دل کا اک ایک زخم جلتا ہے
... عارف طرحی مصارع پر گرم میں بھی پڑی

چست لگاتے ہیں ملاحظہ فرمایئے شعر کیسے رواں ہو گئے
کتنی یادوں کے جل رہے ہیں چراغ
کتنی یادوں کو بھول جائے کوئی
ہمارا دل جلا کر دیکھ لیجئے : اگر جشنِ چراغاں دیکھنا ہے
ملتا ہے غم تو لعل و گہر دے کے لیجئے
ہے غم بڑی خوشی جو گوارا کرے کوئی
عارف! کہاں وہ رنگ غزل اب جگر کے بعد
"اک دھوپ تھی کہ ساتھ گئی آفتاب کے"

اس دور قحط الرجال میں پہلے تو عظیم فنکاروں کا فقدان ہے اور جو کچھ بھی مغتنم ہستیاں ہیں ان کی کا اعتراف یا ان سے اکتسابِ فیض کا باقاعدہ اور فراخدلانہ اظہار ناپید سا ہے لیکن ڈاکٹر غیاث عارف اس طرح کے اعتراف و اظہار میں کبھی خستِ قلبی کا ثبوت نہیں دیتے چنانچہ ایک جگہ کہتے ہیں :۔

آج عارف! بفیضِ عدیل : شانِ اہل قلم ہو گیا

اس شعر میں تعلی سہی لیکن بہر حال اپنے استاذ محترم کا ذکر بڑے احترام سے کیا گیا ہے۔ اس قسم کی اور مثالیں بھی آپ کے کلام میں ہیں۔ لیکن میں بخوفِ طوالت گریز کرتا ہوں۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک شاعر یا فنکار بقول رشید احمد صدیقی ایک اچھا انسان بھی ہوتا ہے۔ راقم الحروف نے ڈاکٹر غیاث عارف کی شخصیت کے یہ دونوں پہلو دیکھے ہیں۔ درد، انسانیت، خاموش محبت اور چپکے سے کسی کے لئے ایثار و قربانی کوئی معمولی بات نہیں غیر معمولی چیز ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ ایسے فنکاروں کی ہمت افزائی فرمائی جائے تاکہ کہہ سکیں کہ حق بہ حقدار رسید۔

ذیل میں ڈاکٹر غیاث عارف کے چند اور شعر نقل کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ تاکہ کوئی بات بے دلیل نہ رہ جائے اور اختصار سے خالی کوئی "تعریف محض" نہ گردانے۔

مرے ارماں کو وہ دیکھے نہ دیکھے
مجھے قاتل کا ارماں دیکھنا ہے

. . . .

عشق پہ کیوں ہے ساری تہمت
حسن پہ کیوں الزام نہیں ہے

کوئی اندازہ نہ تھا ہم کو رہِ منزل کا
روشنی سی نظر آئی، تو چلے آئے ہم

شوقِ سفر نے ساتھ بھی چھوڑا تو کس جگہ
منزل قریب آئی تو میں تھک کے چور تھا

اب احتیاجِ ساغر و مینا نہیں مجھے
آنکھوں سے پی رہا ہوں بجائے شراب کے

واعظ نے مجھ کو قابلِ پرستش سمجھ لیا
میری نظر میں مقصدِ عصیاں کچھ اور تھا

ابھی تو نامکمل ہے نشیمن !!
ابھی سے برق کیوں لہرا رہی ہے

رات وعدہ کی روشن رہی
میری آنکھوں کے دیپک جلے

اب خدا ہی حافظ ہے میرے دل کی دنیا کا
آج ان کی نظروں میں بے رخی سی شامل ہے۔

بقیہ صفحہ ۲۵ سے آگے فرض

ابّو! میں نے اپنے سہاگ، بھائی کے بلیدان سے فرض پورا کر دیا ہے۔ تم اپنا فرض نہ بھولنا۔ اپنے ملک اور سرحد کی حفاظت کے لئے اپنی جان کی بازی لگا دینا!

آج پھر دشمنوں نے میرے ملک پر اپنے ناپاک حملوں سے مقدس سرزمین کو لہولہان کر دیا ہے۔ باہر طوفانی بارش ہو رہی ہے میں اپنے اپاہج وجود کو اس اداس اداس سے کمرے میں چھپ کے لئے دفن کر دینا چاہتا ہوں۔ طوفان بجلیوں کا ہولناک تراتیج ہوئی چیخیں ان کر میرے کانوں سے ٹکرا رہا ہے۔ اس بھیانک شور میں تیزی سے ابھرتی ہوئی آواز انجم کی ہے جو میرے کانوں میں پگھلے ہوئے سیسے کی طرح اترتی جا رہی ہے! ابّو! اپنا فرض بھولنا! اپنے ملک اور سرحد کی حفاظت کے لئے اپنی جان کی بازی لگا دینا۔

یکایک میرے جسم میں ایک لہر اٹھتی ہے اور میں بیساکھی کے سہارے بہت تیزی سے باہر نکل پڑتا ہوں!!

غزل

جناب اشک سنبھلی

آہ و نالہ کسی نغمہ کی صدا ہو جیسے
میرا مرنا کوئی جینے کی ادا ہو جیسے

اس طرح ڈھونڈتا پھرتا ہوں ترا نقشِ وفا
پھول صحرا میں کوئی ڈھونڈ رہا ہو جیسے

بانٹا جاتا ہے مرا غم تو لگے ہے ایسا
میرا دل مجھ سے کوئی چھین رہا ہو جیسے

اس طرح یاد کوئی رہ گئی آتے آتے
سانس آتا ہوا سینے میں رکا ہو جیسے

اُف یہ انداز رہِ شوق میں اک ٹھوکر کا
آ کے منزل نے قدم چوم لیا ہو جیسے

یوں مجھے کر گیا مدہوش کوئی آ کے خیال
ان کے ہاتھوں سے ابھی جام پیا ہو جیسے

اتنے نازاں ہیں سجدوں پہ سجدہ کر کے
کوئی ہم نے یہ بڑا کام کیا ہو جیسے

یوں لگا کے بیٹھے ہیں کرم کی امید
ہم نے اک بت کو خدا مان لیا ہو جیسے

اس طرح موت کی ہے اشکِ پریشاں کو تلاش
زندگی اپنی کوئی ڈھونڈ رہا ہو جیسے

پہلے مصرعہ میں وہاں تک قائل ہوں جہاں تک شعر کے معنوی اور اسلوبی حسن میں کمی نہ آئے۔ (اشک سنبھلی)

وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی

کے

۲۰ بیس نکاتی اقتصادی پروگرام

کی کامیابی سے ہی ہمارے ملک کا پسماندہ طبقہ غریبی کے دلدل نکل سکتا ہے اور ہم ڈسپلن سے ہی قومی کیریکٹر کو بلند کرسکتے ہیں آئیے ہم سب مل کر وزیر اعظم صاحبہ کے بیس نکاتی پروگرام کو کامیاب بنانے میں قدم سے قدم ملا کر چلیں ۔

دیال سنگھ کالج

مشترکہ پنجاب میں نصف صدی اور کرنال (ہریانہ) میں چوتھائی صدی سے اپنی شاندار روایات کو قائم رکھے ہوئے ہے۔ دیال سنگھ کالج کرنال میں طلباء کو ہمیشہ ڈسپلن، قومی یکجہتی اور ملک کی ہر طرح حفاظت کرنے کی تلقین کی جاتی ہے۔ اور انھیں ایک اچھا شہری اور ایک ذمہ دار ہندوستانی بنانے کی کوشش کیجاتی ہے ۔

اراکین منتظمہ کمیٹی

دیال سنگھ کالج کرنال

(ہریانہ)

فرض

سروری ریاض - معرفت علی کو -
مئو ناتھ بھنجن - (یو-پی)

کتنی اداس ہے یہ شام! میرے سوکھے ہونٹوں پر صرف ایک نام آکر رُک جاتا ہے میں آگے کچھ نہیں کہہ پاتا۔ سمجھ میں نہیں آتا کیا کہوں، کس سے کہوں، چپ چاپ بوجھل بوجھل قدموں سے بیساکھی کے سہارے اپنے کمرے میں چلا آتا ہوں اداس اداس افسردہ افسردہ! میری پلکیں ہمیشہ کے لئے آنسوؤں سے بھیگ کر رہ گئی ہیں۔ لیکن انجم کے درد کا سرمایہ بھی کوئی مجھ سے نہ چھین سکا۔ مجھے اس گھر سے، اس کمرے سے نفرت ہو گئی ہے۔ یہ اداس اداس سا کمرہ اور اس میں انجم کے انفاس کی خوشبو میری بیکراں سوچوں کے زلزلے، کسی سنسان قبرستان کے سناٹے میں بھٹکتی ہوئی یہ میری روح! سمجھ میں نہیں آتا میں درد کی اس سوغات کو کیسے سنبھالوں اپنی پلکوں پر کانپتے ہوئے ان آنسوؤں کی قیمت کس بازار میں جاکر لگاؤں — لیکن اس میں انجم کا کیا قصور، قصور تو میرا تھا۔ اپنے درد و کرب اور اپنی اپاہج زندگی کا میں ہی ذمہ دار ہوں۔ اس میں کسی کا قصور نہیں۔

وہ میری شادی کی پہلی رات تھی۔ انجم جو میری شریکِ حیات ہے۔ سرخ جوڑے میں ملبوس پھولوں سے سجی ہوئی مسہری پر بیٹھی بار بار گھونگھٹ کی اوٹ سے اپنی مخمور آنکھوں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کی نگاہوں میں التجا تھی۔ چاہت تھی۔ بلاوا تھا لیکن اسے یہ کون بتاتا کہ میرا وجود کسی اور کی امانت ہے میری زندگی کا ایک ایک پل ایک ایک لمحہ کسی کے لئے وقف ہے۔ اسے کون بتاتے کہ میں نے صرف شادی کا کیا ہے پیار دینے کا وعدہ نہیں کیا۔ میرا پیار تو صرف اپنے ملک اور اس کی سرحد سے ہے۔ جس سے میں والہانہ محبت کرتا ہوں۔

اس دن چند گھنٹوں کی مہلت لے کر میں نے اپنے طیارے کا رخ اپنے شہر کی طرف موڑ دیا تھا اور شادی کی رسم ختم ہوتے ہی مجھے واپس آنا تھا۔ اس شادی سے میں خوش نہ تھا کیونکہ یہ شادی میری مرضی سے نہیں۔ والدین کی مرضی اور ان کی ضد سے ہو رہی تھی۔ میرے انکار سے والد صاحب کی عزت پر آنچ آتی ماں کی ممتا کو ٹھیس پہونچ رہی تھی مجھے مجبور کیا گیا کہ میری نافرمانبرداری کی آنچ میرے والدین کی عزت کو جھلس دے گی۔ مجھے مجبوراً شادی کے لئے راضی ہونا پڑا — حجلۂ عروسی میں بیٹھی انجم میری آمد کا انتظار کر رہی تھی اور میں اس سے کچھ کہے بغیر اسے چھوڑ کر واپس آگیا تھا۔

سردی کی طویل راتوں میں ایک رات اچانک دشمن کے طیاروں نے ہماری سرحد کے اندر گھس کر حملہ کر دیا اور ایک بار پھر جنگ کے شعلے بھڑک اٹھے۔ میں زخموں سے نڈھال نیم بیہوشی کے عالم میں پڑا زندگی اور موت کی کشمکش میں تڑپ رہا تھا کہ مجھے اپنے زخمی بدن پر کسی اجنبی کے نسوانی ہاتھوں کے لمس کا احساس ہوا۔ اپنے کھوئے ہوئے ہوش و حواس پا لینے کے بعد میں نے جونہی اپنی آنکھیں کھولیں میں حیران رہ گیا۔ انجم اپنے پورے وجود سے مجھے اس طرح چھپائے ہوئے تھی۔ جیسے کسی نے میرے اوپر چادر تان دی ہو۔ اس کے جسم سے بہتا ہوا خون بندوق کی گولیوں کی نشان دہی کر رہے تھے۔ میری آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ ان میں آنسوؤں کا ایک طوفان آگیا۔ میں نے فرطِ جذبات سے اسے سینے سے لگا لیا۔ اس کی آنکھوں میں بھی آنسو جھلملانے لگے۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن بے ربط الفاظ اس کے حلق ہی میں کانپ کر رہ جاتے۔ درد کی شدت سے وہ بے حد بے چین اور پریشان معلوم ہو رہی تھی۔ اس کے چہرے پر گہری اداسی چھائی ہوئی تھی۔ اس نے جیسے اپنے آپ سے کچھ کہا اور میرے سامنے ہی دم توڑ دیا۔ کانپتے ہوئے ہونٹوں سے میں نے صرف اتنا محسوس کیا جیسے وہ کہہ رہی ہو —

باقی صفحہ [illegible] پر

تکمیل کا سال

دلی کی نمایاں کامیابیاں

قیمتوں میں کمی — بڑھتی ہوئی قیمتوں میں کمی آئی۔ بیخ رحجاناتی صفر کے نشان سے بھی نیچے آگئی۔ اشیائے ضروریہ کی تقسیم کا مثالی نظام لاگو۔ شہر کے اور دیہی علاقوں میں ۵۲۴ کوآپریٹیو اور ۲۱۰۰ ہزار سستے داموں والی دکانوں کے توسط سے کپڑے کی فروخت۔

بے گھر لوگوں کیلئے گھر۔ بے زمین لوگوں کیلئے زمین — ۱۴۳۶ ایکڑ زرعی زمین ۸ ۵۳۸ ہریجن اور غریب بے زمین گھرانوں میں تقسیم۔ ۸۰۰۰ رہائشی پلاٹ غریب اور بے گھر ہریجنوں میں تقسیم۔ ہریجنوں کو مکان بنانے کے لئے ۱۸ لاکھ روپے کی مالی امداد۔

اپرنٹس شپ اسکیم — مقررہ نشانہ ۳۵۰۰ کے مقابلے میں ۲۵۰۰ نوجوانوں کو مختلف صنعتوں میں بطور اپرنٹس لگایا گیا۔

سماج دشمنوں کے پاؤں اکھڑ گئے — بدعنوان بیوپاریوں کے خلاف ۲۵۰۰ چھاپے۔ ٹیکس چوری کے ۴۱ کروڑ روپے کے خفیہ بیوپاری سودوں کا پتہ لگایا گیا۔ جمع خوروں، ذخیرہ اندوزوں، منافع خوروں وغیرہ خلاف ۱۴ ہزار چھاپے مارے گئے۔

طلبہ کو راحت — ۸۵۳ اسکولوں میں کتاب بینک قائم، پنسل، کاپیاں وغیرہ سستے داموں پر مہیا، طلبہ ہوسٹلوں میں سستا کھانا دستیاب۔ اسکولوں میں ۱۲ لاکھ سے زائد کا پروگرام پر عمل۔ پرائمری اسکولوں کے تمام بچوں کو مفت درسی کتابیں۔ غریب طالبہ کو اسکول کی وردیاں مفت دینے کی اسکیم پر ۸ لاکھ روپے خرچ۔

پیداوار میں اضافہ — ۶۰۰ صنعتی شیڈوں کی تعمیر۔ چھوٹے صنعتی یونٹوں کو ۵.۳ کروڑ روپے کے قرضے تقسیم کئے گئے۔ سبزی کی کاشت رقبہ ۱۶.۲۰ ہزار ہیکٹر (۱۹۷۲ء) سے بڑھ کر ۱۹.۲۷ ہزار ہیکٹر (۱۹۷۶ء)۔ کثیر مقاصد والی فصلوں کی کاشت کے رقبہ میں اضافہ۔ حاشیائی کسان و مزدور ترقیات ایجنسی کے توسط سے غریب کسانوں کی بھرپور امداد۔

صاف و خوبصورت دلی — شہر کے علاقے میں صاف ستھرا ماحول، علاقہ جامع مسجد کی نئی ترقی۔ سبزی منڈی کی آزاد پور میں منتقلی ۲۰۰ منظور شدہ صنعتوں کی منظور شدہ علاقے میں منتقلی۔ ۵۰ ہزار پلاٹوں اور تمام سہولتوں کے ساتھ ۲۰ نئی کالونیوں کی آبادکاری۔ غریب اور کمزور طبقے کے لوگوں کے لئے بہتر زندگی اور روزگار کے نئے مواقع۔ دلی کو سرسبز اور شاداب بنانے کے لئے ڈھائی لاکھ روپے محکمہ ترقیات اور ایک لاکھ پودے اسکولوں کے ذریعے لگائے جائیں گے۔

دیہی ترقی — ۵۰ دیہات میں صفائی۔ نشہ بندی اور خاندانی منصوبہ بندی کا وسیع پروگرام ۷۷-۱۹۷۶ء سال کے پہلے تین مہینوں میں ہی لاگو۔ سال ۷۷-۱۹۷۶ء کے آخر تک دلی کے سبھی گاؤں میں اس پروگرام کی توسیع

دلی خاندانی منصوبہ بندی کی اسکیموں کی عملدرآمد میں سب سے آگے — افزائش نسل والی عمر گروپ کے ۳۴ فیصد جوڑوں نے مانع حمل چیزوں کا استعمال کر کے ایک شاندار ریکارڈ قائم کیا ہے جبکہ پورے ملک میں یہ اوسط ۱۷ فیصد ہے

ہم پردھان منتری شریمتی اندرا گاندھی کی فعال قیادت میں شاندار ترقی پر آگے بڑھتے جا رہے ہیں۔
آئیے! ہم اپنے چھوٹے چھوٹے اختلافات کو بھلا کر دیش کی راہ بحالی۔ دلی کی مثال بڑھانے کے لئے مل جل کر کام کریں

جاری کردہ:- محکمہ اطلاعات و اشاعت، دہلی انتظامیہ دلی

اللہ شوق دے تو کتابیں پڑھا کرو

اور

آپ کا یہ شوق راجدھانی کی مقبول ترین

عوامی لائبریری

دیال سنگھ پبلک لائبریری

میں

پورا ہو سکتا ہے جہاں اُردو، ہندی، پنجابی اور انگریزی کی ہزارہا کتابیں ہر موضوع پر آپ کے ذوقِ مطالعہ کی سیری کے لئے موجود ہیں اور بغیر کسی نقد معاوضہ کے آپ صبح دس بجے سے شام کے پانچ بجے تک اپنی پسند کی کتابیں پڑھ سکتے ہیں۔ اُردو، ہندی اور انگلش کے مشہور روزنامے۔ ہفت روزے اور ماہنامے بھی لائبریری میں منگائے جاتے ہیں۔

اتوار اور دوسری تعطیلات کو لائبریری بند رہتی ہے

دیال سنگھ پبلک لائبریری
ٹرسٹ سوسائٹی
راؤز ایونیو ۔ نیو دہلی

اپنے اسٹیشن کو صاف رکھیے

- اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ صاف ستھرا ماحول ایک طرف کسی شخص کے کردار کا آئینہ دار ہوتا ہے اور دوسری طرف اس کردار کو نکھارتا ہے۔ صاف ستھرا گرد و پیش خوشی اور مسرت بکھیرتا رہتا ہے
- ہم اپنے گھر صاف ستھرے رکھتے ہیں تو پھر ان جگہوں کو صاف شفاف کیوں نہ رکھیں جنھیں ہم سب استعمال کرتے ہیں
- ریلوے پلیٹ فارموں، ویٹنگ روموں، سواری ڈبوں اور درحقیقت ان تمام جگہوں کو جہاں بڑی تعداد میں لوگ اکٹھے ہوتے ہیں گرد و پیش کو صاف شفاف رکھنا بہت ہی ضروری ہے۔

ریلوے نے صفائی مہم شروع کی ہے جس کے بہت اچھے نتائج نکلے ہیں۔ اب ریلوے صاف ستھرے نظر آتے ہیں۔ لیکن ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ اس سلسلے میں ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ ہم زیادہ صفائی کے لئے اپنی کوششوں کا سلسلہ جاری رکھیں گے۔

آپ بھی اس سلسلہ میں ریلوے کی مدد کر سکتے ہیں۔ آپ صرف اتنا ہی خیال رکھیں کہ آپ کے آس پاس کی جگہ بالکل صاف شفاف حالت میں رہے۔ اس طرح اسٹیشن اور متعلقہ مقامات صاف ستھرے رہ سکتے ہیں۔ اور ہاں آپ ریلوے صفائی محکمہ کے کارکنوں کی خدمات سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں وہ صرف آپ کی خدمت کے لئے ہی رکھے گئے ہیں۔

آپ بھی ذرا خیال رکھئے کہ کوڑا کرکٹ آپ کے ہاتھ سے ادھر اُدھر نہ بکھرنے پائے بلکہ کوڑا دان میں پھینکا جائے آپ کا یہ معمولی سا کام ہی آپ کی بہتر خدمات کرنے میں کافی مدد دیتا ہے۔

ریلوے آپ کی پراپرٹی ہے اسے صاف شفاف رکھئے

ناردرن ریلوے

—1976

Phone : 278886

Regd. No. D-(D)370

THE SHAN-E-HIND MONTHLY NEW DELHI-110002

Regd. with the Registrar of News Paper at R. No. 644/57

شانِ ہند دہلی

SEPTEMBER—1976

Editor :
SARWAR TAUNSVI

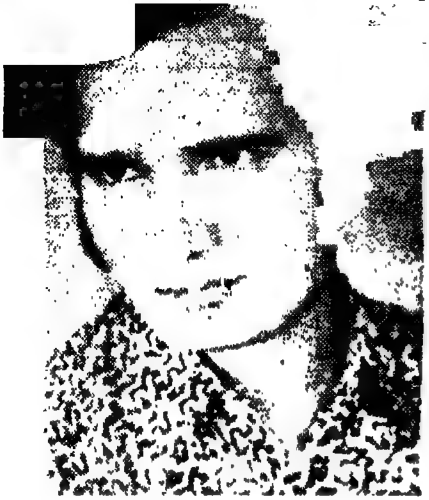

Nasir Afsar (Ranchi)

Dr. Ved Parkash Sharma (

Hari Jas Rai "Jigar' (Na..d

Sarwar Mirzapuri

Santosh Kumar "Kokab"

D. P. Nird.. P..ti.lvi

B. D. K.li. 'Hamdam'

NEW DELHI-110025

Rs. 1-00

سالِ اجراء ۱۹۳۸ء | رجسٹرڈ نمبر ڈی ۳۷۰ | رجسٹرڈ نمبر رجسٹرار نیوز پیپر R.N.644/57

فون نمبر:- ۲۷۸۸۸۰

ماہنامہ شانِ ہند نئی دہلی

ایڈیٹر:- سرور تونسوی، قیمت سالانہ دس روپیہ: فی پرچہ ایک روپیہ

جلد ۳۷ | ستمبر ۱۹۷۹ء | شمارہ ۹

فہرست

افکار و واقعات	ایڈیٹر	۳
یادوں کا عکس	نورجہاں انصاری	۶
ڈاکٹر دید پرکاش شرما	سرور تونسوی	۸
ہندوستان اسٹیل راپچی کا مشاعرہ	نصیر افسر	۹
رباعیات فدا	سری کرشن فدا	۱۲
سرور مرزاپوری		۱۳
نردوش پٹیالوی		۱۴
غلام محی الدین دفا		۱۵
آزاد سہاورلپوری		۱۶
سنتوش کمار کوکب گھرونڈوی		۱۹
ہرجس لائے جگر نامدوروی	ناظم نامدوروی	۲۰
یوگیش کمار صحرائی		۲۱
بی۔ڈی۔کالیہ ہمدم		۲۲
محمد اقبال خان زخمی جمشید پوری		۲۳
منوہر لال کیفی سرونجی		۲۴
من آنکہ مکتوب الیہ	مختلف حضرات	۲۵
تمہیں ہم یاد آئیں گے	مرحوم سلام مچھلی شہری	۲۷
انسانوں کا محرکات	اختر الاسلام	۲۸
غزلیات	ثنا ردارثی، ملک راحت قیصری، سوار، ساغر پالمپوری	۲۹
معیار کی کسوٹی پر	عزیز اندوری	۳۰

غزل

کنول نورپوری

عشق دنیا کی نگاہوں سے چھپائے رکھیے
یہ تو ہے وہ درد جو سینے میں دبائے رکھیے

عاشقی نام ہے اک جذبۂ وفاداری کا
عشق کی راہ میں جی جان لٹائے رکھیے

کھوئی کھوئی ہوئی معصوم سی اُن نظروں کو
جو ملیں آتا ہے کلیجے سے لگائے رکھیے

زندگی کیا ہے جو فتنہ ہو نہ محشر کوئی
آپ ہر گام پر فتنوں کو جگائے رکھیے

عزم کامل ہو تو منزل نہیں کوئی دشوار
عزم کامل پہ یقین اپنا جمائے رکھیے

دیکھ کر جن کو میسر ہو سکوں ہر صورت
اُن کی صورت کو نگاہوں میں بسائے رکھیے

ساغر بادہ سے بڑھ کر ہے جن آنکھوں میں سرور
آپ اُن آنکھوں کو میخانہ بنائے رکھیے

نور پھیلاتی ہے یہ غم کے اندھیروں میں کنول
عشق کی شمع ہر حال میں جلائے رکھیے

کنور مہندر سنگھ بیدی سحرؔ کو

ادارۂ "شان ہند" کا خراجِ عقیدت

جشنِ سحر نمبر

کنور صاحب کی شخصیت اور فن پر اہلِ قلم کے رشحات و یادگار تصاویر اور منتخب کلام سے مزین چار صد صفحات پر پھیلا ہوا یہ خاص نمبر دنیائے اردو ادب میں ایک یادگار اضافہ ہوگا۔

قیمت :۔ دس روپے

مستقل خریداروں کے لئے چھ روپے علاوہ محصول ڈاک

مرتبین :۔ سرور تونسوی، عزیز اندوری

مشتہرین سے استدعا ہے کہ کنور صاحب کی ملک گیر مقبولیت کے پیش نظر "جشن سحر" نمبر ملک بھر میں بڑے ذوق و شوق سے پڑھا جائے گا۔ اس لئے اس یادگار نمبر میں اشتہار دینا بھی کنور صاحب سے دلی عقیدت کا مظہر ہے۔ اُجرت اشتہار :۔ عام پورا صفحہ ڈھائی صد روپے، نصف صفحہ ۱۵۰ روپے، سرورق کا اندرونی صفحہ نمبر ۲ پانچ صد روپے، سرورق تیسرا صفحہ پانچ صد روپے اور سرورق کا آخری صفحہ دو رنگ میں ایک ہزار روپے۔

مزید تفصیلات کے لئے لکھئے

ماہنامہ شان ہند فلیٹ ۸ - انصاری مارکیٹ دریا گنج نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

افکار و واقعات

اُردو کے مشہور شعرا کی مکاریاں

اُردو زبان کے شعرا میں جو گھٹیاپن پایا جاتا ہے شاید ہی کسی دوسری زبان کے شعرا میں یہ کمزوری اس شدت سے پائی جاتی ہو۔ جھوٹ، فریب، غلط بیانی اور مکاری اُردو شعرا کی اکثریت کا روزمرہ بن گیا ہے۔ اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جس قدر مشاعروں کا سیلاب اُردو شاعری میں آیا ہوا ہے شاید ہی کسی دوسری زبان کے مشاعروں میں یہ مکاری پائی جاتی ہو۔ کثرتِ شراب نوشی، بدتمیزی۔ مشاعروں میں معاوضہ کے لئے جھگڑنا اور سودا بازی، پیشگی معاوضے کے مشاعروں میں شرکت نہ کرنا، یہ سب اوصاف جس قدر اُردو شعرا میں پائے جاتے ہیں۔ دوسری زبانوں کے مشاعروں میں قریب قریب ان اوصاف کا فقدان ہے۔

اخلاقی اور تہذیبی طور پر بھی اُردو شعرا نے جس کم ظرفی کا مظاہرہ کیا ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اکثر ذوقِ سلیم رکھنے والے حضرات کا یہ کہنا ہے کہ انھیں جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ فلاں صاحب اُردو کے شاعر ہیں تو وہ ان صاحب کا نام شرفا کی فہرست سے کاٹ دیتے ہیں۔

اس ضمن میں مولانا انور صابری نے اُردو شعرا کا [illegible] جس بھونڈے اور مکارانہ انداز میں گرایا ہے اُس کی مثال ڈھونڈے سے بھی نہیں مل سکتی اگر مولانا انور صابری کی مکاریوں۔ فریب کاریوں اور غلط بیانیوں نیز بدمعاملگی کے واقعات کی داستانیں لکھی جائیں تو آج کل جو پی۔ ایچ ڈی کے تھیسس لکھے جا رہے ہیں ان سے بہتر اور دلچسپ کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ مولانا کے کارہائے نمایاں کی کچھ لطیفہ نما اور کچھ عبرت انگیز مثالیں پیشِ خدمت ہیں۔

۱۔ گورداس پور میں مشاعرہ ہو رہا تھا کہ مولانا کلام سنانے مائک پر تشریف لائے۔ فرمانے لگے سبحان اللہ وہ بھی کیا زمانہ تھا جب میں اور گورداسپور کے ڈپٹی کمشنر صاحب کے والد بزرگوار شوریہ ساتھ ایک جیل میں سیاسی قیدی تھے ڈپٹی کمشنر صاحب جو کہ آئی۔ سی۔ ایس تھے صوفے پر ایڈیٹر شانِ ہند کے ساتھ ہی تشریف فرما تھے مولانا کی زبان سے اس انکشاف کو سُن کر چونکے اور فرمانے لگے کہ میرے والد تو بہت بڑے سرکاری افسر تھے ان کا سیاست یا جیل سے کیا تعلق۔

۲۔ عالم فتحپوری صاحب کے اہتمام میں ایک عظیم الشان مشاعرہ آگرہ میں منعقد ہوا جس کی صدارت بخشی غلام محمد صاحب (مرحوم) فرما رہے تھے۔ مولانا جب کلام سنانے مائک پر آئے۔ تو فرمانے لگے ہائے وہ بھی کیا زمانہ تھا کہ جب میں اور بخشی صاحب اکٹھے جیل میں تھے۔ انگریزی حکومت نے مجھ پر اور بخشی صاحب پر کیا کیا ظلم نہیں ڈھائے۔ اس پر بخشی صاحب کے کان کھڑے ہوئے اور انھوں نے فوراً اسٹیج پر بیٹھے شعراء سے تردیدی لہجے میں فرمایا کہ یہ بالکل غلط ہے کہ میں اور مولانا کبھی جیل میں اکٹھے رہے۔

غالباً کلکتے کے ایک مشاعرہ کی صدارت حضرت فراق گورکھپوری فرما رہے تھے۔ جب مولانا کلام سُنانے لگے تو حسبِ عادت تقریر فرمانے لگے اور کہا کہ حضرات میں اور فراق صاحب جنگِ آزادی کے دنوں میں جب جیل میں تھے اس پر فراق صاحب بے ساختہ فرمانے لگے مولانا یہ تو ٹھیک ہو سکتا ہے کہ ہم دونوں جیل میں ہوں گے مگر جرم کی نوعیت الگ الگ ہوگی میں سیاسی طور پر جیل گیا ہوں گا اور آپ کسی اخلاقی جرم میں اس پر ایک قہقہہ لگنے کے بعد جب خاموشی ہوئی تو سامعین میں سے ایک صاحب کھڑے ہوئے اور فرمانے لگے فراق صاحب میں اس معاملہ میں یہ ترمیم کرتا ہوں کہ آپ دونوں ایک ہی اخلاقی جرم میں جیل گئے ہوں گے۔ قہقہوں کا ایک طوفان تھا جو رکنے میں نہیں آ رہا تھا۔

جے پور خواجہ شاہ سلیمان تونسوی کے عرس مبارک کے مشاعرہ میں راقم الحروف نے حضرت مولانا انور صابری کو بھی [illegible] بعد مرحوم اچھے میاں صاحب جو کہ جے پور کے ایک مشہور جوہری تھے [illegible] سے مرحوم شاہ صاحب جو دھیپوری کے دولت کدہ پر کہنے لگے ہم [illegible] ہانگ کانگ سے بذریعہ ہوائی جہاز میر [illegible] اگر آپ اس کے پاس نقلی یا اصلی ہیرے تھے جو کہ [illegible]

میں نے مولانا انور صابری سے (جب آپ انہیں مشاعرے میں لائے تھے)
اس واقعہ کا ذکر کیا تو انھوں نے کہا کہ فلاں مرکزی وزیر میرے کہنے کو ٹال نہیں سکتا میں ان سے کہہ کر آپ کا یہ معاملہ رفع دفع کرا دوں گا۔ مگر ان وزیر صاحب کی خدمت میں عید کے موقع پر کچھ تحفے پیش کرنے ہوں گے جس پر اچھے میاں صاحب نے مولانا کو ایک معقول رقم دے دی۔ اب دو ماہ گذر گئے ہیں مولانا نے کچھ بھی نہیں کہا۔ اچھے میاں صاحب کی خدمت میں راقم الحروف نے گذارش کی کہ جہاں آپ کے ہیرے گئے وہاں یہ رقم بھی گئی سمجھ لیجئے۔

مدراس کے اے۔ جلال صاحب ہر سال اپنے والدِ مرحوم کی یاد میں ایک عظیم مشاعرہ کراتے ہیں۔ ایک سال مولانا کو بھی مدعو کر بیٹھے۔ جلال صاحب مولانا اور ان کے صاحبزادے کو اپنی موٹر میں لئے جا رہے تھے کہ ماؤنٹ روڈ پر ایک بہت بڑی گھڑیوں کی دوکان دیکھتے ہی مولانا نے جلال صاحب سے کہا۔ کہ موٹر رکوا لیجئے۔ موٹر رکی تو مولانا فرمانے لگے جلال بیٹا ابھی ابھی غیب سے حکم ہوا ہے کہ جلال سے کہو کہ تمہارے بیٹے کو ایک گھڑی لے کر دے۔ جلال صاحب کچھ تو مولانا انور صابری کو بہت بڑا پیر سمجھے ہوئے تھے اور دوسرے غیب کا حکم سن کر وہ بھی سراسیمہ ہو گئے۔ اور گھڑیوں کی دکان میں جا گھسے جہاں انور صاحب کے صاحبزادے نے ایک اچھی خاصی قیمتی گھڑی پسند فرمائی جو فوراً خرید لی گئی۔ اسی طرح غیب کا حکم سنا سنا کر مولانا اپنے سارے کپڑے کے ٹکڑے، ریڈیو اور اللہ جانے کس وافر مقدار میں لائے کہ جب دہلی اسٹیشن پر اترے تو یہ سامان دو دو کشادوں میں آیا۔

رڑکی میں مشاعرہ تھا حضرت مولانا بھی وہاں مدعو تھے۔ اخبار میں اعلان پڑھ کر قرب و جوار کے ایک قصبہ سے ایک صاحب بھی رڑکی پہنچ گئے۔ اور مشاعرے سے پہلے ہی مولانا کو پکڑ لیا کہ آپ نے ہمارے ہاں مشاعرے میں شریک ہونے کے لئے پیشگی روپیہ منگایا تھا اور آپ شریک نہیں ہوئے۔ پیشگی واپس کرنے کے لئے درجنوں خطوط لکھے مگر آپ جواب تک نہیں دیتے۔ اب مولانا ہیں کہ اپنی عدم شرکت کے جواز میں کئی کئی باتیں بنا رہے ہیں۔ مگر وہ حضرت ہیں کہ پیشگی بھیجا ہوا روپیہ فوراً واپسی کے لئے بضد ہیں۔ آخر کار دوسرے شعرا کے کہنے سننے پر وہ صاحب اس بات پر رضامند ہوئے کہ مشاعرے کے بعد مولانا کو جو معاوضہ ملے گا اس میں سے آپ کا روپیہ واپس کر دیں گے۔ وہ صاحب مولانا کا ایسے مواقع پر فرار ہو جانے کے کئی قصے سن چکے تھے لہٰذا وہ سایہ کی طرح مولانا کے ساتھ رہے اور اپنا روپیہ لے کر ہی ٹلے۔

اس قسم کے سینکڑوں عیارانہ واقعات مولانا کی بابت عوام کو معلوم ہیں۔ سو یا کچھ کہاں تک لکھا جائے۔

جناب کیفی اعظمی نے لال قلعہ کے ایک مشاعرہ جشن جمہوریت میں مرحوم پنڈت جواہر لال نہرو کی موجودگی میں اُردو کی بے بسی پر بہت اچھے انداز میں کلمات کہہ کر پنڈت نہرو کی توجہ اس طرف مبذول کرائی تھی کہ وہ اردو کے تحفظ کے لئے صوبائی سرکاروں کو کہیں۔ کیفی صاحب نے جذبات کی رو میں یہاں تک فرمایا کہ اُردو ہمارا اوڑھنا بچھونا ہے اور اُردو کے زوال سے ہندوستان کے کلچر کو زوال پہنچے گا۔ وغیرہ وغیرہ۔ مگر غالباً آپ حضرات کو یہ معلوم ہوگا کہ جناب کیفی اعظمی صاحب کی صاحبزادی شبانہ اعظمی اُردو کی الف۔ ب سے بھی واقف نہیں ہے۔ یہ بھی ایک عیاری ہی ہے کہ اُردو کو اوڑھنا بچھونا کہنے والا [illegible] اولاد کو اُردو نہیں پڑھاتا۔

حضرت منور لکھنوی مرحوم (جناب بشیشور پرشاد) کو کون نہیں جانتا واقعی اُردو ان کے خاندان کا اوڑھنا بچھونا رہی ان کے والد، دادا وغیرہ سب اُردو، فارسی کے عالم اور مشہورِ زمان شاعر۔ مگر جب مردم شماری والے منور صاحب کے یہاں فارم کی خانہ پری کے لئے گئے۔ تو منور صاحب نے اپنی زبان ہندی لکھوائی۔ راقم الحروف کے نزدیک یہ بھی عیاری ہی تھی کہ جناب منور اور ان کے باپ دادا کی ہندی میں ایک بھی تصنیف نہیں ہے اور اُردو میں صرف منور صاحب کی ۱۸ تصنیفات ہیں۔ اور اس پر بھی وہ اپنی زبان ہندی لکھواتے ہیں۔

اُردو کا ہر شاعر خواہ وہ مشہور شاعر ہے یا محض گویا جو کہ پیشہ ور حیثیت سے مشاعروں میں شریک ہوتے ہیں وہ جب مشاعروں میں جاتے ہیں تو منتظمین سے کہتے ہیں کہ میرا برانڈ تو فلاں سگریٹ ہے تو بیچارے منتظمین کو منگا کر دینی پڑتی ہے۔ حالانکہ اس سگریٹ کا نام ان شعرا کی سات پشتوں کو بھی معلوم نہیں ہوتا۔ اس ضمن میں ایک لطیفہ بھی سن لیجئے۔ جموں میں مشاعرہ تھا شعرا کو بہت اچھے ہوٹل میں ٹھہرایا گیا۔ جموں میں عام طور پر دہلی کے مقابلہ میں سردی زیادہ ہوتی ہے۔ صبح سویرے ہوٹل کے بوائے نے ایک مشہور بزرگ شاعر سے پوچھا کہ آپ چائے کے ساتھ کیا لیں گے۔ شاعر صاحب نے جواباً فرمایا میں تو تب تک پاخانہ نہیں اترتا جب تک کہ دودھ میں مکھن ملا کر نہ پیا

جائے۔ بلوائے فوراً گرم دودھ کا گلاس اور امول مکھن کی چھوٹی ٹکیہ لے آیا۔ ہوٹلوں میں عام طور پر ٹوسٹ پر لگانے کے لئے مکھن نمکین ہی ہوتا ہے۔ شاعر صاحب نے مکھن کی ٹکیہ کا پیکنگ کھولا اور مکھن دودھ کے گلاس میں ڈال چمچے سے ہلایا تو آنِ واحد میں دودھ پھٹ گیا۔ ظاہر ہے کہ اگر شاعر صاحب گھر میں دودھ میں مکھن ملا کر پینے کے عادی ہوتے تو وہ نمکین مکھن کو دودھ میں نہ ڈالتے۔ اس قسم کی معمولی معمولی عیاریاں اگر اُردو کے شعرا کی لکھی جائیں۔ تو آپ پڑھتے پڑھتے تھک جائیں گے۔ مگر کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ ہمارے شعرا کی عیاریاں پیشہ ورانہ حیثیت اختیار کرتی جارہی ہیں اور واقعی یہ تسلیم کرنے کو دل چاہتا ہے کہ اب اُردو کے شعرا کی اکثریت شریفوں کے زمرہ سے نکل چکی ہے۔

کاشف اندوری زہریلی شراب کی نذر

حال ہی میں زہریلی شراب پینے کے باعث اندور میں ایک سو سے زائد شراب نوش موت کی بھینٹ چڑھ گئے اور ایک خاصی تعداد میں زہریلی شراب پینے والے ہسپتالوں میں زیرِ علاج ہیں۔ اس مرگِ انبوہ میں اندور کے ایک مشہور شاعر جناب کاشف اندوری بھی شامل ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اندور میں اُسی تاریخ میں ایک مشاعرہ تھا جس میں شرکت کے لئے ملک بھر سے چند بہترین شعرا بھی تشریف لائے ہوئے تھے۔ لہذا پانچ مشہور شعرا کا طائفہ ایک پرائیویٹ اڈے پر ناجائز کشید کی ہوئی شراب پینے گیا اور پانچ گلاسوں کا آرڈر دیا گیا اتنے میں یہ اطلاع ملی کہ اس ناجائز اڈے پر پولیس چھاپہ مارنے آرہی ہے جس پر پانچوں شاعر حضرات پولیس کے ڈر سے بھاگ ہی رہے تھے کہ شراب کے پانچ گلاس بھی میز پر آگئے۔ کاشف صاحب نے جو پہلے ہی پیے ہوئے تھے چلتے چلتے ایک گلاس اٹھایا اور ایک ہی سانس میں پی گئے۔ مگر باقی چار شعرا نے یہ شراب نہیں پی اور پولیس کے ڈر کے باعث اڈے سے باہر چلے آئے۔ دوسرے دن کاشف صاحب کو ہسپتال لے جایا گیا مگر زہریلی شراب کے باعث وہ جانبر نہ ہو سکے۔ خدا کا لاکھ لاکھ احسان ہے کہ باقی کے چاروں شعرا کاشف صاحب کے ہم سفر نہ بن سکے ورنہ اردو مشاعروں کی رونق ہی تقریب تقریب ختم ہو جاتی۔

ہمیں کاشف صاحب کی موت کا انتہائی افسوس ہے مگر اس کا کیا علاج کہ شرابی شعرا عام طور پر اپنی موت کو خود بُلاوا دیتے ہیں۔ جو چار شعرا حضرات قدرت کی مہربانی یا پولیس کے ڈر سے بچ گئے ہیں اگر ان کا ضمیر مُردہ نہیں ہو گیا۔ اگر وہ اپنے اہل و عیال کو یتیم اور بیوگی کے عالم میں از خود چھوڑنا نہیں چاہتے۔ اور خود بھی طبعی موت مرنا چاہتے ہیں تو وہ صمیم قلب سے خدا کا ہزار ہزار شکریہ ادا کرنے کے بعد شراب نوشی سے توبہ کریں۔ اللہ میاں نے اس بار تو انھیں ایک موقع دے دیا ہے۔ اور اپنے ہاں بُلانے سے احتراز کیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ بُری عادت انھیں پھر کسی اسی قسم کی شراب کے ناجائز اڈے پر لے جائے اور یہ حضرات بھی کاشف صاحب سے جا ملیں۔ ہم اُن شعرا کے نام دیدہ دانستہ طور پر شائع نہیں کر رہے اور اس یقین کے ساتھ کہ وہ از خود اس بُری عادت کو چھوڑ کر خدا کا شکر بجا لائیں گے۔

شعرائے کرام سے ضروری گذارش

وزیر اعظم صاحب کے بیس نکاتی اقتصادی پروگرام سے متعلق اگر آپ نے کوئی قطعہ، نظم، یا گیت کہا ہے تو ازراہ کرم اس کی ایک نقل دفتر شانِ ہند میں بھجوا کر ممنون فرمائیں۔ اُمید ہے کہ شعرائے کرام اس گذارش پر فوری توجہ فرمائیں گے۔

بیسویں صدی اور خوشتر گرامی محض اور محض "تیر و نشتر" کی وجہ سے ہی ملک گیر شہرت پا سکے اور بیرونِ ملک بھی اُردو داں طبقہ ان دونوں کو "تیر و نشتر" کی وجہ سے ہی جانتا تھا۔

اب خوشتر گرامی کے

تیر و نشتر

انتہائی خوبصورت اور دلکش انداز میں کتابی صورت میں شائع کئے گئے ہیں کتاب اتنی دلکش اور دیدہ زیب ہے کہ یوپی اردو اکادمی نے اس کتاب پر دو ہزار روپے انعام دیا۔ اور حکومت پنجاب نے خوشتر گرامی کو نوازا۔ پہلی فرصت میں تیر و نشتر منگائیے

قیمت مجلد اٹھارہ روپیہ

دفتر شانِ ہند فلیٹ ۵ ۔ الفلاح مارکیٹ دریا گنج نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

افسانہ

یادوں کا عکس

نورجہاں سہارنپوری

عرشی! میں تمہیں کیا کہہ کر مخاطب کروں؟ —

بعض رشتے بھی کتنے عجیب ہوتے ہیں جنہیں صرف محسوس کیا جا سکتا ہے کوئی نام نہیں دیا جا سکتا ہمارا رشتہ بھی تو کچھ ایسا ہی ہے نا!

عرشی! زندگی کیا ہے کیا تم نے کبھی محسوس کیا ہے میں نے بارہا زندگی کو سمجھنے کی کوشش کی ہے لیکن ہر بار مجھے ایک نئے جواب سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ سچ تو یہ ہے انسان اگر خوش ہے تو کائنات کا ہر ذرہ اُسے حسین دکھائی دیتا ہے اور اگر انسان ہی اُداس ہے تو یہ دُنیا، دُنیا کا رنگ سب کچھ پھیکا پھیکا سا لگتا ہے۔!!

میں نے قدم قدم پر محسوس کیا ہے ہم ایک دوسرے سے وابستہ ہیں تم میری زندگی میں کتنا رچ بس گئے ہو اس کا اندازہ کیسے لگاؤں؟ آج تک سمندر کی گہرائی کو کون ناپ سکا ہے —!

اور دل —— ! یہ بھی تو ایک سمندر کی طرح ہی ہے جس میں ہر پل ہر لمحہ ایک نئی موج جنم لیتی ہے اور ٹوٹ جاتی ہے پھر اس ٹوٹی ہوئی موج سے دوسری موج جنم لیتی ہے اور یہ سلسلہ چلتا ہی رہتا ہے۔!

یہی حال میرے دل کا بھی ہے۔ ایک یاد کو جھٹکتی ہوں تو دوسری آن کھڑی ہوتی ہے اس سے فرار حاصل کرتی ہوں تو دوسری آن کھڑی ہوتی ہے اس سے فرار حاصل کرتی ہوں تو تیسری یاد ذہن میں دھنک بن کر رنگ بکھیرنے لگتی ہے اور یہ یادوں کی کڑیاں ملتی ہی چلی جاتی ہیں —!!

میں اور تم ہمیشہ سے ساتھ ہوتے ہوئے بھی کتنے دور ہیں۔ کبھی کبھی ایسا لگتا ہے ہم افسانوں کے کردار ہیں۔ بچپن میں میں نے ایک کہانی سنی تھی۔ ایک پری کو ایک دیو نے قید کر لیا۔ تب شہزادہ اسے تلاش کرتا جنگلوں کی خاک چھانتا سمندر پار کر کے اس کے پاس پہونچا اور اس نے اپنی پری کو آزاد کرا لیا۔ کیا یہ سب ممکن ہو سکتا ہے لیکن یہ سب تو کہانی کی باتیں ہیں حقیقت میں تو میں اور تم دریا کے وہ دو کنارے ہیں جو ہمیشہ ساتھ رہتے ہوئے بھی جدا رہتے ہیں۔ اور یوں انکی زندگی کا سفر جانے کہاں سے کہاں پہنچ جاتا ہے؟ —

اور معصوم دو کنارے اسی اُمید پر دن گزارتے ہیں کہ شاید ایک دن قدرت کو ان پر رحم آ جائے اور یہ پانی سوکھ جائے اور وہ ایک دوسرے سے مل کر اپنا دکھ بانٹیں۔ دوریاں مٹ جائیں اور وہ دو نہ ہو کر ایک میں بدل جائیں۔

انتظار!

اور وہ بھی ایک طویل انتظار!!

مشکل ہوتا ہے نا؟ لیکن پھر بھی کتنا خوبصورت انسان یہ سوچ کر کہ ایک دن اُسے اس کی منزل مل جائیگی۔ زندگی کے نشیب و فراز سے بے نیاز انجان مسافر کی طرح بھٹکتا ہوا ایک نئی جستجو کے ساتھ چلتا رہتا ہے یہاں تک کہ اُسکے قدموں میں آبلے پڑ جاتے ہیں لیکن جب وہ اپنی منزل پر پہنچتا ہے تو اس کا ہر غم خوشی میں بدل جاتا ہے لیکن منزل کی تمنا کرنے والوں کی تعداد بھی کتنی زیادہ ہوتی ہے کوئی منزل کو پا لیتا ہے اور کوئی زندگی بھر منزل کی تلاش میں بھٹکتا رہتا ہے۔ عرشی! ایسا لگتا ہے کائنات کا ذرہ ذرہ ہمیں جانتا ہے اور ہر کوئی مجھ سے تمہارے بارے میں سوال کرتا ہے۔

میں کیا جواب دوں؟ تم ہی کچھ بتاؤ نا۔

چلتی ہوا میرا دامن تھام کر پوچھتی ہے وہ کہاں ہے؟

کئی بار کانٹوں نے میرا دامن پکڑا ہے۔

شبنم نے مسکرا کر مجھ سے اسی سوال کا جواب مانگا ہے

ہاں عرشی! جب چاند پوری آب و تاب کے ساتھ چمکتا ہے تو میں اس کی طرف دیکھ نہیں پاتی۔ ڈرتی ہوں اگر مجھ سے اُس نے بھی یہی سوال کیا تو کیا جواب دونگی

ہوا، پھول، کانٹے!

چاند، ستارے، بادل!!

سبھی تو گواہ ہیں ہمارے پیار کے۔

تمہارے قدموں کی چاپ آج بھی میرے کانوں میں گونجا کرتی ہے مگر ہر چیز میں تمہارا عکس دکھائی دیتا ہے۔

تمہیں یاد ہے ایک بار ہم مزار پر گئے تھے جو کافی چڑھائی پر ہے۔ چلتے چلتے میں تھک گئی تھی لیکن تم تھک کر بھی بادجود چڑھتے چلے جا رہے تھے۔ ایک جوش و ولولے کے ساتھ!

میں نے سوچا تھا کاش ہم زندگی بھر یوں ہی چلتے رہیں۔ کتنی فرسودہ سی تمنا تھی میری۔ ریتا تو میں ہمیشہ کرتی ہوں کہ جب تمہارا ساتھ ہو وقت تھم جائے اور ہم یوں ہی چپ چاپ ایک دوسرے کو دیکھا کریں۔

مجھ سے چلنا دوبھر ہو گیا تو میں ایک پتھر پر بیٹھ گئی تھی سانسیں الجھ رہی تھیں۔ مجھے بیٹھا دیکھ کر تم رک گئے تھے اور میرے نزدیک آ کر پوچھا تھا۔

"تھک گئیں۔۔؟"

"ہاں! بہت!"

"صرف ایک بار میں ہی" تم مسکرائے تھے میری سوالیہ نگاہیں۔ تمہارے چہرے پر جم گئی تھیں۔

"میں تو تمہیں مانگنے یہاں بار بار آیا ہوں"

میٹھی سی مسکراہٹ کے ساتھ تم نے کہا تھا۔

"اچھا!" میں بھی مسرور تھی۔

"چلو! جلدی سے اٹھو۔ دیکھو ایک بات مشہور ہے یہاں کے بارے میں جو کوئی یہ سب راستہ ایک سانس میں یعنی بنا کہیں رکے طے کرے اس کی مراد ضرور پوری ہوتی ہے۔ ایک بار بچپن میں چار بجے میں یہاں آیا تھا۔ اور یہ راستہ ایک سانس میں ہی طے کیا تھا۔" "پھر مراد بھی پوری ہوئی!" میں نے پوچھا تھا "مراد! ہاں پوری ہو گئی شیریں۔ میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ ایک دن تم میرے ساتھ ہو گی۔ اور آج تو میں سر کے بل جا رہا ہوں" تم نے میری طرف دیکھا تھا۔

"لیکن مجھے تو پاؤں سے چلتے دکھائی دے رہے ہو" میں شرارت سے بولی تھی۔

لیکن اس وقت تم خوشی کے ساتھ ساتھ سنجیدہ بھی تھے میری یہ بات تمہیں کچھ گراں گزری تھی اور تم نے کچھ چڑ کر کہا تھا۔

"تمہیں نہ دکھائی دے پر پاگل میں تو سر کے بل جا رہا ہوں!"

چلتے چلتے میرے ہاتھ کی چوڑی کا سرخ رنگ میری ہتھیلیوں پر آ گیا تھا۔ ایک جگہ رک کر میں اپنے ہاتھ صاف کرنے لگی تھی۔ تم نے میرے رنگے ہاتھوں کو دیکھ کر کہا تھا۔

"مجھے لگتا ہے کہ میری شادی ضرور جلد ہو گی تب ہی تو تمہارے ہاتھوں میں قدرت نے مہندی لگا دی ہے"

یہ سن کر جانے کیوں میرا دل دھڑکا اور میں نے سوچا [illegible] کہیں مہندی کی جگہ ہمارے ارمانوں کا خون نہ بن جائے یہ سوچتے ہی میرے [illegible] ایک پتھر سے ٹکرائے تھے تم نے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھا دیا تھا۔

"میرا سہارا لے لو۔ راستہ خطرناک ہے!" میں مسکرا کر آگے بڑھ گئی تھی۔ اور دل میں سوچا تھا میرا بس چلے تو ہمیشہ کے لئے تمہیں اپنا سہارا بنا کر خود تمہارا سہارا بن جاؤں۔

وہ ایک بھیگی بھیگی سی شام تھی جب ہم سمندر کے کنارے چہل قدمی کر رہے تھے موجیں آتیں اور ہمارے قدموں کو چھو کر واپس چلی جاتیں۔ ریت پر بکھری ہوئی ننھی ننھی سیپیاں کچھ اور چمک اٹھتیں اور میں انھیں چن لیتی میرا رومال سیپیوں سے بھر گیا تھا تم نے اپنا رومال میری طرف اچھال دیا تھا میں نے اسے بھی سیپیوں سے بھر لیا تھا تو تم نے کہا تھا۔

"دھت! میرا رومال گندہ کر دیا"

"تم سے اچھا ہے!" میں بگڑ کر بولی تھی۔

"تم سے اچھا۔ اوں۔ نہیں تو" تم نے میری طرف دیکھا تھا اور میں نے تمہاری طرف کئی بار زبان کچھ نہیں کہتی لیکن آنکھیں بہت کچھ کہہ جاتی ہیں۔ یہ سب کتنا عجیب سا لگتا ہے عرشی!

نرم نرم ریت پر ہمارے نقش پا کیسے صاف دکھائی دے رہے تھے۔

"کتنا نرم ہے یہ ریت" تم نے کہا تھا۔

"تمہارے دل کی طرح۔ میں نے سوچا تھا زبان تو ایسے موقع پر گونگی ہو جاتی ہے اور پھر میں سوچتی ہی چلی گئی۔ تمہارا دل ریت کی طرح نرم جس پر عکس جلدی بنتے ہیں اور مٹ بھی جاتے ہیں۔ اگر اس دل سے ایک دن میرا عکس بھی مٹ گیا تب۔۔! لیکن فوراً ہی میں نے ذہن جھٹک کر سوچا تھا۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ یہ میرا اعتماد تھا۔ یوں بھی بنا اعتماد کے زندگی ادھوری سی لگتی ہے۔

اور میرا دل۔

ایک پتھر! جس پر جلدی سے کوئی عکس بنتا ہی نہیں لیکن جب تمہاری چاہت اس پر نقش ہو کر کے لکھنے لگی تو پتھر بھی گھلا ہوا جس پر بنا عکس مٹتا نہیں۔ چاہے پتھر ہی ٹوٹ جائے!

عرشی! زندگی کا سفر اتنا آسان نہیں جتنا تم سمجھتے ہو۔ زندگی میں نشیب و فراز بھی آتے ہیں۔ ان کا سامنا کرنا ہمت

و استقلال سے آگے بڑھنا ہی زندگی کا دوسرا نام ہے۔ لیکن ہم سفر ہمیشہ ساتھ دے تو زندگی کی ہر مشکل اور ہر غم کو خوشیوں میں بدلا جا سکتا ہے!

ڈاکٹر وید پرکاش شرما

ڈاکٹر وید پرکاش شرما ماہِ اگست ۱۹۲۳ء میں سوہاڑی تحصیل سمرالہ ضلع لدھیانہ میں پنڈت سردھارام کے ہاں پیدا ہوئے۔ اس وقت پنڈت سردھارام کھیوڑا ضلع ملتان میں سٹیشن ماسٹر تھے۔ ڈاکٹر وید پرکاش شرما نے بچپن کے پہلے پانچ سال سوہاڑی میں گذارے پھر جب ان کے والد صاحب کا ریلوے والوں نے تبادلہ بطور اسٹیشن ماسٹر سینا تحصیل دھوری ریاست پٹیالہ میں کر دیا تو یہ بھی وہیں رہنے لگے اور وہیں پرائمری سکول میں انھیں داخل کرا دیا۔ ابھی یہ درجہ دوم ہی پاس کر پائے تھے کہ ان کے والد صاحب کا تبادلہ لالان ریلوے اسٹیشن کا ہو گیا اور انھیں تیسرے درجہ میں مقام سٹری کر کے سکول میں داخل کرا دیا گیا۔ مگر وہاں کی آب و ہوا راس نہ آنے پر پنڈت سردھارام نے اپنے اہل و عیال کو آبائی گاؤں سوہاڑی میں بھیج دیا۔ سوہاڑی آنے پر ڈاکٹر صاحب نے مڈل تک تعلیم سنگھول۔ ریاست پٹیالہ میں حاصل کی۔ ۱۹۳۴ء میں پنڈت جواہر لال نہرو مقام راجے وال تحصیل سمرالہ ضلع لدھیانہ میں تشریف لائے۔ وید پرکاش پنڈت جواہر لال نہرو کے درشن کرنے راجے وال اپنے گھر والوں کو بتائے بغیر چلے گئے۔ اور وہاں پنڈت نہرو کی تقریر سُن کر بڑے جوش و خروش کے ساتھ کانگریس میں شمولیت کر لی۔ اس وقت سے ہی یہ کانگریس کے ایک وفادار سپاہی کی حیثیت سے اپنی ڈیوٹی ادا کر رہے ہیں اور تادمِ زیست اپنا فرض کانگریس کے تئیں نبھانے کا پختہ ارادہ رکھتے ہیں۔

غالباً ۱۹۳۳ء میں ان کے والد صاحب سرسادا ضلع سہارنپور میں بطور اسٹیشن ماسٹر آ گئے اور سہارنپور میں انھوں نے میٹرک تک تعلیم حاصل کی اور اس کے ساتھ ساتھ ہی کانگریس کے سرگرم والنٹیر بھی رہے۔ ریلوے کے ایک انگریز افسر J.B.HALDEN نے شرما صاحب کے والد صاحب کو سمجھایا کہ اپنے بیٹے کو سمجھاؤ ورنہ اس کا انگریز دشمن جماعت کانگریس کا ممبر ہونے کے باعث تمہاری نوکری بھی جاتی رہے گی۔ مگر انھوں نے اپنے والد صاحب کے سمجھانے پر بھی کانگریس کو نہیں چھوڑا۔ جس کے نتیجے میں ریلوے نے ان کے والد صاحب کو ملازمت سے معطل کر دیا۔ ۱۹۴۱ء میں بھوپندر طبیہ کالج پٹیالہ میں شرما صاحب نے داخلہ لے لیا۔ ان دنوں ریاست پٹیالہ میں پرجا منڈل کی تحریک زوروں پر تھی۔ بابو برش بھان جی، بابو نرائن دت جی، بابو سندر کول جی، اور گیانی ذیل سنگھ جی کی سرکردگی میں یہ والنٹیر کی حیثیت سے اپنا فرض انجام دیتے رہے۔ جناب برش بھان سابق مکھیہ منتری پٹیالہ پیپسو کی رہنمائی میں شرما صاحب نے اپنی گرفتاری دی اور ان کے ساتھ ایک ماہ سنٹرل جیل پٹیالہ میں رہے۔ اس کے بعد راجپورہ میں پرجا منڈل کی کانفرنس میں انھیں گرفتار کر کے انھیں کسولی لے جایا گیا۔ جہاں پنجاب کے سابق چیف منسٹر مرحوم گیانی گورمکھ سنگھ مسافر نظر بند تھے۔ اور پھر ۱۹۴۶ء میں ریاست فرید کوٹ کی پرجا منڈل کی زبردست تحریک جس میں پنڈت جواہر لال نہرو اور ملک کے دوسرے مشہور لیڈر شامل تھے۔ گیانی ذیل سنگھ موجودہ چیف منسٹر پنجاب کی رہنمائی میں ڈاکٹر وید پرکاش شرما گرفتار کر لئے گئے۔ اور جیل لے جانے کی بجائے تمام گرفتار شدہ لوگوں کو ٹرکوں پر بٹھا کر جا کر جنگل میں چھوڑ دیا گیا۔

۱۹۴۹ء میں طبی تعلیم ختم کر کے مقام بسی پٹھانان ضلع پٹیالہ میں حکمت شروع کر دی اور اسی سال ان کی شادی بھی ہو گئی۔ آپ کے تین بچے دو لڑکے اور ایک لڑکی ہے۔ تینوں بچے اپنے باپ کے نقشِ قدم پر کانگریس کے سرگرم ورکر ہیں۔ ان کا چھوٹا لڑکا سکندر یوتھ کانگریس بلاک بسی پٹھانان کا پریذیڈنٹ ہے۔ ڈاکٹر صاحب آل انڈیا گاندھی سمارک کے ممبر بھی رہ چکے ہیں۔ اور اب آل انڈیا طبی یونانی کانفرنس دہلی کی ایگزیکٹو کمیٹی کے ممبر ہیں۔ اور ڈی سی سی کا ممبر چلے آ رہے ہیں۔ اور آپ سی سی کے ممبر بھی رہ چکے ہیں۔ بسی کے میونسپل پریذیڈنٹ بھی رہ چکے ہیں۔ اور ۱۹۶۱ء سے میونسپل کمشنر اور بسی بلاک کانگریس کے پریذیڈنٹ ہیں۔

ہرچرن چاولہ کے افسانوں کا مجموعہ
"عکس آئینے کے" قیمت آٹھ روپے
دفتر شانِ ہند۔ نئی دہلی ۲-۱۱۰۰۰

نصیر افسر

ہندوستان اسٹیل۔ رانچی کا دوسرا کل ہند مشاعرہ

آج ۸ رمئی ۷۷ء ہے اور ابھی رات کے ۸ بج رہے ہیں۔ میں جناب
زادہ منظور احمد اور ناظر خیامی کے لئے آخری بار ریلوے اسٹیشن اور
اسٹینڈ کا چکر لگانے کے بعد شیامی (ہندوستان اسٹیل کالونی)
ہو رہا ہوں۔ واپسی میں مایوسی کا لحاف اوڑھ چکا ہوں کہ آج کے
عرے کا کیا حشر ہوگا۔ کیونکہ آج کل مشاعروں کی کامیابی و ناکامیابی
نصار بہت حد تک اناؤنسر پر ہوتا ہے۔ ڈاکٹر کاسنزادہ و ناظر
اپنا منظوری نامہ ارسال کرنے اور پیشگی روپے گنوانے کے باوجود
نہیں ہو پائے ہیں۔ میں اسی سوچ میں غرق ہوں کہ ڈرائیور نے
بات گیسٹ ہاؤس پہنچ کر، جہاں شاعروں کے طعام و قیام کا
ام ہے۔ زوردار بریک لگایا ہے۔ کچھ لوگ میری جانب بڑھے
رہے ہیں کہ چل کر حال معلوم کریں۔ ہندوستان اسٹیل کے پہلے مشاعرے
خوشبو اب تک لوگوں کے ذہنوں میں رچی بسی ہے اور یہ بات ظاہر ہے
ج کا مشاعرہ گذشتہ مشاعرہ کی یاد کو مٹا نہ سکے گا۔

لیجئے! مشاعرہ گاہ سے سرجھائے اپنے چند احباب کے ہمراہ آئے ہیں
کہہ رہے ہیں کہ مشاعرہ گاہ میں سامعین کا ہجوم منتظر ہے۔ لہٰذا
روں کو لے کر مشاعرہ گاہ میں پہنچا جائے اور مشاعرے کی کارروائی
ع کی جائے۔ یہی جناب کے۔ پی۔ سکسینہ، جو ہندوستان
ل کے سکریٹری ہیں اور جن کی ہمت افزائی کے سبب یہ مشاعرہ
یا ہے، سے تبادلۂ خیال کر رہا ہوں کہ نظامت کے فرائض
صاحب کے سپرد کئے جائیں۔ ان کے مشورہ پر جناب پروفیسر
بنارسی صاحب کو اطلاع دی گئی ہے کہ آج کے مشاعرے کی
مت ان کے سر ہے تو بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ انھوں نے اس
یش کو قبول فرمایا ہے۔

گذشتہ مشاعرہ کی طرح آج کا مشاعرہ بھی کمیونٹی ہال کے سامنے
فٹ بال گراؤنڈ میں ہو رہا ہے جہاں تقریباً ۸ ہزار سامعین جمع
۔ مدعو سامعین جو شہر کی معززین ہیں لمبے چوڑے پنڈال کی دائیں

اور بائیں جانب کرسیوں پر بیٹھے ہیں اور سامنے شہر کی عام جنتا۔ کمپنی کی
کنٹین کے زیر اہتمام ایک بڑا سا ٹی اسٹال لگایا گیا ہے۔ اور مشاعرہ
گاہ کی چہار جانب پولیس اور کمپنی کا سکیورٹی دستہ اپنی ڈیوٹی پر تعینات
ہے۔ نامہ نگاروں کے علاوہ پنڈال کی دائیں طرف ریڈیو والے بھی
ریکارڈنگ کے لئے نظر آرہے ہیں۔

جناب حفیظ بنارسی کو میں موجود شعرائے کرام کی فہرست دے
رہا ہوں اور پھر مائک پر جا کر جناب کے۔ پی سکسینہ کا نام گرامی
صدارت کے لئے پیش کرتا ہوں جس کی تائید جناب مختار احمد عاصی کر
رہے ہیں۔ جناب صدر نے مسند صدارت پر بیٹھتے ہی اپنا صدارتی
خطبہ پڑھنا شروع کر دیا ہے۔ صدارتی خطبہ میں اردو کی مقبولیت
اس کی ہر دلعزیزی، اس کی شیرینی اور جنگ آزادی میں اس کے
کردار کو سامعین کے سامنے پیش کرنے کے بعد صدر اپنی جگہ
واپس بیٹھ چکے ہیں۔

پنڈال کے داہنے سرے پر جناب حفیظ بنارسی ایک چھوٹا
سا مائک سنبھالتے ہوئے سامعین کو خوش آمدید کہہ رہے ہیں۔
شاعروں کی فہرست پڑھنے کے بعد اپنی مختصر سی تقریر میں فرماتے ہیں
کہ اردو کو اردو والوں سے جتنا نقصان پہنچا ہے اتنا غیر اردو والوں
سے ہرگز نہیں۔ آج اگر کسی شاعر کو مشاعرے میں شرکت کی دعوت
دیں تو باضابطہ وہ آپ سے BARGAINING کرنے کے بعد
ہی تشریف لائیں گے اور خدا نخواستہ کسی دوسری جگہ سے زیادہ
رقم کی پیش کش ہو گئی تو آپ کے ساتھ کئے گئے سمجھوتہ کو وہ طاق
میں رکھ کر دوسری جگہ تشریف لے جائیں گے۔ اپنی تقریر کے بعد
حفیظ صاحب اپنی مخصوص جگہ پر لوٹ آئے ہیں اور شہر کے ہر دلعزیز
اور خوش گلو نوجوان شاعر جناب پرویز رحمانی کو زحمت آغاز مشاعرہ
دے رہے ہیں۔ پرویز رحمانی نے مترنم آواز میں ایک غزل سنائی ہے
جس کا یہ شعر بہت پسند کیا جا رہا ہے اور دوبارہ، مکرر ارشاد

کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں۔

بس اک تنہا ذات کی خاطر کل سے اب تک سوچ رہا ہوں
جانے کیسا شہر وہ ہوگا آپ وہ جا کر اس اے مزا آئے

پرویز رحمانی مناسب داد پا کر واپس لوٹ رہے ہیں اور اب باری ہے جناب حبیب الرحمٰن بزمی کی۔ آپ کی ایک مخصوص لَے ہے جس میں آپکی ہر غزل فٹ ہو جاتی ہے۔ پرویز رحمانی کے بعد آپ کچھ جم نہیں پا رہے ہیں۔ ان کا یہ شعر آپ بھی سماعت فرمائیں جو ماحول میں کافی سنجیدگی پیدا کرنے میں کامیاب ہوا ہے۔

نہ غم گساری نہ ہم نوائی نہ گفتگو میں خلوص و نرمی
دلوں میں نفرت زباں پہ تلخی مزاج بدلے ہیں ہر بشر کے

بزمی صاحب اپنی غزل سنانے کے بعد واپس اپنی جگہ لوٹ آئے ہیں اور اب حفیظ صاحب نے جناب صدیق مجیبی کا نام پکارا ہے لیکن آپ ڈائس پر نظر نہیں آ رہے ہیں۔

حفیظ صاحب کہہ رہے ہیں "اب میں آپ کے شہر کے ایک ایسے نوجوان شاعر کو زحمت دینے لگا ہوں جن کے اخلاق میں جادو، کلام میں شعاعیں اور جن پر یہ مصرع صادق آتا ہے۔ شعلہ سا لپک جائے ہے آواز تو دیکھو - اور جو ہندوستان کے مشاعروں کے روح رواں ہیں۔ یعنی میرا مطلب جناب نصیر افسر سے ہے۔ میں بوجھل قدموں کے ساتھ مائیک پر آیا ہوں اور عرض کر رہا ہوں کہ حفیظ صاحب نے میری جتنی تعریف کی ہے میں اس کے قابل ہرگز نہیں۔ آج میں اتنا تھک گیا ہوں کہ شاید آپ کی توقعات پر پورا نہ اتر سکوں گا۔ تاہم سماعت فرمائیے :

اُس باغباں کی آنکھ سے بہتا ہے کیوں لہو
صحنِ چمن کو جس نے سنوارا ہے ہر طرف

اس شعر کو دوبارہ پڑھوایا گیا ہے۔

کیسے بجھوں گا آج پیاسوں کے شہر میں
اٹھی ہوئی نظر کا اشارا ہے ہر طرف

مقطع پر حفیظ صاحب واہ وا کر رہے ہیں۔

افسر ترے کلام میں حسنِ خلوص ہے
مچلے ہوئے دلوں کا نظارا ہے ہر طرف

... کے بعد شہر رانچی کے کہنہ مشق شاعر جناب توحید رانچوی کو زحمت دی گئی ہے۔ میری فرمائش پر وہ ایک رنگین غزل عطا فرما رہے ہیں۔ ان کی غزل کا ایک ایک شعر ہنگامہ برپا کر رہا ہے اور چہار جانب سے آہ اور واہ کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں اس شعر پر تو سامعین داد دیتے ہوئے گھٹنے کے بل کھڑے ہو گئے

شب وعدہ جو بندی لگے ہے پیچھے پاؤں میں اُن کے
کوئی اس چال کو سمجھے نہ سمجھے ہم سمجھتے ہیں

ان کے ساتھ ہی مقامی شاعروں کا دور ختم ہو گیا ہے اور اب ہزاری باغ سے آئے ہوئے جناب نشاط الانصاری کو دعوت دی جا رہی ہے۔ آپ کی آواز سامعین کے شور و غل میں دب گئی ہے کوئی شعر صاف سنائی نہیں دے رہا ہے لہذا آپ کا کوئی شعر نوٹ نہیں کیا جا سکا ہے۔ حفیظ صاحب سامعین سے درخواست کر رہے ہیں کہ اگر کوئی شاعر آپ کے پسندیدہ شعراء کی فہرست میں نہیں آتا ہو تو کم از کم ان کو گوارہ تو کیا جا سکتا ہے تاکہ مشاعرے کے انتظام میں ناگواری محسوس نہ ہو۔ ان کی اس بات کا اچھا اثر پڑا ہے اور بہت حد تک لوگ خاموش ہو گئے ہیں حفیظ صاحب فرما رہے ہیں کہ اب میں ایک ایسے شاعر کو زحمت دینا چاہتا ہوں جن کو ابھی نہیں بلانے کے حق میں قطعی نہ تھا ان کے بلائے جانے کا ایک خاص وقت مقرر ہے وہ کیسے وقت ہے یہ بتانے کی ضرورت تو میں نہیں محسوس کرتا... حفیظ صاحب کچھ اور آگے کہنا ہی چاہتے ہیں کہ سردار سنتو کھ سنگھ معصوم مائیک پر تشریف لے آئے ہیں کیونکہ سامعین کی نگاہیں ان پر مرکوز ہو گئی تھیں۔ معصوم صاحب بہت خوب پڑھتے ہیں ان کی ترنم ریز آواز ماحول میں سکون پیدا کر دیتی ہے۔ ان کا یہ دوہا بہت پسند کیا گیا ہے۔

دیپک ساری رات جلے دن آئے بجھ جائے
برسوں بیت گئے سورج کا مکھڑا دیکھ نہ پائے

اس غزل کے بعد ایک اور پرانی غزل کی فرمائش سامعین کی ہے جس کا مطلع ہے۔

تیری دنیا میں یہ بھی نشان ہیں زندگی جن کے سائے سے ڈرتی رہی
میں نے دیکھے ہیں ایسے ہزاروں دئے روشنی جن کے سائے سے ڈرتی رہی

معصوم صاحب غزل کو ترنم میں پڑھ کر کامیاب و کامران اپنی جگہ

واپس لوٹ آئے ہیں اور ان کے بعد پٹنہ سے آئے ہوئے جناب
[illegible] احمد عاصی کو دعوت غزل سرائی دی گئی ہے۔ آپ کی آواز
میں ایک درد ہے جو آپ کی غزلوں کو تقویت بخشتا ہے اور
سامعین کو سنجیدگی سے سننے پر مجبور کرتا ہے۔ تو لیجئے عاصی صاحب
کے دو شعر آپ بھی سماعت فرمائیں۔

خبر تھی کہ اک ایسا بھی وقت آئے گا
مرا وجود اندھیرے میں ڈوب جائے گا
ترے غرور کے آگے میں سرنگوں ہوں مگر
ہر ایک داغ مرے بعد سر اٹھائے گا

مشاعرہ اب اپنے شباب پر ہے۔ جناب عاصی کے بعد جمشید پور سے
تشریف لائے ہوئے جناب اسلم بدر کو مائیک پر بلایا گیا ہے جو آپ
کی خدمت میں ایک غزل پیش کر رہے ہیں۔ غزل کے دو شعر آپ بھی سن لیجئے۔

کچھ ایسے ہوں مبتلائے غم جہاں کوئی اور غم نہ سہا سکے
مرے اس مرض کو خدا کرے نہ دعا لگے نہ دوا لگے
ہوشیار رہے یہ قدم وہ جو قافلے میں ہیں محترم
ہے خلوص دل سے وہ راہزن اور اداسے لہنا لگے

جناب حفیظ بنارسی اپنی جگہ سے اٹھ کر مائک پر تشریف لائے ہیں
ایک حسین غزل کے اشعار سامعین کی نذر کر رہے ہیں۔ ترنم میں
ان دو شعروں سے آپ بھی لطف اندوز ہو لیجئے۔

یہ عشق نہیں باندھ کے رکھنے کے لئے
اس خزانے کو جہاں تک ہو لٹاتے رہئے
یہ شباب ایک حسینہ ہے کم نہیں یارو
پیار رہے اس سے تو سر ناز اٹھاتے رہئے

جناب حفیظ بنارسی داد سمیٹتے ہوئے اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھ چکے
اور تعارف کرا رہے ہیں بھوپال سے تشریف لائے ہوئے بزرگ
جناب شعری بھوپالی کا۔ شعری بھوپالی اپنے مخصوص انداز میں
غزل سامعین کی نذر کر رہے ہیں۔ ایک شعر آپ بھی سن لیں۔

[illegible] ہر قدم پر اک نیا حادثہ مقابل ہے
ٹھہر جانا بھی مشکل ہے گزر جانا بھی مشکل ہے

جناب شعری بھوپالی کے بعد جناب گلیش کمار کنول کی باری آئی ہے
جو جمشید پور سے تشریف لائے ہیں اور اپنی مترنم آواز میں

ایک مرصع غزل عنایت کر رہے ہیں۔ یہ دو شعر کافی پسند کئے گئے ہیں
اور دوبارہ ارشاد پھر سے پڑھنے کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں۔
آپ بھی سنئے ؎

پھر وہی رسوائیوں کا سلسلہ رہ جائے گا
ایک قطرہ بھی جو پلکوں پر رکا رہ جائے گا
جا ہی لیں گے قرب ساحل اہل ہمت ڈوب کر
خوف طوفاں سے لرزتا ناخدا رہ جائے گا

بے حساب داد اپنے دامن میں سمیٹے جناب گلیش کمار کنول اپنی جگہ پر
واپس ہو چکے ہیں۔ حفیظ صاحب سامعین سے مخاطب ہیں اور
کہہ رہے ہیں کہ اب تک آپ صرف غزلیں ہی سن رہے تھے۔ اب
آپ کو ایک گیت نہیں بلکہ کئی گیت سنوائے جائیں گے۔ گیت کا نام
سنتے ہی سامعین کی نگاہیں جناب اجمل سلطانپوری کی جانب اٹھ گئی
ہیں۔ گیت اور اجمل ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں۔ جناب اجمل ایک
نیا گیت بکھیر رہے ہیں۔

..... ابھی تو رات ہے راہی   ابھی تو رات ہے
تھپک کر بالکوں کو سو گئی ماؤں کی لوری بھی
ابھی گھونگھٹ ہے سونا اور ابھی سوئی ہے گوری بھی
جگت جگ جائے تو جانا۔ ابھی تو رات ہے راہی
ابھی تو رات ہے۔ ابھی تو رات ہے
ابھی تو انقلابی ٹولیوں پر نیند طاری ہے
کسی شہزادۂ خاور کی سب کو انتظاری ہے
کرن لہرائے تو جانا۔ ابھی تو رات ہے راہی
ابھی تو رات ہے۔ ابھی تو رات ہے

اس گیت کے بعد سامعین نے ایک اور گیت کی فرمائش کی ہے جو
کافی مشہور ہے۔ گیت کے بول ہیں۔

ساتھی تم کس دیس چلو گے ✥ تم بھی راہی ہم بھی راہی
میرا ساتھ کہاں تک دو گے ✥ تم بھی راہی ہم بھی راہی

ابھی جناب اجمل سلطانپوری یہ گیت پڑھ ہی رہے تھے کہ کسی نے
میری پشت پر ہاتھ رکھا اور یہ اطلاع دی کہ جناب انور اندوری ڈائس
کے باہر آپ کو یاد فرما رہے ہیں۔ ان کی اس کرامانی آمد پر مجھے یقین
ا حیل پڑا کیونکہ ان کا کوئی بھی جواب موصول نہیں ہوا تھا۔ میں ایک

لمحہ برباد کیے بغیر انھیں ڈائس پر لاکر کھڑا کر دیا ہے ۔ اجمل صاحب کا گیت ختم ہو چکا تھا اور مشاعرے کا پہلا دور ختم ہو چکا تھا جناب حفیظ بنارسی نے جناب نورؔ اندوری کا تعارف سامعین سے کرایا ۔

یکے بعد دیگرے جناب نورؔ اندوری نے پانچ غزلیں سنائیں کیونکہ ایک غزل جیسے ہی ختم ہوئی ہے دوسری غزل کے لئے فرمائش نہیں ہنگامہ کھڑا ہو جاتا ہے ۔ جناب نورؔ چونکہ پہلی بار اس شہر میں تشریف لائے ہیں اس لئے فطری طور پر ان کے پڑھنے کا انداز اور جان لیوا ترنم نے سامعین کو کافی متاثر کیا ہے ۔ پڑھنے کا یہ انداز ۔ خدا سلامت رکھے اور یہ جان لیوا ترنم ۔ ماشاء اللہ ۔ کہ مشاعرہ گاہ میں آہ اور واہ کا ہر لمحہ دھماکہ ہو رہا ہے ۔ ان کی غزلوں میں سے ایک آپ بھی سماعت فرمائیں ۔

ملا تو نظر میں غزل کہہ رہا ہوں ❊ ارے بے خبر میں غزل کہہ رہا ہوں
ابھی میری جانب سے نظریں نہ پھیرو ❊ تمہیں دیکھ کر میں غزل کہہ رہا ہوں

اس شعر پر داد کا سیلاب امڈ آیا ہے ۔

مری انگلیاں نبض حالات پر ہیں ❊ بہت سوچ کر میں غزل کہہ رہا ہوں
ذرا ان کی زلفوں سے خوشبو اڑالا ❊ نسیم سحر میں غزل کہہ رہا ہوں

مرے سامنے اک مجسم غزل ہے ۔

ابھی یہ مصرع ادا ہی کر رہے تھے کہ اتفاق سے ایک دوشیزہ برقعہ اوڑھے لیکن چہرہ کھولے ہوئے ڈائس کے سامنے سے گزر رہی تھی کہ سامعین اس کی جانب متوجہ ہو گئے ۔ حفیظ صاحب نے بر وقت آواز کسی ۔ بھئی نورؔ صاحب کی غزل دیکھئے وہ تو کسی اور کی غزل ہے اور پھر قہقہوں کا دھماکہ ہوا ۔ نورؔ صاحب اب اسی غزل کو بار بار دیکھتے ہیں اور یہی مصرع پڑھتے ہیں ۔ تقریباً تین چار منٹوں تک یہی ہوتا رہا ۔ پھر انھوں نے شعر مکمل کیا ۔

میرے سامنے اک مجسم غزل ہے ❊ غزل دیکھ کر میں غزل کہہ رہا ہوں

سچ پوچھئے تو نورؔ اندوری نے ڈرامائی انداز میں شریک ہو کر مشاعرے میں ایک نئی روح پھونک دی اور مشاعرے کے نبض کو ڈوبنے سے بچا لیا ۔ یہ مشاعرہ ۱ بجے رات تک ہوتا رہا جب کہ کم از کم اسے تین یا چار بجے تک چلنا چاہئے تھا ۔ شاعروں کی عدم شرکت نے مشاعرے کو کچھ حد تک پھیکا بنا دیا ۔ وہ شعرائے کرام جن کی شرکت متوقع تھی اور وہ تشریف نہ لا سکے اور جو قابل معافی ہیں ۔ جناب بیکل اتساہی ، جناب کنور مہندر سنگھ بیدی سحرؔ ، جناب دلاور فگار ، جناب زبیر رضوی ، جناب وسیم بریلوی ، جناب مقرب حسین مقربؔ ، جناب جوگا سنگھ انورؔ اور جو نا قابل معافی ہیں روپے گنوانے کے بعد بھی شریک نہیں ہوئے ۔ ڈاکٹر ملک زادہ منظور احمد اور ناظر خیامی ۔ یہ دونوں حضرات لوکارو جہاں اسی تاریخ کو کل ہند مشاعرہ ہو رہا تھا وعدے کو طاق میں رکھ کر وہاں تشریف لے گئے ۔ اچھا اب اجازت دیں ۔ خدا حافظ ۔

رباعیات فدا

جناب سری کرشن صاحب فداؔ ۔ گھولا نی کلاں

کچھ عشق و محبت کی کہانی نہ رہی
وہ خون میں پہلی سی روانی نہ رہی
احباب نے کس وقت فداؔ یاد کیا
جس وقت کہ پہلی سی جوانی نہ رہی

ہاں دشمنِ ایمان ابھر سکتا ہے
ہر بھیس میں شیطان ابھر سکتا ہے
کیا یہ بھی خبر ہے تجھے آسودۂ ساحل
ساحل سے بھی طوفان ابھر سکتا ہے

بد طینت و عیار بہت ملتے ہیں
مطلب سے پرستار بہت ملتے ہیں
الفت کا خریدار نہیں ہے کوئی
دولت کے خریدار بہت ملتے ہیں

سرور مرزاپوری

نام: شرافت علی خان تخلص سرور۔ والد کا نام:۔ ...د علی خان صاحب۔ تاریخ ولادت: ۱۳ر دسمبر ۱۹۴۱ء۔ ...ر مرزاپور۔ شاعری کی ابتدا: ۱۹۵۶ء

اردو ادبی دنیا میں سرور مرزاپوری کے نام سے جانے پہچانے ...نے والے پُرکشش شخصیت کے مالک سرور مرزاپوری مرزاپور ... ایک نہایت ہی معزز گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ان کے مورث ... جناب فتح خان مرحوم ڈیڑھ سو سال قبل افغانستان سے ۲ سو ...سواروں کے ساتھ ہندوستان آئے اور مرزاپور میں آباد ہو گئے ... شان و شوکت اور دبدبہ کے ساتھ یہ خاندان مرزاپور میں رہا ...ر آج بھی ہے۔

سرور مرزاپوری شعر و ادب کی تمام خصوصیات لئے ہوئے ... دنیا میں آئے یہ خاندان جہاد کا اثر تھا کہ سرور صاحب بھی ...جہد کو مقصدِ زندگی بنائے رہے۔

...۶ء تا ۱۹۵۹ء کا زمانہ مرزاپور میں سیاسی سرگرمیوں کا زمانہ ...ا آنجہانی ڈاکٹر رام منوہر لوہیا کی شخصیت سے متاثر ہو کر سرور ...احب نے سوشلسٹ پارٹی کی رکنیت اختیار کر لی اور سرگرمی ... اس میں حصہ لینے لگے اور جلد ہی اپنی کارکردگی کے پیشِ نظر جلد ... ڈسٹرکٹ سوشلسٹ کمیٹی کے جنرل سکریٹری بنا دیئے گئے۔

...۱۹۶ء میں بہ سلسلۂ کاروبار بمبئی جیسے مشینی شہر میں دو سال تک ...وافق حالات کا مقابلہ مردانہ وار کرتے رہے آخرکار کامیابی نے ...ئے قدم چومے کاروباری مصروفیتوں کے باعث سیاست سے ...ر ہوتے گئے اور پھر سیاست سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ اور ...ں وقت ایک کامیاب بزنس مین ہیں۔

قبول صورت اور قبول سیرت ہونے کے علاوہ نہایت ... شعری و علمی صلاحیتوں کے مالک ہیں۔

مومن کی شاعری سے بے حد متاثر ہیں اور اسی عقیدت ... آل انڈیا مومن اکیڈمی کی بنیاد ڈالنے پر مجبور کیا اور صرف ...یک سال کے قلیل عرصے میں آل انڈیا مومن اکیڈمی نے ملک ...گیر شہرت حاصل کر لی۔ نمونۂ کلام ملاحظہ فرمائیے۔

غزلیات

شبِ فراق نہ ہو اتنی سوگوار ابھی ✤ نمودِ صبح کرے گی نہ انتظار ابھی
میں چاہتا ہی نہیں ورنہ اے خدائے ستم ✤ نگاہِ شوخ تو ہو جائے شرمسار ابھی
جہاں جہاں بھی پڑے ہیں ہمارے نقشِ قدم ✤ مچل رہے ہیں ستارے وہ دیار ابھی
چمن کو ناز ہے جن پر چمن کی ساری زمیں ✤ انھیں کے خون سے ہوتی ہے لالہ زار ابھی
نہ بار ہو ترے شکووں سے طبعِ نازک پر ✤ نیا نیا سا ہے سرور مزاجِ یار ابھی

۲

کوئی آتا نہیں پھر شیخ کے بہکانے میں ✤ دل کشی ہوتی جو کچھ بت کے سمجھانے میں
جسکو تو راز سمجھتا رہا اب تک ناداں ✤ دیکھ لے آ کے چھلکتے ہوئے پیمانے میں
اسکو پروانہ سمجھتا ہے کوئی کیا جانے ✤ زندگی جلنے میں حاصل ہے کہ مر جانے میں
سرنگوں آنکھوں سے آنسو نہ چھلک جائے کہیں ✤ ایک ایسا بھی ہے ٹکڑا مرے افسانے میں
ہائے کیا لوگ تھے کیا دور تھا وہ اے سرور ✤ لطف جب آتا تھا مر مر کے جئے جانے میں

۳

ایسے بھی تو ہر شخص کو تم درس وفا دو ✤ جو در پہ ترے آ رہا ہو اس کو بھی ٹھکرا دو
مغرور جو ہو جائیں غلط فہمی کے باعث ✤ آئینہ انھیں ان کی حقیقت کا دکھا دو
اس دورِ ترقی کا تقاضا یہ عجب ہے ✤ جو نقش کہیں تم کو نظر آئے مٹا دو
اظہارِ تمنا پہ تعلق نہ کرو ختم ✤ اتنی سی خطا پر مجھے ایسی نہ سزا دو
فرصت ہی کہاں ہے جو پلٹ کر کوئی دیکھے ✤ اب منزلِ تکمیل ہے تم لاکھ صدا دو
دوزخ کی سزا دینی ہو جس کو تمہیں سرور ✤ خود کچھ نہ کہو بس اُسے نظروں سے گرا دو

۴

یہ اور بات ہے جو آج بے نوا ہوں میں ✤ وہ دن بھی تھے کہ زمانے پہ چھا چکا ہوں میں
وہ مجھکو دیکھ رہے ہیں کہ دیکھتا ہوں میں ✤ سمجھ رہے ہیں وہ مائل بہ التجا ہوں میں
جمالِ دوست یونہی بے نقاب جلوہ نما ہے ✤ نظر ہی تاب کہاں تک ہے دیکھتا ہوں میں
مرا حبیب سبھی کچھ ہی یہ سمجھ لیجے ✤ کہ اس زمانے میں سرمایۂ وفا ہوں میں
مقام آئے ہیں ایسے بھی جستجو میں تری ✤ ترے قریب سے ہو کر گزر گیا ہوں میں
نیازِ عشق کے صدقے خودی کی بلندی ✤ ہر ایک نقشِ قدم پہ سر جھکا چکا ہوں میں
یہ کہہ وحشت کے طوفاں کا سامنا سرور ✤ اور اپنی ذات کا تماشا دیکھتا ہوں میں

نردوش پٹیالوی

نام اوم پرکاش تخلص نردوش۔ تاریخ ولادت ۲۲ دسمبر ۱۹۳۳ء بمقام پٹیالہ (پنجاب) ماں باپ کا سایہ سر سے اٹھ جانے کی وجہ سے تعلیم کا سلسلہ صرف میٹرک سے آگے نہ بڑھ سکا۔ باوجود جوتشیوں اور نجومیوں کی پیشین گوئی کے کہ ودیا کی لکیریں بڑی اچھی ہیں، میٹرک بھی اپنے چچا پنڈت کشوری لال جی شاستری برنالہ کی کرم والی سے ۱۹۵۲ء میں سناتن دھرم ہائی سکول برنالہ سے امتیازی پوزیشن سے پاس کیا۔

ایک بہن اور ایک بھائی کی پرورش تعلیم و تربیت کی ذمہ داری کے احساس نے کالج میں جانے اور اونچی تعلیم حاصل کرنے سے محروم رکھا کیونکہ آمدنی کے ذرائع محدود تھے بلکہ نہ ہونے کے برابر تھے۔ میٹرک پاس کرنے کے بعد اسی سکول میں ڈیڑھ سال تک پرائمری ٹیچر رہا اور اب ۱۹۵۴ء سے محکمہ ریلوے میں بطور اسسٹنٹ سٹیشن ماسٹر کے لدھیانہ میں ڈیوٹی سرانجام دے رہا ہوں۔

شاعری کا آغاز انیس سال کی عمر میں زمانہ طالب علمی میں جناب پروفیسر اندر سنگھ خاموش جو کہ پنجابی کے بہت اچھے شاعر ہیں کی ترغیب و تربیت سے شروع کیا۔

پہلے پہل پنجابی میں لکھنا شروع کیا (جیسا کہ تخلص سے ظاہر ہے) پنجابی کلام مقامی اخبارات و رسائل میں شائع ہوتا رہا۔ دوران ملازمت میں ادبی و مجلسی مقابلوں میں نمایاں حصہ لیا اور متعدد انعامات بھی حاصل کئے۔

پنجابی ساہتیہ سبھا برنالہ کا سرگرم ممبر رہا لیکن شاعری کا دائرہ رومانیت، سیاسی، ادھارمک اور ڈراموں کی نظموں تک ہی محدود رہا۔ ہم تقریباً وقتی مسائل سے متاثر ہو کر ہی کہا جس کا ذکر اب بے وقت معلوم ہوتا ہے۔

اردو میں گو پہلے بھی طبع آزمائی کی لیکن باقاعدہ طور پر جناب ہری لال نسیم لدھیانوی کی ترغیب و تربیت سے لکھنا شروع کیا۔ اب تک جو کچھ بھی اردو میں کہہ پایا ہوں وہ ان ہی کی شفقت و اخلاص کا مرہون منت ہے۔

گو اتنا مجموعہ و کثرت سے نہیں لکھ سکا جس کا ذکر جس پر کر کے داد کا خواہاں ہونے کا دعویٰ کر سکوں پھر بھی نمونہ کلام حاضر ہے۔

غزلیات

میخوار وہیں ہونگے میخانہ جہاں ہوگا ۔ سجدوں کے نشاں ہونگے بتخانہ جہاں ہوگا
محرومیٔ رسوائی صد رنج و الم ہوں گے ۔ اے جان جہاں تیرا دیوانہ جہاں ہوگا
ذکر آئے گا دونوں کا میرا بھی تمہارا بھی ۔ ناکامیٔ الفت کا افسانہ جہاں ہوگا
اپنوں کی عنایت نے بدلا ہے مزاج اپنا ۔ بیٹھیں گے وہیں جا کر بیگانہ جہاں ہوگا
کیا ہوگا وہاں جا کر کیا رکھا ہے جنت میں ۔ نردوش کوئی دیکھا بھالا نہ جہاں ہوگا

۲

کیا قصہ بیاں ہو کر کبھی ان کی جدائی کا ۔ زمانے کو گماں گزرا مری نکسیں نوائی کا
بنے ہیں آنکھ رخسار وہ کامل کی تحریف ۔ لیا جب جنون دل سے کام ہم نے دوستانی کا
کٹے میں بری طرح عاصیوں پہ سر محشر ۔ عجب برہمن کے جلتے گہنا دھوئے ضلالی کا
جراغ میں نظر آنے لگے داغ الٰہی صد سالہ ۔ انہیں بھی کھاتے لجاتے کہا گیا من یار دل کا
خوشی معدوم دل مجروح ، رنج آلود ہر دھڑکن ۔ حضور حسن سے پایا ہے تحفہ آشنائی کا
دعا مانگیں کیا مالک سے حسرت دیدۂ دل آن سے ۔ چلے گا عمر بھر یہ سلسلہ اپنی گدائی کا
کبھی نردوش انکی بے بسی پر بھی نظر ڈالی ۔ عبث الزام تم نے ڈالا ہے جن کو بے وفائی کا

۳

کیا بتائیں ہجر کی شب کس طرح ڈھلتی رہی ۔ زندگی اور موت میں اک کشمکش چلتی رہی
لمحہ لمحہ ڈرتے رہے بھی دل کی جانب جانکنی ۔ دھیرے دھیرے اک چھری کا حساس پر چلتی رہی
آتش فرقت ہو جانے کس بلا کا سوز تھا ۔ شمع کی صورت بھی شب بھر چاند جلتی رہی
نبض کی مانند ڈوبے جا رہے تھے حوصلے ۔ خون دل ہی کر تمنا پھولتی پھلتی رہی
بڑھتے بڑھتے بڑھ گئی رنجش کی کمت ستیاں ۔ مگر غم یار کی آغوش میں پلتی رہی
جان کے جانے کی کس کو فکر تھی اے بےبسی ۔ اک تمنا ری ہے جو بچہ کی طرح مچلتی رہی
کب کہاں کس دور میں آزاد تھی یہ زندگی ۔ روز اول سے بیچاری ہاتھ ہی ملتی رہی

غبار خاطر: حضرت مولانا آزاد مرحوم کی زندہ جاوید تصنیف غبار خاطر جو عرصہ سے نایاب تھی۔ اب مکتبہ نے اسے شائع کرایا ہے۔ قیمت پندرہ روپے
دفتر شان ہند۔ نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

غلام محی الدین وفاؔ

میرا نام غلام محی الدین خطیب اور وفاؔ تخلص ہے۔ آبائی وطن بھدرواہ (جس کو چھوٹا کشمیر بھی کہتے ہیں) ہے یوم پیدائش ۱۵ ار پھاگن سنہ ۱۹۸۱ بکرمی ہے۔ والد بزرگوار کا نام خواجہ غلام رسول خطیب تھا۔ ابتدائی تعلیم سری امر پائی اسکول بھدرواہ میں حاصل کی۔ بچپن سے علم موسیقی سے پیار رہا۔ خدا نے خوش الحانی کی نعمت سے نوازا۔ جوانی میں قدم رکھتے ہی مالی مشکلات کا سامنا رہا۔ تعلیم جاری نہ رکھ سکا۔ تلاش روزگار ہی کو آزمائشوں کا حل پایا۔ محکمہ جنگلات کی ملازمت اختیار کی۔ صحرا نوردی میں کتابیں پڑھنے کا شوق نہ چھوٹا۔ اور یہ راہ اختیار کرنے میں قدرتی مناظر بھی میری شاعری میں مددگار ثابت ہوئے۔ غرضیکہ موسیقی کے لگاؤ نے مجھے شعر کہنے کے لئے مضراب کا کام دیا۔ دل نازک تھا۔ جو غم سہتا گیا۔ اور نغمے ابھرتے گئے۔ غالبؔ، اقبالؔ، میر تقی میرؔ، جگرؔ، حفیظ جالندھری، سوداؔ، ذوقؔ، مومنؔ وغیرہ کا کلام محفلوں میں ساز پہ سنانا بھی ایک مشغلہ تھا۔ ان اساتذہ سخن کا کلام پڑھ کر سوچا کرتا تھا کہ شاعر لوگ بھی کیا عجب انسان گزرے ہیں کہ وہ مر کر بھی زندہ ہیں۔ کیا میں بھی شاعر بن سکتا ہوں۔ سال سنہ ۱۹۵۲ء کا آیا تو میں نے ایک غزل لکھی مگر کسی کو سنانے کی جرأت نہ ہوئی۔ اسی سال علاقہ بھلیس میں ایک مجلس موسیقی زیر اہتمام خواجہ غلام رسول صاحب آزاد ریٹائرڈ ڈائریکٹر محکمہ تعلیم جموں کشمیر گورنمنٹ منعقد ہوئی تو میں نے اولاً گستاخی کی اور اپنی غزل بھی پیش کی جس کو صاحب موصوف اور اہل مجلس نے خوب پسند کیا۔ میرا بھی حوصلہ بڑھا۔ تب سے اُردو اور کشمیری میں لکھتا ہوں۔ میرا اُردو کلام بہت سے اخباروں اور رسالوں میں چھپا۔ کیا لکھتا ہوں یہ پڑھنے اور سننے والوں پر چھوڑتا ہوں اس پہلی غزل کے چند اشعار پیش کرتا ہوں جو میری شاعری کی ابتدا ہے اور آزاد صاحب کا شکریہ ادا کرنا فرض سمجھتا ہوں جنھوں نے میرا حوصلہ بلند کیا۔ ملاحظہ ہوں وہ چند شعر ؎

ان حسینوں کا کیا ٹھکانہ ہے ٭ دلِ عشاق آشیانہ ہے
اُس ستم گر کے تیرِ مژگاں کا ٭ دل نشانہ جگر نشانہ ہے
اُن کی آنکھوں کی سب پرستی ہے ٭ مے کا پینا فقط بہانہ ہے
رند پڑھتے ہیں اک نمازِ وفاؔ ٭ زاہدوں کی یہ پنجگانہ ہے

کئی مشاعرے بھدرواہ۔ سرینگر کشمیر۔ میں پڑھ چکا ہوں میرا کشمیری کلام ریڈیو کشمیر سے وہاں کے مشہور گلوکار حضرات اور گلوکارہ صاحبہ کی زبانی نشر ہوتا رہتا ہے۔ جس کو کشمیری زبان جاننے والے پسند کرتے ہیں۔ ان گلوکار اور گلوکارہ کے اسم گرامی اس طرح ہیں۔ غلام محمد صاحب راہؔ۔ غلام محی الدین صاحب بلبلؔ غلام محمد صاحب بٹ۔ گیلانی صاحب۔ راج بیگم صاحبہ نسیم اختر صاحبہ اندرا کاچرو وغیرہ وغیرہ۔ غرضیکہ وفاؔ اور سب کی وفا ہی تخلص رکھنا مناسب سمجھا۔ کشمیری کلام "ناد" عنقریب چھپ کر عوام کی نذر ہوگا۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو۔

غزلیات

آکے تجھ بن قرار کھویا ہے ٭ لطفِ فصلِ بہار کھویا ہے
آج کٹتی نہیں یہ ہجر کی رات ٭ صبح کا اعتبار کھویا ہے
دل کے لٹنے کا غم نہیں یارو ٭ حسرتوں کا مزار کھویا ہے
کیا بجے گا بھلا وہ ٹوٹا ساز ٭ جس کا مضراب تار کھویا ہے
دوستو اب وفاؔ کے مرقد پر ٭ آکے کہنا کہ یار کھویا ہے

۲

عشق ہے راز الگ ٭ حُسن کے ناز الگ
جیتنے دل ہوں اگر ٭ چاہیئے ساز الگ
سوزشِ بزمِ صنم ٭ اِن کی آواز الگ
آج کی دُنیا کا ٭ فکر و انداز الگ
ذوقِ اربابِ سخن ٭ کی ہے پرواز الگ
حاصلِ جبرِ وفاؔ ٭ ہم ہیں جانباز الگ

بقیہ صفحہ ۱۶ آزاد بہاولپوری

شاخیں یا جھومتی ہیں سر مگر ہیں یہ شجر ٭ جھومتے ہر چند گنگناتے ہیں
جیسے چہرہ نشاں میوں کے ٭ بس کے باہیں گلے میں ڈالتے ہیں
جیسے مفلس کی زندگانی میں ٭ ایک جیسے ہی سال آتے ہیں

آزاد بہاولپوری

نام اوم پرکاش، تخلص آزاد، ۱۱ نومبر ۱۹۲۶ء کو بہاولپور میں پیدا ہوا۔ اور نومبر ۱۹۴۷ء کو ہجرت کر کے ہندوستان آگیا۔ مڈل اور میٹرک کے امتحانات بہ اولیت رہتے ہی پاس کئے۔ ادیب فاضل اور بی۔ اے دہلی سے کیا۔ شعر و شاعری کا شوق بچپن سے رہا۔ پہلا شعر شاید ۱۵ یا ۱۶ سال کی عمر میں کہا۔ غزلیں، نظمیں، قطعات، گیت، سہرے، مرثیے سب کہے۔ طبیعت کا رجحان نظم کی طرف زیادہ رہا۔ تقسیم ہند کے بعد ملازمت کے دوران ٹریڈ یونین تحریک سے منسلک ہو گیا۔ اور کافی انقلابی کلام لکھا۔

مجموعۂ کلام تو تکمیل ہو چکا ہے مگر کوئی پبلشر اسے چھاپنے کے لئے تیار نہیں ہوا۔ اخبارات و رسائل میں چھپنے کی خواہش اب نہیں رہی کہ تقریباً سارا کلام ہند و پاکستان کے مختلف جرائد میں شائع ہو چکا ہے۔

۱۹۴۲ء سے ملازمت شروع کی۔ ریلوے، فوج، پی۔ ایچ کیو میں تھوڑا تھوڑا عرصہ ملازمت کر کے ۱۹۴۶ء جنوری سے سٹیٹ بنک آف انڈیا میں ملازم ہوں۔

آج کل میرٹھ چھاؤنی میں ڈپٹی منیجر اکاؤنٹس کے عہدے پر مامور ہوں۔ جب سے افسر بنا ہوں غیر شاعر ہوتا جا رہا ہوں شاعر اور حساب دان کا مرکب میں ہی شکار نہیں ہوں۔ کئی اور بھی ہیں۔ یہ ہمارے معاشرے کا تضاد ہے۔

پسندیدہ شعرا میں فیض احمد فیض، احمد ندیم قاسمی، احسان دانش، جگر مراد آبادی، عدم، اقبال اور غالب ہیں۔

ملازمت کے سلسلے میں ان مقامات پر رہا ہوں: بہاولپور، احمد پور شرقیہ، انبالہ چھاؤنی، دہلی، جودھپور، شملہ، الموڑہ، دہرہ دون، رشی کیش، ہردوار، ہاپوڑ، چھولی، میرٹھ، غازی آباد۔ نمونہ کلام ملاحظہ فرمائیے ؎

دو بچیاں ۔ دو سہیلیاں

(اسپتال میں جن کے بستر پاس پاس تھے)

سفنوش کی سہیلی مہرالنساء رہی ہے
اک ڈور دوستی کی دونوں میں بندھ رہی ہے
بے حد شگفتہ فضا میں ماحول اسپتالی۔
دو اجنبی دلوں نے راہِ خوشی نکالی
کھدر کے سوٹ پہنے اور وہ بھی سیدھے سادے
کمروں میں گھومتی ہیں ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے
نکلیں برآمدے سے وہ موڑ مڑ رہی ہیں
دو تتلیاں ہیں گویا گلشن میں اڑ رہی ہیں
معصومیت تو دیکھو دنیا سے بے خبر ہیں
راہِ خلوص و اُلفت پہ دونوں ہم سفر ہیں
باتوں میں سادگی کے ایسے کنول کھلائیں
سن لیں اگر فرشتے عزت سے سر جھکائیں
یہ عمر ہے کہ جس میں روحوں میں تازگی ہے
ذہنوں میں روشنی ہے چہروں پہ سادگی ہے
نفرت سے دور کوسوں بستی ہے ان کی دنیا
ہلکے تبسموں سے سجتی ہے اِن کی دنیا
اے کاش عمرِ انساں میں ایسا دور آئے
جب ان کی عمر آئے تو محور ٹھہر جائے

غزل

نیچی نیچی پلکیں ہائے ❊ چاہا لیکن بھول نہ پائے
نام کسی کا جب یاد آیا ❊ جانے کتنے غم یاد آئے
داغِ جگر تو چھپ سکتے ہیں ❊ لیکن دامن کون چھپائے
ہجر میں عمریں بیت رہی ہیں ❊ جیسے دو متوازی سائے
پاس رہے تو عشق ہے جنت ❊ دور رہے تو آگ لگائے
اٹھو اے بے نور لگا ہوا ❊ حسن نے پھر جلوے بکھرائے
شامِ حیات اب آ پہنچی ہے ❊ گہرے ہو گئے موت کے سائے
رسوائی آزاد گوارہ ❊ حسن پہ کچھ الزام نہ آئے

سالِ نو پر

اُن کی دعوت پہ آگرہ کا سفر ❊ دل میں لاکھوں خیال آتے ہیں
کالی راہوں پہ جیسے جگنو گرے ❊ بس کے پہیوں میں آ کے جاتے ہیں

اپنے اسٹیشن کو صاف رکھیے

- اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ صاف ستھرا ماحول ایک طرف کسی شخص کے کردار کا آئینہ دار ہوتا ہے اور دوسری طرف اس کردار کو نکھارتا ہے۔ صاف ستھرا گردو پیش خوشی اور مسرت بکھیرتا رہتا ہے
- ہم اپنے گھر صاف ستھرے رکھتے ہیں تو پھر اُن جگہوں کو صاف شفاف کیوں نہ رکھیں جنھیں ہم سب استعمال کرتے ہیں؟
- ریلوے پلیٹ فارموں، ویٹنگ روموں، سواری ڈبوں اور درحقیقت اُن تمام جگہوں کو جہاں بڑی تعداد میں لوگ اکٹھے ہوتے ہیں گردو پیش کو صاف شفاف رکھنا بہت ہی ضروری ہے۔

ریلوے نے صفائی مہم شروع کی ہے جس کے بہت اچھے نتائج نکلے ہیں۔ اب ریلوے صاف ستھرے نظر آتے ہیں۔ لیکن ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ اس سلسلے میں ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ ہم زیادہ صفائی کے لئے اپنی کوششوں کا سلسلہ جاری رکھیں گے۔

آپ بھی اس سلسلہ میں ریلوے کی مدد کر سکتے ہیں۔ آپ صرف اتنا ہی خیال رکھیں کہ آپکے آس پاس کی جگہ بالکل صاف شفاف حالت میں رہے۔ اس طرح اسٹیشن اور منسلکہ مقامات صاف ستھرے رہ سکتے ہیں۔ اور ہاں آپ ریلوے صفائی محکمہ کے کارکنوں کی خدمات سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ وہ صرف آپ کی خدمت کے لئے ہی رکھے گئے ہیں۔

آپ بھی ذرا خیال رکھئے کہ کوڑا کرکٹ آپ کے ہاتھ سے اِدھر اُدھر نہ بکھرنے پائے بلکہ کوڑا دان میں پھینکا جائے آپ کا یہ معمولی سا کام ہمیں آپ کی بہتر خدمات کرنے میں کافی مدد دیتا ہے۔

ریلوے آپ کی پراپرٹی ہے اسے صاف شفاف رکھیے

ناردرن ریلوے

اللہ شوق دے تو کتابیں پڑھا کرو

اور

آپ کا یہ شوق راجدھانی کی مقبول ترین

عوامی لائبریری

دیال سنگھ پبلک لائبریری

میں

پورا ہو سکتا ہے جہاں اُردو، ہندی، پنجابی اور انگریزی کی ہزارہا کتابیں ہر موضوع پر آپ کے ذوقِ مطالعہ کی سیری کے لئے موجود ہیں اور بغیر کسی نقد معاوضہ کے آپ صبح دس بجے سے شام کے پانچ بجے تک اپنی پسند کی کتابیں پڑھ سکتے ہیں۔ اُردو، ہندی اور انگلش کے مشہور روزنامے، ہفت روزے اور ماہنامے بھی لائبریری میں منگائے جاتے ہیں۔

اتوار اور دوسری تعطیلات کے روز لائبریری بند رہتی ہے

دیال سنگھ پبلک لائبریری
ٹرسٹ سوسائٹی
راؤز ایونیو۔ نیو دہلی

سنتوش کمار کوکب گھروندوی

میرا نام سنتوش کمار ہے۔ تخلص کوکب کرتا ہوں۔ گھروندہ، پانی پت کے نزدیک ایک قصبہ ہے جو میرا وطن ہے۔ والد صاحب محکمۂ پولیس میں عہدے دار تھے۔ عہدِ طفلی میں والد کی سرپرستی سے محروم ہو گیا۔ دسویں پاس کرنے پر پولیس میں بطور سپاہی بھرتی ہوا۔ ٹریننگ کے بعد ایک تھانہ میں تبدیل ہوا مگر چند دنوں میں شکایتاً پولیس لائن میں آ گیا کیونکہ تھانیدار کی مرضی کے مطابق ایک مقدمہ میں جھوٹی گواہی نہیں دے سکا۔ اس کے بعد کبھی تھانہ کی طرف منہ نہیں کیا۔ ۱۵ سال سے دفترِ پولیس میں بطور کلرک کام کرتا ہوں اور دفتر سے فارغ ہونے کے بعد فکرِ سخن۔ پولیس کا رنگ مجھ پر نہیں آیا۔ فضا پولیس کے ماحول نے مجھے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی اتنا ہی میں دور ہوتا گیا۔ جس کا اشارہ میں نے ایک شعر میں کیا ہے ؎

اپنی وہی ہے ہستی، مستی وہی ہے مستی ؎ جو ہو سکی نہ متاثر ماحول کے اثر سے

ادیب فاضل و منشی فاضل کے امتحانات پاس کرنے کے بعد شغلِ شاعری اختیار کیا۔ ایک مرتبہ حضرت جوش ملسیانی کے حضور میں بغرضِ اصلاح پہنچا تو صاحبِ موصوف نے کلام دیکھ کر فرمایا "طبیعت بہر کے موزوں لینا موزوں ہونے سے واقف ہے مشقِ سخن عمر کے لحاظ سے تسلی بخش ہے۔ مگر میں ضعیف ہو چکا ہوں یہ خدمت قبول نہیں کر سکتا۔ کسی دوسرے شخص کو تلاش کر لیں" اس کے بعد آج تک میں کسی دوسرے استاد شاعر کے پاس اصلاح کے لئے نہیں گیا۔

ضیائے کوکب کے عنوان سے ایک مجموعۂ کلام شائع کرایا۔ جو میرے ابتدائی دور قبل از ۱۹۷۲ء کا کلام ہے۔ یہ کلام کئی اعتبار سے ناقص ہے۔ ۱۹۷۲ء کے بعد تقریباً ۲۰۰ غزلیں اور نظمیں موزوں کی ہیں۔ دو غزلوں کے منتخب اشعار پیش ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

نمونۂ کلام :-

بے رنگِ طبیعت بھی کیا رنگِ طبیعت ہے
کچھ شوقِ اذیت ہے کچھ سوزِ محبت ہے

اب چارہ گری کا بھی انجام خدا جانے
بیمارِ محبت کی کچھ اور ہی حالت ہے۔

تو رو کے ڈراتا ہے یا طیش میں آ باطل
مغلوب نہ یہ ہوگی، آوازِ صداقت ہے

ان زہرہ جبینوں میں سرمایۂ حسینوں میں
جو وقت گزر جائے وہ وقت غنیمت ہے

کوکب کے خصائل کو کیا پوچھتے ہو یارو
تحریر ہی صورت ہے تحریر ہی سیرت ہے

نگاہِ دوربیں سے ماہ و اختر دیکھنے والے
تو باطن بھی تو اپنا دیکھ منظر دیکھنے والے

کچھ ایسی ہی ادا سے شرمگیں آنکھیں اٹھیں اس کی
پکارے دیکھ کر "اللہ اکبر" دیکھنے والے

کہا یہ کیا ہیں زعمِ بصیرت ہے یہ پھر کہنا!
میسر بھی کہیں ہیں ہم سے بہتر دیکھنے والے

خمِ ابرو نے پہنچایا ہے کوکب تیغِ قاتل تک
رہیں اب دیکھتے انجام کا فر دیکھنے والے

مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کی

تصنیفِ لطیف "غبارِ خاطر" کے بعد

اگر آپ نے خطوط کے پردے میں انگریزی حکومت کے مظالم کی داستان اس وقت کی ملکی سیاست کے تلخ و ترش۔ انگریزی عہد کی ہندوستانی جیلوں کی ہوش ربا کہانی۔ سرحدی گاندھی خان عبدالغفار کے ایامِ اسیری کی دلچسپ کہانیاں اور متعدد دلچسپ واقعات پڑھنا چاہیں تو

قیدی کے خط

پڑھئے جو مولانا یونس خان صاحب خلیفہ خاص وزیر اعظم ہند کے زورِ قلم کا نتیجہ ہیں۔ آپ اس کتاب کو شروع کرنے کے بعد ختم کئے بغیر چین سے نہیں بیٹھ سکتے۔ قیمت صرف آٹھ روپے۔ ملنے کا پتہ

دفتر شانِ ہند، فلیٹ نمبر ۸۔ انصاری مارکیٹ دریا گنج نئی دہلی نمبر ۱۱۰۰۰۲

ہرجس رائے جگر

جناب ناظم ناندوی

ہرجس رائے نام جگر تخلص چیلا رام مہبانی کے چشم و چراغ ۱۹۰۵ء کو پیر بخش سبزو نامی گاؤں ضلع لاڑکانہ سندھ پاکستان میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب میں حاصل کی اور وہیں کریانہ کی چھوٹی سی دوکان سے اپنی کاروباری زندگی کا آغاز کیا سندھ کے مشہور شاعر و ادیب جناب سید امیر علی صاحب امیر اور جناب عبدالعزیز سبزو صاحب عزیز جگر کی دکان پر بیٹھ کر اکثر ادب پر تبادلۂ خیال کرتے تھے اور جگر حیرت سے ان حضرات کا منہ تکتے رہتے تھے۔ ان حضرات کی صحبت اور مسلسل اصرار پر جگر نے بھی سندھی زبان میں طبع آزمائی شروع کی اور اپنے کلام پر جناب سید امیر علی صاحب امیر سے اصلاح لیتے رہے جب کہ کچھ فن عروض جناب عبدالعزیز صاحب سے حاصل کیا۔

ہند پاک تقسیم کے بعد ۴۸-۳-۳۰ کو جگر نے جوناگڑھ اسٹیٹ میں پناہ لی۔ رفتہ رفتہ حالات معمول پر آنے کے بعد ۱۹۵۰ء میں جگر کو پیپلی کے کٹلی نامی گاؤں میں شادی کی مضبوط زنجیروں میں جکڑ دیا گیا۔

اس کے بعد بھی قسمت میں اور در در بھٹکنا لکھا تھا اس لئے ہاتھوں کی لکیریں مہاراشٹر کے ضلع بلڈانہ ناندورہ نامی گاؤں میں لے آئیں یہاں آکر پہلے آپ نے ہوٹل کا کاروبار شروع کیا۔ بفضل ربی ہوٹل جب چل نکلا تو اس کو بھائیوں کے سپرد کرنے کے بعد جگر نے ذاتی محنت، لگن، جستجو اور مسلسل جد و جہد سے موٹر وائینڈنگ اور ریفریجریٹر کا کام شروع کیا اور پھر اپنے دو لنکڑے موہنانی محل میں ہی جگر ریفریجریٹر سروس کے نام سے ورکشاپ کی بنیاد ڈالی جو ہندوستان گیر شہرت کا حامل ہے۔

ناندورہ آنے سے قبل ہی جگر سندھی شاعری ترک کر چکے تھے۔ لیکن ان کی ملاقات ایک روز ناندورہ کے معروف شاعر آصف شہید (مرحوم) سے ہوئی جنہوں نے ان کے سندھی شعروں کو بہت سراہا اور اردو شاعری کی دعوت دی جو جگر نے قبول کر لی لیکن جگر کے لئے اردو شعر کہنا گویا ہتھیلی پر سرسوں جمانے کے مترادف تھا کیونکہ جگر اردو سے نابلد تھے پھر بھی انھوں نے طبع آزمائی شروع کی۔ ابتداء میں آپ نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ لیا چونکہ فن عروض سے واقفیت تھی اس لئے جلد ہی

اردو شاعری پر قابو پا لیا۔ اور آج بلڈانہ ضلع کے مشہور شاعروں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ جگر ناندورہ کی سب سے سرگرم ادبی انجمن بزم انجمن بقائے اردو کے صدر بھی ہیں۔ ان کا مجموعۂ کلام جو زیر ترتیب ہے انشاءاللہ اسی سال منظر عام پر آ جائے گا۔ نمونۂ کلام ملاحظہ فرمائیے۔

نعت :-

سنبھالو سنبھالو خدارا محمدؐ ⁂ نہیں دیکھئے اب سہارا محمدؐ
کروں کس زباں میں تعریف اسکی ⁂ جو رب کو بھی سب سے پیارا محمدؐ
بہت حسرتیں ہیں مدینے کو جاؤں ⁂ وہاں کا میں دیکھوں نظارا محمدؐ
خدا کی قسم اس کو جنت ملے گی ⁂ جو تھامے گا دامن تمہارا محمدؐ
ملی دل کو تسکیں تمہیں چھوڑ جاگے ⁂ جو مشکل میں تم کو پکارا محمدؐ
دل و جاں لٹائیں نہ کیوں اس پہ لوگو ⁂ محمدؐ کے ہم ہیں ہمارا محمدؐ
جگر ڈگمگائے نہ ایماں کی کشتی ⁂ ہر اک موج کا ہے کنارا محمدؐ

طرحی غزل :-

ادھر دیکھو ادھر دیکھو یہاں دیکھو وہاں دیکھو
سبھی ہیں مبتلائے غم جدھر دیکھو جہاں دیکھو
گل و بلبل تو کیا ہر شے یہاں ہے نوحہ خواں دیکھو
"عجب ہاتھوں میں آیا ہے نظام گلستاں دیکھو"
یہ اپنی اپنی قسمت ہے ہمیں تم داد کیا دو گے
بنایا ہے قفس میں ہم نے اپنا آشیاں دیکھو
مکمل آشیاں ہوتا تو کوئی بات تھی لیکن
ابھی سے کیوں غضب میں ہیں یہ بجلیاں دیکھو
جگر ہمراز ہو کوئی تو عرض مدعا کر دیں
زباں ہوتے ہوئے ہم بھی ہیں بے زباں دیکھو

ترجمان القرآن :- حضرت مولانا ابوالکلام آزاد (مرحوم) کی تفسیر قرآن جو بالکل نایاب تھی اب حکومت ہند نے شائع کر دیا ہے۔ اب یہ تفسیر ختم ہو جانے کے قریب ہے اپنا آرڈر فوراً بھیج کر جلد منگا لیجئے۔
دفتر شان ہند نیو دہلی - ۱۱۰۰۰۶ کا مالک ہے ارحام گنج ہی سے

یوگیش کمار صحرائیؔ

نام:- یوگیش کمار تخلص:- صحرائیؔ - پورا نام:- یوگیش صحرائیؔ

مختصر حالات زندگی۔

۱۸ اپریل ۱۹۵۰ء میں ضلع اُودھم پور (جموں کشمیر) میں پیدا ہوا۔ وہیں سے تعلیم شروع کی۔ اس کے بعد جگہ جگہ پڑھنا شروع کیا۔ والد صاحب ٹی۔ آر۔ پردیسی ریاست جموں و کشمیر کے مشہور ادیب ہیں۔ لہٰذا مجھے بھی ادب سے شوق رہا۔ اور یہ شوق رفتہ رفتہ بڑھتا ہی گیا۔ شاعری کو تقریباً دس سال ہوئے۔ شروع کی۔ اس سے قبل ڈرامہ، سٹیج پر زیادہ کام کرتا رہا ہوں۔ دورانِ تعلیم سکول، کالج سے کئی انعامات حاصل کئے۔ اور مجھے ڈانس کا بھی شوق رہا۔ اس میں بھی انعامات حاصل کر چکا ہوں۔ سال گزشتہ جموں و کشمیر یوتھ کی جانب سے جموں و کشمیر کا اول انعام بھی حاصل کر چکا ہوں کالج سے تعلیم ختم کرنے کے بعد اپنے کاروبار میں لگ گیا۔ اور اب تک اپنے ہی کاروبار میں مشغول ہوں۔ اور خدا نے چاہا تو شاعری کے ساتھ کاروبار میں بھی ترقی کرتا رہوں گا۔ زیادہ تر میں نے شاعری کی تعلیم محترم والد صاحب سے حاصل کی ہے۔ لیکن ادبی دنیا میں مجھے آگے لے جانے میں اور بھی شعرا حضرات کا ہاتھ ہے۔ ان میں زیادہ تر شری کیتی سچن مالا، جناب رہبر جدید، جناب بیکس کشمیری، جناب جو لقیس رینچک اور جناب ساحر سیالکوٹی کا ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ ویسے تو میرا کلام جموں و کشمیر کے عام اخبارات میں شائع ہوتا رہتا ہے اس کے علاوہ پنجاب کے چند اردو اخبارات میں بھی میری غزلیات و افسانے آتے رہتے ہیں۔ میں شاعری اردو ہندی، ڈوگری [illegible] اور پنجابی زبانوں میں کرتا ہوں۔ عام زبان اور سادگی میں شعر کہتا ہوں۔ اس وجہ سے میرا کلام ریڈیو کشمیر جموں کے جموں سٹیشن سے ڈوگری گیت بھی کئی بار نشر ہوئے۔ گائک اور کلاکار میرے کلام کو شردے کر کئی بار سٹیج پر گاتے ہیں۔ جن میں چند گانے بہت مقبول ہو چکے ہیں۔ سب سے زیادہ والد جناب ٹی۔ آر۔ پردیسی صاحب کا ممنون ہوں جنہوں نے مجھے درس دیا۔ اور ان کی وجہ سے اس مقام تک پہنچا۔ نمونہ کلام ملاحظہ فرمائیے:

"غزل"

دُردمندوں کو محبت میں ستانے والو
راہِ الفت میں کئی جال بچھانے والو

خود تماشا ہے یہاں عشق تماشائی بھی
کھیل اُلفت کا زمانے میں رچانے والو

عشقِ اسرار کے پردے میں نہیں رہ سکتا
عشق کے راز پہ اے پردہ گرانے والو

سر یہ دہلیز پہ دُنیا کی نہیں جھک سکتا
سر اُٹھاؤ ذرا سر کو جھکانے والو

اُن کے دامن سے ملی ہے مجھے غم کی دولت
مجھ پہ تم رشک کرو ہنسنے ہنسانے والو

تم کو بھی لوٹ نہ لے کوئی لٹیرا بن کر
مجھے اس راہ میں اے لوٹ کے جانے والو

ہم سے میں خاک نشیں پہلے ہی ہٹی ہیں بنے
شہر سے دور مجھے آج دبانے والو

خود گریبانوں میں تم جھانک کے پہلے دیکھو
یوگی صحرائیؔ پہ اے انگلی اٹھانے والو

غزل:-

تشنہ لبوں کے سامنے ہوتی ہے زندگی
رندانِ بادہ نوش پہ روتی ہے زندگی

غم خانۂ حیات میں غم تو ملے کئی
لذتِ غمِ حیات کی کھوتی ہے زندگی

کتنے زمانہ ساز ہیں زہرہ جمال بھی
ہر دم نئے فریب میں ہوتی ہے زندگی

دل میں ہمارے درد ہے خنجر کہیں چلے
دُنیا کے غم کو دل میں سموتی ہے زندگی

صحرائیؔ تیرے اشکِ رواں تمام شب
دامن کو اپنے خوب بھگوتی ہے زندگی

بی۔ ڈی۔ کالیہ۔ ہمدم

نام۔ بی۔ ڈی کالیہ۔ تعلیم۔ بی۔ ایس۔ سی۔ بی۔ ٹی۔
عہدہ۔ اسسٹنٹ پراجیکٹ آفیسر (MFAL) بھوانی۔ بچپن سے شعر و شاعری کا شوق ہے۔ اردو زبان کی تعلیم تو سکول میں کم پائی لیکن اردو ادب کا مطالعہ کیا اور ہند و پاک کے مشہور شاعروں کے کلام بھی پڑھے۔ ہندی زبان میں بھی کویتا کہنے کا شوق ہے اور ہندی ساہتیہ سبھا کی حصار برانچ کے ذریعہ چھپنے والی سماریکا میں میرا کلام چھپ چکا ہے۔

جناب زخمی حصاری اور جناب رانا بالوی صاحب سے مشورہ حاصل کر رہا ہوں۔ نمونہ کلام حاضر ہے

حوصلہ حوصلہ۔ بزدلی بزدلی ٭ روشنی روشنی تیرگی تیرگی
زندگی کے چمن میں نہیں تازگی ٭ ہم نے ہر طور سے دیکھ لی زندگی
رخ دمکتا ہوا لب مہکتے ہوئے ٭ دھوپ میں جس طرح پھول کی تازگی
آگ کیسی لگی اب کے برسات میں ٭ پی رہا ہوں مگر بڑھ رہی تشنگی
حسن ہوتا رہا ہم پہ جتنا خفا ٭ اتنا بڑھتا رہا جذبۂ عاشقی
دیکھتے دیکھتے بُت خدا بن گئے ٭ بن گئی تھی ہماری کہ جادوگری
غم کے بھی سلسلے عیش کے قہقہے ٭ سوز بھی زندگی ساز بھی زندگی
روح بدلے گی ہمدم نیا پیرہن ٭ موت سے پھر ملے گی نئی زندگی

جہاں بھر میں کہیں ماتم نہیں ہے ٭ کسی کو بھی ہمارا غم نہیں ہے
ذرا دامن بچا لو میرے آنسو ٭ ستارے ہیں کوئی شبنم نہیں ہے
بظاہر وہ پریشاں سے ہیں لیکن ٭ سنہری زلف تو برہم نہیں ہے
کنارے پر لگا دے میری کشتی ٭ نہیں تو کہہ دے تجھ میں دم نہیں ہے
چراغِ ہند میں ہے بات کوئی ٭ کہ آندھی میں بھی لو مدھم نہیں ہے
ہماری دوستی کیا دشمنی بھی ٭ کسی کی دوستی سے کم نہیں ہے
یہاں نکلے گا سورج ہر سحر کا ٭ یہ پورب ہے کوئی پچھم نہیں ہے
چلا ہے جانبِ منزل تو ہنس لے ٭ کہیں رکنا تجھے ہمدم نہیں ہے

وہ جو شِ جوانی سے مسرور ہو کر ٭ بہت پاس نکلے بہت دور ہو کر

نہ ہو عشق تو حسن کچھ بھی نہیں ہے ٭ کرے کیسے روشن یہ بے نور ہو کر
منور ہے غم سے محبت کی دنیا ٭ اندھیرے سے نکلی ہے پُر نور ہو کر
اسی آس پہ ہم تو پیاسے رہے ہیں ٭ کہ یہ جام چھلکے گا بھر پور ہو کر
محبت کے انداز بدلیں تو کیونکر ٭ محبت تو رہتی ہے دستور ہو کر
جو دنیائے الفت میں بدنام ہوں گے ٭ جہاں میں رہیں گے وہ مشہور ہو کر
محبت کا حاصل کوئی اُن سے پوچھے ٭ جو چڑھتے ہیں سولی پہ منصور ہو کر
محبت میں ہے زور جو میرے ہمدم ٭ چلے آؤ گے تم بھی مجبور ہو کر

بظاہر حسیں ہیں بے صبر سے ٭ زباں کا کام لیتے ہیں نظر سے
نظر کو ہے وہی جلوؤں سے نسبت ٭ اُجالوں کو جو ہوتی ہے سحر سے
نہیں اشکوں پہ حق اپنا کوئی بھی ٭ نکلتے غیر ہی دیکھے ہیں گھر سے
بہت باتیں بناتے ہو طبیبو! ٭ دوا کی جانچ ہوتی ہے اثر سے
راہِ اُلفت میں کیا دشواریاں ہیں ٭ کوئی پوچھے ذرا اہلِ سفر سے
قیامت تک رہے رنگین فسانہ ٭ لکھو ہمدم اگر خونِ جگر سے

غزل

کلیم سرونجی

کھنک ساغر کی باقی ہے نہ شورِ ہاؤ ہو باقی
سرِ طاقِ نسیاں ہو گئے جام و سبو ساقی

کوئی اب کیا بہاروں کی کرے گا آرزو ساقی
خزاں کے ہاتھ میں ہو جب نظامِ رنگ و بو ساقی

یہ میری میکشی پر طعنہ زن کیوں ہیں جہاں والے
کہاں ہے میرے ساغر میں غریبوں کا لہو ساقی

بہاروں کے پس پردہ ہے کیا دنیا کو سمجھا دے
اٹھا دے آج چہرے سے نقابِ رنگ و بو ساقی

ہماری تشنگی پر کیوں یقیں آتا نہیں تم کو
کہ عرضِ حال میں ممکن نہیں ہم سے غلو ساقی

نقاب اپنا الٹنا ہی پڑا آخر کلیم ان کو
ہمارے کام ہی آئی ہماری ہاؤ ہو ساقی

وزیر اعظم شریمتی اِندرا گاندھی

کے

بیس نکاتی اِقتصادی پروگرام

کی کامیابی سے ہی ہمارے ملک کا پسماندہ طبقہ غریبی کے دلدل سے نکل سکتا ہے اور ہم ڈسپلن سے قومی کیریکٹر کو بلند کر سکتے ہیں آئیے ہم سب مل کر وزیر اعظم صاحبہ کے بیس نکاتی پروگرام کو کامیاب بنانے میں قدم سے قدم ملا کر چلیں۔

دیال سنگھ کالج

مشترکہ پنجاب میں نصف صدی اور کرنال (ہریانہ) میں چوتھائی صدی سے اپنی شاندار روایات قائم رکھے ہوئے ہے۔ دیال سنگھ کالج کرنال میں طلباء کو ہمیشہ ڈسپلن، قومی یکجہتی۔ اور ملک کی ہر طرح حفاظت کرنے کی تلقین کی جاتی ہے اور انھیں ایک اچھا شہری اور ایک ذمہ دار ہندوستانی بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

اراکین منتظمہ کمیٹی

دیال سنگھ کالج کرنال (ہریانہ)

محمد اقبال خاں زخمی جمشید پوری

۲۸ دسمبر ۱۹۵۵ء کی ایک سرد رات میں (محلہ گول موری جمشید پور) عالم وجود میں آیا۔ ۱۰ برس کی عمر ہی میں والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا۔ اس لئے میں بھی ان ہزاروں بدنصیبوں میں سے ایک ہوں جو باپ کی شفقت سے محروم ہیں گرم سورج کی تمازت جب بھی میرے سر پر پڑتی ہے مجھے اس بے کراں سلسلے کی شدت سے احساس ہوتا ہے غربت اور مصیبت سے زور آزمائی کرتے ہوئے جب ہوش سنبھالا تو اپنی ماں کی آنکھوں میں شکستہ خوابوں کی پرچھائیاں دیکھیں اور تمام کاروبار پر عزیز و اقارب نے چھاپہ مار لیا تھا اس عالم بیکسی میں اپنے آپ کو پھوپھی زاد بھائی جناب محمد علی خاں کے احسانوں تلے دبے پایا ان کی محبت اور شفقت نے میری زندگی میں نئے نئے رنگ بھر دیئے ان کے بہالے ایسے احسانوں کو اپنے کمزور کاندھوں پر اٹھائے جی رہا ہوں۔ ہر چند کہ زندگی کا تقاضا ہی اور ہے

زندگی میں اس قدر رنگیں احساس سے ٹکرا کر تھکا چور ہو رہا ہوں کہ اب سنبھلنا مشکل ہے میں نے بھی عام لوگوں کی طرح بہت سے حسین خواب دیکھے لیکن وہ حسین خواب آنسو بن کر بہہ گئے اب میرے پاس بیتے ہوئے دنوں اور یادوں کے نقوش کے سوا کچھ بھی نہیں اور انھیں بکھرے ہوئے خوابوں کو اپنے دامن میں سمیٹے کل کی آرزو، کل کی تلاش میں تن تنہا آگے کی طرف بڑھ رہا ہوں ہو سکتا ہے کہ یہ میرے دکھ کا انت ہو۔ اور شاید زندگی کے اس دکھ کا یہ سفر ختم ہو رہا ہو اور مجھے وہ منزل مل جائے جس کی مجھے ایک مدت سے تلاش ہے جس کے لئے میں جد و جہد میں مصروف ہوں اور

یہ کیونکر دل نے مرے حوصلے بڑھائے ہیں ✤ غموں کی دھوپ کے آگے خوشی کے سائے ہیں

جو مجھ پر گزری اگر اور کوئی ہوتا تو ہمت ہار کر بیٹھ جاتا لیکن میں ہاتھ پیر مارنے کو زندگی سمجھتا ہوں اور اب عالم یہ ہے ع

کیوں دل کے حوصلے ہیں جواں کچھ نہ پوچھئے۔ اور سے

حوادث سے الجھ کر مسکرانا میری فطرت ہے ✤ مجھے دشواریوں پر اشک برسانا نہیں آتا

پیش نظر رکھتا ہوں۔ اکثر کسی واقعہ یا حادثہ سے متاثر ہو کر لکھتا ہوں زندگی کے چند تلخ تجربوں اور اپنے آس پاس بکھری ہوئی حقیقتوں کو الفاظ کا لباس پہنانے میں مجھے بیحد سکون ملتا ہے اردو ادب کی خدمت کا ایک جذبہ ہے جو مجھے لکھنے پر مجبور کرتا ہے لکھنا کسے کہتے ہیں میں کیا جانوں میں ٹھہرا ایک طالب علم۔

منو خاں کیفی سرونجی

۱۹۴۷ء میں سرونج میں پیدا ہوا ابتدائی تعلیم گھر پر ہی پائی اس کے بعد اپنے شوق سے تعلیم میں اضافہ کیا کسی کے عشق سے متاثر ہو کر شعر کہنا شروع کیا بقول شاعر

جواں ہوئے تو چڑھے ہم قضا کے زینوں پر ✤ سنبھالا ہوش تو مرنے لگے حسینوں پر
شعور آتے ہی دی جان نازنینوں پر ✤ ہمیں تو موت ہی آئی شباب کے بدلے

شرف تلمذ جناب منور زبیری سے حاصل ہے۔ نمونہ کلام حاضر ہے۔

چشم نرگس اور مستانہ شباب ✤ کون اس گلفام سے واقف نہیں
ابتدائے عشق میں ظلم و ستم ✤ ہیں غم و آلام سے واقف نہیں
کر رہے ہو غم محبت کا فضول ✤ کون اس انجام سے واقف نہیں

شام غم کی سحر نہیں ہوتی ✤ آپ کی جب نظر نہیں ہوتی
جب بھی آتے ہیں تیری محفل میں ✤ ہم کو اپنی خبر نہیں ہوتی
میری خوشیاں سمیٹ لی اس نے ✤ پیار کی اک نظر نہیں ہوتی
جا کے ان سے یہ کہہ میرے قاصد ✤ زندگی یوں بسر نہیں ہوتی
زخم دل کے تو بھر گئے ہوتے ✤ بے رخی جو ادھر نہیں ہوتی
چل دے ان کے در سے اب کیفی ✤ اب ہماری گزر نہیں ہوتی

دب ہی سکتی غریبی امیری تلے ✤ آج ان کو مٹانے عتاب آ گیا
حسرتیں دل کی کچھ اور بڑھنے لگیں ✤ جب سے الفت کا میری جواب آ گیا
ہر کلی کھل اٹھی پھول ہنسنے لگے ✤ باغ میں آج پھر نو شباب آ گیا
ناز تھا پارسائی کا جن کو بہت ✤ وہ بھی محفل میں پی کر شراب آ گیا

غزل

از سیفی سرونجی

دور وحشت رہتی ہے اشکوں کی روانی لوگو ✤ اس طرح گذری ہے میری یہ جوانی لوگو
فصل گل میں بھی گلشن پہ گری ہے بجلی ✤ درد سے چور ہے اپنی یہ کہانی "
داغ دل ہم کو جو سینے میں نظر آتے ہیں ✤ عشق کی ہم کو ملی ہے یہ نشانی لوگو
چاندنی رات میں وہ ان کا گلے مل جانا ✤ کیسے بھولیں گے وہ ہم رات سہانی لوگو
مال و زر لعل و گہر کچھ بھی نہ کام آئے گا ✤ عشق باقی ہے فقط سب ہے یہ فانی لوگو

مَن کہ مکتوب الیہ

ادارہ

۲۲۔ بابوزئی۔ شاہجہاں پور

رسالہ شانِ ہند ماہ جنوری نظر سے گزرا۔ حضرت عظیم صدیقی کا ایک مضمون "خط غلط۔ املا غلط۔ ہجا غلط۔ انشا غلط" دیکھ کر یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ اب بھی ایسے بالغ نظر انسان موجود ہیں جو اُردو ادب پر نہایت گہری نظر رکھتے ہیں اور اپنی علمی معلومات سے اُردو زبان کے خیر خواہوں کو اس دورِ جہالت میں چراغِ راہ بنکر صرف اشعار کہنے ہی پر اکتفا نہ کریں بلکہ فنی اور ادبی معلومات بھی حاصل کرتے رہیں تاکہ وہ اس قابل بن سکیں کہ نہ صرف اپنے کلام کو عیوب سے پاک رکھیں بلکہ اپنے ہمعصروں کو بھی صحیح ہدایت بن کر راہِ راست دکھا سکیں میں حضرت عظیم صدیقی کو مبارکباد کا مستحق سمجھتا ہوں۔ اور چاہتا ہوں کہ وہ آئندہ بھی اس سلسلہ کو جاری رکھ کر بچھڑے ہوئے لوگوں کی رہنمائی کرتے رہیں۔

(ڈاکٹر) اشرف عشرت میرٹھی

محترمی اسرور صاحب

جنوری کے شمارہ صفحہ ۱۷ پر ایک اور معلوماتی مضمون جسکے مصنف حضرت اے صدیقی صاحب ہیں بعنوان خط غلط، املا غلط ہجا غلط، انشا غلط شائع ہوا ہے۔

میں اس مضمون کی اشاعت پر ادارہ شانِ ہند اور حضرت اے عظیم صاحب کی خدمت میں ہدیۂ مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

یہ ہے اُردو زبان کی صحیح خدمت۔ جن الفاظ کا املا ہی صحیح نہیں بھلا اُن کا صحیح بولنا صحیح پڑھنا اور صحیح سمجھنا کیونکر درست ہو سکتا ہے۔

وہ لوگ جو پردۂ ترقی میں اُردو کے صحیح الفاظ کی ہیئت بگاڑ رہے ہیں وہ مصلح نہیں بلکہ تخریب کار ہیں۔

صاحبِ مضمون نے مختلف لغات اور اساتذہ کے اقوال دے کر اپنے وسیع مطالعہ اور حاضر دماغی کا ثبوت دیا ہے۔

مضمون میں ایسے عربی الفاظ کا جن کے آخر میں الف مقصورہ آتا ہے ذکر کیا گیا ہے۔ الف مقصورہ "ی" کو [illegible] بنانے کے لئے ایک شرط رکھی ہے یعنی "وہ الفاظ عطف و اضافت سے بری ہوں"۔

(یہی بات خواجہ عشرت لکھنوی نے بھی کہی ہے)

شوق نیموی۔ مومن دہلوی۔ دبیر لکھنوی۔ امیر مینائی وغیرہم جیسے اُستادوں کے کلام سے ایسی مثالیں دی ہیں جن میں الف مقصورہ والے الفاظ میں اضافت ہے اور [illegible] بدل کر قافیہ بنا دیا گیا ہے ان الفاظ میں [illegible] کو [illegible] سے بدلنے کا سبب حرف روی کو بدل جانا بتایا گیا ہے جو [illegible] محسوس ہے۔

تنوین کے بیان میں کھلا اشارہ کر دیا گیا ہے کہ [illegible] عربی الفاظ تنوین کا لانا کہیں جائز نہیں۔

فارسی میں [illegible] کا وجود ہی نہیں [illegible] فارسی یا اُردو کا کوئی لفظ ذال سے لکھنا بالکل غلط۔ کتنی مدلل بات کہی ہے۔

[illegible] کے متعلق جو معلومات بہم پہنچائی گئی ہیں وہ اپنی جگہ نادر ہیں۔ ہائے مختفی کے بیان میں نہایت کامیاب [illegible] فرمائی گئی [illegible] [illegible] تمام جن کو ہائے ہوز سے لکھا گیا۔ [illegible] کو چھوڑ کر باقی تمام الفاظ [illegible] سے درست ہیں۔ ہائے مختفی [illegible] اردو میں ہائے مختفی نہیں۔ [illegible] آخری سطروں میں خود عشرت لکھنوی کا شعر پیش کر کے فرمایا ہے کہ اُردو شاعری سے یہ لفظ ترک ہو گئے ہیں۔ [illegible] ایک [illegible] فیصلہ ہے۔ [illegible] نگاروں کی [illegible] کی گئی ہے۔

یہ اس مضمون کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ میری حضرت اے عظیم صاحب کی خدمت میں [illegible] ادب سے گزارش ہے کہ وہ [illegible] کے معلوماتی مضامین سپردِ قلم کرنے کی زحمت فرماتے رہا کریں اُردو [illegible] پر ان کا بہت بڑا احسان ہوگا اور [illegible] بھی اپنے ارادوں میں کامیاب نہ ہونگے۔

(ڈاکٹر) زار ایناوی

محترمی! تسلیم

ماہ جنوری کا شانِ ہند بدست ہوا۔ اس کرم فرمائی کا شکریہ اس میں کوئی شک نہیں کہ [illegible] خدمت کے سلسلہ میں آپکی مساعی قابلِ ستائش ہیں۔

میں نے جستہ جستہ شانِ ہند کا مطالعہ کیا جس سے یہ اندازہ ہوا کہ اس کا حصۂ نظم زیادہ توجہ کا محتاج ہے۔ عارف القادری صاحب کی نظم ناقابلِ اشاعت ہوتے ہوئے بھی شائع کر دی ہے "جانِ تصوف" کے مصنف نے خدا جانے یہ شعر ؎

فطرت ستارہی ازل سے اسی طرح
لیکن ہنوز ختم مری داستاں نہیں

کس طرح اپنے دیوان میں رکھ لیا ہے جبکہ یہ شعر بجنسہٖ "نشاطِ روح" میں اصغر گونڈوی کے یہاں موجود ہے۔ اس کی جانب لائق تبصرہ نگار عزیز اندوری کی بھی نظر نہ گئی۔

دو کتابوں پر مقام عشق آبادی کا تبصرہ بڑا جامع اور شاعر و ادیب کی علمی معلومات میں اضافہ پہنچانے کا ضامن ہے۔ اسی طرح عظیم صدیقی صاحب کا مضمون "غلط نمبر، املا غلط، یہ غلط، انکا غلط" ان کے تبحر علمی کا ثبوت دیتا ہے۔

پرسوں ہی شانِ ہند ڈاکٹر ذوالفقار شکیل صاحب کے یہاں (جو اردو ڈیپارٹمنٹ میں ہیں) دیکھا تھا میں ان سے بھی کہوں گا کہ وہ شانِ ہند کے لئے کچھ لکھیں۔

نیاز کیش رمز آفاقی۔

---

۱۴۴ - بابوزئی - شاہجہاں پور - (یو۔پی)

محترم سرور انکل - تسلیم!

رسالہ شانِ ہند مستقل نظر سے گزرتا ہے۔ اس دور میں نیم برہنہ تصاویر اور فحش مضامین کی کثرت سے اشاعت ہو رہی ہے کہ ہمارے نوعمر بھائی بہن اپنے کردار کو شاید ہی سنبھال سکیں۔ شانِ ہند خالص ادبی اور معیاری شان کو نہایت خوبی سے قائم رکھتا ہے۔ خاص طور پر معیارِ ادبی کی کسوٹی میں مضامین ان شعراء اور ادیبوں کے لئے جو صرف موزوں کلام کہتے ہیں کہ اردو زبان کی خدمت سمجھتے ہیں مشعلِ راہ کا کام کرتے ہیں اور زبان کی اعلیٰ لیاقت ہم پہنچاتے ہیں اور ان ابتدائی منزل کی نشاندہی کرتے ہیں جو اردو زبان کی بقا اور صحت مند ادب کی آخری منزل ہے۔

قابلِ ستائش ہے [illegible] دستی جو کسی [illegible] اور [illegible] نسل سے بچنے پر ہو کر خدمتِ ادب کو اپنی زندگی کا نصب العین [illegible] بلکہ ہر اردو ادب کا شائق، ہر علم و فن کا شائق ان مضامین کو پڑھ کر محترم بزرگ حضرت مقام عشق آبادی کا شکر گزار ہوگا اور مستفید ہو کر اردو کو حیاتِ جاوید بخشے گا۔ آپ یقیناً مبارکباد کے مستحق ہیں کہ ایسے مضامین شائع کر کے اردو ادب کی صحیح خدمت انجام دے رہے ہیں۔ یہ دعا ہے کہ یہ سلسلہ جاری رہے تاکہ اردو زبان سے بھٹکے ہوئے راہِ راست پر آجائیں اور ہم اسی طرح مفید معلومات سے فیضیاب ہوں۔

دعا گو نگار ایم۔اے

از مینار محلہ قدیم جالنہ ہر کالون ۲۳[illegible]

جالنہ مہاراشٹر

مکرمی جناب سرور تونسوی صاحب مدظلہ العالی

آداب عرض۔ آپ کا محررہ نامۂ کرم جناب نکہی صاحب کو نے میرے پاس ادائیگی جواب کے لئے بھیج دیا۔ احتیاطاً میں الفاظ موصوف کے پاس گیا اور معترضہ شعر کی نسبت دریافت کیا۔ موصوف نے فرمایا کہ میرے پاس توارد وغیرہ کا سوال ہی نہیں جو شعر موزوں ہو جاتا ہے۔ حسنِ اتفاق کہ وہ قابلِ اعتراض قرار پایا۔ مگر "جانِ تصوف" ۱۲۷ کے چھٹا شعر جو درج ہے وہ اس طرح ہے۔

روزِ ازل سے ست ہوں مگو دار و تصلی
ہستی کا یہ فسانہ کوئی مختصر نہیں

اور آپ نے مجموعۂ نشاطِ روح کا جو شعر تحریر فرما کر ارسال فرمایا

فطرت ستارہی ازل سے اسی طرح
لیکن ہنوز ختم مری داستاں نہیں

الفاظ اور مضمون میں مماثلت ہے یا نہیں یہ عرض ہے کہ میں نے جو شعر پر کسی قسم کا شبہ یا اعتراض اس وجہ سے مناسب نہیں کہ یہ ایک حسنِ اتفاق کو قیامت کا شکار نہیں بنایا جا سکتا۔ رمز صاحب علیحدہ بھی میری تحریر پر اتفاق کرنا چاہئے۔ باقی والحق تشکر۔

نکہی صاحب کی آنکھوں کا عالم حسبِ حال ہے۔ دعا فرمائیں اللہ انہیں صحت عطا فرماوے آمین ثم آمین

مخلص ترین

محمد بشیر الدین شاکر بالنہ

نئی سمتیں

ترتیب :- عزیز اندوری

حسب توقع نئی سمتیں کو لگاؤ و پسند سے دیکھا گیا۔ بعض احباب شاہِ ہند میں اس نئی تبدیلی کو دیکھ کر چونکے ہیں۔ بعض حضرات نے اس قدم کی بے یقینی کی نشاندہی دی ہے۔ لیکن اہلِ انصاف نے ارادہ شاہِ ہند کے اس قدم کو سراہتے ہوئے چند مشوروں سے نوازا ہے جن پر عمل پیرا ہونے کی ادارہ پوری کوشش کرے گا ——————— (ادارہ)

تمہیں ہم یاد آئیں گے

سلام مچھلی شہری

یکایک خود ہی جب گھبرا کے تم پردہ اٹھاؤ گے
کبھی جب عالمِ تخئیل میں تم ڈوب جاؤ گے
مجھے اس عالمِ فانی میں اِک دن جب نہ پاؤ گے
کبھی جب اپنی تنہائی پہ خود آنسو بہاؤ گے
تمہیں ہم یاد آئیں گے، تمہیں ہم یاد آئیں گے

نشاں پوچھو گے جب پامال و بوسیدہ مزاروں سے
تصور میں جو گزرو گے کبھی دلکش نظاروں سے
پتہ پوچھو گے جب میرا فلک کے چاند تاروں سے
پہاڑوں، وادیوں، ندیوں سے آبشاروں سے
تمہیں ہم یاد آئیں گے، تمہیں ہم یاد آئیں گے۔

کبھی جب دلنشیں کلیاں بہم شادی رچائیں گی
کبھی جب کوئلیں میٹھے سُروں سے راگ گائیں گی
چمن میں رقص کو جب تتلیاں سج دھج کے آئیں گی
ہوائیں جب کوئی بھولا ہوا نغمہ سنائیں گی
تمہیں ہم یاد آئیں گے، تمہیں ہم یاد آئیں گے

بنانے کے لئے بیٹھو گے جب پھولوں کا اِک گجرا
نظر میں خار ہو جائیں گے جب گلہائے حُسن افزا
یکایک خود ہی جب بربادِ دھاگہ ٹوٹ جائے گا
پہنائے گا تصور جب مرے اشکوں کی اِک مالا
تمہیں ہم یاد آئیں گے، تمہیں ہم یاد آئیں گے

کبھی جب خواب میں تم جاگ اٹھو گے چونک جاؤ گے
جب اپنا ہاتھ کیفِ بے خودی کا تھام پاؤ گے
کوئی سایہ سا آتا دیکھ کے جب تھرتھراؤ گے
جب اس کو خوابِ رنگیں کے سوا کچھ بھی نہ پاؤ گے
تمہیں ہم یاد آئیں گے، تمہیں ہم یاد آئیں گے

سہانی چاندنی جب آسماں پر جھلملائے گی
نگاہِ جستجو جب چرخ پر رہ رہ کے جائے گی
تمہیں جب صبح ہوتے ہوتے میری یاد آئے گی
تمہاری آنکھ جب تاروں کو بھی مایوس پائے گی
تمہیں ہم یاد آئیں گے، تمہیں ہم یاد آئیں گے

تصور میں جو بیٹھو گے کسی مایوس حسرت کے
جو دیکھو گے کبھی خط میرے پیغامِ محبت کے
بدل جائیں گے دیپک راگ میں نغمے مسرت کے
پڑھو گے شعر جب اِک شاعرِ رومانِ فطرت کے
تمہیں ہم یاد آئیں گے، تمہیں ہم یاد آئیں گے

سلام مرحوم نے یہ نظم
... فروری ۱۹۳۶ء کو کہی تھی
... ب اُن کی عمر مشکل سے ۱۵
... ال تھی۔ قارئین اس نظم کو
... ن کی ابتدائی شعوری کوشش
... پیشِ نظر ملاحظہ فرمائیں فنی
... ظ نگاہ سے اس کے مطالعہ کا
... ضہ نہ کریں۔ تو بہتر ہے۔
اس نظم میں سلام کا وہ
... ری تصور بھی موجود ہے جس
... ہ انھیں تادمِ آخر دلی لگاؤ رہا
... ۔۹

عزیز اندوری

... پبلشر کاشی سرود ایڈیٹر پرنٹر و پبلشر نے
... پریس جامع مسجد دہلی سے چھپوا کر دفتر
... ماہنامہ لطیف ۔ انصاری مارکیٹ
... دریا گنج نئی دہلی سے شائع کیا
... ۔۔۔ اس ۔۔۔ دریا گنج دہلی
... چھپا۔

افسانوی محرکات ـــــ (عصرِ حاضر کی روشنی میں)

اختر الاسلام ایم۔اے
۳۰۶ شاہ محسن میرٹھ

کہا جاتا ہے کہ سجاد حیدر یلدرم نے اپنے رومانی افسانوں میں چاند اور اس کی مخصوص کیفیات سے اکثر عشق و معشوق کے خوابیدہ جذبات کو جگایا ہے اس سکون پرور چاندنی نے اکثر ان کے دلوں میں سوس اور تڑپ پیدا کی ہے۔ انھوں نے چاندنی کرنوں میں اپنے محبوب کے جلوے دیکھے ہیں۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ علامہ راشد الخیری کے افسانے عورت کی فطرت کے اس پہلو کو نمایاں کرتے ہیں جس کا تعلق اس کی گھریلو زندگی سے ہے۔ علامہ کے نزدیک عورت کی سب سے بڑی دل کشی یہ ہے کہ وہ بہترین بیوی، مثالی بہن اور بلند ترین نمونہ پیش کرنے والی ہو۔

لیکن یہ تعریفات اور تصریحات اس زمانے کی عکاسی کرتی ہیں جب افسانہ ابتدائی منازل طے کر کے اپنا مستقر تلاش کر رہا تھا۔ اس نانی، دادی نے پتہ نہیں کیسے ذہن میں کیا رس گھولا تھا کہ انسان بچپن سے لے کر جوانی اور بڑھاپے تک اس کا والہانہ عاشق ہو گیا۔ اس نے دیکھتے دیکھتے اتنی شکلیں بدلیں کہ اب اس کی پہلی اور موجودہ شکل میں زمین آسمان کا فرق ہو گیا۔ مگر یہ جس زمانے کی چیز ہے اس زمانہ کی ساری خصوصیات اس میں موجود ہیں۔ یہ بہت جلد اتنا مقبول ہوا۔ ادب کی دیگر اصناف پر اس قدر چھا گیا کہ مختلف اجزا میں اس کی تقسیم کی گئی۔ جن کے درمیان باہمی ربط و تعلق قائم کرنے کا نام فنی ترتیب رکھا گیا۔ اس کے لئے تین چیزوں۔ پلاٹ، کردار اور زمان و مکان یعنی وقت کو ضروری سمجھا گیا۔ پھر اس کو پانچ اجزا یعنی عناصر ترکیبی میں تقسیم کیا گیا یعنی واقعہ یا صورت حال کا وجود یا آغاز، اس واقعے یا صورت حال میں الجھن یا کشمکش، اس الجھن کی زیادہ اضطراب انگیز صورت یا تصادم نقطۂ عروج یا کلائی میکس اور آخری انجام۔

مختلف مکاتیب خیال کے تحت نصیحت آموزی، رومانی اور حقیقت نگاری کی کسوٹی پر پرکھا گیا۔ جس۔ تجربہ ہوا کہ کسی نے ... سے ادب برائے ادب، کسی نے ادب ... برائے زندگی ... کے لئے ذہنی آسودگی اور کسی نے اسے خالص مقصد ... بنا دیا۔

بقول آلِ احمد سرور۔ ترقی پسندوں نے عوامی موضوعات استعمال کئے مگر انھوں نے ان موضوعات کو اوّل تو سیاسی اور وقتی مقاصد کے لئے استعمال کیا دوسرے انھوں نے کتابی اور فنی کو عوامی زبان میں اس طرح داخل کیا کہ جس میں ... کی بد مذاقی تھی۔ ہو سکتا تھا کہ اسے آئندہ بھی آنے والی یا موجودہ نسل اپنے نقطۂ نظر اور طرز غور و فکر کے مطابق نیا نام دے دے جس طرح موجودہ حالات کے تحت اسے عصری افسانہ یا سماجی کہانی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

آج نہ تو جاگیردارانہ نظام کا کھلے طور پر بول بالا ہے اور نہ بائیں بازو کی شاطرانہ چالیں۔ یہی دو بنیادی محرک ہیں جنھوں نے اب تک افسانے کا نشو و نما کیا تھا۔ ان دونوں محرکات کے غلط نتائج کا شکار ملک کا عام آدمی ہوا جس کی رگوں میں بیکاری، غریبی، بے راہ روی سرایت کر گئی۔ اس لئے اب ضرورت ہے کہ افسانے کو خالص ہندوستانی ماحول میں پیش کیا جائے۔ قلم کار کو ایک عام آدمی کے کردار میں ڈھل کر عام بات کہنی ہوگی۔

وقت کی تنگی کے سبب زبان و بیان کی شیرینی چھوڑ کر براہ راست بات چیت کرنی ہوگی مگر اس طرح نہیں کہ اس کے تمام عناصر ترکیبی کو ختم کر دیا جائے۔ ان کی تعداد کم کرنا کوئی غلط بھی نہیں۔ پلاٹ تو بدستور قائم ہے کیونکہ بغیر پلاٹ کے تو بات بننے سے رہی۔ الجھن اور کشمکش کی عکاسی ضروری ہے۔ اس زمانے میں رومان پسندی اس لئے ناپسند ہے۔ کیونکہ یہ کہیں وقت کو سمیٹتی نہیں۔ پچھلے افسانے ایک خاص بات، خاص موضوع کی سمیاؤں کو لے کر چلتے تھے جن کا تعلق عشق، اخلاقی تعلقات یا جنسیات سے تھا۔ جارج برنارڈ شا نے اب سے کافی عرصہ قبل کہا تھا کہ ہمیں سب سے پہلے عام آدمی کو روٹی دینی چاہئے۔ کیوں کہ اس روٹی کے حصول کے لئے اس عام آدمی کو سماج میں طرح طرح کے مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

ملکی سطح پر ہندی کے علاوہ دکن کی تمام زبانوں میں عصری افسانہ رواج پا رہا ہے۔ پنجابی ڈوگری میں اسی کی عکاسی ہے۔ مراٹھی میں اس کا

غزل

وقار واثقی۔ رسول آباد کالونی۔ شاہ عالم احمد آباد

کہہ دیا تھا وفا شعار اُسے
اب ہے میرا ہی انتظار اُسے

آسماں پر چڑھا دیا تھا کل
اب زمیں پر بھی تو اتار اُسے

اپنے خود ساختہ اصولوں سے
مل گیا کچھ دلوں قرار اُسے

سب نے نظریں بچائیں تو کھو دیا
کہتے ہیں اب گناہگار اُسے

لوگ کہنے لگے ہیں دیوانہ
مل گئی ہے رہِ فرار اُسے

کل وہ دے گا جواب کس کس کو
نام لے کر تو مت پکار اُسے

دیکھتا ہی نہیں کسی کی طرف
جانے کس کا ہے انتظار اُسے

بند آنکھیں کئے وہ ہنستا رہا
ہم جگاتے رہے وقار اُسے

غزل

راحت قیصر [illegible] اندور

سمندروں میں کوئی شہر بسنے والا ہے
یہ آج راہ میں پتھر کا ڈھیر کیسا ہے
عزیزو آج بھی آنکھیں سی ہوئی ہیں مگر
مرے ضمیر کو ٹھکرا کے میرا دست سوال
جو پتھروں سے بتوں کو تراشتا تھا کبھی

دماغ سوچ کی گہرائیوں میں ڈوبا ہے
ضرور کوئی پیمبر ادھر سے گزرا ہے
اب ان میں خواب نہیں رہتے جو ٹوٹتا ہے
محلے والوں کے دروازے کھٹکھٹاتا ہے
اس آدمی کا رویہ بتوں کے جیسا ہے

وہ میری جان کا دشمن سہی مگر راحت
کبھی کبھی تو مرے شعر گنگناتا ہے

غزل

محمد نسیم سروالجمال مستقلہ ہزاری باغ

گم ہو گیا ہوں بھیڑ میں چہروں کی اس طرح
میں کون ہوں مجھے بھی کچھ اس کا پتہ نہیں

منزل مجھے ملے تو بھلا کس طرح ملے
تنہا ہوں میرے ساتھ کوئی رہنما نہیں

احساس دشمنی کا اِک اِک دل میں جاگتا تھا
کیا چیز دوستی ہے کوئی جانتا نہیں

سرور وہ خود غرض ہیں معلوم ہو چکا
لیکن اب ان کے بارے میں کچھ سوچتا نہیں

غزل

ساغر پالم پوری

کھا گیا وقت ہمیں نرم نوالوں کی طرح
زندگی ہم پہ ہنسی زہرہ جمالوں کی طرح

اُن کے دو نین تھے صہبا کے پیالوں کی طرح
ظلمتِ رنج میں راحت کے اُجالوں کی طرح

ہم نے پوجا تھا جنہیں پوجنے والوں کی طرح
وہ ہمیں بھول گئے بھولنے والوں کی طرح

غم نہیں جس میں ہے وہ زندگی اک بیوہ سی
زیست سے لپٹے ہیں غم پاؤں کے چھالوں کی طرح

جسم کی جھیل میں چاہت کے کنول کھلتے ہیں
کسی بے راگی کے پاکیزہ خیالوں کی طرح

رہ کے بستی میں بھی ہم لوگ ہیں تنہا تنہا
پچھلے اوقات کے ویران شوالوں کی طرح

زخم تلوار کے گہرے بھی ہوں مل جاتے ہیں
لفظ تو دل میں اُتر جاتے ہیں بھالوں کی طرح

ساتھ اُن کے تو ہوا لمحوں میں سالوں کا گزر
اُن سے بچھڑے تو لگے لمحے بھی سالوں کی طرح

اب کے ایسا ہے زمانہ کہ کوئی ساغر
ہم ہیں فرسودہ کتابوں کے حوالوں کی طرح

معیار کی کسوٹی پر

عزیز اندوری

ماہنامہ سوبرس۔ دلّی

دنیائے ادب میں ان دنوں ماہنامہ سوبرس پر جس تیزی سے گفتگو کی جارہی ہے میرا خیال ہے حال ہی میں شائع ہونے والے دوسرے ادبی رسائل اس طرح موضوعِ گفتگو نہیں بنے۔

اب تک اس رسالہ کے پانچ شمارے منظرِ عام پر آچکے ہیں۔ ہر شمارے میں جس انداز کا مواد موجود ہے اسے دیکھ کر یہ احساس ہوتا ہے کہ ملک کے بیشتر مشہور فنکار اس رسالہ کے "اسی کام" کو یقینی سمجھ کر اپنا بھرپور تعاون پیش کر رہے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ ممتاز ادبا و شعرا کرشن چندر، عتیق حنفی، کنہیا لال کپور، دلاور فگار، قمر احسن، احمد فراز، فکر تونسوی، کرامت علی کرامت، الور خاں، عقیل شاداب، شاہد پرویز، محسن زیدی، آفتاب شمسی، حمیدہ سہروردی، امیر آغا قزلباش، شمس الحق عثمانی، اختر بستوی، پرکاش پنڈت، رفعت سروش، تبسم فاروقی، اکرام جاوید، ملک زادہ منظور، قمر سنبھلی، ندرت نواز، اویس احمد دوراں، اور دیگر بیسوں فنکاروں کی تخلیقات اس میں شامل ہیں۔

مذکورہ فنکاروں کے تخلیقات کی اشاعت سے ایک بات اور واضح ہو جاتی ہے کہ سوبرس میں ہر مکتبۂ فکر کے لوگوں کو یکجا کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے جو ادارے کی اس دیک نیتی کو بھی ظاہر کرتی ہے کہ وہ اسے کسی مخصوص نظریۂ شعر و ادب کا آرگن بنا کر کسی بہت بڑی خوش فہمی کا شکار بنانا نہیں چاہتا۔ .... اس سلسلہ میں مدیر رسالہ نشتر خانقاہی نے خود لکھا ہے:۔

"سوبرس کو قارئین کے وسیع حلقے تک پہنچانا ہے۔ چند لوگوں تک محدود رکھنا نہیں چند لوگوں تک محدود رکھنے کے یہ معنی ہونگے کہ یہ بھی دوسرے ادبی رسائل کی طرح موت کی نیند میں سو جائے"

مدیر سوبرس کا یہ خیال ان کے سابقہ تلخ تجربات کا نچوڑ ہے۔ اسی لئے انھوں نے بڑے سلجھے ہوئے انداز میں اس رسالہ کو مختلف پھولوں کا ایک گلدستہ بنا کر پیش کیا ہے۔ اور اس کے ذریعہ ہر قسم کی خوشبو بکھیرنے کی کوشش کی ہے۔

اسی کے ساتھ اس رسالہ میں ان تمام دلچسپ پہلوؤں کو بھی پیش کیا گیا ہے جنھیں ادب کی ناگزیر صورتوں سے تعبیر کیا جاسکتا ہے ان پہلوؤں سے متعلق تخلیقات کی فراہمی، ان کا انتخاب اور اسی کے ساتھ ان کی ترتیب میں جس بالغ نظری کا ثبوت دیا گیا ہے اسے مدیر کی صدلقی کے تیز تجربے کی روشنی سے تعبیر کرنا ہوگا۔

سوبرس کو بلند و معیاری شعریات، مضامین کے ساتھ ہی ملکی سیاسی امور، اعلٰی فلمی خبروں اور صحت و نفسیات نیز چند دلچسپ کالموں سے مزین کیا گیا ہے جو ادارے کے اعلٰی شعور کی دلیل ہے اور اس طرح دم توڑ دینے والی "انتہا پسندی" سے دانستہ گریز کرکے براہ راست قاری سے رشتہ جوڑنے کی طرف پوری پوری توجہ دی گئی ہے۔

رسالہ کا گیٹ اپ، جاذب اور کتابت وطباعت کافی خوبصورت ہے ضخامت ۱۰۶ صفحات ہے۔ جس کا زر سالانہ ۲۵ روپے اور ایک شمارہ کی قیمت دو روپے ۲۵ پیسے ہے۔

پتہ:۔ دفتر سوبرس۔ سرائے خلیل۔ صدر بازار۔ دہلی ۱۱۰۰۰۶

سہ ماہی سائنس کی دنیا (دلّی)

شعر و ادب کے گہرے شعور کو حاصل کرنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ انسانی زندگی سے تعلق رکھنے والے ان تمام پہلوؤں پر نگاہِ ژرف ڈالی جائے جو ذہنِ انسان کے ارتقائی عمل کیلئے ناگزیر ہیں۔ ایسے ہی بہت سے اہم پہلوؤں میں سائنس کا مطالعہ اور علم بھی انتہائی معتبر و مستند ہے جسے نظر انداز کرکے شعر و ادب کی معنوی صورتوں سے انکار ممکن نہیں لیکن محض ان پر ہی اکتفا کر لینے سے زندگی کے ارتقائی عمل کی تکمیل بھی تقریباً ناممکن سی نظر آتی ہے۔ اگر کسی زبان میں اس پہلو سے متعلق عمل کو نظر انداز کیا جاتا ہے تو اس زبان کے اسی کام، اس کے ارتقاء اور اس کی تکمیل کی جانب نگاہِ تشکیک کا اٹھنا اچھا ہے۔

موجودہ دور میں دنیائے ادب کے خاص طور سے اردو ادب کے شعوری ارتقاء سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن اس ارتقائی عمل کو محض چند مخصوص رویوں تک محدود کر دینے سے قارئین ادب زندگی کے دیگر

مشکلوں سے یقینی طور پر محروم رہ سکتے ہیں اس لئے جب تک کسی زبان
یں زندگی کے شعوری اور ارتقائی عمل کو دخل نہیں کیا جاتا اسے اس
ک نہ تو مخصوص روایتوں سے نجات دلائی جا سکتی ہے اور نہ
استحکام، ترقی اور تکمیل کی توقع ہی کی جا سکتی ہے۔ زندگی کے
وری عمل میں سائینس کی اہمیت اور ارتقائی پہلوؤں کو نظر انداز
یا جا سکتا۔ اگر ان پہلوؤں سے (جن میں زندگی کے اہم ترین
مضمر ہیں) ادب و زبان کو یکسر مبرا کر دیا جاتا ہے تو اس دور
ر ادب اور زبان کے استحکام و ارتقا مشکوک ہو سکتے ہیں۔

اسی خیال کے پیش نظر کاؤنسل آف سائنٹفک اینڈ انڈسٹریل ریسرچ
نئی دہلی نے ماہنامہ سائنس کی دنیا کا اجرا کر کے ادب و زبان
پہلو سے اردو کو دور جدید کے مسائل بالخصوص سائنسی مسائل کو جن
انسان کے شعوری ارتقا کا بڑا گہرا تعلق ہے۔ شعر و ادب اور زبان کی
ر لطافت اور چاشنی سے مزین کر کے پیش کیا گیا ہے۔ یہی وجہ
سائنس سے تعلق رکھنے والے خشک موضوعات بھی ذہن و
پر گہرے تاثرات مرتسم کرتے ہیں جنہیں اس رسالے کے نگراں اے
ن اور مدیر گلزار زتشی دہلوی کی بالغ نظری نے اور بھی سنوار دیا ہے
ن کا مطالعہ کرتے وقت ان حضرات کے حسن انتخاب کی داد دیئے
نہیں رہا جاتا۔

اس رسالے کے اب تک تین شمارے منظر عام پر آ چکے ہیں جن
مطالعے کے بعد یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ ان میں پیش کئے گئے مضامین
ودان طبقے کو یقینی طور پر اہم ترین شعوری ارتقاء سے روشناس
یں گے اور اس زبان و ادب کے پرستار بھی ایسے مسائل سے بڑی
ف واقف ہو سکیں گے جن کا تعلق زندگی کے ارتقائی عمل سے کافی
ا قریب کا ہے۔

رسالہ کی قیمت نہ ہونے کے برابر ہے۔ یعنی سالانہ چندہ صرف
روپیہ پچاس پیسے ہے۔ اور عام شمارے کی قیمت صرف پچاس
پیسے رکھی گئی ہے۔

کتابت طباعت اور سرورق بھی جاذب نظر ہے۔

بقیہ ص ۱۴ افسانوی محرکات

بقیہ ص ۱۴

جلوہ آرا بیاں ہو رہی ہیں۔ اردو میں پریم چند اور منٹو بھی عصری افسانوں میں اس کی داغ بیل ڈال چکے ہیں۔ لیکن باقاعدہ طور پر اس عصری افسانے کی شروعات ۱۹۷۱ء سے ہوئی۔ جب بمبئی کانفرنس میں عام آدمی کے نقطہ نظر کو لے کر چلنے کا راستہ متعین کیا گیا۔ اس کے بعد ۱۹۷۲ء میں کانپور ۱۹۷۳ء میں مانڈو (مدھیہ پردیش) اور ۱۹۷۴ء میں مدراس کی افسانوی نشستوں میں اس کی اچھی طرح وضاحت کی گئی۔

عصری افسانہ یا سماجی کہانی کا مقصد کسی خاص نام یا لیبل سے جڑی افسانوی تخلیقات سے نہیں بلکہ ان تخلیقات سے ہے جو اپنی تخلیقی ذمہ داری نبھانے کے ساتھ ساتھ وقت یعنی عصر حاضر کی کسوٹی پر بھی کھری اترتی ہیں۔ کوری اصولی سیاست کے تحت قلم کار نہ تو اپنے قلم کو بندوق کی نال کی طرح استعمال کرنے کا جذبات بھرا سپنا دیکھتا ہے۔ اور نہ ہی دوسری طرف تکنیک یا رومانیت کی پیترے بازیوں کو اپنی تخلیق کے پلاٹ پر حاوی ہونے دیتا ہے۔ اس طرح وہ موثر یا غیر موثر اشتہار بازی سے بھی اپنا دامن ملوث کرنے سے بچ جاتا ہے۔ ان تخلیقات کا محور عام آدمی کی کشمکش، ڈر، وحشت، خدشہ، وسوسہ، محبت، جھنجھلاہٹ، جوش، ترنگ، خوشی، اطمینان، چین اور سکون ہیں۔ یہ عام آدمی ہی ہے جس سے قوم اور ملک کا کردار بنتا بگڑتا ہے۔ اخلاقیات ایک ایسا چشمہ ہے جو سدا اوپر سے نیچے کو بہتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ جب بلند سطح پر اخلاقیات کے پرستار ہی بدکردار ہو جائیں تو نیچے کے آدمی یہ محسوس کرتے ہوئے بھی کہ وہ غلط راستہ ہے اسی پر چلیں گے۔ چنانچہ عام آدمی پر ساری ذمہ داری آتی ہے جسے اپنی جگہ خبردار، تعلیم یافتہ ہونا، اپنے ماحول سے خبردار کرنا عصری ضرورت ہے اور یہی زبان و ادب کی اعلیٰ خدمت ہے۔

عمریاں شائع ہوئی ہیں۔ اُن سب میں سے "اپنی تلاش میں" ایک جداگانہ نوعیت کی حامل ہے۔ طرزِ تحریر میں وہ شگفتگی ہے کہ حضرت جوش ملیح آبادی، سردار دیوان سنگھ مفتون ایسے حضرات بھی اپنی سوانح عمریاں لکھتے وقت بیباکی اور اچھوتا انداز بیان اختیار نہ کر سکے۔ اُردو میں اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے۔ ضخامت ... قیمت مجلد ... روپے۔ ملنے کا پتہ:۔
دفتر ماہنامہ شانِ ہند ... دہلی

اپنی تلاش میں
جناب ... احمد کی خود نوشت سوانح حیات
جو بہترین انداز میں شائع ہوئی ہے۔
اس وقت اُردو زبان میں جس قدر سوانح

نایاب اور مشہور اُردو کتابیں منگائیے

کلیاتِ اقبال کا صدی ایڈیشن (آفسٹ)		۳۰/-
اقبال بشاعر اور فلسفی	سید وقار عظیم	۱۴/-
بانگِ درا (فوٹو آفسٹ)	اقبال	۱۰/-
ضربِ کلیم	"	۷/۵۰
بالِ جبریل	"	۷/۵۰
ارمغانِ حجاز	"	۴/۵۰
شاعری اور شاعری کی تنقید	ڈاکٹر عبادت بریلوی	۱۶/-
اُردو شاعری کا مزاج	وزیر آغا	۲۰/-
نیا افسانہ	وقار عظیم	۹/-
اطرافِ غالب	ڈاکٹر سید عبداللہ	۱۵/-
غزل اور مطالعہ غزل	ڈاکٹر عبادت بریلوی	۲۰/-
جدید شاعری	" " "	۲۵/-
ارمغانِ علی گڑھ	خلیق احمد نظامی	۲۰/-
اُردو شعر کا ارتقار	عبدالقادر سروری	۶/-
تصوراتِ اقبال	مولانا صلاح الدین احمد	۱۲/۲۵
اُردو زبان اور ادب	ڈاکٹر مسعود حسین خاں	۷/۵۰
مطالعہ سر سید احمد خاں	عبدالحق	۵/-
اُردو ادب کی تاریخ	عبدالحق جنیدی	۷/۵۰
گلدستہ مضامین و انشا پردازی	ڈاکٹر محمد عارف خاں	۵/۹۵
نمائندہ مختصر افسانے	ڈاکٹر طاہر فاروقی	۲/۷۵
تنقیدی سرمایہ	عبدالشکور	۲/۵۰
اُردو لسانیات	ڈاکٹر شوکت سبزواری	۸/-
تخلیقی عمل	وزیر آغا	۱۴/-
فیروز اللغات (جیبی ایڈیشن)		۶/۵۰
انتخاب مضامین سر سید	آلِ احمد سرور	۲/۵۰
مقدمہ شعر و شاعری	وحید قریشی	۴/۵۰
شرح جاوید نامہ (جلد اوّل)	محمد سلیم چشتی	۴۰/-
" " " (جلد دوم)	" " "	۴۰/-

ضبط شدہ نظمیں	مرتبہ علی جواد زیدی	۲۱/-
تنقید سے تحقیق تک	عنوان چشتی	۱۵/-
اقبال کے خطوط	ڈاکٹر منظر عباس نقوی	۱۸/-
پریم چند کے ناولوں میں نسوانی کردار	ڈاکٹر شمیم نکہت	۱۸/-
مقدمہ تاریخ زبان اُردو	ڈاکٹر مسعود حسین	۱۰/-
ادب اور تنقید	اسلوب احمد انصاری	۱۰/-
ادب اور زندگی	اظہر پرویز	۶/-
اُردو ادب آزادی کے بعد	خورشید الاسلام	۷/۵۰
یادوں کے سائے	ممتاز میرزا	۲۰/-
مترجم مثنوی مولانائے روم	قاضی سجاد حسین	۲۰/-
مترجم دیوان حافظ دفتر دوم	" " "	۱۸/-
ناقابلِ فراموش	دیوان سنگھ مفتون	۲۰/-
جذباتِ مشرق	" " "	۱۵/-
یادوں کی برات	جوش ملیح آبادی	۲۵/-
فرہنگ آصفیہ چار حصے مکمل		۱۵۰/-
انگلش اُردو ڈکشنری	مولوی عبدالحق	۵۰/-
اُردو انگلش ڈکشنری	" "	۴۰/-
ابتدائی علم عروض	سیماب انجم کھاگانوی	۱/-
گلشن کا ہندوستانی مسلمان نمبر		۲۵/-
اُردو شاعری کے ارتقا میں ہندو شعراء کا حصہ	سرلا دیوی سریواستوا	۱۵/-
شرح دیوان غالب	بیخود موہانی	۱۵/-
برقِ تبسم	تبسم علی پوری	۱۰/-
سحر نغمہ	ساحر ہوشیارپوری	۱۰/-
نقد و نظر	مختار احمد صدیقی	۵/-
پہلا پتھر	طاہر تلہری	۶/-
مغربی ادب کے معمار	اے۔ محمد ابراہیم	۱۲/-
آئینہ	حسرت بدایونی	۱۵/-
اوراقِ زندگی	بسمل سعیدی ٹونکی	۱۵/-

دفتر شانِ ہند۔ فلیٹ نمبر ۸۔ انصاری مارکیٹ۔ دریا گنج۔ نئی دہلی نمبر ۱۱۰۰۰۲

Sept.--76 Phone : 278880 Regd. No. D—(D) 370
THE SHAN-E-HIND MONTHLY, NEW DELHI-110002
Regd. with the Registrar of News Paper at R. No. 644/57

G. M. Wafa (Bhadarwah)

"Azad" Bahawal Puri
(Meerut)

Md Iqbal Khan "Zakhmi"

Yogesh Sahrai (Jammu)

Kaifi Sironji

Only Title Printed at M. S. Printers, D. Ganj, New Delhi-110002.

شانِ ہند دہلی

حکیم رئیس احمد صاحب سنبھل یو پی
پریذیڈنٹ یو پی طبی کانفرنس اترپردیش
پریذیڈنٹ نانک چند آدرش انٹر کالج چندوسی
پریذیڈنٹ حکیم رئیس سرسوتی ہائی سکول سنبھل
ڈائریکٹر کمیونٹی سروس روٹری کلب سنبھل
پریذیڈنٹ جگدیش سمتی دہلی
پریذیڈنٹ تلسی داس سمتی سنبھل
ممبر رام چرت مانس سمتی بہجوئی
سرپرست انجمن ترقی اردو سنبھل
لائف ممبر غالب اکاڈمی دہلی

نام مسلمانی سیرت خالص سیکولر ہندوستانی۔ کوئی
بھی اچھا کام کسی بھی فرقے کی طرف سے ہو رہا ہو اُس
میں مالی خدمت کرنا فرض اولیں۔ بلاتفریق مذہب
ملت ہر مریض کو مفت دوا دینا اور نادار مریضوں کو انکے گھر
پر جاکر دیکھنا اور مفت دوا کے علاوہ مناسب علاج کیلئے
دودھ اور پھل وغیرہ کے لئے مالی مدد دینا۔
مندر، مسجد، گوردوارہ، کلیسا کا یکساں احترام کرنا۔
وزیر اعظم محترمہ اندرا گاندھی کے ۲۰ نکاتی اقتصادی
پروگرام اور نوجوانوں کے دلوں میں عزت و احترام کا
مقام رکھنے والے جناب سنجے گاندھی کے پانچ نکاتی
پروگرام کیلئے دامے درمے سخنے قدمے ہمیشہ سرگرم۔
اپنا نسبندی کا آپریشن کرا کے عملی طور پر مسلمانوں کو سبق دیا
کہ نسبندی مذہب کی مخالفت نہیں کرتی بلکہ موجودہ حالات
کی ایک اہم ضرورت ہے جس پر ہر ہندوستانی کو عمل
کرنا چاہئے۔ مفصل مضمون اگلی اشاعت میں ملاحظہ فرمائیے۔ (ادارہ)

HAKIM RAIS AHMED
SAMBHALI

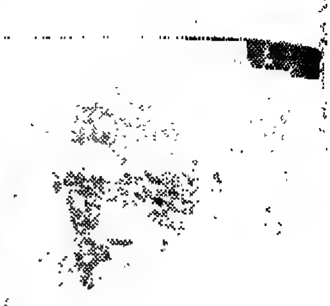

MATIN BADAUNI

October—76

Re. 1-00

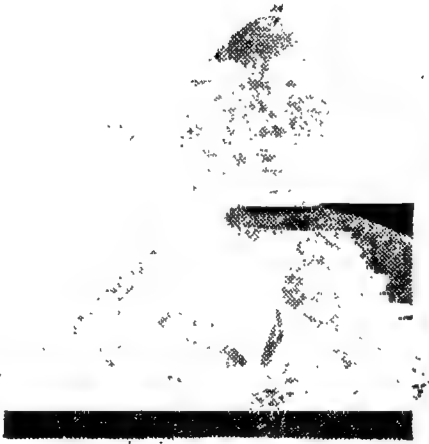

ADIL RAFIQUE FAIZPURI
(RAVER)

SHANTI SARUP "NAZ"
SUBATHU

EDITOR :
SARWAR TAUNSVI

سال اجرا ۱۹۳۸ء | رجسٹرڈ نمبر ڈی ۳۷ | رجسٹرڈ نمبر رجسٹرار نیوز پیپر [illegible]

فون نمبر:- ۲۷۸۸۸۰

ماہنامہ شانِ ہند نئی دہلی

ایڈیٹر:- سرور تونسوی، قیمت سالانہ دس روپیہ، فی پرچہ ایک روپیہ

جلد ۳۷ | اکتوبر ۱۹۷۶ء | شمارہ ۱۰

فہرست

دو غزلیں	کرشن موہن	۱
افکار و واقعات	ایڈیٹر	۵
آل انڈیا مشاعرہ مسوری	کرنی الاحسانی	۹
خوابوں کے ویرانے	ایس۔ ایم عابد نقوی	۱۲
کہتے ہیں مشین اس کو		۱۷
عادل رفیق فیض پوری		۱۸
شانی [illegible]		۱۹
اشعار یاسین اشفاق محمودی		۲۰
سورج کے [illegible] انعام	علامہ جوش آبادی	۲۱
مرحوم کا [illegible]	[illegible]	۲۲
ننھی کہانی	سروری ریاض	۲۴
دماغی ورزش کا جواب	مدیر	۲۵
من کہ مکتوب الیہ	مختلف اصحاب	۲۷
فیملی پلاننگ	حکیم رئیس سنبھلی	۲۹
غزل	شیش قمر سلطانپوری	۳۰
معیار کی کسوٹی پر	عزیز اندوری	۳۱

دو غزلیں

کرشن موہن

دیکھیے جوبن میلا شاعر — پہلے تن کا چیلا شاعر
بستی شہر میں اک مدت سے — گھومے مست البیلا شاعر
دھرتی پر ہرجائی بن کر — جیون سے کھیل کھیلا شاعر
جگ [illegible] کا [illegible] ہے — جیسے ہو وہ جھمیلا شاعر
کیول گم صم ہے کرشنا موہن
اردو کا البیلا شاعر

[illegible] — [illegible]
[illegible] دیدار حسن — [illegible]
[illegible] سے اے [illegible] — ہے [illegible] کا [illegible]
[illegible] نہ پایا مرے [illegible] کو — [illegible] کا [illegible]
اگر [illegible] ہو دل تو بستی لگے — [illegible]

مجھے قافیے نے جو بے بس کیا
تو کہنے لگا وہ کو میں [illegible]

[illegible] نے پہلی بار ہندی الفاظ کو اضافت [illegible]

[illegible] جامع مسجد دہلی سے [illegible] دہلی میں چھپا۔

کنور مہندر سنگھ بیدی سحر کو

ادارۂ "شانِ ہند" کا خراجِ عقیدت

جشنِ سحر نمبر

کنور صاحب کی شخصیت اور فن پر اہلِ قلم کے رشحات یادگار تصاویر اور منتخب کلام سے مزین چار صد صفحات پر پھیلا ہوا یہ خاص نمبر، دنیائے اردو ادب میں ایک یادگار اضافہ ہوگا۔

قیمت :۔ دس روپے

مستقل خریداروں کے لئے چھ روپے علاوہ محصول ڈاک

مرتبین :۔ سرور تونسوی، عزیز اندوری

مشتہرین سے التماس ہے کہ کنور صاحب کی ملک گیر مقبولیت کے پیشِ نظر جشنِ سحر نمبر ملک میں بیشتر ذوق و شوق سے پڑھا جائیگا اسلئے اس یادگار نمبر میں اشتہار دینا بھی کنور صاحب سے دلی عقیدت کا مظہر ہے

اجرتِ اشتہار :۔ عام پورا صفحہ ڈھائی صد روپے، نصف صفحہ ۱۵۰ روپے سرورق کا اندرونی صفحہ نمبر ۲ پانچ صد روپے، سرورق کا تیسرا صفحہ پانچ صد روپے اور سرورق کا آخری صفحہ دو رنگ میں ایک ہزار روپے۔

مزید تفصیلات کے لئے لکھئے

ماہنامہ شانِ ہند فلیٹ ۸ انصاری مارکیٹ دریا گنج نئی دہلی ۲

وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی

کے

بیس نکاتی اقتصادی پروگرام

کی کامیابی سے ہی ہمارے ملک کا پسماندہ طبقہ غریبی کے دلدل سے نکل سکتا ہے اور ہم ڈسپلن سے قومی کیریکٹر کو بلند کر سکتے ہیں آئیے ہم سب مل کر وزیر اعظم کے بیس نکاتی پروگرام کو کامیاب بنانے میں قدم سے قدم ملا کر چلیں۔

دیال سنگھ کالج

مشترکہ پنجاب میں نصف صدی اور کرنال (ہریانہ) میں چوتھائی صدی سے اپنی شاندار روایات کو قائم رکھے ہوئے ہے۔ دیال سنگھ کالج کرنال میں طلبا کو ہمیشہ ڈسپلن، قومی یکجہتی، اور ملک کی ہر طرح حفاظت کرنے کی تلقین کی جاتی ہے اور انھیں ایک اچھا شہری اور ایک ذمہ دار ہندوستانی بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

اراکین منتظمہ کمیٹی

دیال سنگھ کالج کرنال

ہریانہ

اللہ شوق دے تو کتاب بھی پڑھا کرو

اور

آپ کا یہ شوق راجدھانی کی مقبول ترین

عوامی لائبریری

دیال سنگھ پبلک لائبریری

میں

پورا ہو سکتا ہے جہاں اردو، ہندی، پنجابی اور انگریزی کی ہزارہا کتابیں ہر موضوع پر آپ کے ذوقِ مطالعہ کی سیری کے لئے موجود ہیں اور بغیر کسی نقد معاوضہ کے آپ صبح دس بجے سے شام کے پانچ بجے تک اپنی پسند کی کتابیں پڑھ سکتے ہیں۔ اردو، ہندی اور انگلش کے مشہور روزنامے، ہفت روزے اور ماہنامے بھی لائبریری میں منگائے جاتے ہیں۔

دیال سنگھ پبلک لائبریری
ٹرسٹ سوسائٹی
راؤز ایونیو۔ نیو دہلی

افکار و واقعات

حکیم رئیس احمد سنبھلی

اگر آپ ایسے شخص کو دیکھنا چاہیں جس کا دل ہر قسم کے تعصب سے پاک ہو۔ جو ہر انسان کو بلا تخصیص مذہب و ملت خدا کی مخلوق سمجھتا ہو اور کسی سے نفرت نہ کرتا ہو۔ مذہب کو قلبی و ذاتی معاملہ سمجھنے کے علاوہ [illegible] گھر کی چار دیواری تک ہی محدود سمجھتا ہو۔ ہر دکھی انسان کے دکھ درد کو [illegible] کرتا ہو۔ جس نے لاکھوں مریضوں کا علاج کیا [illegible] آج تک دوا کی قیمت تک نہ لی ہو۔ بلکہ نادار مریضوں کو مناسب غذا کی [illegible] خریدنے کے لئے اپنے پاس سے پیسے بھی دیتا ہو۔ مسجد، مندر، گوردوارہ اور کلیسا کا یکساں احترام کرتا ہو۔ جو قرآن مجید کے علاوہ اردو میں گورو گرنتھ صاحب (جو کہ اب نایاب ہے)، گیتا اور انجیل کا بھی مطالعہ کرتا ہو تو آپ جناب حکیم رئیس احمد صاحب سنبھلی سے ملئے۔

جنہوں نے اپنی زندگی دیش سیوا کے لئے وقف کر رکھی ہے جو کانگریس اور مجلس احرار کے پرچم لہراتے ہوئے ملک کو آزاد کرانے کے لئے کوشاں رہے۔ اور ہمیشہ ہی مسلم لیگ، مسلم مجلس، خاکسار تحریک، اتحاد ملت جیسی فرسودہ و رجعت پسند [illegible] جماعتوں کی مخالفت کی۔ رئیس صاحب کے ایسے بیانات اور مضامین جنگ آزادی کے زمانے کے اخبار و رسائل میں شائع ہوتے رہے۔ انہوں نے ہمیشہ یہ دعوے کیا میرا مذہب خلوص و ایمان، انسانیت اور قومی خدمت ہے۔ [illegible] رئیس صاحب [illegible] سال کی عمر میں انجمن خدام المسلمین کے صدر منتخب ہو گئے۔ اور [illegible] دروازہ سنبھل کی ایک مسجد کو [illegible] اس لئے حمایت کی کہ خدا کی عبادت گاہ پر کسی کا ذاتی [illegible] مسلمان [illegible] نہ ہو۔

جب [illegible] ایک مندر بنوایا [illegible] آج [illegible] کے ہندو [illegible] اپنی عبادت کر سکیں [illegible] مسلمان [illegible] آج سے [illegible]

بارہ سال پہلے جب سنبھل میں حکیم رئیس [illegible] تھا ایک مقامی اور دوسرے [illegible] انہیں نعرۂ باطل سننے کو ملا۔

[illegible] جب حکیم رئیس صاحب نے سنگھ [illegible] خطاب دیا گیا۔

مہاتما گاندھی شتابدی پر جب ایک لاکھ کی آبادی کے شہر سنبھل میں مہاتما گاندھی میموریل ڈگری کالج کی بنیاد حکیم رئیس نے اپنے [illegible] کے ہاتھوں سے ڈالی تو جن سنگھیوں نے [illegible] گاندھی [illegible] کہا اور مسلم لیگ [illegible] مجلس والوں نے رئیس صاحب کو کانگریس کا غلام کہا۔

جب رئیس صاحب کو بنگلہ دیش [illegible] سنبھل [illegible] کا لقب اس لئے دیا گیا کہ ۶۵ فیصدی مسلم آبادی کے شہر سنبھل میں حکیم رئیس واحد مسلمان تھا جو [illegible] بنگلہ دیش [illegible] کے اولین اجتماع میں اسٹیج پر [illegible] بنا بیٹھا تھا۔ اور مسلم لیگیوں نے خود سے تماشا دیکھا تھا۔

[illegible]

شروع کر دیا حالانکہ اس سائنس کالج میں مسلمان ٹیچر کی تعداد کم تھی
[illegible] مسلمان ماسٹر پڑھا رہے ہیں۔
روٹری کلب کے آپ ایک سال ممبر پرنسپل اور اس کے بعد
[illegible] ڈائرکٹر بنائے گئے۔ آپ نے انھوں کا اسپتال
[illegible] مسلمان [illegible] ہو سکتے ہیں مگر
[illegible] کلب کا آفس ہال، وہ یا مندر ہو یا کسی
مسجد میں کیوں نہیں ہے۔
حکیم صاحب ضیاء الاسلام ہائی اسکول سنبھل، امید [illegible] ہائی
اسکول حیات نگر، رشید لائبریری سنبھل، عاشق لائبریری سنبھل،
[illegible] لائبریری سنبھل، آزاد لائبریری سنبھل کے بھی مالی معاونین میں
سے ہیں۔

انجمن ترقی اردو سنبھل کے سرپرست ہیں۔ غالب اکاڈمی دہلی کا
[illegible] اسلامیہ کالج سہارنپور، مسلم انٹر کالج مراد آباد، مسلم کالج
[illegible] اشرف اسکول کے معاون۔ بے شمار مندروں، مسجدوں
کی تعمیر میں بڑھ چڑھ کر مالی حصہ لینے کا بھی فخر رئیس صاحب کو حاصل ہے۔
کئی مصنفین کی کتابیں چھپوا دیں۔ بے شمار ادبی رسائل کے مددگار ہیں
حکیم [illegible]، حکیم رئیس سلائی کڑھائی اسکول کے بانی اور
مالی معاون ہیں۔ نینی تال کلب، اور [illegible] ایسوسی ایشن نینی تال یو۔
پی کے آپ سرپرست ہیں۔ ریلوے کلب مراد آباد اور گرلس [illegible] رشید
[illegible] سوسائٹی کے بھی آپ سرپرست ہیں۔ مجلس [illegible]
[illegible] مجلس [illegible] سنبھل کے صدر ہیں۔ آل انڈیا یونانی طبی کانفرنس کے
[illegible] یونانی طبی کانفرنس کے صدر۔

محترمہ وزیر اعظم صاحبہ کے بیس نکاتی اور جناب سنجے گاندھی کے
پانچ نکاتی پروگرام کو کامیاب بنانے کے لئے حکیم رئیس نے دیوانہ وار
کوششیں کیں اور خصوصی طور پر مسلمانوں کو فیملی پلاننگ ایسے ضروری مسئلے
کی طرف توجہ دلانے کے لئے گھر گھر جا کر فیملی پلاننگ کے فوائد سے آگاہ کیا
اور ان کو یہ سمجھایا کہ اسلام اس مسئلے کے خلاف نہیں ہے۔ کچھ مولوی
[illegible] بعض مسلم عوام کو گمراہ کر رہے ہیں۔ چنانچہ حکیم رئیس نے
ایک پمفلٹ "فیملی پلاننگ۔ ۲۰ نکاتی پروگرام اور ہمارے محسن [illegible]
[illegible] کا [illegible]" عنوان سے چھپوا کر کثیر تعداد میں مفت تقسیم کیا۔
[illegible] حکیم رئیس نے اپنا نسبندی آپریشن
کرا کر مسلم عوام کے لئے ایک [illegible] سنبھل
اور آس پاس کے [illegible] نسبندی آپریشن کرانے میں سرگرمیاں
دکھائیں۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ حکیم رئیس ایسے مخلص، محب وطن،
خادم قوم۔ اور ملکی وقار پر جان دینے سے بھی گریز نہ کرنے والے عمر
طویل پائیں۔ تاکہ یہ عوام کی خدمت زیادہ سے زیادہ کرتے رہیں

اردو تحقیق اور مالک رام

پچھلے دنوں شاہد علی ایم۔ اے کے جعلی نام سے ایک جعلی ادارہ
"ادارہ تحقیق" دہلی کی طرف سے ایک کتاب "اردو تحقیق اور مالک رام"
شائع ہوئی اور ایمرجنسی نافذ ہونے کے بعد شائع ہوئی گو ظاہر کیا گیا کہ یہ
کتاب ایمرجنسی کے نفاذ سے پیشتر شائع ہوئی۔ یہ کتاب جمال پرنٹنگ پریس
میں چھپی اور اس پر ملنے کا پتہ مکتبہ شاہراہ کا درج ہے۔ دہلی کے پریس آفیسر
کے ہاں اس کتاب کے دو نسخے ایمرجنسی کے زمانے میں ہی دیئے گئے۔ اس
کتاب میں مالک رام صاحب کی ادبی خدمات پر الٹی سیدھی تنقیدی تحریریں
شائع کی گئی ہیں جن کا مقصد محض اور محض مالک رام صاحب کے ادبی
وقار، ان کی مقبولیت۔ اور شہرت کو مجروح کرنا ہے۔ حالانکہ حقیقت
یہ ہے کہ یہ مضامین لکھنے والے حضرات اتنی بھی صلاحیت نہیں رکھتے کہ
جس ٹب میں مالک رام صاحب پیشاب کرتے ہیں اس ٹب میں یہ منہ بھی
دھو سکیں۔

جناب مالک رام صاحب ہر طرح سے ایک معزز اور معتبر بزرگ
ہیں اور ہر مذہب و ملت کے لوگ ان کی عزت کرتے ہیں۔ انھوں نے
اردو ادب کی جو خدمت کی ہے رشید حسن خاں اور ان کے حواریوں کی اگلی
پچھلی سات سات پشتیں بھی ایسا نہ کر سکیں اور نہ کر سکیں گی۔

مالک رام صاحب نہ صرف ہندوستان بلکہ دوسرے ممالک میں بھی ایک
اچھے ہندوستانی ادیب اور خصوصاً غالب کے سلسلے میں ایک بلند پایہ
ادیب کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ کیا غضب ہے کہ ایمرجنسی کے زمانے
میں کچھ فاشسٹ قسم کے اردو ادیب جناب مالک رام اور جناب [illegible]
[illegible] کے خلاف منظم سازش کے تحت ملک کے ان مایہ ناز بزرگوں کو
اپنے خبث باطن کا نشانہ بنا رہے ہیں۔
اس کتاب کو کس جرم [illegible] سے شائع کیا گیا ہے اس کا پتہ اس کتاب

[illegible]

...ف ادب میں چھپا ہے: تحقیق کو فتنی کا مرادف کہنا چاہیے۔ ...س کا شین اور زلل ہوس اچھا خاصا ... ہو سکتا ہے مگر تحقیق ...ن ہو سکتا۔ آج کل تحقیق کی جان پر جو ستم توڑے جا رہے ہیں اور ...دیاں جھوٹی شہرت کی جس طرح تقسیم کر رہی ہیں اور ایسی شہرت ...بل پر دولت اور اقتدار کے جو فائدے اٹھائے جا رہے ہیں۔ سیز علم ...دب کو جس طرح مالِ تجارت بنا لیا گیا ہے۔ دیانت کی آنکھیں بند ...گئی ہیں اور ہوس کے ہاتھ پھیلا دیے گئے ہیں۔ ایسے بہت سے ...ہم مسائل ہماری توجہ کے طلب گار ہیں۔ اگر اس طرف توجہ نہیں کی گئی ...آبروئے علم و تحقیق برباد ہو کر رہ جائے گی۔ یہی اس کتاب کی وجہ ...لیف ہے"

یعنی وہ تمام برائیاں اور عیوب ملک رام صاحب کی ذات میں پائے ...اتے ہیں جن کا ذکر اس اشتہار میں ہے اور جو اس کتاب کی وجہ تالیف ...ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ کتاب مکتبہ شاہراہ نے چھپوائی (مکتبہ ...شاہراہ کا کارندہ مسٹر ظہیر حالی پریس میں اس کتاب کی چھپائی کی نگرانی ...کر رہا تھا) یہی کاپیاں دینے گئے یہی صاحب پروف لائے یہی صاحب ...[illegible] میں دے کر آئے وغیرہ (آج کل ظہیر صاحب مرکزی انجمن ترقی ...اردو ہند اور یونیورسٹی دہلی کے شعبہ مطبوعات میں ملازم ہیں)

اس میں کوئی شک نہیں کہ پریس ایکٹ کتابوں کی اشاعت کے ...سلسلے میں بہت کمزور ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ رضیہ بٹ کی کتاب "صوبہ" ...جیسی نازک کتاب بکر شاہ مارکیٹ ٹیا محل دہلی نے شائع کیا ہے اس ...کے صفحات ۵۰ - ۴۰ - ۱۲۸ - ۱۸۶ - ۹۳ پر بدترین قسم کی ہندوستان ...دشمنی اور پاکستان نوازی کی گئی ہے۔ اس کتاب میں بنگلہ دیش کے ...[illegible] کا الزام ہندوستان کو دیا گیا ہے۔ ...یہاں تک لکھا گیا ہے کہ ایک کمینہ ملک ہندوستان ہر قسم کی سازشوں ...سے کام لے کر ملک پاکستان کے مشرقی حصے میں نفرت اور تعصب ...کی آگ پھیلا رہا تھا۔

ہم جناب لفٹننٹ گورنر صاحب سے پُرزور مطالبہ کرتے ہیں کہ ...[illegible] کتابوں کے بارے میں پولیس کی کرائم برانچ کے ذریعہ ...تحقیقات کرائی جائے کہ جناب ملک رام صاحب کے خلاف کس جماعت نے ...کتاب لکھوائی ... اور ... منافرت کے پیچھے ...

[illegible] حضرات میں اور ادب ... [illegible]

...حالیہ کارندے ... ہے۔ آسانی سے ... اور ... ...کی کتاب "صوبہ" شائع کر کے ہندوستان اور ہندوستانیوں کو ...کیوں بدنام کیا جا رہا ہے۔ اگر ایمرجنسی کے زمانے میں کسی ... کو ایسی کھلی چھوٹ مل جاتی ہے۔ تو پھر ایمرجنسی کیا ہوگا۔

اس ضمن میں دہلی ایڈمنسٹریشن خصوصاً اس کا ... جواب دہ ہے کہ وہ کہاں سو رہا ہے جب کہ "صوبہ" ایسی کتابیں چھپ رہی ہیں اور یہ محکمہ خاموش بیٹھا ہوا ہے۔

مشاعرۂ جشن جمہوریت لال قلعہ دہلی ۱۹۷۶ء کی مشاعرہ کمیٹی کے ارکان کی خدمت میں

ہر سال ۲۶ جنوری کو لال قلعہ میں مشاعرۂ جشن جمہوریت منعقد کیا جاتا ہے یہ مشاعرہ ملک بھر میں اور بیرونِ ملک میں سنا جاتا ہے چونکہ جشن جمہوریت سارے ملک کا مشترکہ قومی تہوار ہے اس لئے یہ جمہوری تقاضہ ہے کہ ملک کے ہر حصے سے اچھے بہترین شعراء کو اس مشاعرہ میں مدعو کیا جا سکے۔

ہمیں یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ مشاعرۂ جشن جمہوریت لال قلعہ کی مشاعرہ کمیٹی نے اس جمہوری تقاضہ کا کبھی ... اور ملک کے عوام کو ان شعراء کے احترام اور بہترین شعراء کرام کا کلام سننے کا موقع اس خالص قومی مشاعرہ کے ذریعہ ... جو بیچارے نہ تو کسی منسٹر سے سفارش کرا سکتے ہیں ... کے تعلقات مشاعرہ کمیٹی کے اراکین سے ... کر سکے مشاعرۂ جشن جمہوریت میں شرکت کے ... کر سکیں۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بعض شعراء کے لئے ... ایک مستقل اجارہ بن کر رہ گیا ہے۔ ... شعراء کا ایک ایسا طبقہ ہے جس ... ضروری سمجھا گیا ہے۔ ... [illegible] ... کی کلابازیاں دکھانے کا ... [illegible]

[illegible] مشاعروں [illegible] گیا۔

[illegible] مشاعرہ [illegible] کی
[illegible] ہوتے کہ انہیں [illegible] کے
[illegible] ہیں اور انھیں
[illegible] دے کر اُن کی عدم واقفیت اور
[illegible] بات عیاں کر دینا ضروری ہے کہ
[illegible] کرتے وقت ہمارے صرف اور صرف یہی قومی امن
[illegible] ہے کہ یہ مشاعرہ جشن جمہوریت صحیح معنوں میں ایسا مشاعرہ
ہو جس کے متعلق یہ کہا جاسکے کہ اس قومی تہوار پر قومی اور جمہوری
[illegible] کی گئی ہے۔

۱۔ اس مشاعرہ میں ملک کے ہر گوشے سے ایسے اُردو شاعروں کو
[illegible] جو ماضی شاعر ہوں۔ اور وہ اس قومی مشاعرہ میں ایسا
[illegible] کی صلاحیت رکھتے ہوں جس میں ہمارے قومی کردار
[illegible] اقدام۔ وزیر اعظم کے بیس نکاتی اقتصادی
[illegible] کے پانچ نکاتی پروگرام کی تشریح اور ایک
[illegible] ہوں نیز قومی یکجہتی اور حب وطنی کی عکاسی جھلکتی
[illegible] جاسکتی ہیں۔

۲۔ کسی متشاعر کو خواہ وہ تان سین کا ہم عصر کیوں نہ ہو اس مشاعرہ
[illegible] مدعو کیا جائے۔ تاکہ اس بدعت کو دور کرنے کے لئے اس
[illegible] کی جائے۔

۳۔ کسی ایسے شاعر کو اس مشاعرہ میں مدعو کیا جائے جس نے
کسی [illegible] یا مشاعرہ کمیٹی کے اراکین میں سے کسی کو
[illegible] ہو۔

۴۔ [illegible] مدعو نہ کیا جائے بلکہ زیادہ سے زیادہ
[illegible] مدعو کیا جائے تاکہ ہر شاعر سے دو یا تین
[illegible] جاسکیں۔

۵۔ ہر شاعر کے لئے یہ شرط ضروری قرار دی جائے کہ وہ پہلے ایسا
[illegible] کا تقاضا ہے مشاعرہ کرتا ہے اس کے بعد
[illegible] سامعین کی خوشی ہو سکیں۔
[illegible] کلام [illegible]
[illegible]

[illegible] فی الحال [illegible] (۸) [illegible] خوامخواہ مشاعرہ دیا گیا
[illegible] ایسا نہیں ہے جیسے معقول یا غیر
[illegible] (۸) کسی شاعر کو [illegible] اور سخن فہم ہونا
ضروری ہے جو مشاعرہ ختم ہونے تک صدارت کے فرائض انجام دے سکے کیونکہ
[illegible] صدر کا تشریف لے جانا [illegible] کو صدارت منتقل کر دینا مشاعرہ
میں [illegible] پھیلانے کا موجب ہوتا ہے۔ (۹) شعراء کو دعوت نامے [illegible]

بقیہ صفحہ ۱۲ سے آگے خوابوں کے ویرانے

میں خوش ہوں۔ مر رہا ہوں [illegible] کیسی ہے جیسے کوئی
چیز حلق میں اٹک گئی ہے۔ جیسے غبار سا بھر گیا ہے شاید یہ میری [illegible] کا درد ہے
ہے جو کسی کو نہ سنا سکا اور جسے سننے والا کوئی نہیں۔

کہتے ہیں دنیا میں دکھ درد بانٹنے والے مل جاتے ہیں۔ ترس کھانے والے
کمی [illegible] لیکن میں نے تمام عمر وہ آنکھ نہیں دیکھی جو میرے دکھ پر نم
ہوئی ہو۔ میں نے ایسا دل نہیں دیکھا جس نے میرے زخم خوردہ دل پر
ہاتھ رکھا ہو۔ میں نے تو دنیا میں صرف یہ دیکھا ہے کہ جو آنکھ آنسو بہائے
اُسے بھی [illegible] جو دل درد سے [illegible] ہو۔ جس چہرے پر رنج و غم
کی پرچھائیاں دیکھو اُسے [illegible] میرے دل کو [illegible]
کرنے والے اکثر ملتے رہتے تھے لیکن [illegible] ہوتے۔ میں [illegible] تھا
[illegible] ایک [illegible] مگر [illegible] نہیں پہچانا۔
[illegible] زخم خوردہ [illegible]

میری قبر پر رونے کوئی نہ آئے گا۔ کوئی نہیں۔ کوئی بھی
نہیں۔ صرف میرے اپنے دکھ درد [illegible] میری قبر پر بیٹھ کر کیا
کریں گے۔ میں [illegible]
شاید کسی کے دل میں رحم کا [illegible] ہو جائے۔

لوگ میری کہانی پڑھیں گے۔ سنیں گے۔ [illegible]
ایک سنسنی خیز کہانی کا کردار بن کر چند روز بعد سب کے دلوں سے
غائب ہو جاؤں گا۔
[illegible]
[illegible]
[illegible] ۔۔۔۔۔۔ [illegible]

کرشن لال [illegible]

آل انڈیا مشاعرہ مسوری

سنگ مرمر کی بنی ہوئی ایک دلکش اور خوبصورت عمارت ہے شہر کی تمام تقریباً [illegible] ہال [illegible] پولیس [illegible] کے بڑھا تو ہال میں تک دلوں کا ایک سیلاب اُمڈ آیا تھا کہیں تل دھرنے کو جگہ نہیں تھی حتیٰ کہ گیلریاں [illegible] اور [illegible] مشاعرہ ہی تھے۔ جہاں مشاعرہ کمیٹی کے سرگرم ارکان بڑے انہماک سے اس مشاعرہ کو ہر سال کامیاب کرانے میں انتھک کوشش کرتے ہیں وہاں ڈی۔ آر۔ کپور صاحب بھی [illegible] جاتے ہیں۔ مجھے بھی داد دیجئے کہ کیسے کیسے خطرات سے گذر کر آپ کے لئے مشاعرے نوٹ کر لاتا ہوں کم از کم آپ حضرات میری صحت [illegible] دعا فرمایا کریں تاکہ [illegible] سکتے ہیں۔

[illegible] ہو رہا ہے ہیں اور ساحین اب بڑیالہ [illegible] شلو کے [illegible] ہونے کا انتظار نہیں کرنا چاہتے ان کا انداز اور تیور [illegible] رہا ہے لیجئے کپور صاحب صدارت کے لئے [illegible] صاحب چیف سکریٹری اتر پردیش سے درخواست کر رہے ہیں کہ تشریف لا کر [illegible] فرمائیں۔ وہ دیکھئے [illegible] صاحب [illegible] اور [illegible] تشریف لا کر [illegible] کر کے مشاعرہ کا افتتاح [illegible] اور ملک کے مشہور [illegible] شاعر [illegible] دلکشی سے تلاوت [illegible] صدر [illegible] صاحب [illegible] صاحب [illegible] صاحب [illegible]

مالک بنا کر لیں اور ادائے دلبری سے سحر [illegible] رہی ہیں ؎

آج [illegible] کتنی [illegible] ہے
تشنگی کا عالم ہے جام میرا خالی ہے

لیجئے داد دینے والے تالیوں پر اتر آئے ہیں اور [illegible] صاحب

[illegible] رہی ہیں ؎

ہر طرف سے گھیرے ہیں گردشیں زمانے کی
میں نے عمر بھی [illegible] ہے

واہ واہ اور تالیوں کے [illegible] نے ہنگامہ کا روپ دھار لیا ہے اور آپ اسی جان لیوا ترنم سے محفل کو لوٹے چلی جا رہی ہیں ؎

ہر گناہ و عصیاں سے اب دل نجات پائے گا
[illegible] ہے
کون کس کے کام آئے [illegible] ہیں
ہم بھی [illegible] اک سوال ہے

[illegible] صاحبہ محفل کو لوٹ کر تالیوں کے بے ہنگم شور میں آ رہی ہیں [illegible] صاحب [illegible] ہیں [illegible] مشاعرہ سے [illegible] چونکہ [illegible] لاؤڈ اسپیکر) کا انتظام نہیں کیا گیا [illegible] مشاعرہ [illegible] صاحب [illegible] لاؤڈ اسپیکر کا انتظام [illegible] صاحب [illegible]

[illegible]

کاش ناظر صاحب اب اس خدائی دین سے اور کوئی اصلاحی کام لے کر اُردو ادب پر احسان فرمائیں۔ آخر ان کے بھائی جناب مہدی نظمی صاحب نے بھی تو شاعری کے ذریعہ قوم کی ایسی خدمت کی ہے کہ زندۂ جاوید ہو کر رہ گئے۔ لیجئے پھر اسی غزل کی محفل میں چلئے اور ایک حسین ترنم شگفتہ غزل کمال چاشنی سے سنئے ؎

حوصلہ محبت کا آپ اگر بڑھا دیں گے
موت کو بھی دیوانے زندگی بنا دیں گے

ہم بھی حسن والوں کو حسنِ غم دکھا دیں گے
زخمِ دل پہ کھائیں گے اور مسکرا دیں گے

لیجئے دادِ شباب پہ ہے تالیوں کا شور کم ہوا تو اسی جان لیوا ترنم سے محفل کو لوٹتے چلے ہیں ؎

ان کی شکوہ سنجی کو اک نئی فضا دیں گے
حال اگر وہ پوچھیں گے ہم غزل سنا دیں گے

موسموں کی نیت بھی صاف اب نہیں یارو
حسن کی اداؤں کو وہ نظر لگا دیں گے

آگ اور بھڑکے گی دل کے آشیانے میں
دامنِ تبسم سے جب بھی وہ ہوا دیں گے

خاک اپنی چھڑکے گی زندگی کی راہوں میں
تم ہمیں مٹاؤ گے ہم تمہیں دعا دیں گے

ایک اور ایک اور کی آوازوں اور تالیوں کے شور میں کمال صاحب شکر ادا کرتے ہوئے محفل سے کام لے کر اپنی جگہ آ کر مجسمِ خلوص، بے ریا، خوش فکر، خوش گو اور خاموش شاعر جناب تصور حسین تصور زیدی صاحب ایکسائز کمشنر دہرہ دون سے مؤدبانہ درخواست کلام بلاغت نظام فرما رہے ہیں محترم تصور صاحب مائک پر آ کر نہایت متانت اور سنجیدگی سے مختلف لاتعداد اور متفکرانہ اشعار پیش کر رہے ہیں کیا ایسے منفرد اور لاجواب اشعار پر داد نہیں دی گئی ہوگی یہ سمجھئے کہ ہر شعر پر داد دی گئی کہ بس کچھ نہ پوچھئے آئیے سماعت فرمائیے ؎

ہم ایک لمحہ سے زائد ٹھہر نہیں سکتا۔
وہ ایک لمحہ بھی شاید گذر گیا ہوگا

احساسِ وقت حد سے سوا بھی بھلا نہیں
صدیوں کی فکر چھوڑئیے لمحے سنبھالئے

میری آنکھ سے دل پہ گزر آ بھی
ورنہ یہ لہر خوشی کی ڈبو دے گی مجھے

بکھر چکی تھی جب آواز تو خیال آیا
کہ خامشی کو بھی جینے کی آرزو ہوگی

آخری بار جہاں ہم نے ٹھکانا چاہا
اس کے آگے تو خوشی بھی نہیں جاتی ہے

اگر نہ پرتوِ خورشید سہہ گیا ہوتا
خود اپنے سائے سے میں دب کے رہ گیا ہوتا

میں تشنگی کی مثال جو ٹھہرا ہوا ہوں صحرا میں
کہ ہوتا موجۂ دریا تو بہہ گیا ہوتا

محترم تصور صاحب جس پُروقار انداز سے کرم فرماتے رہے اسی طرح والہانہ انداز سے داد بھی دی گئی اور تالیوں کی صدا شادان تشریف لا رہے ہیں ادھر اس رنگ کو برقرار رکھنے کے لئے ملک کے مشہور مترنم اور گیت نگار شاعر صبا افغانی کو دعوتِ موسیقی دی گئی ہے وہ دیکھئے صبا صاحب کالی شیروانی اس پر سفید مفلر ڈالے مائک پر کیا آئے کہ فرمائشوں کا ایک ہنگامہ ہے یہ شور ختم ہوا تو آپ فرما رہے ہیں ایک تازہ غزل ملاحظہ فرمائیے خدا کرے کہ ایسا ہی ہو سنئے

شام غم کے مارے جیسے حسن والوں میں
ڈر رہے تھے اندھیروں سے لٹ گئے اُجالوں میں

ہم بھی خوش ہیں ... کی جہانوں میں

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

پھر یار لوگ تالیوں پر آ گئے ہیں اور آپ گنگنا رہے ہیں

تیرے ترنم ذا لک سے قہقہوں کی موسیقی

گھنٹیاں سی چاندی کی بکھر رہیں شور میں

چنبا صاحب محفل کو گرما کر تالیوں کے شور میں کامران ملٹ رہے ہیں اور کمال صاحب بغرض ناز انصاری کو دعوتِ سخن دے رہے ہیں۔ ناز صاحب تالیوں کی جھنکار میں مائک پر آ کر یوں لطفِ داد دی ہیں غزل سرا ہیں ـــ

ہمیں ہے جس سے محبت وہ خوش جمال بھی ہے
مثال جس کی نہیں ایسا بے مثال بھی ہے
کرم کی آڑ میں ڈھاتے ہیں وہ ستم دل پر
بتاؤ ایسے ستم کی کوئی مثال بھی ہے
کرو گے ترکِ تعلق تو ہوگی رسوائی!
زمانہ سوچے گا کیا کچھ تمہیں خیال بھی ہے
نہ جانے کیوں تجھے پھر بھی تلاش کرتے ہیں
کہ ڈھونڈنا تیرا مشکل بھی ہے محال بھی ہے

ناز صاحب خوب خوب داد لوٹ کے، تالیوں کی جھنکار میں شاداں واپس چلے گئے ہیں اور کمال صاحب ملک کے مشہور مترنم شاعر بدر اختری الملک بیکل اتساہی کو دعوتِ سخن دے رہے ہیں۔ بیکل صاحب یوں لحنِ داؤدی میں غزل سرا ہیں ـــ

یوں تو تمہارے شہر میں سب ٹھاٹ باٹ ہے
لیکن کسی حسین کی طبیعت اُچاٹ ہے
یہ حسن یہ جوانی، یہ انداز یہ نکھار
اُتر سے دکھن تو ہم بھی کہیں کتنا پاٹ ہے

آواز ساز کا ایک جادو سا جگا ہے اور آپ اسی طرح جلال بھرا ترنم سے محفل کو گرما رہے اور چہکا رہے ہیں ـــ

یہ مصلحت ہے کہ اپنی زباں نہ کھول
پھول بھی جی کی خوشی لگا ہی میں کاٹ ہے
صدیوں سے جس کے دوار کا چرچا ذی وقار
لیکن ادھر سے آج بھی سوا ان کی ناٹ ہے

ایک اور ایک اور کے شور میں پھر بیکل صاحب محفل کو گرما رہے ہیں ـــ

اُسی دن چاہ کی شہنائی اٹھے گی گھر سے جدا ہوگی
کہ جس دن اپنے میکے سے کوئی لڑکی جدا ہوگی

واہ پر کسی بٹر لونگ کا گمان ہو رہا ہے اور آپ اسی طرح جم کر عنایت کر رہے ہیں ـــ

بہت آئے کہ ساون ہو کہ سہاگن کی ہوا ہوگی
سہاگن کے لئے انگنائیاں جلتی چتا ہوگی
جہاں دولت سے تولا جاتا ہو رشتہ محبت کا
خدایا ہر قوم کی بدقسمتی کی انتہا ہوگی
سبھی کرنے لگے چرچے ہماری بے گناہی کے
بتاؤ اس سے بڑھ کر کیا گناہوں کی سزا ہوگی

قبلہ بیکل صاحب خوب خوب محفل کو چہکا کر تالیوں کی جھنکار میں جا رہے ہیں اور کمال صاحب دانش علیگڈھی کو دعوتِ سخن دے رہے ہیں۔ دانش صاحب اپنے دلکش ترنم سے ایک شگفتہ اور حسین غزل چھیڑ رہے ہیں ـــ

غیروں کے کرم اپنوں کے ستم یا ہم جانیں یا دل جانے
کیوں لب پہ ہنسی ہے آنکھ ہے نم یا ہم جانیں یا دل جانے
اب لاش وفا کا ماتم ہے پھرتے ہیں لئے گلیوں گلیوں
اب جیسا بھی ہے اپنا عالم یا ہم جانیں یا دل جانے
اے عیش و طرب کے دیوانو تم غم کی لطافت کیا جانو
کیا چیز ہے کیفیتِ شامِ الم یا ہم جانیں یا دل جانے
دنیا اس کو سمجھے گی کیا کس نے لوٹا اور کون لٹا
تیری خوشیاں اپنا ماتم یا ہم جانیں یا دل جانے
دانش وہ جانے ہمدردی پرسش کو ہمارے آئے ہیں
لیکن ان کا اندازِ کرم یا ہم جانیں یا دل جانے

دانش صاحب کی خوب خوب تعریف ہو رہی ہے اور آپ نہایت کامرانی سے تالیوں کی جھنکار میں اپنی جگہ آ رہے ہیں اور کمال صاحب محفل بدلنے کے لئے مشہور مزاح نگار نرگس صاحب کو دعوتِ طنز و مزاح دے رہے ہیں۔ نرگس صاحب نہایت متانت سے فرما رہے ہیں ـــ

تصورِ غیر کا جس دم دکھا دیا ہے
تو ان کے ہاتھ میں آئینہ دکھا دیا ہے

تمہارے ساتھ جو ہر دم کو دکھائی دیتا ہے
تمہارا باپ یا میڈم دکھائی دیتا ہے

شراب کو بھی یہ حضرت بتاتے ہیں حرام
جناب شیخ کو کچھ کم دکھائی دیتا ہے

کرم یہ گدّو میاں کا ہے آنسوؤں کا نہیں
ہمارا کتا جو کچھ کم دکھائی دیتا ہے

لگی ہے جب سے حریف ٹکسالی امیر جنسی
ہر اک حریف کا سر خم دکھائی دیتا ہے

نرگس صاحب محفل کو قہقہوں اور بلڈبازی سے تار تار کر جا رہے ہیں اور اب کمال صاحب آپ کے خادم کریم الاحسانی کو سنانے کے لئے حکم فرما رہے ہیں تعمیلِ حکم سے تحفے سنائے اشعار پیش خدمت کر رہا ہوں سنئے ۔

سرنگوں پرچمِ شیطاں ہے کئی سال کے بعد
سرخرو آج کا انساں ہے کئی سال کے بعد

ہر طرف رنگِ بہاراں ہے کئی سال کے بعد
بوئے گل بارِ شبستاں ہے کئی سال کے بعد

اب عداوت کا اندھیرا نہ تعصب کی وبا
ہر طرف جشنِ چراغاں ہے کئی سال کے بعد

کون مجرم ہے اسیروں یہاں سے چھوڑ دو سبھی
دیدنی رونقِ زنداں ہے کئی سال کے بعد

ہر طرف امن و اماں اور سکوں کے آثار
کوئی ہنگامہ نہ طوفاں ہے کئی سال کے بعد

مدتوں درسِ وفا دیتا رہا لوگوں کو
اب وہ بہروپیا عریاں ہے کئی سال کے بعد

اور اس دورِ زبوں کا رسہ کیا چاہتے ہو
لب پہ سیفی مصرعِ احساں ہے کئی سال کے بعد

وہ دیکھئے کوئی راکیش ارمانوں کی لاش ایک طویل نظم سنا کر چلے بنے اور کمال صاحب زحمتِ سخن دے رہے ہیں سیف اللہ سیف صاحب فرما رہے ہیں ۔

ہمارا بھی دل اب ہمارا نہیں ہے
قصور اس میں شاید تمہارا نہیں ہے

خطاؤں کے ہم تو سب ہی پتلے ہیں
چلا آپ میں کوئی اب بھلا نہیں ہے

مجھے تو بتا دو کہ کرتے رہا ہو
جو اب تم ہو وہ بھی کسی کا نہیں ہے

سیفی صاحب داد وصول کر کے چلتے بنے اور صدر محترم تشریف لے جانا چاہتے ہیں کیونکہ پہلا دور ختم ہو رہا ہے اور محترم بڑے ہی نہایت مدبرانہ شان سے فرما رہے ہیں ۔

مشاعرہ کا پہلا دور ختم ہوا آپ سب لوگ لطف اندوز ہوئے سامنے سے ایک آواز بلند ہوئی تھی اور صاحب محترم مسکرا کر فرما رہے ہیں ۔ افسوس کہ جو ہمارے دوست نے کہا ہم نہیں سن سکے شعراء کی الگ الگ تعریف کرنا میرے بس کی بات نہیں یہ محفل مشاعرہ بہت کامیاب رہی مسوری میں سخن کے قدردان باہر سے شعراء اور بہت سارے شعراء کا کلام سننے میں آیا میں یہی کہوں گا کہ یہ سلسلہ نہایت ہی کامیاب رہا میرا سفر کل شام سے شروع ہوا اور ابھی سفر جاری ہے اب میں آپ سے اجازت چاہوں گا اب اس مشاعرہ کی صدارت سہیل الٰہی فرمائیں گے اور آپ اپنے ہر دلعزیز شعراء کرام کا کلام سنتے رہیں گے اور تالیوں کی گونج کا رخ تشریف لے جا رہے ہیں اور ساتھ ہی سہیل صاحب کی صدارت میں دوسرا دور شروع ہو رہا ہے جو تقریباً ۳ بجے صبح تک جاری رہا یہاں کے سامعین انتہائی سخن فہم شعراء کے قدردان اور مہمان نواز ہیں مشاعرہ کو کامیاب کرانے میں کپور صاحب کے تمام ساتھیوں نے دلچسپی اور لگن کے ساتھ شب و روز جد و جہد کی اور یہ تمام حضرات لائق صد تحسین اور مبارکباد کے مستحق ہیں کہ اکتوبر میں ہر سال ایک شاندار اور یادگاری مشاعرہ کرا دیتے ہیں اس مشاعرہ کو سننے کے لئے مظفر نگر، سہارنپور، روڑکی وغیرہ تک سے سامعین شرکت کرتے ہیں اور شعراء کے کلام و انداز پر توجہ فرماتے ہیں ۔ آپ سے بہت دور بہت بلند جگہ راکسی ہوٹل مسوری میں بیٹھ کر یہ مشاعرہ قلمبند کر کے پیش خدمت کر رہا ہوں امید ہے کہ آپ حسب سابق اسے پسند فرما کر شکر گزار کریں گے یہاں مسٹر حنیف صاحب کا بھی شکریہ کہ صاحبزادی کشور سلطانہ صاحبہ کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری ہے اگر حنیف صاحب مجھے اپنا مہمان نہ بناتے تو جنت کشور نے مسوری کی سیر کرائی خدا ان کی عمر دراز کرے اور علم کی دولت سے مالا مال کرے خدا حافظ ۔

پھر ملیں گے اگر خدا لایا

ایس۔ ایم۔ عابد نقوی

خوابوں کے ویرانے

آج چودھویں کا چاند اپنی پوری آب و تاب سے چمک رہا ہے مگر میرا چاند غروب ہو چکا ہے۔ اس کے اُبھرنے کے اب کوئی آثار نہیں۔

"دنیا کو منور کرنے والا چاند — دماغوں کو سکون بخشنے والا چاند، دن کو روشنی دینے والا چاند!"

"مس ثریا، یہ ہیں مسٹر جمشید۔ فلسفہ کے ماسٹر ہیں۔ لندن یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کر رہے ہیں۔"

ڈاکٹر ثریا کے چہرے پر ذرا سی بھی مسکراہٹ نہیں تھی۔ اکڑا ہوا سینہ۔ لہراتے اور بل کھاتے بال۔ خوشبو سے آس پاس کی فضا معطر۔ سنہرے بالوں پر جرمنی کا بنا ہیڈ گیئر۔ بڑی لاپروائی و رعونت سے اس نے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ مجھے لگا جیسے وہ کسی سے ملنا جلنا زیادہ پسند نہیں کرتی یا پہلے سے ہی کسی سے زخم خوردہ ہے۔ یہ محسوس کر کے میرا ہاتھ خود بخود اٹھتے اٹھتے رک گیا اور میں نے صرف گردن ہلا کر NICE TO MEET YOU کہنے پر ہی اکتفا کی۔ اس کا اٹھا ہوا ہاتھ گر گیا۔

وہ مقامی ہسپتال میں ڈاکٹر تھی۔ سڈول لانبا سراپا۔ اس کے سامنے میں چھوٹا سا ایک کالا آدمی نہ رنگ نہ روپ۔ لاغر اور مریض سا۔ اس نے سچ مچ مجھے مریض ہی سمجھا مگر یہ کیا مرض تھا۔ اس قدر مغرور تھا اور خودداری کے رویے کو پہچان کر ساتھ ہی دکھ لیا تھا۔ جمشید کو ڈاکٹر کی آپریشن کرنے والی نگاہیں بھول لینا تھیں۔ شاید یہ ہے اس کا جسم ہرن کی طرح سڈول اور پتا ہے۔ وہ چلتی ہے کہ زمین پر تھرکتی ہے۔ خوبصورت اتنی کہ جیسے کوئی تخیلات کی دنیا دودھ سے نہا کر باہر آئی ہو۔ جسم معطر جیسے کسی خوشبو اڑتی ہو گی۔ شاعر اپنے تخیلات کو اشعار کا پہناوا دیتا ہے مگر اس کے ذہن میں محض ایک خیالی پیکر تھا جسے اس کے سامنے رنگینی اور تلخ حقیقت نے آنکھ کا دھوکہ دیا۔

شراب ہیں۔ وہ بے چین ہو اٹھا۔

اُدھر ڈاکٹر ثریا خود جس نے کتنوں کے دلوں کا آپریشن کیا ہوگا کسی کے تیر نظر کا شکار ہو کر رہ گئی تھی۔ ڈاکٹر کے آپریشن سے تو ٹانکے لگ کر زخم رفو ہو جاتے ہیں مگر خود اس نے ایسا زخم کھایا تھا جو کبھی بھرا جا سکتا تھا اور نہ ہی ٹانکوں سے سیا جا سکتا تھا۔

انگریز قوم بڑی فراخدل اور وسیع القلب ہوتی ہے مگر کسی ایک کے ساتھ چپک کر نہیں رہ سکتے لیکن اسی جنگل کی یہ ہرنی زخم خوردہ تھی اور ڈری ہوئی تھی اس لئے وہ شاید جمشید سے ملنے ملانے سے کتراتی تھی یا شاید اسے بھی اس نے دوسرے مشرقیوں کی طرح شکاری سمجھا تھا۔ مگر جمشید کے ہاتھ کھینچ لینے سے اسے دھکا لگا۔ یہ کون ہو سکتا ہے ڈاکٹر ثریا نے سوچا۔ ڈاکٹر برنارڈ نے کبھی ہی دلوں کو تبدیل کر کے تجربہ کیا تھا لیکن حسینائیں تو بڑے بڑے دل ادھر سے ادھر کر دیتی ہیں مگر آج خود اس کا اپنا دل بدل کر رہ گیا تھا — وہ کتنی خوبصورت ہے۔ چاندنی سے بنا چہرہ۔ چاندی کا سا چمکتا مکھڑا جیسے کبھی برف پانی میں بھیگی ہو۔ کیا کمی نہیں ہے اس میں مگر اسے کیا ہو گیا ہے۔ وہ کالا مریض جو اس کے سامنے سایہ بھی معلوم نہیں ہوتا۔ اس کا یہ سلوک۔ خیر آج نہیں تو کل وہ ضرور اس ہسپتال آئے گا تو اس کا مکمل آپریشن کر دوں گی۔

وہ ہاتھ ختم ہونے سے پہلے ہی چلی گئی مگر اپنے غرور کے باوجود بھی وہ میرے دل میں گھر کر چکی تھی — میرا اس کے متعلق سوچنا بھی خیال خام تھا کیونکہ وہاں مجھ سے اچھے خوبرو اور شکیل کتنے ہی موجود تھے۔ میری طرف اس کا حقارت سے دیکھنا بالکل قدرتی تھا۔ مجھے احساس کمتری ہونے لگا۔ لیکن اس میں میرا کیا دوش۔ اگر اسے مجھ جیسے آدمی سے متعارف کرایا گیا۔ اس کے [illegible] ایک کالے آدمی کا ہاتھ ملانے سے انکار اور صرف سر سے [illegible] کرنے کا سلوک اسے ضرور برا لگا ہوگا۔

میری اسی سوچ بچار میں رات گزر گئی۔ میں پل بھر کو بھی نہ سو سکا

اور نہ ہی صبح یونیورسٹی جا سکا۔ ایک بار اسے ہسپتال جا کر دیکھنے کا خیال آیا۔ جانے کیوں ٹھہر گیا۔ دیکھو میں ساری رات بستر پر یا ہی بے آب کی طرح تڑپتا رہا ہوں۔ مجھے نیند نہیں تو موت کی ہی دوا دے دو۔ تھوڑا سا زہر ہی دے دو۔ دل کو قرار تو آ جائے۔"

گھر سے نکلا۔ ہسپتال پہنچا۔ وہ ایک وارڈ سے دوسرے وارڈ میں داخل ہو رہی تھی۔ اس کو اپنی طرف متوجہ کرنے کیلئے میں نے کراہنا شروع کر دیا۔ پھر سوچا۔ چپ ہو جاؤں ورنہ وہ حقارت سے گردن جھٹک کر چلی گئی تو میرا دل ٹوٹ جائے گا۔ پھر خیال آیا۔ اس کا معتبر پیشہ اسے ایسا نہیں کرنے دے گا۔ اس کے قدم سچ مچ ہی رک گئے۔ واپس آتے ہوئے بولی۔

"ہلو مسٹر جمشید۔ کیا حال ہے؟"

مجھے اتنے خلوص اور ہمدردی کی امید نہیں تھی۔ میں تو صرف غم ہجر کا ہی پیاسا تھا۔ گھبرا کر کہا۔ میں ٹھیک ہوں۔ صرف ڈاکٹر چاولہ سے ملنا ہے۔

ڈاکٹر چاولہ نے ہی مجھے ڈاکٹر ثریا سے ملوایا تھا۔ وہ میرا دوست اور ہم خیال تھا۔ اسے میری تنہا تنہا زندگی کا شدید احساس تھا اسی لیے شاید مجھے ڈاکٹر ثریا سے ملوایا تھا۔ لیکن مجھے لگا جیسے اس نے یہ ملاقات کرا کے غلطی کی ہے۔ میں بھلا اس قابل کہاں!

ثریا مجھے اپنی طرف لاتعلق سا پا کر حقارت سے دیکھتی دوسرے وارڈ میں چلی گئی۔ یہ نفسیاتی مریضوں کا وارڈ تھا۔ وہ نفسیاتی ڈاکٹر تھی میں وہاں سے جلدی لوٹ آیا۔ میری پیاس بجھ چکی تھی مگر کیا سچ مچ یا یہ میرے دل کا وہم تھا پھر مجھے لگا جیسے آگ اُدھر بھی بھڑکی ہوئی ہے یا کم از کم ایک بار میں اسے پھر اپنے بارے سوچنے کا موقع دے آیا ہوں۔ میں خود اس کا مریض ہو کر رہ گیا تھا۔ سوچوں نے میرے ذہن کو کشتی کا اکھاڑہ بنا ڈالا تھا۔

ڈاکٹر چاولہ کی معرفت اس نے میرے بارے میں مزید معلومات حاصل کی تھیں۔ میں کون ہوں؟ اور میں نے کیوں اس کے ساتھ ایسا رویہ اختیار کیا۔ ڈاکٹر چاولہ نے اسے بتایا تھا کہ میں ایک خود دار شخص ہوں جو کسی کی تیوری پر بل برداشت نہیں کر سکتا۔

"مجھے اس سے ایک بار پھر ملا دو نا" ایک دن ڈاکٹر ثریا نے چاولہ سے درخواست کی۔ "آخر وہ کون ہے جو اس طرح بھڑکتا ہے سیدھے منہ بات ہی نہیں کرتا۔ یہ پہلا شخص ہے جس نے میرے ساتھ ایسا سلوک کیا ورنہ میں نے جسے بھی دیکھا ہے اپنا دیوانہ ہی پایا ہے۔"

ایک بار پھر سوچئے۔ وہ میری زندگی میں داخل ہو گئی۔ اس کا دل دُکھا ہوا تھا۔ کسی نے اس کا دل ہاتھوں میں لے کر پھول کی طرح مسل دیا تھا۔ جو فریاد کناں تھا۔

کیا خطا میری تھی ظالم تو نے کیوں توڑا مجھے

وہ میرے خوابوں کی وادیوں میں داخل ہو گئی۔ اکثر رات کو وہ میرے دروازے کی گھنٹی بجاتی۔ میرا الفریڈ لارڈ منہ بسورتا دروازہ کھولتا۔ وہ شکریہ ادا کرتی۔ میرے کمرے کی طرف بڑھ آتی۔ مجھے بستر میں سوتے پا کر میرے بالوں میں انگلیاں پھیرتی۔ میرے کھانا کھا کر سونے کے باوجود اصرار سے سامنے بیٹھ کر کھلاتی۔ کہتی۔ نہیں میرے سامنے کھاؤ تب مجھے تسلی ہو گی۔

"تم کھوئے کھوئے سے کیوں رہتے ہو۔ بات کیوں نہیں کرتے۔ تم تنہائی پسند کیوں ہو۔ تمہارا دل بجھا بجھا کیوں رہتا ہے؟"

وہ آتی رہی۔ میں حسب عادت کھچا کھچا رہتا۔ مجھے اپنی حقیقت معلوم تھی۔ میں اس کے قابل نہیں تھا۔ ایک دن میں اس سے کہہ دیا دیکھو ڈاکٹر۔ میں غریب ہوں۔ کالا آدمی ہوں۔ میرا معاشرہ تم سے بالکل الگ ہے۔ تم کوئی اپنا ہم نسل تلاش کر لو۔ سفید رنگ والا۔"

وہ بولی: "محبت میں سب ٹھیک ہے۔ میرے لئے تم ہی سب کچھ ہو۔ میرے خوابوں کے شہزادے۔"

میں ہنس دیا۔ "تم میرا مذاق اڑا رہی ہو۔"

"نہیں۔ میں آدمی کو پہچانتی ہوں۔ میں نفسیاتی ڈاکٹر ہوں۔

"مگر تمہاری ڈاکٹری تو یہاں فیل ہو جائے گی۔" وہ ایک پریقین ہنسی ہنس دیتی اور اس کی سفید موتیوں جیسے دانتوں کی اک چمک پڑتی۔

میں پھر خیالات میں ڈوب جاتا۔

"تم کون ہو۔ اتنا تو معلوم ہو گیا ہے تم نے اپنی زندگی کے بارے مجھے کچھ نہیں بتایا۔ بس ایک اسراریت سی تم پر طاری رہتی ہے۔" ایک دن اس نے کہا۔

"میں کہہ چکا ہوں۔ میں ایک غریب الوطن ہوں۔ اپنا سب کچھ چھوڑ کر یہاں کچھ حاصل کرنے آیا ہوں۔ کچھ بن گیا تو یہاں سے چلا جاؤں گا میرا بس اتنا ہی تعارف ہے۔"

• [illegible] کی گزشتہ زندگی [illegible]

"میری داستان بہت دکھ بھری ہے۔ تم کیا کرو گی جان کر؟" میں نے جواب دیا۔

"پھر بھی ضرور سنوں گی۔" اس نے بڑے پرزور لہجے میں کہا۔

"تم میری زندگی کے متعلق آخر کیا جاننا چاہتی ہو۔ میں نے دنیا نہیں دیکھی مگر اپنے دل کی دنیا کو بغور دیکھا ہے۔ جو ویران جنگل اور سنسان صحرا ہے۔ جہاں خزاں آتی ہے تو چرند پرند بھی چھوڑ کر کسی دوسری جگہ چلے جاتے ہیں۔ ویسا ہی خزاں رسیدہ دل ہے میرا۔ دیکھو سن سکو گی؟"

اس کی بے تابی بڑھتی گئی مگر میں نے کہا اور کچھ مت پوچھنا تم میرے ماضی کے متعلق۔ میرا ماضی خط استوا سے بھی زیادہ گرم ہے۔ شاید یہ گرمی میری جان ہی لے لے گی۔ میں اب تک صرف تصوراتی زندگی گزارتا رہا ہوں۔ مجھے پھولوں کی تمنا میں ہمیشہ کانٹے ملے ہیں۔ گلاب کے رخسار ثریا۔ تم مجھ سے دور رہو۔ میرے پاس تمہیں دینے کے لئے کچھ بھی نہیں ہے۔

"دیکھو کھڑکی بند کرو۔ تمہیں سردی لگ جائے گی۔ باہر تیز ہوائیں چل رہی ہیں۔ طوفانِ باد و باراں آ رہا ہے۔ سرد طوفانی رات ہے۔" وہ کھڑکی بند کرتے ہوئے بولی۔

"نہیں ثریا۔ رہنے دو۔ خود اس سے تیز آندھی میرے اندر اٹھ رہی ہے۔ وہاں کھڑکیاں کون بند کرے گا۔ میرا یہاں کوئی نہیں تمہاری ہمدردی کے چند بولوں کے سوا۔ ثریا میرا ماضی برف کی طرح سرد ہے۔ تم بھی آخر سہاگ جاؤ گی۔ میں وہ بدنصیب درخت ہوں جس پر اب کبھی پھول نہیں کھلیں گے۔ جس پر اب نئی کونپلیں نہیں پھوٹیں گی۔ جس نے کتنوں کے لئے سایہ مہیا کیا۔ کتنوں کے گھر تعمیر کئے لیکن اب اس کی شاخیں کٹ چکی ہیں۔ اسے پانی کبھی میسر نہیں آیا۔ کتنے قافلے آئے اور اس کے سائے میں بیٹھ کر چلے گئے۔ یہ سب عجیب سا ہی رہے گا۔ تم چلی جاؤ ثریا۔ حیرت سے میرا منہ کیا تک رہی ہو۔ جاؤ۔ خدا کے لئے چلی جاؤ۔"

"تمہارا ماتھا جل رہا ہے۔ تمہیں بخار ہے۔ تم پر ہذیان طاری ہے۔ تم آرام کرو۔"

"آرام! آرام میری قسمت میں کہاں۔" وہ تو اب ایک ہی وقت

[illegible] آرام [illegible] سے تمہیں کیا چاہئے؟"

"کچھ نہیں، کچھ دینے آئی ہوں۔ مجھے کچھ نہیں چاہئے۔ مجھے کوئی امید نہیں ہے۔" وہ روہانسی ہو گئی۔

"معاف کرنا۔ مجھے تم سے کچھ نہیں چاہئے۔" میں نے کہا۔

"میرے پاس جو کچھ تھا۔ لٹا بیٹھا۔ اب کچھ بھی نہیں بچا کہ تمہیں پیش کر سکوں۔"

میری زندگی ایک لمبا چوڑا صحرا ہے۔ جس میں پیاسا بھٹکتا مسافر پانی کی تلاش میں نکلتا ہے اور دور سے اسے ہر چمکتی چیز پانی نظر آتی ہے مگر جب وہ اس کے قریب پہنچتا ہے تو وہ محض نظر کا دھوکہ ہوتی ہے اور وہ مجبوراً پھر آگے بڑھ جاتا ہے اور گرمی اسے جلا کر کوئلہ بنا ڈالتی ہے ثریا۔ تم اپنی مسرتوں کو میری خاطر قربان نہ کرو۔ میری ایسی بدمزہ زندگی سے تمہیں کیا حاصل ہوگا۔ ثریا تم ناراض ہو کر مت جاؤ۔ مجھے تمہاری ہمدردی کا احساس ہے لیکن تمہارے درد کی دوا نہ بن سکا۔ اسی میں تمہاری بھلائی مجھے نظر آتی ہے۔ میں تمہیں اپنی دکھ بھری دنیا میں کیسے گھسیٹ لوں؟"

ثریا ناراض ہو کر چلی گئی۔ میں اسے منا بھی نہ سکا۔ روک بھی نہ سکا۔ اس کے جانے کے بعد بھی کچھ دن رہا۔ ہذیانی کیفیت طاری تھی۔ وہ کب تک برداشت کرتی۔ صبح سے شام۔ شام سے صبح وہ میرے ساتھ کرتی رہی۔ کئی دن میری جنونی کیفیت کو برداشت کیا مگر آخر کب تک۔ وہ چلی گئی کب؟ مجھے کیا پتہ۔ مجھے تو اپنا بھی ہوش نہیں تھا۔ پھر ایک دن کسی نے آکر بتایا کہ ثریا نے خودکشی کر لی۔

"خودکشی۔ ثریا۔ نہیں ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ ثریا سمجھدار لڑکی ہے۔ وہ ایسا نہیں کر سکتی۔ کیا۔ کیا؟ یقین ہی نہیں آتا۔"

"اپنا منہ بند کرو جاہل۔" میں چیخا۔ جب اس نے بھی اس خبر کی تائید کی۔

"تم میرا منہ بند کر لو گے مگر اخبار والوں کا کون کرے گا جو چیخ چیخ کر اس کی موت کی خبر سارے شہر کو سنا رہے ہیں کہ انجمن [illegible] ڈاکٹر ثریا نے محبت کی ناکامی میں خودکشی کر لی۔"

[illegible] سہرون کے دلوں کا علاج کرتی تھی۔ اپنا علاج نہ

کر سکی۔ سانپ نے بیکیا ہو گیا۔ میں پاگل ہو جاؤں گا۔ پہلے ہی زندگی
معلق ہے۔ اب یہ ایک اور صدمہ کیونکر برداشت کر سکوں گا؟

تمہیں سے خوابوں میں بہت آنا چاہئے تھا۔ میں اب تمہاری کھنڈر میں
تمہاری یاد کیسے بسا سکوں گا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ تم اتنی وفادار لڑکی خاتون
ہو گی۔ تمہارا تصور میرے دل میں اندر بٹھا دیا گیا ہے مگر تم ——— ثریا تم
تم بڑی باہمت تھیں۔ تم تنہائی سے آزاد ہو گئیں۔ ایک میں ہوں جو
تمہاری جدائی کی اذیتیں برداشت کر رہا ہوں۔ اب تو تمہاری یادوں
کے سہارے ہی شام غم گزارا کروں گا۔ دیکھو میری نیندیں اڑ چکی ہیں
تم جو مجھے سلیپنگ ٹیبلٹس دے گئی تھیں۔ وہ میں نے کھالی ہیں۔ میرا دماغ
[illegible] سو گیا ہے مگر میری آنکھیں اب بھی بدستور کھلی ہیں۔
[illegible] تمہارے انتظار میں۔ اس طرح جیسے کوئی شاعر تصور لئے مر گیا ہو ۔۔
آنکھیں کھلی رہتی ہیں مرنے کے بعد بھی ٭ عادت جو پڑ گئی تھی تیرے انتظار کی
[illegible] میں مر کر بھی زندگی حاصل نہ کر سکا
[illegible] ثریا اس کمرے میں تو میرا دماغ پھٹ جائے گا۔ میری
[illegible] لگیں گی۔ یہ مکان مجھے چھوڑنا ہی پڑے گا جہاں تم آکر
میری گھنٹوں بہلایا کرتی تھیں۔ اب صرف تمہاری روح یہاں آیا کرے گی۔

میں یہاں سے جا رہا ہوں۔ تمہاری یاد مجھے یہاں سے دور لئے
جا رہی ہے۔ کیا تم میرے سر پر ہاتھ نہیں رکھو گی۔ پیار سے میرے بالوں میں
انگلیاں نہیں پھیرو گی۔ میں شہر سے باہر سو سال پرانے کھنڈر میں منتقل
ہو رہا ہوں۔ وہی میری آخری منزل ہے جہاں شاید ہی کسی کا گزر ہو۔ جہاں
صرف چمگادڑیں [illegible] اپنا گھونسلہ بنا کر رہتے ہیں۔ مکڑیوں نے جابجا
اپنے جالے تن رکھے ہیں۔ قبرستان کی طرح خاموش سنسان بلڈنگ جو
ابھی تک اپنی تعمیر کی یاد دلا رہی ہے۔ جہاں نہ جانے کبھی کتنے خاندان
آباد تھے جو لڑائی کے زمانہ میں بم گرنے سے تباہ و برباد ہو گئے۔ جہاں سے
زمین۔ دنیا نہیں صرف افق نظر آتا ہے۔ افق۔ جہاں تمہاری روح
[illegible] گئی ہے۔ اسی جگہ پہنچ کر میں نے شب فراق کا چراغ جلایا ہے۔
یہ جگہ جہاں میں ہوں گا۔ تم ہو گی۔

ثریا اب تم کبھی نہیں بھٹکو گی۔ اب تمہیں سکون آجائے گا۔ میں تمہاری
یاد کو نہیں بھلاؤں گا۔ اس سے بچ کر اب جاؤں بھی کہاں۔ تم ہی بتا دو کوئی ایسی
جگہ جہاں تمہاری یاد نہ ہو

ثریا اب تم کبھی نہیں بھٹکو گی۔ اب تمہیں سکون آجائے گا۔ میں
تمہاری یاد کو نہیں بھلاؤں گا۔ اس سے بچ کر اب جاؤں بھی کہاں۔
تم ہی بتا دو کوئی ایسی جگہ جہاں تمہاری یاد نہ ہو۔

تمہاری موت نے مجھے تمہارا اپنا بنا دیا ہے۔ مرنے سے پہلے کسی کا ہو کر
مرنا چاہتا ہوں۔ تمہاری یاد کے سمندر میں کھو کر ہی تمہیں تلاش کرنا ہے مجھے
وہاں جہاں تم نے اپنا مسکن بنایا ہے۔ میں تمہاری تربت پر بیٹھ کر اپنے
آنسوؤں کے موتی لٹا رہا ہوں گا۔ تمہاری آنکھوں کے دئے اب تمہاری
اور میری تمناؤں کے خون سے روشن ہوں گے۔ دیکھو میری شب فراق
میں تمہاری یاد کے چراغ جل رہے ہیں۔ میری آنکھوں سے جو لہو ٹپک رہا
ہے جیسے یہ شب بھی گریہ زاری کر رہی ہے یا جیسے تمہاری روح میرے
ساتھ کہہ رہی ہے ۔۔

کافی ہیں میری خاک پہ سبزے کی بہاریں ٭ یا شبنم افشاں کے گہر پاش نظارے
تکتے ہوئے آئینے چمکتے ہوئے تارے ٭ وہ گور غریباں کے غم انگیز اشارے
یا ابر بہاری کی وہ ہلکی سی پھواریں ٭ کافی ہیں میری خاک پہ سبزے کی بہاریں

تم نے میرا دل آباد کرنے کی کوشش کی تھی مگر تمہیں اپنے دل کی اجڑی
ہوئی بستی کی خبر نہ تھی۔ تمہاری زندگی کی شام نے میری زندگی کو بالکل اندھیرا
کر دیا ہے۔ میں چند ماہ کا مہمان ہوں یا شاید اس سے بھی کم۔ اس وقت
رات کے بارہ بجے اسی کرسی پر بیٹھا ہوں موہوم امیدیں، پیاسی آرزوئیں اور
سسکتی امنگیں سینے میں دبائے موت کو اپنی طرف بڑھتے ہوئے دیکھ رہا ہوں
رات مجھ سے زندگی [illegible] گزر رہی ہے۔ میرا حلق سوکھنے لگا ہے۔ میں
پانی مانگتا ہوں۔ آوازیں دیتا ہوں لیکن میری آواز کوئی نہیں سنتا
مجھے کوئی پانی پلانے نہیں آئے گا۔ کمرے کی بتی ٹمٹما رہی ہے۔ میں اٹھنے
کی کوشش کرتا ہوں مگر نقاہت اتنی ہے کہ اٹھ ہی نہیں سکتا۔
جب صبح کا اجالا پھیلے گا۔ چڑیاں چہچہائیں گی۔ [illegible]
پرندے شور مچائیں گے۔ شبنم سے معصوم کلیاں مسکرائیں گی تو میری
زندگی کا آخری تار ٹوٹ چکا ہوگا۔ زندگی پر موت کی تاریکی چھا
چکی ہوگی۔

اندھیرا ہر سو اندھیرا ...... میں نے تو تمام عمر جیسے اندھیرے
میں گزار دی ہے۔ اور اندھیروں میں ہی ٹٹولتا رہا۔ ہر گام پر ٹھوکر کھاتا
راہ حیات پر بھٹکتا رہا ہوں۔ آہ میرے خدا! تیرا ہزار
ہزار شکر ہے کہ مجھے زندگی کے جہنم سے آزاد کر رہا ہے۔ لیکن مجھے پیاسا
[illegible] موت پہلے ہی بہت تلخ ہے۔

بقیہ صفحہ ۔۔ پر

کہتے ہیں شفیقؔ امین کو

آپ کا اصلی نام شفیق امین ہے لیکن عام طور پر شفیقؔ امین کے نام سے مشہور ہیں۔ لیکن باضابطہ طور پر ... بی۔ اے وغیرہ وغیرہ۔ ۱۹۲۵ء میں پیدا ہوئے۔ وطن مالوف سیرپا۔ تحصیل بسولی ضلع بدایوں۔ آباء و اجداد زمیندار تھے سکھ زمین اپنی کاشت کی پروا نہ کی۔ لہٰذا زمینداری ختم ہوتے ہی معیشت کے ... کرنے لگی۔ یہی وجہ ہے کہ ... کو ... ایم کالج چندوسی ضلع مراد آباد سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۹۵۵ء میں ... ملازمت اختیار کرلی پڑی۔ ... علم ... پرائیویٹ طور پر بی۔ اے اور پھر ایم۔ اے کیا۔

نثر کے مقابلے میں نظم بچپن ہی سے پسند تھی۔ شاعری کی ابتدا شاعرانہ بنیاد یا اور ... کے اشعار ... اسکول ... کہنے لگا تھا۔ مڈل اسکول میں آیا تو ذوق بڑھا ... مضامین بھی لکھنے شروع کردیئے اور مباحثوں میں تقاریر بھی کرنے لگا۔ کالج میں آیا تو ذوق اور نکھرا۔ اب باقاعدہ شاعری شروع کردی اور حکیم فرید الدین سرور گنوری سے ... بعد میں ... ہوگئے ... الدین نے مجھے ... علامہ ابر احسنی گنوری سے رجوع کرنے کو کہا اور ... مرحوم کو ایک غزل دکھائی ... بھی چلا گیا۔ یہاں آکر ... آبادی مرحوم اور بعد میں حضرت ... رامپوری سے استفادہ کیا نیز حضرت ... اور حضرت ... آرا الہ آبادی سے بہت کچھ سیکھا۔ یہاں یکم ... ۱۹۵۹ء ... کلام ... بلا اختیار ... سال ... شاعری ... صاحب کی صاحبزادی سے ہوئی اور ... صاحب کا ... ہوا۔ ۱۹۶۲ء ... غزل ... نے انعام اول کے ... اور ... ۱۹۶۹ء میں ... کلام ... آخر ... ۱۹۷۲ء میں ... ہے۔

... الجھن کا ... ہیں ... لاد ... خود

کلام حاضر خدمت ہے:

غزلیات

آپ چھوڑ کر نہیں تو کیجئے ❊ آنکھ اشنا کی تو بہت دیکھئے

مر نہ جاؤں عشق کے بعد وفا ❊ کچھ وفاؤں کا بھی چرچا کیجئے

دل کی کیفیت ... آپ کو ❊ آپ ہی ... کیجئے

زندگی اک ... ہے خوشی ❊ غم ... تصویر ... کیجئے

... گلشن ... ❊ پرستی احوال ... دیکھئے

... ❊ اپنا دامن آپ ہی سی لیجئے

زندگی ... ہے ... اگر ❊ آپ کو ... پڑے گا پیجئے

یہ تھکن یہ خستگی یہ بیکسی ❊ سامنے سایہ ہے ... کیجئے

... نہیں کچھ فائدہ ❊ اے شفیقؔ اب غم کو اپنا لیجئے

۲

وہ دیوانہ ... خود ... دیوانہ کہتے ہیں

حقیقت ... جسے افسانہ کہتے ہیں

نہ ... بات ہم پیمانہ کہتے ہیں

مجھے دیوانہ کہنا تھا مجھے دیوانہ کہتے ہیں

کوئی سمجھا نہ اہلِ حسن کے انداز اب تک

اسے اپنا سمجھتے ہیں جسے بیگانہ کہتے ہیں

کہا تم نے کبھی ... نہیں ... کیا

محبت کرنے والے کو ... کہتے ہیں

... محبت ... والفت ہیں

گرے جو تیرے دامن پر ... کہتے ہیں

... محفل

... محبت ... کہتے ہیں

... جس کو

... کہتے ہیں

... آپ کو ... دیوانہ

... پیار ... کہتے ہیں

عادل رفیق فیض پوری

ضلع بنگال کے ایک خوبصورت گاؤں [illegible] میں پیدا ہوئے [illegible] علم صاحب کے خاندان [illegible] تھا [illegible] کو میٹرک [illegible] تک [illegible] کا سلسلہ بھی ترک کر دیا۔

[illegible] ہوئے ضلع [illegible] کے [illegible] کا شوق [illegible] جناب [illegible] ذاکر [illegible] نظم و نثر [illegible]۔ جدید [illegible] رنگین طرز نگارش [illegible] کی طرح [illegible] شمس الرحمٰن فاروقی [illegible] کی طرح [illegible]۔

میری نظر میں [illegible] حقیقی [illegible] شاعری وہ ہے جو زندگی کے بکھرے ہوئے رنگوں کو نہایت سلیس مگر دلکش انداز میں تعبیر کرے۔ نمونہ کلام حاضر ہے۔

غزلیات

چوٹ پر چوٹ ہم نے کھائی ہے ÷ تب کہیں زیست راس آئی ہے
چاند تاروں سے آشنائی ہے ÷ آسماں تک مری رسائی ہے
غم زمانے میں ایسا ہے مجھ کو ÷ دور [illegible] کی یاد آئی ہے
جس کے ہمراہ گردِ راہ نہ تھی ÷ ایسے [illegible] رہنمائی ہے
ہر نفس ان کی یاد ہے دل میں ÷ زندگی پر بہار آئی ہے
میں طوفاں میں ساحل سمجھا ÷ کیا یہی طرزِ رہنمائی ہے
مجھ سے برہم ہوئے ہیں وہ عادل ÷ جب بھی رودادِ غم سنائی ہے

۲

عشق بھی دل کا ساز ہے بابا ÷ دل ہی اس کا مجاز ہے بابا
خلق پر آشکار ہے پھر بھی ÷ زیست کا راز راز ہے بابا
حسن محو ہے زمانے میں ÷ عشق گویا ایاز ہے بابا
سن تو جب سے میری الفت کی ÷ داستاں دلگداز ہے بابا
میرے سجدے سے بنے سنگِ در ÷ کیسی میری نماز ہے بابا
گھر میرا کیوں جگمگاتا ہے ÷ دل میں وہ دلنواز ہے بابا

کیسے ممکن فرار ہو اس سے ÷ زیست زنجیر [illegible] ہے
کیا سمجھے لطفِ زیست عادل کو ÷ غم سے جو بے نیاز ہے

۳

تمہیں ساتھ میرے ستارے [illegible]
پھر کیوں نہ ہو [illegible] مری نگاہ بھی نظر
[illegible] نظر [illegible]
پھولوں کی لو کیا بات ہے شرمائے قمر
مانا کہ ہیں حیات میں دشواریاں بہت
گھبرا مگر اس راہ سے ہے خوف و خطر
کس چیز سے تشبیہ بھلا دیجئے اس کو
گل [illegible] ہے وہ چندر کا نور نظر
اے ذوقِ تصور میں [illegible] نے کو [illegible]
فرہاد [illegible] رہتو دل بھی ہے نظر
جب [illegible] ہے تو پھر آتشِ دوزخ کا غرض کیا
کافی ہے جلانے کو تری ایک نظر
کیوں آج کنارے سے گھبرائے ہے عادل
تاریکیوں میں اس کی ہے پوشیدہ سحر

اپنی تلاش میں

جناب کلیم الدین احمد کی خود نوشت سوانح حیات جو بہترین انداز میں شائع ہوئی ہے۔

اس وقت ہمارے اردو زبان میں [illegible] ہیں ان میں سے اپنی تلاش [illegible] ایک [illegible] طرز تحریر میں [illegible] ہے کہ حضرت جوش [illegible] وغیرہ ان سنگ [illegible] حضرات [illegible] وقت [illegible] شائع ہوئی ہے۔ قیمت مجلد [illegible] روپے۔ ملنے کا پتہ
دفتر [illegible] بازار [illegible] ۱۱

شانتی سروپ شرما

نام شانتی سروپ ہے اور ناز تخلص۔ وطن مالوف سیالکوٹ
یہیں تعلیم حاصل کی۔ ماں باپ کا سایہ بچپن سے اُٹھ گیا تھا۔
جدوجہد میں زندگی بسر کی۔ شملہ میں ایک دوست کشوری لال نے
مشورہ دیا کہ ادیب فاضل کا امتحان پاس کر لو تو فائدہ ہوگا۔ یہ
۱۹۴۲ء کی بات ہے۔ مشورہ پسند آیا اور ادیب فاضل کے
امتحان میں ۱۹۴۳ء میں بیٹھ گیا صرف ایک مضمون میں پاس ہوا۔
دوسرے سال پھر امتحان دیا اب صرف دو مضمونوں میں کامیابی ملی۔
تیسرے بار تین میں اور چوتھی بار میں اور پانچویں دفعہ پانچ
میں پاس ہوا۔ ۱۹۴۶ء میں شعر و شاعری کے تیسرے پرچہ میں
کیا رشوت آئی۔ ۱۹۴۷ء میں بلوے ہو رہے تھے۔ لاہور یونیورسٹی میں
داخل کی مگر بوجہ فسادات امتحان نہ ہوا۔ ۱۹۴۸ء میں سولن
یونیورسٹی سے امتحان دیا اب میں پاس تھا۔ دوست طعنہ دیتے
تھے [illegible] گیا جب ملنے والا سے سلام آیا تو کہا) مگر میں
مسکرا کر جواب دیتا تھا۔ میں خوش ہوں میں نے اُردو کی آنرز کی
ڈگری حاصل کی ہے۔ مرحوم سردار دیوان سنگھ ایڈیٹر ریاست
سے میں نے پوچھا تھا میں نے بڑی کاوش کے بعد آنرز اُردو
کا امتحان پاس کیا ہے۔ اب میں اس ڈگری کو کیا کروں۔ انہوں
نے ریاست میں اس سوال کا جواب دیا جب کبھی خیرسگالی کا مشن
پاکستان جائے تو اپنی سند کو بطور تحفہ بھیج دیجئے۔ مگر میں ہمیشہ
خوش رہتا کہ میں اُردو کا اعلیٰ امتحان پاس ہوں۔ ۱۹۴۷ء سے
پہلے بھی میرے مضامین کبھی کبھی اُردو اخبارات میں نکلتے رہے۔
لیکن گیت، پیار کے گیت، نیپالیوں کی حسین رات، گمر بندی۔
ہماچل پردیش اور برسات اور کبھی کبھی [illegible] اور پرتاپ
میں چھپتی رہتی ہیں۔ میں نے تیس سال بطور ٹیچر ہماچل پردیش
محکمہ تعلیم میں کام کیا۔ مگر کبھی بھی لیٹ اسکول نہ پہنچا۔ اور نہ
کبھی اپنا پڑھانا چھوڑا۔ اور نہ کبھی [illegible] لی۔ اس وقت
میرے [illegible] شاگرد پنجاب ہریانہ اور ہماچل پردیش میں ہیں
اور [illegible] عہدوں پر فائز ہیں۔ ۱۹۷۲ء میں [illegible] جی [illegible]

[illegible] کے کرنل [illegible] نے میری اردو [illegible]
دلائی۔ اس پر بار [illegible] ایک سال کی [illegible]
ایکسٹینشن دلائی۔ اب میں ریٹائر ہوں۔ [illegible]
کا حکم ہے۔ اب اُس میں کام کر رہا ہوں۔ چاہتا ہوں ہندوستان میں
اُردو زبان ترقی کرے۔ نمونۂ کلام کے طور پر ایک غزل ملاحظہ فرمائیں۔

غزل

[illegible] ہو جیسے ؎ پاس ہو کر بھی جُدا ہو جیسے
چرخ پر یوں نظر آتے ہیں نجوم ؎ تھال ہیروں کا سجا ہو جیسے
اب یہ عالم دلِ مغموم کا ہے ؎ آخرِ شب کا دیا ہو جیسے
اُف یہ پُر سحر نگاہیں تیری ؎ اندر کا جال بچھا ہو جیسے
اس طرح نیند سے جاگا کوئی ؎ بخت سویا جاگا ہو جیسے
اس طرح [illegible] یاد آتے ہیں ؎ اُن کا دیدار ہوا ہو جیسے

مولانا ابوالکلام آزاد (مرحوم) کی
تصنیف لطیف "غبارِ خاطر" کے بعد
آخری
آپ نے خطوط کے پردے میں انگریزی حکومت کے خلاف [illegible]
اُس وقت کی ملکی سیاست کے پیچ و خم۔ انگریزی [illegible]
جیل کی [illegible] سرحدی گاندھی [illegible]
[illegible] دلچسپ کہانیاں [illegible]

قیدی کے خط

[illegible]
[illegible] آپ اس کتاب کو شروع کر کے [illegible]
کے [illegible] سے نہیں [illegible]۔

قیمت صرف [illegible] روپے۔ [illegible]

[illegible]

اشفاق حسین اشفاق ہمروی

[illegible] کہ اپنا تعارف قلمبند کرنا بھی ایک دشوار گذار مرحلہ [illegible]

[illegible] مجھے کہاں سے غالب کا [illegible] کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا مگر مجھے کہاں یہ کہے کر ٹالا جا سکے۔ احباب کا تقاضہ شدید ہا تو اپنے عیوب اور خامیوں سے قطع نظر کر کے ان کی تعمیل میں [illegible] عرض پرداشت ہوں کہ میں قصبہ ہمری ضلع کھیری کے ایک ادنیٰ [illegible] کا فرد ہوں چونکہ اس قصبہ میں زیادہ بستیاں تجارت پیشہ ہیں [illegible] بھی سرپرستوں نے سب سے پہلے مجھے [illegible] پیشہ فروشی کا کاروبار ذریعہ معاش ہے۔ تعلیم کوئی اعلیٰ سند نہیں رکھتا [illegible] البتہ قدرت نے عطا فرمائی ہے۔ اہل علم کی صحبتوں میں [illegible] استفادہ کرتا ہوں۔

جہاں تک شعر و شاعری کا تعلق ہے مجھے فنونِ لطیفہ کے [illegible] ہے۔ چونکہ اس قصبے میں ایک ادبی انجمن بزم [illegible] ادب [illegible] ایک عرصہ سے ادبی سرگرمیاں انجام دے رہی ہے۔ [illegible] کام کر کے [illegible] اس انجمن سے میں بھی وابستہ ہو گیا۔ [illegible] محترم دوست جناب [illegible] صاحب [illegible] جو اس [illegible] کے نمایاں ممبر ہیں نے مجھے اس بزم تک پہونچایا اور یہاں بزم کے [illegible] شاعر جناب [illegible] صاحب کے خلوص و اخلاق اور [illegible] قابلیت نے اتنا گرویدہ بنایا کہ میں اس بزم کا دائرہ در حقیقت [illegible] ہو گیا [illegible] نے اس بزم کے نائب سکریٹری [illegible] سے سرفراز فرمایا۔ رہ گیا میں شاعر کیسا ہوں اور میری شاعری [illegible] کیا ہے۔ [illegible] نہیں نکل سکتا بجز اس کے [illegible] ہے [illegible] سے [illegible] ہوں۔

شاعر کے ساتھ ایک یہ بھی وابستہ ہوتا ہے کہ وہ شاگرد کس [illegible] اس مقام پر مجھے نہایت فخر و مسرت کے ساتھ عرض کر دینا ہے [illegible] صاحب [illegible] سے شرفِ تلمذ [illegible] شاعر اور شخصیت [illegible]

[illegible]

غزلیات

قسمت [illegible] اگر [illegible]
[illegible] میری

پڑھا [illegible] کا [illegible] بچہ [illegible]
گل [illegible] کا افسانہ نہیں ہے داستاں میری

گری ہے برق گلشن پر نشیمن بچ گیا میرا
نہ [illegible] کروں [illegible] میری

تو بجز [illegible] ہے [illegible] اشفاق [illegible]
غرور شانِ استغنا کہاں تیری کہاں میری

(۲)

اگر ساقی تری نظرِ عنایت عام ہو جائے
تو ہم تشنہ لبانِ شوق کا بھی کام ہو جائے

ہمیں منظور ہے [illegible] الزام ہو جائے
اگر دیوانوں میں تیرے ہمارا نام ہو جائے

اسی کا نام قسمت ہے اسی کا نام [illegible]
[illegible] انجام ہو جائے

میخانہ [illegible] کا کیا کہنا
کہ جس کی سمت نظرِ ساقی گلفام ہو جائے

(۳)

یوں [illegible] ہم [illegible] توڑ دیا ہے
[illegible] چھوڑ دیا ہے

کیوں سلسلۂ [illegible] توڑ دیا ہے
[illegible] ستم توڑ دیا ہے

کیا لذتِ [illegible] کی ہے
دنیا [illegible] ستم توڑ دیا ہے

[illegible] ساقی
[illegible] توڑ دیا ہے

سو روپے نقد انعام

اس شخص کو پیش کیا جائے گا جو سنہ ۱۹۷۲ء عیسوی کے پہلے کی مطبوعہ تاریخ وفات کسی نوجوان لڑکی کی حضرت علامہ عشق آبادی کی تاریخوں سے بہتر پیش کرے گا۔

سامنے نمونہ دیکھ کر یہ ممکن ہے کہ کوئی من چلا کوشش کر کے ایسی تاریخیں کہہ سکے لیکن ہمیں توفن تاریخ گوئی کے ماضی شاعر کی تاریخ درکار ہے نہ کہ تازہ۔ (ادارہ)

تاریخ وفات

مس اختر آرا بنت جناب کرنل ذوالنور احمد صاحب مغفور

دیکھا جب بالائے گردوں اختر آرا کا مقام ۱۹۷۲ء

پاس مریم کے ہوا آج اختر آرا کا قیام ۱۹۷۲ء

اختر آرا میں جو جھلکی جذبِ مریم کی جھلک ۱۹۷۲ء

زیرِ پا کیوں اختر آرا کے نہو لوحِ فلک ۱۹۷۲ء

نزدِ مریم نفسِ اختر آرا آیا آپ ہی ۱۹۷۲ء

اختر آرا کا بدن ہے قبر میں موجود ابھی ۱۹۷۲ء

روحِ اختر آرا اب قیدِ مکانی میں کہاں ۲۰۳۱ بکرمی

صاف روحِ اختر آرا لامکاں پہ جا چکی ۱۹۷۲ء

برائے لوحِ مزار

عیسوی مصرع سے ہجری سال ہے صدق فزا ۱۹۷۲ء

آہ بیسر طوطیٔ دل افزا اختر آرا اُڑ گیا ۱۳۹۲ھ

۱۳۹۲ھ ۔ ۹۰ ۔ ۱۳۰۲

۱۴ اکتوبر ۱۹۷۲ء عیسوی

مقرب حسین تقی

ننھے کاشف کے نام

کاشف کو رونے والو اتنا مجھے بتادو
عرصہ گزر گیا ہے کیا دوستی ہے تمہاری
جب تک رہا وہ زندہ اس کا نہ مول سمجھا
جیسے کہ کچھ نہ پوچھا مرنے پہ آہ وزاری
کاشف کو رونے والو اتنا مجھے بتادو

سڑکوں پہ [illegible] پھرتا تھا مارا مارا
ستھرہ سخن سے اپنا کرتا تھا وہ گزارا
مرنے پہ قدر کی ہے جیسے بھی ہے قدردانی
بخشا نہ زندگی میں جینے کا کچھ سہارا
کاشف کو رونے والو اتنا مجھے بتادو

کہدو اگر زباں سے مجھ پہ برس پڑو گے
پھر یہ کہو گے مجھ سے کہنا ہے بات کس کی
تم کان بند کر لو لیکن یہ ہے حقیقت
وہ دن سکون سے بھی اس کو ملی نہ روٹی
کاشف کو رونے والو اتنا مجھے بتادو

جلسے بھی کرکے خوب ڈالو فوٹو پہ پھول مالا
اب جب اس کو رولو بنوا دو قبر پکی
چھپوا دو اس کی غزلیں نوادر کی لڑی
سمجھو اگر بلا سبب ڈالو کوئی ہے وہی
کاشف کو رونے والو اتنا مجھے بتادو

ننھی کہانی

چھ سو روپے 600/-

محترم چچا جان آداب و نیاز

لیجئے ماہ . . . پیش خدمت ہے

مختصر ضرور ہے۔

پھر بھی اسے قبول فرما کر شکریہ کا موقع دیں ۔ !

ماہ جون میں میری کہانی "آدھی عورت" شائع ہوئی تھی اور اب تک قارئین کے جذباتی بادی کے خطوط موصول ہو رہے ہیں ۔

"شاعِ ہند" کا حلقہ اتنا وسیع ہے یہ مجھے آج معلوم ہوا ۔ !

اور ساتھ (نادرے) ہے کہ ایک صاحب نے میری کہانی "قرض" کو بے حد سراہا ہے اور مجھے برابر لکھتے رہنے کی تلقین کی ہے ۔ !

مجھے امید ہے میری یہ کہانی بھی قارئین شاعِ ہند کو پسند آئے گی ۔ !

دعاؤں کی طالب

سروری ریاض

علیگڑھ ۔ [illegible] ۔ یو۔پی۔

شرابی باپ کے ذہن میں ابھرنے والے سوالات ہر پہلی تاریخ کو چھ سو روپے کے نوٹوں میں الجھ کر رہ جاتے ہیں ۔ اس نے کئی بار سوچا اپنی بیٹی سے پوچھے ۔ وہ کون سا آفس ہے ۔ جہاں اسے ساری ساری رات کام کرنا پڑتا ہے ۔؟

لیکن چھ سو روپوں کی گرمی سے اس کا وجود پگھل جاتا ہے اور وہ سب کچھ بھول جاتا ہے !!

روپے کی گرمی اور شراب کے نشے نے ایک دن اس کے دل میں ایک اور خواہش کو جنم دیا ———

جب وہ شہر کی مشہور طوائف چندا بائی کے کوٹھے پہ پہنچا تو یکایک اس کے قدم ڈگمگانے لگے اور اس کا سر چکرانے لگا اس کے ذہن میں ایک زور کا جھٹکا سا لگا اور اس کا سارا نشہ جیسے ختم ہو کر رہ گیا —

وہ تیزی سے پلٹا اور تھکے تھکے قدموں سے گھر کی طرف مڑ گیا جیسے لمبی بیماری کے بعد مریض کو اسپتال سے چھٹی مل گئی ہو —!!

آپ اپنی ملکیت کسی چور یا نقب زن کو چرانے کی اجازت دیں گے؟

ہندوستانی ریلیں آپ کی اپنی ملکیت ہیں۔

ریلوے سازوسامان کو چرا کر بیچنے سے ملنے والی رقم۔ کے مقابلے میں دس گنی رقم اس سازوسامان کو دوبارہ فراہمی میں صرف کرنی پڑتی ہے۔ ہندوستانی ریلوے سے چوری جانے والے سازوسامان کی قیمت لاکھوں روپئے بنتی ہے۔ یہ لاکھوں روپئے آپ کی جیب سے ہی ادا ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ ریلوں کو چلانے کے لئے اس رقم میں اضافہ کیا جاتا ہے۔

صرف مسافر ہی سازوسامان کی چوری اور قومی نقصان کو روک سکتے ہیں

ناردرن ریلوے

دو بچے

پیٹ بھر کھائیں

چار ہوں

بھوکے رہ جائیں

بہتر زندگی کے لئے

اپنے کنبے کو

چھوٹا رکھئے

دماغی ورزش کا جواب

مدیر

"شان ہند" شمارہ ماہ مارچ ۱۹۷۱ء میں "دماغی ورزش" کے عنوان سے آٹھ اشعار شائع کئے گئے تھے جن کی نسبت آٹھ سوالات کے جوابات مانگے گئے تھے اور اعلان کیا گیا تھا کہ جو صاحب ان میں سے آٹھ سوالات کا صحیح جواب دیں گے انھیں پچاس روپے کا انعام دیا جائے گا۔ یاد دہانی کے طور پر یہ آٹھوں اشعار بھی درج ذیل ہیں۔

۱۔ یہ مختلف ۸ مطلع ہیں یا مسلسل نظم ہے؟

۲۔ اگر مسلسل نظم ہے تو قافیہ کیا ہے۔ اور حرف روی کون سا ہے؟

۳۔ اگر متفرق مطلع ہیں تو ہر مطلع کا قافیہ مع حرف روی بتائیے۔

۴۔ اگر کسی مطلع میں ایطائے جلی یا خفی ہو تو وضاحت کیجئے۔

۵۔ اگر قافیے میں سہو کہیں آیا ہو تو وہ بھی بتائیے۔

۶۔ اگر قافیے کا کوئی اور عیب سرزد ہو گیا ہو تو وہ بھی ظاہر کیجئے۔

۷۔ حرف متحرک اہل فارس نے حروف قافیہ سے خارج کر دیا ہے۔ لہٰذا اب حرف قافیہ نہیں۔

۸۔ جتنا سوال ہو اُتنا ہی جواب دیجئے (　　)

۱۔ اندر اکھاڑے میں ایک اک سبھا رانی کی داستاں
یا بالفاظ دگر بے تاج کی کشورستاں

۲۔ جسم سے اُن کی وطن جبکا ہے مثل بوستاں
وجد کرتا ہے انھیں کے ساز پر ہندوستاں

۳۔ روح اشعار جوان وجوہر سنبل ستاں
نکہت افشاں ہے نفس سلمٰی کا مثل گلستاں

۴۔ ہم کتاب بدلیا ہے ہیں برا انجم ستاں
علامہ گر علام ہیں یوں در ہجوم دوستاں

۵۔ ہیں ستارے پر ہزاریں نغمہ زن در بوستاں
آتش گل کب ہے محتاج ہوائے دوستاں

۶۔ خلق جو جس میں بیاں ترد ہوتی ہے درخواست آں
یا بانداز تکبر جو طلسمی داستاں!

۷۔ داد کا سہو کا ہے ہر شاعر فدائے دل ستاں
سجدہ گاہ اہل فن علام کا ہے آستاں

۸۔ مہر جیسا آئے حل میں لکھو نقش بیت آں
رفعت تا تیر دیکھو تم نہ سمجھو چیستاں

"شان ہند" کا یہ شمارہ اُن تمام حضرات کی خدمت میں بھجوا گیا جو اپنے آپ کو "عروض داں" سمجھتے ہیں اور کوششیں کرتے ہیں کہ انھیں "عروض داں" سمجھا جائے حالانکہ حقیقت میں وہ عروض کے ابتدائی مراحل سے بھی نہیں گذرے۔ اس ضمن میں کئی حضرات کے جوابات آئے مگر سب کے سب غلط تھے۔ ایک حضرات نے تو اپنے مختلف شاگردوں کے نام پر مختلف جوابات بھجوائے مگر ان کی ہر کوشش پہلے جواب سے زیادہ ناکام تھی۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ درجنوں شاگرد رکھنے والے یہ حضرات ابھی دس سال بھی عروض پڑھیں تو شاید پھر بھی ان آٹھ سوالات کا صحیح جواب دے پائیں۔

لیجئے دماغی ورزش کا صحیح جواب ملاحظہ فرمائیے اور یاد رکھئے کہ ہندو پاک کا کوئی بھی اخبار یا رسالہ عروضی رہنمائی میں "شان ہند" کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

۱۔ یہ مختلف ۸ مطلع ہیں۔

۲۔ یہ مسلسل نظم نہیں۔

۳۔ ذیل میں درج ہیں۔

۴۔ کسی مطلع میں ایطائے جلی ہے نہ خفی (جو شعر میں شایان ہے جو عیب نہیں)

۵۔ پانچویں مطلع میں قافیہ معمولہ ہے۔

۶۔ قافیے کا کوئی عیب نہیں برعکس قافیہ فارسی اردو۔

۷۔ کوئی حرف متحرک حرف قافیہ نہیں۔

۸۔ ذیل میں مختصر جواب ہے (آگے تفصیل ہے)

مطلع (۱) دل ستاں - کشورستاں　　الف روی

(۲) بوستاں - ہندوستاں

مطلع (۳) سنبل ستاں ۔ گل ستاں	ل	روی
" (۴) انجم ستاں ۔ دوستاں	ں	"
" (۵) بوستاں ۔ دوستاں	و	"
" (۶) آں ۔ داستاں	ں	"
" (۷) دلستاں ۔ آستاں	ںؓ	"
" (۸) بیست آں ۔ چلیست آں	ت	"

تفصیل

(۱) دل ستاں ۔ مرکب ہوکر بمعنی محبوب و محبوبہ اسم مفعول کے طور پر مستعمل ہے ۔ اور کشورستاں بمعنی صاحب ملک یا صاحبِ ملک بالفاظ دیگر شاہ اسم فاعل کے طور پر مستعمل ہے ۔ دونوں ستاں مختلف المعنی ہیں ۔

(۲) بوستاں، ہندوستاں، دوستاں ۔ تمام اہلِ زباں واو مجہول بولتے اور نظم کرتے ہیں حال آں کہ دیگر صورتوں میں بوٗ اور ہندوٗ میں واو معروف ہے ۔ اتباعِ اہلِ زباں ہی فصیح ہے ۔

(۳) ستاں ردیف ہے ۔

(۴) انجم ستاں میں الف ردف اور ں روی ہے اور اصلی ہے دوستاں میں الف و نون غنہ جمع کا وصلی ہے یہ شائگاں ہے لیکن تمام سخنورانِ ماضی وحال کے کلام میں ایسے قافیے بکثرت دکھائی دیتے ہیں ۔ اس پر طرہ یہ کہ لفظ شاہ گاں (جسے شائگاں بنا لیا ہے) کے معنی تحفہ قابلِ شاہ خود غماز ہے کہ یہ اچھی چیز ہے ۔ چند سر پھرے اسے ایطا سمجھتے ہیں اور ایطا کے معنی ہیں پامال کرنا شائگاں سے ایطا کو کیا نسبت ۔

(۵) بوستاں اور دوستاں میں ستاں ردیف ہے ۔ یہ قافیہ معمولہ ہے

(۶) آں اور داستاں میں الف ردف نون غنہ روی اصلی ہیں ۔

(۷) دلستاں بمعنی محبوب اور آستاں بمعنی چوکھٹ یا گھر ۔ پچھلے شعر کی طرح یہاں بھی الف ردف نون غنہ روی ہیں ۔

(۸) بیست آں اور چلیست آں ۔ آں ردیف ہے ۔ چلیستاں ملا کر کیوں لکھا گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ فارسی والوں کا رسم الخط اسی طرح بیست اور چلیستاں ہی کا ذوق ۔ سین ردف زائد اور ت روی ہے وزن عروضی میں تیسرا ساکن ہمیشہ ساقط ہوجاتا ہے کیونکہ عروض عرب کی پیداوار ہے اور زبانِ عربی میں تین ساکن جو تلفظ میں اس لئے عروض میں بھی کوئی رکن تین ساکن والا نہ

تام سے تعویذ کے باندھے گئے بازوے دوست
فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلان

یہاں دوس تک عروضی وزن نے ساتھ دیا ۔ ت خارج از وزن رہی اسی طرح یہ شعر دیکھئے ۔

کفو ے نداشت حضرت [illegible] گرمی نبود حیدر کرار ش
مفعولُ فاع لاتُ مفاعیلن

اس شعر میں داشت کا شین وزن میں ہے ت نہیں ۔ اسی طرح مطلع نمبر ۸ میں بیس اور چلیس ہیں ۔ صرف آں کے الف ممدودہ کی وجہ سے ت متحرک معلوم ہوتی ہے حال آں کہ ساقط ہے ۔ جیسے

دوست آں باشد کہ گیرد دستِ دوست
فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن

دونوں دوست کی ت ساقط ہے (آپ دوست کی جگہ یار پڑھ کر دیکھ لیں)

نادر کتابیں

بادلوں کے سائے	بیگم شری ممتاز مرزا	۲۰/-
ناقابلِ فراموش	دیوان سنگھ مفتون	۲۵/-
جذباتِ مشرق	"	۲۰/-
ترویدی (ناقابلِ فراموش کا ہندی ایڈیشن)		۲۰/-
مغربی ادب کے معمار	اے محمد ابراہیم	۱۲/-
اردو شاعری کے ارتقاء میں ہندو شعراء کا حصہ	سریواستوا	۱۵/-
فرہنگِ آصفیہ	مکمل چاروں حصے	۱۵۰/
شرحِ دیوانِ غالب	بیخود دہلوی	۱۵/-
بہشتِ نظر	رتن پنڈوری	۱۵/-
ترجمان القرآن (چاروں حصے مکمل)	مولانا آزاد	۸۸/-
غبارِ خاطر	"	۱۵/
خطباتِ آزاد	"	۱۸/-
تیرو نشتر	خوشتر گرامی	۱۸/-

دفتر شانِ ہند ۔ نئی دہلی نمبر ۱۱۰۰۰۲

مَن کہ مکتوب الیہ

ذیر مبو اصلاحات حکومتِ ہند ۔ نئی دہلی ۱۱۰۰۰۱

۱۸ ستمبر ۷۶ء

جناب سرور صاحب

پ کا خط اداریتی نوٹ موصول ہوا خط میں آپ نے جن کا اظہار کیا ہے اس کے لئے شکریہ ۔

شانِ ہند ایک مقبول ماہنامہ ہے ۔ مجھے اُمید ہے کہ اس کے پ ملک کی برابر خدمت کرتے رہیں گے ۔

نیک خواہشات کے ساتھ

آپکا خیر اندیش شنکر دیال شرما

۲۔ الف مانک جی اسٹریٹ گارڈن الیسٹ ۔ کراچی ۳

اکتوبر ۱۹۷۶ء

برادر عزیزم سرور تونسوی ۔ بے شمار دعائیں اور ان گنت م لوگوں کو دیکھنے ۔ تمہیں گلے سے لگانے اور تمہارے محبت ناک پیشانیوں کو چومنے کے لئے بے چین ہوں ۔ دیکھیں کب آنا ہوتا ہے ۔

میں نے اپنے تینوں مجموعہ ہائے نظم ۔ الف (۲) پس غبار ۱) حکایت نے ۔ بذریعہ ڈاک ارسال کئے ہیں ۔ خدا کرے بخیریت ائیں ۔ بھائی انجمن ایشیا کی زبانی آپ کے خلوص بے پایاں کی کر قلب پر جو کیفیت گذری ۔ لفظ کے ذریعے اس کا اظہار ۔ ہاں ۔ دلاور فگار نے اپنے آبائی وطن کے باسیوں کے ساتھ کیا ۔ وہ بے حد تکلیف دہ ہے ۔ خیریت مزاج سے مطلع ۔ اور تمام احباب کی خدمت میں میرا سلام عرض کر دیں ۔ یا آداب عرض کرتے ہیں ۔ رئیس امروہوی

ماہنامہ گلشن ۔ دکر دلی الیسٹ ۔ بمبئی ۹۵ ۴۰۰۰

۱۶ – ۱۰ – ۷۶

محترم سرور بھائی ۔ شانِ ہند کے تازہ شمارے ملے میں ان دونوں میں آپ کے مرکزی شذرات قابلِ تعریف ہیں ۔ آپ کا شذرۂ پی ایچ ڈی بدستِ طفلاں " زیرِ کتابت "گلشن" میں "کتب خانے" کے عنوان کے تحت شامل کیا ہے ۔ آئندہ گلشن میں موجودہ دور کے مشاعرے " شامل کروں گا ۔ مشہور شعراء کے ناخلف بیٹے " نے میری معلومات میں اضافہ کیا ہے ۔ آپکا اپنا نیاز کار شمس

پرنسپل پبلیکیشن آفیسر بیورو فار پرموشن آف اُردو وزارت تعلیم اور سماجی بہبود ویسٹ بلاک ۸ ۔ آر ۔ کے پورم نئی دہلی ۲۲

۱۶ – ۱۰ – ۷۶

مکرمی سرور تونسوی صاحب ۔ تسلیم و نیاز ۔

شانِ ہند کا اگست ۷۶ء کا شمارہ نظر سے گذرا ۔ فرہنگ آصفیہ کی فروختگی پر پابندی " کے عنوان سے آپ کا نوٹ پڑھکر تعجب ہوا ۔ ناظرینِ شانِ ہند کو یہ اطلاع دینا میرا فرض ہے کہ فرہنگ کی فروخت پر اس طرح کی کوئی پابندی نہیں ہے وہ مختلف کتب فروشوں کے یہاں موجود ہے اور ترقی اُردو بورڈ کے دفتر سے براہ راست بھی حاصل کی جا سکتی ہے ۔ آپ کو جن لوگوں نے یہ اطلاع دی وہ غلط ہے ۔ آپ کو یہ جان کر بھی خوشی ہوگی کہ ترقی اُردو بورڈ نے گذشتہ تین ماہ میں مختلف علمی و ادبی موضوعات پر دس کتابیں شائع کی ہیں ان میں سے بعض کتابیں اپنے موضوع کے اعتبار سے اُردو میں پہلی بار شائع ہوئی ہیں مثلاً ارضیات کے بنیادی تصورات ، پوشکن ، چے خف وغیرہ ۔ ترقی اُردو بورڈ نے بین الاقوامی شہرت کے مالک ادیبوں اور شاعروں کی زندگی اور فن سے متعلق کتابیں شائع کرنے کا ایک سلسلہ شروع کیا ہے ۔ پوشکن ، چارلس ڈکنز اور چے خف اسی سلسلے سے متعلق کتابیں ہیں ۔ ان موضوعات پر اس سے قبل اُردو میں بھی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی ۔ اسی سلسلے میں بورڈ رابندر ناتھ ٹیگور ، شاہ ، الیٹ ، سارتر ، اقبال ، دانتے اور دوسرے اہم ادیبوں پر کتابیں شائع کرنے کی کوشش کر رہا ہے ۔

امید ہے کہ ڈرینگ کے سلسلے میں غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے آپ شان ہند کے زیر ترتیب شمارے میں یہ چند سطریں شائع کر کے ممنون فرمائینگے۔

نیاز مند الیس - ایم - عباس شاداب۔

محترمی سرور تونسوی - تسلیم نیاز

ماہ جولائی ۷۷ء کے شان ہند میں صفحہ نمبر تین پر آپ نے "مشہور شعراء کے ناخلف بیٹے" عنوان سے ایک مضمون شائع فرما کر محترم جہاں نثار اختر مرحوم کی نرینہ اولاد پر جو دونوں برسر روزگار ہیں اعتراض فرماتے ہوئے یہاں سے ظاہر فرمائی ہے کہ جو عطیہ سرکار نے ان کے بیوی بچوں کو عطا فرمایا ہے اسے با غیرت لوگوں کی امداد دیں واپس کر دینا تھا۔ چونکہ محترم اختر صاحب مرحوم میرے چچا تھے اس لئے میں یہ عرض کروں گا کہ اولاً تو سرکار کی عنایت کو ٹھکرانا میرے خیالِ ناقص میں سرکاری دربار کی توہین ہے۔ کوئی کتنا ہی امیر کیوں نہ ہو حکومت کے مقابلہ میں غریب ہے دوسرے آپ کو غالباً یہ علم نہیں کہ مرحوم کے بیوی بچوں کو اس پیسہ کی ضرورت تھی وہ اس لئے کہ پہلی بیوی کے مذکورہ دونوں لڑکوں کو موجودہ اہلیہ محترمہ نے شادی کے کچھ عرصہ بعد ہی خانہ بدر کرا دیا تھا۔ پس جناب اختر مرحوم کا اثاثہ صرف موجودہ بیوہ اور ان کے بچے ہی رہے۔ ان حالات میں کیا یہ نہیں کہنا چاہیے کہ سوتیلی اولاد حضرت مرحوم کی بیوہ محترمہ کا ساتھ دے گی یہ کسی زمانہ میں سگی اولادیں ساتھ نہیں دے رہی ہیں اس لئے مذکورہ حالات یہ حضرت مرحوم کی اولاد کے ناخلف ہونے کے لئے مناسب دلیل نہیں ہو سکتی اب آپ خود فیصلہ فرمالیں کہ جو کچھ ہوا ہے وہ کہاں تک بجا اور روا ہے فقط -

خنجر خیرآبادی

برادرم سرور صاحب - آداب

موقر رسالہ شان ہند کے اگست ۷۷ء کے شمارہ میں آپ کا ادبی نکات کے تحت "ادبی پھانسی اور چند پریم" کے بارے میں پڑھ کر بے حد خوشی ہوئی۔ یہ صاحب عادی چور ہیں۔ اس سے پہلے کئی بار پکڑے جا چکے ہیں یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ موزوں مصرعوں کو ناموزوں بنانے میں یہ ماہر ہیں۔ میرے ایک عزیز ترین دوست اور فرشتہ سیرت انسان جناب [illegible] کی ایک غزل کو اپنے نام سے منسوب کر کے پریم صاحب نے چھپوایا ہے۔ اس کا پہلا مصرعہ یوں ہے۔ شعور ہے ہر طرف سحاب

سحاب - جبکہ پریم صاحب نے "شعور عالم میں ہے سحاب سحاب" لکھا ہے۔ اس فرق کو اہل ذوق ہی محسوس کر سکتے ہیں۔ اسی طرح اس غزل کے ایک مصرعہ میں "آب زمزم" کی جگہ "آب حیوان" ہونا چاہیے تھا۔

کئی سال ہوئے ان پریم صاحب نے قبلہ کشفی ملتانی صاحب ہی کی ایک غزل اپنے نام سے اشاعت کے لئے بھیجی تھی۔ کانپور سے آیا ہوا ان کا خط پڑھ کر میں ششدر رہ گیا تھا۔ ان حضرت نے وہ غزل خاص پرتاپ کے لئے "بھیجی تھی اور اسے مزاحیہ غزل ظاہر کیا تھا آپ کے قارئین کی خدمت میں وہ غزل پیش ہے۔

صاحبِ عزّ و ناز پیتے ہیں — غزنوی اور ایاز پیتے ہیں
پہلے پیتے تھے لوگ سولن کی — اب گھر خانہ ساز پیتے ہیں
شیخ جی! آپ بھی پیا کیجئے — خلد میں پاکباز پیتے ہیں
ہو مئے خام یا مئے پختہ — رند بے امتیاز پیتے ہیں
شیخ صاحب بھی چھپ کے در پردہ — محرمِ دانائے راز پیتے ہیں
محتسب را درونِ خانہ چہ کار — گھر میں بے احتراز پیتے ہیں
شکرِ اللہ کہ قیدِ موسم سے — ہو کے ہم بے نیاز پیتے ہیں
منبر کے محتسب اے کشفی — کر کے ہم ساز باز پیتے ہیں

ان حضرت پریم ملتانی نے اس غزل کے موزوں مصارع کو بھی ناموزوں لکھا مثلاً پہلے شعر کے مصرعہ ثانی میں "غزنوی و ایاز" لکھا۔ تیسرے شعر کے مصرعہ اولیٰ میں "شیخ صاحب" لکھا۔ چوتھے شعر کا مصرعہ اولیٰ یوں لکھوایا۔ ہوئے خام یا پختہ۔ چھٹے شعر کا پہلا مصرعہ صریحاً غلط یعنی اس طرح لکھا "وہ محتسب را درون خانہ چہ کارہ" اور آٹھویں یعنی آخری شعر میں تخلص کشفی کی جگہ پریم لکھ دیا۔

حیرت ہے کہ ایسے سینہ زور چوروں کے لئے کوئی سزا نہیں۔

نفیس صدیقی - نیوز ایڈیٹر روزنامہ پرتاپ نئی دہلی -

پیارے سرور تونسوی

خوش رہو - ماہ جولائی کے شان ہند میں صفحہ ۳ پر "مشہور شعراء کے ناخلف بیٹے" کے عنوان سے جو نوٹ آپ نے لکھا ہے اس کے لئے داد دیتا ہوں۔

نیاز مند چرنجیت خوشدل

ایڈیٹر ویشن سیک - ڈیرہ دون

حکیم رئیس سنبھلی

فیملی پلاننگ

۲۴ نکاتی پروگرام اور ہمارے احساسات کے بارے میں طبی لمحہ فکریہ

ہر کسی مہذب فرد کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ مذہبی امور میں اپنے ہر قدم کے لئے کسی بھی عالم باعمل و دوران پنڈت اور گیانی پادری کے احکامات پر عمل پیرا رہنے کے لئے اپنے پورے شعور و احساسات کو بھی بیدار کر کے عمل کرے۔

دنیا میں بہت سارے سائنسی و تحقیقی علوم کی روشنی میں حفاظت صحت و ترقی زراعت پر ساری دنیا کی مہذب و مذہبی حکومتیں خوشحال فرد اور وطن کی سالمیت و بقا و قوم کے لئے پیدائش آدم سے لے کر تا آدم تک جو ضروری تحفظاتی قوانین بناتی جائیں گی۔ ان پر بھی قوموں کو اپنے پورے شعور کے ساتھ عمل کرنا ہوگا۔ یہی اقوام و ملل کی تاریخ جبر و قدر ہے۔ اور اسی کا ایک نکتہ پر اقوام و ملل کی پائیداری کا دار استوار رہا ہے۔ مگر افسوس ہے دراز جنگوں اور کم علم و بے توفیق اصحاب بے تعلیم نظر جو ان تک اپنا ہر فعل ہر قدم عقل و تمیز سے بے نیاز لاشعوری طور پر برائی کی طرف اٹھاتے رہتے چلے آئے ہیں۔ اور جو ۹۹ فیصدی سماجی و رواجی تقاضوں میں پھنسے بھیڑ چال کے معصوم عادی ہیں۔ ان کو یہ سمجھنا ہوگا کہ جب ہزاروں ہاتھوں میں بنا ملا و پنڈت اور گیانی و پادری منصف و کیل۔ حکیم اور وید، ڈاکٹر، بیرسٹر و مجسٹریٹ اور ججوں سے مشورہ لئے بغیر تو لاکھوں قدم روزانہ نت نئی برائی، دنگا و فساد مار دھاڑ، قتل و خون ریزی و دہشت و بربادی، مذہب و تباہی کے لئے اٹھائے جا رہے ہیں۔ تو خدا کے لئے اپنے شعور و احساسات کو بھی کام میں لانا ہوگا اور یہ سوچنا سمجھنا ہوگا کہ ابن آدم نے ہمیشہ ہی سے ازل سے ابد تک تخلیق، تنوع و فطرت گناہ [illegible] ہو چکی ہے۔ [illegible] کی [illegible] جاری [illegible] ہوتا ہے۔ [illegible] کی ہمیشہ سے [illegible] کھلتی رہتی ہے۔ ترقی، حصول صحت و تندرستی کے لئے سیلاب وار [illegible] جاری و ساری چلی آ رہی ہے اور [illegible] فرد و وطن کے لئے امن جنگ کے حالات سے [illegible] گیا ہے

نت نئے فیشن رنگ برنگے لباس [illegible] کیبل بازی، باغبانی کے طور طریقے، حکمرانی اور علم [illegible] کے علاوہ نت نئی آرام دہ سواریاں، تیز رفتار طویل [illegible] مسافتوں کے سفر طے کئے جاتے آ رہے ہیں۔ اور کیا ہم نہیں دیکھتے کہ کیا ہم سن نہیں رہے کہ آدمی کے قدم چاند ستاروں پر پہنچ چکے ہیں [illegible] ہیں۔ کنوئیں میں پڑے مینڈک کی ٹرٹر بھی کبھی [illegible] کی آواز بھی سن لیتے ہیں اور بول پڑتے ہیں مینڈک بول رہا ہے۔ پس ہم کو یہ سمجھانا اور سمجھنا بھی ضروری ہو جاتا ہے کہ اس حال کون مینڈک [illegible] بول رہا ہے یہ سوچا جائے تاکہ کیا [illegible]

اقوام متحدہ کے اندر شریک ممالک کے [illegible] والے [illegible] بول رہے ہیں ان پر توجہ کی جائے۔ آدمی جس ملک [illegible] وہی اس کا وطن ہے وطن والے جو تقاضے کرتے ہیں [illegible] جو قوانین بنائے ہیں عوام و خواص [illegible] اپنے [illegible] کے تحفظ کے لئے [illegible] ہمیشہ سے عمل کیا ہے۔ ہم جہاں پیدا ہوئے اور جہاں کے شہری ہیں اور اپنا ووٹ استعمال کر کے اپنے نمائندے کو پارلیمنٹ کے لئے منتخب کراتے ہیں وہاں ہمارے لئے [illegible] ہے کہ دستور ساز ادارے اور اپنے رہنماؤں کے مقرر کردہ [illegible] چلیں خفیہ اجتماعات و بغاوتی دہشت دوانیاں پیدا نہ ہونے دیں [illegible] بقا اور قوت وطن کے تحفظ کے لئے [illegible] اور [illegible] ملک و قوم مخالف افواہوں کا شکار نہ ہو جائیں۔ اور [illegible]

جس ملک کے قانون کو ہم نے تسلیم کیا ہے [illegible] کے ساتھ عمل کریں۔ اسلام [illegible]

[illegible] سکھا جائے۔ صلح و آشتی دامن سے رہا جائے۔ علم حاصل کیا جائے۔ تجارت زراعت و فنون جاریہ میں مقام پیدا کیا جائے۔ ہوم گارڈ فوج اور پولیس و تحفظاتی شعبوں میں داخل رہا جائے اور اپنا اور دیش کا نام اونچا اٹھایا جائے۔ اقوام متحدہ میں شامل ممالک کے راہبوں اور رہنما [illegible] کہ ۲۰ نکاتی پروگرام پر عمل جاری [illegible] سے عمل کیا جانا ضروری ہے۔ نئے درخت لگانا جہاں صفائی ہوا [illegible] کام آنے والی لکڑی ہر شہری میں جلانے [illegible] چیز کو باقی رکھنے کے لئے ضروری ہے۔ وہاں غریبوں کو زمین [illegible] گھر دینا دلانا اچھا ہے صحت سہولیات کی نذر ہوئے [illegible] لگانا جہاں انسانیت کی بھی خدمت اور اسلامی [illegible] علم سائنس کے اداروں کا قائم کرانا تن من دھن سے [illegible] کی مدد کرنا جہاں مفید مذہب دوستی ہے۔

جبکہ ساری دنیا فیملی پلاننگ یعنی آبادی پر روک کے لئے چل رہی ہے ہمارے لئے کان بند کرنا اچھا نہیں۔ غربت افلاس کے [illegible] خواص کے لئے شرح پیدائش کم رکھنا۔ غلہ کی پیداوار کو [illegible] بہت ضروری ہے۔ لوگوں کا ایسی افواہ کا شکار ہونا کہ جس نے پیدا کیا ہے وہ کھانا، کپڑا، تعلیم، مکان بھی دے گا۔ ایک مغالطہ ہے کہ [illegible] تمام افعال خیر و شر میں اپنی عقل و شعور سے کام لے کر برائی بھلائی میں تمیز ممکنہ انسانی فریضہ ہے۔ قرآن بھی کہتا ہے کہ دین و طریق حکومت میں کوئی جبر و اکراہ کی بات نہیں ہوتی۔ اور خدا نے صاف کہا ہے کہ ہم [illegible] پر ظلم نہیں کرتے اور ہمارا حکم قول بدلا نہیں جاتا۔ قرآن کہتا ہے کہ [illegible] ہم نے تحقیق پہنچی گزشتہ ہدایات کھول کھول کر بتلا دی ہیں۔

گزشتہ ہدایات کی کڑی سے الگ کر کے امتیاز کرو۔ ہماری غریب آبادی [illegible] نہیں۔ دنیا میں ساری اکثر و بیشتر حکومتوں نے یہ فیملی پلاننگ پیدائش پر روک کا قانون بنا دیا ہے۔ سارے عقلمند و سائنسداں، ڈاکٹر [illegible] چاہتے ہیں کہ [illegible] والی نالی کے کپڑوں کی خریداری کے [illegible] بچے نہ پیدا کئے جائیں [illegible] دو چار بچوں پر ہی اکتفا کیا جائے۔ [illegible] والشوری کا تقاضا بھی خدا کی دین ہے۔ اور اعلیٰ [illegible] تندرستی اور اچھا لباس اچھی تہذیب کا ذریعہ کے لئے

ساد ھن جمع کرانا اصل ایمان ہے۔ جبکہ ہزاروں کام روزانہ ساری دنیا کے اندر بغیر ٹیپ، پادری، گیانی، ملا و پنڈت کے پوچھے بغیر ہی سرانجام پاتے ہیں۔ جیسے ڈاکٹری دواؤں میں برانڈی الکحل کا استعمال، مقدمات میں طلاق و خلع۔ شہادت و قاضی بل سے لے کر لاکھوں جھگڑوں کے فیصلے غیر مسلم عدالتوں سے قبول کئے جاتے ہیں۔

سینما، تھیٹر، فوٹو کشی، اسمگلنگ سے لے کر فیشن شوبنگ، محرم بازار و شب برات کی آتشبازی سے لے کر روزہ داران عید تک، جھوٹ جوا شراب نوشی تک۔ غرضیکہ ہزاروں افعال میں ہم اپنی ادراک و شعور کے تحت کار فرما ہیں۔ تو اس ساری دنیا کے سب سے اہم مسئلہ پر بھی لازم ہے کہ اپنی محبوب رہنما وزیراعظم اندرا گاندھی اور سنجے گاندھی کے تعمیری خیالات کی بھی قدر افزائی کریں۔ اور دامے درمے قدمے سخنے کھلے دل سے تعاون کر کے ۲۴ ۲ نکاتی پروگرام سے خود اپنے کو دیش کو بلند و بالا رکھیں۔ اور قرآن کے اس قول پر توجہ رکھیں کہ جان بوجھ کر اپنے ہاتھوں سے ہلاکت میں نہ جاؤ۔

میں نے بھی کثرت اولاد کی برائی کو سمجھ کر طبی طریق پر نسلی سے روک لگا دی ہے اور ہر طبی آپریشن کے لئے ہر وقت خود طبی طور پر تیار رہنا اور دوسروں کو تیار کرنا اچھی بات سمجھتا ہوں۔ اب میں نے اپنا نس بندی آپریشن بھی کرا لیا ہے۔ اور طبی دعوت دیتا ہوں کہ سمجھدار لوگ میدان میں آئیں اور ۲۰ نکاتی پروگرام کو چلائیں کہ

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

حکیم رئیس احمد سنبھل

غزل

ستیش قمر سلطانپوری

جفا پر جفائیں، وفا پر وفائیں — نہ ہم باز آئیں، نہ وہ باز آئیں
نگاہوں میں بجلی تبسم میں [illegible] — قیامت ہے جلوہ قیامت ہی ڈھائیں
وہ بیٹھے ہیں [illegible] — ہمیں ضد ہے لیکن وہ جلوہ دکھائیں
خود سخت حیران نظر خیرہ خیرہ — تحیر [illegible] ساری فضائیں
[illegible] — نہ کچھ بتائیں نہ سمجھو وہ بتائیں
تحیر کا عالم [illegible] — کبھی [illegible] کبھی [illegible]
قمر جب [illegible] — کسے داستان وفا ہم سنائیں

عزیز اندوری

معیار کی کسوٹی پر

نذرِ وطن

اُردو شاعری میں جد و جہدِ آزادی سے متعلق سرمایے کی کچھ کمی نہیں ۔ اس حقیقت کا اعتراف ہر صاف ذہن اور وسیع قلبِ انسان کرتا ہے کہ اُردو اور اس کے شعراء نے حصولِ آزادی میں انتہائی اہم رول ادا کیا ہے ۔ اور یہ اس بات کا بھی ثبوت ہے کہ اُردو شعر و ادب نے حالات کے اہم ترین تقاضوں کی تکمیل کر کے وطن دوستی اور انسانیت نوازی کی اعلیٰ مثالیں قائم کی ہیں ۔

وقت اور حالات کے تقاضوں کی ایک اہم ترین تصویر ہندوستانی سیکولرزم اور سوشلزم کے سلسلے میں اٹھائے گئے اقدام میں بھی نظر آتی ہے جس کی تکمیل اور ہم نوائی کو فرضِ اولین کی صورت اختیار کرنے میں شعرائے اُردو نے بھی فکر و نگاہ کے دروازوں کو وا رکھا ہے ۔

جناب محمد عثمان عارف (ایم ۔ پی) ان میں سے ایک ہیں جنھوں نے "نذرِ وطن" کو شائع کر کے ایک ملی اور قومی فریضے کو پورا کیا ہے ۔

نذرِ وطن میں کل ۱۸ نظمیں ہیں ۔ جن میں قوم و وطن کے مختلف مسائل پر نگاہِ عمیق ڈالی گئی ہے ۔ ہر چند ان نظموں میں براہِ راست لہجے کو اختیار کیا گیا ۔ عام طور پر ایسا لہجہ جہاں غیر موثر ہوتا ہے وہیں وقتی تاثرات کا حامل بھی ۔ لیکن عارف صاحب نے اپنی فکر و نظر کی گہرائی اور ذہن و شعور کی بیداری کے ذریعہ ان نظموں کو سپاٹ نہیں ہونے دیا ہے ۔ بلکہ "عرضِ مصنف" میں کہی گئی اس بات کی پوری طرح تصدیق بھی کی ہے ۔

"مجھ کو یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ شاعر اپنے وطن اور اہلِ وطن انسان اور انسانیت سے الگ رہ کر اپنا وجود قائم نہیں رکھ سکتا"

عارف صاحب کے اس قول کی روشنی میں "نذرِ وطن" کی تمام تر نظموں میں ایک سچے محب وطن انسان اور بقول جناب ادم جہتہ ایک سچے محب وطن مسلمان) کا دل دھڑکتا ہوا نظر آتا ہے ۔ جو وطن کے ذرے ذرے سے نہ صرف انسیت ہی رکھتا ہے بلکہ اس کو آفتاب سے زیادہ تابناک چاند سے زیادہ حسین اور ستاروں سے زیادہ موثر بنانے میں مستغرق رہتا ہے ۔ اس فکری استغراق کے نمونے بھی ان کی نظموں میں پوری تابناکی کے ساتھ نظر آتے ہیں ۔ جن میں نری جذباتیت یا مصلحت آمیزی کا نام و نشان بھی نہیں ۔ وہ جہاں وطن کی عظمت کے گیت اپنی نظموں "جنت مرے وطن کی لا مختصر پیہم نہ ہو کیوں رنجور نہ ہو" اور "جھنڈا ہے بھارت کا جو جان سے پیارا" میں گاتے ہیں وہیں محبانِ وطن کے سرفروشانہ جذبۂ وطن پرستی کو اور انداز میں تائید بھی کرتے ہیں ۔ اس سلسلے میں ان کی نظمیں "مہاتما گاندھی" "ہنگامی حالات" "اندرا گاندھی کا بیس نکاتی پروگرام" اور "اندرا گاندھی اور ایمرجنسی" پیش کی جا سکتی ہیں ۔ انھی کے ساتھ انھوں نے اہلِ وطن کو تعمیرِ وطن میں حصہ لینے اور وطن کی ترقی و بہبود میں پیش پیش اور فرض شناس ہونے کی جس طرح دعوت دی ہے اسے ان کی نظموں "جوانوں کے قدموں میں عقیدت کے پھول" "ہمارے نوجوانوں سے" اور "اہلِ وطن سے خطاب" میں دیکھا جا سکتا ہے ۔

پی ۔ وی ۔ نرسمہا راؤ جنرل سکریٹری آل انڈیا کانگریس کمیٹی جناب ادم جہتہ منسٹر داخلہ و پارلیمانی امور نے پیش لفظ اور "نذرِ وطن" کے تحت عارف صاحب کی شخصیت اور شاعری پر روشنی ڈالی ہے ۔ خاص طور سے ادم جہتہ صاحب نے ان نظموں کے موضوعات کے ساتھ ساتھ ان کی فنی اہمیت پر ان الفاظ میں خیال کیا ہے ۔

"یہ نظمیں ۔ کردار نگاری ، واقعہ نگاری اور صداقت گوئی کے بہت اچھے اور اعلیٰ نمونے ہیں جن کو شاعر کے انداز بیان نے اور بھی دلچسپ بنا دیا ہے ۔"

اس لحاظ سے نذرِ وطن کی نظمیں نہ صرف موضوعاتی اعتبار سے بلکہ فنی لحاظ سے بھی بھرپور تاثرات اور لطیف پہلوؤں کی حامل ہیں جن کا مطالعہ کرنے کے بعد ملک و قوم کے بہت سے اہم مسائل کو صرف سمجھا ہی نہیں جا سکتا ہے ۔ بلکہ انھیں حل کرنے کا نمونہ بھی قرار دیا جا سکتا ہے ۔

[illegible] مطالعات و کتابت جاذب نظر ہے۔ جسے
[illegible] مکتبہ شان ہند دہلی سے بھی حاصل کیا جا سکتا ہے۔

امرائی

"[illegible]" عصر حاضر کے ممتاز [illegible] خاور کا نام دنیائے شعر و ادب میں کافی تیزی سے [illegible] سامنے آیا ہے۔ انھوں نے بہت کم مدت میں اپنے شعری [illegible] کے اپنے فکری رجحانات اور فنکارانہ صلاحیتوں سے [illegible] اپنی جانب متوجہ کیا ہے۔

[illegible] کے قلم میں تیزی کے ساتھ ہی فکر میں بڑی حد تک [illegible] گیرائی بھی ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ جن موضوعات [illegible] ہیں ان پر محض روایتی انداز میں سرسری طور پر اظہار [illegible] کرنے بلکہ ان کی اہمیت اور تقاضوں کو بھرپور انداز میں [illegible] فنی اشکال میں پیش کرنے کی قدرت رکھتے ہیں۔

امرائی ان کی نظموں اور گیتوں کا مجموعہ ہے۔ ان نظموں [illegible] میں حب الوطنی کا بھرپور جذبہ موجود ہے۔ جسے صرف جذبے [illegible] مناسب نہیں بلکہ ان میں وہ تمام تر حقائق اور فطری [illegible] شامل ہے۔ جس میں ہندوستانیوں کے دلوں کی دھڑکنیں صاف [illegible] ہیں۔

[illegible] کا تعلق کوکن اور خاص طور سے مہاراشٹر سے بڑا گہرا ہے [illegible] کے کلام پر ان علاقوں کی تہذیب، فضا اور کوکنی ماحول کا [illegible] ہے۔ اسی لئے امرائی کی بیشتر نظموں میں ان علاقوں کی تہذیبی [illegible] صاف نظر آتی ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ۔ ان کی نظموں [illegible] کی خوش رنگ لہریں بھی نظر آتی ہیں۔ وہ اگر ایک طرف [illegible] میں اردو کے ایک عظیم شاعر کو خراج عقیدت پیش [illegible] مہاراشٹر اور کوکن کی عظمت کا اعتراف بہت [illegible] ہیں۔ اگر ان نظموں میں کوکن میں کیا نہیں ہے۔؟ [illegible] اور مہاراشٹر کی پیاری زمیں" جیسی نظمیں اہل [illegible] میں دکن کے پھول کی خوشبو" کی مہک بھی [illegible]۔ اگر وہ کیلشی کی سرزمیں" میں بزرگان دین کو خراج [illegible] ہیں تو دوسری طرف وہ "نانا فرنویس کے [illegible] ان کی عظمت کے آگے بھی سر جھکا دیتے ہیں۔

[illegible] سے بڑھ کر ان کا دل ہندوستان کی اس دلکشی [illegible] جاذبیت اور سرشاری پر جھوم اٹھتا ہے۔ جو دیہاتی فضاؤں سے معمور ہے۔ جس میں حسن فطرت کے بے شمار پہلو موجزن ہیں۔ جو کبھی ساوتری کے جمال میں موجزن نظر آتے ہیں تو کبھی "پگڈنڈی" کے حسین انداز میں۔ کبھی وہ رادھا کی گاگر میں نظر آتے ہیں تو کبھی "ایک سہاگن کی مانگ کے سیندور کی شکل" میں۔ کبھی وہ "نام کسان" میں عظمتوں کے عکاس بن کر ابھرتے ہیں تو کبھی "کہانیوں کا دیس" میں حقیقت بیانی کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔

غرض امرائی میں کوکن، مہاراشٹر۔ کی تہذیبی اور تواریخی عظمت کے ساتھ ہی (جس سے خاور کو فطری انسیت ہے)۔۔ ہندوستان کی عظیم تر تہذیب و تواریخ کے حسین تر پہلو مل جاتے ہیں خاور اپنی نظموں کو الفاظ کے حسن اور بیان کی دلکشی سے مزین کرنے میں بھی ماہر نظر آتے ہیں۔ پھر مترنم بحروں کا انتخاب نے ان کی نظموں کے فطری حسن میں مزید اضافہ کیا ہے۔

امرائی کی نظمیں محض روایتی انداز میں حب الوطنی کے وقتی نعروں کے تحت نہیں کہی گئی ہیں بلکہ ان میں جذبے کا استقلال تہذیب و تواریخ کی صداقت اور حسن فطرت کا استحکام موجود ہے جو اپنی صداقت اور جاذبیت کی وجہ سے اہل وطن کو متاثر کرتا ہے۔

۱۲۸ صفحات کا یہ مجموعہ جس کی کتابت و طباعت بھی کافی اچھی اور جاذب نظر ہے۔ دس روپے کے عوض مکتبہ شان ہند سے بھی حاصل کیا جا سکتا ہے۔

ضرورت رشتہ

دو سنی مسلمان لڑکیاں جن کی عمر ۱۸ اور ۲۰ سال ہے کیلئے موزوں خوبصورت اور باروزگار لڑکوں کی ضرورت ہے۔ [illegible] سالہ لڑکی آٹھویں کلاس تک پڑھی ہوئی ہے اور دوسری [illegible] پاس کر چکی ہے اور سرکاری ملازمت [illegible] جو حضرات ان لڑکیوں سے رشتہ ازدواج قائم کرنا چاہیں اپنی تصویر کے ساتھ مفصل خاندانی تعلیمی اور روزگار کے بارے میں حالات لکھیں۔ کبریٰ مرزا

معرفت دفتر شان ہند نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

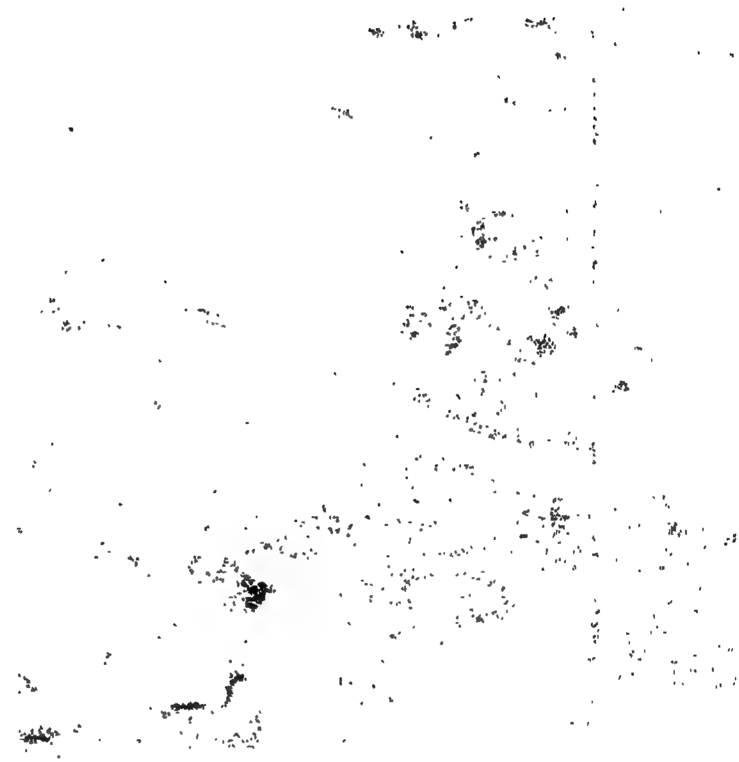

ASHFAQUE HUSAIN ASHFAQUE MUHAMMDI

Printed at M. S. Printers, Darya Ganj, New Delhi

ماہنامہ شانِ ہند دلی

November—75

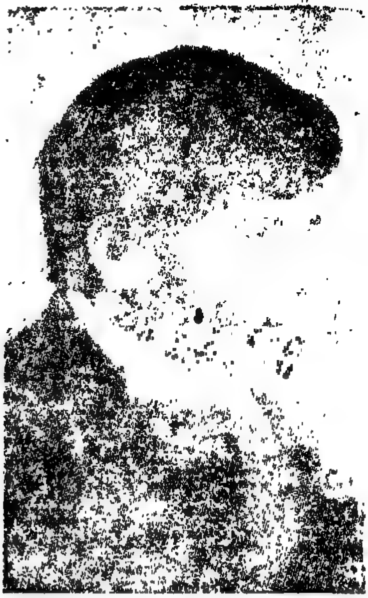

SHEIKH MOHMAD SHAF
Srinagar

اس سلسلے کا دوسرا باب

بڑے ناکام ادیبوں کی سازش کا انکشاف

DR Z... LIBRARY JAMIA NAGAR NEW DELHI-110025

Rs. 1-00

SIRAJ ANWAR

Editor :-
SARWAR TAUNSVI

NISAR GORAKHPURI

سال اجراء ۱۹۳۸ | رجسٹرڈ نمبر ڈی ۲۷۰ | رجسٹرڈ نمبر رجسٹرار اخبارات R.N. [illegible]
فون نمبر ۲۷۸۸۸۰

DR. ZAKIR H[illegible]
JAMIA NAGAR
NEW DELHI-110025

ماہنامہ شانِ ہند دہلی

ایڈیٹر: سرور تونسوی | قیمت سالانہ دس روپیہ | قیمت فی پرچہ ایک روپیہ ۱/-

جلد ۳۶ | [illegible] ۱۹۷۵ء | شمارہ ۱۱

فہرست

افکار و اقتباسات	ایڈیٹر	۳
گائیڈ ی	نازک الہ آبادی	۷
مشاعرہ گوگمال سہارنپور	کریمی الاحسان	۹
غالب اپنے طنز و مزاح کے آئینہ میں	سروش یزدانی اعظم گڈھی	۱۴
غزل	بلدیو سنگھ عاجز	۱۶
غزلیات	تحسین بدایونی ۔ تروش نعمانی	۱۷
غزلیات ۔ بیدل سرحدی ۔ حبیب بستوی ۔ انوار الحق انور بلیاوی		۱۸
بچی باتیں	سید قمر حمید	۱۹
تارگور کھپوری		۲۰
سراج انور مصطفےٰ آبادی		۲۱
شفیع دلگیر		۲۲
منہ (افسانہ)	فریدہ کلکتہ والا	۲۳
پیام آزادی	مفتون کوٹوی	۲۵
غزل	ڈاکٹر دھنو مان پرشاد جگر بستوی	۲۵
دو غزلیں	ہمدم عثمانی سہارنپوری	۲۶
غزل	رشید بستوی	۲۶
غزلیات ۔ ریاست علی تاج ۔ اطہر فاروقی ۔ مظفر وارثی		۲۷
غزلیات ۔ حسیب قیصر ۔ بھگوانداس برق		۲۸
	محمد اعظم صدیقی ۔ محمد یونس نقشہ	۳۰

خواتین نمبر

بین الاقوامی عورتوں کے سال کے سلسلے میں شانِ ہند کا خواتین نمبر ماہ دسمبر ۱۹۷۵ء کا شمارہ ہوگا جو وزیرِ اعظم ہند محترمہ اندرا گاندھی صاحبہ کے جنم دن ۱۹ر نومبر ۱۹۷۵ء کو شائع ہوگا۔ خواتین نمبر کا سرورق ملک کے مشہور آرٹسٹ جناب غیاث صاحب اورنگ آبادی کے موئے قلم کا ایک شاہکار ہے۔ قابلِ ذکر شاعرہ افسانہ نگار اور مضمون نگار خواتین کے رشحاتِ قلم سے تصاویر سے یہ خواتین نمبر ایک یادگاری شمارہ ہوگا حجم ۷۲ صفحات قیمت ڈیڑھ روپیہ۔ (ادارہ)

عبدالباری کاشف سرور تونسوی ایڈیٹر و پرنٹر پبلشر نے لاجپت سہارنپور میں چھپوایا اور ٹیلیفون ۵ انصاری مارکیٹ دریا گنج دہلی نمبر ۱۱ سے شائع کیا۔

ہر دل عزیز انسان | شاعرِ جادو بیان | اُردو کا عاشق

قومی یک جہتی کا خواہاں | شرافت کا نمونہ | انسانیت کا پیکر | مذہبی تعصب کا دشمن

ہر غمزدہ کا ہمدرد | ہر ضرورت مند کی حاجت روائی کیلئے کوشاں | مشاعروں کا روحِ رواں

غرضیکہ انسانی پیکر میں "اصلی انسان" اور اپنے جدِ امجد گورو نانک دیو جی مہاراج کی تعلیمات کا مظہر

کنور مہندر سنگھ بیدی سحرؔ

کو ایک ارمغانِ عقیدت و خراجِ محبت

کنور صاحب کے عزیزوں، رفیقوں، دوستوں، مدّاحوں اور عقیدت مندوں کے لئے ایک گرانقدر ہدیہ۔ عزیزوں کی یگانگت دوستوں کی محبت، صحافیوں کے جذبات، عام ملنے جلنے والوں کے تاثرات، مدیروں کے خیالات، نجی زندگی کے کوائف و حالات اور خود کنور صاحب کی شاعری کے انتخاب سے لطف اندوز ہونے کے لئے

شانِ ہند کا شائع ہونیوالا

جشنِ سحرؔ نمبر

ضرور پڑھیئے

جو عنقریب دہلی میں منائے جانے والے "جشنِ سحرؔ" کے مُبارک موقع پر شائع ہو رہا ہے اور جو یقیناً دنیائے اُردو ادب میں ایک یادگاری اضافہ ہوگا۔ پانصد صفحات پر پھیلا ہوا یہ خاص نمبر جو بیس صفحات آرٹ پیپر پر کنور صاحب کی مختلف تصاویر سے مزین آپ اپنی نظیر ہوگا۔

قیمت فی پرچہ شانِ ہند کے مستقل خریداروں سے چھ روپیہ علاوہ محصولڈاک جبکہ اس شمارہ پر دس روپیہ فی پرچہ اصل اخراجات ہوں گے۔

مشتہرین کی خدمت میں التماس ہے کہ کنور مہندر سنگھ بیدی سحرؔ کی ملک گیر مقبولیت کے پیشِ نظر "جشنِ سحرؔ نمبر" ملک بھر میں ذوق و شوق سے پڑھا جائیگا۔ لہٰذا اس یادگاری خاص نمبر میں اشتہار دینا بھی کنور صاحب سے دلی عقیدت کا مظہر ہوگا۔

اُجرت اشتہار عام سالم صفحہ اڑھائی صد روپیہ۔ نصف ۱۴۰ روپیہ۔ سرورق کا اندرونی صفحہ ۲ پانچ صد روپیہ۔ سرورق کا تیسرا صفحہ چار صد اور سرورق کا آخری صفحہ دو رنگ میں سات صد روپیہ۔

جشنِ سحرؔ نمبر میں آپ بھی لکھیئے۔ جشنِ سحرؔ نمبر کو اپنے لئے اور اپنے عزیزوں کو تحفہ میں دینے کے لئے مطلوبہ کاپیاں ریزرو کرا لیجئے۔

جشنِ سحرؔ نمبر میں اپنا اشتہار دیجئے۔ کنور مہندر سنگھ بیدی سحرؔ کے ہر عقیدتمند کو جشنِ سحرؔ نمبر کی اشاعت کی اطلاع دیجئے۔

مزید تفصیلات کیلئے

ماہنامہ دفتر شانِ ہند فلیٹ ۲ انصاری مارکیٹ دریاگنج۔ نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

افکار و واقعات

DR. ZAKIR HUSAIN LIBRARY

پٹے ہوئے ناکام ادیبوں کی سازش کا انکشاف

کچھ دن ہوئے تفکی کا کوروی کی کتاب "اعمالنامہ" شائع ہوئی ہے جس میں اترپردیش اردو اکیڈمی کی سرگرمیوں پر تنقید کی گئی تھی چونکہ اس کتاب میں تصویر کا ایک ہی رُخ دکھایا گیا تھا اس لئے ہم نے شاہی ہند کے دو شماروں میں اس کتاب کی حمایت میں اداریئے لکھے

کچھ دن ہوئے غالباً فرضی نام سے دلی یونیورسٹی کے شعبۂ اردو کے کچھ لوگوں نے "اردو تحقیق اور مالک رام" کے نام سے ایک کتاب شائع کی ہے۔ اسے دیکھتے ہی ہمیں خیال آیا کہ "اعمالنامہ" میں اترپردیش اکیڈمی پر کم اور پنڈت آنند نرائن مُلا پر زیادہ تنقید کی گئی ہے۔ اور "اردو تحقیق اور مالک رام" میں مالک رام کے ادبی وقار کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی گئی ہے۔ ہم نے ان کتابوں کا پھر غور سے مطالعہ کیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ چند ایسے لوگوں کی ادبی سازش ہے جو ادب میں اپنے لئے کوئی مقام بنا سکے! سماج میں یہ ایسی مخلوق ہے جو گھر کی ہے نہ گھاٹ کی

ہم نے جو دعوی کیا ہے اس کا مکمل ثبوت دیں گے۔ اور اگر کوئی صاحب یہ ثابت کردے کہ ہمارا دعوٰی غلط ہے تو صحافت کی دیانتداری کا تقاضا ہوگا کہ ہم نہ صرف اپنے تمام الفاظ واپس لیں بلکہ اپنے اُن پڑھنے والوں سے معافی مانگیں جو ہم پر ہمیشہ بھروسہ کرتے ہیں۔

۱۹۴۷ء کے بعد حالات کچھ ایسے بدلے کہ ہمیں یقین ہو گیا تھا کہ "لوٹے کچھری کی آید" کہنے والی ذہنیت ختم ہو گئی ہے۔ یہ ذہنیت واقعی ختم ہو گئی تھی۔ لیکن جب اردو کے سلسلے میں کچھ فائدے حاصل ہونے لگے تو پھر وہی ذہنیت اُبھرنے لگی۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ تمام مسلم اہل اردو یہ ذہنیت رکھتے ہیں یا تمام غیر مسلم اہل اردو صاف ذہن کے ہیں۔ دونوں فرقوں میں اس طرح کے کچھ لوگ ہیں جو ذاتی مفاد کے لئے اپنا سب کچھ قربان کرسکتے ہیں۔ کچھ کہنے سے پہلے ایک بات عرض کردوں کہ ہندوستان اور پاکستان میں مستور تونسوی کے دوستوں کا حلقہ صرف مسلمانوں پر مشتمل ہے جو ان اُسے جان سے زیادہ چاہتے ہیں اور وہ مسلمانوں کو۔ اگر چند لوگوں کے بارے میں کوئی بات کہی جائے تو اس کا مطلب [illegible]

ہم پہلے "اعمال نامہ" کا جائزہ لینگے۔ یہ کتاب پڑھ کر سمجھ میں نہیں آتا کہ آنند نرائن مُلا کے خلاف ہے یا اردو اکیڈمی کے۔ مُلا صاحب عصرِ حاضر کے صفِ اوّل کے شاعر ہیں۔ تفکی کا کوروی کو یہ حق ضرور ہے کہ اُن کی شاعری کے بارے میں جو بھی چاہیں رائے رکھیں۔ "اعمالنامہ" کے پیش لفظ میں یہ دعوٰی کیا گیا ہے کہ اردو اکیڈمی کی سرگرمیوں کا جائزہ لیا جائے گا۔ اس کتاب کا پہلا باب ہے "آنند نرائن مُلا کی شاعری پر" کیا مُلا کا دوسرا نام اترپردیش اردو اکیڈمی ہے؟ اور کیا مُلا کی شاعری بھی اکیڈمی کی سرگرمیوں میں شامل ہے جو اُسے ہدفِ ملامت کیا گیا ہے۔ یا اس میں بدنیتی کا دخل ہے۔ تفکی کو بنیادی اعتراض انعام پانے والی کتابوں پر ہے۔ اس طرح کے اعتراض کرنے کا حق ہر اردو والے کو ہے۔ لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ جن کتابوں پر سب سے زیادہ لے دے کی گئی ہے

مثلاً آنند نرائن مُلا کی "سیاہی کی ایک بوند" [illegible]

کا انعام پانے والی کتابوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ [illegible] گمنامی کی "تیر و نشتر" ان پر یہ الزام لگایا گیا ہے کہ یہ [illegible] دوسرے مذہبی فرقے کے لوگ ان کے نام سے [illegible] الزام ہے جو اس ذہنیت میں اردو کے مشہور ترین شاعر [illegible] نسیم پر بھی لگایا گیا تھا۔ کمار پاشی کی "ولاس یاترا" ان پر الزام

ہے کہ یہ ہندوستانی دیومالا کا ذکر تے ہیں اور مسلم تاریخ کی تلمیحات اور استعارات استعمال نہیں کرتے۔ مالک رام کی "وہ صورتیں الٰہی" انعام اس کتاب پر ملا تھا لیکن بزعم خود دھجیاں اڑائی گئی ہیں۔ ان کی دوسری تالیفات کی مثلاً خطوط غالب" اور "تذکرہ معاصر (اس) لئے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ "اعمال نامہ" اور "اردو تحقیق اور مالک رام" ان دونوں کتابوں کے پیچھے ایک ہی گروہ کام کر رہا ہے۔ ذکی نے مالک رام پر ۲۹ صفحات کالے کئے ہیں اور آنند نارائن ملا پر ... صفحات پر جھک ماری ہے۔ کتاب کل ۱۰۵ صفحات کی ہے گویا آدھی کتاب میں ملا اور مالک رام کو غیر شاعر اور غیر ادیب ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ سازش کرنے والے کون لوگ ہیں ان کے مقاصد کیا ہیں اس پر تفصیلی روشنی آگے ڈالی جائے گی۔ ماسوائے ذکر تھا انعام یافتہ کتابوں کا۔ رام لال کی "گزرتے لمحوں کی چاپ" "اکھڑے ہوئے لوگ" کے بارے میں بھی گوہر افشانی کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ سوامی دیال بسوانی کی "روح سخن" اور گیندن لال بے نوا کی "گلدستہ" کے بارے میں بھی اسی قسم کے بیہودہ خیالات کا اظہار کیا گیا ہے۔ لطف یہ ہے کہ مذہبی جنون میں ان ان کتابوں پر طعن کیا ہے جنہیں کوئی انعام نہیں دیا گیا۔ مثلاً ریوتی شرن شرما کی دیپ شکھا۔ ذکی کو اس کا علم نہیں لیکن تمام پڑھے لکھے لوگ جانتے ہیں کہ ریوتی شرن شرما صرف اردو کے ہی نہیں بلکہ ہندوستان کی تمام زبانوں کے صف اول کے ڈرامہ نویس ہیں۔ کم علمی اور فرقہ وارانہ ذہن کا کیا علاج؟

توازن قائم کرنے کیلئے کچھ مسلم ادیبوں کے بارے میں بھی لکھا گیا ہے۔ لیکن برائے نام۔ اور پھر دوسرے اور تیسرے درجہ کے ادیبوں اور شاعروں کا انتخاب کیا گیا ہے۔ خواجہ احمد فاروقی کے بارے میں سب جانتے ہیں کہ وہ غیر ادیب، غیر نقاد اور غیر محقق ہیں۔ ان کی آج تک کوئی ایسی کتاب شائع نہیں ہوئی جس پر ہزاروں اعتراضات نہ ہوئے ہوں۔ ان کی بیشتر کتابیں دوسرے لوگوں کی مرتب کی ہوئی ہیں اس لئے کوئی معمولا سنجیدگی سے ان کی تحریریں نہیں پڑھتا۔ ان کے نام سے شائع ہونے والے (اگرچہ یہ کام دوسرے لوگوں کا تھا) "انتخاب" "حصہ منتخبہ" کے بارے میں قاضی عبدالودود نے اپنا مضمون ابتدائیہ سے شروع کیا تھا۔

• اگر طالب علم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ ترتیب متن کا کام کس طرح نہیں کرنا چاہئے تو انہیں غلطیوں کی اس پوٹ کو دیکھنا چاہئے" (خواجہ صاحب کی ایک کتاب میں اتنی غلطیاں ہوتی ہیں کہ مالک رام کی تمام کتابوں میں نہیں ہونگی مگر اس معاملہ میں دلی یونیورسٹی کے شعبۂ اردو کے یہ لوگ خاموش رہتے ہیں بلکہ خواجہ کو جھنڈے پر چڑھائے رہتے ہیں) ایسے شخص کے بارے میں ذکی کا ارشاد ہے۔ "خواجہ احمد فاروقی اردو کی بہت بزرگ اور قابل قدر شخصیت ہیں انہیں شخصیت کا بڑا انعام دیا جاتا تو زیادہ مناسب اور صحیح ہوتا۔" رشید حسن خاں کی کتاب ہے "اردو املا"۔ اردو املا پر سارا کام انجمن ترقی اردو کے لئے ڈاکٹر عبدالستار صدیقی، عرشی رام پوری وغیرہ نے کیا تھا۔ رشید حسن خاں کا کارنامہ یہ ہے کہ ان بزرگوں کی محنت کو غصب کرکے اس میں چار ہزار سے اوپر غلطیوں کا اضافہ کرکے ترقی اردو بورڈ سے تقریباً بارہ ہزار روپیہ ٹھگے ہیں۔ ہم اگلے شمارے سے اردو املا پر قسط وار مضمون شروع کر رہے ہیں جس سے اس کتاب کی "عظمت" کا راز ہمارے پڑھنے والوں پر بھی کھلے گا۔ رشید کے بارے میں ذکی نے لکھا ہے کہ "اردو املا قابل قدر تصنیف ہے اسکی غیر معمولی اہمیت اور افادیت سے انکار مشکل ہے۔" اب آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ آنند نارائن ملا اور مالک رام کے خلاف گھناؤنی سازش کون کون لوگ شریک ہیں۔ ابھی تو صرف تین نام سامنے آئے ہیں ذکی فاروقی اور رشید۔

اکیڈیمی کی انعام کمیٹی کے بارے میں ذکی کا خیال ہے کہ ..."اعمال نامہ"

پڑھ کر ہمارا خیال تھا کہ اس کمیٹی کے رکن صرف ملا ہیں چونکہ معتوب صرف وہ ہونے ہیں ہر صفحہ پر ان کے متعلق مضحکہ خیز باتیں کہی گئی ہیں "جماعتا" دوبارہ غور سے پڑھنے کے بعد معلوم ہوا کہ ایک حاشیہ میں تین نام اور دئے گئے ہیں علی جواد زیدی، محمد حسن، اور محمود الٰہی زخمی۔ ان تینوں کے بارے میں پوری کتاب میں ایک لفظ بھی نہیں لکھا گیا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر انعام غلط کتابوں پر دیئے گئے ہیں تو ذمہ داری انعام کمیٹی کے تمام ممبران پر ہے نہ کہ صرف آنند نارائن ملا پر۔ یہ ہم جانتے ہیں کہ زیدی، محمد حسن اور زخمی اس پائے کے ادیب اور نقاد نہیں کہ کتاب کی خوبی اور خرابی پر انکی نظر جا سکے لیکن مدرس ہونے کے ناطے یہ لوگ تھوڑی بہت تو پائے ہوتے ہونگے اب۔ اگر ان کی رائے پر عمل نہیں کیا جاتا تو

یہ بددیانتی سے کیوں کام لیتے ہیں انہیں استعفیٰ دے دینا چاہیئے۔ اور اگر ان کی رائے شامل ہے تو پھر ذکی نے انکی "خدمت" کیوں نہیں کی۔ اب گویا ہمارے پڑھنے والوں کو اس سازش میں شریک تین نام اور ملے اور کل ہوئے چھ۔ گھبرائیے نہیں ابھی بیٹے کے اندرسے کئی کبوتر اور نکلینگے۔

یہاں برسرِ تذکرہ ایک بات اور عرض کردیں دہلی میں بارہا ہمیں گوپی چند نارنگ اور دہلی یونیورسٹی کے شعبۂ اُردو کے اُساتذہ کی تقریریں سننے کا موقع ملا ہے۔ ہم خدا کو حاضر ناظر جان کر کہتے ہیں کہ نارنگ کا ان لوگوں سے مقابلہ ایسا ہی ہے جیسے ٹی بی کے کچھ مریض اپنی موت کو بھول کر رستم سے لڑنے میدانِ جنگ میں اُتر جائیں۔ اس کے باوجود بالکل بے موقع اعمال نامہ میں نارنگ کی ایک تقریر پر کیچڑ اُچھالنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جب بات چلی ہے تو ایک اور سن لیجئے۔

قمر رئیس۔ ان کی تعلیمی صلاحیت صرف اتنی ہے کہ ڈیڑھ دو سال ... میں بچوں کو الف۔ ب۔ ت پڑھائے ہیں اور وہاں سے اتنا پیسہ کما کر لائے ہیں کہ ڈیڑھ دو لاکھ کی کوٹھی بنوائی ہے اور تیس ہزار روپیہ کی کار خریدی ہے۔ ہر چھوٹے بڑے ادیب شاعر اور سرکاری افسر کو گھر بلا کر شراب پلاتے ہیں۔ مزے دار کھانے کھلاتے ہیں ... صاحب اور گجرال صاحب کی کوٹھیوں کے چکر لگاتے ہیں اور ... سواروں میں شریک ہونے کے لئے کوشاں رہتے ہیں کیونکہ ان کے پاس کرنے کے لئے کوئی کام نہیں ہے اس لئے سازشوں میں ... بھی ادا کرتے ہیں۔

اگلے شمارے میں ہم "اردو تحقیق اور مالک رام" کا جائیزہ لیکر بتائیں گے کہ اس سازش کا مقصد کیا ہے۔ اس کے علاوہ اس سازش میں شریک ذکی کاکوروی۔ خواجہ احمد فاروقی۔ رشید حسن خاں۔ محمد حسن۔ محمود الٰہی زخمی۔ علی جواد زیدی۔ اور قمر رئیس کی ادبی شخصیت اور ذاتی زندگی کا جائیزہ لینگے۔ اس سازش کے بارے میں ہمیں تمام تفصیلات حاصل ہو چکی ہیں۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ اس میں دہلی یونیورسٹی اور لکھنؤ کے کون کون سے پست ذہنیت رکھنے والے لوگ شریک ہیں۔ وہ کہاں پر ملتے ہیں، کس سے مشورے کرتے ہیں کن لوگوں کو اور کیوں نشانہ بنانا چاہتے ہیں۔ یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ خدا کا شکر ہے کہ اس سازش میں کوئی بھی ایسا شخص نہیں ہے جسے ذہانت چھو گئی ہو۔ ورنہ یہ سازش اردو کی ترقی و فروغ کے راستے میں بہت بڑی رُکاوٹ ثابت ہو سکتی تھی۔ اردو ہمارا اوڑھنا بچھونا ہے۔ ہماری زندگی کی عزیز ترین چیز اردو ہے اس لئے ہم اس گھناؤنی سازش کا پردہ چاک کر رہے ہیں۔

انجمن کے

دہلی آنے پر ہمیں خیال تھا کہ اب انجمن ایک روشن خیال اور سیکولر نوجوان کے ہاتھ میں آئی ہے۔ ہم نے خود اپنے گھر پر نئے سکریٹری کو دعوت دے کر اس کا استقبال کیا تھا۔ لیکن ہمیں افسوس ہے کہ نئے تقررات کرتے ہوئے موجودہ سکریٹری نے بھی وہی رویہ اختیار کیا جو ان کے پیش رو کا تھا۔

اس ادبی سازش میں ایک نام اور بھی شامل کر لیجئے۔ اور وہ ہے

برقِ تبسم کا اجراء

مُلک کے مشہور صحافی اور شاعر جناب تبسم علی ... مدیر ... "... " کے مجموعۂ کلام برقِ تبسم کا اجراء سوخ پت میونسپل پارک کے سبزہ زار پر ہریانہ کے ہردلعزیز وزیر ... لال صاحب (وزیر مال) کے ہاتھوں سے ہوا۔ اس موقع پر سونی پت کے کمشنر جناب ایم۔ ڈی اشمانہ اور ایس۔ ڈی۔ ایم جناب ... قریشی

اور [illegible] کے دیگر افسران اور سونی پت کی معززین شہر کی ایک بہت بڑی تعداد موجود تھی۔ پنڈت چرنجی لال صاحب اور دوسرے معززین نے تبسم صاحب کی صحافتی، سیاسی، سماجی اور شاعرانہ سرگرمیوں کی جی بھر کر داد دی اور تبسم صاحب کو پھولوں سے لاد دیا۔ اگر اس موقع پر تبسم صاحب کی اہلیہ محترمہ موجود ہوتیں تو وہ اپنے مجازی خدا کی اس عزت افزائی پر پھولی نہ سماتیں۔ تبسم صاحب کی صاحبزادی اور جناب شنگاری صاحب کی اہلیہ عزیزی نگینہ نے تبسم صاحب کی ایک غزل سنا کر ایسا سماں باندھا کہ جنت سے بیگم تبسم کی روح نے بھی دعائیں دی ہونگی۔ مشہور قوالہ تسیم بانو آف آگرہ نے تبسم صاحب کی متعدد غزلوں اور دیگر کلام سے سامعین کو خوب خوب محظوظ کیا۔

یونس دہلوی کے صاحبزادہ کی شادی خانہ آبادی

شمع گروپ کے چیف الحاج حافظ محمد یوسف صاحب کے پوتے اور زینت کوثر محمد یونس دہلوی کے صاحبزادے عزیز محمد اسلم دہلوی کی شادی جمعرات ۱۶ اکتوبر ۱۹۷۵ء کو آسیہ چھابڑہ بیگم و جناب حافظ شیخ محمد یحییٰ چھابڑا کے ساتھ نہایت سادہ اور عمدہ طریق سے انجام پائی۔ تقریب نکاح مسجد شاہی عیدگاہ میں ادا کی گئی جہاں پر ہزارہا معززین شہر نے شرکت فرمائی۔ جونہی مائک سے کلام پاک کی دلنواز آواز آنی شروع ہوئی لگ رہا تھا کہ عیدگاہ کے عقب قبرستان پچابیان سے دولہا کی دادی (مرحومہ) کی دعائیں سنائی دے رہی ہیں۔

دوسرے روز ۱۷ اکتوبر کو مالکان شمع کی رہائش گاہ سردار پٹیل مارگ نئی دہلی پر عصرانہ دیا گیا جس میں ہزارہا معززین نے شریک ہو کر دولہا اور دلہن کو دعائیں دیں۔ صدر جمہوریہ ہند عالیجناب فخر الدین علی احمد صاحب بھی اس موقع پر تشریف فرما تھے۔ عزیز محمد اسلم دہلوی کی مبارک شادی پر ہم جناب [illegible] صاحب اور جناب یونس دہلوی صاحب، بیگم زینت کوثر صاحبہ ادریس صاحب اور الیاس صاحب کو مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ خدا دولہا اور دلہن کو اپنے جملہ متعلقین کے ساتھ ہمیشہ خوش و خرم رکھے۔

اس نمبر کا ایک ایک صفحہ ایک ایک سطر ایک ایک حرف پڑھنے اور سوچنے سمجھنے کی دعوت دیتا ہے۔ ماہنامہ "شمع"

جیسے جیسے میں اُسے پڑھتی گئی میرے ذہن میں ایک دریچہ کھلتا گیا۔ سلمیٰ صدیقی۔

ہندوستانی مسلمان نمبر، مختلف مذہبوں اور فرقوں کو ایک دوسرے کے قریب لاتا ہے۔ رامانند ساگر

"گگن" کا شاندار دستاویزی

ہندوستانی مسلمان نمبر

جس میں اُردو زبان کی تاریخ میں پہلی بار ہر مکتبِ سیاست کے مستند قلمکاروں نے حصّہ لیا ہے۔!

پچھلی ایک صدی میں اتنا منفرد نمبر شائع نہیں ہوا۔ جس نے اس نمبر کا مطالعہ نہیں کیا اس کی معلومات ادھوری ہیں۔

ہر صاحبِ ذوق اور ہر لائبریری کے لئے ضروری۔

صفحات 628 — قیمت ۱۵ روپے — ڈاک خرچ 3 روپے

مسؤل ایجنٹ: ماہنامہ شانِ ہند فلیٹ ۳ انصاری مارکیٹ۔ دریاگنج نئی دہلی ۲—۱۱۰۰۰

گایتری

نانک۔ الٰہ آبادی

زینتِ بانگِ درا ایک نظم ہے اقبالؔ کی
جس کا عنوانِ مقدس ہے بہ غرض گایتری
ترجمہ مندرج ہے جس کا بنامِ آفتاب
پیش کش اقبالؔ کی یہ نظم بھی ہے لاجواب
نظم اپنے آپ میں ہے آفتابِ کُل جہاں
یا اُسے کہیئے کہ ہے وہ جلوۂ کون و مکاں
آفتابِ دہر کی اس میں بیاں ہیں خوبیاں
ہیں اُجاگر جس میں فنّی شاعرانہ شوخیاں
الغرض یہ نظم ہے اقبالؔ کی کارِ ثواب
عام انساں جس سے ہو سکتے ہیں پڑھ کر فیضیاب
ہاں مگر تنہا نہیں گایتری بس آفتاب
عظمتِ مفہوم جس کی ہے سراسر بے حساب
بعد مدت دہلی شانِ ہند میں اک دوسری
ہو چکی شائع خدا کا شکر ہے گایتری
نظم گویا یہ بھی اک اُستادِ فن شاعر کی ہے
جو بہر صورت فرمنع حضرتِ قاصرؔ کی ہے
حضرتِ قاصرؔ وہ فنّی شاعرِ اعلیٰ کمال
جن کی تخلیقِ ادب بنتی ہے دولت لازوال
ہاں مگر گایتری سے یہ بھی کوسوں دور ہے
حمد یہ اک نظم ہے مفہوم سے بھرپور ہے
حضرتِ قاصرؔ بھی جس کا کر چکے ہیں اعتراف
ہے نہیں گایتری خود کہہ چکے ہیں صاف صاف

ہے غرض حرفِ الف (ALIF) مظہر مری آواز کا
ہے تقاضا قدرتی جو میرے دل کے ساز کا
واؤ (WHO) کا مفہوم ہے اُوپر فقط عرشِ بریں
ارتقا مدِ نظر ہے چھوڑ کر فکرِ زمیں
میم (MEEM) کے معنی ہیں بس رُوحانیت کی ارتقا
ہے بشر کو خود کو پستی میں نہ بھولے سے گرا
کہتی ہے آواز سے خود اپنی رُوحِ دلنشیں
میں ہوں جزو کُل سے ملا لے چل مجھے عرشِ بریں
خواہشِ عرشِ مُعلّیٰ ہے اشارہ اوم (OM) کا
رُوح کو مطلوب ہے گویا اشارہ اوم کا
بھور (BHOOR) کا مطلب ہے بھوتل بس یہی بزمِ جہاں
ہے بشر آباد جس میں کارواں در کارواں
معنی لفظِ بھووہ (BHU-AH) ہے آسمانی یہ خلا
جس سے ہے عرشِ معلّےٰ کا درِ عالی ملا
سوزگ کا مفہوم ہے لفظِ سُووَہ (SO-WAH) سے آشکار
سمجھو تینوں لفظ میں ہے تین لوکوں کی بہار
اور لفظِ تت (TAT) سے ہے اُس مالکِ کُل کا خیال
رُوح کو مطلوب ہے ہر شکل میں جس کا وصال
پھر سبتر (SABITUR) لفظ سے مقصود تنہا آفتاب
جس کی خیرہ کُن تجلّی ہے رُخِ کُل کی نقاب
جان کو ہے بس اسی اک جلوۂ کُل کی ہوس
یاد کرتی ہے جسے ہر وقت ہر موجِ نفس
آدمی خود لے کے جس سے نُور بنتا ہے خبیر
دیکھو سورج ہی سے ہوتا ہے بشر روشن ضمیر
معنی لفظِ ورینم (WORANNYO) ہے خود جلالِ آفتاب
آدمی کرتا ہے جس سے خود تجلّی اکتساب
ہے غرض خورشید ہی نُور ایسا ذی کمال
عظمتِ کُل جس [illegible]

گایتری

الغرض لکھتا ہوں میں جو کچھ ہے گایتری کتھا
[illegible] اک لفظ میں یہ [illegible] گویا ہر [illegible]

(OM) (BHOOR BHUAH SWAH)
ہے الغرض - یہ کہ ہم میں اپنا ہے کیسا بھید
جس پہ قرباں ہیں عقلیں اور کتب و فلسفہ و حکمت و شعر و ادب
(BHARGO-DEWASSYE)
بھرگو دیوس کے ہیں معنی وہ معظم دیوتا
روشنی جس کی ہے بحر و بر میں ہر سو نشو و نما
(DHEE)
دھی سے دھارن کا ہے مطلب دلیں کرلوں اختیار
ذہن کو جو بخش دے پھر نور لافانی بہار
(MAHI DHIO)
مہی - دھیو الفاظ کرتے ہیں عطا وہ رہبری
جس سے میری عقل پاتی ہے مسلسل روشنی
(YEO NAH)
لفظ یو نہ کہہ رہا ہے اے مری عقل رسا
ہو منور ایسی کچھ بن جاؤں میں حق آشنا
(PARCHO-DAYAT)
آخری ہے لفظ گایتری کا جو پرچو دیات
روح پا جاتی ہے جس سے مرنے جینے سے نجات
الغرض گایتری کا سننا مطلب مختصر
خاک سے پیدا ہوا دھرتی پہ ہر خاکی بشر

(TAM) (RAJ) (SAT)
یعنی ست، رج اور تم سے ہے بنا آدمی
ہے انھیں تینوں پہ بس موقوف رازِ زندگی
(SAT) (RAJ)
ست سکھے جان کو رج ہے ہوا کی بدلی
(TAM)
ہے چڑھا محسن پر مرے تاریک تم کا پینہ
اس لئے حاصل مجھے ہو جائے وہ دنیا میں گیان
جو بلا دے گل سے مجھ کو چھوڑ دوں فانی جہاں
آریہ ویدوں کی پیاری روح ہے گایتری
زینۂ بخشش مکمل ہے غرض ساوتری

GAYETORI

OM_BHOOR_BHUAH_SWAH-
TATS_WITURE_RENN-YAM
BHARGO-DEWASSYE_DHEE_MAHI
DHIO YEO NAH PARCHODAYAT

شاعرِ انقلاب حضرت جوش ملیح آبادی کی خود نوشت داستانِ حیات

یادوں کی برات

جس کے کچھ اقتباس آپ "شانِ ہند" کی گذشتہ اشاعتوں میں مطالعہ فرما چکے ہیں "یادوں کی برات" کا ایک باب "میرے معاشقے" ایسا ہے جسے صرف جوش ہی لکھ سکتا تھا مردِ پرستی کا اعتراف اور حیرت انگیز معاشقوں کی داستان ایسے دلچسپ انداز میں لکھی گئی ہے کہ آج تک یہ اندازِ تحریر نہ کسی کو حاصل ہو سکا ہے اور نہ آئندہ ہوگا۔ اس کے علاوہ ایسے ایسے لطائف اور چٹکلے اس کتاب میں ہیں کہ آپ پڑھتے پڑھتے مجبور ہو جائیں گے کہ یہ سب کچھ جوش کے علاوہ کوئی اور لکھ ہی نہ سکتا تھا۔

یہ کتاب پاکستان میں شائع ہوئی تھی مگر حکومتِ پاکستان نے اسے خلافِ قانون قرار دے دیا۔

ہر ذوقِ سلیم رکھنے والے کے لئے اس کا مطالعہ نعمت سے کم نہیں ہے۔ ہندوستان میں اس کتاب کا پہلا ایڈیشن صرف ایک ماہ میں ختم ہو گیا۔ اب دوسرا ایڈیشن ترمیم کے ساتھ شائع ہوا ہے۔

قیمت پچیس ۲۵/- روپیہ علاوہ محصول ڈاک

ملنے کا پتہ - دفتر شانِ ہند فلیٹ نمبر ۳ انصاری مارکیٹ - دریا گنج نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

مشاعرہ میلہ گوگھال سہارنپور

آج کوئی بھی تقریب ہو اس کا ایک جزو مشاعرہ ضرور ہوتا ہے نہ جانے کتنے ہی حضرات یوں خوش فہمی کا شکار کیوں ہیں کہ اس طرح اردو زندہ رہے گی اور اردو کا فروغ ہوگا۔ شاید ان حضرات کو علم نہیں ہے کہ آج کے مشاعرے صرف بطور قوالی کے سنے جاتے ہیں ورنہ اس سے زیادہ مشاعروں کی اور کیا اہمیت ہو سکتی ہے جب مشاعروں میں آنے والے پہلے دریافت کرتے ہیں کہ کون کون سے شاعر آرہے ہیں اگر ان کے پسندیدہ اور گلوکار شاعر آتے ہیں تو وہ شرکت کرتے ہیں ورنہ یہ کہکر چل دیتے ہیں کہ کون نیند حرام کرے یا بقول ہلال رامپوری کے کہ ممبئی کے ایک مشاعرے سے جب لوٹ رہے تو راستہ میں اس مشاعرہ پر تبصرہ کرتے ہوئے سامعین اور اہل ذوق آرہے تھے ان میں سے ایک بنگالی [illegible] کہہ رہا تھا کہ دو مغنیے خوب رہے ایک [illegible] اور دوسرا ہلال رامپوری۔ جب سامعین کا اردو نوازی کا یہ عالم ہو تو اردو کا خدا ہی حافظ ہے یا پھر شعرا کو منہ مانگے دام مل رہے ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ اچھی بات ہے جب مشاعروں کے منتظمین خوب خوب دولت کماتے ہیں تو شعرا کیوں نہ کنوینر صاحب کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے اپنے مطالبات پورے کرائیں۔ آج کے مشاعرے کاروباری سے ہو کر رہ گئے ہیں۔ اب دیکھئے نا کہیں بھی میلہ ٹھیلہ، عرس، تہنیتی، شادی، ختنہ، یا اور کوئی تقریب ہو مشاعرہ لازمی ہوگا۔ اس سے اردو والے بڑی غلط فہمی کا شکار ہو چلے ہیں کہیں اس طرح بھی اردو ہی کیا کوئی بھی زبان زندہ رہ سکتی ہے یہ ایک فریب ہے یہ اردو کو زندہ رکھنے کا صحیح طریقہ نہیں ہے میں بھی [illegible] کے باوجود مشاعروں میں شرکت کرتا رہتا ہوں۔ میں بھی شعرا کرام کے ساتھ بدسلوکی پر کبھی کبھی احتجاج کرتا ہوں اور ان کی حمایت میں دشمنی تک خرید لیتا ہوں لیکن اندازہ ہوا کہ یہ تو [illegible] [illegible] ہیں وجہ اکثریت [illegible]

[illegible] ایک مشاعرہ [illegible]

[illegible] گوگھال سہارنپور کا ایک عظیم [illegible]

بنایا گیا ہے۔ دس بج چکے ہیں لیجئے راؤ مختار علی خاں محترم محمود علی خاں سابق وزیر آبپاشی اتر پردیش کا اسم گرامی صدارت کے لئے پیش کر رہے ہیں مسٹر رضا حسین فدا تائید فرما رہے ہیں محترم محمود علی خاں ابھی ابھی [illegible] سہارنپور کے ہمراہ تشریف لائے ہیں اور اسی عالم میں مائک پہ آکر مختصر سی تقریر فرما کر تالیوں کی گونج میں مسند صدارت پر تشریف لے آئے ہیں۔ پھولوں کے ہار پیش کئے جا رہے ہیں اور پھر راؤ مختار صاحب میلہ کا تعارف محترمہ انیسہ [illegible] صاحبہ [illegible] اور بنگلہ دیش کے سلسلہ میں نہایت لاجواب تقریر فرما کر اپنی جگہ جا رہے ہیں اور حنیف سیمابی صاحب نظامت کے فرائض انجام دے رہے ہیں پہلے محترم بشیر بدر صاحب سے درخواست کر رہے ہیں بدر صاحب [illegible] بھی نہایت موزوں اور مناسب تقریر فرما کر شعرا کرام کا تعارف کراتے ارشاد ہوا ہے کہ اب میں جس شاعر کو تکلیف دے رہا ہوں وہ سننے اور دیکھنے کی چیز ہے۔ اور وہ ہے [illegible] صاحب [illegible] سے غزل چھیڑ کر محفل کو لوٹنے چلے ہیں۔

چمن میں رہ کے دل پھولوں سے بہلانا نہیں آتا
ذرا سی زندگی پر مجھ کو اترانا نہیں آتا

جہاں تک ہو سکے ہم پر ستم ڈھاتے چلے جاؤ
سمندر میں کہیں طوفاں سے گھبرانا نہیں آتا

ہمیں تو زندگی کی سخت راہوں سے گزرنا ہے
ہمارے راستے میں کوئی [illegible] نہیں آتا

ابھی ڈر ہے تو ہم اس بے وفا کو دل نہیں دیتے
کہ شیشے کو کہیں پتھر سے ٹکرانا نہیں آتا

محبت مانگنے نکلے ہیں ہم جس سے تعلق ہے
مگر دنیا کے آگے ہاتھ پھیلانا نہیں آتا

[illegible] صاحب پنڈال کو گرماکر تالیوں کے شور میں مائک چھوڑ رہے ہیں [illegible] صاحب [illegible] رامپوری کو زحمت [illegible]

[illegible] صاحب [illegible] اپنے مخصوص [illegible] غزل [illegible]

[illegible] رعنائی | کیا تماشا ہے کیا تماشائی
[illegible] آنکھوں کا | کس کو کس کے بغیر نیند آئی
[illegible] | نہ جماہی نہ کوئی انگڑائی

[illegible] صاحب بھی تالیوں کے جھنکار میں چلے گئے جتنی تعریف سنی تھی
[illegible] غزل ہی کا انتخاب [illegible] کر بیٹھے۔ وہ دیکھئے
[illegible] ہیں۔ ادھر خمار اور [illegible] لکھنوی وغیرہ آ رہے
ہیں [illegible] کے لئے مسٹر [illegible] چند صاحب اے۔
[illegible] کا نام [illegible] کیا جا رہا ہے جس پر تالیوں سے اظہار
[illegible] صاحب حکیم [illegible] کو دعوت نغمگی
دے رہے [illegible] صاحب حسب عادت یوں فناکارانہ [illegible] ترنم
سے غزل سرا ہیں ؎

جب رند پہ محفل میں ساقی کی نظر جائے
[illegible] میں وہ عالم سے بھر کیوں نہ گذر جائے

اے جان تمنا تو اتنا مجھے سمجھا دے
[illegible] کر تری محفل سے دیوانہ کدھر جائے

[illegible] شعر میں [illegible] اسعد کا فرما رہے ہیں اب دیوانہ [illegible]
[illegible] صاحب لہک رہے ہیں ؎

[illegible] کے انوار کا عالم ہے
[illegible] میں جس سمت نظر جائے

کم ظرف سمجھتے ہیں ارباب نظر ان کو
جو دل کو محبت میں آلام سے [illegible] جائے

[illegible] صاحب [illegible] کو گر کر اپنی جگہ آ رہے ہیں اور [illegible] صاحب
[illegible] کو یاد فرما رہے ہیں۔ [illegible] صاحب کچھ
[illegible] ہیں کہ مکمل تمام [illegible] کر پایا نہ جانے
[illegible] کہ سننے والے آپ کا منہ دیکھتے رہتے ہیں
[illegible] کی قوالی چل رہی ہے لیجئے آپ یہ شعر سننے ؎

صبا ان کے چہرے سے زلفیں ہٹا دے
کہ کل آئے گا دن نہ پھر رات ہوگی

پیام حیات قضا بن کے آیا
مری [illegible] ان سے کیسے ملاقات ہوگی

[illegible] صاحب جا رہے ہیں اور [illegible] صاحب [illegible] اسعدی کو دعوت

[illegible] دے رہے ہیں۔ [illegible] صاحب کا تمام سننے کی پنڈال میں تالیوں
کا ایک ہنگامہ بپا ہے اور [illegible] صاحب نہایت [illegible] اور بانکپن
سے غزل سرا ہیں ؎

[illegible] نظر میں غزل کہہ رہا ہوں
ارے بے خبر میں غزل کہہ رہا ہوں

ذرا ان کی زلفوں سے خوشبو اڑا لا
نسیم سحر میں غزل کہہ رہا ہوں

ابھی میری جانب سے نظریں نہ پھیرو
تمہیں دیکھ کر میں غزل کہہ رہا ہوں

واہ شباب پر ہے اور سلیم صاحب [illegible] کر کہہ رہے ہیں اگر اس شعر کو
میری نذر کر دیتے تو اچھا رہتا اور [illegible] صاحب اسی حال میں ترنم سے
لہک رہے ہیں ؎

مری انگلیاں نبض حالات پر ہیں
بہت سوچ کر میں غزل کہہ رہا ہوں

مرے سامنے اک مجسم غزل ہے
غزل دیکھ کر میں غزل کہہ رہا ہوں

لیجئے داد دینے والے تالیوں پر اتر آئے ہیں اور اسی عالم میں سامعین
کے اصرار پر آپ نے دوسری غزل ؎

گر نہیں کچھ دوا تو دعا بھی نہیں
تم کو بیمار کا غم ذرا بھی نہیں

سنا کر اور پنڈال کو [illegible] میں ڈبو کر تالیوں کے [illegible] میں کامران
پلٹ رہے ہیں۔ ایک صاحب شعرا کا کلام ہندی میں نوٹ کر رہے
ہیں [illegible] ہر لحظہ بڑی نہیں تو اور کیا ہے
[illegible] نہیں جانتے میرے پاس بیٹھے ہوئے اس بری طرح سے داد دے
رہے ہیں کہ کبھی کبھی تو تماشہ بن کر رہ جاتے ہیں ایک عجیب والہانہ انداز
سے سر ہلا کر اور انگلیوں کے اشارے کر کے بڑی زور سے ران پر ہاتھ
مارتے ہیں اور قریب بیٹھے ہوئے احباب کو ہر شعر پر متوجہ کرتے ہیں حد
تو یہ ہوگی کہ اسی عالم میں مجھے بھی شعر سننے پر مجبور کرتے تھے حالانکہ مجھ
سے زیادہ اور کون سنتا ہوگا۔ [illegible] صاحب [illegible] کے لئے کہا
[illegible] کو دعوت تقریر دے رہے ہیں کہ ایک صاحب کا نام [illegible]
ایک [illegible] بلند ہوئی [illegible] کس بقدر بہت اوست کہہ کر

یوں تو مرا معشوق طمنچہ سا لگے ہے
جب آنکھ چرائے تو طمنچہ سا لگے ہے

کو بھوک میں پیارے مجھے کیا کیا سا لگے ہے
کبھی کنگن لگے ہے کبھی ٹکڑا سا لگے ہے

تڑپے ہے تری یاد میں جب بھی کوئی عاشق
لنگور کے بچے کا تماشا سا لگے ہے

کھدتا ہے جب تو مری درخواست پہ سوئی
سینے پہ تمناؤں کے گھونسا سا لگے ہے

دیکھو کسی اینگل سے مذکر نہ مؤنث
اب عشق الہ آباد کا زنخا سا لگے ہے

یوں تو قہقہوں اور ہنسی مذاق کا دور سا پڑا ہے۔ لیکن اس شعر کی جدت پسند سا اور ہی شور و غل ہے۔ ارشاد ہوا ہے ؎

سر پر ترے دو بالوں کا اک رکھا ہے گھونگھر
بے چونچ کا جھولا ہوا مرغا سا لگے ہے

کباب صاحب محفل کو کباب خنداں اور قہقہہ زار بنا کر تالیوں کے بے ہنگم شور میں پلٹ رہے ہیں اور بدر صاحب پروین زیدی کھتولوی ایم۔اے کو زحمت سخن دے رہے ہیں پروین صاحبہ تالیوں کے شور میں آ رہی ہیں اور نہایت رواں دواں سنا رہی ہیں ؎

تبسم کا اُجالا ہے نہ خوشیوں کا سویرا ہے
مری قسمت میں شاید اب اندھیرا ہی اندھیرا ہے

تمنا بے سر و ساماں ہے تو ارماں ہے بسمل
مرا احساس قاتل ہے تمہارا غم لٹیرا ہے

مری آنکھوں کے پیروں میں تو ہیں اشکوں کی زنجیریں
مگر ہونٹوں کے ہاتھوں میں تبسم کا پھریرا ہے

وہ آجائیں تو آنکھ دیکھ کر شاید یہ اُڑ جائیں
کہ ہونٹوں پر خوشی کے پرندوں کا بسیرا ہے

پروین صاحبہ مناسب داد وصول کئے جا رہی ہیں اور اب بشیر بدر صاحب یوں منفرد اور شگفتہ اشعار سنا رہے ہیں ؎

ہم سے مجبور کا غصہ بھی عجب بادل ہے
اپنے ہی دل سے اٹھے اپنے ہی دل پر برسے

داد کے شور میں ارشاد ہوا ہے ؎

دل تھی جہاں پائمالی رہی
وہ بستی چراغوں سے خالی رہی

کبھی جب تمہارا خیال آگیا
کئی روز تک بے خیالی رہی

داد نقطۂ عروج سے ہوا ہے اور آپ کئی بار دہرا کر فرما رہے ہیں ؎

اُجالا سا دل میں ہمیشہ رہا
کوئی شے یہاں جلنے والی رہی

مسلسل کوئی یاد آتا رہا
سدا سر پہ پھولوں کی ڈالی رہی

ہمارے لبوں پر نہ آئی ہنسی
یہ کشتی مسافر سے خالی رہی

پھر اس جدت پہ داد ہے کہ کچھ نہ پوچھئے اور بدر صاحب [illegible] کام لیتے ہوئے تالیوں کی جھنکار میں اپنی جگہ کرسکر [illegible] کو محفل میں لا رہے ہیں ساگر صاحب فرما رہے ہیں ؎

ہم تم حسین رات ابھی کل کی بات ہے
رقصاں تھی کائنات ابھی کل کی بات ہے

اک یہ بھی رات کہ ستارے بھی سو گئے
کیا رات تھی وہ رات ابھی کل کی بات ہے

محسوس ہو رہا ہے کہ صدیاں گذر گئیں
ترکِ تعلقات ابھی کل کی بات ہے

ساگر صاحب مناسب داد پا کر اپنی جگہ آ رہے ہیں اور بدر [illegible] جواں سال جواں فکر اور مترنم شاعر مظفر رزمی کیرانوی کو دعوت [illegible] رہے ہیں رزمی صاحب یوں بزم کو لوٹے چلے جا رہے ہیں ؎

ہم تو دریا ہیں کوئی راہ بنا ہی لیں گے
آپ پتھر ہیں بتا دیجئے کہ مر جائیں گے

پنڈال میں انگڑائیاں سی لے رہا ہے اور رزمی صاحب [illegible] کیفیت طاری کر رہے ہیں ؎

محرومِ حقیقت ہیں ساحل کے تماشائی
ہم ڈوب کے سمجھے ہیں دریا تری گہرائی

پھر داد پر کسی ہنگامہ کا گماں ہو رہا ہے اور تسلیم صاحب [illegible] کھڑے ہو کر کہہ رہے ہیں جتنے آپ حسین ہیں اتنا ہی حسین مطلع کہا ہے [illegible]

رزمی صاحب مسکرا کر فرما رہے ہیں ؎

چل اے مرے ہمسایہ رنگ کے تلے بیٹھیں
دیوار سے آنگن میں اب دھوپ اتر آئی

چلتے ہوئے بادل کے سائے کے تعاقب میں
اک تشنہ لبی مجھ کو صحراؤں میں لے آئی

وہ جبر بھی دیکھا ہے تاریخ نے صدیوں کا
لمحوں نے خطا کی تھی صدیوں نے سزا پائی

پھر داد دینے والے تالیوں پر اتر آئے ہیں اور رزمی صاحب کئی بار دیر تک تالیوں کے بے ہنگم شور میں کامراں پلٹ رہے ہیں اور بزم صاحب مناسب اور موزوں الفاظ میں تعارف فرما کر کرشن بہاری نور لکھنوی سے درخواستِ کلام کر رہے ہیں نور صاحب یوں سنجیدگی سے عطا کر رہے ہیں ؎

اس نے دیوار بنا کر جو کہیں چھوڑ دیا
مقصد اتنا تھا کہ بے معنی و مطلب نہ لگی

زلیت ہے کیسے یہاں اس سے بگڑ کر جیسے
کہتا دل کہ وہی بیچ سے غائب ہو جائے

آہ اور واہ کا ایک ہنگامہ ہے آپ کئی بار دہرا کر ایک حسین غزل عنایت کر رہے ہیں ؎

کوئی سایہ نہ بلا سایۂ گیسو کی طرح
سارے جیون کی تھکن اتر گئی ہے جادو کی طرح

میری آواز تجھے چھو لے بس اتنی مہلت
تیرے کوچے سے نکل جاؤں گا سادھو کی طرح

داد کا عالم نہ پوچھئے اور آپ فرما رہے ہیں ؎

زندگی ٹھوکریں کھاتی ہے بچھڑ کر تجھ سے
تیرے ہاتھوں سے کٹے ہوئے گھنگھرو کی طرح

نور صاحب خوب خوب داد لوٹ کر کامراں و شاداں جا رہے ہیں اور اب بزم صاحب خاموش غازی پوری کو محفل میں دعوت یوں ہنگامہ کر رہے ہیں کہ آپ کو ہر شعر پر داد دی گئی آئیے آپ کو یہ حسین غزل سماعت فرمایئے ؎

نور دامن کی بینائی کی ان کو تو سنائی لوگوں نے
بیچ میں ان کی دو گھڑی پر سے یہ بات چھپائی لوگوں نے

مجھ سے پہلے وفا کا ورثہ لیا میرا ہی نشیمن پھونک دیا
الزام تو آیا بجلی پر اور آگ لگائی لوگوں نے

جب خاک نشیمن بھی نہ رہی تب لوٹ کے برسات آئی بھی
اس وقت کہاں تھی کالی گھٹا جب آگ لگائی لوگوں نے

جب وقت پڑا تھا گلشن پر مجھ سے ہی لہو کا دان لیا
میرے ہی لہو کے چھینٹوں سے ہولی بھی منائی لوگوں نے

خاموش صاحب محفل کو لوٹ کر تالیوں کے شور میں اپنی جگہ آ رہے ہیں اور بزم صاحب کسی رام لال زخمی منظفر نگری کو یاد فرما رہے ہیں۔ زخمی صاحب نے بنگلہ دیش سے لیکر اپنے استاد جناب جگن ناتھ صاحب آزاد تک کے بارے میں بتا کر ایک طویل نظم شہید وطن شیخ مجیب سے متعلق سنائی جو بعض معنوں میں ارتداد کی گئی ایک تو یہ کہ زخمی صاحب نے نظم سے پہلے تقریر شروع کی دوسرے یہ کہ آپ کی تقریر اور نظم کی طرز ادائیگی سے اندازہ ہوا کہ آپ اردو کے شاعر کم ہندی کے زیادہ ہیں اس لئے کہ آپ کا اس شعری ذوق کا تلفظ بھی صحیح نہیں تھا داد دیجئے آپ کو کہ یار لوگ تالیوں اور قہقہوں پر آ جائے مگر آپ پوری نظم ہی سنا کر بیٹھے اور اس ماحول میں جناب منظور ہاشمی پُر وقار انداز سے فرما رہے ہیں ؎

بڑے مہیب ہیں بادل بڑی شدید ہوا
ہر ایک سمت ہے طوفان سر اٹھائے ہوئے

یہ سوچتا ہوں کہ جب ناخدا بھی چھوڑ چکا
یہ کون ہے جو ہے کشتی مری بچائے ہوئے

آہ اور واہ کا ایک دھماکا ہوا ہے اور آپ فرما رہے ہیں ؎

وہ جس سے ابھی کوئی تعارف بھی نہیں ہے
جب بھی نظر آ جائے ہے اپنا سا لگے ہے

پھر داد شباب پر ہے اور اسی انداز دلربائی سے فرما رہے ہیں ؎

کبھی کبھی تو بہت انتظار رہتا ہے!
ایک ایسے شخص کا جو مجھ کو جانتا بھی نہیں

منظور صاحب نہایت شاداں پلٹ رہے ہیں اور رام بلند شہری نے ایک طویل نظم ایک لمحہ سنائی جو خوب خوب سنی گئی اور ساتھ ہی سردار چرن سنگھ جی اکمل گلیس آ جسر نے ایک طویل نظم مجاہد سنائی آپ ہر سال یہی نظم سناتے ہیں یا تو آپ کے پاس اور نظم ہے ہی نہیں یا پھر آپ کو یہی نظم زیادہ پسند ہے بہرحال آپ کو بھی خوب خوب سُنا گیا اور آپ پھر اسی

غزل کے رنگین ماحول میں چلئے اور اب سنئے شمیم جے پوری سے یہ حسین غزل ؎

ہر ایک لمحۂ شب غم ہے کیا کیا جائے
امید صبح بہت کم ہے کیا کیا جائے

وہ ناشناس محبت ہے جانتا ہوں مگر
یہ دل خلوص محبت ہے کیا کیا جائے

سمو لئے ہیں زمانے کے غم تبسم میں
زمانہ اس پہ بھی برہم ہے کیا کیا جائے

گناہگار محبت سہی مگر یارو
گناہ فطرت آدم ہے کیا کیا جائے

اس شعر پر داد نے ہنگامہ کا روپ دھار لیا ہے اور آپ انکی دلکشی سے محفل کو لوٹنے کی ٹھان رہے ہیں۔ ارشاد ہوا ہے ؎

کٹھن ہے عشق کی رہگذر
چلنے والے ذرا دیکھ کر

رہرو غم کا زاد سفر
سوز غم۔ تشنگی چشم تر

رہزن۔ رہنما۔ ہمسفر
الحفیظ والاماں۔ الحذر

داد شباب پر ہے اور آپ لہرا رہے ہیں ؎

اک نظر کے لئے ساری عمر
عمر بھر کیجئے اِک نظر

وہ پکاریں تو ہم کو شمیم
دیکھ لینا ہمیں دار پر

شمیم صاحب محفل کو مسحور بنا کر تالیوں کے شور میں جا رہے ہیں اور آپ عالم فتحپوری تالیوں کی جھنکار میں آ کر نہایت جذباتی اور پر وقار انداز سے فرما رہے ہیں ؎

یہ دَور ایک جہنم کدہ لگے ہے مجھے
ہر ایک لمحہ سلگتا ہوا لگے ہے مجھے

غموں نے شکل بدل دی ہے کچھ قدر میری
کہ آئینہ میں کوئی دوسرا لگے ہے مجھے

مری نظر میں ہے انجام خندۂ گل کا
کوئی ہنسے ہے تو روتا ہوا لگے ہے مجھے

خلوص جرم۔ محبت گناہ ہے عالم
کوئی یہ کان میں کہتا ہوا لگے ہے مجھے

عالم صاحب داد تو ہر حال میں لوٹ ہی لیتے ہیں۔ آپ ایک طویل نظم سنا کر چلے بنے اور نذیر بنارسی آئے ٹھکور گرج کے ساتھ رواں دواں رباعیات اور ایک نظم فرقہ پرستی سنا کر یہ جا اور وہ جا۔ اور میں آپ کا منہ تکتا رہ گیا آئیے پھر ایک حسین غزل مختار دہلوی سے سنئے ؎

ہمیں جس قدر ستا زمانے رہے
اپنا بھی مشکلوں کو بہلاتے رہے

ہم جئے جب تک ان سے بچھڑ کے مگر
پیتے رہے اشک ... رہے

داد ہے کہ کچھ سنائی نہیں دیتا۔ کئی بار دہرا کر لیا محفل کو مخمور بنا رہے ہیں ؎

کر لیا سب نے ہم سے کنارا
ایک نا محرم ... آتے جاتے رہے

مختار صاحب داد لوٹتے اپنی جگہ آ رہے ہیں اور آپ کے ساتھ ہی اس محفل شعر و سخن کا پہلا دَور ختم ہو رہا ہے دوسرے دَور میں دو ایک شاعر تھے اور کئی شعراء کو ہنسی مذاق میں اڑا دیا گیا ادھر سحری کا وقت قریب ہے لہٰذا مشاعرہ ختم کرایا جا رہا ہے۔

یہ مشاعرہ محترمہ اندرا گاندھی صاحبہ کے بیس نکاتی پروگرام کا ایک جزو بھی تھا آپ ایمان سے کہئے کتنے شعراء نے اس موضوع سے اتفاق فرمایا؟ سوال تو یہ ہے کہ آنے والے شعراء کو بتلایا بھی گیا تھا کہ آپ کو موضوع پر کچھ پڑھنا ہوگا غالباً ایسا نہیں بتلایا گیا۔ اس مشاعرہ کا ایک دلچسپ اور تکلیف دہ پہلو یہ بھی ہے کہ مشاعرہ کے بعد علاوہ دو ایک شعراء کے کسی بھی شاعر کو منتظمین مشاعرہ نے پوچھا تک نہیں کہ وہ کس حال میں اور کہاں ہیں حالانکہ اس سے پہلے کبھی بھی ایسا نہیں ہوا۔ مشاعرہ کے بعد ذرا دیر کے لئے اگر شعراء کے پاس میونسپلیورڈ کے ایک ممبر ... جناب حقیقت ... صاحب تھے اور جب شعراء نے اپنے مطالبات کا تقاضا شروع کیا کیونکہ کئی حضرات کو ملی اسٹیج ہی قریب سے گنتو جانا تھا۔ پہلے سیمابی صاحب یہ کہتے رہے کہ رضوان صاحب کنوینر مشاعرہ جو تھا کو گاڑی لینے کے لئے گئے ہیں اور پھر یہ کہہ کر خود نو دو گیارہ ہو گئے کہ میں انکو جا کر دیکھتا ہوں اب شعراء بے یار و مددگار بے بسی کے عالم میں تھے جن شعراء نے روزہ رکھنا تھا انھوں نے ہوٹلوں میں جا کر کھانا کھایا اور اسی وقت شمیم زیدی و پرویز زیدی خدا ان کا بھلا کرے کہ آخر اسد دل کے مرتضیٰ ... صاحب کو جو سو رہے تھے اٹھا لائیں انھوں نے آ کر فرمایا کہ میں تقاضہ تو م دے چکا ہوں تعجب ہے کہ ابتک آپ لوگوں کو رقم نہیں دی گئی بیچارے بدنام کیا جا رہا تھا اور وہ بھی حقیقت صاحب کی تلاش میں ساتھ گئے انکو کنوینر بنانا ہی ان کے ساتھ زیادتی تھی اس لئے کہ یہ دل کے مریض اور چلنے پھرنے سے معذور ہیں اس کے بعد شمیم و پرویز نے ہمت کی اور راؤ مختار علی خاں صاحب کو پکڑ لائیں۔ انھوں نے نہایت شرافت اور میز بانی کا ثبوت دیا جن شعراء کا روزہ نہیں تھا فوراً ہی ان کو ناشتہ کرایا اور پھر مشاعرہ کے ارکان کو بلوایا گیا اس طرح صبح کی طرح تو کچھ اور شام تک کئی شعراء کو ٹھہرنا پڑا۔ یہ سراسر زیادتی اور ناانصافی تھی ایک موڑ یہ آیا کہ اب فلاں صاحب تو ہیں اور فلاں صاحب نہیں ہیں لہٰذا اسی طرح کنوینر سے لیکر خزانچی تک دوپہر تک آئے اور بخدا خدا کر کے شعراء کے مطالبات پورے کئے گئے۔ آج دوپہر کو بھی میونسپلیورڈ ... ایک ...

تروش یزدانی اعظم آباد

غالب اپنے طنز و مزاح کے آئینہ میں

مرزا غالب کے یہاں ایک روز دوپہر کا کھانا آیا اور مہمانوں کے لئے دسترخوان بچھایا گیا۔ مہمان کچھ زیادہ نہیں تھے۔ مگر ان کے لحاظ سے برتن بہت زیادہ تھے۔ یہ اس پر طرہ یہ کہ برتنوں کے مقابلہ میں کھانے کی مقدار بہت قلیل تھی۔ مہمان ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے مرزا نے یہ بات بھانپ لی اور مسکرا کر کہا....

اگر برتنوں کی کثرت کا خیال کیجئے تو میرا دسترخوان یزید کا دسترخوان معلوم ہوتا ہے۔ اور کھانے کی مقدار کو دیکھئے تو بایزید کا

ایک دن اتفاق سے رمضان کے مہینے میں مرزا صاحب لو دھوپ سے بچنے کے لئے ایک تنگ و تاریک کوٹھری میں بیٹھے کسی کے ساتھ شطرنج کھیل رہے تھے کہ مفتی صدر الدین آزردہ دوپہر کے وقت مرزا سے ملنے چلے آئے۔ مرزا کو اس طرح رمضان کے مہینے میں شطرنج کھیلتے دیکھ کر مفتی صاحب نے کہا....

"مرزا صاحب ہم نے حدیث میں پڑھا تھا کہ رمضان کے مہینے میں شیطان مقید ہوتا ہے۔ مگر آج اس حدیث کی صحت میں کچھ شبہ سا ہو رہا ہے۔"

"قبلہ حدیث بالکل صحیح ہے مگر بات یہ ہے کہ جہاں شیطان مقید رہتا ہے وہ یہی کوٹھری ہے۔"

ایک مرتبہ کسی صاحب نے مرزا غالب کے سامنے شراب کی برائی اور مذمت کی۔ مرزا صاحب دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتے رہے اور جب وہ رک گئے تو ان صاحب سے پوچھا

"آخر شراب میں ایسی کون سی برائی ہے؟"

وہ صاحب بولے۔ "حضرت سب سے پہلی برائی تو یہی ہے کہ شرابی کی دعا قبول نہیں ہوتی۔"

مرزا مسکرائے اور کہا۔ "ذرا یہ تو بتائیے کہ جس کے پاس شراب ہے پھر اس کمبخت کو اور کون سی دعا کی ضرورت ہے۔"

ایک دن کسی محفل میں شعر و سخن کا ذکر آیا تو مرزا غالب نے مولوی امام بخش صہبائی سے کہا

مولانا! آپ نے کیا عجیب و غریب تخلص رکھا ہے عمر بھر میں ایک چلو بھی پینا نصیب نہیں ہوئی اور صہبائی تخلص رکھا ہے سبحان اللہ قربان جائیے اس اتقا کے اور صدقے جائیے اس تخلص کے۔

مولانا فضل حق خیر آبادی اور مرزا غالب کے بڑے گہرے بے تکلفانہ مراسم تھے۔ مولانا کی عادت تھی کہ جب ان سے ان کا بے تکلف دوست ملنے آتا تو جوش محبت میں خاقانی کا ایک مصرع پڑھا کرتے تھے

ایک دن مرزا غالب مولانا سے ملنے گئے چنانچہ حسب عادت مولانا نے انہیں دیکھتے ہی فرمایا

بیا برادر آ درے بھائی

اور مرزا کی تعظیم کو اٹھ کھڑے ہوئے۔ مرزا تو نہ بیٹھے ہی تھے کہ اتنے میں مولانا کی منکوحہ بھی دالان سے اٹھ کر آئی اور مرزا کے پاس بیٹھ گئی تو مرزا نے مولانا سے مخاطب ہو کر کہا

ہاں مولانا! اب دوسرا مصرعہ بھی فرما دیجئے

بنشیں مادر بخورہ ری مائی۔

یہ سن کر مولانا جھینپ گئے۔

بھوپال کے ایک صاحب دلی سیر کی غرض سے تشریف لائے اور مرزا غالب سے ملے مرزا بھی حسب معمول بڑی خوش اخلاقی سے ان کے ساتھ پیش آئے۔ ایک دن یہ صاحب مرزا سے ملنے اس وقت آگئے جب مرزا کے شغل جام و مے کا وقت تھا۔ چنانچہ معمول کے مطابق شراب کا شیشہ اور گلاس سامنے رکھا تھا صاحب موصوف کو یہ خبر کہاں تھی کہ مرزا غالب کو یہ شوق بھی ہے۔ اتفاقاً انھوں نے باتوں باتوں میں

شراب کا شیشہ ہاتھ میں اٹھالیا تو قریب ہی بیٹھے ہوئے کسی آدمی نے کہا

جناب یہ شراب ہے۔"

یہ سنتے ہی ان بھوپالی صاحب نے جھٹ سے شراب کا شیشہ رکھ دیا اور بولے۔ میں نے تو اسے اپنے مشروب کے دھوکے میں اٹھالیا تھا۔"

یہ سن کر مرزا صاحب نے کہا

زہے نصیب دھوکے دھوکے میں نجات ہوگئی ساتھ مسکرا دیئے۔

مرزا کے کسی عقیدت مند نے ایک بار انہیں عمدہ عمدہ آموں کا ایک ٹوکرا بطور تحفہ بھیجا۔ مرزا وہ ٹوکرا کھولنے لگے تو کسی نے کہا۔ یقیناً اس میں شراب ہوگی۔"

ٹوکرا اس عرصہ میں کھل چکا تھا۔ غالب نے اسے دیکھ کر فرمایا

جی نہیں یہ لطف خاص نہیں۔ فیض عام ہے۔"

ایک دن نواب کلب علی خاں صاحب لفٹننٹ گورنر سے ملنے بریلی جارہے تھے۔ روانگی کے وقت جہاں اور بہت سے لوگ تھے مرزا غالب بھی موجود تھے۔ مرزا غالب سے رخصت ہوتے ہوئے رسماً نواب کلب علی خاں صاحب نے کہا

اچھا مرزا صاحب آپ کو خدا کو سونپا۔

مرزا صاحب نے کہا۔ حضور غضب ہے"

نواب صاحب نے کہا۔ کیوں؟

خدا نے تو مجھے آپ کے سپرد کیا تھا۔ آپ پھر خدا کے سپرد کئے دیتے ہیں۔ مرزا نے متانت سے کہا۔

بقیہ صفحہ ۱۳

مشاعرہ کا اعلان تھا لہٰذا شعراء کو اس طرح پریشان کر کے روکا گیا جو سب نے برا منایا اگر اس مشاعرہ میں ان سب کو شریک ہی کرنا تھا تو ان سے درخواست کرتے یہ طریقہ نہایت تکلیف دہ تھا۔ میں کہہ نہیں سکتا کہ کتنے شعراء نے اس مشاعرہ میں شرکت کی ہوگی۔ کیونکہ لکھنؤ وغیرہ کے شعراء تو اپنا سامان اٹھا کر ریسپشن کے لئے اسٹیشن چلے گئے تھے اب رہ گئے مقامی شعراء حضرات تو اس مشاعرہ میں پڑھنے کیلئے بے چین نظر آرہے تھے۔ رات کے مشاعرے میں بھی مقامی حضرات کو نہیں پڑھوایا گیا یہاں پر ظلم ہی تو تھا نہ جانے کتنے شعراء نے ہفتوں پہلے اپنے کلام کے پڑھنے کی ریہرسل کی ہوگی اور عین مشاعرہ کے وقت اعلان کر دیا گیا کہ مقامی شاعر نہیں پڑھ سکیں گے۔ اب اس اعلان پر ان پر کیا گذری ہوگی اس کا صحیح اندازہ شعراء کرام ہی کر سکتے ہیں۔ بہر حال مجھے تو مظلوم اور بے بس شعراء سے ہمدردی ہے اور میں انکے حق میں آواز حق بلند کر سکتا ہوں کیونکہ حق بات کا اظہار کوئی جرم نہیں ہے

غزل

بلدیو سنگھ ماجد

تری جستجو میں جو خود کھو نہ جائیں — نشاں تیرا پائیں تو کیونکر وہ پائیں

یہ کالی گھٹائیں یہ ٹھنڈی ہوائیں — ترے ہجر میں راس کیا مجھ کو آئیں

مرے گھر میں تشریف لاتے نہیں جو — مری یاد میں کیوں وہ دل تک آئیں

فراموش ہوں گی نہ اہلِ جہاں سے — ہماری وفائیں۔ تمہاری جفائیں

کسی کو میسر نہیں تاب جلوہ — وہ جلوے دکھائیں تو کس کو دکھائیں

یہ تحسین تیرے ہی جلووں نے بخشی — چھپیں بھی نہ لیکن نظر بھی نہ آئیں

مناؤں کی حسرت ہو کیوں مجھ کو تمنا — مرادے رہی ہیں کسی کی جفائیں

زندگی زندہ دلی کا نام ہے

لطائف و ظرائف انسانی زندگی کے ہر دور میں زندہ دلی کا نشان رہے ہیں۔ موجودہ دور کے لطائف و ظرائف سے اگر آپ کچھ لمحوں کے لئے زندہ دل رہنا چاہتے ہیں تو سردار برجمجن سنگھ مہتہ کی تصنیف لطیف

"دور بین"

کا مطالعہ کیجئے جس میں آپ کو ہر قسم کے لطیفے ملیں گے۔ یہاں تک کہ غیر مہذب لطیفے بھی اس کتاب میں کہیں کہیں نظر آئیں گے۔

قیمت جلد اول ساڑھے تین روپیہ۔ جلد دوم ساڑھے تین روپیہ علاوہ محصول ڈاک۔

ملنے کا پتہ:

ایچ۔ ایس۔ مہتہ

معاذ ور کرد ہاؤس [illegible] امیری
[illegible]۔ دکرم [illegible]

نظم

ڈاکٹر [illegible] بنگلور

میں تدبیرِ انساں، میں تقدیرِ انساں | کہیں برقِ سوزاں کہیں ابرِ باراں
کسی کے جنوں کا میں چاکِ گریباں | کسی کے میں ہوش و خرد کا نگہباں
یہ سب روپ میرے میں بہروپیا ہوں
ذرا مجھ کو دیکھو میں کس کی ادا ہوں

میں قطرہ میں دریا، میں دریا میں قطرہ | میں ذرہ میں عالم، میں عالم میں ذرہ
یہی سوچتا ہوں میں، اب ہوں کہ بندہ | یہاں میرا جلوہ، وہاں میرا جلوہ
میں خود پر فدا ہوں، میں خود پر ہوں نازاں
ذرا مجھ کو دیکھو میں کس کی ادا ہوں

حقیقت میں مجھ نما ہے مرا دل | خود آئینہ خود آئینہ کے مقابل
ادھر سب میں شامل ادھر حق سے واصل | میں دونوں حقائق کا ہوں ایک حاصل
کہاں دوسرا ہوں، پرانا نیا ہوں
ذرا مجھ کو دیکھو میں کس کی ادا ہوں

گماں بھی نہیں ہوں یقیں بھی نہیں ہوں | "میں ہوں" بھی نہیں ہوں "نہیں" بھی نہیں ہوں
میں در پردہ پردہ نشیں بھی نہیں ہوں | میں ہوں جا بجا اور کہیں بھی نہیں ہوں
فنا کو بقا کا تماشا نما ہوں
ذرا مجھ کو دیکھو میں کس کی ادا ہوں

مجھے آج کس کی نمایندگی ہے | جنوں پر فدا! میری فرزانگی ہے
مری زندگی بھی عجب زندگی ہے | نہ دل ہے نہ جاں ہے نہ پابندگی ہے
میں کس کا نشاں ہوں میں کس کا پتا ہوں
ذرا مجھ کو دیکھو میں کس کی ادا ہوں

میں شیخِ حرم، دیر کا برہمن بھی | صدائے انا الحق بھی دار و رسن بھی
میں توفیق، توبہ بھی، توبہ شکن بھی | میں جانِ حقیقت بھی ہے جانِ تن بھی
میں مجموعۂ خیر و شر بن گیا ہوں
ذرا دیکھو منظر میں کس کی ادا ہوں

غزل

سید مرتضیٰ خوشتر

میں چل رہا ہوں سفر میں، تنہا مرا کوئی ہمسفر نہیں ہے | اگر سلامت ہے [illegible] فکر مجھے کسی سے بھی ڈر نہیں ہے
چھٹے کی غم کی ضرور ظلمت طے گی تسکینِ دل کی صورت | نہ خوف کھاؤ ہجومِ غم سے کسی کو غم سے مفر نہیں ہے
جہاں میں پیہم سے مصائب کہ لی سکے دردمند کوئی | ہے مجھ سب حق کہ بندے مرا کوئی چارہ گر نہیں ہے
مری نظر سے گزر چکے ہیں یہاں نشیب و فراز کتنے | وہ راز مجھ پر عیاں ہوئے ہیں کسی کو جن کی خبر نہیں ہے
[illegible] جس سے [illegible] میں نے [illegible] خوشتر | [illegible] کس پر [illegible] ہے

غزل

متین بدایونی

یہ کہہ دو اہلِ محبت سے کارواں نہ رُکے
تپشِ وفا کی بڑھے سوزشِ نہاں نہ رُکے

چمن سنوارتا جائے جو باغباں نہ رُکے
تو ایک پل کو بھی گلزار میں خزاں نہ رُکے

کرم کا چشمہ ہمیشہ رہے رواں نہ رُکے
تو آپ کی مدح میں تا حشر یہ زباں نہ رُکے

یہ اہلِ دل کا سفینہ ہے کیا خبر اس کو
کہاں قیام کرے راہ میں کہاں نہ رُکے

دیئے دلوں کے جلاؤ بلند عزم کرو
اندھیری شب میں بھی تعمیرِ آشیاں نہ رُکے

اگر ہو منزلِ مقصود لامکاں اپنی
نظر کے سامنے پھر کوئی بھی مکاں نہ رُکے

ہیں شرطِ عشق خلوص و وفا و جانبازی
ہمارے حق میں کسی دن یہ امتحاں نہ رُکے

لگی ہے آگ اگر روشنی بجھانے کو
تو جل ہی جائے متین اپنا آشیاں نہ رُکے

غزل

ہوش نعمانی

پانی بہتا ہے تو دریا کا خدا ہوتا ہے
جب ٹھہرتا ہے تو سورج کی غذا ہوتا ہے

سخت الفاظ کے پتھر مرے دل پر نہ چلا
آئینہ ٹوٹتا اے دوست بُرا ہوتا ہے

وہ کسی زلف کی ٹھنڈک میں نہ پائیگا سکوں
جو تری گرم نگاہوں کا جلا ہوتا ہے

خود کو چن لیتا ہوں جب پاس کوئی پیار نہیں
میرا ماحول بہت مجھ سے خفا ہوتا ہے

اشک جو آنکھوں میں آتے ہیں وہ پی لیتا ہوں
زندگی کیلئے یہ زہر دوا ہوتا ہے

اجنبیت کی صعوبت سے نہ گھبرا اے دوست
پیار کی راہ میں دل راہنما ہوتا ہے

کیوں تجھے دیکھ کے کشتی میں لگا ہی مجھ پر
کیا ترے رُخ پہ مرا نام لکھا ہوتا ہے

ڈوب جاتے ہیں وہ آسودہ کشتی والے دوست
جن کو طوفان کی آمد کا پتا ہوتا ہے

غزل

نبیل سعدی۔ سیادہ

وہ جب سرگرم عشق ناز ہونگے
کرشمے۔ شعبدے۔ اعجاز ہونگے

حقیقت کھول کر رکھ دے گی شبنم
اگر گل پردہ دارِ راز ہونگے

حوادث آفریں خود ہیں ہوئی مجھ پر
حوادث کیا اثر انداز ہونگے!

صلائے کوچۂ جاناں مبارک!
وہاں کچھ اور بھی جانباز ہونگے

سرِ فہرست ہوگا نام اپنا
جہاں بھی ہونگے ہم ممتاز ہونگے

کریں گے کیا وفا اہلِ سیاست؟
یہ جادوگر زمانہ ساز ہونگے

جو ہم حق و صداقت پر ہیں قائم
یقیناً لوگ ہم آواز ہونگے

جو خالِ رُخ پہ دو۔ دو شہر بخشیں
وہ سعدی حافظِ شیراز ہونگے

غزل

مجیب بستوی

وہ تو آئیں گے کیا بلانے سے
دل پہ لگتے ہیں تازیانے سے

کیا کہیں آج کے احبا کو
باز آتے نہیں ستانے سے

دولتِ شاعری ملی ہم کو
ایک شاعر کے دوستانے سے

بات دل کی ہے آج تک دل میں
اور ملتا بھی کیا زمانے سے

مجھ کو برقِ بلا بتا تو سہی
کیا ملا آشیاں جلانے سے

جلوۂ کوہِ طور کی تابش
مل گئی اُن کے مسکرانے سے

دل کی دنیا مجیب بھی کیا ہے
چین ملتا نہیں زمانے سے

غزل

انوار الحق انور بہاری

اُف کتنی کڑی دھوپ ہے سایہ نہیں کرتے
کچھ اہلِ خرد غم کا مداوا نہیں کرتے

خود کھینچ کے اک سرک دو ولا آئینے دیکھیں
ہم درد کو دل میں کبھی پیدا نہیں کرتے

انداز ستم کا ہو تغافل کی ادا ہو
دیوانے کسی بات کی پروا نہیں کرتے

پردے میں رہیں آپ بڑے شوق سے لیکن
کیا اہلِ نظر آپ کا جلوہ نہیں کرتے

افسوس ہے پہلے کی طرح اپنے کرم کو
انور وہ مرے حال پہ پیدا نہیں کرتے

اپنی باتیں ......

سید قمر حمید

لکھینہ کے ایک متمول گھرانے میں ۱۵ر نومبر ۱۹۴۳ء کو پیدا ہوا۔ والد مرحوم مولوی محمد سعید صاحب ایک وکیل تھے۔ اُردو اور فارسی کی اُردو شاعری خاندان کی کنیز رہی ہے۔ جدِ امجد مولوی میاں جان محمد مرحوم سے لے کر سب سے چھوٹے چچا خواجہ معین الدین درد تک شاعری مرکزِ توجہ رہی ہے۔

تعلیم کا سلسلہ کالج کے حدود تک رہا ہے۔ یعنی بی۔ اے اُردو کے امتیازی پرچے کے ساتھ کیا ہے پھر جامعہ علی گڑھ سے ادیب کامل کے امتحانات میں امتیازی درجہ سے کامیابی حاصل کی۔ شاعری وجہ سرور ہے۔ جدید غزل کہنا محبوب ترین شغل ہے۔ نہ اس سے کوئی صلہ چاہتا ہوں نہ نام و نمود کی ہوس ہے۔

پیشہ انشیورنس کا ہے۔ ابھی کئی ابتدائی مدارج طے کر کے اسسٹنٹ برانچ منیجر ہوں۔ فی الحال رانچی میں قیام ہے۔

میری زندگی بڑی سادہ ہے مگر دل پر کئی صدموں کے داغ ہیں جو خوبصورت بھی ہیں اور وجہ اضطراب بھی۔

نمونۂ کلام کے طور پر دو غزلیں ملاحظہ فرمائیے۔

غزل

مجھے تو اور بھی اب پائمال ہونا ہے
خوشی کی ریت پہ غم سے نڈھال ہونا ہے

مجھے تو ڈس گئے تقدیر کے یہ کالے حروف
لکھا ہے جو بھی اپنا مآل ہونا ہے

زمیں پہ ٹوٹ کے جو آئینہ ہے بکھرا ہوا
ہر ایک ٹکڑے کو خود بے مثال ہونا ہے

چمکتی ریت پہ اپنی انا کے سائے میں
یہ آنکھیں بند کئے بے خیال ہونا ہے

یہ بے حسی کا زمانہ یہ بے یقیں ماحول
جو حال اپنا ہے وہ سب کا حال ہونا ہے

اب اپنے پاس بچے ہیں گلاب زخموں کے
ہمیں خوشی سے اسی پر نہال ہونا ہے

قدم قدم پہ میں ٹوٹا ہوں اس طرح کہ قمر
زباں پہ ٹھہرا ہوا ٹیڑھا سا سوال ہوتا ہے

غزل

ندی کنارے جو پیکر دکھائی دیتا ہے
وہی تو خواب میں اکثر دکھائی دیتا ہے

ذرا سنبھل کے یہ جو شیشے کا بدن لے کر
یہیں قریب ہی پتھر دکھائی دیتا ہے

مری نگاہ کی سرحد سے بھی بہت آگے
[illegible]

بڑا مہیب سا صحرا کہ دوپہر کی طرح
تمہارے شہر کا منظر دکھائی دیتا ہے

جو میری فکر کا اڑتا ہوا کبوتر ہے
[illegible]

مجھے تو کتنے ہی سورج سے لگے جلنا ہے
[illegible]

قلم سے تنے تراشے حروف کے اصنام
[illegible]

قمر قریب سے دیکھو خیال کا پیکر
حقیقتوں سے بھی بہتر دکھائی دیتا ہے

متفرق اشعار

دریاؤں کے ظلم کی بھولی جو کہانی تھی
اب ریت کے [illegible]

بھیگی ہوئی پلکوں کا کچھ زادِ سفر دیجے
رخصت [illegible]

دل خواب میں تو شیشے کا پیکر سا ہے
پلکوں سے [illegible]

چند لمحہ بھر کی خوشبو کو مٹھی میں گوندھ کر
[illegible]

میرے احساس میں ہے چاندنی [illegible]
میرے افکار میں [illegible]

کوئی صورت کوئی عنواں کوئی [illegible]
زندگی [illegible]

اب تو [illegible]
[illegible]

نثار گورکھپوری

ضلع گورکھپور کے شمال میں ایک موضع بیروا چندن پور ہے جہاں سے نیپال کا بارڈر صرف دس میل ہے وہیں ایک زمیندار گھرانے میں اسوقت پیدا ہوا جب زمینداری اپنا وجود کھو چکی تھی صرف زمیندار کا وقار ہی ہے جو ہنوز قائم ہے فارغ البالی ورثہ میں ملی ہے اللہ کا شکر ہے کہ آج بھی فکر معاش ہے نہ غم روزگار ہے ناولیں پڑھنا میرا محبوب مشغلہ ہے۔ علمی ادبی کتابیں بھی زیر مطالعہ رہتی ہیں جو شاعری کے لئے مشعل راہ ہیں۔ میرے ماموں محمد یوسف جامعہ ملیہ دہلی میں لکچرار ہیں انھیں کی فرمائش پر صرف پیام تعلیم بچوں کے لئے لکھتا رہا ہوں۔ نیز ایک رسالہ "نور و نار" میں بھی میرا کلام شائع ہونے لگا ہے۔ شاعری کا شوق بچپن ہی سے ہے لیکن باقاعدہ اسے پھلنے پھولنے کا موقع نصیب نہ ہو سکا میری دینوی تعلیم بس واجبی ہے۔ درس نظامیہ کی تکمیل ایک نامور ادارے سے کر چکا ہوں۔ زمینداری پیشے کی آئینہ دار ہے۔ رہ گئی عمر تو شاعری کے لحاظ سے ابھی میری عمر ہی کیا ہے۔ مشورۂ سخن ایسے شخص سے کرتا ہوں جو شاعر کی حیثیت سے منظر عام پر آنا نہیں چاہتا حالانکہ اچھی حیثیت کے ادیب و شاعر وقت پڑنے پر ان سے مشورہ لیتے ہیں۔

نمونۂ کلام پیش خدمت ہے:-

غزل

فطرت کا رنگ گل میں ہے بو میں ہے
حیات تیرے گیسو کے پیچ میں ہے
حق جس نے بھی کہا وہی منصور بن گیا
میرا کلام خلوص کا آئینہ دار ہے
پھولوں کا رنگ شفق چاندنی ہے ت
تیری حیا میں ہے کہ دیوانہ پن میں ہے
حسن تمام ہستئ فنا ور فلک میں ہے
اس کا مقام منزل دار و رسن میں ہے
جو کچھ ہے میرے ذہن ہی کہ فکر و فن میں ہے
اتنا جمال اس میں ہے تو نہ فلک میں ہے

انسانیت ہے نام محبت کا اے نثار
کیا پھر شعور گل ہے کہ کیا لیلیٰ میں ہے

برسات

ہے سُرور افروز ہر دل پر فضا برسات ہے
دوستو خوشیاں مناؤ آج کل برسات ہے

ہر طرف پھیلا ہوا ہے خوب نظاروں کا جال
اور نظاروں کی نظر اک خدا کی ذات ہے

لال پیلے اودے نیلے پھول ہیں زیب چمن
ہر طرف رنگینیوں کی آج کل بہتات ہے

حور غلماں کی ہے محفل سبزہ خوش رنگی ہے بزم
اس جہاں رنگ کے آگے پرستاں مات ہے

ساز جھینگروں کا ترنم ریز بدلیوں کا ہے رقص
جھومتی ہیں وادیاں وہ عالم جذبات ہے

پاؤں میں پھولوں کے گجرے سر پہ ہے کالی گھٹا
ایسے دلکش آنچلوں میں شوخ دل برسات ہے

پھوٹ ہیں، یہ جامنیں ہیں اور بھٹے ہیں مگر
آم وہ میوہ ہے جو برسات کی سوغات ہے

دل ترا اشاش ہے کیوں آجکل برسات میں
اے نثار بے نوا ایسی بھلا کیا بات ہے

غزل

غبار کارواں ہے اور میں ہوں
خیال یار میں کھویا ہوا ہوں
حقیقت ہے کہ کھیتا ہوں بھرے
جنادہ کا چکا انسانیت کا
ہماکیں ہو سیرگئے قدر ہر سو
ہو خالی اور کس سے ہر جگہ باں
خدا جانے فطرت دھونڈتا کو
نثار ابھا لگا یہ دور تک ہے

مرا عزم جواں ہے اور میں ہوں
بڑا اچھا سماں ہے اور میں ہوں
کسی کا آستاں ہے اور میں ہوں
فریب این و آں ہے اور میں ہوں
گلستاں جہاں ہے اور میں ہوں
مری بیداری زلف اور میں ہوں
چمکتا آفتاب ہے اور میں ہوں
مرا ذوق فغاں ہے اور میں ہوں

سراج انور مصطفےٰ آبادی

دکن کے علاقے میں ضلع جلگاؤں اپنی تاریخی و جغرافیائی حیثیت سے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اُردو کے اہم مراکز سے دور ہوتے ہوئے بھی خاندیس کے اس علاقہ میں شعراء نے اپنے خونِ جگر سے گلشنِ ادب کی آبیاری کی ہے اسی ضلع جلگاؤں کی ایک تحصیل پرولہ جسے مصطفےٰ آباد بھی کہا جاتا ہے میرا وطن ہے۔ اسی سرزمین پر یکم جولائی ۱۹۴۴ء میں میرا جنم ہوا۔ والدین نے سراج الدین نام رکھا مگر طالب علمی کے زمانے ہی سے سراج انور کے نام سے پکارا جانے لگا۔ بعد میں ادبی دنیا میں بھی سراج انور مصطفےٰ آبادی کے نام سے شہرت ہوئی۔

حصولِ تعلیم کے بعد ضلع جلگاؤں کے مشہور صنعتی شہر املنیر میں اُردو پرائمری اسکول میں مدرس کی حیثیت سے ملازمت کرلی مطالعہ کا شوق بچپن ہی سے تھا۔ تعلیمی ماحول نے اس پر جلا کردی۔ نظم و غزل کے علاوہ مضامین اور کہانیاں لکھنے کا بھی شوق رہا اس سلسلہ میں ابتدا میں روزنامہ "اُردو ٹائمز" نے بہت حوصلہ افزائی فرمائی۔ اس اخبار کے "علمی ادبی صفحہ" اور "بچوں کی دنیا" میں متعدد تخلیقات نظم و نثر شائع ہوئیں۔ اس کے بعد بمبئی اور دہلی کے متعدد ماہناموں میں کلام شائع ہوتا رہا۔

میں ابتدا ہی سے علامہ اقبال کے کلام سے متاثر ہوں۔ نثر میں کرشن چندر۔ خواجہ احمد عباس۔ رام لال اور حامدی کاشمیری صاحب کے افسانے مجھے پسند ہیں۔ ادب کو آئینۂ زندگی سمجھتا ہوں شاعری میں مولانا ابر احسنی گنوری مرحوم میرے استاد تھے۔ میں آج کی جدید شاعری کے خلاف نہیں۔ مگر ان کے جنیاتی رجحان کو پسند نہیں کرتا۔ نمونۂ کلام ملاحظہ فرمائیں۔

غزل

زندگی میں جس کی پرستش کو نہیں آتے نظر
لاش اُسی کی دوش پہ اٹھا لیتے ہیں لوگ

یوں تو کانٹوں سے بھرا ہے اب بھی صحرائے حیات
مسکرا کے اس کو بھی گلشن بنا لیتے ہیں لوگ

وقت پڑتا ہے تو بڑھ جاتا ہے ان کا حوصلہ
ہنستے ہنستے زندگی کا غم اٹھا لیتے ہیں لوگ

گرتے پڑتے جانبِ منزل بڑھے جاتے ہیں یہ
گردشِ دوراں تباہ سے کیا ترا لیتے ہیں لوگ

آپ محفل میں مری جانب نہ دیکھیں بار بار
چھوٹی چھوٹی باتوں کو بھی افسانہ بنا لیتے ہیں لوگ

کون ہے شہرِ ستم میں جاننے والا اسے
کس لئے انورؔ یہاں نام و فا لیتے ہیں لوگ

غزل

سامنے رکھ کر تری تصویر ہم
کر رہے ہیں حسن کی تفسیر ہم

قوتِ تخریب ہے گرم عمل
لے کے اٹھیں جذبۂ تعمیر ہم

واقعہ یہ ہے کہ وہ بھی خواب تھا
جس کو سمجھے خواب کی تعبیر ہم

خوں فشاں ہے ہر کرن خورشید کی
کیسے کہہ دیں صبح کی تنویر ہم

شعر کو دیتے ہیں آہنگِ حیات
کھینچ کر جذبات کی تصویر ہم

اور دیتے ہیں جنوں کو حوصلہ
سن کے شورِ حلقۂ زنجیر ہم

زندگی شرمندۂ تمنا ہے نہ جا
ہیں ابھی تو تیرے دامن گیر ہم

فکر میں انورؔ ہے عکسِ زندگی
ہم ہیں جیتی جاگتی تصویر ہم

غزل

ایسے عجیب موڑ تری بات میں رہے
جیسے کوئی ضیغم کسی گھات میں رہے

ملنے کو مجھ سے آئے ہو تم جب تپاک سے
ہر بار یہ خلوص ملاقات میں رہے

مشتاقِ جمالِ دوست کی کرتے سبھی کلام
کوئی حرم میں کوئی خرابات میں رہے

لازم ہے بچ کے رہیں بھی بد طرازیاں
ہو کر اسیر کون روایات میں رہے

ساقی کا احترام نہ ادب سے انورؔ مری طرح
سا سا نہ کوئی بھی بھری برسات میں رہے

شفیع دلگیر

میرا نام شیخ محمد شفیع والد صاحب کا نام شیخ غلام نبی ہے ۱۹۵۴ء میں سرینگر کے ایک محلہ چھوارہ میں ایک غریب گھرانے میں روشن ہوا۔ علم و ادب کی روشنی ہمارے خاندان میں برائے نام تھی پھر بھی ہم اس سے کوسوں دور تھے۔ چونکہ اپنے خاندان کا میں ایک ہی "تارا" تھا اس لئے مجھے گھر کے سبھی افراد لاڈ پیار سے پرورش کرتے تھے۔ دوستوں نے میرا تخلص دلگیر رکھا۔

میرے والدین کی خواہش پر پڑھائی کر کے میں ایک بہت بڑا افسر بنوں لیکن قسمت کو یہ منظور نہ تھا اور ان کی دلی تمنا پوری نہ ہو سکی۔ اس لئے میری تعلیم صرف میٹرک تک ہی محدود رہی ابتدائی تعلیم ایک اسلامیہ مڈل اسکول میں ہوئی۔ بعد میں ہائی اسکول کا داخلہ لیا۔ مجھے شاعری کا شوق کب پیدا ہوا اس علیت سے میں بالکل کورا رہا ہوں۔ ہاں البتہ بچپن ہی سے شیخ احمد شیخ کے یہاں اسکول کے کام سے فارغ ہوتے ہی اُن کے پاس جاتا۔ وہ کشمیری شاعر گذرے ہیں۔ ان صاحب نے ایک دو اُردو فارسی میں غزل کہی ہیں باقی کشمیری میں مجھے بچپن سے ہی اُن کی ایک غزل اُردو کی پسند آئی جس سے مجھے اُردو شاعری کا شوق پیدا ہوا۔ میں اب معمولی طور پر اُردو میں شعر کہنے لگا ہوں مگر اصلاح طلب ہوتے ہیں۔ انشاء اللہ جلد ہی شانِ ہند میں آپ میرا اصلاح شدہ کلام پڑھینگے۔

بقیہ بھنور صفحہ ۲۳

ہوں میرے اطراف ڈاکٹر اور نرسیں کا ہجوم ہے۔ آکسیجن کی نالی سے گیس کھینچنے میں ابھی تکلیف ہو رہی ہے۔ ڈاکٹر نے ایک انجکشن لگایا اور سوئی خون سے بھری ہوئی باہر آئی بالکل ایسا لگتا ہو کہ جیسے کسی نے میری مانگ سے خون کی ریکھا کھینچ لی ہو۔ ڈاکٹر خون چڑھانے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں۔ گلوکوز کی بوتل سے قطرہ قطرہ گلوکوز ایسے گر رہا ہے جیسے مظلوم کی آنکھ سے آنسو لمحہ لمحہ منجمد ہو رہا ہے جیسے کچھ ہونے والا ہو۔ آنکھ کے سامنے کئی رنگ کے ہالے بن رہے ہیں اُن سب میں سیاہ رنگ میرے وجود پر چھانے لگا ہے۔ آہ! سینے میں یہ کیسا درد اٹھا ہے اُف۔۔۔ دماغ [illegible] سا کیوں لگنے لگا ہے۔ آج۔۔۔ آج مجھے کیا ہو گیا میں تو تمہارے نام تک سے نفرت کرتی تھی۔۔۔ لیکن۔۔۔ لیکن۔۔۔ آج مجھے تمہارا انتظار ہے۔ والان کے قدموں کی آہٹ ہیں آج میرے کان تمہارے قدموں کی چاپ سننا چاہتے ہیں میرے چہرے پر جھکے کئی چہروں میں میں تمہاری شکل آج ڈھونڈنا چاہتی میرے دل کی دھڑکن لمحہ لمحہ رکتی دھڑکن میں آج تمہاری صدا آ رہی ہے میری آنکھ میں آج تمہاری شکل ناچ رہی ہے آج۔۔ پھر۔۔۔ میں تمہارا دامن تھامنا چاہتی ہوں۔۔۔ آہ!۔۔۔ آجاؤ۔۔۔ خدارا۔۔۔ اُف۔۔۔ آجاؤ۔۔۔ آجاؤ۔۔۔۔۔۔

تبصرہ

جناب ڈاکٹر ایس۔ ایم الیاس وارثی شمیم قدوائی بارہ بنکوی حال ہی میں ایک کتابچہ "سوانح حیات و کرامات" حاجی سید حق اللہ شاہ صاحب وارثی شائع کیا ہے۔

حضرت حاجی حق اللہ صاحب وارثی جنکا اصل نام سید تیم شاہ وارثی کتاب کے مؤلف شمیم صاحب کے دادا تھے کتاب "عین الیقین" مؤلفہ حکیم سید عبدالاحد شاہ صاحب وارثی مرحوم مطبوعہ ۱۹۰۲ء میں لکھا گیا ہے کہ سید تیم شاہ صاحب وارثی ان مخصوص فقرائے وارثی میں ہے جن کے لئے سرکار عالم پناہ حضرت حاجی صاحب قبلہ ذکر کا حکم صادر ہو گیا تھا کسی جگہ متوکل ہو کر بیٹھ رہنے کا حسب الحکم شاہ صاحب نے تولح گوالیار میں گوشہ نشینی اختیار کی اور وہیں انکا مزار ہے اور مرجع خلائق ہے جس کا نام جورا علی پور ہے جو ضلع مورینہ میں واقع ہے اور گوالیار کے تقریباً پچاس کے مسافت پر ہے۔ ڈاکٹر ایس ایم الیاس صاحب وارثی کی خواہش اور در خواست ۱۹۶۲ء سے ہر سال یوم عرس جناب تیم شاہ صاحب جو ماہ ذالحجہ میں ہوتا ہے مزار جناب حاجی صاحب قبلہ کی منتقل ایک چادر دی جا رہی ہے جو الیاس صاحب لیکر جاتے ہیں یا ڈاک سے بھیج دیتے ہیں۔

اس کتابچہ کے شروع میں حضرت قبلہ حضرت سید تیم شاہ صاحب وارثی کا کے اہم شخصیتوں کی تصدیق شائع کیگئی ہے کہ ڈاکٹر ایس۔ ایم الیاس قدوائی کو صاحب نے شاہ صاحب کے جو حالات اور انکی کرامات اس کتابچہ میں تحریر فرمائی وہ سب انکے علم الیقین سے صحیح ہے یہ کتابچہ ہر لحاظ سے قابل مطالعہ ہے اس سے بہت حاصل کیا جا سکتا ہے قیمت ایک روپیہ ہے اور مصنف سے سعل [illegible] بارہ بنکی (یوپی)

ریدہ گلشاد

بھنور

تبہت شکریہ۔ بڑی مہربانی۔ میری زندگی میں حضور آپ
ے۔ دور ریڈیو پر یہ گانا گونج رہا ہے۔ گانے کے بول کتنے خوبصورت
یں۔ اسپتال کے اس اکتا دینے والے ماحول میں اس گانے نے دلکشی پیدا
دی ہے۔ لیکن میرے کانوں میں اس آواز نے سیسہ سا انڈیل دیا
اش، کوئی ریڈیو بند کر دے۔ مجھ میں اس کے سننے کی سکت نہیں
یری زندگی کی تنہا راہوں پر تم نے قدم رکھ کر خلا کو پُر کر دیا۔ مجھ
ں نہیں آتا کہ شکریہ کس کا ادا کروں۔ اپنی تقدیر کا یا تمہارا۔ ؟

کالج کی دوستی۔ پارکوں میں ملن۔ تنہائی میں سرگوشیاں، خاموش
حول میں بہانا خاموش لیکن جلتا جسم، ماحول سویا ہوا، جاگتے
مان اور جاگتی محبت، محبت پاش نظریں، سانسوں کا تصادم
سانسوں کی بے قاعدگی، جلتا وجود اور ڈھلتا سورج۔ اس کے بعد
م ایک ہوگئے۔ سماج کی زبان میں ہماری شادی ہوگئی۔ میں نہال
و گئی۔ گالوں کی سُرخی اور پھیل گئی۔ ہونٹوں کی مسکراہٹ قہقہوں میں
ل گئی۔ پریشان زلفیں اور بکھر گئیں۔ آنکھوں کی مے کے پیالے
رینہ ہوگئے۔ چال میں جو سُرور تھا وہ غرور میں بدل گیا۔ زندگی خوشیوں
کے گہوارے میں جھولنے لگی۔ لیکن آہ! یہ سب میرا وہم تھا۔ مجھے کیا
پتہ تھا کہ تصورات حقائق میں بدلنے کے بعد اب پھر سے خوابوں میں
ل رہے تھے۔ زندگی اسی کا نام ہے کہ جس میں کوئی نہ کوئی تشنگی رہ جائے
زندگی اس تشریح کو میں وقت گزر جانے کے بعد بھی۔ محبوب کو پانے
تمنا تو ہر کوئی کرتا ہے۔ لیکن ضروری نہیں کہ وُہ سے محبوب ہی ملے۔ محبت
کرنا جتنا آسان ہے نبھانا اتنا ہی دشوار۔ محبت ہر کوئی کرتا ہے لیکن محبت
منزل ہر کسی کو نہیں مل سکتی۔ تم نے شادی کو جسموں کے ملاپ کا نام سمجھا
اور میں زندگی کے دشوار گزار سفر میں قدم سے قدم ملا کر چلنے ہی کو شادی
سمجھتی رہی۔ تم نے میرے خلوص کو دیوانگی، پیار کی پیاس اور مجھے
پاگل سمجھا۔ سچ! میں پاگل ہی تو تھی۔ اس دور میں جوئے شیر لانے کی
ت سوچتی رہی۔ مجھے کیا پتہ کہ میری عزیز سہیلی رعنا ہی میری زندگی میں
زہر گھولے گی۔ تم مجھ سے دور اور اس کے قریب ہوتے گئے۔ رعنا نے
ڈاکٹری پریکٹس کے لئے تمہیں مدد دینے کا وعدہ کیا۔ یہ وعدہ نہ تھا

میری خوشیوں کا جنازہ تھا۔ تم نے مجھ سے شادی کے وقت یہ نہ سوچا
کہ تم مجھ سے شادی نہیں بلکہ غریبی سے مذاق کر رہے ہو۔ تم یہ سب کیوں
سوچتے۔ تم پر تو اس وقت جنون تھا۔ پاگل پن سوار تھا۔ اس دنیا میں
روپیہ سے بڑھ کر کوئی رشتہ، کوئی جذبہ نہیں۔ میں ٹوٹ ٹوٹ کر بکھرتی رہی
شمع کی طرح دن رات جلتی اور قطرہ قطرہ بن کر پگھلتی رہی پھر بھی میں
زندہ رہی۔ اپنی لاش کو اپنے ہی کندھوں پر اٹھائے ایک زمانہ
بیت گیا۔ وسیع اور بھری ہوئی دُنیا میں بالکل تنہا۔ زندگی کی گہما گہمی
میں رہ کر بھی انجان۔ سب کے ساتھ رہ کر بھی دور۔ اُف۔۔۔۔
احساس کی محرومیاں کتنی جان لیوا ہوتی ہے۔ تم نے میرے احساس کو
محرومی دی۔ میرے جذبات کو مجروح کیا۔ میری انا کو تکلیف پہنچائی
مجھے جیتے جی قبر نشین کر دیا۔ دُکھوں کے عمیق غار میں دھکیل دیا۔ اور
پھر مجھے تم سے نفرت ہوگئی۔ شدید نفرت۔ جس شکل کو دیکھنے کے لئے
میں تڑپتی تھی اب مجھے اس سے گھن آنے لگی۔ دل سے ساتھی کے حصول
تمنا بھی۔ اس زندگی نے تو کچھ نہ دیا۔ اب شاید موت ہی سکون دے
بھیا کے اعتراض پر تم نے کس صفائی سے کہہ دیا کہ تم رعنا سے محبت نہیں
کرتے تمہیں تو صرف اپنا اُلو سیدھا کرنا ہے۔ رعنا سے تمہارا کوئی رشتہ
نہیں۔ بھیا چپ ہوگئے۔ میں بے بس پنچھی کی طرح تڑپ کر رہ گئی۔ رعنا
سے کوئی رشتہ نہیں پھر تم اس کے اتنے قریب کیوں تھے۔ اس کے لئے
بے چین کیوں رہنے لگے تھے۔ میں نے جو پیار تمہاری آنکھوں میں اپنے
لئے دیکھا تھا آج اس کی حقدار رعنا کیوں تھی۔ اس کا جواب میں
نے کئی دفعہ تمہاری بے تاب باہوں میں دیکھا۔ کیوں۔؟ میں جانتی
ہوں کہ تمہارے پاس اس کا [illegible] خواہ جواب نہیں تھا۔

آخر تو میں عورت تھی اپنے محبوب پر کسی کا حق قبول [illegible]
تم سے جدا بھی نہیں اب زندگی سے بھی جدا ہو رہی ہوں [illegible]
ہوئے اسپتال کے اس بستر پر زندگی اور موت کے بیچ [illegible]
ہوں۔ پچھلے دنوں بھیا نے کہا کہ تم نے رعنا سے شادی [illegible]
میں تمہیں معاف کیا دے سکتی کہ تم نے جو سوچا تھا اس [illegible]
شاید [illegible] ہو۔۔۔۔ آج میں آج زندگی کے آخری سانس [illegible]

کیا آپ کی عمر 40 سال سے زیادہ ہے؟

تو آپ

اپنی پنشن کا ابھی سے ہی بندوبست کر لیجیے

ہمارے پاس ایک ایسی اسکیم ہے جس میں شامل ہو کر آپ ریٹائر ہونے کے بعد بے فکری کی زندگی بسر کر سکیں۔ آپ ڈاک گھر میں سات سال کیلئے ہر مہینے 100 روپے کی بچت کرنا شروع کر دیجیے۔ د آپ نیشنل سیونگز سرٹیفکیٹ۔ پانچواں اجرا خریدتے جائیں) 1982ء سے آپ کو سات سال کے لئے ہر مہینے 198 روپے ملتے رہیں گے۔

مزید فائدہ

198ء سے اگر آپ اس ۔۔۔ کے تحت ہر مہینے صرف ۔۔ روپے اور جمع کرا کے نئے سرٹیفکیٹ خریدتے جائیں تو مزید سات سال کے بعد یعنی 1989ء سے آپ کو آئندہ سات سال کے لئے ہر مہینے 396 روپے ملتے رہیں گے۔

اس طرح آپ کی 100 روپے ماہوار کی

بنیادی پونجی لگ بھگ چار گنا ہو جائیگی

اس اسکیم میں شامل ہونے کے لئے عمر کی کوئی حد مقرر نہیں۔ اس سے سبھی ۔ مرد و عورتیں ۔ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ 100 روپے کی بھی کوئی حد مقرر نہیں۔ آپ ہر مہینے 200، 300، 500 روپے یا اس سے بھی زیادہ سرمایہ لگا سکتے ہیں۔ آپ جتنا زیادہ سرمایہ لگائیں گے آپ کو اتنا ہی زیادہ فائدہ ہوگا۔

آپ کی بچت		ملنے والی رقم
پہلے 7 سال	دوسرے 7 سال	تیسرے 7 سال
100 روپے ماہوار	2 روپے ماہوار	396 روپے ماہوار

اپنے ڈاک گھر یا نیشنل سیونگز کمشنر ناگپور سے پوچھ تاچھ کریں۔

قومی بچت ادارہ

davp 75/112

مفتوں کوٹوی

پیامِ آزادی — اربابِ وطن کے نام

درست ہے کہ خلا میں کمند پھینکی ہے
کہ ہم بھی طائرِ شہرت کو زیرِ دام کریں
اُڑان اُونچی بھری ہے بزعمِ خودداری
ترقی یافتہ ملکوں میں اپنا نام کریں
ابھی ہیں سامنے اپنے ہزار منصوبے
کروڑوں، اربوں کا ہم جنہیں صرفِ عام کریں
جو چھوٹے چھوٹے ممالک ہیں وہ ادھر دیکھیں
ہماری قدر کریں دل سے احترام کریں
یہ کارخانے، مشینیں، یہ صنعت و حرفت
کچھ اور اس سے زیادہ کا اہتمام کریں
ہوا ہے ملک جو آزاد ہو منور بھی
ترقیوں کی تدابیر صبح و شام کریں
ہیں مستحق کہ ہوں تارے ہمارے داماں میں
ہم اپنے زیرِ قدم چرخِ نیلی فام کریں

مگر ہمارے شب و روز کے یہ طور و طریق
خدا پناہ میں رکھے جو ذکرِ عام کریں
کہاں کی خدمتِ خلق اور کہاں کا صدق و خلوص
مفاد ہو کوئی حاصل تو رام رام کریں
کلام ہو کہ خموشی، قیام ہو کہ خرام
ہو جس میں پیسوں کی آمد فقط وہ کام کریں
جو اختلاف حکومت سے ہو ذرا سا بھی
تو اپنے ہاتھوں میں پامالیِ نظام کریں
یہ درسگاہیں، یہ اسکول، مدرسے، کالج
ہیں وہ ٹھکانے، فرشتے بھی احترام کریں
مگر یہی ہیں مقاماتِ خبث و فتنہ و شر
شرارتیں وہ کہ شیطان بھی سلام کریں
خواص کو نہیں ہمدردیاں عوام کے ساتھ
خواص کی کوئی عزت نہ کچھ عوام کریں

اگر یہی رہا اندازِ زندگی اپنا
نتیجہ کیا ہے جو تسخیرِ اوجِ بام کریں
یہی ہے پستیِ اخلاق اگر تو پھر ہے فضول
ہمالیہ بھی اگر اپنے زیرِ گام کریں
بجبر روک دیں لوگوں کی ہم بد اعمالی
جو وقت آ ہی پڑے تیغ بے نیام کریں
یہ چند باتیں تہِ دل سے لب پہ آئی ہیں
خواص غور کریں فکر کچھ عوام کریں
اگر نہ تابش کردار پہ عمل ہوگا
نہ ہوگا بیڑا اگر آج غرق کل ہوگا

غزل

ڈاکٹر ہنومان پرشاد جگر بستوی

آہ سینے میں شب بھر جگائے رکھنا
شعلے بھڑکیں نہ کہیں آگ دبائے رکھنا
تیری زلفوں کی گھنی چھاؤں میں ہے عہدِ سکوں
میرے محبوب مجھے دل میں بسائے رکھنا
کون جانے کہ تری موت پہ وہ بھی آئیں
قطرے کچھ اشک کے پلکوں پہ سجائے رکھنا
دیکھو جل جائے نہ دامن کہیں ان اشکوں سے
اپنا دامن میرے اشکوں سے بچائے رکھنا
یاد سینے سے جگر اُن کی لگائے رکھنا
رات سنگین ہے جذبات دبائے رکھنا

دو غزلیں

بدر عثمانی سہارنپوری

اس طرح حسن کی توقیر بڑھا دی میں نے
زخم کھا کر بھی انہیں دل سے دعا دی میں نے

پردۂ گل سے کبھی تم نے اشارہ نہ کیا
دل کی دھڑکن سے تمہیں روز صدا دی میں نے

شکلِ عیسیٰ میں کبھی صورتِ منصور کبھی
ہر نئے دور میں تعلیمِ وفا دی میں نے

یہ مرے جذبۂ کامل کا اثر ہے یارو
سامنے آ گئی منزل جو صدا دی میں نے

تشنہ لب رہ کے بھی رندوں کی طرح بہکا ہوں
ساقیٔ بزم تری شان بڑھا دی میں نے

خضرِ منزل ہیں مرے دل کے لہو کی بوندیں
پیار کی شمعیں سرِ راہ جلا دی میں نے

اپنی رنگین خیالی پہ مجھے ناز ہے بدرؔ
خارزاروں کو بہاروں کی ادا دی میں نے

غزل

اُن کی توجہ جب سے ہوئی کم
جیون کی لے ہو گئی مدھم

بدرؔ وہی ہے فاتحِ عالم
دل میں ہے جسکے جذبۂ محکم

اُن کا تبسم ڈھونڈ رہا ہوں
گلشن گلشن شبنم شبنم

دم تو لبوں پر آ ہی گیا ہے
اور بجا دو پیار کی سرگم

مست نگاہیں دیکھ کے اُن کی
جھوم اُٹھا ہے سارا عالم

یاد کرے گا ہم کو زمانہ
چھوڑ چلے ہیں نقشِ وفا ہم

بھولنا چاہا بھول نہ پائے
اُن کی نگاہِ ناز کا عالم

زخمِ جگر کا حال نہ پوچھو
خود ہی مسیں ہے خود ہی مرہم

بدرؔ ہم اُن کے ہجر میں آخر
بن ہی گئے ہیں دردِ مجسم

غزل

(رشید بستوی)

آرزو ہے بزمِ رنداں میں نئے انداز سے
جام اُٹھے مینا اُٹھے شیشہ اُٹھے ساغر اُٹھے

تیری بیگانہ روی پردہ اُٹھا ہے مشکل
تیرے کوچے سے بہت بے آبرو ہو کر اُٹھے

آتے آتے میکدے میں دورِ جام آیا تو کیا
جبکہ میخانے سے تیرے رند توبہ کر اُٹھے

میری صورت دیکھ کے بس عالمِ محفل نہ پوچھ
ایک ہی دل تھا مگر دو سمت سے خنجر اُٹھے

میرے سجدے کا تقاضا ہے ترے در سے صنم
جب کبھی میرا سر اُٹھے تیرا حجابِ در اُٹھے

خواب گاہِ ناز سے سو کر اُٹھا انگڑائی لی
سونے والا کیا اُٹھا سو فتنۂ محشر اُٹھے

میکدہ بردوش ساقی آیا محفل میں رشیدؔ
ہاتھ بہکے پاؤں پھسلے رند توبہ کر اُٹھے

اُردو کی پُکار!

حضرات: حکومت کی طرف سے اردو کی نشوونما کیلئے مختلف سرگرمیاں دکھائی جارہی ہیں۔ مثلاً اردو اکاڈیمیوں کی قائمی اردو مصنفین کو نقد انعامات وغیرہ وغیرہ۔ اسکے علاوہ اُردو کتب کی خریداری کے لئے لائبریریوں کے لئے مالی امداد بھی دیجارہی ہے تیز ایسے اردو مصنفین جو اپنی تصانیف شائع کرنیکی مالی سکت نہیں رکھتے اُنکو اپنی تصانیف شائع کرنے کیلئے بیروی امداد بھی دیجارہی ہے۔ مگر ان سب باتوں کے باوجود جب تک اسکولوں میں اردو کی تعلیم کا سلسلہ جاری نہ ہوگا اُردو ترقی کی منزل پر تیزی سے گامزن نہ ہوسکیگی اسلئے اردو اکیڈیمیاں اگر اپنے اپنے صوبوں میں اسکے لئے بھی کوشاں ہوں تو اردو کے حق میں اچھا ہوگا۔ جہاں تک ہوسکے اردو سے محبت رکھنے والے محلّے کے بچّوں کو مفت پڑھائیں۔

اُردو پکار پکار کہہ رہی ہے کہ اگر مجھے زندہ رکھنا ہے تو اپنے بچّوں کو اُردو پڑھانے کیلئے کوشش کیجیے اپنے ہاں کی سرکاری اور غیر سرکاری لائبریریوں کو مجبور کیجیے کہ وہ اُردو کی اچھی کتابیں منگائیں۔ کالجوں کے اردو پروفیسر اپنے کالج کی لائبریریوں میں اردو کتابیں منگانے کے لئے کوشش فرمائیں۔ یاد رکھیے جب اُردو پڑھنے والے ہی نہیں ہونگے تو ان کتابوں کو کون پڑھے گا جن پر اردو اکاڈمیاں انعام دیتی ہیں۔

ذیل میں ہم کچھ ایسی اردو کی بہترین کتابوں کی فہرست دے رہے ہیں جو لائبریریوں میں ہونا ضروری ہیں۔ آپ اپنی ذاتی لائبریریوں کے لئے بھی اپنی پسند کی کتابیں منگائیں۔ لائبریریوں کو لائبریری کمیشن دیا جاتا ہے۔ اردو کی پاکستانی بہترین مطبوعات کے شائقین ہم سے خط و کتابت کریں۔ ہم انکی پسندیدہ پاکستانی اُردو کتب فراہم کرنے کا انتظام کرنے کی کوشش کرینگے۔ (ادارہ)

تاریخ	ڈاکٹر ماشبیہ الحسن	۲۰/-
مثنوی سحرالبیان کا تہذیبی مطالعہ	احسان الحق اختر	۵/-
ارمغانِ ادب	اخلاق حسین	۱۱/-
جواہرات انیس (حصہ اوّل)	انیس	۱۵/-
" " (" دوم)	"	۱۲/-
باغ و بہار کا تنقیدی جائزہ	امام مرتضیٰ	۲/۵۰
یادوں کی برات	جوش ملیح آبادی	۲۵/-
مطالعہ تاریخ ادب ہندی	کاظم علی خاں	۵/-
لکھنؤ کا دبستانِ شاعری	ابواللیث صدیقی	۲۵/-
تذکرۂ اُردو مرثیہ	سید علی عباس حسینی	۱۰/-
انتخاب مقالات شبلی	شبلی	۲/-
دیوانِ صد غزل	حسین علی تاسعت	۱۲/-
اقبال نامہ جہانگیری	مرزا محمد	۷/۵۰
تحقیق نوادر	ڈاکٹر اکبر حیدری	۳۵/-
اُردو ادب کی تاریخ	عظیم الحق	۷/۵۰
مضامین سرسید	"	۳/-
ریاض خیرآبادی	عظیم الحق	۱۲/-
عرش و فرش	جوش ملیح آبادی	۵/-
فکر و نشاط	" "	۵/-
غزلیات میر کا تنقیدی جائزہ		۲/-
اُداس نسلیں	عبداللہ حسینی	۱۵/-
مشینوں کا شہر	کرشن چندر	۵/۵۰
آیئنے اکیلے ہیں	"	۶/۵۰
سب رس کا تنقیدی جائزہ	احسان الحق	۷/۵۰
نیا افسانہ	وقار عظیم	۹/-
اُردو شاعری کا مزاج	وزیر آغا	۱۲/-
جدید شاعری	ڈاکٹر عبادت بریلوی	۲۵/-
اطرافِ غالب	ڈاکٹر سید عبداللہ	۹/-
تصوراتِ اقبال	مولانا صلاح الدین احمد	۱۲/۵۰
ارمغانِ علیگڑھ	خلیق احمد نظامی	۲۰/-
اُردو زبان و ادب	ڈاکٹر مسعود حسین خاں	۷/۵۰
اُردو مثنوی کا ارتقا	عبدالقادر سروری	۹/-

مقدمہ شعر و شاعری	الطاف حسین حالی	۴/۵۰
مطالعہ سرسید احمد خاں	عبد الحق	۵/-
انتخاب مضامین سرسید	آل احمد سرور	۳/۵۰
شعاع ادب	شرافت حسین مرزا	۳/۷۵
تنقیدی سرمایہ	عبد الشکور	۳/۵۰
ادب کا مطالعہ	اطہر پرویز	۷/-
ادب اور زندگی	مجنوں گورکھپوری	۶/-
ادب اور تنقید	اسلوب انصاری	۱۰/-
مقدمہ تاریخ زبان اردو	ڈاکٹر مسعود حسین خاں	۱۰/-
فسانۂ عجائب	رجب علی بیگ سرور	۱۵/۵۰
پدماوت کی مختصر فرہنگ	محمد انصار اللہ	۵/-
مطالعہ داغ	سید محمد علی زیدی	۲۴/-
تفہیم غالب	ڈاکٹر مسعود حسن رضوی	۷/-
[illegible] اردو تحریر کا پہلا دستیاب [illegible]	مسیح الزماں	۷/-
شرح طباطبائی اور تنقید کلام غالب	سید مسعود حسن رضوی	۴/-
شبیہ انسانیت	مولانا علی نقی نقوی	۲۰/-
روح انیس	سید مسعود حسن رضوی	۹/-
اسلاف میر انیس	″	۹/-
نگارشات ادیب	″	۹/-
ہماری شاعری	″	۷/۵۰
آئینۂ سخن فہمی	″	۳/-
لکھنؤ کا شاہی اسٹیج	″	۱۲/-
لکھنؤ کا عوامی اسٹیج	″	۱۲/-
رزم نامۂ انیس	″	۵/-
اندر سبھا امانت	″	۲/-
اردو زبان اور اس کا رسم الخط	″	۲/-
آب حیات کا تنقیدی مطالعہ	″	۴/-
متفرقات غالب	″	۵/۲
فسانۂ عبرت	″	۲/۵۰
فرہنگ امثال	″	۳/-
اردو مرثیہ کا ارتقاء ([illegible])	مسیح الزماں	۲۰/-

تذکرۂ نادر	کلب حسین نادر	[illegible]
قواعد کلیہ بھاکھا	″	[illegible]
تنقیدی شعور	اختر علی تلہری	[illegible]
بیگمات اودھ	شیخ تصدق حسین	[illegible]
شعر غیر شعر اور نثر	شمس الرحمٰن فاروقی	[illegible]
حسرت موہانی	احمر لاری	[illegible]
فلسفہ اور ادبی تنقید	وحید اختر	[illegible]
اعتبار نظر	سید احتشام حسین	[illegible]
تلاش و توازن	قمر رئیس	[illegible]
اردو ڈراما روایت اور تجربہ	عطیہ نشاط	[illegible]
جدید اردو تنقید	شارب ردولوی	[illegible]
غبار خاطر کا تنقیدی مطالعہ	ملک زادہ منظور احمد	[illegible]
مغربی بنگال کے اردو شعراء	مشتاق احمد	[illegible]
دکن میں اردو	نصیر الدین ہاشمی	[illegible]
تلمیحات	محمود نیازی	[illegible]
پنجاب میں اردو	محمود شیرانی	[illegible]
تاریخ ادب اردو	رام بابو سکسینہ	[illegible]
مختصر تاریخ ادب اردو	اعجاز حسین	[illegible]
شرح دیوان غالب	بیخود موہانی	[illegible]
انگلش اردو ڈکشنری (کلاں)	مولوی عبد الحق	[illegible]
″ ″ ″ (مختصر)	″ ″	[illegible]
اردو سے انگریزی ڈکشنری	″ ″	[illegible]
اردو ہندی ڈکشنری	(انجمن ترقی اردو)	[illegible]
گئودان	منشی پریم چند	[illegible]
میدان عمل	″ ″	[illegible]
اردو غزل	ڈاکٹر یوسف حسین	[illegible]
اردو املا	رشید حسن خاں	[illegible]
اردو الفاظ شماری	حسن الدین احمد	[illegible]
شہیدان آزادی (تاریخ آزادی ہند)	ڈاکٹر چوپڑہ	[illegible]
مجموعہ نغز	حکیم قدرت اللہ میر قاسم	[illegible]
اوراق زندگی	بسمل سعیدی	[illegible]

...نہ	حیرت بدایونی	۱۸/-
...شاعری کے ارتقا میں ہندو شعرا کا حصہ	سرلا ستوا	۱۵/-
...شاعری	ضیا فتح آبادی	۶/-
...نگ	جلیل الہ آبادی	۵/-
...کدہ	شائق	۵/-
...ان خیالوں کے	نوبہار صابر	۶/-
...صد رنگ	شمس	۴/-
	مدہوش بلگرامی	۴/-
...پھول چھلکتے آنسو	ڈاکٹر مایا کھنہ راجے	۱۰/-
... (اردو)	فیاض گوالیاری	۷/-
... (ہندی)	" "	۳/۶۶
...ل فراموش	دیوان سنگھ مفتوں	۲۰/-
...ات مشرق	" " "	۱۵/-
...(ناقابل فراموش کا ہندی ایڈیشن)	" " "	۱۵/-
...جام	شارق میرٹھی	۲/۵۰
...شیاں	رعنا جگی	۲/-
...رے خاک کے	شرت کمالی	۳/-
...ع نظر	نظر برنی	۳/-
...بی ادب کے معمار	اے محمد ابراہیم	۱۲/-
...السماء	تامی نادری	۲/۵۰
...ای علم عروض	سبحان انجم	۱/-
...میم سخن	ساحر سیالکوٹی	۳/-
...ز جگر	جگر جالندھری	۳/-
...یم بہار	نسیم نورپوری	۴/-
...ل دوال	امرناتھ سرشار	۳/-
...یتا	مفتوں	۴/-
...تماشا	کمار پاشی	۴/-
...ء کی منتخب شاعری	پریم متل	۳/-
...و نشاط	نواب حیدر حشم	۹/-
...کا ادب کی مختصر تاریخ	ڈاکٹر محمد یاسین	۱۲/-
...سماجیات	ڈاکٹر جعفر حسین	۴/۵۰

اسلامی فن تعمیر	مبارز الدین رفعت	۶/-
اردو میں ترقی پسند ادبی تحریک	خلیل الرحمن اعظمی	۲۰/-
اردو مثنوی شمالی ہند میں	ڈاکٹر گیان چند	۳۰/
انواع فلسفہ	ظفر حسین خاں	۵/-
ایک مشرقی کتب خانہ	مبارز الدین رفعت	۳/-
آئینہ حقیقت	پنڈت حبیب الرحمن شاستری	۲/-
انجم کدہ	عزیز لکھنوی	۴/-
فرانسیسی ادب	ڈاکٹر یوسف حسین خاں	۱۷/-
فائز دیوان فائز	مسعود حسین ادیب	۷/۵۰
ہندوستانی اخبار نویسی	محمد عتیق صدیقی	۱۶/-
گاندھی نہرو کی راہ	ڈاکٹر سید عابد حسین	۵/-
گلکرسٹ اور اسکا عہد	محمد عتیق صدیقی	۱۰/-
فن تحریر کی تاریخ	محمد اسحق صدیقی	۱۰/-
ہندوستانی مسلمانوں کے سیاسی اصول	الیٹو الویا	۲/۲۵
حالی کی ایک جھلک	صالحہ عابد حسین	۲/-
خواجہ میر درد (تصوف اور شاعری)	ڈاکٹر وحید اختر	۲۰/-
محمد رفیع سودا	خلیق انجم	۱۵/-
کلیاتِ شاہی	سید مبارز الدین رفعت	۴/-
خطوط غالب	مالک رام	۱۴/-
خونبہار	مجنوں گورکھپوری	۳/-
کچھ زندگی کی بابت	ابو سالم	۴/۵۰
صوبہ شمالی مغربی کے اخبارات	محمد عتیق صدیقی	۱۵/-
تاریخ جمالیات	مجنوں گورکھپوری	۴/-
تین مغربی ڈرامے	" "	۷/-
پرچھائیاں	آصف علی	۴/-
روزگار شرح سود اور زر	ابو سالم	۸/۵۰
سچ ستاون	پنڈت سندر لال	۶/-
تلمیحات و اشارات اقبال	ڈاکٹر اکبر حسین قریشی	۱۵/-
صحیفۂ خوشنویسان	احترام الدین شاغل	۱۲/-
سیرِ افلاک	حکیم احمد	۵/-
نئے ڈرامے	ڈاکٹر محمد حسن	۷/-

سوگوار یادو	مرحم علی لاہاشی	۲/۲۵
مقالات حالی	حالی	۵/-
یادگار نظر	مرتب جگر بریلوی	۶/-
انتخاب شرح دیوان مومن	حامد حسن قادری	۷/-
مرقع افغان	ابرار حسین فاروقی	۳/۲۵
محاسن کلام غالب	عبدالرحمن بجنوری	۱/-
مطالعۂ حضرت غمگین	محمد یونس خالدی	۳/-
مذہب اور دھرم	مہاتما گاندھی	۲/-
تذکرہ گلشن سخن	مسعود حسین رضوی	۸/-
دیمک کی کہانی	عبدالبصیر خاں	۲/-
شگفتہ	قدسیہ زیدی	۲/-
تنقیدیں	ڈاکٹر خورشید الاسلام	۱۲/-
چند ہم عصر	عبدالحق	۲/-
اردو صرف نحو	"	۱/۹۵
کلام سودا	خورشید الاسلام	۸/-
غالب ایک مطالعہ	"	۶/-
مسرت سے بصیرت تک	آل احمد سرور	۱۲/۵۰
نظر اور نظریے	"	۱۲/۵۰
تنقید کیا ہے	"	۶/۷۵
طنزیات و مضحکات	پروفیسر رشید احمد صدیقی	۱۰/۵۰
ہمارے ذاکر صاحب	"	۹/-
گنجہائے گراں مایہ	"	۷/-
آشفتہ بیانی میری	"	۵/-
ہم نفسان رفتہ	"	۲/۵
تجزیے	ڈاکٹر گیان چند	۱۳/-
وہ صورتیں الٰہی	مالک رام	۱۰/-
تذکرہ معاصرین	"	۱۶/-
پہلا پتھر	طاہر تلہری	۶/-
لکھنؤ کی زبان	محمد باقر شمس لکھنوی	۶/-
بیربل کی کہانی	اندر جیت	۲/-
تاجوں کا بادشاہ	"	۲/۵۰

ایلم کی کہانی	اندر جیت	۶/-
میرا بھائی	ادیبا اعظم پریم ناتھ دت	۲/-
اہل سیف	"	۵/-
خواب و بیداری	صغریٰ سبزواری	۲/-
حسن عرفاں	ڈاکٹر منظر	۲/-
بھولے کبوتر ہوشیار سانپ	طالب شاہ آبادی	۱/۵۰
عکس حیات	حمید قیصر	۲/-
حمکدۂ آزاد	آزاد	۲/-
دیوان ذوق	محمد ابراہیم ذوق	۷/-
گفت و شنید	ظفر ادیب	۶/-
خواب نئے	"	۶/-
غالب اپنے ہمعصروں میں	"	۱۰/-
مصحفی اور ان کا کلام	ڈاکٹر صدیقی	۶/-
چاند کا زخم	شمس فرخ آبادی	۲/-
آیات قرآنی	قضا کوثری	۱/-
کرنیں	روپ بھاردواج	۶/-
کرن	راجہ کرن پرشاد	۱/-
شخصیت تنقید تمثیل	فرمان فتح پوری	۷/-
تنقید و تفہیم	ارشد مرحوم	۵/۵۰

انتخابی شعری مجموعے

انجمن ترقی اردو نے مختلف شعراء کے انتخابی شعری مجموعے شائع کئے ہیں ہر حصہ کی قیمت دو روپے پچھتر پیسے ہے ماسوا حسب ذیل شعراء کے انتخابی مجموعے دستیاب ہیں۔ فانی۔ اصغر۔ ریاض۔ جگر بریلوی۔ اختر شیرانی۔ جمیل مظہری۔ شمیم کرہانی۔ حماد عظیم آبادی۔ محروم۔ ساحر جہان آبادی۔ شفیق جونپوری۔ اختر انصاری۔ عمیق حنفی۔ جگن ناتھ آزاد۔ فرش۔ حبیب احمد صدیقی۔ کمال احمد صدیقی۔ بلراج کومل۔ کیفی۔ جیا کوٹی۔ ملا۔ جذبی۔ تاباں۔ منشور واحدی۔ اکمل مظفر نگری۔ سکندر علی وجد۔ مخدوم۔ آرزو لکھنوی۔ سلام مچھلی شہری۔ علی جواد زیدی۔ فراق گورکھپوری۔ یگانہ چنگیزی۔ مجاز۔

ہر کتاب کا محصول ڈاک بذمہ خریدار ہوگا۔

THE SHAN-E-HIND MONTHLY, NEW DELHI-110002
Regd. with the Registrar of News Paper at R. No. 644/57

اُف یہ بال

جب کنگھی کرتے ہوتے ہر بار بال اُلجھ جائیں یا بالوں کا ایک گچھا ہاتھ میں آجائے تو سمجھئے یہ بال اب کچھ ہی دن کے مہمان ہیں، بالوں کو مضبوط، چمک دار، ملائم اور سیاہ بنانے کے لئے زُلفی استعمال کیجئے۔ اس کا ایک ایک قطرہ بالوں کے لئے رحمت سے کم نہیں۔ زُلفی گرتے بالوں کو روک دیتا ہے اور گھنے بال اُگاتا ہے۔ یہ گنج کو ختم کرتا ہے، اور بالوں کی سب سے بڑی دشمن خشکی کو دُور کرتا ہے —— زُلفی تیل نہیں بلکہ بالوں کی غذا ہے۔ زُلفی بالوں میں ڈالئے اور پھر دیکھئے وہ کتنی جلدی بڑھتے ہیں۔

قیمت زُلفی ہیر ٹانک : ۸ روپے
زُلفی شیمپو پاؤڈر : ۲ روپے ۵۰ پیسے

SHAMA LABORATORIES

شمع (یونانی اینڈ آیورویدک) لیبارٹریز، لال کنواں، دہلی

JAMIA NAGAR NEW DELHI-110025

فون نمبر ۲۷۸۸۸۰

ماہنامہ شانِ ہند دہلی

ایڈیٹر سرور تونسوی | قیمت سالانہ دس روپیہ | قیمت فی پرچہ ایک روپیہ

جلد ۳۶ — دسمبر ۱۹۷۵ء — شمارہ ۱۲

فہرس

افکار و اقعات	مدیر	
مشاعرہ خواتین مظفر نگر	کریمی الاحسانی	۱۴
تین غزلیں	بیگم کشور آرا شبنم	۱۷
دو غزلیں	مس نسرین آبادی	۱۸
تعارف	مس منظورہ اختر	۱۵
مونالیزا	غیاث قریشی	۲۰
سنا آپ نے		۲۰
انتساب	صبوری ریاض	۲۱
اور رنجشیں مٹ گئیں	نسرین ردولوی	۲۱
عقیدت کے آنسو	نگار ایم۔اے	۲۳
جلتے بجھتے دیپک	فرزانہ اعجاز	۳۳
سرتیا بھابی کی جنت	فریدہ کشاداڑا	۳۶
اونچی دیوار	مس نوجہاں سہارنپوری	۳۸
ساماجک بیڑیاں	نکہت شاہجہاں پوری	۴۱
ٹھیکے	سلاق ایل۔ رفیق	۴۶
کسک	پروین عائشہ	۵۲
چپکے سے بہار آجائے	رفاقت شاہ	۵۵
جلتا پھول	خدیجہ پروین مناقب دالابی اے (اندور)	۵۷
آج میرے بسیرو ماہی	کوثر رفعت	۵۹
خواب اور حقیقت	طاہر سلطانہ نقوی (بھوپال)	۶۳

دوبیا پرکاش سرحد تونسوی ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر نے لاہور پریس جامع مسجد اردو بازار میں چھپوایا اور آفس انصاری مارکیٹ دریا گنج نئی دہلی سے شائع کیا

ہردلعزیز انسان — شاعر جادو بیاں — اردو کا عاشق

قومی یکجہتی کا متوالا — شرافت کا نمونہ — انسانیت کا پیکر — مذہبی تعصب کا دشمن

ہر غم زدہ کا ہمدرد — ہر ضرورتمند کی حاجت روائی کیلئے کوشاں — مشاعروں کا روحِ رواں

غرضیکہ انسانی پیکر میں واقعی انسان اور اپنے جدّ امجد گورو نانک دیو جی مہاراج کی تعلیمات کا مظہر

کنور مہندر سنگھ بیدی سحر

کو ایک ارمغانِ عقیدت و خراجِ محبت

کنور صاحب کے عزیزوں، رفیقوں، دوستوں، مداحوں اور عقیدت مندوں کے لئے ایک گرانقدر عطیہ عقیدتوں کی یگانگت
دوستوں کی محبت، صحافیوں کے جذبات اور عام ملنے جلنے والوں کے تاثرات، شاعروں کے خیالات، نجی زندگی کے کوائف و حالات
اور کنور صاحب کی شاعری کے انتخاب سے لطف اندوز ہونے کے لئے

شانِ ہند کا شائع ہونیوالا

جشنِ سحر نمبر

ضرور پڑھیے

جو عنقریب دہلی میں منعقد کئے جانیوالے "جشنِ سحر" کے مبارک موقع پر شائع ہو رہا ہے اور جو یقیناً دنیائے اردو ادب میں ایک یادگاری اضافہ ہوگا چار صد صفحات پر چھپا ہوا یہ جشن نمبر جو بیس صفحات آرٹ پیپر پر کنور صاحب کی مختلف تصاویر سے مزین ہوگا آپ اپنی نظیر ہوگا۔ قیمت بیس روپیہ شانِ ہند کے مستقل خریداروں سے چھ روپیہ علاوہ محصولڈاک۔ جبکہ اس شمارہ پر دس روپیہ فی پرچہ اصل اخراجات ہونگے۔

مشتہرین کی خدمت میں التماس ہے کہ کنور مہندر سنگھ بیدی سحر کی ملک گیر مقبولیت کے پیشِ نظر جشنِ سحر نمبر ملک بھر میں بڑے ذوق و شوق سے پڑھا جائے گا اس لئے اس یادگاری خاص نمبر میں اشتہار دینا بھی کنور صاحب سے دلی عقیدت کا مظہر ہوگا۔

اجرتِ اشتہار:۔ عام سالم صفحہ اڑھائی صد روپیہ۔ نصف ۱۲۵ روپیہ۔ سرورق کا اندرونی صفحہ ۲ پانچ صد۔ سرورق کا تیسرا صفحہ چار صد اور سرورق کا آخری صفحہ دو رنگ میں سات صد روپے۔

جشنِ سحر نمبر میں آپ بھی لکھئے۔ "جشنِ سحر نمبر" کو اپنے لئے اور اپنے عزیزوں کو تحفہ میں دینے کیلئے مطلوبہ کاپیاں ریزرو کرا لیجئے جشنِ سحر نمبر میں اپنا اشتہار دیجئے۔ کنور مہندر سنگھ بیدی سحر کے ہر عقیدتمند کو جشنِ سحر نمبر کی اشاعت کی اطلاع دیجئے

مزید تفصیلات کیلئے

دفتر ماہنامہ شانِ ہند فلیٹ ۵، انصاری مارکیٹ۔ دریا گنج۔ نیو دہلی نمبر ۱۱۰۰۰۲

اپنے اسٹیشن کو صاف رکھیے

- اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ صاف ستھرا ماحول ایک طرف کسی شخص کے کردار کا آئینہ دار ہوتا ہے اور دوسری طرف اس کردار کو نکھارتا ہے۔ صاف ستھرا گرد و پیش خوشی اور مسرت بکھیرتا رہتا ہے
- ہم اپنے گھر صاف ستھرے رکھتے ہیں۔ تو پھر ان جگہوں کو صاف شفاف کیوں نہ رکھیں جنہیں ہم سب استعمال کرتے ہیں؟
- ریلوے پلیٹ فارموں، ویٹنگ روموں، سواری ڈبوں اور درحقیقت ان تمام جگہوں کو جہاں ایک بڑی تعداد میں لوگ اکٹھے ہوتے ہیں، گرد و پیش کو صاف شفاف رکھنا بہت ہی ضروری ہے

ریلوے میں ہم نے صفائی مہم شروع کی ہے جس کے بہت اچھے نتائج نکلے ہیں اب ریلوے صاف ستھرے نظر آتے ہیں لیکن ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ اس سلسلے میں ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے ہم زیادہ صفائی کے لئے اپنی کوششوں کا سلسلہ جاری رکھیں گے۔

آپ بھی اس سلسلہ میں ریلوے کی مدد کر سکتے ہیں۔ آپ صرف اتنا ہی خیال رکھیں کہ آپ کے آس پاس کی جگہ بالکل صاف شفاف حالت میں ہے۔ اس طرح اسٹیشن اور منسلکہ مقامات صاف ستھرے رہ سکتے ہیں۔ اور ہاں آپ ریلوے صفائی عملہ کے کارکنوں کی خدمات سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں وہ صرف آپ کی خدمت کے لئے ہی رکھے گئے ہیں۔

آپ بھی ذرا خیال رکھئے کہ کوڑا کرکٹ آپ کے ہاتھ سے ادھر ادھر نہ بکھرنے پائے بلکہ کوڑا دان میں پھینکا جائے۔ آپ کا یہ معمولی سا کام ہمیں آپ کی بہتر خدمات کرنے میں کافی مدد دیتا ہے۔

ریلوے آپکی پراپرٹی ہے۔ اسے صاف شفاف رکھئے

ناردرن ریلوے

اللہ شوق دے تو کتابیں پڑھا کرو

اور

آپ کا یہ شوق راجدھانی کی مقبول ترین

عوامی لائبریری

دیال سنگھ پبلک لائبریری

میں

پورا ہو سکتا ہے جہاں اُردو، ہندی، پنجابی اور انگریزی کی ہزارہا کتابیں ہر موضوع پر آپ کے ذوقِ مطالعہ کی سیری کیلئے موجود ہیں اور بغیر کسی نقد معاوضہ کے آپ صبح دس بجے سے شام کے پانچ بجے تک اپنی پسند کی کتابیں پڑھ سکتے ہیں۔ اردو، ہندی اور انگلش کے مشہور روزنامے، ہفت روزے اور ماہنامے بھی لائبریری میں منگائے جاتے ہیں۔

اتوار اور دوسری تعطیلات
کے روز لائبریری بند رہتی ہے

دیال سنگھ پبلک لائبریری
ٹرسٹ سوسائٹی
راؤز ایونیو۔ نئی دہلی

وزیرِ اعظم شریمتی اندرا گاندھی کا

۲۰ نکاتی پروگرام

ایک ایسا لا مثالی اور با معنی پروگرام ہے جسکی تکمیل سے ہر ہندوستانی یہ محسوس کریگا کہ واقعی ہمارا ملک ایک قابلِ رشک جنّت ہے۔

آیئے

ہم سب مل کر اس انفرادی پروگرام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کیلئے ہر ممکن کوشش کریں کیونکہ اسی میں ہماری اور ہمارے ملک کی بھلائی ہے۔

امین چند پیارے لال

جالندھر

نئی دہلی ۱۱۰۰۰۱
پارلیمنٹ سٹریٹ

کلکتہ
پارک سٹریٹ

دیال سنگھ کالج کرنال

کے منتظمین سٹاف اور طلبا عورتوں کے بین الاقوامی سال ۱۹۷۵ء
میں دنیا بھر میں خواتین کیلئے جو اچھی سکیمیں شروع کی گئی ہیں اور خواتین
کے مفاد کے لئے جو کارہائے نمایاں کئے گئے ہیں کو خاص اہمیت دیتے ہیں۔

دیال سنگھ کالج کرنال

مشترکہ پنجاب میں نصف صدی اور اب کرنال (ہریانہ) میں چوتھائی
صدی سے اپنی شاندار روایات کو قائم رکھتے ہوئے ہے دیال سنگھ کالج کرنال میں طلبا کو
ہمیشہ ڈسپلن قومی یکجہتی حب الوطنی اور ملک کی ہر طرح سے حفاظت کرنیکی تلقین کیجاتی ہے
اور انہیں ایک اچھا شہری اور ایک فرد ہندوستانی بنانیکی کوشش کیجاتی ہے۔

از کیٹو منتظمہ کمیٹی
دیال سنگھ کالج کرنال
(ہریانہ)

آمدنی کے رضاکارانہ انکشاف کی سکیم کیلئے

اپنی چھپائی ہوئی آمدنی اور دولت کو ظاہر کرنے کا بہترین موقع ہے

نہ جرمانہ - نہ کوئی مقدمہ

معقول شرح پر ٹیکس لیا جائے گا۔

جلدی کیجئے۔ اپنی چھپائی آمدنی اور دولت کا اظہار مقررہ فارم پر انکم ٹیکس کمشنر کے پاس کر دیجئے۔

آخری تاریخ: ۳۱ دسمبر ۱۹۷۵ء

31-12-75

تفصیلات اور فارم کیلئے براہ مہربانی اپنے انکم ٹیکس کمشنر سے رابطہ پیدا کیجئے۔

اپنی مدد کیجئے اور قوم کی بھی

ڈائریکٹوریٹ آف انسپکشن
پبلیکیشنز اینڈ پبلک ریلیشنز
محکمہ انکم ٹیکس

DAVP 75/366

غریبی ہٹانے کا ایک ہی جادو

زیادہ بچت

پردھان منتری نے ایک انقلابی معاشی پروگرام جاری کیا ہے۔

قومی بچتوں کے ادارے نے اس پروگرام کے لئے وسائل کو اکٹھا کرنے کا عزم کیا ہے

قومی بچتیں ہر کسی کو اس مساعی میں شرکت کا موقع دیتی ہیں۔

قومی بچتوں کے ادارے میں ہمارے پاس بچتوں کی مختلف اسکیمیں ہیں جن سے ہر کوئی اپنی ضرورتوں کے مطابق مستفید ہو سکتا ہے۔ شرح سود 10.25% سالانہ تک اس کے علاوہ ٹیکسوں میں بھی کئی رعائتیں دی جاتی ہیں۔

اپنا روپیہ قومی بچتوں میں لگائیے

نیشنل سیونگز کمشنر —— پوسٹ بکس 96۔ ناگپور

DAVP

افکار و واقعات

اُردو کے فاشسٹ ادیبوں کا پردہ چاک

پچھلے مہینے کے اداریے میں ہم نے اُردو کے پلے ہوئے ناکام ادیبوں کی ایک گھناؤنی سازش کا انکشاف کیا تھا۔ اس اداریئے نے پورے ملک میں ایک بجلی کی لہر سی دوڑا دی اور ہمارے پاس اسکی تائید میں بے شمار خطوط اور تار آئے ہیں۔ دو ایک لوگوں نے کچھ مخالفت بھی کی لیکن اکثر حضرات نے پُر زور لفظوں میں لکھا ہے کہ یہ لوگ جو اصل اُمیں اونچے اونچے عہدوں پر اُردو کے نام کی روٹیاں کھاتے ہیں اُردو کی جان کے لاگو ہو رہے ہیں اور اُردو کے بے جان جسم سے خون کا آخری قطرہ بھی چوس لینا چاہتے ہیں۔ یہ لوگ ہوائی جہازوں میں بیٹھ کر بنگلور جاتے ہیں جہاں چند مصاحبوں کو جمع کر کے باقی لوگوں کو بیوقوف بناتے ہیں [illegible] . . . . اور اپنے خطبۂ صدارت کو بنگلور میں پڑھنے سے پہلے دہلی کے اخباروں میں چھپواتے ہیں تاکہ اپنی نام نہاد کارگزاریوں کا ڈھنڈورا پیٹیے اور اپنے منہ میاں مٹھو بنتے ہوئے ان لوگوں کو جن کا تعلق راشٹرپتی بھون اور وزارت تعلیم سے ہے زیادہ سے زیادہ مرعوب کر سکیں تاکہ ان کے جاہ و منصب میں اور ترقی ہو اور اُردو کی قبر کھودنے کے لئے ان کو زیادہ سے زیادہ کمیٹیوں کی رکنیت دی جائے۔ ہمیں خطوط اور تار بھیجنے والوں نے لکھا ہے کہ اُردو کے ان دوست نما دشمنوں کا پردہ جلد ہی چاک کرنا چاہئے۔ ہمیں بعض چونکا دینے والے بیانات بھی موصول ہوئے ہیں۔ مدیر شانِ ہند چونکہ اُردو کی ترقی اور تحفظ کے لئے بڑے سے بڑا چیلنج قبول کرتا آیا ہے۔ ہم نے طے کیا ہے کہ ان اُردو دشمن عناصر کو پوری طرح بے نقاب کیا جائے۔

ملک کو اس وقت سب سے بڑا خطرہ فاشسٹ عناصر سے ہے۔ انہیں کی وجہ سے ملک میں ایمرجنسی کا نفاذ کیا گیا ہے۔ یہ فاشسٹ لوگ سیاست ہی میں نہیں زبان و ادب میں بھی ہیں۔ ہم یہ بات ثابت کریں گے کہ شاید ہی ہندوستان کی کسی دوسری زبان میں فاشسٹ لوگوں کا ایسا تعلیم یافتہ عیار گروہ ہو جیسا اُردو میں ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ اردو کے فاشسٹ عناصر اُردو دوستی کا ڈھونگ رچا کر لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ مدیر شانِ ہند کا خیال ہے کہ اُردو کا دوسرا نام سیکولرازم ہے۔ ہم بہت غور و خوض کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ جو لوگ سیکولرازم کے مخالف ہیں اس لئے اُردو کے بھی دشمن ہیں۔ ورنہ کیا وجہ ہے کہ اُردو میں "اعمال نامہ" اور "اُردو تحقیق" اور مالک رام جیسی فاشسٹ ذہنیت کی کتابیں شائع کی جاتی ہیں جن کا مقصد سوائے اسکے کچھ نہیں کہ نام نہاد تنقید و تحقیق کا سہارا لیکر شریف لوگوں پر کیچڑ اچھالی جائے اور اُردو کی سیکولر قوتوں کو کمزور کیا جائے۔ "اعمال نامہ" کے بارے میں ہمیں کچھ مزید دلچسپ معلومات حاصل ہوئی ہیں جنہیں ہم اگلے شماروں میں شائع کریں گے۔ تعجب ہے کہ اُردو کا ہر شاعر اور ادیب یہ جانتا ہے کہ جب اُنکی کتاب شائع ہوگی تو اُردو اکادمی سے ہزار دو ہزار روپے کا انعام ضرور ملے گا۔ یہی معاملہ ذکی کاکوروی کا بھی ہے۔ اس سے پہلے انھوں نے ایسے مضامین کا مجموعہ شائع کیا تھا جس میں کئی شخصیتوں پر حملے کئے گئے تھے اور پروفیسر مسعود حسن رضوی ادیب جیسے محترم المقام اور قابل احترام شخص کو جگہ جگہ "بڈھا" کہہ کر خطاب کیا گیا تھا اُن کی ایسی حرکتوں پر ہر طرف سے لعن طعن کی گئی، اور یہ کتاب انعام سے بھی محروم رہی، اس پر تو کئی کے اندر کا فاشسزم جاگ اٹھا، فاشسزم سیاسی یا مذہبی نہیں [illegible]

. . . .

. . . . اس طرح انکو بھی فاشسٹ عناصر کی حمایت بھی حاصل ہو گئی [illegible] کو بہکانے کا موقع بھی ہاتھ آگیا۔ اور تو اور شروع شروع میں ہم بھی انکی باتوں میں آگئے لیکن بہر صورت جلد ہی ہم پر حقیقت کھل گئی کی اصلیت کا پتہ چل چکا ہے ورنہ کیا وجہ ہے کہ ذکی نے کلام کی شرح پر بے دے کی۔ اگر اردو اکادمی کی اصلاح چاہئے تھی تو انکی [illegible] اراکین یعنی محمد حسن، علی جواد زیدی اور شمیم الحق نے تنقید [illegible]

فیصلوں کے دستدار تھے، لیکن ملک بھر سے ذکی کی [illegible] بھی بہلے کو تسکین نہیں ہو سکتی تھی۔

بالکل اسی نوعیت کا کام دہلی میں رشید حسن خاں اور انکے ساتھیوں نے مالک رام کے خلاف کتاب چھاپ کر کیا۔ ہمیں دہلی یونیورسٹی کے بعض لوگوں نے بتایا ہے کہ اس کتاب کے چھاپنے کیلئے چند لوگوں نے خفیہ طور پر چندہ جمع کیا اور اس پر جعلی مرتب کا نام درج کیا گیا۔ اس بارے میں ہماری تحقیقات جاری ہیں۔ اگر شاہد اعظمی واقعی کسی شخص کا نام ہے تو وہ دفتر شان ہند میں تشریف لائیں اور اپنی شناخت کا ثبوت پیش کریں ورنہ اس جعل کا بھانڈا انہیں پھوڑنا پڑے گا۔ ہم مالک رام یا کسی شخص کے طرفدار نہیں لیکن اردو سے محبت کی بنا پر فاشزم کا پردہ چاک کرنے پر مجبور ہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ ایک مدت سے رشید حسن خاں اور انکے کچھ ساتھیوں نے مالک رام کے خلاف مہم چلا رکھی ہے اور اس پر طرح طرح سے کیچڑ اچھالی گئی ہے لیکن وہ خدا کا بندہ اس بڑھاپے میں بھی اتنا کام کرتا رہتا ہے، اگر خطوط غالب کے سلسلے کی کوئی بات تھی تو وہ کب کی صاف ہو چکی، ان تحریروں کا مقصد اگر اصلاح تھا تو یہ بھی اسکو پہلی اشاعت سے پورا ہو چکا، پھر ان منفی تحریروں کو کتابی شکل میں یکجا کرنے، جعلی ناموں کے پردے میں خود مضمون لکھنے، لوگوں کے پاس جا جا کر اور انہیں مالک رام کے خلاف بھڑکا کر مضامین لکھوانے اور پھر ان میں طویل حصے خود لکھ کر اضافہ کرنے کا مقصد سوائے اسکے کیا ہے کہ کسی شریف آدمی کو لسانی فاشزم کا شکار بنایا جائے۔ وہ شخص تو اپنی شرافت کی وجہ سے بولنے سے رہا، فتنہ پسندوں نے سمجھا کہ اس طرح انکی عزت کو نقصان پہنچا سکیں گے۔ انکی عزت کو نقصان تو کیا پہنچتا البتہ رشید حسن خاں اور ان کے ساتھیوں نے خود کو رسوا ضرور کر لیا۔ سچی تنقید ہوتی تو دونوں پہلوؤں کو دکھاتے اور مالک رام کی خوبیوں اور خدمات کو بھی سامنے لاتے، لیکن جب محرک جذبہ ہی فاشسٹ نوعیت کا ہو تو یہ کیونکر ہو سکتا تھا۔

[illegible] طرح طرح کے بھیس بدل کر سامنے آتا ہے، کہیں تعصب کی تلوار تو کہیں [illegible] کہیں مفاد پرستی کی شمشیر اور کہیں لسانی برتری کا زور [illegible]

دھار کر، قاضی عبد الودود صاحب، جناب امتیاز علی عرشی اور پروفیسر مسعود حسین رضوی نے بھی دوسروں کی کوتاہیوں پر روشنی ڈالی ہے لیکن ان کا مقصد اصلاح تھا۔ دوسروں کی عزت پر حملہ کرنا نہیں۔ اگر وہ لسانی فاشزم کا شکار نہیں ہیں تو یہ جرات انہیں گھر سے شروع کرنی چاہیئے۔ ہم اسکو ضامن علی کا [illegible] سمجھتے تھے لیکن جب سے اکبر علی خاں اور ڈاکٹر اطہر پرویز صاحب اختر نے ثابت کیا ہے کہ رشید حسن خاں معمولی لفظوں کے معنی بھی نہیں سمجھتے تو ان کے عالم بالا کی سخن فہمی کا راز کھل گیا ہے۔ ہم نے تحریریں جمع کر لی ہیں اور انہیں شان ہند میں شائع کریں گے جو شخص آواز کو مذکر بولتا ہو اور جس کو اتنا پتہ نہیں کہ آواز مؤنث ہے کہ مذکر اسکو کیا حق ہے کہ دوسرے پر حرف گیری کرے۔ مرحوم عبد الخالق نقوی نے "غلطی ہائے مضامین" کے عنوان سے ایک مضمون میں کئی صفحوں پر رشید حسن خاں کی غلطیاں بھی گنوائی تھیں لیکن انھوں نے رسالے کے دفتر میں جا کر اس حصہ کو رکوا دیا۔ رشید حسن دہلی یونیورسٹی میں مخطوطات کی عبارت نقل کرنے کے کام پر مامور ہیں جب تذکرہ "عمدۃ المنتخبہ" شائع ہوا تو قاضی عبد الودود نے ان سے کہا کہ اس تذکرہ کا متن تو آپ نے تیار کیا ہے پھر یہ غلطیوں کی لوٹ کیوں ہے، رشید حسن نے جواب دیا کہ جب کتاب خواجہ احمد فاروقی کے نام سے چھپنی تھی تو میں محنت کیوں کرتا۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ رشید حسن اپنے فرائض منصبی کے سلسلے میں بد دیانتی کے مرتکب رہے ہیں اور جس کام کے لئے انہیں تنخواہ ملتی رہی ہے اس کام کو وہ محنت سے نہیں کرتے رہے، اور اگر انھوں نے بد دیانتی سے کام نہیں لیا تو پھر "عمدۃ المنتخبہ" کی غلطیاں ان کی اپنی غلطیاں ہیں دونوں صورتوں میں رشید حسن بری الذمہ قرار نہیں پا سکتے، نیز اگر رشید حسن مالک رام جیسے مخلص ادیبوں کے تحقیقی معیار سے مطمئن نہیں تو خواجہ احمد فاروقی کی تحقیق کے بارے میں ان کی کیا رائے ہے جو پروفیسر کلیم الدین احمد کے الفاظ میں نہ انگریزی کو پوری طرح سمجھ سکتے ہیں نہ اردو میں صحیح مفہوم کو ادا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، ہم نے اس رائے کی فوٹو کاپی محفوظ کر لی ہے اور وقت آنے پر شائع کریں گے۔

اردو کے فاشسٹ ادیب اپنی مفاد پرستی کے لئے قومی اہمیت کے بزرگوں کے ساتھ اور قومی اداروں کی عزت پر کیا کیا نازیبا حملے کرتے ہیں ان کی تفصیل ہم اگلے اداریے میں دیں گے۔ اس اداریے

ہے کو چکنے کے بعد ہماری نظر سے عتیق صدیقی کا وہ تبصرہ گذرا جو انھوں نے کانگریس کے اخبار سب ساتھ میں شائع کیا ہے۔ عتیق صدیقی غیر جانبدار اور قومی ذہن رکھنے والے ادیب ہیں اور ان کا تبصرہ ہمارے پچھلے اداریے کی اشاعت سے پہلے چھپ چکا تھا ہم اس کو پورا نقل کرنا چاہتے ہیں مگر جگہ کی کمی کی وجہ سے ہم اس کے ضروری حصے اسی اشاعت میں اسی صفحہ پر پیش کر رہے ہیں قارئین بشارت ہند خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس سے ہمارے موقف کی تائید ہوتی ہے کہ ملاؔ کی شاعری کو نشانہ بنانے سے ذکی کاکوروی کا مقصد اصلاح نہیں تھا بلکہ وہ خود لسانی فاشسزم کا شکار ہو گئے ہیں۔

نوٹ :۔ ہمیں یہ خوشی ہے کہ ہمارے اداریے کا اثر طالب علموں کی ذہنی حساسی پر بھی پڑا ہے۔ جب یہ پرچہ پریس جا رہا تھا کہ دہلی یونیورسٹی کے طالب علموں سے ایک لڑکی اور دو لڑکے بشارت ہند کے دفتر میں آئے انھوں نے اپنے بعض ذی وقار اساتذہ کے بارے میں جو تفصیلیں بتائیں وہ ہمارے قارئین کے لئے یقیناً حیرت انگیز اور گھناؤنی ہوں گی ہم نے ان کا انٹرویو لے لیا ہے۔ اس وقت صرف اتنا بتا دینا کافی ہے جیسا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے وہاں علم و ادب کی نام نہاد خدمت کے علاوہ ایسے کام ہوتے رہتے ہیں جن سے کسی کی عزت محفوظ نہیں۔

اعمال نامہ

● ذکی کاکوروی

آج سے تیس چالیس سال پہلے کی ایک دلآویز اور اسی درجہ دلچسپ کتاب "اعمال نامہ" کے نام سے شائع ہوئی تھی۔ یہ سر رضا علی مرحوم کی آپ بیتی تھی۔ کتاب کی ادبی خوبیوں سے قطع نظر موضوع سے کتاب کے ... نے اس کی دلآویزی کو اور بھی دوبالا کر دیا تھا۔

حال ہی میں ذکی کاکوروی صاحب نے "اعمال نامہ" ہی کے نام سے ایک مختصر سی کتاب لکھنؤ سے شائع کی ہے۔ یہ ان کی آپ بیتی نہیں بلکہ اتر پردیش اردو اکیڈمی کی ... ہے۔ اس میں انھوں نے اکیڈمی کی کارکردگی کا جائزہ لیا ... چلو ... کو تاہیوں کی نشاندہی کی ہے۔

اکیڈمی کا قیام ۱۹۷۲ء میں عمل میں آیا۔ اردو کی ترویج و اشاعت کی راہیں ڈھونڈنے کے علاوہ ادبی کتابوں کی طباعت کیلئے مصنفوں کو اردو کتابوں کی خریداری کے لئے کتب خانوں کو مالی امداد فراہم کرنا نیز مستحق اردو مطبوعات کو انعام دینا اکیڈمی کے اغراض و مقاصد کا ... ہیں۔ یہی موخر الذکر موضوعات پیش نظر "اعمال نامہ" کا موضوع ہیں۔

مصنف نے اتر پردیش اردو اکیڈمی کا عموماً اور اس کی امدادی و انعامی پالیسی کا خصوصاً غیر تعمیری انداز میں جائزہ لیا ہے۔ عرض حال کے علاوہ کتاب میں مندرجہ ذیل عنوانات پر مشتمل ہے۔

● سیاہی کی ایک بوند کی ادبی قدر و قیمت۔

● اتر پردیش اردو اکیڈمی۔

● انعام یافتہ کتابوں کی کیفیت۔

پہلے عنوان کے تحت مصنف نے آنند نرائن ملاؔ کے چوتھے مجموعہ کلام "سیاہی کی ایک بوند" کو تنقید کی کسوٹی پر پرکھنے کی کوشش کی ہے یعنی ہر شاعری اور ہر شعر کا پرکھیا۔ تاہم میرا احساس ہے کہ مصنف نے ملاؔ کے ساتھ انصاف نہیں کیا ہے۔ ان کا کلام صحیفۂ آسمانی نہیں ہے کسی شاعر کا کلام بھی خامیوں سے پاک نہیں ہوتا اور نہ ہو سکتا ہے ... بھی "ابن آدم" ہوتا ہے اور "خوئے آدم" بھی اسے ورثے میں ملی ہے ... غلطیاں کرنا ہے اور یہی اس انسانیت کی دلیل ہے۔ مصنف نے ملاؔ کے ... جس نوع کے اعتراضات کئے ہیں اسی نوع کے اعتراضات ایک ... سال ہمارے لکھنؤ ہی کے ... شعر نے ڈاکٹر اقبال مرحوم کے ... کئے تھے اور اس سے زیادہ تلخ لب و لہجہ میں پنجابی نقاد ... شاعروں کے کلام کو سامنے رکھ کر جوابی حملے کئے تھے۔

یہ بات بلا خوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ "سیاہی کی ایک بوند" مصنف کے جائزے کو جو "اعمال نامہ" کے تئیس صفحات ... ان کے اصل موضوع "اتر پردیش اردو اکادمی سے متعلق ... جتنا کر توں کو لکھا ہے۔ اس اعتبار سے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ مصنف نے "سیاہی کی ایک بوند" کی تنقید کو "اعمال نامہ" میں شامل کر کے کتاب میں زیادہ تر موضوع کے ساتھ ناانصافی کی ہے اور اسے نقصان پہنچایا ہے۔

آنند نرائن ملاؔ یقیناً اتر پردیش اردو اکیڈمی کے صدر ... انھیں "سیاہی کی ایک بوند" کی وجہ سے ... ہیں ... گیا ...

دلّی کیلئے ۲۰ نکاتی اقتصادی پروگرام

کامیاب آغاز

بے زمین لوگوں کیلئے آراضی: ہریجنوں اور بے زمین کسانوں کو مکان بنانے کے لئے ۲۵ رہائشی پلاٹ اور کھیتی باڑی کے لئے ۸۰۷۲ زرعی زمینیں تقسیم کی گئی ہیں۔

- پنچایتوں کے ذریعے بے زمینوں کو ۱۳۰۹۴ رہائشی پلاٹوں اور ۴۹۰۴ زرعی زمینوں کی مزید تقسیم کا کام جاری ہے۔
- ہاؤسنگ کوآپریٹیوں کے توسط سے غریب اور کم آمدنی والے لوگوں کو ۷۰ ہزار رہائشی پلاٹ دیئے جائیں گے۔
- مکان بنانے کے لئے ہریجنوں کو ۱۵ لاکھ روپیہ کی مالی امداد کی فراہمی۔

طلباء و طالبات کیلئے سہولتیں: تمام غریب طلباء و طالبات کے لئے بُک بنکوں سے درسی کتابوں کی فراہمی۔

- تمام اسکولوں و کالجوں میں سستے داموں پر کاپیاں، کاغذ اور اسٹیشنری کی فراہمی • تمام ہوسٹلوں میں سستے داموں پر ضروری اشیاء کی فراہمی۔

نئے روزگار: دلّی یونیورسٹی کے نئے گریجویٹوں کو ۲۰ منی بسوں کی فراہمی • اپرنٹس شپ ایکٹ کے تحت تربیت یافتہ ڈپلومہ ہولڈر انجینیروں کو روزگار کی فراہمی، مالکان کے ملازمین • ۲۵ ہزار لوگوں کو جلد از جلد روزگار فراہم کرنے کے لئے ٹریڈ کمپلیکس کی تعمیر کے کام میں تیزی۔

کم سے کم اجرتوں میں اضافہ: صنعت، زراعت، دکانوں اور تجارتی فرموں میں ۵ لاکھ ملازمین و محنت کشوں کی کم سے کم اجرتوں میں اضافہ۔

تقسیم اشیاء: سستے اناج کی دکانوں، کوآپریٹیو اسٹوروں، موبائل گاڑیوں کے ذریعے نہ صرف شہری حلقوں بلکہ دور دراز علاقوں اور جھگی جھونپڑیوں کالونیوں میں ضروری اشیاء مثلاً تیل اور موٹا کپڑا فراہم کئے جا رہے ہیں۔

[illegible] تقسیم: فروخت ہونے والی تمام اشیاء پر قیمت ٹیگ لگانا لازمی قرار دے دیا گیا ہے۔

- منافع خوروں، ذخیرہ اندوزوں اور اسمگلروں کے خلاف سخت قانونی کارروائی کی جا رہی ہے۔

انتظامیہ کے اقدام: راجدھانی میں امن وامان اور نظم ونسق کی صورتِ حال میں کافی سدھار ہوا ہے۔

مستعدی اور بہتر: آج دلّی انتظامیہ کے تمام دفاتر اور اداروں میں ہر طرف مستعدی و بہتر کارکردگی اور لوگوں کے ساتھ خوش اخلاقی کے برتاؤ کا خوشگوار ماحول پیدا ہو گیا ہے اور بدعنوان و نااہل لوگوں کو ہٹایا جا رہا ہے۔ لوگوں نے اس نئے دور کے آغاز کا خیر مقدم کیا ہے۔

آئیے ہم سب ایک ہو کر پورے نظم و ضبط، لگن اور پختہ ارادے کے ساتھ اس پروگرام کو پوری طرح کامیاب بنائیں

جاری کردہ: محکمہ اطلاعات واشاعت دلّی انتظامیہ - دلّی

ہمکو

فروٹ پروڈکٹس کے معنی ہیں

اعلیٰ کوالٹی اور لذیذ

یہ پروڈکٹس پہاڑیوں میں پیدا ہوئے تازہ پھلوں سے تیار کیجاتی ہیں
پورے ملک میں اور ملک سے باہر بھی ان اشیا کی بھاری مانگ ہے۔

ہماری چند ایک مخصوص ایکسپورٹ کوالٹی اشیاء ہیں:-

- چاشنی میں نصف آڑو کے ٹکڑے
- سرسوں کے ساگ کا شوربہ
- ہاضمہ دار ادرک
- لیچی شربت
- خوبانی یا آڑو کا رس
- ملے جلے پھلوں کی چٹنی
- سیب کا رس
- جیم اور پھلوں کا گودہ

یہ سب اشیاء تیار کرتے ہیں

ہماچل پردیش کیننگ یونٹ

ہارٹیکلچر محکمہ

نوبہار شملہ ۲

تجارتی پوچھ تاچھ کیلئے پتہ
خصوصی تفصیلات:-
ناظم ڈائرکٹر مینیجر

کریمی الاحسانی

مشاعرہ خواتین مظفرنگر

سیدہ فرحت ۔ نسیم مخموری ۔ مسعودہ حیات ۔ جمیلہ دہلوی ۔ ساحرہ دہلوی ۔ کشور آرا شبنم ۔ صہبا آبادی ۔ نیر انجم نرگس ۔ نسرین بہاری

نمائش مظفرنگر کی تقریبات کے سلسلے میں تین سال سے مشاعرہ خواتین بھی منعقد ہوتا ہے۔ مردوں کو پنڈال میں داخلہ کے لئے پاس جاری کئے جاتے ہیں۔ یہ وہی گراؤنڈ ہے جہاں پر پنجابی کوی دربار۔ کوی سمیلن۔ قوالی وغیرہ کے پروگرام چلتے ہیں اسی پنڈال میں مشاعرہ منعقد ہو رہا ہے۔

دیکھئے ۲۵ مارچ ۷۵ء ہے۔ رات کے دس بج چکے ہیں دیر تک پنڈال کے باہر ہجوم کی زور آزمائی دیکھتا رہا۔ ادھر مسٹر نجم منظر نگری مہمان شاعرات کو کھانا کھلانے میں لگ گئے ہیں اور ادھر سامعین کا ایک جم غفیر داخلہ کے لئے پاس کارڈ کی اشد ضرورت محسوس کر رہا ہے اگر ذرا دیر اور ہو گئی تو یہ ہجوم بے قابو ہو جائے گا۔ جگہ کا سوال بے چین کئے دے رہا ہے پھر کرسیاں نہیں ملیں گی بہرحال میں سوا دس بجے اپنے کئی احباب کو چھوڑ کر پنڈال کا جائزہ لینے کے لئے پنڈال میں چلا آیا ہوں لیجئے جناب بہار برنی صاحب رکن ادارہ "الجمیعۃ" آ گئے ہیں ان سے سلام و دعا کے بعد انہی کے ساتھ اسٹیج پر پہنچ گیا ہوں کیونکہ بہار صاحب مشاعرہ کو چلائیں گے۔ جناب سبزواری صاحب محترمہ بیگم سید ظہیر حسن صاحبہ [illegible] مظفرنگر کا اسم گرامی صدارت کے لئے پیش کر رہے ہیں محترمہ اس اعلان پر تالیوں کی جھنکار میں مسند صدارت پر تشریف لا چکی ہیں اور بہار برنی نے مدعو شاعرات کے نام گنا کر نہایت موزوں اور مناسب مختصر الفاظ میں تعارف فرما کر نسرین آبادی کو زحمت کلام دی ہے۔ نسرین صاحبہ نہایت دلکش ترنم سے فرما رہی ہیں ؎

آپ سے مانگتی ہوں میں وہ بے رخی سہی
ایک نظر کی بات ہے جواب نہ سہی کبھی سہی

آپ پہ حرف آئے کیوں میری بلا سے جائے کیوں
خالی نہ جاؤں گھر سے کم دیجئے درد ہی سہی

[illegible] ادھر ہو رہا ہے [illegible] ایک ہنگامہ ہے
[illegible] ادھر نسرین صاحبہ [illegible]

رات بہت اداس ہے دیکھئے مسکرائیے
میرے بھی غمکدے میں آج ہلکی سی روشنی سہی

نسرین صاحبہ مناسب داد وصول کئے جا رہی ہیں اور بہار صاحب نہایت احترام کے ساتھ نسیم مخموری دہلوی سے درخواست کلام کر رہے ہیں نسیم صاحبہ پنڈال کا جائزہ لے کر غزل سرا ہیں ؎

جلاؤ دل کو اُجالا کرو خیالوں میں
ہر ایک دل کی کسک ہو تمہارے نالوں میں

اندھیری رات سے اُٹھو خلوص دل لے کر
کوئی پکار رہا ہے تمہیں اُجالوں میں

خموشیوں کی زباں سے سنا رہی ہے صبا
ہزار چاند گھرے ہیں زمیں کے ہالوں میں

بہت عزیز ہو تم دل کی آبرو کی طرح
تمہارے دل کی کسک ہے ہمارے نالوں میں

نسیم کیسے مہکتی ہوئی چمن میں چلے
گلاب سوکھ چلے ہیں کسی کے بالوں میں

نسیم صاحبہ اور داد لازم و ملزوم۔ اس حسین غزل اور دلکش ترنم پر کون داد نہ دے گا۔ لہٰذا آپ کو خوب خوب داد دی گئی ہے اور آپ تالیوں کی جھنکار میں کامراں جا رہی ہیں اور بہار صاحب فرما رہے ہیں ابھی آپ نے ایک معیاری غزل سنی اور اب آپ مسعودہ ناز لکھنوی سے ان کا کلام سنئے وہ دیکھئے پھر دروازہ پر ایک شور ہے اس مرتبہ پولیس والے بھی حرکت میں آ گئے ہیں۔ یہ پاس سسٹم ہی غلط ہے اگر عام داخلہ ہو تو پنڈال میں جگہ ہی نہ ملے۔ لیجئے ناز صاحبہ سنا کر جا رہی ہیں اور میں ایسی جگہ بیٹھا ہوں کہ یہاں اچھی طرح سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ کیا پڑھا جا رہا ہے۔ محترمہ مسعودہ حیات صاحبہ تعاون فرما رہی ہیں کبھی کبھی تو کوئی شعر [illegible] سمجھ میں نہیں آتا ہے۔ اب دیکھئے نا ناز صاحبہ کی غزل سے آپ کی [illegible] رہے آئیے پھر بھی ایک شعر تو سن ہی لیجئے گا ؎

کچھ ہم کو بانٹ دیجئے اپنی جفا کے پھول
ہم بھی کھڑے ہیں اہلِ وفا کی قطار میں

چونکہ ابھی پنڈال میں افراتفری کا عالم ہے اس لئے مشاعرہ جما نہیں ہے بہار صاحب فرما رہے ہیں اگر فنکار کو داد نہ دی جائے تو ان کا حوصلہ بلند نہیں ہوتا لہٰذا آپ حضرات سکون سے سنئے اور اچھے اشعار پر فنکار کو داد بھی دیجئے اور اب آپ صہبا امادوی سے ان کی غزل سنئے۔ صہبا صاحبہ محفل کو یوں سرشار کر رہی ہیں ؎

ہمیں نے ناز سکھائے ہمیں شکار ہوئے
ہمیں نے زلف سنواری ہمیں سے برہم ہے

نہ تھے چراغ تو اک چاندنی سی پھیلی تھی
جلے چراغ تو اب گھر میں روشنی کم ہے

داد نقطۂ عروج سے ہوا ہے۔ کئی بار دُہرا کر فرما رہی ہیں ؎

کٹے گی کیسے شبِ ہجر میری اے صہبا
کہ شام ہی سے ستاروں میں روشنی کم ہے

صہبا صاحبہ داد پاکر اپنی جگہ آ گئی ہیں اور بہار صاحب جمیلہ دہلوی کا نہایت مناسب الفاظ میں تعارف فرما کر درخواستِ کلام کر رہے ہیں جمیلہ صاحبہ نے یوں اپنے مخصوص ترنم سے غزل چھیڑی ہے ؎

نہ ادا کی تھی شرارت نہ نظر کا تھا اشارا
میں کسی کا نام کیوں لوں اسی دل نے مجھ کو مارا

داد مطلع ہی سے ہنگامہ کا روپ دھار رہی ہے اور مسعودہ حیات صاحبہ چٹکی لے رہی ہیں کہ پہلے مصرعہ میں نہ کے بجائے جمیلہ صاحبہ نا پڑھ رہی ہیں اور جمیلہ صاحبہ یوں سحر کرنے پر اُتر آئی ہیں ؎

کسی غیر کے کہے سے نہ کرو حضور زحمت
مجھے بیکسی کا مرنا شبِ ہجر میں گوارا

میں یوں رواں دواں تھی کسی دشتِ بیخودی میں
کہ ترے کرم نے بڑھ کر مجھے دیدیا سہارا

نہ وہ صبح ۔ روئے روشن نہ وہ شامِ زلف برہم
کوئی کیسے جی سکے گا ذرا سوچئے خدارا

پہ داد دینے والے تالیوں پر اُتر آئے ہیں اور آپ اسی عالم میں انکھ سے جھلا ہو رہی ہیں اور بہار صاحب دہلی کی مشہور مترنم شاعرہ ساحرہ قزلباش کو دعوت دے رہے ہیں۔ ساحرہ صاحبہ کا ...

اوڑھے مائک پر کھڑے ہو کر یوں سحر کاری کرنے چلی ہیں کہ ہم سے تو آپ محروم ہی رہے۔ آیئے یہ حسین غزل سنئے ؎

مطمئن ہو گئے ہیں اب غم سے
زندگی کیسا ہے پوچھئے ہم سے

ہم نے اِک داستاں سنائی تھی
آپ کس واسطے ہیں برہم سے

ہم نے ہونٹوں کو سی لیا تھا مگر
کھل گیا رازِ چشمِ پُرنم سے

ساحرہ صاحبہ پنڈال کو گرما کر کامراں جا رہی اور اِدھر چائے کا دور شروع ہو گیا ہے لہٰذا مسعودہ حیات چائے کی نذر تو نہ ہو سکیں البتہ شاعرات چائے کی طرف متوجہ ہو گئی ہیں اور ان کے متوجہ نہ ہونے سے کیا فرق پڑا ہے کچھ بھی نہیں۔ حیات صاحبہ فرما رہی ہیں ؎

حیراں سا لگے ہے نہ پریشاں سا لگے ہے
یہ دل تو کسی درد کا طوفاں سا لگے ہے

داد ہے کہ بس کچھ نہ پوچھئے پنڈال انگڑائیاں سی لے رہا ہے مطلع کو کئی بار دُہرا کر حیات صاحبہ یوں محفل کو توانائی عطا کر رہی ہیں ؎

کیوں اہلِ جنوں دشت کی اب خاک اُڑائیں
جب صحنِ چمن آنکھ کو ویراں سا لگے ہے

پھر داد کا ایک ریلا سا آیا ہے اور قدرے سکوت کے بعد ارشاد ہوا ہے ؎

اپنا تو پسینہ بھی گرانقدر ہے ہم کو
غیروں کا اگر خون بھی ارزاں سا لگے ہے

نفرت ہو تو ہر چیز ہی بنجاتی ہے پُرخار
صحرا بھی محبت میں گلستاں سا لگے ہے

پھر داد دینے والے تالیوں پر اُتر آئے ہیں اور سامنے والے سن چلے ذرا زیادہ اُچھل کود رہے ہیں اِدھر حیات صاحبہ مقطع سُنا رہی ہیں ؎

دیکھو تو حیات آج بھی ہر شخص ہے شاداں
سوچو تو ہر اک فرد پریشاں سا لگے ہے

مسٹر منظور صاحب فرما رہے ہیں کیا تلاش ہے اور حیات صاحبہ داد میں نہائے شاداں جا رہی ہیں۔ لیجئے بہار صاحب رامپور کی مشہور ایڈیٹ اور سابق ایم ایل۔ اے کشور آرا شبنم کو زحمتِ سخن دے رہے ہیں۔ شبنم صاحبہ نہایت متانت سے فرما رہی ہیں ؎

یوں ڈھونڈ رہے ہیں تجھے اے شہر نگاراں
جیسے کہ ستاروں کا جہاں ڈھونڈ رہے ہیں

داد کے شور میں ارشاد ہوا ہے ؎

دشتِ غمِ جاناں میں رواں شب روز
ساحل تیرا اے عمرِ رواں ڈھونڈ رہے ہیں
سوتے میں بھی جاگے ہیں تجھے یاد کیا ہے
اب اپنے لئے خواب گراں ڈھونڈ رہے ہیں

شبنم صاحبہ رواں دواں سنا کر داد لوٹتے پلٹ رہی ہیں اور بہار صاحب نہایت ادب کے ساتھ سیدہ فرحت علی کاظمی سے درخواست کلام کر رہے ہیں سیدہ صاحبہ معمر خاتون ہیں اور آرائش و زیبائش سے بھی دور نظر آتی ہیں۔ نہایت سادگی سے مائک پر تشریف لا کر عنایت کر رہی ہیں ؎

کون محرم ہے رہِ عشق کے پیچ و خم کا
کیا بیاں کیجیے جذبات کے کیف و کم کا
درد الفاظ کے سانچے میں نہیں ڈھل سکتا
کوئی سمجھے تو اشارہ ہے یہ چشمِ نم کا
پردۂ ذہن پہ لاکھوں ہیں تصاویرِ حیات
یہ دکھاتا ہے کرشمہ ہمیں جامِ جم کا
چھین لی ہیں لئے کہ وہ بچھڑی کی جنت
جذبۂ فکر و تجسس تھا گنہ آدم کا

فرحت صاحبہ نے جس سنجیدگی سے اسی سنجیدگی سے آپ کو داد بھی دی گئی ہے۔ بہار صاحب نے ناظم نرگس دہلوی کو دعوتِ موسیقی دے رہے ہیں۔ نرگس صاحبہ آسمانی ساڑی زیب تن کئے ہیں آپکی بیاض میں غزلیں ہندی میں لکھی ہوئی ہیں۔ یہ اردو کا جادو نہیں تو اور کیا ہے اور کمال یہ ہے کہ غزلیں اردو ہی میں سنائی جا رہی ہیں۔ نرگس صاحبہ مائک پر آکر ڈٹ گئی ہیں۔ بیکو دیکھ کر ایک آواز بلند ہوئی ــــ ایسی ہی مجاز کی غزل سنا ہوگی ــــ جی ہاں ایسی ہی بھاری غزل سناؤنگی اور پھر نہایت دلکش ترنم سے محفل کو چونکا رہی ہیں ؎

لطفِ سفر نہیں تو اگر ہمسفر نہ ہو ؛ تیرا ہو نور راہ میں گو راہبر نہ ہو
پیمان گیا تھا عشق پشیماں نہیں قبول ؛ اللہ میری کو میں پیدا اثر نہ ہو
اے جیتے جی کا عرض تمنا کا کیا ہو بنے ؛ کچھ لوکو کہو خموشی مرے نامہ بر نہ ہو

نرگس نے اپنے غم کا کبھی اظہار کر ؛ یوں اشکبار ہو کہ کسی کو خبر نہ ہو

نرگس صاحبہ تالیوں کے ہنگم شور میں اپنی جگہ آرہی ہیں اور بہار صاحب محترمہ شبنم دہلوی کو دعوتِ نغمگی دے رہے ہیں۔ شبنم صاحبہ بھی گٹ زلفت لہرائے مائک پر آکر یوں نغمگی کا مظاہرہ کر رہی ہیں ؎

آپ کی یاد جب آگئی	برق سینے پہ لہرا گئی
آ بھی جا وعدہ کیلئے	زندگی غم سے گھبرا گئی
اس کلی کا مقدر ہوں میں	شاخ ہی پر جو مرجھا گئی

داد نے ترنم کو جنم دیا ہے۔ شبنم صاحبہ کی یاد دلا کر چہک رہی ہیں ؎

ہم اگر دشمنوں سے بچیں	دوستوں کی نظر کھا گئی
آج شبنم کو بے ساختہ	حالِ گل پر ہنسی آگئی

شبنم صاحبہ تالیوں کے شور میں مائک سے جدا ہو رہی ہیں اور آپ کے ساتھ ہی تقریباً سوا بارہ بجے یہ پہلا دور ختم ہو رہا ہے اور دوسرا دور ۲ بجے تک جاری رہا۔

اس مشاعرہ کو کامیاب کرانے میں مسز مریم نظر تنگی بیرسٹر کاظم صاحب۔ محترمہ عائشہ فاطمہ بیگم بیگم صاحب جناب کیلاش بہادر داج۔ محترمہ زینا ماتھر اہلیہ جناب گنزا پرانی صاحب ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ مظفر نگر نے نہایت کوشش فرمائی۔ میں محترمہ مسعود جہاں صاحبہ کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے شاعرات کے کلام حاصل کرنے میں میری مدد فرمائی اور کیا عرض کروں ؎ نہ جانے صبح کے دامن میں چھپ ہو کر دھواں
دعا نہ کیجیے محفل کی برہمی کیلئے

بقیہ صفحہ ۲۷

راستہ بھٹک کر یار گیا۔ دوسرے ہی لمحے راموبیگ لے ہوئے آگے آگے اور اکثر پیچھے پیچھے کمرے میں داخل ہوئے دادی ماں نے شکایتوں کا انبار لگا دیا جسکو وہ بڑے غور سے انکا معائنہ کرتا رہا۔ اور میں سوچتا رہا دادی ماں کتنی مہربان ہیں انکا دل شفقت سے کسقدر بھرا ہوا ہے اور میری آنکھوں کے سامنے لتا کا پیارا اور مرجھایا ہوا چہرہ گھوم گیا اور ساتھ ہی آنسو کی قسمت آنکھیں بھی۔

مجھے اس قدر حیرت میں ڈوبا ہوا دیکھ کر سرتیا بھابی میرے پاس آ بیٹھی۔ بولی کیا بات ہے۔ اسقدر حیران ہو کر کیا دیکھ رہے ہو۔ کیا یہاں تمہارا جی نہیں لگا؟ میرا بھی یہاں جی نہیں لگتا۔ اگرچہ یہیں پیدا ہوئی پرورش پائی اور بڑی ہوئی لیکن جتنا آرام مجھے تم لوگوں کے گھر میں جا کر ملا وہ میرے لئے ایک جنت سے کم نہیں ہے میں بس دو دن پورے کر کے وہاں واپس آجاؤنگی"۔

مجھے یقین نہیں آیا سرتیا بھابی یہ سب سچ کہہ رہی ہے میں تو سمجھ رہا تھا کہ وہ یہاں آکر واپس لوٹ جانے کا نام ہی نہیں لیگی لیکن یہ اسکی ذاتی پسند کی بات تھی اسکا اپنا فطری رد عمل ہی تھا یہ وہ خود جانتی تھی اس کی حقیقی جنت کونسی ہے۔

تین غزلیں

بیگم کشور آرا شبنم [illegible]

(۱)

ہم دل میں تجھے جانِ جہاں ڈھونڈ رہے ہیں
دیکھا تھا کہاں اور کہاں ڈھونڈ رہے ہیں

تنگ آ کے بہاروں سے خزاں ڈھونڈ رہے ہیں
ہم اہلِ وفا اپنا جہاں ڈھونڈ رہے ہیں

یوں ڈھونڈ رہے ہیں تجھے اے شہرِ نگاراں
جیسے کہ ستارہ [illegible] جہاں ڈھونڈ رہے ہیں

وقفِ غمِ جاناں ہے مہ و سال میں شب و روز
حاصل ترا اے عمرِ رواں ڈھونڈ رہے ہیں

ہر لفظ ہے مصروف تری کھوج میں دنیا
اور ہم ترے قدموں کے نشاں ڈھونڈ رہے ہیں

لگتا ہے شبِ وعدہ کبھی توڑ سحر ہے
ہم تجھ کو چراغوں میں دھواں ڈھونڈ رہے ہیں

اے جانِ بہاراں لئے بیٹھے ہیں ترا خط
الفاظ میں تصویرِ نہاں ڈھونڈ رہے ہیں

سوتے میں بھی جاگے ہیں تجھے یاد کیا ہے
اب اپنے لئے خوابِ گراں ڈھونڈ رہے ہیں

اب انجمنِ ناز میں کہنے کو غمِ دل
پھر ایک نیا طرزِ بیاں ڈھونڈ رہے ہیں

بھٹکے تھے کبھی حال کے ماحول میں جہاں ہم
اب تک وہیں منزل کا نشاں ڈھونڈ رہے ہیں

شبنم انہیں خوشبوئے فضاؤں میں چمن کی
ہم صبحِ بہاراں کی زباں ڈھونڈ رہے ہیں

(۲)

خط سیکڑوں لکھے ہیں تجھے نام چھوڑ کر
غزلیں کہی ہیں نامہ و پیغام چھوڑ کر

ہم اس کی جستجو میں جدھر سے گزر گئے
گزری وہ راہ گردشِ ایام چھوڑ کر

نظروں سے کس قدر یہ جاناں قریب ہے
اے زندگی نہ جائیں نا کام چھوڑ کر

ساقی بھی جانے ہاتھ سے ایمان تو گیا
اب کیا کریں گے شغلِ مے و جام چھوڑ کر

اب مجھ کو اپنا ہوش ہی کب ہے خدا گواہ
مجھ پہ نہ جائیے مرا انجام چھوڑ کر

روشن نہ ہو سکی کبھی دنیائے آرزو
میرا آفتاب ڈوب گیا شام چھوڑ کر

شبنم کسی کی یاد میں روتے ہیں رات بھر
ہم کو ملی بہت ہے [illegible] چھوڑ کر

(۳)

اپنے عکسِ نفس سے گریزاں ہوئے ہیں ہم
کس درجہ تشنگی سے پریشاں ہوئے ہیں ہم

کم ظرف [illegible] ہے
[illegible] آرزو کے حُباب ہوئے ہیں ہم

جانِ بہار اور دردِ دل [illegible]
[illegible] ہوئے ہیں ہم

دیکھے تو زندگی ہیں بچھے ہیں مسکرائے
[illegible] گلستاں ہوئے ہیں ہم

[illegible]
[illegible] ہوئے ہیں ہم

[illegible] ہیں [illegible] کے واسطے
[illegible] ہوئے ہیں ہم

شبنم [illegible]
اپنے [illegible] ہوئے ہیں ہم

مس نسرین اناوی

دو غزلیں

(۱)

اپنے ہمراہ عزمِ جواں چاہیے ان سہاروں کا کوئی بھروسہ نہیں
ساتھ اپنا نہ جانے کہاں چھوڑ دیں رہگزاروں کا کوئی بھروسہ نہیں

کون ہوتا ہے کس کا یہ ہمنوا ہے اہلِ آتش کا یہ شیوہ
دو گھڑی کے سہارے پہ جیتے ہیں جو ان سہاروں کا کوئی بھروسہ نہیں

تھی جنکو میسر اُمیدِ غم سے ملے پست ہوتے ہیں ایسے ہی ہو چلے
ساتھ کیا دے سکیں گے مرے گیت کا ایسے تاروں کا کوئی بھروسہ نہیں

خشک ساحل سے بھی کیا توقع کریں اس ساحل سے کیا توقع کریں
مجھ کو طوفان سے لاکر ڈبو دیں کہیں ان کناروں کا کوئی بھروسہ نہیں

ناموافق ہے شاید چمن کی ہوا رُخ ہے نسرینؔ گلچیں کا بدلا ہوا
ہو فسردہ بہاروں سے اُمید کیا اب بہاروں کا کوئی بھروسہ نہیں

(۲)

آپ سے مانگتی ہوں یہی خیر وہ بے رخی سہی
ایک نظر کی بات ہے اب وہ بھی کبھی سہی

آپ پہ حرف آئے کیوں میری ہی بات جائے کیوں
آپ پہ جو نثار ہے میری ہی زندگی سہی

شعلۂ گل نہیں تو خیر اپنا ہی آشیاں جلا
آج کی رات باغ میں تھوڑی سی روشنی سہی

کچھ تو عطا کریں مجھے عشق ہے کم سمجھ مگر
خالی نہ جاؤں کم سے کم اچھا وہ بے رخی سہی

ترکِ تعلقات کا اتنا اثر نہ لیجیے
کر نہ سکیں کلام تو ایک سلام ہی سہی

بچ سکا اپنی ذات سے نسرینؔ کبھی نہیں
آپ بُرا کہیں تو خیر مان لیا بُری سہی

مس منظورہ اختر

تعارف

عزم راسخ کی قسم جذبۂ صادق کی قسم
رحمتِ حق کی قسم، عظمتِ خالق کی قسم

کھیلنا سیلِ حوادث سے مرا کام رہا
سایۂ رحمتِ خالق مرا انعام رہا

غوطہ زن خون کے دریا میں کبھی ہوتی ہوں
باندھ کر سر سے کفن داغِ الم دھوتی ہوں

کبھی عنوان ہیں رنگیں مرے افسانے کے
پاسباں کہہ رہے ہیں گے کعبے کے صنم خانے کے

میری ہمت کے درخشاں ہیں ستارے اب تک
اُڑتے پھرتے ہیں فضاؤں میں شرارے اب تک

میرے نعروں سے دہل جاتے ہیں صحرا و جبل
میرے نغمات میں ڈھل جاتے ہیں یہ تاج محل

پرورش پائی ہے جب چھاؤں میں تلواروں کی
کیا جفاؤں سے ڈروں گی میں جفا کاروں کی؟

یہ گرجتی ہوئی توپوں کی سلامی میری
راہِ پُرخار میں آہستہ خرامی میری

میں نے شعلوں کے دہکتے ہوئے رخ پھیرے ہیں
میں نے بجلی کے کڑکتے ہوئے رخ پھیرے ہیں

کھیل سب گردشِ دوراں کو سکھائے میں نے
حوصلے ٹوٹتے ہوئے دل کے بڑھائے میں نے

کھیل طوفانِ حوادث سے گزرنا سمجھا
آن جاتی ہو تو پھر آن پہ مرنا سیکھا

تختۂ گل میں وہ شعلوں کا بھڑکنا جیسے
آشیانوں پہ وہ بجلی کا کڑکنا جیسے

صورتِ برقِ تپاں رزم کے میدانوں میں
شمعِ سوزاں کی طرح بزم کے ایوانوں میں

ٹوٹ جاتے ہیں ستارے جو نظر اٹھتی ہے
ہوک سی دل میں مرے شام و سحر اٹھتی ہے

میرے جذبات، مرے عزم، مرے دل کی قسم
کوئی مشکل ہی سمجھتی نہیں مشکل کی قسم

میرے جذبات بھڑک اٹھتے ہیں شعلہ بن کر
سارا سنسار نہ جل جائے بھبھوکا بن کر

میرے جذبات ہیں الفاظ کی صورت میں ڈھلے
سوز بن کر جو میرے نالۂ دل میں ہیں پلے

آہ مجھ کو تو میسر نہیں شاداں ہونا
پھر بھی آتا ہی نہیں غم میں ہراساں ہونا

شہنشاہ بانو فرحت دبیر

غزل

حقیقت آشنا تصویرِ جاناں ہوتی جاتی ہے
حریمِ دل میں روشن شمعِ ایماں ہوتی جاتی ہے

خود اب آرائشِ صحنِ گلستاں ہوتی جاتی ہے
خزاں آسودۂ فصلِ بہاراں ہوتی جاتی ہے

مری چشمِ ندامت ابرِ نیساں ہوتی جاتی ہے
خطاؤں سے مبرا فردِ عصیاں ہوتی جاتی ہے

الٰہی کیا اسی کو کامیابِ عشق کہتے ہیں
فزوں تر میرے دل میں یادِ جاناں ہوتی جاتی ہے

کبھی بے چین رکھتی تھی کبھی میرا دل رلاتی تھی
وہی دل کی خلش تسکیں کا ساماں ہوتی جاتی ہے

ریاضِ زندگی میں اب نمودِ موسمِ گل ہے
ہر اک پریشانئ فکر [illegible] ہوتی جاتی ہے

کسی کی یاد کے نشتر جو چبھتے تھے رگِ جاں میں
وہی کلفت اب تو فرحتِ جاں ہوتی جاتی ہے

ضیاء قریشی (بی-ایس-سی) سال اوّل
اورنگ آباد دکن

مونالیزا

مجھے تو زندگی پل بھر کی ملی ہے (وہ) کیا ایک تبسم کیلئے کافی ہے؟
مجھے تو کائنات ہی پایا (وہ) ایک تبسم بھی کیسے ملتا ہے

اس ایک تبسم کو عظیم مصور لیونارڈو ڈاونچی نے "مونالیزا" کی شکل میں اپنے برش کی مدد سے کینوس پر امر کر دیا۔ دنیا میں بہت کم ایسے فنکار گزرے ہیں جن کے محض ایک دو فن پاروں نے ہی انہیں شہرت دوام بخشدی ہو۔ لیونارڈو محض مصور ہی نہیں ایک ہمہ وسعت فنکار تھا۔ سائنس۔ انجنیری، موسیقی، تشریح الابدان جیسے مختلف فنون میں بہت کمال حاصل تھا۔

چار سو سال سے زائد عرصہ پہلے اس عظیم شہکار کی تخلیق ہوئی۔ مونالیزا محض ایک گھریلو عورت تھی۔ ان کے شوہر کا نام فرانسس کا گیوکونڈو تھا۔ یہ ان کی تیسری بیوی تھیں۔ فلورنس میں ان کا قیام تھا۔ آج نہ ان کے شوہر کو کوئی جانتا ہے نہ والدین کو۔ مگر ایک مصور جینیئس نے شہکار کے ذریعہ "مونالیزا" کو شہرت دوام بخش دی۔ اس تصویر کی تیاری میں کوئی چار سال کا عرصہ لگا۔ لیونارڈو داونچی نے مسخروں سے بیٹھے مونالیزا کا موڈ برقرار رکھا۔ تصویر شبیہ سازی (PORTRAIT) کا ایک نادر نمونہ ہے۔ اس کے انداز اور مسکراہٹ پر نہ جانے کتنے فسانے۔ کتنی کہانیاں اور کتنے شعر تخلیق ہو چکے ہیں اور ابھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ جو بھی فرانس جاتا ہے دریائے سین کے کنارے لوور میوزیم میں اس تصویر کی زیارت کئے بغیر واپس نہیں آتا۔ یہ عورت کی نیم قد تصویر ہے۔ بائیں ہاتھ پر دہنا ہاتھ بڑے دلفریب انداز میں رکھا ہوا ہے۔ پس منظر میں پہاڑ اور خاموش ندی ہے اور ایک پگڈنڈی۔ پوری تصویر سے ایک عجیب تقدس اور پاکیزگی جھلکتی ہے۔ اور مسکراہٹ — ظالم مسکراہٹ! بقول جناب عزیز احمد صاحب

"ہیں تبسم میں سکوتِ بحر کی خاموشیاں
حسن کی رعنائیوں میں طلب کی بیہوشیاں
رنگ و خم کی دلبری میں نغمہ نسوانیت
یا شفق سے آسماں کی شام کی سرگوشیاں
حسن بھی کیا لائے تاب بادۂ سرجوش کی
اس تبسم سے چھلک جانے کو ہیں مدہوشیاں

سنا آپ نے......!

دو گھڑی کر اسے دوسرا نہ کہیے — کیونکہ — کیونکہ شاید ایسا کبھی ہو چکا ہے)

دو خوبصورت عورتیں کبھی ایک دوسرے کو پسند نہیں کر سکتیں۔

اس دنیا میں عورتوں سے زیادہ مرد خوش رہتے ہیں۔ کیونکہ عورتوں سے شادی کرتے ہیں اور جلدی مر جاتے ہیں۔

عورتیں مردوں سے زیادہ ہوشیار ہوتی ہیں۔ کیونکہ وہ کچھ بھی نہیں جانتیں مگر ہر بات سمجھ لیتی ہیں۔

اگر آپ کسی عورت کو جاننا چاہتے ہیں تو اس کے بارے میں اس سے سوال کیجئے۔

کسی نے کہا ہے اچھی شادی تو ممکن ہے ہوں مگر نہایت اعلیٰ اور نفیس ازدواجی تعلقات ہوا ہی نہیں کرتے۔

عورت ایک بت ہے، مرد اس کی پرستش کرتا ہے۔ لیکن پھر توڑ ڈالتا ہے۔

دولت پیدا ہوتی ہے مرد کے ذریعے۔ یہ صرف ہوتی ہے عورت پر۔

عورت کسی چیز کے کم ہونے کا افسوس نہیں کرتی بلکہ اس کو افسوس ہوتا ہے اس بات کا کہ دوسرے کے پاس کیوں زیادہ ہے۔

ضیاء قریشی۔ اورنگ آباد دکن

انتقام

سروری ریاض

محترم چچا جان ــــ عقیدتیں ــــ!

الحمدللہ اچھی ہوں۔ ایک مختصر سی کہانی "انتقام" لے کر حریم شانِ ہند میں پہلی بار حاضر ہو رہی ہوں۔ کہانی کے بارے میں صرف اتنا کہنا ہے کہ اصلی ہے میں مل چکی ہوں۔ اس کا نام فرضی ہے۔ کردار فرضی نہیں۔ جانے کیوں اس پر نظرِ ثانی کرتے وقت میری آنکھیں بار بار چھلک پڑیں۔ ہو ــــ اگر کہانی پسند آ جائے تو مجھے بھی کوئی جگہ بخشیں ــــ!!

آپ کی بھتیجی۔ سروری [illegible]
معرفت [illegible] (ڈیچا)

وہ نیا نیا یونیورسٹی میں آیا تھا۔ ہر طرف اُسی کے چرچے تھے اور ہر زبان پر اُسی کا نام تھا۔ یہاں تک کہ یونیورسٹی کے باہر بھی اُسی کا ذکر ہوا کرتا تھا۔ وہ کروڑپتی باپ کا اکلوتا بیٹا تھا۔ یونیورسٹی میں داخلہ لیتے ہی اُس نے دس ہزار روپیہ کا گرانقدر عطیہ بھی یونیورسٹی کو دیا تھا لیکن ان تمام باتوں سے الگ اُس کی اپنی ایک انفرادیت تھی۔ اُس کی پُروقار شخصیت تھی۔ لمبے لمبے بال۔ گورا رنگ۔ موتی جیسے دانت، وہ جامہ زیب بھی تھا۔ نظر فریب بھی۔ خوش اطوار بھی تھا اور مزاج کے اعتبار سے باغ و بہار بھی۔ ہفتے میں صرف تین دن کلاس میں جاتا باقی دن اپنی [illegible] کار میں زرینہ کو بٹھائے اسّی کلومیٹر کی رفتار سے شہر کی شاہراہوں پر اُڑتے پھرنا اُس کا محبوب مشغلہ تھا۔ زرینہ اُس کی کلاس فیلو تھی لیکن معمولی خدوخال والی اس لڑکی پر وہ حد سے زیادہ مہربان تھا۔ اور یہ بات کسی کی سمجھ میں نہ آتی تھی کہ ایسا کیوں ہے؟ اُس کے کلاس میں ایک سے ایک خوبصورت لڑکیاں تھیں جو وسیم کی ایک چشمِ التفات کو ترستی تھیں لیکن وہ سب کو نظر انداز کر کے زرینہ ہی کو اہمیت دیتا۔ ساری یونیورسٹی میں زرینہ کو رشک کی نگاہوں سے دیکھا جانے لگا۔ کچھ لڑکیاں تو حسد کی آگ میں جلنے لگی تھیں۔ یونیورسٹی میں طلباء کی طرف سے سالانہ مشاعرہ ہونے والا تھا اور یہ پہلا موقعہ تھا کہ مشاعرے کے سارے اخراجات اسٹوڈینٹس یونین کے بجائے وسیم نے اپنے ذمے لے لئے تھے اس کے اس فراخدلانہ جذبے کو بیحد سراہا جانے لگا۔ ساری یونیورسٹی رنگ برنگ کے برقی قمقموں، پھولوں اور جھنڈیوں سے سجی۔ مشاعرہ اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ چل رہا تھا رات کے [illegible] بجے تھے۔ ڈائس پر وائس چانسلر کے بغل میں بیٹھا وسیم [illegible] ایک [illegible] ڈائس سے اُٹھا اور [illegible] سے باہر نکل [illegible] لیکن زرینہ [illegible]

پتہ نہ تھا! مشاعرہ رات کے ڈھائی بجے ختم ہوگیا۔ سارے لڑکے لڑکیاں اپنے اپنے ہاسٹل اور گھروں کی طرف چل دیے۔ جب میں اپنے ہاسٹل پہنچا تو وسیم کے کمرے کی بتی جل رہی تھی۔ سوچا اس سے ملتا چلوں اور معلوم کروں کہ وہ مشاعرہ سے اتنی جلدی کیوں چلا آیا؟ دروازہ پر ہاتھ رکھتے ہی دروازہ کھل گیا۔ شاید وہ دروازہ بند کرنا بھول گیا تھا۔ اگلے پل میں نے جو کچھ دیکھا مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا۔ وسیم شراب کے نشے میں دُھت بستر پر پڑا تھا اور شوکت انجم مجھے دیکھتے ہی گھبرا کر بیڈ سے اُٹھ کر کھڑی ہوگئی اور اپنی بے ترتیب ساڑی کو درست کرنے کی ناکام کوشش کرنے لگی۔ اُلجھے اُلجھے بال پھیلا پھیلا کاجل اور اُڑی اُڑی سی رنگت ایک رنگین اور سنگین حقیقت کی غماز تھی۔ میں بے چینی اور اضطراب کے عالم میں الٹے پاؤں [illegible] بوجھل قدموں سے چلتا ہوا اپنے کمرے میں آ کر لیٹ گیا۔ ساری رات کرب کے عالم میں بستر پر کروٹیں بدلتا رہا۔ مجھے کسی پل چین نصیب نہ ہوا۔ کبھی وسیم کا چہرہ میری نگاہوں کے سامنے آ کر مجھے ستاتا۔ اور کبھی [illegible] عصمت مآب انجم کا [illegible] میرے ذہن کے [illegible] تا رہا۔ میں ساری رات بیکراں سوچوں کے سیاہ سمندر میں [illegible] کب میری آنکھ لگ گئی۔ صبح ہوتے ہی ایک خبر ایک دھماکے [illegible] کھول دی۔ [illegible] لڑکے اور لڑکیوں کا ہجوم تھا۔ [illegible] شاید رات والا واقعہ آؤٹ ہو گیا ہے۔ لیکن بات کچھ اور ہی تھی۔ ہر طرف سرگوشیاں اور چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں۔ کسی نے کہا وسیم زرینہ کو [illegible] طرح کی باتیں اور افواہیں پھیلی ہوئی تھیں۔ [illegible] تھیں۔ یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پوری یونیورسٹی میں پھیل [illegible] کے بعد [illegible]

انھوں نے آگے بڑھ کر ان کاغذات کو اٹھایا تو جیسے کچھ لمحوں کے لئے ان پر سکتہ طاری ہو گیا۔

ایک کاغذ پر لکھا تھا — محترم وائس چانسلر صاحب!

ایک سال پہلے اس یونیورسٹی میں کلی نام کی ایک لڑکی نے داخلہ لیا تھا۔ ایک طوفانی رات کو آپ کی خواہش پر آپ کے نمک خوار سوتی ہوئی سلمیٰ کو آپ کے کمرے میں اٹھا لائے گئے تھے۔ اور اس لڑکی نے آپ کی ہوس کاریوں کا شکار . . . . ہونے کے بعد خود کشی کر لی تھی۔ مگر آپ اور آپ کے نمک خواروں نے صرف خود کشی کا کیس بنا کر اصل حقیقت پر پردہ ڈال دیا تھا۔ لیکن آپ اور آپ کے نمک خوار یہ بھول گئے تھے کہ اسی کمرے میں اس کی روم پارٹنر زرینہ بھی موجود تھی اور اس چشم دید گواہ نے مجھے آکسفورڈ یونیورسٹی میں ایک طویل خط لکھ کر سب کچھ بتا دیا تھا۔ میرے دل میں انتقام کے شعلے بھڑک اٹھے میں نے آکسفورڈ یونیورسٹی چھوڑ دی اور ہندوستان آ کر صرف اپنی معصوم اور اکلوتی بہن کا بدلہ لینے کی غرض سے آپ کی یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا یونیورسٹی کے سارے لڑکے اور لڑکیاں مشاعرہ میں شریک تھے۔ آپ کی صاحبزادی اپنے روم میں تھی اور میرے پہنچنے پر آپ نے کہا تھا..... شوکت انجم کے سر میں درد ہے اس لئے وہ مشاعرہ میں نہ آ سکی میں نے اس سنہرے موقع سے فائدہ اٹھایا اور زرینہ کو اشارہ کرتے ہوئے مشاعرہ کے پنڈال سے باہر نکل آیا۔ زرینہ کو آپ کے کوارٹر بھیجا۔ اور وہ شوکت انجم کو یہ کہہ کر بلا لائی کہ آپ کے ڈیڈی نے آپ کو بلایا ہے میرے ساتھ چلئے۔ شوکت انجم مشاعرے میں شریک ہونے کے لئے تیار بھی تھی اور میں پارک میں کھڑا اس کا انتظار کر رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر ہی اس نے پوچھا — وسیم صاحب آپ یہاں؟ مشاعرہ میں نہیں گئے؟ میں نے بھی دردِ سر کا بہانہ بنا لیا۔ پھر میں نے اسے ایک کپ چائے کی پیشکش کی وہ انکار نہ کر سکی اور میرے ساتھ میرے کمرے میں آ گئی..... میں نے کمرے کی بتی گل کر دی سارے اندھیروں نے اپنے دامن دراز کر دیئے — تاریکی — تنہائی — انجم — میں — اور میرا جذبۂ انتقام اور پھر..... چند لمحوں کے اندر ہی انتقام کے دہکتے شعلوں پر موسلا دھار بارش ہونے لگی — اب انجم کے صندلی بدن پر چڑھی ہوئی عصمت کی چادر تار تار ہو چکی ہے۔ اب وہ انجم سے [illegible] ہے!

بس یہی تھے آج میں نے اپنا انتقام لے لیا۔ یہ خط ختم کر کے میں زرینہ کو لے کر ہندوستان کی سرحد ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چھوڑ رہا ہوں ——— وسیم

اس کے بعد وائس چانسلر صاحب نے خط کو مٹھی میں زور سے بھینچ کر زمین پر پھینکا اور یکایک بڑی تیزی سے باہر نکلے اور بوڑھاں پر ٹھٹھک کر دوبارہ کمرے میں پہنچ کر خط کو یوں جھپٹ لیا جیسے ذرا بھی دیر کرتے تو وہ خط ان سے اڑ جاتا۔ پھر انھوں نے بڑی عجلت سے اس خط کو ٹکڑے کر کے پھینک دیا — ان کے چہرے پر ندامت اور غصے کی ملی جلی ہسٹریائی کیفیت طاری ہو گئی۔

——— انھوں نے چھڑی کا سہارا لیا اور تھکے تھکے قدموں سے باہر نکل گئے —!!

زندگی زندہ دلی کا نام ہے

لطائف و ظرائف انسانی زندگی کے ہر دور میں زندہ دلی کا نشان رہے ہیں۔ موجودہ دور کے لطائف و ظرائف سے اگر آپ کچھ لمحوں کے لئے زندہ دل رہنا چاہتے ہیں۔ تو سردار ہر بھجن سنگھ مہتہ کی تصنیف لطیف

دُور بین

کا مطالعہ کیجئے جس میں آپ کو ہر قسم کے لطیفے ملیں گے یہاں تک کہ غیر مہذب لطیفے بھی اس کتاب میں کہیں کہیں نظر آئیں گے۔

قیمت جلد اوّل ساڑھے تین روپیہ۔ جلد دوم ساڑھے تین روپیہ۔ علاوہ محصول ڈاک۔

ملنے کا پتہ: آنگ ایس مہتہ
[illegible]
بیلگام (کرناٹک)

عقیدت کے آنسو

نگار ایم-اے

"میرا نام نگار ہے۔ لیکن میرا یہ نام حضرت علامہ عشق آبادی کو بہت پسند ہے۔ وہ میرے والد محترم یگانۂ العصر حضرت [illegible] کے عزیز ترین دوست ہیں۔ میری پیدائش شہر میرٹھ میں ہوئی آنکھ کھولی تو والد صاحب کو عالم فاضل اور شاعر دیکھا انہیں کے زیر سایہ پرورش پاکر بڑی ہوئی شروع میں تعلیم و تربیت گھر میں پائی۔ پھر گھر سے باہر تعلیم حاصل کی۔ تعلیم کا بہت شوق ہے اور آرٹ میری روح کی غذا ہے۔ مضامین لکھتی ہوں شعر نہیں کہتی۔ تعلیم ابھی بند نہیں کی پی۔ ایچ۔ ڈی کرنے کا ارادہ ہے۔ اکثر بیمار رہتی ہوں اسی لئے غم آشنا ہوں۔ میرے مضامین میرے جذبات کے آئینہ دار ہیں خود ستائی پسند نہیں۔"

آج کالج میں داخل ہوتے وقت فریدہ کے منہ سے نہ کسی رفیق کیلئے ہیلو کی آواز نکلی نہ کسی ندیم کو سلام کرنے کیلئے اُس نے ہاتھ اٹھایا نہ کسی ٹیچر کو آداب کرکے اُس نے ہاتھ ملایا۔ نہ اپنے کسی بوائے فرینڈ کے کان میں اُس نے کوئی سرگوشی کی۔

ہسٹری کا پیریڈ ختم ہونے کے بعد وہ خاموشی سے لان پار کرکے ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئی اور دور خلاؤں میں گھورتی رہی جیسے اپنے خواب اور زندگی کی ہر خوشی کی تعبیر اسے ان خلاؤں میں نظر آ رہی ہو۔ یکایک کسی کی دلکش آواز نے اسے چونکا دیا۔

کوئی اور نہیں اُس کا محبوب انور تھا جس کی ہر مسکراہٹ اور ہر ادا پر وہ ہزار بار قربان ہو جاتی تھی ہوتی بھی کیوں نہیں؟ خود فریدہ کی طرح وہ بھی تو مغربی تہذیب کا دلدادہ تھا فریدہ اُس کی طرف متوجہ نہیں ہوئی تو انور اس کے مقابل آکر بیٹھ گیا۔ ندامت سے اسکی پلکیں جھکی ہوئی تھیں ہونٹ لرز رہے تھے چہرہ اداس تھا ایک بار بھی اس نے اپنی خوبصورت پلکوں کی چلمن اٹھا کر ان غزالی آنکھوں میں جھانکنے کی کوشش نہیں کی جسکا وہ دیوانہ تھا۔ ایک بار بھی اُس نے ان نرم گلابی رخساروں کو چھونے کی کوشش نہیں کی جس سے وہ بیتاب ہو جاتا تھا۔ ایک بار بھی اس نے شہد کی ان نازک پنکھڑیوں جیسے ہونٹوں پر نظر نہ ڈالی جن کا رس پینے کا وہ تمنائی تھا۔

آج فریدہ کے دل میں ایک طوفان تھا ایک ایسا طوفان جو خود اُس کی [illegible] کو [illegible] آیا تھا۔ اسے گزری ہوئی رات کی ہر وہ بات یاد آگئی جو [illegible] کے دل میں اٹھتے ہوئے طوفان کا سبب تھی

پیرس کلب میں رات جوان ہو رہی تھی آرکسٹرا کی سریلی اور مدھر دھنوں نے ماحول کو پرشباب بنا رکھا تھا چکنے فرش پر جوڑے تھرک رہے تھے جوان دلوں کی دھڑکنیں ہر لمحہ تیز ہوتی جا رہی تھیں جیتی جوانیاں باہوں کے گھیرے میں مچل رہی تھیں۔ ان سب کے بیچ انور اور فریدہ بھی ڈانس فلور پر رقص کر رہے تھے۔

فریدہ جو سراپا قیامت تھی انگ انگ سے مغربی رعنائی ٹپک رہی تھی فریدہ جو جشن بہار تھی فریدہ جو ایک شعلہ تھی اسوقت انور کے بازوؤں کی زینت بنی ہوئی تھی۔ اور انور اس مست و بے خود کی طرح لطف اندوز ہو رہا تھا۔ رقص ختم ہوا اور جیسے [illegible] خواب سے جاگ گئے ہوں۔ سب اپنی اپنی میزوں کے [illegible] آکر بیٹھ گئے فریدہ اور انور بھی اپنی اپنی جگہ واپس آ گئے۔ جذبات میں [illegible] تھی انور پر جیسے اب بھی فریدہ کے لمس کا نشہ چھایا ہوا تھا۔

کلب سے باہر نکل کر انور اور فریدہ ہاتھ میں ہاتھ ڈالے سنسان راستے پر [illegible] رہے تھے۔ موسم خوشگوار تھا اس لئے دونوں کا ارادہ [illegible] کا ہو گیا۔ مست و بے خود ہوا چل رہی تھی۔ ہوا کے ٹھنڈے جھونکے آ آکر فریدہ کی زلفوں سے اٹھکیلیاں کر رہے تھے۔ ہلکی ہلکی بوندا باندی ہونے لگی تھی۔ بوندوں سے بچنے کیلئے دونوں جلدی جلدی کار کی طرف [illegible] لگے تھے انور نے کچھ دیر کے لئے پارک میں رک جانے کی تجویز پیش کی فریدہ کو بھی کوئی اعتراض نہ ہوا اور دونوں ٹہلتے ٹہلتے گھومتے ہوئے پارک کی طرف چل دیے۔

[illegible] چاروں طرف خاموشی کا عالم۔ کبھی کبھی ہوا کا کوئی

جیسے ماحول کو نکھار جاتا اور پیڑ پودے آپس میں سرگوشیاں کر کے تالیاں بجانے لگتے۔ انور اور فریدہ خاموشی سے ایک تپائی پر بیٹھے اس پُرلطف ماحول سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

خوبصورت موسم، حسین معشوق، دلکش ماحول اپنا اثر چھوڑے بغیر نہ رہ سکا۔ انور کے دل کا شیطان جاگ اٹھا۔ فریدہ کسمسا کر رہ گئی۔ وہ انور سے محبت ضرور کرتی تھی مگر اس طرح اپنی عصمت کو کھو دینے کی قائل نہ تھی۔ مغربی تہذیب کی دلدادہ ضرور تھی مگر پھر بھی وہ اس حد تک [illegible] کی قائل تھی مگر ایک حد تک اور ایک دائرے تک وہ ہر چیز کو محدود رکھنا چاہتی تھی۔ گو ہیرو کی طرح [illegible] تھی مگر ذہن [illegible] کا اندیشہ بھی رکھتی تھی۔

انور کے ہاتھ آگے بڑھتے چلے جا رہے تھے اور فریدہ جذبات میں بہکتی چلی جا رہی تھی۔ اور پھر اچانک وہ سب کچھ ہو گیا جس کی کسی کو امید نہ تھی۔ فریدہ کا ہاتھ انور کے گال پر بے اختیار پڑ چکا تھا اور پھر بپھری ہوئی شیرنی کی طرح فریدہ کے تیز ناخن انور کو دبوچ چکے تھے اور انور بے حواس ہو کر تپائی پر لیٹ گیا اور فریدہ موقع غنیمت جان کر وہاں سے بھاگ گئی۔

فریدہ گھر کے دروازے پر پہنچی تو گیارہ بج چکے تھے لیکن یہ کوئی خاص بات نہ تھی فریدہ جب بھی کلب جاتی؟ تقریباً اسی وقت ہی [illegible] تعجب کی بات تھی تینوں بہنیں تھیں اور تینوں ایک دوسرے سے کتنی مختلف تھیں؟

فریدہ مجھلی بہن تھی۔ شمینہ فریدہ سے ایک سال بڑی تھی عمر میں زیادہ فرق نہ ہونے کی وجہ سے دونوں بہنوں میں لڑائی جھگڑے [illegible] ہو جانا ان کی عادت میں شامل ہو چکا تھا۔ فریدہ سے دو سال چھوٹی [illegible] [illegible]

پر اس کا کوئی اثر نہ ہوتا۔ لیکن آج فریدہ گھر میں داخل ہوتے ہوئے بڑی ندامت محسوس کر رہی تھی۔ اور اسے اپنی اداؤں سے کچھ نفرت ہونے لگی تھی۔

فریدہ نے جیسے ہی دروازے پر قدم رکھا وہ ٹھٹھک کر رہ گئی اور تعجب میں پڑ گئی کہ اس کی بہن شمینہ اس وقت چوری چوری گھر سے باہر کیوں نکل رہی ہے وہ فوراً ہی بجلی کے کھمبے کی آڑ میں ہو گئی اور شمینہ کو جاتے دیکھتی رہی۔ شمینہ تیز تیز قدموں سے بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ فریدہ بھی اس کا تعاقب کر رہی تھی۔ فریدہ اس وقت کیمپ روڈ تک پہنچی تھی جب شمینہ نے کوٹھی میں گھسنے کے لئے قدم بڑھائے۔ فریدہ نے فوراً ہی شمینہ کی چوٹی پکڑ کر پوری طاقت سے اسے کھینچ لیا اور دو تھپڑ رسید کر دیئے۔

یہ کیا بدتمیزی ہے۔ فریدہ چلائی۔ کیا ضرورت پیش آ گئی تھی جو مرنے چلی؟ فریدہ غرائی۔ شمینہ کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے اور فریدہ سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

کیا بات ہے شمینہ بات تو بتاؤ۔ فریدہ نے پوچھا۔

مجھے سنبھالو فریدہ مجھے سنبھال لو۔ شمینہ روتے ہوئے بولی۔

اچھا بتاؤ کیا بات ہے۔ فریدہ نے پیار سے پوچھا۔

میرے پیٹ میں نسیم کا پاپ پل رہا ہے فریدہ

فریدہ پر جیسے بم آ گرا ہو۔۔۔ نہیں۔۔۔ وہ دہاڑنے لگی۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔۔۔ لیکن ایسا ہو چکا ہے فریدہ اور مرنے کے علاوہ اس کا کوئی دوسرا علاج نہیں۔

اب کیا ہوگا شمینہ یہ تم نے کیا کیا؟ تم نے اتنی بڑی غلطی کیسے کر لی شمینہ؟ وہ کمبخت نسیم جو اس وقت امریکہ کی سیر کر رہا ہوگا عیاش ..... تم نے اس پر اعتبار کیوں کیا۔ کاش [illegible] تمہارے قدموں میں [illegible]۔

نہیں فریدہ نہیں وہ راستے پر نہیں آ سکتا اس نے [illegible] سے انکار کر دیا ہے۔ اور فریدہ [illegible] اور شمینہ [illegible] اور [illegible] لے لیا۔

[illegible]

اپنی رات والی حرکت کی معافی مانگتا ہوں۔ تم میری ... ہو
تم میری محبت ہو تم میری زندگی ہو فریدہ خدا کے لئے مجھے معاف
کر دو۔ میری زندگی کی سب سے پہلی اور آخری بھول سمجھ کر معاف
کر دو۔ انور کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔ فریدہ نے اس سے
پہلے کبھی انور کی آنکھوں میں آنسو نہ دیکھے تھے اس کا دل پسیجنے لگا اسے
انور پر رحم آنے لگا۔ انور کے محبت کے دعوے اسے پھر سے یاد آنے
لگے اور وہ سوچ میں پڑ گئی کہ کیا کرے۔

فریدہ صرف ایک بار معاف کر دو۔ انور پھر رو دینے والی آواز
میں بولا۔ فریدہ تم نے سمندر کے ساحل پر مچلتی لہروں کی قسم کھا کر مجھ سے
نبھانے کا وعدہ کیا تھا۔ تم نے سیاہ راتوں میں چاند تاروں کو گواہ کر کے
میری محبت کا اقرار کیا تھا۔ بولو فریدہ کچھ تو بولو، کہاں گئے تمہارے
وعدے؟؟

انور کیا یہ سچ ہے کہ تم مجھ سے محبت کرتے ہو؟

ہاں فریدہ یہ بالکل سچ ہے۔ یقین کرو۔ یقین نہ ہو تو آزما کر دیکھ
لو۔ فریدہ میں تم سے بہت پیار کرتا ہوں۔

انور محبت کیا چاہتی ہے تمہیں معلوم ہے؟

ہاں فریدہ مجھے خوب معلوم ہے اور میں اس کے لئے تیار بھی ہوں
بولو کیا قربانی چاہئیے؟

پھر سوچ لو انور۔ فریدہ نے کانپتی آواز میں کہا۔

کہتا ہے بے دھڑک کہہ دو فریدہ تمہارا یہ شیدائی اپنی جان بھی
قربان کر دے گا۔ کہو فریدہ کہو۔ چپ کیوں ہو فریدہ؟ بولو؟؟

تت ۔ تت ۔۔۔ تم ۔۔۔ تم میری ۔ بہن شمیمہ سے شادی کر لو۔۔۔

کیا؟۔۔۔ انور جیسے چیخ پڑا ہو۔۔۔ یہ تم کیا کہہ رہی ہو فریدہ؟
یہ کیسی شرط ہے۔ یہ کیسا امتحان ہے؟ یہ کیسی سزا ہے؟ یہ سب کیا
ہے فریدہ یہ سب کیا ہے؟؟ انور نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ تھام
لیا اور فریدہ بوجھل قدموں سے آنکھوں میں آنسو لئے کلاس کی طرف
چل دی۔

فریدہ اور شمیمہ دو ماہ بعد کشمیر دورے سے لوٹی تھیں وہ سب دن
انہوں نے کشمیر کی سیر و تفریح میں گزارے تھے اور جب وہ واپس
لوٹی تھیں، تو فریدہ کی گود میں ایک ننھا معصوم سا ... تھا فریدہ
کو دیکھ کر سب کی نظروں میں سوالیہ نشان بنے ہوئے تھیں۔

فریدہ پر ایک کیسی عجیب سی وحشت تھی مجھے اچانک اس میں ...
کیا ہو گئی؟ فریدہ کی پھوپھی جان کو تعجب ہوا ... ہوئی کہنے لگیں
میں پاگل ہو گئی۔ پھوپھی جان آپ گھبرا کیوں رہی ہیں؟

پھوپھی جان تو بس ... پاگل ہو گئی؛ تو تو بچوں سے گھبرا رہی ہے۔

ہاں ہاں میں پاگل ہو گئی تعجب کی کیا بات ہے اور یہ کہہ کر وہ ننھے بچے
کو گود میں جھلانے لگی۔

انور کے امتحان ختم ہو چکے تھے اور اب وہ حسب وعدہ شمیمہ سے
شادی کرنے کو تیار تھا۔ تیاریاں ہو رہی تھیں۔ جلسے زور و شور سے ... گئے
گیت گائے جا رہے تھے۔ مہندی لگائی جا رہی تھیں۔ ڈھولک ... رہے
تھے۔ گوٹے کنارے سے کپڑے سجائے جا رہے تھے ہر طرف چہل پہل کا سماں
تھا۔ صبح کو برات آنے والی تھی۔ فریدہ کے لئے وہ دن سب سے بڑا ماتم
کا دن تھا۔ اس کی تمناؤں اور آرزوؤں کا جنازہ اٹھنے جا رہا تھا۔ ایک
دلہن کے روپ میں کتنا سخت امتحان تھا؟ اس کا محبوب انور جو تھا
بجائے اس کے دولہا بن کے برات لیکر آئے گا اور دلہن اس کی جگہ شمیمہ ہوگی
کیسا خون ہو رہا آرزوؤں کا۔ فریدہ اسی کشمکش میں مبتلا شمیمہ کے پاؤں
میں مہندی لگا رہی تھی اور تمنا یہی تھی شمیمہ کے برابر میں ...
مہندی لگا رہی تھی اور ننھے بچے کے ماتھے پر ... سے
باہر نکل گئی اور وہ دوسرے کاموں میں مصروف ہو گئی۔

برات آ چکی تھی۔ کھانا ہو چکا تھا اور اب نکاح ہو رہا تھا
ہر ایک کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ وقت ہی ایسا ہوتا ہے کہ اپنوں کی
آنکھیں پرنم ہو جاتی ہیں۔ فریدہ بھی آبدیدہ تھی۔ معلوم نہیں آنسو
بہن کی جدائی کے آنسو تھے یا اپنی تمناؤں کے خون کے۔

رخصت کا وقت قریب آ رہا تھا اور فریدہ کی حالت
... آخر وہ لڑکھڑاتے قدموں سے انور کے پاس گئی
جو اب اس کا شوہر ہو چکا تھا۔

انور! ۔۔۔ فریدہ کانپتی آواز سے بولی۔

مجھے معاف کر دو انور۔۔۔!

پھر فریدہ لرزتی آواز میں بولی۔ انور شمیمہ میری محبت کی سب
سے زیادہ قیمتی نشانی ہے۔ اسے ہمیشہ۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔ اس کے آنسوؤں نے فریدہ کی بات پوری کر دی۔
انور کی آنکھیں بھی آبدیدہ ہو چکی تھیں۔۔۔ ...

محبت کا سکوت

دن گزرتے اور پھر مہینے بیت گئے فریدہ پھر سے کالج اور کلب کی رنگینیوں میں گم ہو چکی تھی مگر اب فریدہ ہمیشہ کی طرح کھلکھلاتی نظر نہ آتی اسے کہیں بھی سکون نہ ملتا۔ آج بھی فریدہ اسی سپر کلب میں ایک کونے میں اکیلی بیٹھی ہوئی آرکسٹرا کا دھیما ساز جو فریدہ کے کانوں میں رس گھولتا تھا آج کسی طرح بھی سکون نہیں بخش رہا تھا اور فریدہ وہاں سے اٹھ کر جانے کی سوچ رہی تھی۔ پھر اس کی نظر یکدم اپنے کالج کے لڑکوں پر پڑ گئی اور وہ ان سے نظریں چرانے لگی۔ فریدہ آجکل کالج اور باہر ہر جگہ بات کرنے کا ایک موضوع بنی ہوئی تھی۔ ہر جگہ اسی کے چرچے تھے اور فریدہ کی منگیتر سے شادی کا ہونا اور فریدہ کے پاس ایک بچہ کا ہونا اور فریدہ کا خاموش رہنا اس بات نے ہزار طرح کے شبہات پیدا کر چکا تھا۔ اسی لئے فریدہ ان سب ساتھیوں سے گھبراتی تھی وہ کسی کے سوال کا جواب کیا دیتی۔ کہ منگیتر کی شادی اور سے کن حالات میں ہوئی ہے اور وہ بچہ جو اس کے پاس ہے کس کا ہے اور کس سے کہے کہ یہ بچہ خود اسکی بہن کا ہے۔ فریدہ اپنی پریشانیوں کو بھلانے کے لئے کلب کا سہارا لیتی۔ مگر وہاں بھی اسے سکون نہ ملتا اور وہ گھنٹوں اکیلی بیٹھی رہتی۔

کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں؟ کسی کی شیریں آواز نے فریدہ کے کانوں میں رس گھول دیا فریدہ اپنے خوابوں کی دنیا سے فوراً جاگ گئی اور گھبرا کر دیکھنے لگی اوپر سے نیچے تک کالے شوٹ اور کالے بوٹ میں کسی خوبصورت نوجوان کو اپنے سے مخاطب دیکھ کر وہ اور گھبرا گئی۔

اوہ ساری۔ شاید میں نے آپ کو مضطرب کیا۔ فریدہ کی طرف سے کوئی جواب نہ پا کر وہ نوجوان بولا۔

فریدہ اپنی گھبراہٹ دور کرتے ہوئے۔ نہیں... نہیں۔ آپ بیٹھئے نا۔ اور وہ نوجوان مسکراتا ہوا فریدہ کے بالکل سامنے بیٹھ گیا فریدہ کنکھیوں سے اسے دیکھتی رہی۔

مجھے اسلم جاوید کہتے ہیں۔

شکریہ۔ مجھے فریدہ کہتے ہیں۔ اسلم جھوم اٹھا جیسے وہ کسی سمندر میں کھو گیا ہو۔ آنکھوں اور پھر ہال روم میں آرکسٹرا بجنے لگا۔

کیا آپ میرے ساتھ ڈانس کرنا پسند کریں گی؟ اس پرکشش انداز سے فریدہ منع کئے بغیر نہ رہ سکی اور پھر وہ دونوں بھی رقص کرتے ہوئے رقاصوں میں شامل ہو گئے۔

رقص ختم ہو گیا اور وہ دونوں پھر میز کے ارد گرد بیٹھ گئے۔

فریدہ نے گھڑی پر نظر ڈالی پونے گیارہ بج رہے تھے۔

آپ کون سی شراب پینا پسند کریں گی؟

تھینکس میں شراب نہیں پیتی۔

میں بھی نہیں پیتا اسلم نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اور فریدہ بھی بغیر مسکرائے نہ رہ سکی۔

اب مجھے چلنا ہے کافی دیر ہو گئی فریدہ نے دوبارہ گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

بیٹھ جائیے نا ابھی کیا جلدی ہے؟ ڈر لگتا ہے تو میں پہنچا دوں گا۔ مجھے بھی ادھر ہی جانا ہے فریدہ مسکرا کر خاموش ہو گئی۔ لیکن کچھ سوچ کر وہ تھوڑی دیر میں پھر بولی۔

آپ کو وہاں کہاں جانا ہے؟

آپ مجھے نہیں جانتیں مگر میں آپکو خوب اچھی طرح جانتا ہوں میں آپ کا نیا پڑوسی کرایہ دار ہوں اور پھر اس نے بڑے زور سے قہقہہ لگایا فریدہ کو کچھ عجیب سا محسوس ہوا۔ اس نے پوچھا کیوں کیا ہوا۔ وہ ہنستے ہوئے بولا۔ استقبال... کس کا استقبال فریدہ چونک کر بولی۔ اسے ان باتوں سے الجھن سی ہونے لگی تھی۔

وہ مسکراتا ہوا پھر بولا۔ گلی سے گزر رہا تھا جیسے ہی آپ کے مکان سے گزر رہا میرے اوپر بہت سارے خربوزے کے چھلکے پھینکے۔ اوپر گردن اٹھائی تو شرارت سے بھری آنکھیں کھنکھناتی وہ مجھ پر مسکرا رہی تھیں۔

اوہ ساری۔ وہ میری چھوٹی بہن شالو ہے بہت شریر ہے میں اسے ڈانٹ دونگی اور اسکی طرف سے میں آپ سے معافی چاہتی ہوں۔

ارے نہیں وہ تو ایک دھوکہ تھا معافی کا کیا سوال مجھے تو وہ واقعہ یاد کر کے ہنسی آجاتی ہے یہ کہہ کر وہ پھر ہنسنے لگا فریدہ کو اس پر جبر وہ ہنسی کتنی پیاری لگی جیسے پیانو کے سارے تار ایک ساتھ جھنجھنا اٹھے ہوں۔

فریدہ ناشتے کی میز پر شالو کو مخاطب کر کے... شالو تمہاری شرارتیں کب ختم ہوں گی؟

کیوں کیا کیا ہے میں نے؟

فریدہ اسی حضور سے شکایت بھرے لہجے میں... کیا جان آپ سے کچھ نہیں؟

کیوں کیا ہوا بیٹی؟

فریدہ کے والد شانو کی طرف دیکھتے ہوئے..... کر رہی ہو گی کوئی شرارت۔

نہیں ابو جی میں نے کچھ بھی نہیں کیا۔

اچھا یہ بتاؤ خربوزے کے چھلکے کس کے اوپر پھینکے تھے؟

شانو مسکراتے ہوئے۔ وہ تو دھوکہ ہو گیا تھا۔

فریدہ باپ کی طرف مخاطب ہو کر.... ابو جی اپنے پڑوس میں نئے کرایہ دار آئے ہیں ان کے ساتھ اس نے یہ شرارت کی ہے۔

کون کرایہ دار آئے ہیں.... [illegible] نے فریدہ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

ابو جی وہ احمد صاحب کا کوٹھے والا مکان خالی تھا اس میں اسلم بھائی کرایہ دار آئے ہیں۔ شانو مسکراتے ہوئے بولی۔

اچھا تو تمہیں نام بھی معلوم ہے۔ فریدہ نے تعجب سے پوچھا۔

میں انکی پوری پیڑھی کا جانتی ہوں کیونکہ اسلم صاحب کی چھوٹی بہن یاسمین اپنے ساتھ پڑھتی ہے لیکن یہ بتاؤ تمہیں یہ چھلکوں والی بات کس نے بتائی؟

رات اسلم صاحب کلب میں ملے تھے تب وہ خود ہی ذکر کر رہے تھے فریدہ نے کھانے کی میز سے اٹھتے ہوئے جواب دیا۔

ابو شانو کو سمجھاتے ہوئے.... آئندہ ایسی حرکت نہ ہو کہیں تم اب کوئی بچی نہیں ہو۔

دن گزرتے گئے فریدہ اور اسلم کی دوستی بڑھتی چلی گئی۔ کلب میں انکی ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ ٹوٹے ہوئے دل کو جینے کا ایک سہارا مل گیا تھا فریدہ اس سہارے کو کسی بھی قیمت پر کھونا نہیں چاہتی تھی اس لئے وہ بہت جلد ہی اسلم سے شادی کر لینا چاہتی تھی اسلم بھی اس بات کے حق میں تھا کیونکہ وہ فریدہ جیسی خوبصورت اور روشن خیال لڑکی پاکر بہت خوش تھا۔

آج بھی حسب معمول دونوں کلب میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے اسلم کچھ اداس تھا اسکے چہرے سے گہری [illegible] جھلک رہی تھی اور فریدہ اسکی وجہ جاننا چاہتی تھی۔

اسلم؟؟

ہوں،

کیا بات ہے تم اتنے خاموش کیوں ہو؟

نہیں تو.....

کوئی بات چھپا رہے ہو۔ سچ بتاؤ کیا بات ہے؟

کیا تم میری بات کا سچا جواب دو گی؟

ہاں ہاں کیا بات ہے بتاؤ۔ فریدہ نے بیتاب ہو کر پوچھا۔

یہ بتاؤ نکی تمہارا کون ہے؟

فریدہ سن سی ہو گئی اس کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ اسلم اس سے یہ بات پوچھے گا۔ فریدہ یکدم گھبرا گئی۔ وہ کیا بتائے کہ نکی اس کا کون ہے فریدہ کے منہ سے کوئی جواب نہ نکلا اسے محسوس ہوا جیسے اس کی ساری طاقت سلب ہوتی جا رہی ہے اسکے بدن کا سارا خون کسی نے نچوڑ لیا ہو۔

فریدہ میری بات کا جواب دو؟

فریدہ کو اپنی خوشیوں کے سارے محل منہدم ہوتے دکھائی دیے۔ [illegible] میں اتنی سکت بھی نہ رہی کہ وہ اسلم کی بات کا کوئی جواب دے۔

کیا اس سوال کا جواب دینا بہت ضروری ہے اسلم؟

ہاں فریدہ ہاں۔ اسلم نے ذرا تیز آواز سے کہا۔

لیکن تم یہ سوال کیوں پوچھنا چاہتے ہو؟

کیونکہ مجھ سے یہ کہا گیا ہے کہ نکی تمہارے پہلے پیار کی نشانی ہے

کیا؟؟..... فریدہ کا دل زخمی ہو گیا اس کیلئے یہ برداشت کرنا مشکل ہو گیا۔ پھر بھی اس نے صبر سے کام لیا۔

کیا تمہیں اپنے پیار پر بھروسہ نہیں اسلم؟

مجھے اپنے پیار پر اپنے سے زیادہ بھروسہ ہے۔ لیکن میں حقیقت کی اصلیت جاننا چاہتا ہوں۔

تو صرف اتنا سن لو کہ نکی سے میرا کوئی رشتہ نہیں ہے وہ کسی کے پیار کی بھول ہے اور اس لڑکی کی بدنامی نہ ہو اس لئے میں اسے اپنے پاس لے آئی ہوں۔ اس لڑکی کا نام میں نہیں بتا سکتی چاہے آپکا شک ہی کیوں نہ رہے۔

تم کتنی عظیم ہو فریدہ یہ مجھے آج ہی معلوم ہوا [illegible] پیدا کئے بغیر تم دوسرے کے لئے قربانی کر رہی ہو [illegible] فریدہ کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے [illegible] اپنے رومال میں جذب کر لیا۔

فریدہ کلب سے گھر پہنچی [illegible]

[illegible]

اوہ! کہ گئی معلوم ہوتا ہے کوئی تمہیں دیکھنے آیا ہے۔ فریدہ نے شالو سے کہا۔

مجھے کیوں، وہ تو تمہیں دیکھنے آئے ہونگے۔ شالو نے چڑ کر جواب دیا۔

اچھی بات ہے ابھی معلوم ہوا جاتا ہے یہ کہہ کر فریدہ کمرے سے باہر نکل ہی رہی تھی کہ امی حضور کمرے میں داخل ہو گئیں۔ ارے فریدہ جاؤ مہمانوں کے پاس جا کر بیٹھو دیکھو اپنی شالو کا کتنا اچھا رشتہ آیا ہے۔ لڑکا I.C.S. ہے۔ اوہ امی لڑکا I.C.S. فریدہ نے آنکھیں چمکاتے ہوئے کہا۔ تو یہ شان ہے جناب کی۔ فریدہ نے شالو کی طرف ایک معنی خیز چٹکی لیتے ہوئے کہا۔

مجھے تو کوئی I.C.S. پسند نہیں آتا۔ فکر نہ کرو فریدہ یہ I.C.S. [illegible] ہے۔ میں ابھی نہیں جاؤں گی۔

یہ کہتی ہوئی بھولی بیگم [illegible] فریدہ کمرے سے باہر چلی گئی۔ وہ [illegible] تھی کہ اپنی شالو کیسے اچھے گھر بیاہ کر جائے گی [illegible] تو اس سے خوشی پیدا ضرور ہوگی اور وہ [illegible] شالو کے پاس پہنچی۔

[illegible] دیکھو تو ہی کتنا خوبصورت لڑکا ہے، نام بھی بڑا ہی خوبصورت ہے۔ جمال ہے اسکا نام۔ جیسا نام ویسی ہی شکل۔ فریدہ [illegible] کر رہی تھی۔ یکایک اس نے شالو کی آنکھوں میں آنسو [illegible] تصویر اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی یا اس نے [illegible] شالو تم رو کیوں رہی ہو۔ کیا تم اس رشتہ سے خوش [illegible] فریدہ نے سامنے کی [illegible] کو [illegible] اور پھر اسنے پیار بھری نظر سے شالو کی [illegible] اٹھا کر پوچھا کیا تم اس رشتے سے خوش نہیں ہو؟

نہیں ؟؟

کیوں ؟؟

میں کسی سے پیار کرتی ہوں۔

کون ہے وہ جس سے تم اپنی شادی کرنا چاہتی ہو [illegible]

نام بتاؤ، نام بتاؤ ...... اسلم جان۔

فریدہ پر جیسے بجلی گر پڑی۔ وہ [illegible] کی طرح [illegible] ہو گئی [illegible] رہی۔ اسکے منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکلا

[illegible] شالو کو [illegible] اگر اسلم سے میری شادی نہ ہوئی تو میری شادی کبھی نہ ہوگی۔

فریدہ میں اتنی سکت بھی باقی نہیں رہی تھی کہ وہ چل کر اپنے کمرے میں آجاتی۔ اور اپنی آرزوؤں کے جنازے کو سہارا [illegible] آنسو بہاتی وہ سوچ رہی تھی کہ بار بار اسی کا امتحان کیوں لیا جاتا ہے، یا خدا یہ سب کیا ہے۔ وہ دل میں بڑبڑائی سب سے اچھا تو یہ ہے کہ تو مجھے اٹھا لے لیکن اس طرح زندگی دے کر بار بار تو نہ چھین۔ فریدہ بوجھل قدموں سے لڑکھڑاتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف چلی اور تکیہ میں منہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

فریدہ کے دل میں بار بار یہ خیال آتا کہ اسلم سے صرف شالو ہی محبت کرتی ہے یا اسلم بھی شالو کو پیار کرتا ہے۔ مگر اسکا کوئی جواب اسے اپنی فہم سے نہ مل سکا۔ اس نے ارادہ کیا کہ وہ شالو سے اسکی تفصیل ضرور معلوم کرے۔ یہ سوچ کر فریدہ شالو کے کمرے کی طرف چل پڑی۔

شالو ؟؟ میری ایک بات کا جواب دو گی؟

کہو.... کیا بات ہے ؟

یہ بتاؤ تمہاری اس محبت کا علم اسلم کو بھی ہے یا نہیں۔

نہیں.... اسے اس کا کوئی علم نہیں۔

تو ایسی حالت میں وہ شادی سے انکار بھی تو کر سکتا ہے۔

ایسا نہ کہو فریدہ ایسا نہ کہو اسکا انکار میری موت ہوگی۔ کیا میرے اس خاموش پیار کو خدا بھی فراموش کر دے گا؟ کیا میری اس خاموش محبت میں کوئی اثر نہ ہوگا [illegible] ضرور ہوگا۔ اور پھر [illegible] میرے اس پیار سے آگاہ ہے وہ [illegible] کرے گی۔

فریدہ اپنے کمرے میں واپس آگئی وہ پھر تکیہ میں منہ چھپا کر رونے لگی [illegible] اور [illegible] کی آغوش میں چلی گئی۔

فریدہ کی آنکھ کھلی تو رات کے [illegible] بج رہے تھے [illegible] باتوں [illegible] فریدہ پھر نہ سو سکی [illegible] شالو کو دیکھنے آئی تھیں [illegible] فریدہ [illegible] اس نے [illegible] قسمت پھر اسے دھوکا دے رہی تھی پھر اسکا منہ چڑا رہی

تھی۔ ذہنی کشمکش میں الجھی فریدہ کو کچھ بھی پتا نہ چلا کہ کب صبح ہوئی اور کب رات ختم ہو گئی۔ اسکے دل میں آیا کہ وہ خودکشی کر لے۔ کہیں جا کر ڈوب مرے۔ نہ کوئی ہمدرد نہ کوئی غمگسار تھا۔ کب تک اپنی بربادیوں کا ماتم کرتی رہے۔ وہ یہ سب سوچ ہی رہی تھی کہ ننھی جو اب ڈیڑھ سال کا ہو چکا تھا، وہ بھاگتا ہوا آیا اور ماں سے آ کر لپٹ گیا۔ پل بھر کے لئے فریدہ سب کچھ بھول گئی اور اس کے پیار میں کھو گئی۔

فریدہ کو کلب گئے ہوئے آج کئی دن ہو گئے تھے اور اسلم اس وجہ سے بے حد پریشان تھا۔ وہ روزانہ کلب جاتا، فریدہ کا انتظار کرتا اور پھر ناامید ہو کر واپس لوٹ آتا۔ اس کے دل میں خیال آیا کہیں فریدہ بیمار تو نہیں ہو گئی۔ یہ سوچ کر اس نے فریدہ کے گھر جانے کا ارادہ کیا۔ لیکن رات کافی ہو چکی تھی اور اس وقت اس نے جانا مناسب نہ سمجھا اور خاموش اپنے گھر کی طرف چل دیا

شالو کھڑکی سے اسلم کو آتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ جب اسلم نے فریدہ کے مکان پر دستک دی تو شالو تیز قدموں سے دروازے کی طرف دوڑی۔ آئیے آئیے اندر آئیے اسلم صاحب۔

مجھے فریدہ سے ملنا ہے۔ وہ کچھ گھبراتے ہوئے بولا۔

ہاں ہاں وہ گھر میں موجود ہیں۔ شالو نے بڑھ کر ڈرائنگ روم کھول دیا اور اسلم اندر داخل ہو گیا۔

فریدہ! فریدہ!! شالو دوڑی دوڑی گئی...... وہ...... اسلم صاحب آئے ہیں۔ تم ہو کہ اب بھی بستر میں گھسی ہوئی ہو۔

اچھا بھئی اٹھو، میں آتی ہوں۔

تم تو عید کا چاند ہو گئیں فریدہ کیا بات ہے طبیعت تو ٹھیک ہے؟؟

ہاں ذرا بخار رہا ہو گیا تھا اب ٹھیک ہے۔

اوہ میں تو سمجھا تھا شاید تم......

فریدہ نے آڑ میں کھڑی شالو کی طرف دیکھتے ہوئے اسلم کی بات کاٹ دی۔ میں کل شام کو کلب آنے کی ضرور کوشش کروں گی۔

فریدہ نے شالو سے چائے لانے کو کہا تو شالو نے خوشی خوشی ناشتے کی ٹرے سجا کر لے آئی جیسے اس کے دل کی مراد پوری ہو رہی ہے۔ تھوڑی دیر بعد اسلم وہاں سے رخصت ہو گیا۔ لیکن اس کے چہرے پر پریشانی کے بجائے اطمینان تھا۔

فریدہ کلب جانے کیلئے تیار ہو رہی تھی کہ امی حضور فریدہ کے کمرے میں داخل ہوئیں اور اسے مخاطب کرتے ہوئے بولیں۔

فریدہ اب تمہیں بھی اپنے بارے میں سنجیدگی سے سوچنا ہے۔ پڑھائی ختم ہونے والی ہے اس سال فائنل کر لو گی۔ اگر کسی جگہ تمہارا شادی کا کوئی پروگرام ہو تو ہم کو آگاہ کر دو۔ اس کے علاوہ جو عورتیں شالو کو دیکھنے آئی تھیں وہ تمہیں زیادہ پسند کر گئی ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ جمال کچھ زیادہ ہی نئی تہذیب سے وابستہ ہے اس لئے وہ شالو کی جگہ فریدہ کو زیادہ پسند کرے گا۔ اب تم سوچ سمجھ کر ہم کو جواب دینا تاکہ اس کے مطابق عمل کر سکیں۔

فریدہ خاموش رہی اور کچھ نہ بولی۔ امی کمرے سے باہر جا چکی تھیں۔ فریدہ نے آنکھوں میں آئے آنسو رومال میں جذب کئے اور کلب کی طرف روانہ ہو گئی۔

اسلم فریدہ کا منتظر تھا۔ فریدہ کو آتے دیکھ کر اس کا دل باغ باغ ہو گیا۔ اس نے لپک کر فریدہ کا استقبال کیا اور پھر دونوں آمنے سامنے بیٹھ گئے۔

اسلم آج میں تم سے بہت ضروری بات کرنے آئی ہوں۔

میں بھی آج تم سے بہت ضروری بات کرنے آیا ہوں۔ کیونکہ اب تمہارے بغیر زندگی ادھوری معلوم ہوتی ہے۔ اسلم شرارت سے مسکراتے ہوئے بولا۔

فریدہ نے آنکھوں میں آئے آنسو جذب کرنے کی بہت کوشش کی مگر وہ اسلم سے اپنے آنسو نہ چھپا سکی۔ اسلم تڑپ گیا۔

کیا بات ہے فریدہ؟ تمہاری آنکھوں میں آنسو کیسے ہیں؟

اپنی محبت کا جنازہ نکلتے دیکھنے کی ہمت پیدا کر رہی ہوں اسلم۔

یہ تم آج کیسی باتیں کر رہی ہو۔ کیا ہوا ہے تمہیں؟ محبت کا جنازہ کبھی نہیں نکلتا فریدہ۔ محبت وہ جذبہ ہے جو مر کر بھی زندہ رہتا ہے۔ [illegible] لیکن تم یہ سب کچھ کیوں سوچ رہی ہو۔ کیا کسی نے کوئی بات تمہاری مرضی کے خلاف کی ہے؟

نہیں اسلم نہیں۔ دراصل بات کچھ اور ہے۔

کیا بات ہے فریدہ مجھے بتاؤ۔ وہ کون سی الجھن ہے جو تمہیں [illegible] کر رہی ہے۔ [illegible]......

فریدہ نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ اسلم ایسا نہ کہو [illegible]

خوشی ہی میری خوشی ہوگی۔

لیکن بات کیا ہے یہ بھی تو بتاؤ؟

اسلم مجھ سے پہلے کوئی اور تمہارے پیار کی حقدار ہے۔ جب تم نے مجھے دیکھا تھا نہ میں نے تمہیں دیکھا تھا وہ تم سے خاموش محبت کرتی ہے وہ بہت محبت کرتی ہے اسکا ثبوت تمہاری بہن یاسمین بھی دے گی

کہ وہ فریدہ اس کے پیار سے کیا ہوتا ہے۔ میں نے صرف تم سے پیار کیا ہے اور میں صرف تم سے شادی کروں گا۔ اسلم قریب قریب چیخنے والی آواز میں بولا فریدہ میں کسی اور سے ہرگز شادی نہ کرونگا

لیکن اسلم تمہیں ایسا کرنا ہوگا کیونکہ وہ لڑکی کوئی اور نہیں میری بہن ہے۔

کیا!!؟ اسلم کرسی سے اچھل پڑا اسے محسوس ہوا جیسے اس کا کلیجہ منہ کو آ رہا ہے۔ یہ تم کیا کہہ رہی ہو فریدہ؟؟

یہ حقیقت ہے اسلم میرا آخری فیصلہ یہی ہے کہ اگر تم نے شالو کے پیار کو ٹھکرایا تو میری زندگی کا دوسرا روپ جو موت سے بھی زیادہ بھیانک ہے تمہارے سامنے آجائے گا۔ یہ کہہ کر فریدہ بے اختیار رو پڑی

نہیں فریدہ نہیں۔ خدا نہ کرے۔ ایسا نہ کہو فریدہ میں تو زندگی کے آخری سانس تک تمہیں خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔ یہ پیار ہے فریدہ کھلونوں کا سودا نہیں۔ میرا پیار ہمیشہ تمہارا رہیگا فریدہ اور شالو کا پیار ایک فرض رہے گا تمہاری خوشی بنکر۔

فریدہ کی آنکھوں سے پہلے ہی آنسو جاری تھے اسلم بھی فریدہ کی اس قربانی سے خون کے آنسو رو دیا۔

آرکسٹرا کی سُریلی نغمہ خیز دھنیں بج رہی تھیں مگر اسلم اور فریدہ سب سے بے نیاز اپنی رنگین دنیا میں کھوئے ہوئے تھے اسلم کے لئے فریدہ کو چھوڑ کر شالو سے شادی کرنا زندگی اور موت سے ٹکر لینا تھی آجتک اس نے اپنے خوابوں میں صرف فریدہ کی تصویر سجائی تھی وہ کس طرح اسے بھول کر شالو سے پیار کرے گا؟ شالو کا دھندلا سا چہرہ اس کے سامنے آگیا اکثر یاسمین کے ساتھ اس نے شالو کو اپنے یہاں دیکھا تھا اسلم کبھی ادھر سے گزرتا تو وہ مسکرا کر آداب ضرور کرتی تھی اسلم گردن کو ہلکی سی جنبش دیکر اسکا جواب دے دیا کرتا عجیب سی بات ہے وہ لڑکی اس سے اتنا پیار کرتی ہے لیکن فریدہ نے مجھے کیوں الجھن میں ڈال دیا اگر میں انکار کر دوں تو؟ ٹھیک ہے میں ہرگز شادی نہ کروں گا۔ لیکن پھر فوراً ہی اسے فریدہ کا خیال آ جاتا اور وہ کانپ کر رہ جاتا نہیں فریدہ تمہیں میں تمہیں خودکشی نہیں کرنے دونگا۔ میں تمہارے لئے یہ قربانی ضرور کروں گا۔ خیالات کی بے چینیوں نے اسلم کو سونے نہ دیا۔ وہ تمام رات سگریٹ پر سگریٹ پھونکتا رہا۔

صبح کو یاسمین کو چائے لاتی دیکھ کر اسلم کے دل میں خیال آیا کہ یاسمین سے بھی اس بات کی تصدیق کر لے کہیں فریدہ کسی غلط فہمی کا شکار تو نہیں ہو گئی۔ اسلم موزوں الفاظ تلاش کر رہا تھا کہ یاسمین بھائی کو دیکھتے ہی چونک گئی۔ بھیا! یہ کیا حالت بنا رکھی ہے؟ کیا رات بھر سوئے نہیں؟ طبیعت تو ٹھیک ہے؟ بخار تو نہیں آ گیا؟ یہ ہونٹوں پر پیپڑیاں کیسی جمی ہیں؟ اسلم کو جیسے موقعہ ہاتھ لگ گیا ہو۔

اتنے بہت سے سوالوں کا جواب دینا میرے بس کا روگ نہیں یہ بتا ابھی تک کوئی لڑکی بھی دیکھی بھیا کے لئے۔

بھائی کے منہ سے یہ سوال سُنکر یاسمین کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا وہ بھیا سے کئے ہوئے سارے سوال بھول گئی اور چہک کر بولی ہاں بھیا دیکھی ہے بالکل پری ہے پری۔

کیا نام ہے؟ کون ہے؟

ارے بھیا تم نے تو ہزار بار دیکھا ہے۔ وہی...... بس وہی وہ اپنی شالو ہے۔ بس وہی..... یہ کہہ کر وہ کمرے سے باہر بھاگ گئی اور اسلم سوچتا رہ گیا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اسلم ایک انجانی راہ پر لگا جا رہا تھا۔ فریدہ کی روحانی کشش اسے یہ سب کچھ کرنے پر مجبور کر رہی تھی۔ اور اسلم اپنی روح کو اپنے سے ناراض کر کے جینا نہ چاہتا تھا۔ اس لئے وہ سب کچھ کرتا ہی چلا گیا۔ اپنی محبت کو برقرار رکھنے کے لئے۔

فریدہ ابھی بستر سے نہیں اٹھی تھی کہ امی حضور کمرے میں داخل ہوئیں۔ فریدہ ان کا مقصد سمجھ چکی تھی اور اب اس نے اپنے آپ کو حالات کے بہاؤ پر چھوڑ دیا اس کی ہر تمنا ختم ہو چکی تھی دنیا اس کے لئے تاریک تھی طوفان کے تیز تھپیڑے کھاتے کھاتے اس کی کشتی اب قطعی شکستہ ہو چکی تھی۔ فریدہ منتظر تھی کہ امی حضور کا سوال کیا ہوتا ہے۔ تبھی ان کی آواز اس کے کانوں کے پردوں کو چیرتی ہوئی چلی گئی۔

کیا سوچا فریدہ؟؟

وہی جو آپ نے سوچا امی جان۔

امی خوشی سے مسکراتے ہوئے۔ تو کیا میں ہاں کہہ دوں؟

کہنا ہی پڑے گا فریدہ نے ایک لمبی آہ بھر کر جواب دیا۔

امی جلدی جلدی کمرے سے باہر جا چکی تھیں اور یہ خوشخبری فوراً فریدہ کے باپ محمد احمد کو سنا دینا چاہتی تھیں۔ سارے گھر میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی۔

فریدہ کی آرزوؤں نے سرخ کفن پہن لیا تھا۔ دو دلہنیں برابر برابر بیٹھی ہوئی تھیں اور ثمینہ انہیں بڑے پیار سے سجا رہی تھی۔ کتنا فرق تھا دونوں دلہنوں میں؟ ایک اپنے ارمان سجائے تمناؤں کے سرخ جوڑے میں لپٹی اپنے محبوب کے یہاں جا رہی تھی دوسری اپنی زندہ لاش کو لال کفن میں سجائے آرزوؤں اور تمناؤں کو قربان کئے کسی نامعلوم شخص کے گھر جا رہی تھی۔ دن ہفتہ اور مہینہ اور پھر سال بیت گئے۔ شالو کو کبھی اسلم نے احساس نہیں ہونے دیا۔ ثمینہ کو انور نے فریدہ کا تحفہ سمجھ کر آج تک گلے سے لگا رکھا تھا۔ شالو کے ایک لڑکا ہو چکا تھا اور ثمینہ کے ایک پیاری سی لڑکی۔ تین سال بعد فریدہ آج بھی اولاد سے محروم تھی۔ وہ اپنا دل بہلانے کے لئے پنکی کو اپنے گھر لے آئی تھی۔ فریدہ کے شوہر ایک اچھی طبیعت کے مالک تھے اور وہ پنکی کو ہمیشہ پیار کرتے تھے۔

وقت نے کروٹ بدلی فریدہ کو اچانک ایک دن نہ جانے کس قسم کا دورہ پڑا اور اس کے ہوش سلب ہو گئے۔ سارا گھر پریشان ہو گیا جمال نے فوراً فریدہ کے گھر ٹیلی فون سے اطلاع دی۔ منٹ بھر میں سارا گھر بھر گیا انور اسلم، شالو، ثمینہ، محمد احمد اور فریدہ کی امی شاکرہ بیگم سب جمع ہو گئے۔ فریدہ کو ہوش نہ آیا اور ہاتھ پاؤں اکڑتے چلے گئے۔ فریدہ کی سانس رو رو کر خدا سے ہو کی زندگی کی بھیک مانگ رہی تھیں۔ جمال فریدہ کی گردن گود میں رکھے بیٹھے تھے تبھی فریدہ کے سسر عبدالکریم صاحب ڈاکٹر چیترا اور حکیم عابد علی صاحب کو لئے داخل ہوئے۔ ڈاکٹر نے پورا معائنہ کر لیا اور حکیم صاحب نے معائنہ کیا اور پھر دونوں ایک دوسرے کی نظریں پڑھنے لگے۔ دونوں کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔ کوئی خاص بات نہیں مریضہ کی شادی کر دیجئے۔

کیا! سب کی آواز ایک ساتھ نکلی۔

حکیم صاحب بولے۔ شادی کے بعد یہ دورہ نہ پڑے گا اس کی شادی جلد۔ جلد کر دینی چاہیے۔

سب کی نظریں ایک ساتھ جمال پر اٹھ گئیں جو ندامت سے اپنا سر نیچے جھکائے کھڑے تھے [illegible]

انجانی خلیں لے کر چلے گئے۔

فریدہ کو آہستہ آہستہ ہوش آنے لگا۔ لیکن سب کو اپنے گرد دیکھ کر وہ گھبرا گئی اور اٹھ کر بیٹھنے لگی۔ تبھی دوڑ کر اسلم اور انور نے پکڑ کر لٹا دیا اور صرف اتنا کہا۔ فریدہ تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔

سب کی نظریں ایک سوالیہ نشان بنی ہوئی تھیں اور جمال کی خاموشی ان سب کے سوالوں کا جواب تھی آج تک ان کی جس کمی کو فریدہ چھپائے ہوئے تھی وہ اب سب پر ظاہر ہو گئی تھی انہیں شدت سے اپنی غلطی کا احساس ہو رہا تھا۔ وہ گڑگڑا کر سب کے سامنے فریدہ کے قدموں میں گر پڑے اور معافی مانگنے لگے۔ فریدہ خدا کے لئے مجھے معاف کر دو میں نے تم پر ظلم کیا ہے۔ فریدہ تم جہاں بھی چاہو شادی کر لو۔

فریدہ کی سمجھ میں کچھ نہ آیا تب ثمینہ نے اسے بتایا کہ انہیں سب کچھ معلوم ہو چکا ہے۔ جمال اب بھی سسک رہا تھا فریدہ نے دونوں ہاتھوں سے اس کا چہرہ تھام لیا اور اس کے ماتھے کو اپنے ماتھے پر ٹکاتی ہوئی بڑے پیار سے بولی۔ جمال تمہارے پیار کے ہوتے ہوئے مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں [illegible] دو سپنا... سب کی آنکھوں سے آنسو نکل رہے تھے اور ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے انور، اسلم، شالو، ثمینہ اور جمال عقیدت سے آنسوؤں کا نذرانہ پیش کر رہے ہوں [illegible]

بقیہ صفحہ (۱۱)

اُن کی شاعری کا تعلق ہے اقبال نامہ کے مصنف نے بھی تسلیم کیا ہے کہ آخر زمانہ ملا مشہور و معروف اُردو شاعر ہیں اور ملا صاحب بھارت کے موجودہ اُردو شعراء میں گوناگوں خصوصیات کی بنا پر کافی اہمیت رکھتے ہیں [illegible] ان کی عمر اور شاعری کی مدت کو دیکھا جائے تو وہ اصغر، جگر، جوش اور حفیظ وغیرہ کے ساتھی یا ہمعصر ہیں لیکن تقریباً نصف صدی سے یا قاعدہ شعر و ادب کی محفل میں موجود رہے ہیں۔

تخمیس کا لفظ میں نے اس لئے استعمال کیا ہے کہ ان سارے کتابوں کے مطالب ہی گنوائے گئے ہیں ان کے ہاں کو کسی نظر انداز کیا گیا ہے۔ اس کا دوسرا افسوسناک پہلو یہ بھی ہے کہ مصنف کا انداز بیان بھی اتنی درشتی ہے کہ اس کے ڈانڈے معاندت سے مل جاتے ہیں احساس کا تجزیہ یہ ہوتا ہے کہ ایک غیر جانبدار نگاری کی بجائے یہ مجروح ہو جاتی ہے۔

● عتیق صدیقی

بشکریہ سب ساتھ

اور رنجشیں مِٹ گئیں

نزہت رودولوی

آج جب میں اسکول آئی تو معلوم ہوا کہ جو نئی پرنسپل آرہی ہیں وہ مس سنگیتا سکسینہ ہیں۔ جانا پہچانا نام سنکر میرے تصور میں سنگیتا سکسینہ آگئی جو میری کلاس فیلو تھی اور میری خاص سہیلیوں میں تھی۔ یہ خیال آتے ہی میرے ماضی نے مجھے آواز دی اور اب سے بارہ سال پہلے کے [illegible] سامنے آگئے جو بڑے حسین اور دلکش تھے۔ سنگیتا بلا کی ذہین اور خوش مزاج تھی ہم دونوں ملکر شرارتیں کرتے تھے۔ شرارتیں کرنے والیوں میں کئی لڑکیاں ہوتی تھیں لیکن میں اور سنگیتا سب سے آگے تھیں۔ کوئی ڈرامہ یا کوئی بھی تقریب ایسی نہ تھی جو سنگیتا کے بغیر مکمل ہو جاتی۔ یہ ان دنوں کی بات تھی جب ہم نویں کلاس میں پڑھتے رہے۔ ایک بار وہ الکشن میں کھڑی ہوئی مقابلہ بڑا سخت تھا۔ سنگیتا کھڑی ہونے کو تیار نہ تھی لیکن ہم لوگوں نے زبردستی تیار کیا مگر سنگیتا کو جیتنے کی کوئی تدبیر سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ آخر کار الکشن کا دن آیا تو میں نے ہر لڑکی سے کہہ دیا کہ جب ووٹ ڈالنا تو ذرا ہوشیاری سے کام لینا اور ساتھ ہی سنگیتا کا خیال رکھنا۔ آخر کار الکشن بخیر و خوبی گزرا۔ سنگیتا جیت گئی میرے اس کام سے سنگیتا لاعلم رہی اس طرح ہم لوگوں نے ہائی اسکول ایک ساتھ کیا سنگیتا چچا کے پاس پڑھنے کی غرض سے چلی گئی میرے گھر والوں نے بھی مجھے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کیلئے لکھنؤ بھیجدیا۔ چھٹیوں میں مل کر دونوں ایک دوسرے سے ملاقات کرتیں۔ سنگیتا نے بی ایڈ میں داخلہ لیا تھا میں نے ایم اے کیا۔ گھر میں بیٹھے رہنے سے طبیعت گھبرانے لگی۔ ان دنوں ایک پرائیویٹ اسکول میں پڑھانے لگی۔ دوسرے سال ہمارے یہاں ایک پرنسپل کی ضرورت تھی۔ سنگیتا نے بی ایڈ کر لیا تھا۔ میں نے کوشش کر کے اسے اپنے یہاں جگہ دلا دی۔ پھر اسی طرح [illegible] دن گزر گئے۔ خالی وقت میں اسکول کی شرارتیں یاد کر کے خوب ہنستیں۔ مگر اچانک پتہ نہیں کیوں سنگیتا کو ہماری دوستی بھلی نہیں لگی۔ لوگوں نے کچھ غلط باتیں کرکے اسے غلط فہمی میں مبتلا کر دیا اور وہ مجھ سے دور ہو گئی لیکن اس نے کبھی زبان سے کچھ نہ کہا [illegible] سنگیتا نے استعفیٰ دے دیا۔ اس کا استعفیٰ دیکھ کر سخت تعجب ہوا۔ میں پوچھ ہی نہ سکی کہ کیا وجہ ہے؟ کسی طرح استعفیٰ نہیں لیا تو روکی۔ مجھے معلوم ہوا کہ مجھ سے [illegible]

میری خودداری نے یہ گوارا نہ کیا کہ وہ بلاوجہ خفا ہے تو میں اسے منا لوں۔ خیر تو یہ اب تک بھی ہے کہ اس نے کیوں کسی کے کہنے سے سچ سمجھ لیا۔ مجھ سے پوچھا ہوتا کچھ کہا ہوتا۔ تعجب تو اس کی عقل پر تھا کہ اتنی ذہین ہونے کے باوجود کیسے وہ دوسرے کے کہنے میں آگئی۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ اگر سنگیتا سے ملاقات ہو جاتی تو علیک سلیک بھی نہ ہوتی۔ میں اسی افسوس میں تھی کہ زمانے نے ایک اچھے دوست سے جدا کر دیا۔ کہ اچانک گذشتہ [illegible] ماضی کا دامن نہیں تک پکڑ پایا تھا کہ میں ایک دن چھٹی کی درخواست دیکر واپس آگئی اور دوسرے دن استعفیٰ بھیجکر وطن کی واپسی کے لئے تیار ہو گئی کیونکہ یہاں ایک لمحہ بھی دل نہیں لگ رہا تھا۔ میرے استعفے سے ٹیچرس اور طالبات سبھی پریشان ہو گئیں۔ تقریباً سب ہی طالبات اور ٹیچرس آئیں۔ سبھی نے مجھے واپس ملازمت پر آنے کیلئے کہا لیکن اس جگہ کیسے کام کر سکتی تھی جس کی پرنسپل سے رنجش ہو۔ میں بھی پریشان ہو کر ٹہلیں تو دیکھا کہ مس سنگیتا بھی آرہی ہیں میرا خیال غلط نہ تھا یہ وہی سنگیتا تھی جو کبھی میری دوست میری ہمدرد تھی لیکن آج کس قدر دور تھی۔ بہرحال وہ میرے گھر آئی تھی اس لئے میں نے بہت ہی خلوص دل کے ساتھ اس کا استقبال کیا کیونکہ یہ میرا اخلاقی فرض تھا آتے ہی اس نے کہا کہ "کنک اگر تم نے میری وجہ سے استعفیٰ دیا ہے تو میں یہ اسکول آج ہی چھوڑ دونگی ورنہ پھر تم اپنا استعفیٰ واپس لو۔ تمہاری طالبات کس قدر پریشان ہیں شاید تم کو اس کا علم نہیں کنک تم سارے کالج میں بے حد ہر دلعزیز ہو۔ دیکھو مجھ کو یہ مقام کب ملتا ہے"۔

آؤ ہم دونوں اپنی ساری رنجشیں دور کر لیں اور عہد کریں کہ کسی کے کہنے سننے میں آکر دوستی نہیں توڑیں گے۔ دوسرے دن میں کالج گئی اور تمام کالج میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

فرہنگ آصفیہ
چاروں حصے مکمل۔ قیمت ایک صد پچاس روپیہ
ملنے کا پتہ دفتر شان ہند
[illegible] انصاری مارکیٹ ۔ دریا گنج ۔ نئی دہلی [illegible]

فرزانہ اعجاز

جلتے بجھتے دیپک

شام کے سائے کچھ زیادہ ہی غمزدہ ہو چلے تھے۔ سارے ماحول پر عجیب سی مُردنی چھائی تھی۔ اسپتال کی شاندار عمارت کسی انجانے سے خوف سے پیلی پیلی ہو رہی تھی! ملاقات کا وقت ختم ہو چکا تھا۔ تھکے تھکے قدم اپنے گھروں کی جانب رواں دواں تھے اور کچھ لرزتی سسکیاں بھی فضا میں تحلیل ہو کر عجیب سا سماں پیدا کر رہے تھے۔ نرسیں اپنی ڈیوٹی یوں انجام دے رہی تھیں جیسے وہ گوشت پوست کی بنی عورتیں نہ ہوں یا جیسے انکے سینے میں قدرت نے وہ حساس گوشہ پیدا ہی نہ کیا ہو جو دکھ درد پر تڑپ اٹھتا ہے۔ بڑے ڈاکٹر کے راؤنڈ میں کچھ دیر تھی۔ لیبر روم میں ایک لمبی سی میز پر پڑی عطیہ کا چہرہ زرد ہو چکا تھا۔ کسی اور کی رگوں سے کھینچا ہوا لال لال خون قطرہ قطرہ ہو کر اس کے جسم میں داخل ہو رہا تھا۔ پاس کھڑی ہوئی اسسٹنٹ ڈاکٹر اسکی پتلی سی کلائی پکڑے گھڑی کی سوئی بھی دیکھ رہی تھی اسکی نبض کی رفتار کو بھی۔ لیکن اسپتال کے کتنے ٹھنڈے اس [illegible] میں لیٹی ہوئی عطیہ کے چہرے پر سکون ہی سکون تھا ویسا ہی سکون جیسا کسی خالق کو اپنی تخلیق کے مکمل ہو جانے کے بعد حاصل ہو سکتا ہے۔ پاس ایک ڈولی میں پڑا ہوا گُلگُتا سا وجود بے خبر سو رہا تھا اُسکو کیا معلوم کہ قدرت اُس سے زندگی کی کتنی بڑی قیمت وصول کرنا چاہتی ہے۔ وہ کتنی بڑی نعمت سے ہر لمحہ دور ہوتا جا رہا ہے۔ ایسی نعمت سے جسکا کوئی بدل نہیں جو ہر انسان کو صرف ایک بار حاصل ہوتی ہے!

چند لمحوں پہلے ملاقات کے اوقات میں رضیہ اور عارف [illegible] کپکپاتی پلکوں کے ساتھ عطیہ کے پاس آئے تھے ڈاکٹر نے عطیہ کی نازک حالت کو دیکھتے ہوئے انہیں خاص اجازت دے کر اندر آنے دیا تھا صرف چند لمحوں کیلئے۔ لیکن یہ چند لمحے ان کے دلوں پر صدیاں بن کر بیت گئے۔ باہر جاتے ہی دونوں پھوٹ پھوٹ کر رو پڑے۔ روتے کیوں نہیں آج تو انکی متاع [illegible] ان سے زبردستی چھینی جا رہی تھی۔ لمحہ بہ لمحہ وہ اس ہستی کو کھوتے جا رہے تھے جو دنیا میں انکو سب سے زیادہ عزیز تھی جسکی چھوٹی سے چھوٹی خوشی کیلئے وہ اپنی خوشیاں تک قربان کرنے میں جھجک نہیں محسوس کرتے تھے۔ انہیں دونوں نے تو عطیہ کو بڑے پیار سے پالا تھا، پڑھایا لکھایا تھا اور پھر کتنے ارمانوں سے حتی الامکان جہیز دے کر پیا کے گھر بھیجا تھا۔ اور آج جب یہ ہرا بھرا پودا پھلنے پھولنے کے قابل ہوا تو نہ جانے کس کی نظر لگ گئی۔ کل رات اچانک عطیہ کی طبیعت زیادہ خراب ہو گئی تھی اور اب وہ ایسے پڑی تھی جیسے وہ زندہ ہی نہ ہو۔ کتنی بدنصیب تھی عطیہ [illegible] وہ کسی کے ممتا بھرے سینے سے ایک لمحے کیلئے بھی نہ لگ سکی۔ کسی نے اسکے بالوں میں پیار سے انگلیاں بھی نہ پھیریں اور نہ ہی کوئی مسکراتا ہوا وجود اسکی گود میں کھیل سکا۔ وہ ننھا سا وجود جسکے پیدا ہوتے ہی عطیہ خود بے ہوش ہو گئی۔ اپنی بدنصیبی سے بچی کی پہلی ہی چیخ سننے کیلئے اسکے کان ترستے ہی رہ گئے۔

رضیہ کی نگاہوں میں ایک ایک لمحہ تصویر بن کر گھوم رہا تھا۔ عطیہ کی پیدائش اسکو کل کی بات لگ رہی تھی۔ وہ [illegible] وقت بھی میں آپا کے پاس بیٹھے کھیل رہے تھے۔ ممی کے کمرے سے رہ رہ کر ہلکی ہلکی کراہیں سنائی دے رہی تھیں۔ نانی اماں اور دوسری بڑی عورتیں فکرمند سی ممی کے پاس بیٹھی تھیں۔ سب لوگ بدحواس تھے۔ پاپا کے ساتھ ایک لیڈی ڈاکٹر آ گئی تھی اور اب وہ بھی ممی کے پاس تھی۔ پھر ڈاکٹر نے [illegible] نہ جانے کیا کہا کہ پاپا اور بھی پریشان ہو اٹھے۔ ڈاکٹر کے جاتے ہی [illegible] ٹانگوں سے لپٹ گئی اور ممی کے پاس جانے کی ضد کرنے لگی۔ لیکن پاپا [illegible] اور ہی عالم میں تھے [illegible] کمرے میں سے ممی کی ایک دردناک [illegible] اور اس کے ساتھ ایک ننھی سی چیخ کا بھی اضافہ ہو گیا۔ پاپا [illegible] کی طرف دوڑے لیکن دوسرے ہی لمحے نہ جانے کیا ہوا کہ نانی اماں کی [illegible] چیخ ابھری۔ "ہائے میری بچی" اور ساتھ ہی سارے گھر میں کہرام آ گیا۔ پاپا بیچارے کھڑے [illegible] نانی بیہوش ہو چکی [illegible] میری بیٹیم کہہ کر رو رہی تھی۔ دائی نے آپا کی گود میں ایک [illegible] وجود دے دیا اور [illegible] ہوئی ایک طرف [illegible] کو آج [illegible] یاد تھا کہ اس کی ممی پلنگ پر لیٹی ہی [illegible] اسکو ایک پیار بھی نہیں کیا۔ بس اس کے بدلے ایک [illegible] کا بیٹا [illegible] آ گئی۔ ممی کے جاتے ہی پاپا بالکل چپ ہو گئے۔ وہ پہروں عطیہ [illegible] لئے بیٹھے رہتے۔ کبھی [illegible] اپنی معصوم [illegible]

چلے جاتے۔ اور جب وہ واپس آتے تو اُن کی آنکھوں میں آنسو اور لبوں پر
ایک دبی دبی سی آہ ہوتی۔ تبھی وہ پھر عطیہ کو چمٹا لیتے جیسے اُن کے
درد کی دوا عطیہ کا ننھا سا وجود ہی ہو! روتے روتے نانی کی آنکھوں کا
پانی بھی سوکھ چکا تھا اپنے دل پر پتھر رکھے وہ پاپا کی بدلتی حالت دیکھتی
رہیں اور کُڑھتی رہتیں۔ انھوں نے عطیہ کو اپنے ٹھنڈے ٹھنڈے
سینے سے لگا لیا تھا۔ اپنی کمزور بانہوں میں پناہ دی تھی۔ اکثر سوتے سوتے چونک
کر وہ عطیہ کو اور زیادہ زور سے چمٹا لیتیں جیسے اُن کو عطیہ کے بھی چھن
جانے کا خطرہ ہو۔!

رضیہ اور عارف کے ننھے ننھے دل بہت دیر بعد ممی کی کمی کو نظر انداز
کر سکے۔ اب بھی کبھی کبھی سوتے میں عارف رونے لگتا اور ممی کو پکارنے
لگتا تھا۔ ایسے لمحوں میں پاپا کی آنکھوں سے آنسو ڈھلک جاتے پھر دن جانے
کیا ہوا کہ ایک روز جب دیر تک پاپا سو کر نہیں اُٹھے تو نانی کے دل پر ایک
اور چٹان آ پڑی۔ ایک اور پہاڑ شق ہو گیا۔ زخموں کے ٹانکے اُکھڑ گئے
اور ناسور پھر رِسنے لگا۔ روتی بلکتی آیا نے بتایا کہ پاپا بھی ممی کے پاس
چلے گئے تو رضیہ مچل اُٹھی ممی کے پاس جانے کو! اس کا ننھا سا دل یہ دیکھ
نہ سکا کہ ممی کے پاس جانا اتنا آسان نہیں۔ آہستہ آہستہ سارے عزیز رخصت
ہو گئے اور بس نانی اور یہ تینوں بچے آیا کے ساتھ رہ گئے۔ نانی دن رات
روتی رہتیں اور اپنے نصیب کو کوستی جاتیں۔ اُن کی آہوں نے گھر کے کونے
کونے میں بسیرا کر لیا تھا۔ آنسوؤں کی آڑی ترچھی لکیروں نے ہمیشہ کیلئے
اُن کے جھریوں بھرے چہرے پر پناہ لے لی تھی۔ بڑی ہمت کے ساتھ وہ اُن
تینوں بچوں کو سینے سے لگائے آسمان کے سارے ستم برداشت کر رہی
تھیں۔ اب یہی بے ماں باپ کے بچے اُن کی زندگی کا سہارا تھے۔ اکثر وہ
مغرب کے بعد دعا کے لئے ہاتھ اُٹھا دیتیں۔ اُن کی بس یہی دعا ہوتی کہ
میرے پروردگار اب اور کوئی غم نہ دکھانا۔ ان تینوں بچوں کو آباد
رکھنا! لیکن کون جانے دعا کی قبولیت کے لئے کون سا وقت مقرر ہے!
نانی کی دعائیں کتنی قبولیت ہوں گی یہ وہ خود بھی نہیں جانتی تھیں کہتے ہیں
دُکھی دل کی دعا فوراً قبول ہو جاتی ہے۔ نانی سے زیادہ دُکھی دل اور کس
کا ہوگا۔

کچھ دنوں میں اور دن سالوں میں تبدیل ہوتے رہے۔ رضیہ عارف
اور عطیہ بڑے ہوتے گئے اور نانی کی کمر جھکتی چلی گئی۔ اب رضیہ کے ساتھ
عطیہ بھی اسکول جانے لگی تھی۔ اکثر وہ اسکول سے بہت اداس آتی اور

نانی کی گود میں چپ چاپ پناہ لے لیتی اور جب نانی اماں اس کو پیار
کرتیں تو وہ اچانک پوچھ بیٹھتی: "نانی اماں پاپا اور ممی کہاں ہوتے ہیں؟"
نانی کے دل پر چھریاں سی چل جاتیں۔ وہ بیتاب ہو کر رونے بھی لگتیں کیونکہ
وہ عطیہ کے اس معصوم سوال کا جواب دینے سے قاصر تھیں۔ اور اس کو بہلانے
کے لئے چاند ستاروں سے لے کر راجہ رانی تک کی سیکڑوں کہانیاں سُنا ڈالتیں
یہاں تک کہ معصوم عطیہ سو جاتی اور نانی بھی اپنے سینے سے اسے چمٹائے
سو جاتیں۔ رضیہ اور عارف اب فلسفۂ حیات و موت سمجھ چکے تھے۔ بڑی ممی
نے ان کے ننھے ننھے دلوں میں یہ بات بٹھا دی تھی کہ ایک جگہ ایسی ہے
جہاں سے جانے والے واپس نہیں آیا کرتے۔ لیکن عطیہ ابھی چھوٹی تھی پھر
بھی وہ کبھی کبھی رضیہ سے پوچھ لیتی: "آپی! کیا ہم لوگ پاپا اور ممی کے
پاس نہیں جا سکتے؟"

شام کے سرمئی دھندلکے میں جب عطیہ سر پر دوپٹہ اوڑھ کر گھر
میں اِدھر اُدھر چلتی اور اپنی بساط بھر کچھ نہ کچھ کام بھی کرتی پھرتی تو نانی
اس کی طرف ایک ٹک دیکھتی رہتیں اور کہتیں "عطیہ کی صورت اور باتیں
بالکل اپنی ممی کی جیسی ہی ہیں۔" ایسی ہی باتیں سُن سُن کر عطیہ نے تصویروں کی
ایک شبیہ قائم کر لی تھی۔ اکثر تصور میں ہی وہ ممی کے سینے سے لپٹ جاتی
اور سوتے سوتے کھلکھلا کر ہنسنے لگتی۔ گزرتے لمحوں نے عطیہ کو عہد طفلی
سے جوانی کی منزل کی طرف اچھال دیا۔ وہ معصوم سی اچانک ہی سنجیدہ سی
رہنے والی لڑکی بن گئی۔ جھکی جھکی پلکوں اور بھولے بھولے مسکرانے والی عطیہ
نے دوسرا ہی رنگ اختیار کر لیا۔ عارف اور رضیہ کی شادی ہو چکی تھی
وہ ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے اپنی اپنی منزلوں کی طرف چل چکے
تھے۔ عارف وکیل بن چکا تھا۔ عطیہ ایم۔ اے کر چکنے کے بعد ابھی گھر میں
ہی رہ رہی تھی۔ نانی کی اب یہی سب سے بڑی تمنا رہ گئی تھی کہ عطیہ
بھی اپنے گھر کی ہو جائے تو وہ سکون سے قبر کی راہ لیں۔ وہ بے حد کمزور
ہو گئی تھیں، کمر اس قدر جھک چکی تھی کہ چلنا پھرنا بھی مشکل لگتا تھا۔ اب
وہ اکثر ایک ہی جگہ بیٹھی رہتیں اور عطیہ اُن کی ہدایات کے مطابق سارا
کام کرتی رہتی۔

پھر نانی کی دُعا رنگ لانے لگی اور سہانی گھڑی آ گئی اور پھر ایک روز
جہیز سے لدے پھندے روتی بلکتی عطیہ کو اپنے دیس لے جانے کے لئے گھر میں پائل
ستارہ چھن گیا۔ لیکن نانی خوش تھیں کہ انھوں نے اپنا فرض پورا کر دیا تھا
لیکن انہیں کیا معلوم تھا کہ قدرت ان سے ابھی ایک اور مذاق کرنے

والی ہے۔ اپنی تمام تر اچھائیوں کے باوجود بھی عطیہ کو سسرال میں وہ مقام نہ مل سکا جس کی وہ مستحق تھی۔ اس ناقدری کی حقیقی وجہ اس کا جہیز تھا۔ اپنی ہمت سے زیادہ جہیز وغیرہ دینے کے بعد بھی عارف ریاض کی ماں کی حرص و ہوس کی آگ کو نہ بجھا سکا تھا۔ پہلے ہی روز عطیہ کو کم جہیز کا طعنہ سننا پڑا تھا اور اس کے سپنوں کا محل دھڑام سے گر گیا۔ ویسے تو ریاض عطیہ کو بہت چاہتے تھے لیکن روز کے طعنے تشنے سے انہیں بھی یقین ہو گیا تھا کہ ان کی حقیقتی ناقدری کی گئی ہے ان کو ایک اسکوٹر بھی کیوں نہ دیا گیا؟ سونے کی انگوٹھی گھڑی وغیرہ تو ہر کسی کو مل جاتی ہے!

ماحول کے اس گھٹاؤ سے گھبرا کر عطیہ نے ریاض کی خوشامد کر کے کسی دوسرے شہر میں اسکول میں نوکری کر لی۔ اس طرح اس کو روز روز کے طعنوں سے وقتی طور پر نجات مل گئی۔ اکثر اپنے بھائی عارف کو خط لکھتی جس میں وہ یہی ظاہر کرتی کہ ریاض کے روپ میں اسے ایک دیوتا مل گیا ہے وہ کرۂ ارض کی خوش قسمت ترین عورت ہے! پھر آہستہ آہستہ عطیہ کو اپنے اندر کسی غیر معمولی تبدیلی کا احساس ہونے لگا اس کے سینے میں مستقل درد رہنے لگی۔ اسکول کی انتھک محنت اور نامناسب غذا نے عطیہ کو آدھا کر دیا تھا۔ عارف نے اس کو اپنے پاس بلا لیا عطیہ جب گھر پہنچی تو اس کی حالت دیکھ کر عارف پریشان ہو اٹھا نانی کی دور رس آنکھوں نے عطیہ کو بربادی کی طرف جاتے دیکھا مگر انہیں تو اس کا دھوکا بھی نہ تھا۔

عطیہ نے خوشامد سے عارف کو سمجھا لیا کہ وہ ریاض سے بات نہ کریں۔ شہر کے بہترین ڈاکٹر کا علاج شروع کیا گیا۔ لیکن وقت ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ عطیہ اب چلتی پھرتی لاش تھی۔ ممتا کی مضبوط ڈور کے ساتھ اس کا وجود دھاگے جیسا بن کر وہ ڈور ٹوٹنے ہی میں [illegible] تھی تاکہ [illegible] عطیہ کو بھی بچا لیا تھا۔ وہ عطیہ کو بچا نہیں سکی۔ اچانک ایک رات عطیہ کی طبیعت زیادہ خراب ہو گئی اور اس کو اسپتال میں داخل کر دیا گیا۔ ڈاکٹر نے عارف سے کہا کہ وہ اپنے دل کو مضبوط کرے اور دعا کرے کہ عطیہ اور اس کے بچے دونوں کو بچایا جا سکے۔ کسی ایک [illegible] عارف نے عطیہ کو بچانے کو کہا [illegible] عطیہ کے آگے ایک سوال تھا۔ وہ ہر حالت میں اپنے بچے کو بچانا چاہتی تھی۔ ڈاکٹر ممتا کی تڑپ

نے اثر کیا اور قسمت کے اس انمول تحفے کو ضائع ہونے سے بچاتے ہوئے عطیہ اپنی جان پر کھیل گئی۔

اور ایک بار پھر سب کی نگاہیں آسمان کی طرف اٹھ گئیں۔ جانے کتنی بار بڑی نانی خدا سے رحم کی درخواست کرتی رہیں۔ لیکن کچھ دعائیں عرش اعظم تک جانے سے پہلے ہی فضا میں بکھر کر رہ جاتی ہیں۔ عطیہ بے ہوش پڑی تھی عطیہ کی کمزوری اب بھی موجود تھی۔ ڈاکٹر پریشان بھی تھی اور افسردہ بھی۔ اندھیرا بڑھتا جا رہا تھا۔ عطیہ کی سانس کا زیر و بم دم بدم چڑھتا جا رہا تھا۔ نانی اور عارف بے چینی سے ٹہل رہے تھے نانی بلبلا رہی تھیں اچانک ڈاکٹر لیبر روم سے برآمد ہوئی اور افسردہ سی آواز میں عارف سے "سوری" کہتے ہوئے ایک طرف نکل گئی۔

بقیہ صفحہ ۴۵

ہاتھ رکھ کر کہا۔

"بینا کی ماں اٹھو، ہاتھ منہ دھو کر چائے بناؤ۔ کل ہم اندور چلیں گے اپنی نتو کو لینے۔" نتو کا چہرہ خوشی سے کھل گیا۔

دوسرے دن بابو صاحب بیٹے اور بیوی کو لے کر چند لوگ لے کر اندور پہنچے۔ بیٹی کو رخصت ہونے گلے سے آشیرواد دیا بیٹی اور داماد کو سینے سے لگایا اور ساتھ لے کر گھر لوٹ آئے۔ یہاں انھوں نے باقاعدہ عزیز رشتہ داروں و دوست احباب کو بلا کر ایک پر تکلف دعوت کا اہتمام کیا اور باقاعدہ رسم و رواج کے مطابق شادی کی رسم ادا کی اور بیٹی کو آشیرواد دے کر سسرال وداع کیا۔ لڑکے والوں نے بھی اس آدرش شادی کی تعریف کی اور ایسے گندے رسم و رواج پر لعنت بھیجی۔

مترجم دیوان حافظ

قاضی سجاد حسین صاحب کا ایسا کارنامہ کہ اردو جس پر ناز کرے گی۔

قیمت تین روپے

ماہنامہ شان ہند [illegible] انصاری مارکیٹ دریا گنج نئی دہلی

فریدہ [illegible]

سریتا بھابی کی جنت

سریتا کے چہرے پر خوشی کی جو کیفیت تھی اسے میں نے محسوس کر لیا تھا۔ وہ بڑی جلدی سامان سمیٹ رہی تھی میں نے بھی اس کا ہاتھ بٹایا۔ اسٹیشن کے باہر سریتا کی چمکتی کار منتظر تھی۔

دروازہ پر سفید وردی میں ملبوس ڈرائیور نے سریتا کو سلام کیا اور مجھ پر ایک غلط انداز نظر ڈالی اور سامان ڈگی میں رکھنے لگا۔ میں نے ڈرائیور کے مقابل اپنے کو کمتر محسوس کیا۔ کار میں دو چھوٹے اعلیٰ نسل کے کتے زبان باہر لٹکائے ہانپ رہے تھے۔ سریتا ان کتوں کے قریب جا بیٹھی۔ میں نے جوں ہی کار کا دروازہ کھولا کتے بھونکنے لگے [illegible] انداز میں بڑبڑانے لگی۔ کتوں نے [illegible] لیا اور پھر میری طرف سے لاپرواہ ہو گئے۔ میں [illegible] لیا اور ڈرائیور کے پاس بیٹھ گیا۔ ڈرائیور نے کار [illegible]

[illegible] بھیا نے مجھ سے کہا تھا کہ میں سریتا کو پونہ چھوڑ آؤں [illegible] تھیں اور سریتا کے والد ممبئی گئے ہوئے تھے۔ میں نے بھیا کی سسرال نہیں دیکھی تھی۔ بھیا اور سریتا نے اپنے گھر والوں کی مرضی کے خلاف لو میرج کر لی تھی۔ سریتا کے گھر والے پہلے تو ناراض ہوئے لیکن پھر جیسے ہی انہیں نئے مہمان کی آمد کا پتہ چلا انہوں نے ساری شکایت [illegible] سریتا کو اپنا لیا۔ بھیا اور سریتا کئی دفعہ پونہ ہو آئے تھے۔ میں نے [illegible] سریتا کے گھر والے بہت خوشحال لوگ ہیں۔ خوب ٹھاٹ باٹ [illegible] بہت خوش تھا کہ بھیا کی سسرال میں میری خوب خاطر ہو گی [illegible] ہوتی ہے۔ سریتا قریباً چار ماہ کے بعد اپنے گھر واپس [illegible] ہماری خوشیوں میں اضافہ ہو گا۔ ننھی [illegible] میں لوٹیں گی۔ ماں جی بہت خوش تھیں۔ شروع شروع [illegible] کو سریتا پر اعتراض صرف اسی لیے تھا کہ وہ ایک امیر گھرانے سے تعلق رکھتی تھی جبکہ ہم بے حد غریب تھے لیکن سریتا کا معصوم چہرہ جیسے [illegible] انہوں نے اسے فوراً قبول کر لیا۔

[illegible] ایک بنگلے کے سامنے رک گئی۔ میں نے [illegible] دیکھا شہر کی گہما گہمی سے دور ایک پُرسکون جگہ تھا۔ دو نوکر دوڑتے ہوئے آئے انہوں نے سریتا کو سلام کیا۔ میں سمجھا شاید وہ لوگ سامان اتروانے آئے ہوں گے۔ لیکن دونوں نے لپک کر دونوں کتوں کو تھام لیا اور اندر لے گئے۔ بنگلے کے دروازے سے ایک حسین لڑکی اور ایک بوڑھی عورت نکلیں۔ حسین لڑکی نے نوکروں سے کہا "ان کو چھوٹا مالک کے پاس لے جاؤ۔" دونوں نے پھر سریتا کو سلام کیا۔ سریتا نے حسین لڑکی سے کہا "کملا! میرا بیگ میرے کمرے میں رکھنا اور شوبھا! وہ ٹوکرا سنبھال کر اتارنا۔" پھر سریتا نے مجھے پکارا۔ میں چونک گیا۔ میں تو اس کملا نامی حسین پھول کو دیکھنے میں کھویا ہوا تھا۔ اب میں اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ راہداری میں ہی سریتا کسی کو ماں کسی کو دیدی کسی کو بھابی۔ کسی کو چاچی کہہ کر ملتی اور میرا تعارف ہونے لگتا۔ اس کے بعد مجھے وہ سیدھا ہال میں لے گئی۔ سریتا کو کئی بچے دیدی دیدی کہہ کر لپٹ گئے۔ میں نے ان کو مصروف دیکھ کر ہال میں ادھر ادھر نظریں دوڑائیں۔ یہ میرے لیے ماحول بالکل نیا تھا۔ ایسا ماحول میں نے صرف فلموں میں ہی دیکھا تھا۔ دونوں طرف کرسیاں اور صوفے، دیواروں پر [illegible] جن میں چاندی اور ہاتھی دانت کے چھوٹے چھوٹے ظروف تھے۔ شوکیس ہی کئی قیمتی چیزیں۔ دیواروں پر قد آدم پرانی تصاویر جن کے فریم چاندی کے تھے۔ خوبصورت ٹیبلوں پر کسی پر نازک سا پھولدان تو کسی پر چاندی کے ایش ٹرے۔ میں نے سوچا ہم لوگ تو سگریٹ کو زمین پر ہی مسل کر بجھا دیتے ہیں امیر لوگوں کی ہر ادا امیرانہ ہوتی ہے۔ ہال کو پار کر کے ہم لوگ ایک کمرے میں آ گئے۔ سامنے ایک چوڑے تخت پر گاؤ تکیہ کا سہارا لیے ہوئے ایک معمر عورت بیٹھی پان چبا رہی تھی۔ سریتا دوڑ کر "دادی" کہہ کر ان سے لپٹ گئی۔ سریتا نے [illegible] شکایتیں کر ڈالیں۔ دادی ماں نے بڑی شفقت سے سریتا کا منہ چوم کر ساری شکایتیں دور کر دیں۔ سریتا نے میرا تعارف کرایا۔ میں "نمستے" کہہ کر کرسی پر بیٹھ گیا۔ جس کی طرف دادی ماں نے اشارہ کیا تھا۔ سریتا اٹھ کر کمرے سے باہر چلی گئی تھی۔ فرش پر بہت ہی قیمتی قالین بچھا تھا۔ [illegible] چھت سے [illegible] لٹک رہا تھا۔ کمرے کے دوسری طرف ایک بڑی [illegible] الماری تھی جس کے مقابل ایک [illegible] ٹیبل پر [illegible]

مچھلیاں تیر رہی تھیں۔ پاس بیٹھا ہوا ایک اسٹینڈ ٹائٹ لائٹ اٹھا کر کہیں
بجلی والے پنکھے لہرا رہے تھے۔ کرسی پر چڑھ کر اتنا خوبصورت تھا کہ میں اندر دیکھتا
گیا۔ میں نے دادی ماں کی نظر بچا کر جب ہاتھ پھیلایا۔ اپنے ہاتھ کو کھینچ لیا میں
نے جیسے ایک ریشمی ہاتھ کی نرمی کو محسوس کیا۔ دادی ماں کے قریب ہی
چاندی کا پاندان کھلا پڑا تھا اور تخت کے سرہانے چاندی کا اگالدان
کبھی کبھی وہ اگالدان میں تھوک دیتیں اور پھر مجھ سے باتیں کرنے لگتیں
ایک خادمہ ایک بچے کو لیکر کمرے میں آئی۔ دادی ماں نے کہا "منو! اسے
یہاں بٹھا دو" اس نے بچے کو قریب ہی بٹھا دیا۔ بچے کے ہاتھ میں چابی
کا کھلونا تھا۔ مجھے اپنی ہو بہو دیدی کے بچے یاد آ گئے جنہیں لکڑی کے
کھلونے بھی نصیب نہیں ہوتے۔ منو نے دادی ماں سے کہا "مالکن بیگم جی
آ گئے ہیں" "ارے ہاں" دادی ماں کو یکایک جیسے کچھ یاد آ گیا۔ "منو کرنا جا
بیٹی سے کب آئے گا۔ یتیم خانے میں چندہ دینا ہے۔ ولید اس کے اسپتال
میں بھی چندہ دینا ہے۔" پھر میری طرف گھوم کر "ارے بھیا! میں سرتا کے پتا
کی کہہ رہی ہوں۔ خود سرتا کو لینے جا سکا اسے کچھ دوسرا کام ہو گا۔ کاروبار
کے لئے اسے ہمیشہ بمبئی کے چکر لگانے پڑتے ہیں۔" پھر منو سے کہا "بیگم جی کو لاؤ
لا دیکھوں کیا کہتے ہیں" اور دادی ماں اٹھ کر الماری کھولنے لگیں۔ منو نے
مجھے نہانے دھونے کیلئے کہا۔ کمرے کے باہر ایک ادھیڑ عمر شخص کھڑا ہوا کو تولیہ لیے
کھڑا تھا۔ منو نے اسے سمجھا دیا اور مجھے باتھ روم کی طرف لے گئی۔ باتھ
روم کیا تھا جگمگ کرتا ہوا چھوٹا سا کمرہ تھا۔ نہانے کے بعد مجھے کھانے
کے کمرے میں بلایا گیا۔ کئی ایک کا تعارف سرتا نے مجھ سے کرایا۔ میں نے
لمبی میز پر نظر کی۔ انواع و اقسام کے کھانوں کی خوشبو دماغ کو معطر کرنے لگی
یہاں سے وہاں تک کھانا چنا گیا تھا۔ اپنے گھر میں ماں دال بھات اور
بھاجی ہی بنا دیتیں۔ کبھی بہت ہوا تو روٹی کے بجائے پوری اور تہوار کے
موقع پر کھیر بنا لی تو لگتا کہ ہم بھی کچھ ہیں جو سب کچھ کھا سکتے ہیں۔ سچ!
غریب بھی دال روٹی کو کتنی نعمت سمجھتے ہیں۔ میں نے سرتا بھابی پر
نظر ڈالی۔ محبت کی خاطر اس لڑکی نے اتنا عالیشان ماحول چھوڑ کر ہمارا گھر
اپنا لیا؟ یہ سوال کب سے دماغ میں تھا۔ لیکن آج جب اس ماحول میں آ کر
قدم رکھا تھا تو یہ سوال ہو نا [illegible] ہتھوڑے مارنے لگا۔ سرتا کے چہرے پر آج
کتنی خوشی تھی۔ ہمارے گھر وہ کیوں بجھی بجھی سی رہتی تھی۔ مجھے یہ محسوس ہوتا
تھا کہ [illegible] کی وجہ سے ہی کھلی کھلی سی رہتی ہے؟ لیکن آج
اس کا [illegible] مسکراتا [illegible] قہقہے لگانا دیکھ کر ایسا لگا کہ وہ [illegible]

جنت میں آ گئی ہے۔ محبت کے اندھے جذبے میں بہہ کر اس نے جو غلطی کی تھی
اسے ہماری غریبی نے کتنی بڑی سزا دی تھی اس کی ساری خوشی چھین لی تھی۔

یکایک دادی ماں کی آواز پر میں چونکا۔ وہ مسلسل لتا لتا چلا رہی
تھیں۔ کملا کمرے میں داخل ہوئی۔ کملا کتنی معصوم اور خوبصورت ہے۔ میں
کملا کی خوبصورتی اور اس کی آواز کے سحر میں گم ہو گیا "مالکن لتا کی طبیعت
ٹھیک نہیں ہے وہ سو گئی ہے۔" کیا کہا؟ دادی ماں چیخیں اور میں جان گیا وہ
[illegible] "مالکن اولاد کو ہمیشہ کچھ نہ کچھ ہوتا ہی رہتا ہے۔ یہاں آپ نے کھانے
کیلئے رکھا ہے تو کیا بیمار ہو کر سونے کیلئے جا بلا لائے" "جی" کہہ کر کملا چلی گئی
میری نظروں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ میں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ہاتھ
پر نظر ڈالی سب کھانے میں مصروف تھے کسی کو کوئی احساس نہ تھا۔ سرتا بھی
[illegible] ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھی۔ لتا کمرے میں داخل ہوئی
بکھرے بال اداس چہرہ۔ لگتا تھا بہت دنوں سے بیمار ہے۔ [illegible]
دادی ماں کا غصہ عروج پر تھا۔ لتا کے لب ہلے [illegible] دادی ماں کی
کانپتی ہوئی آواز میں اور کچھ نہ سنا۔ [illegible] یہاں۔ مجھے [illegible]
[illegible] لتا [illegible] ہوئے باہر نکل گئی [illegible]
کیا۔ تھوڑی دیر میں ایک شخص کمرے میں داخل ہوا [illegible]
ماں نے [illegible] کہا "کیا ہوا؟" [illegible]
کھانا کھایا اور دہی [illegible] لگتا ہے اس کا مزاج ٹھیک نہیں [illegible]
دادی ماں [illegible] نوالا ان کے ہاتھ سے چھوٹ کر پلیٹ میں گر گیا۔ ساتھ
ساتھ اور سب کو بھی گویا ایک جھٹکا سا لگا۔ سب [illegible] کی طرف [illegible]
گئے۔ "ہے بھگوان کیا ہوا [illegible] ارے [illegible] فوراً [illegible]
[illegible] ڈاکٹر کو فون کر دے [illegible] بلائے [illegible]
[illegible] مجھے خبر کیوں نہ کی؟ [illegible]
[illegible] وہ مشغول تھی [illegible]
[illegible] کھانے کی میز سے سب اٹھ چکے تھے۔ [illegible]
[illegible] سب پریشان تھے۔ سرتا بھابی [illegible]
[illegible] کوشش کر رہی تھی [illegible]
[illegible] تو یہ تھی دادی ماں کی [illegible] سفید [illegible]
دادی ماں نے فوراً [illegible] گود میں لے لیا "کیا ہوا میری [illegible]
[illegible] کہا اور دادی ماں [illegible]
[illegible] آواز آئی۔ (بقیہ صفحہ [illegible] پر ملاحظہ فرمائیں)

اُونچی دیوار

مس توحیدہ [illegible]

وہ زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا تھی سانس کی بے قرار [illegible] اب بھی کسی کی منتظر تھیں چند سانسیں تھیں جو کسی کے آنے سے پہلے اس کا جسم چھوڑنا نہیں چاہتی تھیں۔ کسی کو یقین ہی نہ آتا تھا کہ کل کی ہنستی مسکراتی زرین آج زندگی سے مایوس اور موت کے نزدیک ہو چکی تھی۔ لیکن اس کی آنکھیں دروازے پر لگی تھیں سارے جسم کی جان آنکھوں میں سما گئی تھی۔ ماں کی ممتا تڑپ اٹھی۔ بیٹی کی نگاہوں کی آواز [illegible] سمجھ گئی۔ وہ بے بسی سے شوہر کی طرف چلیں اور مغموم [illegible]۔

[illegible] آپ کیسے باپ ہیں .... بیٹے [illegible] میری بچی کو موت کے منہ میں دے دیا .... کہاں گئی .... [illegible] سب دولت [illegible] اگر دولت ہے .... آتنا ہی غرور [illegible]

[illegible] ایک نظر بیٹی پر ڈالی [illegible] کا پتھر دل [illegible] سے پگھلنے لگا۔ جھک کر بیٹی کی پیشانی پر لب رکھ دیے۔ [illegible] کہ وہ میں سہیل کو تمہارے قدموں میں لا [illegible] میرا انتظار کرنا۔ میں جا رہا ہوں سہیل کو لینے۔" وہ [illegible] کمرے سے نکل گئے۔

زرین نے [illegible] آنکھیں موند لیں۔ شدتِ تکلیف سے نڈھال [illegible] سانس [illegible] زندگی کی ڈور ٹوٹ رہی تھی لیکن [illegible] رہا تھا۔ سہیل اس کا چچا زاد بھائی [illegible] کے بعد چچا ان سے ملے تھے کیونکہ انہیں [illegible] خاندان سے نکال دیا گیا تھا۔

[illegible] کی دیواریں آکاش سے باتیں کرتی تھیں جس کے [illegible] سے آراستہ تھے جس کے فرش سنگِ مرمر سے بنے تھے [illegible]

سہیل آ کے تو دل دے بیٹھی۔ نواب صاحب نے بھائی اور بھتیجے کو آنے کی اجازت دیدی تھی۔ لیکن سہیل اور زرین سے ان کو یہ امید نہ تھی کہ وہ ایک دوسرے سے والہانہ محبت کرنے لگیں گے۔

لیکن وہ ایک ہیرا تھی پھر پتھر سے کیسے ٹکرا سکتی تھی۔!

زرین کو اپنے محل کی اونچی دیواروں سے ہمیشہ دہشت ہوتی تھی۔ کتنی بار اس نے ماں سے کہا تھا۔

"امی حضور! یہ اونچی دیواریں! اف ان دیواروں میں میرا دم گھٹ جائے گا۔"

ایک کی طبیعت میں شوخی دوسرے عمر کا تقاضہ۔

چلتی کم بھاگتی زیادہ۔ تیز چلنے میں فرش پر پھسل پھسل جاتی تو منہ بسور کر کہتی۔

"امی حضور یہ چکنے فرش کہیں مار ڈالیں گے۔"

بیگم صاحبہ صرف مسکرا دیتیں۔

ایک بار سہیل نے اس کے دونوں ہاتھ تھام کر پوچھا تھا۔

"زرین کبھی کبھی سوچتا ہوں۔ کیا تم جیسا قیمتی ہیرا میری جھولی میں گر سکے گا؟"

"ایک بار جھولی پھیلا کر تو دیکھئے"

"ڈرتا ہوں۔ جوہری نے میری جھولی دیکھ کر ہیرا دینے سے انکار کر دیا تو؟"

"سہیل پھر یہ اونچی دیواریں بھی مجھے کہیں مار ڈالیں گی۔"

زرین جو محل میں پلی بڑھی تھی۔ انداز گفتگو بھی نوابزادیوں کا ہی پایا تھا۔

ایک اور شام سہیل اس کے قریب آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک ننھی سی ڈبیا تھی۔

"زرین! ایک حقیر سا تحفہ میرے [illegible]

[illegible]"

"کیوں؟"

"یوں نہیں پہلے آنکھیں بند کرو"
اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ سہیل نے جھلملاتی ہوئی
ایک انگوٹھی اسے پہنا دی۔
"حفاظت کر سکو گی۔" سہیل کی آواز میں خوشی کے ساتھ بے یقینی
بھی عیاں تھی۔
"سہیل! ہم اپنی جان سے بھی زیادہ اس کی حفاظت کریں گے۔"
اس نے انگوٹھی کو چوم لیا تھا۔
محبت جب تک بند کلی رہے اسکی خوشبو کوئی نہیں پہچانتا
لیکن جب نظریں پیغام دیدیں تو اسکی خوشبو سے فضا مہک اُٹھتی ہے
اُن کی آنکھوں کے پیغام کھنکتے قہقہے بھی سب کی نظروں میں آ گئے نواب
صاحب کی محبت قہر بن کر ٹوٹ پڑی۔ "آئندہ سہیل سے بات نہ کیجائے"
انھوں نے جلد ہی اسکے لئے ایک رشتہ پسند کر لیا۔
سہیل کی دلہن آیا تو وہ خاموشی سے گارڈن میں چلی آئی اور
بولی۔ "سہیل ہماری محبت شکل گئی ہے۔"
سہیل ٹکٹکی باندھے دیکھتا رہے
"میری بات مانئے"
"کیا؟"
"اباحضور سے مجھے مانگ لیجئے۔" سہیل نے گھبرا کر اسکی جانب دیکھا
"زرین وہ یہ رشتہ کبھی قبول نہ کرینگے۔ اسکے بعد اباحضور کو اپنے
بھائی سے الگ ہو جانا پڑے گا۔"
"سہیل ایسا نہ کہئے۔ اگر آپ مجھے نہ ملے۔ تو میں جی نہ سکونگی۔"
"زرین پلیز حالات کو سمجھنے کی کوشش کرو۔"
"کیا سمجھوں؟" وہ روہانسی ہو گئی۔
"بڑے ابو کی بات مان لو۔ انکی مرضی سے رشتہ طے ہو جانے دو۔"
"یہ آواز آپ کی ہے۔ آپ کا پیار گوارا کرے گا۔"
"زرین محبت ہمیشہ قربانی مانگتی ہے۔"
"تو میرا فیصلہ بھی سن لیجئے۔ میں کہیں اور ہرگز شادی نہیں کرونگی
میرا اپنا بھی مجھ پر کوئی حق ہے۔"
"زرین ہوش میں آؤ۔" سہیل کی آواز غم و غصہ کی شدت
سے کانپ رہی تھی۔
"[illegible] ہوش میں۔ آج تک مدہوش تھی۔ جو اپنی [illegible] کو سچ سمجھ کر اپنا

دل کھو بیٹھی۔ میں کیا جانتی تھی کہ آپ میرے دل کو کھلونا سمجھ رہے
ہیں۔ دغا باز"
وہ رونے لگی۔
"زرین! بخدا میں آج بھی تمہاری پوجا کرتا ہوں۔"
"عشق۔ محبت۔ پوجا۔ الفت۔ چاہت۔ سب کچھ بکواس ہے
کوئی کسے پیار نہیں کرتا۔ آپ بھی مجھ سے پیار نہیں کرتے لیکن میں
میں..... اف میرے خدا..... اتنا بڑا دھوکا۔" اس کی آنکھوں
سے موتیوں کی مالا ٹوٹ کر بکھرنے لگی۔
"زرین! میرا دل پہلے ہی ٹوٹا ہے۔ اس پر تمہارے طعنے تو
مجھے مار ڈالینگے۔"
"دل۔ کس کا دل؟ کیسا دل؟ دل تو میرا ٹوٹا ہے۔ آپ نے
تو دل لگی کی تھی میرے ساتھ۔"
وہ ایک جھٹکے سے مڑی لیکن سہیل نے اس کا راستہ روک لیا
زرین تمہیں اپنا فیصلہ بدلنا ہوگا اپنے خاندان کی آبرو کی خاطر
"آبرو۔ آبرو۔ آبرو۔" وہ غصہ سے چلا اٹھی۔ "تم کیسے
یہ الفاظ سن کر۔ آپ کیا سمجھتے ہیں میں آنکھیں بند کر کے آپ کی
بات مان لونگی۔ کیا میں آپ کے حکم کی غلام ہوں۔"
"تمہیں ماننا ہی ہوگا زرین۔" سہیل کی آواز میں ٹھہراؤ تھا۔
"نہیں مانونگی۔" وہ غصہ سے بے حال ہوئی جا رہی تھی۔
"ضد نہ کرو۔" سہیل پھر عاجزی سے بولے۔
"آپ کون ہوتے ہیں مجھے سمجھانے والے۔" زرین نے غصہ
سے کہا کہ سہیل سے برداشت نہ ہو سکا۔ ایک تو ناکام محبت اور
پھر زرین کا دیا ہوا بے وفائی کا الزام۔ اُن کی عقل پر پردہ پڑ گیا
اُن کا بھاری ہاتھ ہوا میں لہرایا اور دوسرے ہی لمحہ زرین کے گال
پر پڑا۔ زرین چکرائی۔ لیکن اس نے خود کو سنبھالا اور وہاں سے روتی
ہوئی چلی گئی۔ پہلا کمرہ بیگم صاحبہ کا پڑتا تھا زرین نے جا کر انکی
گود میں سر رکھ دیا اور سسکیاں بھرنے لگی۔
"امی حضور! ابا حضور سے کہہ دیجئے..... وہ مجھ دل
میں رکھ کر یں۔ ہم ان کی آبرو پر آنچ نہ آنے دیں گے۔ چاہے اس
کے لئے ہمیں اپنی جان ہی کیوں نہ دینی پڑے۔"
بیگم صاحبہ نے اپنا غصہ ضبط کر کے اس کا سر سہلا دیا

یہ کتابیں پہلی فرصت میں منگائیے

یادوں کے سائے: محترمہ ممتاز مرزا صاحبہ کا مجموعۂ کلام جو اُردو شاعری کی دنیا میں یقیناً اضافہ ہے۔ قیمت تیس روپیہ

مترجم دیوانِ حافظ: قاضی سجاد حسین صاحب کا ایسا شاندار کارنامہ کہ اُردو جس پر ناز کرے گی۔ قیمت بیس روپیہ

مترجم مثنوی مولانائے رُوم: قاضی سجاد حسین کا احسان ہے کہ انھوں نے تراجم کی دنیا یکسر بدل دی ہے۔ قیمت تیس روپیہ

ناقابلِ فراموش: سردار دیوان سنگھ مفتوں مرحوم ایڈیٹر ریاست کا ناقابلِ فراموش ادبی سرمایہ۔ قیمت تیس روپیہ

جذباتِ مشرق: اُردو ہندی پنجابی سنسکرت عربی مختلف زبانوں کی شاعری کے بہترین شہ پارے مع تشریح۔ قیمت پندرہ روپیہ
(از دیوان سنگھ مفتوں ایڈیٹر ریاست)

ترویٹی: سردار دیوان سنگھ مفتوں کی شہرۂ آفاق تصنیف ناقابلِ فراموش کا ہندی ایڈیشن۔ قیمت پندرہ روپیہ

یادوں کی برات: شاعرِ انقلاب حضرت جوش ملیح آبادی کی زندۂ جاوید خود نوشت سوانحِ حیات۔ قیمت پچیس روپیہ

اعمال نامہ: اُتر پردیش اُردو اکادمی کا گراں قدر انعام یافتہ۔ اس کتاب کے مطالعے سے آپ کی واقفیت میں اضافہ ہوگا۔ قیمت پانچ روپیہ

فرہنگِ آصفیہ: چاروں حصے مکمل۔ قیمت ایک سو پچاس روپیہ

انگلش اُردو ڈکشنری: بابائے اُردو مولوی عبدالحق کا زندۂ جاوید ادبی کارنامہ۔ قیمت پچاس روپیہ

اُردو انگلش ڈکشنری: بابائے اُردو مولوی عبدالحق کا دوسرا ادبی کارنامہ۔ قیمت چالیس روپیہ

ابتدائی علم عروض: از سبحان انجم کہام گانوی قیمت ایک روپیہ

آگہی کا ہندوستانی مسلمان نمبر: اس صدی میں کسی جریدہ یا رسالہ کا ایسا معرکۃ الآرا نمبر شائع نہیں ہوا۔ قیمت ۲۰ روپے

اُردو شاعری کے ارتقا میں ہندو شعرا کا حصہ: از گنپت سہائے سریواستوا۔ قیمت پندرہ روپے۔

یوگی کی آتم کتھا: سوامی دیانند سرسوتی کی خود نوشت آٹو بائیوگرافی۔ قیمت بیس روپیہ۔

ضروری گزارش: ہر کتاب اس گارنٹی سے منگائیے کہ ناپسند ہونے پر واپس لے لی جائے گی، مگر وجہ ناپسندیدگی معقول ہونی چاہیے۔

دفتر ماہنامہ شانِ ہند، فلیٹ ۴ انصاری مارکیٹ، دریا گنج، نئی دہلی

سماجک بیڑیاں

نکہت فاطمہ [illegible]

شناسا سرپھکال بیل کی آواز کے ساتھ ہی ڈاک لیا ہے صاحب
[illegible] ڈاک کسی [illegible] ڈاک آگیا [illegible] پھر کوئی انہونی گھٹنے
جا رہی ہے سب نے رام یہ ڈاک کا سلسلہ ایک مذاق کی طرح ایسے ہی چلتا
رہے گا [illegible] دل کی دھڑکنیں ڈاکیے کی آواز کے ساتھ
اسی طرح گھٹتی بڑھتی رہیں گی۔ یہ سب آخر کب تک چلتا رہے گا۔

منّا دھیش دوڑ کر ڈاکیے سے خط لیکر پاپا کے کمزور ہاتھوں میں تھما دیتا ہے۔ پاپا بڑی بیتابی سے جلدی جلدی لفافہ چاک کر کے خط پڑھنے لگتے ہیں۔ پاپا کے چہرے کے بدلتے ہوئے رنگ اور تاثرات کو دیکھ کر لگتا ہے کہ خط میں ضرور کوئی فکر انگیز یا تشویشناک بات ہوگی۔ میں، سُما دیدی، ششما دیدی، ماں جی سب پاپا کی طرف دیکھتے ہیں اور سب ہی ان میں ایک خوف اور الجھن سی محسوس کرتے ہوئے سوالیہ انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگتے ہیں۔

پتر پڑھ کر پاپا ہمیشہ کی طرح ٹھنڈی سانس لیکر ایک بوجھل اور گہری اداسی کے ساگر میں ڈوب جاتے ہیں۔ ماں کنپٹی پر تھوڑی ٹکائے ایک ٹک سوالیہ نگاہوں سے پاپا کی طرف دیکھتی ہیں۔ اور پاپا کو اداس دیکھ کر خود بخود ماں کے حسین چہرے پر بھی فکر و غم کی زردی چھا جاتی ہے۔ اور وہ پاپا کے بغیر کچھ بتائے ہی جیسے سب کچھ سمجھ جاتی ہیں

بڑے درد بھرے اور مایوسانہ انداز میں پاپا ماں سے کہنے لگے

"نتیجہ! وہ لوگ سُما کے رشتے کے لئے دس ہزار کا جہیز مانگتے ہیں اور پانچ ہزار نقد میں۔ یہی حال جھانسی والوں کا ہے۔ ایک ہفتہ پہلے جو خط ان کا آیا تھا تمہیں معلوم ہی ہے کہ وہ ان سے بھی کہیں بڑھ چڑھ کر جہیز مانگتے ہیں۔ سُشما انہیں پسند ہے لیکن وہ آٹھ ہزار نقد اور دس ہزار کا جہیز الگ مانگتے ہیں۔

ان کا چہرہ برسوں کے بیمار کی طرح ایکدم پیلا ہوگیا جیسے کسی [illegible] کی ایک ایک بوند نچوڑ لی ہو۔ وہ ٹھنڈی آہ بھر کر [illegible] سب کا منہ دیکھ کر [illegible] سمجھتے ہوئے بھی [illegible] دیا [illegible] بنانے لگے پاپا

ہو گئی ہے [illegible] کر رہا نہ [illegible] ایک جھٹکے [illegible] ہو کر بیٹھ گئے۔ سُما دیدی کی آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے [illegible] ہو گئے۔ اس کا کھلا سا خوبصورت چہرہ فکر اور غم کے بادلوں میں گھرا سا گیا۔ ششما دیدی کا [illegible] سوکھنے لگا۔ وہ بار بار گلاس اٹھا کر پانی پینے لگی۔ اس کے چہرے سے غصے، ناگواری اور نفرت کے آثار صاف دکھائی دے رہے تھے۔

اور میں اس گھٹن بھرے ماحول سے تنگ آکر [illegible] سے نکل کر چھت پر آ گیا۔ [illegible] جاتے ہی مجھے [illegible] کی تمازت نے [illegible] جیسا ایک کڑی دھوپ اور ریگستان کی طرح گرم اور سپاٹ [illegible] تھی۔ آج اس کا سہانا پن مجھے جھانسی کے پتھر کی طرح [illegible] رہی تھی۔ اور پھر سوچوں کا ایک ہجوم میرے دماغ پر [illegible]

سُما دیدی کی عمر اب اٹھائیس سال پار کر چکی تھی [illegible] چھبیسویں سال کو چھو کر رہی تھی اور میں بائیسویں میں قدم رکھ [illegible]

دیدی کافی اداس اور خاموش رہتی ہے جیسے وہ [illegible] گئی ہوں۔ اس کے پھول سے کومل سندر چہرے پر چنتا کی [illegible] ہوتی جا رہی ہیں۔ فکر اور پریشانی کے باعث سر کے بال [illegible] لگے ہیں۔ [illegible] سے اسے اچھے کپڑے پہننا، سنگھار کرنا یا آئینے [illegible] کھڑے ہونے کی بے حد شوقین ہوتی تھی جیسے اس کے سارے شوق اور ولولے ختم ہو کر رہ گئے ہوں۔ [illegible] والی الہڑ سی دیدی کے حسن اور شباب میں جیسے گھن لگ گیا ہو [illegible] ایک طویل خاموشی، چہرہ لٹکا ہوا اور مسلسل چپ چاپ کام [illegible] اس کا معمول بن گیا تھا۔

اور [illegible] ششما کے چہرے کا [illegible] [illegible] بات بات پر کاٹنے کو [illegible]

[illegible] ماں کو [illegible]

ماں کی [illegible] دونوں [illegible] ماں سے کہا [illegible] تھی۔ کبھی پاپا اس
[illegible] دو روپے زیادہ سے دھڑا دھڑ گھر کی کمی کو پورا کرنے
[illegible] اور مجھے بلا وجہ پھٹکارنا [illegible] آب
[illegible] کے سہارے [illegible] صرف چار پیسے کا خرچ کرنا
[illegible] وہ چاہے آپ کو شادی [illegible] دکھائی دیتی تھی۔
اور یہ بات دن کتابوں میں [illegible]
[illegible] سے [illegible] جاتی تھی۔ لیکن یہ کچھ نہیں ہو سکتا
ہے۔ ایک جھوٹے سے کمانے کے سلسلے میں اگر [illegible]
[illegible] ہوتے ہیں یہ [illegible] کے
[illegible] کرتے ہیں [illegible] نہیں آتی
[illegible] کرتے اب۔
[illegible] سمندر کی طرح گہری اور گمبھیر ہوتی ہیں۔ وہ تو
[illegible] ہیں۔ [illegible] اور پریشانی میں بھی وہ کبھی
[illegible] نہیں ہوتیں۔ کبھی [illegible]
[illegible] ہیں۔ میری ماں۔ آم کی گہری ٹھنڈی چھاؤں سے بھی زیادہ
اور پاپا تو [illegible] گرم مزاج رہے ہیں اور ان حالات نے
انھیں اور بھی چڑچڑا اور پریشان کر دیا ہے کیونکہ کم کمانے اور کم
سونے والے [illegible] پاپا ان دنوں چڑچڑے اور غصیلے ہو گئے ہیں۔ رات
[illegible] آنکھیں [illegible] جانے کیا کیا سوچتے رہتے ہیں۔
[illegible] سوچتے اور سوچتے رہتے ہیں زیادہ
[illegible] اس لئے وہ کماتے کم اور سوچتے زیادہ ہیں۔ جس
سے [illegible] کم اور نقصان زیادہ ہوتا ہے۔
اگر [illegible] گھر میں کوئی [illegible] دکھوں سے آزاد اور کھلی
[illegible] دیوی (دیدی) ہے جو عمر کی [illegible] بہاریں دیکھ چکی
[illegible] گرم [illegible] ہے۔
[illegible] کر [illegible] دیدی [illegible] جاری
[illegible] کا [illegible] دیدی کو [illegible] کہتے
[illegible] میں مبتلا تھی۔ لیکن کبھی [illegible]
[illegible]
[illegible]

"سمجھا میری آنکھوں کی چمک دیکھ کر فکر کیا ہوتا جا رہا ہے۔
دیکھتی ہوں دن بدن تو گھٹتی جا رہی ہے [illegible] جھریوں جیسا
رنگ سیاہ ہوتا جا رہا ہے۔ دیدی زیادہ تر ہونٹوں پر ایک درد
بھری مسکراہٹ بکھیر کر کہتی: کہاں ماں جی تم تو [illegible]
پیچھے پڑی [illegible] ہو گی [illegible] بس [illegible]
ہے۔ رات دن پڑھتے پڑھتے [illegible] اور فکر کی [illegible] ہو گئی تو
اچھی بھلی ہوں۔ میری فکر نہ کرو ماں۔ اور دیدی جھک کر ماں کی
گردن میں باہیں ڈال دیں اور ماں نے دیدی کا ماتھا چوم لیا میری
آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

اس طرح ماں کے ساتھ دیدی اپنے [illegible] دکھ کو بھی
اپنا درد چھپاتی رہی۔ [illegible] کی بو جیسی کایا کو خاک [illegible]
عرصے میں وہ لڑکوں کے [illegible] اعلیٰ تعلیم اور خوبصورتی اور اس کی
[illegible] کی وجہ سے ایک [illegible] آئے لیکن سب
بھاری جہیز اور موٹی رقم کی مانگ کے ساتھ ہی واپس لوٹ گئے
کیونکہ میرے غریب والدین کے پاس بیٹیوں کو دینے کے لئے بھاری
نذرانے اور [illegible] والی نئے فیشن کا بیش قیمت ساز و
سامان نہیں تھا۔ اس لئے [illegible] گھر کی کتنا اوں کو کون بیاہ کر لے جانا
چاہے۔ وہ [illegible] لوگ کی [illegible] سے بھی زیادہ تندرست اور
[illegible] کیوں نہ ہوں۔

دیدی نے گریجویشن کر لیا تھا بلکہ اب دیدی کا ایم۔ اے۔
پریویس کر لیا تھا اور میں بی۔ اے کے فائنل ایر میں تھی۔ آہستہ
آہستہ دیدی کی بیماری نے خطرناک شکل اختیار کر لی۔ پاپا دیدی
کی بیماری سے بہت پریشان اور بے چین رہتے۔ انھوں نے دیدی
کے علاج میں اپنی جمع پونجی سب خرچ کر دی۔ انھوں نے ایڑی
چوٹی کا زور لگا دیا کہ کسی طرح دیدی اچھی ہو جائے۔ لیکن وہ
وقت بہت پہلے گزر چکا تھا۔ ڈاکٹروں نے پاپا کو تسلی دلاتے
ہوئے لیکن صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ "مریضہ کو [illegible] خوشی
[illegible] ہے [illegible] دوائیں اور [illegible] علاج
[illegible] معلوم ہوتا ہے [illegible] بیماری
[illegible] ہے۔ پاپا [illegible] گئے

اور اُن کے خوبصورت حسین اور معصوم چہرے پر بے بسی کے ساتھ
موت کا ستم اور کرب کے نقش [illegible] سیاہ آنکھوں میں سما گئے۔ آٹھ دن
زندگی اور موت سے جنگ کرتے ہوئے دیدی سارے گھر کو
بلکتا چھوڑ کر پھولوں کی ڈولی میں بیٹھ کر رخصت ہونے کے
بجائے کفن میں لپٹ کر پاپا کے گھر سے جدا ہو گئی اور ماں اور
پاپا کو ہمیشہ کے لئے [illegible] کر گئی۔ میرے سامنے دیدی کا مسکراتا
ہوا حسین چہرہ [illegible] دیوار پر آویزاں ہے جس میں اس
کے کنوارے ہونٹوں پر [illegible] مسکان ایک خاص
انداز میں بکھری ہوئی ہے۔ میں اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر سسک
پڑتی ہوں اور [illegible] کھلنے والی کھڑکی میں اپنا سر
[illegible] کھڑی ہوتی ہوں۔ میری نگاہیں اچانک [illegible]
پڑتی ہیں۔ دیکھتی کیا ہوں کہ پھولوں کی ڈالی جیسی شاداب دیدی اپنی
بڑی بڑی غزالی آنکھوں میں بے پناہ غم کا ساگر سمیٹے اداس اداس
بگیا کے کونے میں [illegible] کے پیڑ کی چھاؤں میں بیٹھی گلاب کی ٹہنی پر
کھلے باسی پھول کو ایک ٹک دیکھ رہی ہے۔ وہ شاید زندگی اور
موت کے فاصلے پر غور کر رہی تھی۔ شاید سوچ رہی تھی کہ یہ پھول صبح
[illegible] کتنا تازہ، کتنا شاداب اور کتنا حسین تھا اور اب
شام کو کتنا زرد، کتنا مرجھایا ہوا اور کتنا بے جان نظر آ رہا ہے

دیدی کی شادی پاپا نے ماں کی اجازت یا مشورہ کے
بغیر ایک [illegible] سے بلا جہیز کی شرط کے طے کر ڈالی تھی۔ گھر میں
اس رشتے کے بارے میں کسی کو تفصیل سے کچھ نہیں بتایا تھا [illegible]
[illegible] سال کی عمر سے کسی طرح کم نہ تھے۔ میرے
پاپا [illegible] سال پہلے [illegible] ہو چکے تھے۔ انہوں نے نہ صرف
[illegible] بلکہ پاپا کو شادی وغیرہ کے انتظام کے لئے
[illegible] دے دیئے۔ جسے پاپا نے ماں کو بتائے بغیر قبول کر لیا تھا

اُس روز [illegible] دیدی بہت روئی تھی۔ کھانا پینا تو اس
نے [illegible] سے چھوڑ ہی رکھا تھا۔ ماں کے [illegible] سا جب
[illegible] ایک لفظ [illegible] تھا [illegible]
[illegible] ہو گئی تھی۔ اس کا [illegible]
[illegible] چہرہ [illegible] اور [illegible] سے زرد پڑ گیا۔
اُس کے چہرے پر کھیلنے والی [illegible]

[illegible]
[illegible] اور دھیرے دھیرے [illegible] میں گم [illegible] کی طرح
[illegible] دیدی [illegible] کی طرح [illegible]
تھا جیسے [illegible] کے بجائے جیسے وہ کفن ہی [illegible]
جسم پر [illegible] کے [illegible] آگ اور شعلے بن کر [illegible]
کی طرح اس کی [illegible] کا [illegible]
ہیں [illegible] ہیں۔ اور وہ [illegible]
[illegible] کی طرح [illegible] کے [illegible] میں [illegible]
[illegible] کی طرف [illegible] دیکھنے کے لئے [illegible] جا رہی ہو۔

بیچاری دیدی کو کیا [illegible] پتہ تھا کہ اس کے [illegible]
[illegible] ہمیشہ ہمیشہ کے لئے [illegible]
بچپن کے [illegible] کے [illegible] میں وہ [illegible]
ہمیشہ کے [illegible] ہو جائے گی۔ جاتے وقت اس کے [illegible]
تھے وہ [illegible] کی اوٹ سے [illegible]

پھولوں سے [illegible] ڈولی میں دیدی پہلی [illegible]
دکھائی دے رہی تھی [illegible]

وہ [illegible] گئی مگر [illegible] میں [illegible] میرے آنسوؤں [illegible]
[illegible] کے لئے۔

دیدی کو [illegible]
[illegible]
[illegible]
مگر [illegible] وہاں نہ تھا جو [illegible]
کتنا اس کے پاس [illegible] اور اس کی [illegible]

وہاں [illegible]
[illegible]
[illegible]
کے بجائے [illegible]
[illegible]
[illegible]
بہت [illegible] تھی۔

دو چار گھنٹے بعد [illegible]

[illegible] تھا۔ وہ تھک کر سو گیا۔ رات [illegible]
[illegible] اس کمرے میں [illegible]
[illegible] رات [illegible] [illegible] ہوتی
[illegible] کر [illegible] سے آیا
[illegible] اور [illegible]
[illegible] نشے کی [illegible] میں [illegible] لگا لیاں
[illegible] مارے کانپنے لگی [illegible]
[illegible] دیا۔ [illegible] دھڑام سے اوندھے منہ
[illegible] ہو گیا [illegible] کی ٹوٹی ہوئی گھڑی
[illegible] دیکھا
[illegible]
[illegible] مال اور
[illegible] ایک [illegible]
[illegible] جیب سے [illegible] نکال کر
[illegible] کے سر پر دے ماری۔
[illegible] اور نازک سی لڑکی [illegible]
[illegible] کی تاب نہ لا سکی بے ہوش ہو کر فرش
[illegible] آئی [illegible] کی طرح [illegible]
[illegible] اور کس طرح یہ منظر کسی نے دیکھا اور پولیس
[illegible] پولیس نے ڈیڈی کو اسپتال میں داخل کیا۔ اور
[illegible] لیا۔ وہ [illegible] بعد ہی اسپتال میں ڈیڈی نے
[illegible] ٹھیک [illegible]
[illegible]
[illegible] اس وقت وہ معلوم [illegible]
[illegible] کی بلندیوں پر پرواز کر رہی
[illegible] مقام تھا جہاں نہ کوئی ظالم تھا نہ مظلوم۔
[illegible] ماں اور پاپا کو [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

کر دونوں کو ناچنا کر کے تھا۔

اور ان سب حالات اور مصیبتوں نے مجھے خود اپنا راستہ چننے کے لئے ہوشیار ہی نہیں تیار بھی کر دیا۔ [illegible] کہانیوں کو نہیں دہرائے دوں گی جو میری بہنوں پر بیت چکی ہیں۔ میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ میں شادی ایسی شادی ہرگز نہ کروں گی جس میں میرے والدین کو نذرانہ یا بھاری جہیز دینا پڑے۔ میں خود ایسے سماج کو ٹھکرا دوں گی جو مجھے جینے کا حق نہیں دیتا۔ ان بیڑیوں کو کاٹ دوں گی جو سماج نے میری جیسی بہنوں یا والدین کے پیروں میں ڈال دی ہیں۔

اور میرے عزم نے بالآخر میرا ساتھ دیا۔ انجینئرنگ کا فرسٹ کورس [illegible] سے [illegible] دوسرے [illegible] بہت زیادہ شریف معلوم ہوتا تھا جسے میں نے سوائے شرافت یا ہمدردی کے کبھی اور کچھ محسوس نہ کیا۔ ہم ساتھیوں میں اس کی محبت کو میں نے اس کی شرافت کا نام دیا۔ اور وہ دل ہی دل میں مجھ سے عقیدت بھرے پیار کے جذبے کی پرورش کرتا رہا۔

میں ایک ہیڈ کلرک کی لڑکی اتنی جسارت کیسے کر سکتی تھی۔ ایسا اقدام کیسے اٹھا سکتی تھی۔ اتنی بلندی پر کیسے دیکھ سکتی تھی۔ میری وہ سہیلیاں جن کے بھائی اس کے دوست تھے مجھے وہ سب سناتی رہیں جو انھیں ان کے بھائیوں کے ذریعہ معلوم ہو سکتا تھا۔ میں ایک عجیب الجھن میں گرفتار رہی۔ ایک دن وہ [illegible] مجھ سے خود اپنے پیار کا ان لفظوں میں اظہار کیا [illegible] اس کے پیار کو سچائی کی کسوٹی پر پرکھنے کے لئے شادی کی تجویز اس کے سامنے رکھ دی ہے [illegible] خوشی سے منظور کر لیا اور [illegible] ادا کرنے لگا۔

میں نے گھر پر ماں اور پاپا سے اس کا ذکر کیا۔ [illegible]
[illegible]
[illegible] شادی کے لئے [illegible]
[illegible]
ساری [illegible] معلومات حاصل [illegible]
[illegible] کے بعد پاپا نے [illegible]

بیٹا وہ ہماری جان کے دشمن ہیں اس لئے ان کا یہاں [illegible] نہیں ہو سکتا۔ میں نے ماں کو راضی کر لیا۔ لیکن پاپا کسی قیمت پر اپنے فیصلے سے ہٹنے کو تیار نہ ہوئے۔ ماں نے بھی بہت سمجھایا روئی، گڑگڑائی۔ لیکن پاپا اپنے فیصلے پر اٹل تھے۔ آخر میں نے تنگ آکر پاپا کے فیصلے کے خلاف روبیش سے کورٹ میرج کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اور اسے بھی اپنے فیصلے سے آگاہ کر دیا۔ وہ تو تیار تھا [illegible] اس تجویز پر عمل قدم اٹھانے میں کوئی وقت نہ لگا۔ میں نے پاپا کی [illegible] پر خط لکھ کر رکھ دیا۔ ساری [illegible] کارروائی کی دونوں سے مکمل ہو چکی تھی۔ روپے پیسے کی کوئی کمی نہ تھی۔ روبیش امیر گھرانے کا ایک اکلوتا لڑکا تھا۔ مجھے [illegible] انتظار میں تمام رات جاگتی رہی۔ [illegible] دلاسا دینے والا تھا۔ دونوں بہنوں کی صورت نگاہوں میں گھوم رہی ہے۔ وہ [illegible] ہوں میرے اس اقدام پر مجھے برا بھلا کہہ رہی ہوں۔ لیکن تھوڑی دیر بعد [illegible] وہ مجھے آشیرواد دے رہی ہوں۔ مجھے نیا راستہ نئی منزل نئی کوٹھی کی مبارکباد دے رہی ہوں۔

صبح سوتے ہوئے ماں اور پاپا کے پیر چھوئے [illegible] کا ماتھا چوما اور چپکے سے دروازہ کھول کر دھڑکتے دل کے ساتھ گھر سے نکل کھڑی ہوئی۔ روبیش اسٹیشن پر موجود تھا۔ اندر کورٹ میں پہنچ کر ہم نے کورٹ میرج کر لی۔ مجسٹریٹ و کئی موجود لوگوں نے ہمیں مبارکباد دی اور آشیرواد دیئے۔ لیکن ماں اور پاپا [illegible] لہذا میں نے پاپا جی کو اپنی شادی کا [illegible]

صبح پاپا نے [illegible] دیکھا۔ مایوس ہو کر [illegible]

[illegible]

اور [illegible] آزاد فضا میں سانس لینا چاہتی ہوں۔ مجھے زندگی سے پیار ہے۔ پاپا زندگی بڑی حسین چیز ہے قدرت کا بیش بہا عطیہ ہے یہ۔ یہ تو بھگوان کا وردان ہے۔ میں نے ابھی دنیا میں دیکھا ہی کیا ہے۔ سوائے سسکیوں [illegible] آنسوؤں اور موت کے اور زبردست [illegible] کے اور بھیانک راتوں [illegible] سے خوف آتا ہے۔ آپ کے سماج سے مجھے نفرت ہے۔ ایسے بیمار سماج میں رہ کر میں اپنے مستقبل کو تباہ نہیں کرنا چاہتی۔ مجھے معاف کر دینا پاپا میں مجبور ہوں اور آپ تو اچھی طرح جانتے ہیں اپنی بہنوں کا حشر ان آنکھوں سے دیکھ چکی ہوں۔ [illegible] کی شادی اور ان کے [illegible] میرے ہاتھوں کے چھالے [illegible] لگے ہوتے ہیں اور زبان حال سے چیخ چیخ کر [illegible] فریاد کرتے ہیں۔

میرے سامنے سیما دیدی کی درد بھری [illegible] ہے۔ میرے دماغ میں [illegible] میں آپ کے [illegible] کھٹورپن سے بالکل آزاد ہوں۔ اور [illegible] وعدہ کرتی ہوں [illegible] رونق اور ہماری خوشیاں [illegible] ہیں۔

اب ایک بار پھر التجا کرتی ہوں کہ مجھے معاف کر دینا پاپا۔ ورنہ بھگوان بھی مجھے معاف نہیں کریں گے۔

[illegible] آشیرواد [illegible] زندگی [illegible] ماں تو [illegible] طرح جانتی [illegible] کر دیا ہوگا۔ اچھا پاپا جی [illegible] قدم سوچ سمجھ کر اٹھایا ہے۔ [illegible]

آپ کی [illegible]

[illegible]

جھٹکے

[illegible]

[illegible] سے [illegible]
[illegible] اسٹیشن پہ کھڑی تھی۔ میں
[illegible] کی طرف دوڑا کیونکہ گاڑی چھوٹنے والی تھی۔ میری
سیٹ اسی میں ریزرو تھی۔ میں نے ڈبے کے سامنے کھڑے ہو کر قلی
سے [illegible] پوچھا اور [illegible] چارٹ کی مدد سے اپنی برتھ نمبر
ڈھونڈنے لگا۔ میری خواہش کے مطابق مجھے [illegible] والی
[illegible] نے سامان رکھ کر بستر بند کے سٹرپ کھولنے چاہے
[illegible] کے ہمراہ ڈبے میں داخل ہوا۔ تو فرمودہ برتھ نمبر
[illegible] میں نے اوپر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "صاحب
[illegible] برتھ نمبر ۴، ۳، ۲ ہیں۔" لیکن شاید نہیں
[illegible]۔ عورت نے کہا
"[illegible] اپنی ٹارچ نکال کر دیکھ لو تاکہ ہم غلط برتھ پر نہیں
[illegible] بعد میں دقت ہو۔"
[illegible] اپنی ٹارچ نکالتا میں نے اپنی ٹارچ
[illegible] آگے ہوئے کہا
"آپ [illegible] ٹارچ لیجئے۔"
اس عورت نے جو میرے قریب ہی کھڑی تھی میرے ہاتھ سے
[illegible] طرف بڑھا دی۔ ٹارچ میرے ہاتھ سے لیتے
[illegible] عورت کی مخروطی انگلیاں میرے ہاتھ سے چھو گئیں تھیں
[illegible] ہاتھ ہے۔" آدمی نے ٹارچ لے کر برتھ نمبروں کی
تسلی کر لی اور [illegible]۔
"رضیہ نمبر تو ٹھیک ہی ہیں۔"
[illegible] لئے اوپر چڑھنا مشکل ہوگا۔ اور پھر بچے کو اوپر
[illegible]
[illegible] بھائی صاحب کی منت کر رہے ہیں [illegible]
[illegible]
[illegible]

"بھائی صاحب میں دونوں کو تو نہیں ایک کو اپنی برتھ دے سکتا
ہوں۔ مطلب یہ کہ میری ٹانگ میں درد ہے جس کی وجہ سے میرے لئے
زیادہ اونچائی پر بار بار چڑھنا اترنا مشکل ہوگا۔ لیکن شکر ہے تو
یہ دیکھئے۔ یہ تازہ زخم پر پٹی۔ سو آپ سوچ لیجئے میں یہ نمبر برتھ
آپ کو دے سکتا ہوں لیکن میں نمبر ۳ پر سو جاؤں گا کیونکہ اس سے
زیادہ اوپر میں چڑھ نہیں سکتا۔"
"تو رضیہ تم بالکل نیچے والی برتھ پر سو جاؤ۔ اور میں بالکل
اوپر والی برتھ پر اور یہ بھائی صاحب درمیان والی برتھ پر۔"
عورت خاموش تھی۔
"آخر آرام بھی تو کرنا ہے ....." وہ صاحب دوبارہ بڑبڑائے
اور بولے "بھائی صاحب آپ کا بہت بہت شکریہ۔"
"ارے واہ۔ اس میں شکریے کی کیا بات ہے۔ یہ تو میرا فرض تھا
اگر میں ٹھیک ہوتا پھر تو آپ مجھے اس سے اوپر سو جانے پر بھی چڑھا دیتے۔"
"ارے صاحب آپ کو اتنی تکلیف تھوڑا دیتے۔"
"اگر میں آپ کی جگہ ہوتا اور آپ اکیلے ہوتے تو شاید میں بھی
آپ سے ایسی ہی گزارش کرتا۔"
"تو ہم بھی خوشی سے مان لیتے۔" وہ آدمی بولا۔
اتنے عرصے میں اس نے اپنی بیوی کا بستر نیچے لگا دیا اور اس کی
بیوی نے اس بچے کو جو بمشکل سال بھر کا ہوگا بستر پر لٹا دیا اور پھر
اچھا اب تو ٹھیک ہے نا۔ میں نے اپنا بستر درمیان والی برتھ پر لگا لیا۔
ایک نوجوان لڑکا جو غالباً اس عورت کا چھوٹا بھائی تھا
کھڑکی میں سے جھانکتے ہوئے بولا اور ایک ٹفن کی چابی [illegible]
اس عورت کے ہاتھ میں تھما دی [illegible]۔
"بھائی صاحب یہ [illegible]
[illegible] آپ کے [illegible]
[illegible]
[illegible]

"دیدی کا پیسہ ہے پاس ہی ہے۔"

"بجلی پانی اور سگریٹ بغیر کی سب سے بڑی گڑبڑی ہے بنگلہ میں یہ بھی ایک بیماری لگ گئی ہے۔" وہ آدمی سامان ٹھیک کرتے ہوئے بولا۔

تھوڑی دیر میں وہ لڑکا ہندی کے دو رسالے۔ ناول، بیڑی اور سگریٹ بھی لے آیا۔

"شریلش یہ لو پیسے۔"

"دیدی انھیں اپنے ہی پاس رکھو سفر میں کام آئیں گے۔" سگنل بھی ہو گیا۔

"شریلش اب تم جاؤ۔ پورے بارہ ہو گئے ہیں اور تمہیں ابھی دور سنسان گلیوں سے گزرنا ہے۔"

"سنسان کیوں دیدی۔ لوگ بستے تو ہیں۔"

"جب لوگ سو جائیں تو سنّاٹا چھا جاتا ہے اور وہی گلیاں سنسان نظر آتی ہیں۔"

اتنے میں گاڑی نے وسل دی اور چل پڑی۔

"بھائی صاحب نمستے۔ دیدی نمستے۔" وہ ہاتھ جوڑ آداب بجا لایا۔

"شریلش دھیان سے جانا۔" رینو کا بولی۔

"میں تو دھیان سے جاؤں گا آپ دونوں منّو اور سامان کا خیال رکھنا اور پہنچتے ہی خط ڈال دینا۔"

گاڑی اب کافی دور نکل چکی تھی۔ سو رینو کا نے سر اندر کر لیا اور بولی۔

"بہت لمبا سفر ہے۔"

"کیا آپ بمبئی جا رہے ہیں۔" میں نے دریافت کیا۔

اس سے پیشتر کہ عورت جواب دیتی آدمی بول اٹھا

"ہاں صاحب ہم تو بمبئی جا رہے ہیں۔ آپ کہاں جا رہے ہیں؟"

"میں آگرہ تک جاؤں گا۔"

عورت ایک دم بولی۔ "چلو آگرہ تک تو ساتھ رہے گا۔" اُس کا چہرہ کچھ ایسا تھا جیسے تھوڑی دیر کے لئے خوشی کے آثار ایسے نمودار ہو گئے۔ جیسے سہارا مل گیا ہو۔ میں اس کے بعد خاموش ہو گیا اور بیٹھا کچھ ان کے بارے میں سوچنے لگا۔ جب چار پانچ منٹ خاموشی میں گزر گئے اور گاڑی کافی تیز دوڑ رہی تھی جس کی وجہ سے ہوا میں ٹھنڈک کافی تیز ہو گئی تھی اس عورت نے اٹھ کر بجلی کا بٹن دبایا۔ گھپ اندھیرا تھا۔ ہمارے والے حصّے میں بالکل اندھیرا ہو گیا لیکن دھندلا سا اثر چھا گیا۔ اس عورت نے اپنی کلائیوں سے چوڑیاں اور گلے سے ہار۔ اور کانوں کے جھمکے اُتار کر اپنے پرس میں رکھ لیا اور کانوں میں بڑی بڑی بالیاں پہن لیں اور بلاؤز اتار کر صرف سوتی ساڑی بلاؤز پہن کر اپنی چہرے سے نقاب کر دی۔

درمیانہ قد پھر پھرا سڈول بدن گورا چٹا رنگ حُسن کی اس چمک اور تیز روشنی سے میری آنکھیں چندھیا گئیں تو میں نے کروٹ بدل لی وہ عورت اپنی برتھ پر دراز ہو کر رسالہ پڑھنے لگی۔ ابھی چند منٹ ہی گزرے ہوں گے اس کا شوہر اوپر سے چلّایا۔ "اب رینو یہ پڑھنا وڑھنا بند کرو۔ ساڑھے بارہ بج چکے ہیں۔ مجھے بھی سونے دو اب۔"

"آپ سو جائیے نا۔"

"تو یہ بتی جلا کر پتنگوں کو دعوت دو۔ خود تم بھی سو جاؤ۔"

"لیکن رنجیش مجھے نیند نہیں آ رہی۔"

"نیند نہیں آ رہی تو تم جو کیا ہے کا فرض نبھا رہی ہو لیکن یہ بند کر دو اور ہمیں سونے دو۔" وہ آدمی چلّایا۔

اور میں دل ہی دل میں سوچنے لگا کہ [illegible] نیند بھی حرام ہو گئی۔

دونوں کے درمیان بھی دیوار کی طرح تھا لیکن شاید ان دونوں کا احساس نہ ہوا ہوگا۔ کیونکہ اس وقت دونوں کے خیالات میں تضاد تھا۔ اُس عورت نے بتی بجھا دی۔ میرا ذہن اس وقت گھر والوں میں الجھا ہوا تھا۔ بیوی بچّوں کے خیال میں اس قدر کھویا ہوا تھا کہ نہ جانے مجھے کب نیند آ گئی۔

صبح ساڑھے چھ بجے جب گاڑی دہلی جنکشن پر پہنچی تو میری آنکھ کھلی گاڑی کو یہاں ایک گھنٹہ رکنا تھا اس لئے میں نے نیچے اتر کر ناشتہ کیا۔ انھوں نے بھی ناشتہ کیا۔ مسٹر رنجیش تھرمس میں گرم پانی لے آئے۔ اس کی بیوی نے گلاس میں دودھ گھول کر بچے کو پلایا چند منٹ پہلے وہ بچہ دودھ کے لئے مچل رہا تھا لیکن اب وہ سو گیا تھا۔

[illegible] گئے۔

"بہت پیارا بچہ ہے۔ کیا نام ہے اس کا؟"
"ٹنکو" اس کے باپ نے جواب دیا۔
"[illegible] میرے پاس آؤ۔"
"[illegible] انکل کے پاس۔ جاؤ بڑا اچھا راجہ بیٹا ہے۔"
[illegible] ماں نے کہا۔ بچہ کچھ شرماتا اور جھجکتا ہوا میری گود میں [illegible] آیا۔

دلی اسٹیشن پر ڈبہ مسافروں سے کھچا کھچ بھر گیا۔ یہاں تک کہ مارے گرمی کے برا حال ہونے لگا۔ جب سوا سات بجے گاڑی [illegible] شکر ادا کیا۔ کیونکہ گاڑی چلنے سے اس میں کچھ ہوا آنے لگی تھی۔

دلی چھوڑنے کے بعد پنجاب میل ایسے دوڑتی ہے جیسے [illegible] جہاں میدان جنگ میں آگے ہی بڑھتے اور دوڑتے [illegible] ہیں۔ دلی سے آگرہ تک سفر خاموشی میں کٹا کیونکہ ہم اپنی [illegible] کتابیں پڑھنے میں مصروف تھے۔ آگرہ اسٹیشن پر مسٹر جنیش [illegible] کے لئے پانی لینے چلے گئے جب واپس آئے تو ان کی بیوی [illegible] "یہ کیا لے آئے؟"

"یہ پانی ہے۔"
"پانی تو مجھے بھی نظر آرہا ہے لیکن اس ڈبے میں کیا ہے؟"
"یہ ہے آگرہ کی مشہور پیٹھے کی مٹھائی۔ بیبال کو بہت پسند ہے۔"
"کتنے کا لائے؟"
"ایک پاؤ۔ سوا روپے کی۔"
"کیا جب ماں جی کھائیں گی تو باقی منہ تکا کریں گے۔ یا وہ [illegible] بیٹے سوا روپے کا پرشاد چڑھا رہے ہو۔"
وہ عورت ایسے بولی جیسے مرد کی کنجوسی پر اسے غصہ آگیا ہو۔
"تو تم نے مجھ سے کہا کیوں نہیں؟"
"تم نے مجھ سے پوچھا ہی کب تھا۔"
"تو [illegible] آپ لے آؤں۔" وہ آدمی کھسیانہ سا ہو کر بولا۔
"[illegible] آپ مجھ سے جھگڑیے مت۔ میں آپ کو لا دیتا ہوں۔" [illegible] یہ کہہ کر میں نیچے چلا گیا جب واپس آیا تو [illegible] کا گتا کچھ ہی مل پایا کہ تم نے [illegible]

[illegible] یا کوئی [illegible] بات ہو گئی [illegible]

وہ عورت [illegible] ایسی [illegible] جیسے [illegible] جیسے کسی [illegible] سے [illegible]
"مجھے شرمندگی ہی ایک کلو گرام [illegible] یا۔"
اس عورت نے ایک دم اپنا پرس کھولا اور نوٹوں کے بیچ سے پانچ روپے کا نوٹ نکال کر میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے تھما دیا۔ مجھے اس کے نرم و نازک ہاتھوں کا لمس ایسے محسوس ہوا جیسے بجلی کا کرنٹ چھو جانے سے جسم میں ایک عجیب سا جھٹکا۔ لیکن اس عورت کو اس بات کا بالکل احساس نہیں تھا۔
پھر اس نے گرم پانی کی تھرمس نکالی۔ تھوڑا سا گرم پانی ایک گلاس میں انڈیل کر اپنے شوہر کو دیا کہ بچے کیلئے دودھ بنا لے۔ اس نے دودھ بنایا اور بچے کو پلایا۔ بچے کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہو رہی تھیں وہ ماں کی گود میں سو گیا۔
"تم ذرا اس بچے کو لیکر سو جاؤ۔ مجھے بھی نیند آرہی ہے۔"
ریتو کا نے اپنے شوہر سے کہا اور مسٹر جنیش ٹنکو کو لے کر اوپر سو گئے وہ عورت بھی لیٹ گئی لیکن میں اس کی برتھ پر بیٹھا ہوا SCIENCE AND CONTEMPORARY کتاب پڑھ رہا تھا۔
"میں لیٹ گئی اور آپ بیٹھے ہیں۔"
"آپ بے فکر ہو کر سو جائیے جب مجھے نیند آئے گی میں بھی سو جاؤں گا۔ ہاں۔ اگر آپ کو میری وجہ سے دقت ہے تو میں بھی اوپر چلا جاتا ہوں۔"
"نہیں نہیں ایسی کوئی بات نہیں آپ بیٹھئے۔" اور وہ خود بھی اٹھ کر بیٹھ گئی۔
"مجھے جب آپ سو جائیں گے تو پھر ہم سوئیں گے۔ اتنے میں میں بھی ابھی ختم کر لوں گی۔"
"یہ کس کا ناول ہے؟"
"گلشن نندہ کا۔"
"آپ کو پسند ہے؟"
"ہاں ان کے ناول مجھے بہت پسند ہیں۔ کیونکہ ان میں سوشل حالات اور [illegible] کیا [illegible] ہے۔ لیجئے۔ [illegible]"
"کیا یہ سائنس اور سماج کے [illegible]"

" ہاں کچھ ایسا ہی ہے۔ لیکن شاید یہ آپ کے کام کی نہیں۔"
" تو لیجئے صاحب آپ ہی پڑھئے آپکی کتاب آپ کو مبارک۔"
میں اسکے اس انداز گفتگو اور رویے سے کسی قدر پچ میں پڑ گیا کہ ایک اجنبی سے اتنی کھلی گفتگو۔ میں نے سوچا شاید اس لئے کہ یہ ناول ابھی پڑھ رہی ہے۔ گاڑی بہت تیز تھی۔ دوپہر ہونے کے باعث اکثر لوگ بھر سو گئے تھے اپنی اپنی سیٹوں پر اونگھ رہے تھے جب دلچسپ اور حسین ہمسفر مل جائے تو پھر کس کا دماغ خراب ہے جو سائنس اور سماج سے مغز پچی کرے۔ میں نے پوچھا" کیا آپ بمبئی جا رہی ہیں؟"
" جی ہاں!"
"آپ آئے کہاں سے۔"؟
" گنگا نگر سے۔"
" کہاں گنگا نگر راجستھان کے صحرا میں اور کہاں بمبئی۔ جہاں خوبصورتی عیاشی اور۔"
" غریبی۔ تنگ حالی۔ فٹ پاتھ اور گندی بستیوں میں سوتے والے ننگے جسم۔" اُس نے میری بات کاٹ کر مکمل کر دی۔
" گنگا نگر میں۔؟"
" میرا مائیکا ہے اور بمبئی میں اِن کے ماں باپ۔ اِنکا وہاں بہت بڑا بزنس ہے لاکھوں اور کروڑوں کا۔"
" بزنس کس بات کا۔؟"
" آپ پوچھئے کس بات کا نہیں۔ یہ چار بھائی ہیں۔ یہ تیسرے درجے پر ہیں۔ سب کا کام ساجھا ہے۔"
" کام کیا کرتے ہیں۔؟"
" ایک شرط پر بتاؤنگی پہلے آپ بتائیے آپ کون ہیں اور کہاں کس مقصد سے جا رہے ہیں۔ کہاں کے رہنے والے ہیں اور کام کیا کرتے ہیں؟"
" ارے آپنے تو انٹرویو کے سارے سوال ایکدم پوچھ لئے۔ سُنئے۔"
" فرمائیے۔"
" میرا نام سُندھیر ہے۔ میں سرکاری کالج مٹنڈہ میں فزکس کا پروفیسر ہوں۔ اٹارسی تک آپ کے ساتھ جاؤنگا پھر وہاں سے گاڑی تبدیل کر کے سیر یا اور پھر سیر یا سے پچمڑھی بذریعہ بس۔"
رینو کا جواب سُنکر مطمئن ہو گئی کہ یہ شخص خطرناک نہیں محض ایک اُستاد ہے۔ قوم کا معمار جس کیلئے کتابوں میں بہت جگہ ہے۔ پر فریب کے اشتہار ہیں۔ لیکن شاید ہی زندگی بنا اس کیلئے کوئی گنجائش نہیں۔ یہ سب شاید اُس نے اسلئے پوچھا کہ میں کہیں انٹی کرپشن (ANTI CORRUPTION) ڈیپارٹمنٹ سے تعلق نہ رکھتا ہوں۔
" میرا خیال ہے آپ کو جواب مل گیا۔"
" تو لیجئے سُنئے یہ چاروں بھائی نقلی مال بناتے ہیں جو چیز بازار میں اچھی مشہور ہو جائے یہ اسکی نقل بنا کر بیچنا شروع کر دیتے ہیں جیسے کریم، پاؤڈر، لپ اسٹک، ٹوتھ پیسٹ، سگریٹ وغیرہ وغیرہ یہی نہیں بلکہ اِنکے ہاں نقلی بنتا ہے اور اصلی کے روپ میں بکتا ہے۔ ہندوستانی کپڑے پر بدیشی مہریں۔ گھٹیا کپڑے پر بڑھیا کو ملی کے لیبل لگا کر بیچنا بھی اِن کا دھندہ ہے۔"
رینو کا نے کھڑی ہو کر ایک نگاہ اپنے آدمی اور بچے پر ڈالی۔ اُس نے دیکھا دونوں سو رہے ہیں۔ میں چند لمحات خاموشی سے سوچنے لگا کہ " یہ آزاد دیش اور آزاد قوم کا لہو چوسنے والی جونکیں جنکی رگوں میں دوڑتے لہو میں غریب کے خون کی ملاوٹ صاف یہ دکھائی دیتی ہے۔"
"آپ اسقدر ایکدم سنجیدہ اور خاموش کیوں ہو گئے۔؟"
" کچھ نہیں یونہی ماں باپ اور بچوں کا خیال آ گیا تھا۔"
" ماں باپ اور بچے!! تو کیا آپ شادی شدہ ہیں۔؟"
" ہاں شریمتی جی میں تین بچوں کا باپ ہوں۔ پیار سے ان کو چھوڑ کر گھر آیا ہوں۔ محبت سے بھرپور مجسمہ تھا میری بیوی اور ننھے کھلتے گلاب کے مہکتے تین پھول میرے بچے۔"
رینو کا کو یہ سُن کر ایسا محسوس ہوا جیسے زمین اس کے پاؤں کے نیچے سے سرکتی جا رہی ہو۔ وہ سوچ میں پڑ گئی ایک رنگ اسکے چہرے پر آتا اور دوسرا جاتا۔ میں نے اس کی سنجیدگی کو بھانپتے ہوئے کہا
" مسز رینو کا آپ ایکدم سنجیدہ کیوں ہو گئیں؟"
" مجھے کچھ یاد آ گیا۔"
" شاید کوئی گمبھیر بات۔"
" ہاں ایک عورت کی زندگی ایسی باتوں سے پُر ہوتی ہے۔ لیکن پہلے یہ بتائیے کسی کام سے جا رہے ہیں؟"
" آپکو پتہ ہوگا کہ یہ ہل اسٹیشن ہے۔ یہاں پر کہانی کار اور افسانہ نگاروں کی ایک کانفرنس میں شرکت کرنے جا رہا ہوں۔"

"بیوی اور بچوں کو بھی ساتھ لے جاتے ...؟"

"ہم سبھی پچھلے دنوں شملہ ہو کر آئے ہیں وہاں خوب انجوئے کیا۔ اپنی چھوٹی سی حسین دنیا تھی۔ کہو تو تمہیں پھر بھی ساتھ لے چلتے ہیں۔"

"بیچارہ پروفیسر صاحب میں اور ..." اس نے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور پھر بولی۔ "ویرانے بہاروں کے حقدار نہیں ہوتے"

"یہ تو ایک بے تکی بات آپ نے کہہ دی۔"

"بے تکی بات آپ کے لئے ہوگی میرے لئے نہیں۔ کہئے آپکی بیوی تو اچھی ہے؟"

"ہاں بہت اچھی ہے۔ اور پھر بیوی کی تعریف ہمارا فرض اولین ہے۔ کیونکہ وہ اس تعریف کی حقدار بھی ہے۔"

"کاش ہماری بھی کوئی ایسی تعریف کردے۔"

"تعریف! ہاں منہ پر کرنا اچھا نہیں۔"

"میرے شوہر صاحب بزنس میں اتنے مصروف رہتے ہیں کہ ان کے پاس اتنا وقت نہیں کہ بہاریں ہماری زندگی میں لے آئیں لے دے کے ایک بچہ ہے پیسہ ہے، زیور ہے۔ کھانے کو سب کچھ ہے لیکن خوشی نہیں۔ وقت نہیں کہ دو گھڑی پیار سے باتیں کر سکیں۔ فرصت میں نیند پوری کرنا اور سا تھ بھی کھانا یہی ان کا کام ہے شادی ہوئی میرے ماں باپ کا سارا گھر بطور جہیز سمیٹ کر لے گئے۔ کیونکہ انہیں پیسے سے غرض تھی۔"

شاید رینو کا آج دل کا بوجھ ہلکا کرنا چاہتی تھی وہ کہتی رہی

"اتنا پیسہ ہونے کے باوجود بھی پرلے درجے کے کنجوس۔ دیکھ لیا آپ نے آگرہ اسٹیشن پر ان کا حال۔"

"مسز رینو کا اگر گستاخی معاف ہو تو ایک بات کہوں مسٹر جنیش تمہارے شوہر ہیں۔"

"لیکن مسٹر شدھیر اگر یہ شوہر ہیں تو میں بیوی ہوں میرا اس ماحول میں دم گھٹتا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ اس جیل کی آہنی سلاخوں کو توڑ کر آزاد ہو جاؤں اور ... شدھیر محبت کی بارش کے بغیر انسانی زندگی سنگلاخ زمین کی مانند بنجر اور ویران ہو جاتی ہے۔"

میں خاموش رہا کیونکہ میرے پاس اس کا ایک ہی جواب تھا جسے رینو کا سننے کو شاید تیار نہیں تھی۔

"آپ کی بیوی کی پسند ...؟"

"بہت سادہ طبیعت عورت ہے جو دے دو پہن لیتی ہے لیکن رینو کا میں ایک غریب استاد ہوں۔ میری تنخواہ سے صرف گھر کا خرچ ہی چلتا ہے۔ زیور اس کے پاس اتنے نہیں۔ لیکن پھر بھی خوش ہے مجھے جھمکے بہت اچھے لگتے ہیں نینا کے لئے میں بنوا کر دوں گا۔ دیکھیں کب یہ تمنا پوری ہوتی ہے۔" یہ کہہ کر چپ ہو گیا۔ ننکو کے رونے کی آواز سن کر رینو کا نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"یہ بھی پوری ہو جائے گی۔"

اس نے فوراً روتے ہوئے بچے کو سنبھال لیا۔ شام کے ساڑھے چھ بج چکے تھے۔ گاڑی بینا اسٹیشن پر رک گئی۔ اس کا آدمی برتھ سے اتر آیا۔ رینو کا نے اس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"بچے کو کھانے کے لئے کچھ بسکٹ وغیرہ لا دو اور دیکھو اس کے دودھ کے لئے گرم پانی بھی لیتے آنا۔"

میں نے گفتگو بند کر دی یہ سوچ کر کہ شوہر کی موجودگی میں اسکی بیوی سے زیادہ گھل مل کر باتیں کرنا اچھا نہیں پھر وہ بھی نیچے ہی آ کر بیٹھ گیا۔

"آپ نے نیند کی ساری کسر پوری کر دی۔"

"جی ہاں تھکاوٹ بہت تھی اور پھر ہمارا بزنس کا کام ہی ایسا ہے" میں تھوڑی دیر باہر چلا گیا اور گرم چائے کا ایک کپ پی کر جلد لوٹ آیا اور گاڑی چل دی۔

"اگر آپ نیچے بیٹھیں گے تو میں ذرا اوپر آرام کر لوں۔"

"ضرور صاحب بڑے شوق سے ... لیکن آپ کی ٹانگ کا وہ درد اور زخم ..."

"ہاں ہاں وہ تو ہے کوئی بات نہیں۔ میں کوشش کر کے چڑھ جاؤں گا۔"

میں چاہتا تھا کہ تھوڑی دیر آرام کر لوں لیکن اب رینو کا اسکا حسن اور بے بس زندگی الجھے دھاگوں کی طرح میرے دماغ پر اس طرح مسلط ہو چکے تھے کہ انہیں دماغ سے نکالنا میرے لئے ناممکن ہو گیا۔ میں نے کہا جب اٹارسی آئے مجھے جگا دینا۔ نہ جانے اس خیالات کے تانے بانے میں مجھے کب نیند آ گئی جب ساڑھے دس بجے تو مسٹر جنیش نے مجھے جگا دیا۔ میں نے اٹھ کر اپنا سامان سنبھالا اور نیچے والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ کھڑکی کی طرف مسٹر جنیش تھے درمیان میں رینو کا اسطرف میں۔ اٹارسی آنے والا

میرے دل کو کچھ محسوس ہونے لگا۔ رینو کا بھی اُداس ہو گئی۔
جونہی انارسی اسٹیشن پر گاڑی رُکی مجھے احساس ہونے لگا جیسے میرے دل کی دھڑکن بھی رُک جائے گی۔

"رنجی آپ ذرا میرے لئے ٹھنڈا پانی تو لا دیجئے میرا گلا خشک ہو رہا ہے" رنجیش ایکدم اُٹھ کر چلا گیا۔ میں نے اپنا سامان اُتارا کچھ دیر رینو کا سے باتیں کرتا رہا۔ رینو کا کھڑکی کے ساتھ لگ کر ٹکٹکی باندھے مجھے دیکھ رہی تھی۔ میں نے دیکھا اُس کی حسین آنکھوں میں آنسو تھے جیسے کہہ رہی ہو "مجھے اس قید سے آزاد کرا لو جھمکے پسند ہیں نا۔ میں تمہارے لئے جھمکے پہنوں گی تمہیں بنوانے کی ضرورت نہیں بس مجھے لے چلو۔ تمہارے لوگ میرے لوگ ہونگے۔ اگر مجھے لے جانے سے مجبور ہو تو یہ جھمکے لے جاؤ اپنی نیتا کو پہنا کر اپنی تمنا پوری کر لینا۔"

لیکن میرے ہونٹ ہلنے سے مجبور تھے مہرِ سکوت دونوں کے لبوں پر تھی۔ میں دل ہی دل میں سوچ رہا تھا۔

"رینو کا میں اگر تمہیں ان آہنی سلاخوں سے آزاد کر کے لے جاؤں اس جیل کا داروغہ تمہارا شوہر سرکاری پولیس میری بیوی بچے اور بھیانک مستقبل!"

اتنے میں گاڑی نے وسل دی اور چل پڑی۔ رنجیش چلتی گاڑی میں بھاگ کر پانی کی بوتل ہاتھ میں تھامے سوار ہو گیا۔

رینو کا نے وہ رُومال جو وہ کافی دیر سے اپنے ہاتھ میں تھامے ہوئے تھی میرے پاؤں میں پھینک دیا۔

"شدھیر صاحب نمستے" رنجیش نے چلتی گاڑی سے پکارا اور اپنا منہ اندر کر لیا لیکن رینو کا اپنی نرم و نازک ٹھوڑی کھڑکی کے نیچے حصے پر ٹکائے آنسوؤں کے طوفان کو صبر کا بند لگائے بدستور میری طرف دیکھے جا رہی تھی۔ اچانک گلاب کی پتیوں جیسے نرم و نازک ہونٹ پھڑپھڑائے اور نیند سے بوجھل پلکوں سے دو آنسو نکل کر اُسکے چمپئی رخساروں سے ڈھلکتے ہوئے پلیٹ فارم پر گر کر پارہ پارہ ہو گئے اور پلیٹ فارم کی دھول میں بکھر گئے۔ میں نے پاؤں میں گرے ہوئے رُومال کو اُٹھایا تو اس میں وہی جھمکے جو کل رات رینو کا نے پہنے ہوئے تھے۔ میرے ہاتھوں میں کانپ رہے تھے۔

بقیہ صفحہ ۳۹

دل کا بوجھ ہلکا ہوا تو وہ کمرے سے باہر آئی۔ لمبا برآمدہ عبور کرنے کے بعد اُس کا کمرہ آتا تھا۔ وہ تیزی سے آگے بڑھی لیکن اُس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا اور ستون سے ٹکرا کر گر پڑی اُس کے سر میں شدید چوٹ آئی تھی۔ اور اب وہ زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا تھی۔ سارے [illegible] ہاتھ پاؤں شل ہو رہے تھے۔ کتنی عجیب بات تھی اتنے [illegible] کے باوجود وہ خطرے سے باہر نہیں تھی۔

دفعتاً کسی کے قدموں کی آہٹ سے زرین نے آنکھیں کھولیں سامنے نواب صاحب کے ساتھ مُرجھایا سا چہرہ لئے سہیل کھڑے تھے۔ سہیل! ایک کانٹا دل میں اُبھرا اور اسکے چہرے پر وحشت [illegible] گئی۔

"زرین میری بیٹی مجھ سے رُوٹھ کر نہ جاؤ مجھے معاف کر دو" نواب صاحب بچوں کی طرح بلک رہے تھے۔

"سہیل! واپس بلا لو اسے ہمارے لئے دُلہن لا چکے ہیں" ممتا کی آواز آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی تھی۔

"زرین" سہیل نے بڑھ کر اس کا بے جان ہاتھ تھام لیا۔

"مجھے چھوڑ کر نہ جاؤ..... تمہیں میری قسم......

زرین..... زرین....."

زرین کے چہرے کا رنگ بدل رہا تھا۔ آنکھیں مُوندی جا رہی تھیں۔

زرین.... زرین...... سہیل بیتاب ہو کر چلائے۔

"سہیل..." اس کی آواز ٹوٹ گئی۔

سانس بہت دھیمی چل رہی تھی۔

"دیکھ کیا رہے ہو..... کلام مجید..... لاؤ..........

.......وہ.... دم...... توڑ..... رہی ہے" چچا کی آواز آنسوؤں میں بھیگی ہوئی تھی۔

"نہیں [illegible] نواب [illegible] بیگم صاحبہ ٹھنڈی [illegible] بیہوش ہو گئیں سہیل [illegible] کی طرح [illegible] سر مار رہے تھے...... [illegible]

......مجھے...... تو معاف...... کرتی جاؤ.. [illegible]

کسک

[illegible] عائشہ

آج صبح پھر بھائی جان خوب زور زور سے چلّا رہے تھے غصّے کی شدت سے اُن کی آواز کانپ رہی تھی اور اُنکے مُنہ سے جو الفاظ نکل رہے تھے وہ کچھ بے معنی سے لگ رہے تھے پھر وہ اپنا سارا غصّہ بے زبان صحن پر نکالتے ہوئے اپنے آفس میں چلے گئے۔

جب بھائی جان چلے گئے تو میں اپنے کمرے سے باہر نکلا صحن پر چائے بہہ رہی تھی اور بھابھی جان خاموشی سے سر جھکائے پیالی اور طشتری کے بکھرے ہوئے ٹکڑوں کو چُن رہی تھیں میں نے دیکھا اُن کے چہرے پر کسی قسم کا تاثر نہیں تھا۔

میں چُپ چاپ اپنے کمرے میں چلا آیا۔ بات کوئی خاص نہیں تھی بلکہ بہت چھوٹی سی تھی وہ یہ کہ بھابھی جان کو کتابیں پڑھنے کا جنون کی حد تک شوق تھا۔ آج پھر شاید کسی کتاب میں غرق ہو گئی ہونگی اور چائے میں چینی ڈالنی بھول گئی ہونگی اس چائے میں چینی کا نہ ہونا تھا کہ اس کی وجہ سے بھائی جان بپھر گئے تھے اور بے چاری پیالی طشتری کا سیٹ فریاد کرتے ہوئے صحن پر بکھر گیا تھا۔

ہماری بھابھی جان کو یہ ہر وقت کتابیں پڑھنے کا روگ پتہ نہیں کہاں سے لگ گیا تھا۔ جب بھی انھیں دیکھئے ان کے ہاتھ میں ایک نہ ایک کتاب ضرور دکھائی دے گی چاہے وہ کھانا بنا رہی ہوں چاہے مجھے کو کھلا رہی ہوں۔ ناشتہ کی میز پر بیٹھی ہوتیں تو ان کے ایک ہاتھ میں ایک کتاب ہوتی اور دوسرے ہاتھ سے وہ ناشتہ کر رہی ہوتیں۔

بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو کسی خاص موضوع کی کتابیں ہی پڑھنی پسند کرتے ہیں مگر ہماری بھابھی جان ان عیب سے پاک ہیں۔ اُن کے پاس ہر موضوع کی کتابیں نظر آتی ہیں چاہے وہ جاسوسی ہو، رومانی، ادبی ہو یا چاہے کسی کی سوانح عمری ہو کوئی فلسفہ ہو یا چھوٹے چھوٹے بچوں کی چھوٹی چھوٹی پیاری کتابیں ہوں، سائنس کی ہو یا مذہب کی اور اس سے ان کو کوئی مطلب نہیں ہے کہ وہ کس مذہب کی کتاب ہے یہاں تک کہ فلسفہ اور نفسیات جیسی خشک موضوع کی کتابیں بھی ان کو اتنی ہی پسند ہیں جتنی جاسوسی۔

اسی شوق نے ایک دن ان کی ٹکر بھائی جان سے پبلک لائبریری میں کروا دی تھی اور آج وہ ہماری بھابھی ہیں۔ چلئے میں آپ کو بھائی جان اور بھابھی جان کی شادی کا ایڈونچر بھی سنا دوں۔ یہ میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ ان دونوں کے بارے میں جتنا میں جانتا ہوں اتنا شاید ہی کوئی اور جانتا ہوگا۔

اس دن انھوں نے اپنی ایک سہیلی سے کرشن چندر کی نو شائع شدہ کتاب "چاندی کا گھاؤ" کے بارے میں سنا، بس سننا تھا کہ ان کے ہوش و حواس پر بجلی گر پڑی۔ نئی کتاب ان کے ہاتھ میں آنے سے پہلے کسی اور کے ہاتھوں میں چلی گئی۔ ان کے لئے بڑے افسوس کی بات تھی ورنہ انھوں نے تو اس بات کا ریکارڈ ہی قائم کر دیا کہ کوئی نئی کتاب شائع ہوتی تو سب سے پہلے ان ہی کے ہاتھ میں دیکھی جاتی۔ بے چاری اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا کر رہ گئیں سہ پہر انھوں نے اپنی ساری سہیلیوں کو ساتھ لیا اور پہنچی بک اسٹال۔ مگر بدقسمتی سے وہ کتاب ملی ہی نہیں۔ اب تو وہ اور پریشان ہوئیں اور ہر ایک بک اسٹال چھان مارا مگر یہ کتاب نہ ملی جس سہیلی نے ان سے کہا تھا وہ تو کام کا بہانہ بنا کر اپنے گھر چلی گئی۔ مگر یہ بچاری بے چین ہوتی رہیں۔

ہر جگہ سے تھک ہار کر وہ گھر واپس ہوئیں۔ ان کا چہرہ اس جواری کی طرح لگ رہا تھا جس نے اپنا سب کچھ جوئے میں ہار دیا ہو۔ مگر ہماری ہمت ور بھابھی پھر بھی ہار ماننے کے لئے تیار نہیں تھیں۔ شام کو پھر اپنی ایک درجن سہیلیوں کے ساتھ پہنچی پبلک لائبریری۔

ہائے! وہ شام بھابھی جان کی سہیلیوں کا کہنا ہے کہ ایسی شامیں زندگی میں بہت ہی کم آتی ہیں۔ آسمان میں شفق

بھا پھولی ہوئی تھی جیسے موسم بہار میں گل مہر کہیں کہیں پر
کالے کالے بادل بالکل بھابھی جان کی پریشان زلفوں کی طرح
آسمان میں بکھرے ہوئے تھے۔ ہوائیں بھابھی جان کی چال کی
طرح ٹھیک خرام تھیں۔

کوئی اور دن ہوتا تو بھابھی جان اپنی سہیلیوں کو ضرور
ہی ٹی پارٹی دے دیتیں۔ مگر وہ تو کسی اور ہی دھن میں تھیں۔
سیدھی لائبریرین کے پاس پہنچیں۔ کتاب کا نام بتا کر مانگا تو پہلے
لائبریرین چونکا۔ مگر پھر اس نے مسکراتے ہوئے کہا:۔

"آپ کو کیسے معلوم ہو گیا؟ یہ کتاب تو آج ہی آئی ہے
مگر آپ نے آنے میں دیر کر دی۔ یہ ناول ابھی ابھی ایک وجے
نام کے صاحب لے گئے۔"

اب بھابھی جان کو معلوم ہوا کہ ان کی سہیلی نے اُن سے
جھوٹ کہا تھا۔

وہ تیزی سے باہر کی طرف لپکیں۔ اندھا دھند سیڑھیاں
اترتے ہوئے وہ ایک صاحب سے ٹکرا گئیں۔ ان صاحب کے
ہاتھ سے ایک کتاب چھوٹ کر جا گری۔ سرورق پر نظر پڑتے ہی
بھابھی نے لپک کر اسے اٹھا لیا۔ مگر پھر وہ شرما گئیں۔

شرماتے ہوئے انھوں نے کہا: "دیکھئے! میں اس کتاب
کے لئے صبح سے پریشان تھی میری ایک جھوٹی سہیلی نے کہا کہ
اسے وہ پڑھ چکی ہے۔ یہ سنتا تھا کہ میں صحرا میں بھٹکے ہوئے
پیاسے کی طرح ہر جگہ اس کو تلاش کرتی رہی۔ مگر یہ ملی بھی تو
دوسرے کے ہاتھ میں۔"

ان کا دل نہیں چاہ رہا تھا کہ وہ اس کو واپس کر دیں۔
بڑی مشکل سے انھوں نے واپس کیا۔

ان کے کتاب پڑھنے کے جنون کو دیکھ کر اس نوجوان نے
کہا:۔ "سنئے! آپ یہ کتاب لے جا سکتی ہیں۔ میری چھوٹی بہن نے
اسے منگوایا تھا۔ میں اس سے کہہ دوں گا کہ دو تین دن کے بعد
وہ کتاب آئے گی تب تک آپ اسے پڑھ کر مجھے اسی جگہ پر واپس
کر دیجئے گا۔"

بھابھی جان کو یوں لگا کہ جیسے انھیں خزانہ مل گیا ہو
انھوں نے جلدی سے اُن کے ہاتھ سے کتاب لے لی۔ شاید

انھیں ... [illegible]
نہ دے۔ گھبراہٹ میں وہ شکریہ ادا کرنا بھی بھول گئیں اور
تیزی سے اپنی سہیلیوں کے جھرمٹ میں جا کر گم ہو گئیں۔ ان کی
کھنکتی ہوئی ہنسی میں وہ شخص ڈوبتا ابھرتا رہ گیا۔

تین دن کے بعد اسی جگہ جا کر انھوں نے ان کی کتاب واپس
کر دی اور شکریہ کچھ ایسے انداز میں ادا کیا جیسے اُن پر اس نے
کوئی بہت بڑا احسان کیا ہو۔ وجے نے مسکراتے ہوئے کہا: "اگر
میں پوری لائبریری کو اپنے گھر لے جاؤں تو آپ کو کوئی اعتراض
تو نہ ہوگا۔" بھابھی جان نے مسکراتے ہوئے کہا: "کوشش کر کے
دیکھئے۔" اور اپنی سہیلیوں کے ساتھ آگے بڑھ گئیں۔ اس چھوٹے سے
جملے کو مسکراتے ہوئے انھوں نے کئی لوگوں کے جواب میں کہا تھا
ہر بار انھوں نے مذاق ہی کہا تھا۔ مگر انھیں کیا معلوم تھا کہ اس
جملے کی پوری کر لی جائے گی یا دھر بھابھی جان لکھتی۔ اسے
پاس کیا اُدھر جھٹ منگنی پٹ بیاہ۔" اس کہاوت کو میں نے
سنا اور پڑھا تو ہزاروں بار تھا مگر پورا ہوتے ہوئے میں نے
اسی دن دیکھا۔

شادی کے بعد بھی ان کے پڑھنے کی رفتار میں کوئی کمی نہیں
ہوئی۔ سب لوگ دھیرے دھیرے ان کی اس عادت کے عادی
ہو گئے۔ مگر کسی کام میں انھوں نے کبھی کو کوئی شکایت نہیں
دی تھی۔ گھر کا ہر کام دل لگا کر کرتی تھیں۔ پہلے تو لوگوں نے
سوچا کہ جلد ہی یہ عادت ختم ہو جائے گی۔ مگر ان کی اس عادت
نے تو جیسے انھیں کے ساتھ ہی جنم لیا تھا۔

آج وہ دو بچوں کی ماں ہیں۔ مگر آج بھی وہ کالج کی ایک
طالبہ ہی نظر آتی ہیں۔ اور ہاں اب تو موضوعات میں ایک اضافہ
اور ہو گیا ہے۔ "بچوں کی صحیح پرورش کیسے کریں؟" ان کی اس عادت
سے نقصان سوائے بھائی جان کے کسی کو بھی نہیں ہوتا ہے۔
اتفاق سے یا بدقسمتی سے اگر وہ بھائی جان کو چائے بغیر چینی
کے یا بہت زیادہ چینی ڈال کر دے دیتی ہیں۔

بھائی جان کے سیکڑوں بار سمجھانے پر بھی ان کے مزاج میں
کوئی فرق نہیں آیا۔ حالانکہ بھابھی جان بہت سلیقہ مند، خوش
اور خوش گفتار ہیں۔ صورت شکل میں بھی بری نہیں۔ دیکھنے میں بھی

شاعری حسین غزل نظر آتی ہیں۔ مگر بھابھی ایک بات ہے جسے وہ اپنا چھپا نہیں چھپڑا پا رہی ہیں۔ یہ مرض شاید ٹی۔ بی کے مرض کی طرح دن بدن بڑھتا ہی جا رہا ہے۔

مگر آج کل بھابھی جان نے پڑھنا کم کر دیا ہے۔ خالی وقت میں بھی ایک دو رسالہ پڑھتی ہیں یا اخبار ایک نظر دیکھ لیتی ہیں۔ اب بھائی جان بھی بہت خوش نظر آتے ہیں۔ بھابھی جان بھی ویسی ہی ہنستی مسکراتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں مگر میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ وہ ہمیشہ تڑپتی رہتی ہیں۔ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی ان کے دل میں ایک کسک رہتی ہے۔ انھیں تو دنیا کی ہر خوشی نصیب ہے مگر انھیں پھر بھی کسی چیز کی کمی ستاتی رہتی ہے اکثر میں نے انھیں آنسو بہاتے ہوئے بھی دیکھا ہے مگر سب کے سامنے وہ وہی پرانی بھابھی نظر آتی ہیں۔ ہنستی، مسکراتی جھومتی، گاتی۔ سب سے چھیڑ چھاڑ کرتی ہوئی ہماری پیاری بھابھی۔ کبھی مجھے بھی تنگ کرنے آجاتی ہیں۔ پھر بعد میں دخل اندازی کرنے کے جرم میں معافی بھی مانگ لیتی ہیں۔ جب میں لڑکھڑا کر ان کی طرف دیکھتا ہوں تو پیار سے میرے سر پر چپت لگا کر کھلکھلاتی ہوئی چلی جاتی ہیں۔ میں اُن کے پیار بھرے چپت کھانے کے بعد خوش ہو جاتا ہوں۔ مگر پھر بھی بھائی جان اکیلے میں اندر ہی اندر کڑھتی رہتی ہیں۔

دروازے میں داخل ہوتے ہی بھائی جان نے خوشی سے چلاتے ہوئے بھابھی جان کو للکارا اور دھڑ دھڑاتے ہوئے کمرے میں داخل ہو گئے۔ بھابھی جان ہڑبڑا کر اٹھیں اور جھٹکے سے اُن کے ہاتھ سے آج کا اخبار گر پڑا۔ بھائی جان کو یوں محسوس ہوا جیسے انھیں بجلی کا شاک لگ گیا ہو۔ اخبار کے اندر اس مہینے کے مخصوص ناول کا نیا شمارہ تھا۔ بھائی جان کے ہاتھ سے ترقی کا لیبل اور مٹھائی کا پیکٹ چھوٹ گیا۔ اُن کی آنکھیں ناول کے چمکتے ہوئے سرورق پر ٹھہر گئیں اور بھابھی جان گھبراہٹ، ندامت اور شرم کے ملے جلے تاثرات کو اپنے چہرے پہ لئے کبھی پیکٹ کو دیکھتیں تو کبھی لیبل کو۔

اپنی اپنی باتیں

میرا نام حمیدہ بانو ہے مگر گھر میں حمیا کے نام سے پکاری جاتی ہوں میرے والد کا نام حسین بھائی ہے جو سیاسی حلقوں میں عزت و احترام سے یاد کیے جاتے ہیں میرا مائیکہ خدا کے فضل و کرم سے ایک خوشحال گھرانا ہے اور ہر کھاتا پیتا گھرانہ چاہتا ہے کہ اس کی بیٹی کسی بڑے گھر میں بیاہی جائے مگر میرے والدین اس فرسودہ روایت سے متفق نہیں ہیں۔ وہ یہ جانتے ہیں کہ لڑکا اگر اچھا محنتی اور اچھی نیتی کا ہوگا تو اپنی بیوی اور بچے کو آسودہ رکھ سکے گا۔ لہٰذا میری شادی جناب عبدالرؤف صاحب آرزو سے کر دی گئی جو ایک ریسٹورنٹ میں ملازم ہیں مگر میرے شوہر میں جو خوبیاں ہیں وہ میرے جہاں دیدہ والدین کی نظروں میں سما گئیں اور انھوں نے اسی میں میری بھلائی دیکھی۔ یہ ایک اتفاق تھا یا خدا کا کرم سمجھئے کہ میرے شوہر بھی میرے والدین کی طرح روشن خیال اور فرسودہ روایات کے خلاف ثابت ہوئے۔ اور انھوں نے دان جہیز وغیرہ کا رتی بھر بھی لالچ نہ کیا۔ گو میرے والدین نے کسی طرح کی بھی کمی محسوس ہونے نہ دی مگر عبدالرؤف آرزو بھی چشم سیر اور فراخ دل نکلے اور انھوں نے مجھے دنیا کی ہر چیز پر ترجیح دی۔ اور شادی کے بعد میں اپنی خوش نصیبی پر رشک کرتی ہوں کہ مجھے رؤف جیسا شوہر ملا۔ میں ایک پڑھی لکھی اور روشن خیال لڑکی ہوں بیشتر فرسودہ روایات۔ جادو ٹونا، عملیات اور ڈھونگی مجاوروں سے دلی نفرت کرتی ہوں۔

میری تعلیم گجراتی زبان ہی میں ہوئی۔ مگر اردو میں نے پرائیویٹ ٹیوشن سے پڑھی اور خدا کے فضل سے اب اردو میں خوب لکھ پڑھ سکتی ہوں اور رام لال کرشن چندر، عصمت چغتائی کی افسانوی تخلیقات میری پسندیدہ ہیں۔ اور اچھے شعراء کا کلام پسند کرتی ہوں۔ لطیفے سننے اور سنانے کا شوق جنون کی حد تک ہے۔ اور سیکڑوں ایسے لطیفے یاد ہیں کہ جن کے سنتے ہی مردہ بھی ہنسنے لگے طبیعت چنچل ہے اسلئے اکثر سہیلیوں سے شوخی اور ہنسی مذاق سے پیش آتی ہوں۔

والد صاحب کی سیاسی مصروفیات کا دھیان رکھتی ہوں اور کبھی کبھی اپنی سیاسی قیاس آرائیوں سے انھیں پریشان بھی کر دیتی ہوں جس پر پیار بھری ڈانٹ کھا کر لطف اندوز ہوتی ہوں۔

شمع ہند میرے لئے کوئی نیا ماہنامہ نہیں ہے میرے شوہر ایک عرصے سے اس کے مستقل خریدار ہیں۔ شعر و شاعری سے کیونکہ والہانہ لگاؤ ہے اس لئے اپنے اس ذوق کی تکمیل کے لئے ملک بھر میں شمع ہند سے بہتر کسی جریدہ کو

چپکے سے بہار آجائے

رفاقت شاہ

راشدہ کچن میں چائے کے برتن سمیٹ رہی تھی کہ اسے امّی او پاپا کی زور زور سے باتیں کرنے کی آوازیں سُنائی دیں۔ اُس نے کوئی توجہ نہیں دینی چاہی لیکن اُس کا دماغ بار بار اُسی طرف مبذول ہو جاتا۔ آخر اُس سے ضبط نہ ہو سکا۔ وہ ممّی اور پاپا کی باتیں سُننے کے لئے بے چین ہو گئی اور وہ دروازے کی اوٹ میں چھپ کر دونوں کی باتیں سُننے لگی۔

پاپا ممّی سے کہہ رہے تھے "لڑکا بہت ہی اچھا ہے تعلیم یافتہ ہے۔ اُس میں کسی بات کی کمی نہیں ہے۔ لاکھوں میں ایک ہے خوبصورت اور سیرت کے اعتبار سے بھی۔ ہماری راشدہ بیٹی راج کرے گی راج!" ممّی گم سُم سی بیٹھی رہیں۔ اُنکی آنکھوں میں آنسو بھی آگئے۔ وہ کہنے لگیں "میری ایک ہی تو بیٹی ہے اُس کے لئے میرے دل میں کیا کیا ارمان تھے، کیا کیا سوچ رکھا تھا لیکن آپ ہیں کہ اس کا جلد سے جلد بیاہ کرنے پر تُل گئے ہیں۔"

"ارے بھئی اتفاق سے بہت اچھا لڑکا مل گیا ہے وہ اسے ساتھ انگلینڈ بھی لے جانا چاہتا ہے اور تمہیں کیا چاہیئے۔"

راشدہ نے جب بات کا موضوع خود ہی کو بنا ہوا دیکھا تو چپکے سے وہاں سے کھسک لی اور اپنے کمرے میں آکر تکئے میں منہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اس کو اپنی بے بسی پر رونا آرہا تھا۔ اُسے اپنا ماضی بھی گھومتا نظر آیا۔ وہ ایک ایک پل یاد آنے لگا جو اس نے جاوید کی قربت میں گزارے تھے۔ وہ من ہی من میں جاوید کے ساتھ باتیں کرنے لگی۔

"جاوید، تم کہاں چلے گئے؟ مجھے تنہا چھوڑ کر! دیکھو میں کتنی بے بس ہو گئی ہوں میری زندگی قفس میں پھنسے ایک پرندے کی مانند ہو گئی ہے کہ میں کچھ کر ہی نہیں سکتی۔ اتنے سنگدل نہ بنو جاوید..... تمہیں میری قسم جاوید جلد چلے آؤ۔ دیکھو میں تمہارے انتظار میں کب سے آنکھیں بچھائے تمہاری راہ دیکھ رہی ہوں۔" تکئے کو اس نے مضبوطی سے اپنی باہوں میں جکڑ لیا اور اسی طرح روتے روتے وہ سو گئی۔ خواب میں اس نے جاوید کو اپنے سرہانے کھڑا پایا۔ وہ مسکرا رہا تھا اور کہہ رہا تھا۔ "دیکھو راشدہ میں آگیا ہوں۔ اب تمہیں مجھ سے کوئی جُدا نہیں کرسکتا۔ تمہاری پکار مجھ تک پہنچ گئی اور میں پر لگا کر تم تک پہنچ گیا!"..... وہ بھی نیند میں مسکرانے لگی اور تب اُس کی آنکھ کھل گئی۔ آنکھ کھلنے پر اُسے کمرے میں کوئی بھی دکھائی نہ دیا۔ وہ خواب ہی تو تھا اُسے ایک ایک کرکے ساری باتیں یاد آنے لگیں۔ کس طرح وہ جاوید کی تصویر سے باتیں کرتے ہوئے سو گئی تھی وہ تصویر ابھی تک اُس کے سینے پر پڑی مسکرا رہی تھی۔

شام ہو گئی تھی ٹھنڈی ہوائیں دماغ کو سکون بخش رہی تھیں لیکن وہ دوپہر کی ساری باتیں یاد کرکے بے چین ہو رہی تھی وہ باغ آئی اور نڈھال ہو کر ایک بنچ پر بیٹھ گئی اُس کا دماغ برابر سوچے ہی جا رہا تھا۔ ایک پل بھی اُسے سکون میسر نہ تھا وہ سوچے جا رہی تھی اگر جاوید نہ آیا تو وہ کسی اور کی ہو جائے گی۔ اس لئے جو ایک خوبصورت محل تیار کیا تھا وہ ایک پل میں مٹی کا ڈھیر ہو جائیگا۔ نہیں نہیں وہ ایسا کبھی نہیں ہونے دے گی وہ اپنے پیار کو اس طرح رُسوا ہوتے نہیں دیکھ سکتی۔ اُسے ایک چکر سا آگیا اور وہ بنچ پر لیٹ گئی اور آنکھیں بند کر لیں۔ اُسے اپنی آنکھوں کے سامنے اپنا ماضی رقص کرتا ہوا نظر آیا۔

کالج میں اُس کا پہلا دن تھا۔ دوسرے لڑکوں کی فقرے بازی کو نظر انداز کرتے ہوئے وہ کلاس روم کی طرف بڑھ گئی۔ کلاس میں داخل ہوتے ہی کئی متلاشی نگاہیں ایک ساتھ اس کی طرف اُٹھ گئیں۔ وہ ان سب کی نظروں سے بچتے بچاتے پیچھے جا کر بیٹھ گئی۔ پیریڈ شروع ہونے میں ابھی کافی وقت تھا۔ اس نے کلاس روم کا جائزہ لینا شروع کیا۔ اُسے ایسا لگا کہ دو آنکھیں برابر اسے گھورے جا رہی ہیں اس نے دائیں طرف ایک نگاہ ڈالی۔ نگاہیں ملتے ہی وہ شرم سے دوہری ہو گئی..... لیکن نہ جانے ان آنکھوں میں کیا کشش تھی کہ وہ دوبارہ اُدھر دیکھے بغیر نہ رہ سکی وہ خود بخود اس جانب کسی انجانی کشش کے تحت اُس طرف کھنچتی چلی گئی۔ پیریڈ کب شروع ہوا اور کب ختم ہوا اسے تو اس کی کچھ خبر ہی نہ تھی۔ وہ تو کسی اور ہی چیز کا مزہ لے رہی تھی..... کچھ لڑکوں کے قہقہوں کی آواز اس کے کانوں تک

پہنچی تو وہ چونک پڑی کی اور اپنا سر ہوش... کتابیں سمیٹ کر کلاس روم کے باہر آ گئی..... گیٹ پر پہنچ کر وہ ایک منٹ کے لئے رُک گئی اور پیچھے مُڑ کر دیکھنا چاہا تو اب بھی وہی آنکھیں اس کا تعاقب کر رہی تھیں..... یہ کیسی بیقراری دونوں کے دلوں میں تھی..... راشدہ کا سینہ تو دھک دھک کر رہا تھا اور وہ اپنے دل میں ایک میٹھی سی چبھن سی محسوس کر رہی تھی۔

وہ کسی طرح خود کو گھسیٹتی ہوئی سی بس اسٹاپ تک پہنچ گئی۔ شدتِ جذبات کی وجہ سے کبھی کبھار پیچھے مڑ کر بھی دیکھ لیتی تھی۔

وہ روز کالج میں ملتے اور آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کو اپنا پیغام پہنچا دیتے۔ اس طرح ان کی خاموش محبت کے دیپ جلنے لگے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے بغیر ادھورے تھے۔ ایک پل بھی انکو قرار نہ تھا۔ کالج کے بعد وہ کسی پارک میں چلے جاتے اور پیار کے گیت سے سارا چمن جھومنے لگتا۔

سالانہ امتحان شروع ہو گیا۔ لیکن ان کے پیار میں کسی طرح کی کمی نہ آئی وہ جیون بھر ساتھ نبھانے کی قسمیں بھی کھاتے رہے آخری پیپر سے فارغ ہو کر ہر ایک دوسرے سے مل رہا تھا۔ ہر کسی کو ایک دوسرے سے بچھڑنے کا غم تھا اور وہ دونوں بھی ایک دوسرے سے الوداع ہو رہے تھے۔ راشدہ تو کتنا روئی تھی اسکے بغیر تو اسے اب ایک منٹ بھی ایک سال کے برابر لگنے لگا..... اس نے جاوید سے قسم کھائی تھی کہ جب تک وہ نہ آجائے گا وہ اسکا انتظار کرتی رہیگی چاہے صدیاں ہی کیوں نہ بیت جائیں..... اس نے جاوید سے یہ بھی تو کہا تھا جاوید تم ایک مرد ہو۔ ہو سکتا ہے تم مجھے بھول بھی جاؤ۔ لیکن میں ایک عورت ہوں۔ عورت ایک بار کسی کو اپنے من مندر میں بسا لیتی ہے تو پھر اسی کو پوجتی رہتی ہے۔ کسی اور کے بارے میں سوچنے کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتی۔" اس طرح دو دل ایک دوسرے سے رخصت ہو گئے۔

آج جبکہ پورے دو برس گزر چکے ہیں جاوید کا کہیں پتہ نہیں ہے روتے روتے اسکی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ پڑوس کی سہیلی نازو کب سے اسے پکار رہی تھی اور پکارتے پکارتے اسی کے گھر میں آ گئی تھی نازو نے اسے اس طرح روتے دیکھا تو وہ تعجب میں پڑ گئی کہ آخر معاملہ کیا ہے۔ راشدہ کے دل کو ایک اور زبردست دھکا لگا اور وہ اس کے گلے لگ کر زور زور سے رونے لگی..... نازو سے اپنی پیاری سہیلی کی یہ حالت دیکھی نہ گئی اسکی بھی آنکھیں نم ہو گئیں اور وہ اسے چپ کرانے لگی جب راشدہ کا من رونے سے کچھ ہلکا ہو گیا تو اس نے سوچا چلو یہ سب کچھ نازو کو بتا دوں تب اس نے وہ سب روداد اس سے کہہ ڈالی جو اس پر بیت چکی تھی..... نازو اپنی سہیلی کے اس بھولے پن پر مسکرا دی۔ بولی ہت پگلی اتنی سی بات پر رونے لگی تھی! اس نے تو تجھے بھلا بھی دیا ہوگا اور تو ہے کہ اسکی یاد کو سینے سے لگائے بیٹھی ہے۔ چل امّی ڈیڈی تجھے کب سے بلا رہے ہیں۔ انھوں نے مجھے بھی ایک کام سونپا ہے پہلے تم بھلا تو بتاؤں گی؟ بیچاری راشدہ کچھ نہ سمجھنے کے انداز میں اسے گھورنے لگی۔ وہ ایسے مذاق کے لئے تیار نہ تھی۔ اس کا دل پھر رونے کو چاہا نازو نے دیکھا اب وہ پھر رو دے گی تو جلدی سے اسے بتانے لگی "اچھا بابا مٹھائی بعد میں کھلا دینا ابھی میرے ساتھ تو چل میں تمہیں تمہارے ہونے والے دولہے کی صورت دکھاؤں بیچارہ کب سے اندر بیٹھا ہے آدھ گھنٹے سے۔ وہ تمہارا انتظار کر رہا ہے"۔ راشدہ انکار کرتی رہی لیکن وہ اسے زبردستی گھسیٹ کر کمرے تک لے آئی جس میں وہ بیٹھا تھا۔ نازو نے اسے پردے کے پیچھے لے جا کر کھڑا کر دیا اور ذرا سا پردہ کھسکا کر اس سے کہا "اچھی طرح سے دیکھ لے بعد میں کچھ مت کہنا"...... راشدہ کو شرم آ رہی تھی۔ اس نے جیسے ہی پردہ کے پیچھے سے جھانکا تو وہ گھبرا کر اپنے کمرے میں بھاگ گئی۔ راشدہ اپنے پلنگ پر جا کر لیٹ گئی اور اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ نازو بھی اس کے پیچھے بھاگتی ہوئی پہنچی حیران ہو کر پوچھنے لگی "کیا ہوا!! تو بھاگ کیوں آئی" تو راشدہ نے اسے گلے سے لگا کر مسکراتے ہوئے کہا "نازو جس کے لئے میں آنا روئی آنا تڑپی تھی وہی آج اس کے گھر پہنچ گیا ہے اپنے آپ"!

پھر اس نے جاوید کی تصویر اسے دکھا کر پوچھا "دیکھ یہ وہی ہے نا"!

مترجم مثنوی مولانا روم

قاضی سجاد حسین صاحب کا احسان ہے کہ انھوں نے تراجم کی دنیا کیسے بدل دی

قیمت چالیس روپے

ملنے کا پتہ:- ماہنامہ شان ہند

فلیٹ ۱۲ انصاری مارکیٹ۔ دریا گنج۔ نئی دہلی نمبر ۱۱۰۰۰۲

جلتا پھول

[illegible] پروین [illegible]

جھونپڑی سے کھانسی کی مسلسل آواز آ رہی تھی۔ راجو اپنے بوڑھے باپ کے سرہانے فکر کا پتلا بنا بیٹھا تھا اس کی تکلیف کو محسوس کر رہا تھا۔ راجو کا باپ دمے کا مریض تھا۔ کئی دن سے معمولی دوا بھی خریدنے کے لائق نہیں رہا تھا دس سال کا راجو اس کی کیا سیوا کر سکتا تھا۔ ٹوٹے ہوئے بانسوں سے تنی ہوئی یہ خستہ جھونپڑی میں بوڑھے نے سردی سے بچنے کے لئے جب کمبل تانا تو آسمان اُسے صاف دکھائی دینے لگا اور کمبل کی پھیکی اُسے اس غضب ناک سردی سے محفوظ نہ رکھ سکتی تھی لیکن کمبل اور جھونپڑی غریبی کے اس عالم میں اُس کے لئے تنکے کا سہارا بنے ہوئے تھے۔

اس نے زندگی کے پچاس سال چلچلاتی دھوپ اور سردیاں موسلا دھار بارش اور طوفانوں میں گزار دیئے تھے۔ لیکن اس وقت اس کے جسم میں خون کی گرمی تھی اور اب ہڈیوں کی مالا بن جانے کے بعد وہ اس پریشانی کو کیسے برداشت کر سکتا تھا۔ پھر اس کے ساتھ اب راجو بھی تھا جو بھوک کی وجہ سے جب تڑپتا تو اس کی سانسیں اکھڑنے لگتیں۔ خود دن میں دو روٹی کھا کر رہ جاتا تھا۔ راجو باپ کی اس حالت پر تڑپا۔ وہ کچھ حاصل کرنے جھونپڑی سے باہر آیا۔ اس امید پر کہ شاید کچھ دن میں اسے قدرت سے کچھ لے کر واپس لوٹے۔ ابھی وہ دو چار فرلانگ ہی چلا تھا کہ اس کی نظر ایک خوانچے والے پر جا پڑی جس کے پاس کچھ لوگ جمع ہو کر ناشتہ کر رہے تھے۔ راجو کی بھوک نے اُسے تڑپا دیا وہ للچائی نظروں سے ان لوگوں کو دیکھتا رہا۔ بھوک کی تیزی اُسے تڑپا رہی تھی اس نے خود کو روکا۔ لیکن چونکہ وہ اپنی جھونپڑی سے کچھ لینے نکلا تھا اس لئے بے اختیار ان لوگوں کے قریب پہنچا اور ان سے بھیک مانگنے کے انداز میں کہا

"بابا میں بھی بھوکا ہوں۔ مجھے بھی کچھ دے دو۔"

[illegible] نے حسب عادت کتے کی طرح جھڑک دیا۔ لیکن ان میں

موجود ایک [illegible] کے ہاتھ میں دس پیسے کا سکہ تھما دیا اس وقت راجو کو ایسا محسوس ہوا کہ گویا اس کا [illegible] گیا ہے۔ اس سکے کی چمک نے اس کی آنکھوں میں [illegible] وہ سوچ رہا دنیا میں اگر کوئی چیز ہے تو یہ سکے۔ یہ دولت کتنی طاقت ہے اس میں۔ اس نے سوچا اس طاقت کو حاصل کیا جائے اس سوچ میں وہ تھوڑی دیر کے لئے بھوک کو بھی بھول گیا [illegible]

"راجو [illegible]"

اس آواز نے اس کے خواب کو [illegible]

وہ بیت کے [illegible] بیٹھا تھا۔

"کیا ہے؟" اس نے گھبرا کر پوچھا۔

"تیرا باپ دم توڑ رہا ہے۔"

راجو کے [illegible]

جس نے تھوڑی دیر پہلے [illegible]

وہ اپنی جھونپڑی کی طرف لپکا۔ اب [illegible] نشانی نہیں دی [illegible] باپ کے [illegible] چاروں طرف سناٹا [illegible] یہ بات آئی تھی۔ لیکن [illegible] اس کے باپ کی آخری رسوم میں شریک [illegible] تھوڑی دیر کے لئے محسوس کیا کہ وہ اس [illegible] کہاں ہے [illegible] کے ساتھ ہیں۔ [illegible] کیا تھا۔ [illegible]

اس کے باپ کی ارتھی تیار ہوئی۔ رواج کے مطابق ایک [illegible] کے [illegible] دیکھ کر [illegible] راجو کی خواہش نے جنم لیا تھا۔ [illegible] موت نے اس کی ساری خواہشات کا گلا گھونٹ دیا تھا [illegible] بھوک کا [illegible]

ہماچل پردیش میں

۲۰ نکاتی پروگرام

پورے بھارت میں ہماچل پردیش ہی وہ پہلا پردیش ہے

جہاں ہر بے زمین کاشتکار کو پانچ بیگھے کاشتی زمین

دی گئی ہے اور ہر دیہی بے گھر شخص کو مکان بنانے کیلئے

ایک سو مربع گز زمین دی گئی ہے۔

ہماچل لوک سمپرک

الوداع میرے حسین ماضی

کوثر نصرت

۱۲ جنوری!

ہائے سوئیٹ نازو! آنے والی صبح کی پہلی کرن کا سلام لو۔

تم حیران ہو گی کہ آج فرحین نے تمہیں کیسے یاد کر لیا! تو نازو جان، بھلا تم بھی کوئی بھلا دینے والی چیز ہو! نا ممکن ۔۔۔!!

ہاں یہ اور بات ہے کہ آج میں اپنے پیارے وطن کو خیر باد کہنے والی ہوں تو تمہاری یاد اس شدت سے آ رہی ہے کہ میں اپنے آپ کو بے خود سا محسوس کر رہی ہوں۔ اس وقت رات کے تین بجے ہیں اور ٹھیک چھ بجے ہمارا پلین چلا جائے گا۔ اب سے صرف تین گھنٹے بعد میں تم سے ہزاروں میل دور کناڈا کے لیے پرواز کروں گی!۔ اف! یہ سوچ رہی ہوں کہ تم سے جا رہی ہوں! لیکن اس کے ساتھ ساتھ میں خوش بھی ہوں نازو، کہ میری زندگی 'عرشی' بھی میرے ساتھ ہے۔ آج نہ جانے کیوں میں بہت بے چین ہوں۔ تم حیران ہو رہی ہو گی کہ فرحین اور ۔۔۔ بے چین! ہاں میری پیاری نازو یہ بالکل سچ ہے۔ تم میری عزیز ترین دوست ہو۔ لیکن مجھے افسوس ہے کہ میں تمہیں کبھی اپنا ہمراز نہ بنا سکی۔ دیکھو ناراض نہیں ہونا لو اب بھی تو صرف تمہیں ہی اپنی زندگی کی کچھ انمول اور حسین یادیں دیئے جا رہی ہوں! انہیں سنبھال کر رکھنا۔ شاید زندگی کے کسی موڑ پر تمہیں اپنی فرحین کی یاد آ جائے تو انہیں پڑھ لینا! اور کیا لکھوں عرشی اس وقت سو رہے ہیں وہ بھی شام سے بہت اداس سے ہیں ۔۔۔ اپنے ماں باپ کو چھوڑتے ہوئے کون اداس نہ ہو گا لیکن مجھے دیکھو میرا تو یہاں کوئی بھی نہیں! پھر بھی ایک الگ سا دکھ ہے نازو ڈیئر کہ میں اپنا سب کچھ یہیں چھوڑے جا رہی ہوں۔ اچھا میں تو بس اپنی ہی کہتی چلی جا رہی ہوں تم بھی تو کچھ کہو!

تمہیں کبھی نہ بھلانے والی

تمہاری اپنی

فرحین

[illegible] مئی!

کہ میں بہت خوش ہوں بہت خوش ۔۔۔ آج کا دن میری زندگی کا [illegible] یادگار دن ہے۔ میں فرسٹ ڈویژن سے میٹرک پاس ہو گئی ہوں۔ اور آج ہی سے میں نے ڈائری لکھنی شروع کی ہے۔ خدا کرے اس ڈائری کے خالی صفحات پر میں ہمیشہ خوشیاں ہی بکھیرتی رہوں!

۲۵ مئی ۔۔۔ ڈائری لکھنا بڑا ہی اچھا لگتا ہے۔ دن بھر کی بکھری ہوئی مصروفیتوں کو سمیٹ کر جب میں اپنی اس ننھی سی پیاری سی ڈائری میں بند کر دیتی ہوں تو بڑا اچھا لگتا ہے!

۲۹ مئی ۔۔۔ کئی دنوں بعد ڈائری لکھ رہی ہوں آج کا دن بہت بور گزرا۔ بھیا آج دہلی گئے ہیں شاید آٹھ دن بعد آئیں۔

۱۴ جون ۔۔۔ اے خدا جانے یہ آج کل مجھے کیا ہوتا جا رہا ہے دل کچھ بے چین بے چین سا ہے! خیالات کچھ بہکے بہکے سے رہتے ہیں! ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ کہتے ہیں سولہواں سال [illegible] زندگی کی پہلی منزل ہوتی ہے۔ اس کی پہلی بہار [illegible] ایسا ہی ہو!

۲۱ جون ۔۔۔ آج کل میں اپنے آپ کو [illegible] ہوں۔ بھیا [illegible] بھی [illegible] ہے نہیں! ۔۔۔ تم اتنی بھولی بھالی [illegible] میرے بھیا کو ہنس کر ٹال دیا۔

۲۶ جون ۔۔۔ آج صبح ہی کتنا عجیب سا [illegible] حیران ہوں کہ آج میرا دل کیوں بہک رہا ہے؟ [illegible] سے میری آنکھ ایک دم کھل گئی۔ صبح پانچ بجے کے [illegible] ابھی جاگنے جا [illegible] جلدی سے اٹھی [illegible] میٹھی نیند سے [illegible] ٹوٹ رہا ہے۔ نیند میں ڈوبی ہوئی [illegible] میرا گر گئی۔ [illegible] اپنا ہاتھ [illegible] پیچھے ہٹ گئی۔ [illegible] پیچھے جاوید تھے۔

۳ جولائی ۔۔۔ [illegible] مزا آ رہا ہے۔ جاوید کے آ جانے سے [illegible]

[illegible] جاوید سے گہری دوستی ہے جو بہت پہلے جاوید یونیورسٹی میں [illegible] پڑھتی ہیں اتنی جلدی دوست [illegible] گئے ہیں لیکن —
جانے کیوں [illegible] ان سے بے تکلف [illegible]۔

[illegible] ———— کچھ دنوں مصروفیت ڈائری بھی نہ لکھ [illegible] جشن کا سلسلہ تھا خدا کا شکر ہے کہ میری پینٹنگ [illegible] لگ گیا چند دن گھبرائی گھبرائی سی رہی۔ لیکن بہت جلد [illegible] دوست نازو سے ملاقات ہوئی جو اب دوستی کے بقول [illegible] نازو بڑی پیاری دوست ہے۔ دن بھر کالج میں مصروف [illegible] لائبریری سے ایک پولیٹیکل سائنس کی کتاب لائی ہوں۔

[illegible] ———— شام کو کالج سے آتے ہی معلوم ہوا کہ انجم خالہ آئی ہوئی ہیں۔ دل میں ایک انجانی سی خوشی ہوئی۔ رات امی نے بتایا کہ [illegible] انجم خالہ کے [illegible] الگ گھر میں رہیں گے۔ جانے کیوں میں اداس سی ہو گئی [illegible] جاوید اسی شہر میں تو رہیں گے — لیکن —
[illegible] رہا ہے مجھے! — کہیں!!

[illegible] ———— آج انجم خالہ اور جاوید چلے گئے اور جاتے [illegible] وعدہ لیا کہ میں ان کے گھر ضرور جاؤں گی اور تبھی میری [illegible] جاوید اپنی دلکش مسکراہٹ سے مجھے دیکھ رہے تھے۔

[illegible] ———— دو دن بھی بیتے چلے جا رہے ہیں گھر سے کالج اور [illegible] جاوید [illegible] آئے [illegible] مارننگ شو [illegible] پہنچ سکی۔

[illegible] ———— آج کالج سے آتے ہی معلوم ہوا عامر بھائی آئے [illegible] بھیا کے عزیز ترین دوست ہیں جو پورے تین سال بعد [illegible] ڈرائنگ روم قہقہوں سے گونج رہا تھا میں [illegible] کیوں نہ ہوتی عامر بھائی بہا سے گھر کے [illegible] تھے جب وہ امریکہ جا رہے تھے تو میں کتنا پھوٹ [illegible] عامر بھائی نے جاتے جاتے بھی شرارت سے میرے بال [illegible] شاید میں اپنے [illegible] اس وقت میں مسکرا بھی نہ سکی تھی اور [illegible] بھائی بھی تو اچانک [illegible] میری چوٹیاں [illegible] بازوؤں پر جھک گئی تھی۔

پھر جب ڈرائنگ روم کا بھاری پردہ اٹھا کر میں اندر داخل ہوئی۔ تو اچانک میرے بڑھتے ہوئے قدم ایک سے گئے [illegible] گئے تھے عامر بھائی۔ شریف و سنجیدہ اور صوفے سے بھی ہو گئے تھے وہ پہلے کی طرح سے عامر بھائی کھو گئے تھے لیکن ان کی عادتیں وہی شوخ شوخ سی تھیں — احمر بھیا کی آواز پر وہ چونک کر مڑے اور جلدی سے کھڑے ہو گئے۔ بھیا نے تعجب سے انہیں کہا ارے عامر یہ تو — تو کتنی حیران حیران سی نظروں سے پہلے مجھے پھر بھیا کو دیکھنے لگے۔ اور پھر بالکل پہلے سے انداز میں بال پکڑنے بڑھے تھے کہ اچانک میں گھبرا کر پیچھے ہٹ گئی اور وہ جز بز سے ہو گئے ان کی اس حرکت پر امی اور بھیا کا ہلکا سا ایک قہقہہ گونج اٹھا اور جھینپتے ہوئے عامر صرف "بدھو" کہہ کر بیٹھ گئے۔

اور جب میں ڈرائنگ روم سے واپس ہوئی تو انجانی سی کیسی خوشی سے میں پھولی نہ سما رہی تھی — ہائے یہ کیسے جذبات ہیں!

۵ ستمبر ———— اف میں یہ کیا سوچ رہی ہوں — یا اللہ یہ کیسے جذبات ہیں — یہ کیسے احساسات ہیں۔ یہ کیسی بے چینیاں ہیں — کوئی تو سمجھائے —!

۱۷ ستمبر ———— آج مسلسل کئی راتوں سے جاگ رہی ہوں کیسے کیسے عجیب خیالات آ رہے ہیں مجھے۔ جاوید کہتے تھے میں دیوانی سی ہوتی جا رہی ہوں — جی چاہتا ہے کہ جاوید بیٹھے رہیں۔ باتیں کرتے رہیں۔ اور جب بھی جاوید مسکرا کر میری طرف دیکھتے ہیں تو میرا دل کتنی تیزی سے دھڑکنے لگتا ہے — میری آنکھیں بھاری بھاری ہو کر جھک جاتی ہیں۔ اور نہ چاہتے ہوئے بھی میں وہاں سے کھسک آتی ہوں۔ لیکن یہ خواہش ویسی ہی ہے کہ جاوید کسی طرح پھر سامنے آ جائے اور — اور پھر یہی خیالات یہی احساسات — یہی خواہش عامر کے آنے پر بھی تو ہوتی ہے —

۵ مارچ ———— ہائے اللہ! — کل سے امتحان ہے۔ نازو کے نوٹس پڑھ رہی ہوں یہ نازو آجکل میری ذہنی الجھن کو اچھی طرح سمجھ رہی ہے — میں کیسے کہوں اسے — نہیں اپنی پیاری سہیلی سے بھی یہ راز چھپانا ہو گا مجھے۔

۱۵ مارچ ———— آج کئی دنوں کے بعد سکون کی سانس لی۔ نازو سوئٹ کی کوشش سے میں کسی قدر سنبھل گئی — اور خدا کے فضل سے سارے پرچے بہت اچھے ہو گئے — شاید پاس ہو جاؤں۔

۲۵ مارچ ———— [illegible]

سے مجھی اتنی تکلیف نہیں ملی اور ایک اور بھی تو ہوتی ہے جس سے ملنے کیلئے
دل بے چین ہے ۔۔۔ دو باتوں سے طبیعت پریشان ۔۔۔ گھبرائی
گھبرائی سی ہے ۔۔۔ وجہ! شاید وہی جاگتے سپنے ۔۔۔!!

۲۰ مئی ۔۔۔ کل ایک عجیب سا حادثہ ہو گیا اور جس خیال سے آج
کئی مہینوں سے دور بھاگنا چاہتی تھی وہی آج پوری شدت سے بیدار ہو گیا۔
شام کو احمر بھیا اور ذیشان عرشی کے ساتھ بیٹھی کیرم کھیل رہی تھی
عامر آ گئے ۔۔۔ اور بالکل اتفاق ہوا کہ اسی وقت جاوید بھی آ گئے تو محفل
اور بھی پُرلطف اور رنگین سی ہو گئی ۔ خوب باتیں ہوئیں سب ملکر [illegible]
کھیلتے رہے ۔۔۔ اسی طرح شام ڈھلنے لگی تو عامر نے جانے کی اجازت مانگی۔
اور جانے کیوں میں اداس سی ہو گئی ۔۔۔ بے اختیار عامر کا ہاتھ تھام لیا ۔۔۔
"بیٹھئے نا عامر بھائی اتنی جلدی بھی کیا ہے ۔۔۔" اور عرشی کے اصرار پر
عامر رک گئے ۔ تب ہی میری نگاہیں اٹھیں جاوید کچھ عجیب نظروں سے مجھے
دیکھ رہے تھے ۔۔۔ میں سمجھ نہ سکی ان نگاہوں میں کیا ہے ۔۔۔ مگر تاش کی دو
ایک گیم کھیلتے ہی جاوید اٹھ گئے اور اچانک میں پریشان سی ہو گئی ۔۔۔
جاوید کہیں چلے نہ جائیں ۔ دل بے چین سا ہو گیا اور جب احمر بھیا کے
بے حد اصرار کے باوجود وہ نہ رکے تو ۔۔۔ جاوید پلیز ابھی نہ جائیے ۔۔۔ میں بہت
کچھ کہنا چاہتی تھی اپنی نظروں سے ۔۔۔ اپنی زبان سے لیکن کچھ بھی نہ کہہ سکی

۲۵ مئی ۔۔۔ کل سوتے میں جب میں سپنا دیکھتے ہوئے
جاوید کو منانے کی کوشش کی تو اچانک میرے سامنے ایک اور خوبرو چہرہ
آ گیا ۔ عامر ۔۔۔ اپنی پوری دلکش شخصیت لئے کھڑے تھے ۔۔۔ اور کل کی
بیقرار رات میں یہ نہ جان سکی کہ میں کس کو چاہتی ہوں ۔۔۔ یہ مجھے کیا ہو جاتا
ہے ۔ ایسا کیوں محسوس ہوتا ہے ۔۔۔ جیسے یہ دونوں میرے اپنے ہیں ۔ ان کے
بغیر میں رہ نہیں سکتی ۔۔۔ اوہ یہ سب بکواس ہے ۔۔۔ لیکن پھر کیا ہوں۔
نہیں ۔۔۔ نہیں ۔۔۔ ! نہیں !!

۲۹ مئی ۔۔۔ کتنے خوبصورت لذت آمیز سے ہیں یہ جذبات
۔۔۔ یہ احساسات ۔۔۔ لیکن جذبوں کا کیا نام ہو سکتا ہے ۔ شاید یہ [illegible]

۱۴ جون ۔۔۔ آج کے دن ایک نئی خبر سنی جا رہی ہے ۔ کسی ارشد صاحب
کے پیغام کا انتظار ہے۔

۱۵ جون ۔۔۔ گھر میں خوب گہما گہمی ہے ۔۔۔ بھابی کہہ رہی تھیں
کہ آج [illegible] دیکھنے آ رہے ہیں [illegible] نجانے لوگوں یہ [illegible]
[illegible] کا ساتھ نبھانا چاہتی ہیں پتہ نہیں کب ختم ہو گی یہ [illegible]

سے ! بھابی سے بہت پوچھنے کے لئے دل تڑپا ۔ زبان پہ [illegible]
مگر بھابی سے کچھ بھی تو نہ کہہ سکی ۔ کیسا بھی تو کیا تھا ! کاش کوئی کہہ دے
بھابی سے عامر ۔۔۔ یا ۔۔۔ جاوید کا ۔۔۔!!

۲۱ جون ۔۔۔ اے میرے پروردگار مجھے سکون دے ۔۔۔
اپنی زندگی کی کشتی کو جسے سونپتی ہوں بھٹک تو نہیں جائے گی [illegible]

۲۵ جون ۔۔۔ ارشد صاحب کے گھر والوں کی طرف سے پیغام
کافی آگے بڑھ گئی ہے ۔ جی چاہتا ہے جاوید سے سب کچھ کہہ دوں ۔۔۔ یا عامر
ہی کچھ جان لے۔

۴ جولائی ۔۔۔ آخر میں نے جاگتے سپنے چھوڑ دئیے ۔۔۔ آج
میری منگنی ہے ۔۔۔ منگنی کی رسم کے بعد ڈریسنگ ٹیبل پر عامر [illegible]
اچانک میرے دل کی دھڑکنیں تیز سی ہو گئیں ۔ شاید اب ۔۔۔ اب
عامر کچھ کہے ۔۔۔ دل میں خوشی کی لہر دوڑ گئی ۔۔۔ [illegible]
احساس کچھ ایسی تیزی سے ہوا کہ میری آنکھیں بھر آئیں [illegible]
سے میں نے عامر کی طرف دیکھا تو ہونٹ تھرتھرا کر رہ گئے [illegible]
[illegible] بے ساختہ مسکراہٹ کو روکنا پڑا ۔ عامر اشارے سے [illegible]
نقل بتا رہے تھے ۔ جو جلدی جلدی کھانا کھا رہے تھے۔
پتہ نہیں یہ کیسے آنسو ہیں ۔۔۔ جو خاموشی سے میری [illegible]

۱۵ جولائی ۔۔۔ کل میں ایک نئی زندگی میں قدم رکھ [illegible]
آج دل چاہ رہا ہے کہ بہت کچھ لکھوں مگر دماغ [illegible]
ہے کیسے لکھوں ؟ کیسے بتاؤں گی ؟ ہاں اپنی اس ڈائری [illegible]
کو ضرور اپنے ساتھ رکھوں گی۔

۴ اگست ۔۔۔ آج کئی دنوں بعد میں [illegible]
بے حد خوش ہوں ۔۔۔ بے حد سوئٹ تازہ [illegible]
! اس خاموشی سے یہ زندگی کتنی حسین کتنی دلکش [illegible]
جاوید یہ کیسے جذبات ہیں جن میں جھرنوں کی گنگناہٹ [illegible]
کیسے احساسات تھے جو بے چین کئے دیتے تھے جو اپنے دل [illegible]
میں چھپے ہوئے ۔ ان سرگوشیوں کو میں خود ہی مسکرا کر [illegible]
تاریکی [illegible] ختم ہو جاتی تھی ۔۔۔ کتنے خوبصورت اچھوتے تھے وہ دن ۔۔۔
اپنی آپ بیتیوں کے بیچ گزار رہے ہوئے ۔۔۔ جب میں [illegible]
قدم رکھ [illegible] تو یہ دن کچھ اور یادگار ہو گئے ۔۔۔ پھر [illegible]
شریر [illegible] نکل آیا اور اپنے ساتھ میرے دل کی بے چینیوں [illegible]

قاصر تھی پھر عارف کے محبت بھرے خطوط آنے لگے جو زندگی کی سانسوں کو آگے بڑھانے کیلئے کافی تھے..... اور پھر ایک دن نہ جانے کسطرح ایک خط ماں کے.... ہاتھ لگ گیا اور بس قیامت آگئی۔ وہ وہ ستم توڑے گئے کہ آج بھی یاد کرتی ہوں تو کانپ جاتی ہوں۔ ڈیڈی نے پہلی مرتبہ ہاتھ اٹھایا اور میں اسی رات اسقدر پھوٹ پھوٹ کر روئی کہ تکیہ آنسوؤں سے تر ہو گیا..... رہ رہ کر ماں یاد آ رہی تھی اور کوئی آنسو خشک کرنیوالا نہ تھا..... فیصلہ صادر کر دیا گیا کہ بہت جلد شادی کر دی جائیگی اور پھر میں نے بھی فیصلہ کر لیا۔ دوسری رات میں نے گھر چھوڑ دیا۔ اسوقت میرے ہوش و حواس ٹھیک تھے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کہاں جاؤں اور کیا کروں! مجھے کون سہارا دیگا عارف مجھ سے کوسوں دور تھا اسکے والدین کو بھی کچھ نہیں بتا سکتی تھی میرا سر چکرا رہا تھا کہ آپ کی کار کے بریک نے مجھے چو نکا دیا اور میں نے موت سے منہ موڑنا مناسب نہیں سمجھا۔ میں اپنی جگہ سے نہیں ہٹی اور آپکی لاکھ کوششوں کے باوجود میرا ایکسیڈنٹ ہو گیا۔ موت تو نہیں آئی مگر اپنی دونوں ٹانگوں سے ہاتھ دھو بیٹھی۔ کاش کہ موت ہی آجاتی تاکہ آپ پر بوجھ نہ بنتی....."

"نہیں شبانہ، آپ کی کہانی سن کر دل تو یہی چاہتا ہے کہ آپکا یہ بوجھ میں زندگی بھر اپنے کاندھوں پر اٹھاؤں اور اسے میں اپنی خوش نصیبی سمجھوں گا کہ آپ مجھے اس بات کی اجازت دیں....." وقت کے دھارے انسان کو کہاں سے کہاں پہنچا دیتے ہیں وہ سوچتا کچھ اور ہے کچھ اور جاتا ہے۔ اب دیکھئے نا میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ میں ایکدن اتنا بڑا ڈاکٹر بن جاؤنگا۔ ایک چھوٹے سے گاؤں میں پل کر جوان ہونے والا جہاں تعلیم ہے نہ روپیہ صرف محنت کے بل پر آج آپکے سامنے ہوں۔ میرا مزاج اور ذہن ہمیشہ کسی نہ کسی اونچے آئیڈیل کے متعلق سوچتا رہتا تھا۔ میری بچپن سے تمنا تھی کہ میں بڑا ہو کر ایسا کوئی پیشہ اختیار کروں جس سے دوسروں کو فائدہ پہنچ سکے۔ ملک و قوم کی خدمت کر سکوں شروع میں میرا رجحان فوج میں شامل ہونے کا تھا مگر اپنے والدین کا بہت زیادہ چہیتا تھا اور انکے خیال میں فوج میں شامل ہونا موت کے منہ میں جانے کے برابر تھا بزار اصرار کے باوجود وہ لوگ تیار نہیں ہوئے۔ آخر ہار کر میں نے ڈاکٹری پڑھنے کا ارادہ کر لیا۔ لیکن تعلیم کے اخراجات انکی بساط سے باہر تھے لیکن چونکہ میں شروع سے محنتی اور ذہین طالب علم تھا اسلئے مجھے اسکالرشپ ملا کرتی

[illegible]

تھی پھر میں مزید تعلیم کیلئے بمبئی چلا آیا۔ اجنبی ماحول، اجنبی لوگ۔ مشینی زندگی۔ ایک کہرام۔ بھیڑ بھاڑ سے میں جلد اکتا گیا۔ لیکن میں نے اپنے آپ کو سمجھایا۔ ہمت سے کام لیا اور تعلیم جاری رکھی اور ترقی کرتا گیا۔ ایم بی بی ایس ہو جانے کے بعد اپنے ایک ہمدرد دوست سے کچھ قرض لیکر ڈسپنسری (Dispensary) کھول لی اور آج میں ہر طرح سے آسودہ ہوں۔ والدین کو شہری زندگی پسند نہیں۔ وہ آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔ اب تو انکے تقاضے بھی بڑھ گئے ہیں۔ لیکن میرے لاکھ منع کرنے کے باوجود بھی وہ شادی کے لئے [illegible] ہیں انکار اور اقرار میں اتنے دن گزر گئے لیکن آپ کو پا کر ایسا لگتا ہے کہ اقرار کرنا ہی پڑے گا۔ لیکن آپ کے اقرار کرنے کے بعد"

"مسٹر عرفان کیوں آپ کسی بے سہارا لڑکی کا مذاق اڑانے پہ تلے ہوئے ہیں کیا آپ کے والدین ایک لنگڑی لڑکی کو سویکار کر سکیں گے جسکے کوئی آگے پیچھے نہ ہو۔"

"مس شبانہ مصائب زمانہ سہتے ہیں۔ لیکن ہم تنہا اس کا مقابلہ کرنے والے ہیں۔ یہ دنیا ایک نقارہ ہے تمہیں جینے نہ دے گی۔ میں تمہاری مانگیں واپس لا دونگا اور تمہیں نئی زندگی دونگا تم میری زندگی میں بہار بن کر آئی ہو خدا را اسے مذاق نہ بناؤ۔ تمہارے بغیر اب میری زندگی ادھوری ہے۔ شبانہ مجھے اپنا لو ہم دونوں گاڑی کے دو پہیے ہیں جن کے بغیر زندگی کی گاڑی آگے نہیں بڑھ سکتی ہم دونوں ایک دوسرے کے سکھ دکھ بانٹ لیں گے۔ میں دنیا کی تمام خوشیاں تمہارے قدموں میں ڈال دونگا اور پھر تمہیں پانے کے بعد مجھے ناز ہوگا۔ میں فخر سے اپنی شریک حیات کا نام لونگا۔ بولو شبانہ..... جواب دو..... میری ہر سانس تمہارے جواب کی طلبگار ہے میں نے آج دل کی بات تم سے کہی۔ جسے میں ایک عرصے سے چھپاتا آیا ہوں۔ راتوں کو سونا دشوار کر دیا۔ دل میں نہ جانے کتنے وہم و گمان کو پیدا ہوتے دیکھا۔ آج بڑی مشکل سے ہمت کر کے اپنے دل کی بات زبان پر لاتے ہوئے میں نے کئی مرحلوں کو طے کیا۔ لیکن کامیابی آج ہی ہوئی....."

"مسٹر عرفان ایک بار آپ پھر سوچ لیجئے۔ میری بدنصیبی کہیں پچھتانا نہ پڑ جائے۔ اس لئے بندھن باندھنے سے پہلے اپنے دامن کو اس آگ میں جلنے سے بچائیے۔"

(بقیہ صفحہ ۶۲ پر)

Marriage Parties and Special Occasions

make them memorable at

eldorado

or

STARLIT

at

Hotel Ranjit

Orchestra & Cabaret

New Delhi Phone 7958

or

Amidst the Splendour of Roses

at

Rumble

(Open air drive in restaurant)

★ ★ ★ ★ ★

these are all

Kishan Lal

ENTERPRISES

CEMBER-75 PHONE : 278880 REGD. NO. D-(D) 370

THE SHAN—E—HIND MONTHLY, NEW DELHI-110002

KHAWATEEN NUMBER

REGD. WITH THE REGISTRAR OF NEWS PAPERS AT R. No. 644/57

NASREEN ETAWI

Z. B. NIKHAT
SHAJAPURI

SHANSHAH BANO
"FARHAT"
AJMER

HAMIDA BANO
BARODA

TAHIRA NAQVI
BOMBAY

ONLY TITLE PRINTED AT M. S. PRINTERS, DARYA GANJ, DELHI